

مجله



کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت رکھتی۔
 طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی اختیار کی جائے۔
 پتھر کی چھپائی میں معذور رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔
 اردو کی سب سے پہلی حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں جن میں اہلکار
 چھپتا ہے۔ اور عربی کا پہلی خط نسخ وہ ہے جس میں سطرین کنبوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
 دونوں میں سے جیسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے زبان کو جات دلائیں
 براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیو : یاد رکھیں کہ
 طباعت کا مسئلہ آج زبان کی ترقی کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ جسکی حل کے بغیر
 تمام تقاضے ایک بار دور کر دیئے جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت ۱۳۰۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے:

عربی حروف کی	۱۹۷	اردو حروف کی حق
موجودہ مشترک حروف کی حق میں	۳۷۴	حروف کی حق میں بشرط
پتھر کی چھپائی کے لئے	۲۲۸	تستعلیق ہوں

ان میں سے اکثر حضرات اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفقہ ظاہر کرتے ہیں۔

آراء کے بارے میں اس باری میں بعض اہم تفصیلات

آئندہ

یہی مولانا

جواب کی

یہی

قیمت

نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے بھیج دینا ہے

قیمت سالانہ مع محصول - - - - -
 ہندوستان سے باہر کیلیے - - - - -
 قیمت شش ماہی - - - - -
 قیمت فی پرچہ - - - - -

تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”مدیجر الہلال“ کے ذریعہ ہی کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے متعلق رکھتے ہیں انکے لفافہ پر ”ایڈیٹر“ کا نام ہونا چاہیے۔
 یہی ہونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔

”براہ عداوت خط و کتابت میں ایسا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے۔“

خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھتے جیسا کہ نظام دیگر وصول ہونے کی رسید میں دیدی گئی ہے۔
 اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو ذرا متشتاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ نہ ورت تاحد بعیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔

(۶) اگر آپ در بدن ماہ کیلئے انک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے، مفاہیم کتابخانہ میں اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے پہلے عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دینے پتہ تبدیل کرائیں۔

مسی اقدار روانہ کرتے وقت نام کے ساتھ ہر ایسا نام و پتہ ضرور لکھیں۔

(۸) سے جواب طلب امور کے لئے جدا نعلق مقتویہ دفتر میں لکھیں۔
 (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء احباز وغیرہ) سے جواب دینے کے وقت ضرور یہی ہونہ دفتر پر علی و معنی کے مصارف نام پڑیگا۔

(جماعت کی زندگی اور تعارف کے دو اصول)

بعض علماء اجتماع کی رائے میں جماعت، ایک حقیقی زندگی رکھتی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ جماعتی دھن و وجدان، فردی دھن و وجدان سے علحدہ وجود رکھتا ہے۔ قدیم زمانے میں افلاطون اور ارسطو کا بھی نظریہ یہی تھا کہ جماعت، ایک عظیم زندہ وجود ہے۔ گونا گویا سینکڑوں سرور کا جودان ہے۔ ہمارے زمانے میں بھی متعدد علماء نے یہی کہا ہے۔ حنانچہ رومس وغیرہ کہتے ہیں کہ جماعتیں، اپنی مستقل زندگی رکھتی ہیں۔ وہ جسم حی کی مثال پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں علماء فیزولوجی (علم وظائف اعضاء) کا منقہ فبصلہ ہے کہ اجسام حکہ کی انسانی طبیعت بہ ہے کہ ہر عضو اپنی جگہ پر ایک خاص عمل انجام دیتا ہے جس سے مجموعی جسم کی زندگی برقرار رہتی ہے۔ مثلاً نبات، جزر، پتوں، اور پھولوں وغیرہ سے مرکب ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر چیز اپنی جگہ پر پورے درخت کی سلامتی و بقاء کے لیے کام کرتی ہے۔

اعضاء کا یہ تعارف، دراصلوں پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے:

(۱) مختلف اعضاء میں وظائف کی تقسیم و تہجد۔

(۲) وہ غرض و عایت، جس کے لیے بطریق تعارف نام

اعضاء کوشش کرتے ہیں۔

یہ دونوں اصلوں، تمام انسانی و حیوانی جماعتوں میں پائی جاتی ہیں۔ بہ اس لیے کہ اگر اعضاء جسم میں وظائف کی تقسیم نہ ہو، تو اُس جسم میں سرے سے نصف عضویت ہی موجود نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر ہم ایک رنگ کا قبلہ دیکھیں جس پر تمام اجزاء، اسام متساویہ ہوں، اور جب ایک ہی عمل انجام دے رہے ہوں، تو ہمیں فبصلہ کو دہنا پڑے گا کہ اس قیلے کے اجزاء میں وظائف کی تقسیم نہیں ہے۔ یعنی اُس میں خود عضویت کا وجود ہی نہیں ہے۔ یہی حال انسانی جماعت کا ہے۔ جس، انسانی گروہ کا ہر فرد اپنی علحدہ زندگی بسر کرنا اور جماعت کے لیے کوئی کام نہیں کرتا ہے، ہمیں کہا چاہیے کہ وہ گروہ سرے سے جماعت ہی نہیں ہے، بلکہ درجہ وحشت میں پڑا ہوا ہے۔

(وظائف کی تقسیم)

جسم میں عضویت کا آغاز اُس وقت سے ہوتا ہے جب ہمیں کے اجزاء میں وظائف کی تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہی حال انسانوں کا ہے جب اُن میں تقسیم عمل نافذ ہو جاتی ہے۔ بعض لکھنی پر لگ جاتے ہیں۔ بعض کھڑا بننے لگتے ہیں۔ بعض مکان بنائے لگتے ہیں۔ اس حالت میں انسانوں کے اس گروہ کا نام جماعت ہو جاتا ہے۔

میلن کی رائے ہے کہ عالم اقتصاد میں تقسیم عمل، عالم فیزیولوجی (وظائف الاعضاء) میں تقسیم وظائف (فرائض) کے دائل مشابہ ہے۔ نہ تقسیم ہی جسم حی کی خصوصیت پیدا کرتی ہے۔ اور یہی تقسیم جماعت کو موجد کرتی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ زندہ جسم میں معدہ، نہ تول کا فرص انجام دیتا ہے، نہ بدل معدے کا۔ گزشتہ تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ زندگی پیدا کرنے میں تقسیم وظائف، تعارف ہی کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ مثلاً دماغ اپنی عدا حاصل کرنے کے لیے خود عمل نہیں کرتا، بلکہ اُس کی عدا پیدا کرتا ہے، اور قلم، یہ غذا اُس تک پہنچاتا ہے۔ یہی تقسیم وظائف جماعت کا ہے۔

جنگی اقتدار رکھنے والے بادشاہوں پر رعانا کی کوئی نگرانی نہیں ہوتی۔ لیکن تجارتی حکومتوں میں تجار و اعیان، حاکم کی نگرانی کرتے ہیں، اور حاکم، نجار و اعیان کی نگرانی کرتا ہے، کیونکہ پوری قوم اس منار طبقہ کے مظالم کا نشانہ بن سکتی ہے۔

(حکومتوں کی تشکیل میں مدہنی پیشواؤں کا دخل)

ایک تیسری قوت بھی ہے جو حکومتوں کی تشکیل میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ وہ قوت کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کی ہے۔ قدیم زمانے میں دینی پیشواؤں کو غیر معمولی اہمیت و طاقت حاصل تھی۔ مصر میں اور ہندوستان میں ان کا اقتدار بے رک تھا۔ نہ انہی کاہنوں کی قوت تھی جس کے مخلوق سے فرعون کی پرسنش کرائی اور رومس اور ریموس (۱) کو جنگ کے دیوتا کی اولاد تسلیم کرا دیا۔ چین کے بادشاہوں کے متعلق بھی ایسا ہی اعتقاد تھا۔ سیام کے بادشاہ تو آج تک اسی قسم کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

غرض کہ سیاسی قوت، اجتماعی ارتقاء کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کمزور ہمیشہ طاقتوروں کا لقمہ ہوتے ہیں۔ قوت صرف مادی ہی نہیں ہوتی۔ دینی، اخلاقی، اور فکری بھی ہوتی ہے۔ بلکہ کبھی کبھی اقتصادی بھی ہوتی ہے۔ مارکس کا قول ہے کہ اقتصادی قوت ہی سیاسی قوت میں اصل و بیدار کا حکم رکھتی ہے۔ اُس کی بہ رائے ہر حال میں صبح نہیں ہے، اگرچہ اقتصادی قوت، سیاسی نظامات کی تاریخ میں بہت مؤثر رہی ہے۔

(سیاسی حکومت اور باہمی تعارف کی تائید امت کی تکرر میں) سیاسی حکومت کا ظہور، ایک اجتماعی حادثہ ہے۔ نہ حادثہ ہمیشہ انک ہی قسم کا ہوتا ہے۔ جماعتیں اپنی فلسفہ و کثرت میں کٹنی ہی منبائن ہوں، مگر اس سے اُن کے طبائع میں کوئی تباہی پیدا نہیں ہوتا۔

انسان، باہم اجتماعی تعارف کے رشتوں سے جڑے ہیں۔ صرف اسی تعارف کے ذریعہ ہم اپنی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں۔ انسانوں کی ضرورتیں اور وابستگیوں مختلف اور متفاوت ہیں۔ اسی صورت حال کے انہیں مجبور کر دیا ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر باہمی تعارف سے کام لیں۔

ہماری اجداد کی اجتماعی روش، ناموس نشو و ارتقاء کے مانتحت فوراً بدل گئی جب انہوں نے درجہ نوحش سے درجہ نداشت میں قدم رکھا۔ جغرافیائی اور جنگی ضرورتوں سے مجبور ہو کر بہت سے قبیلے متحد ہو گئے۔ اُن کے اتحاد نے ایک نیا مجموعہ پیدا کر دیا۔ اسی مجموعہ کا نام بعد کو امت، یا قوم ہوا۔ پھر جب زرعی علامی اور سرداری کا طریقہ رائج ہوا، تو علاموں کے فنل کردانے کا دستور منسوخ ہو گیا اور غلام کاشتکاری کی خدمت پر مامور کر دیے گئے۔ یہ صنعت و حرفت کے وسیع پیمانے پر ظہور نے سرے سے بد علامی بھی موقوف کر دی۔

اسی د ریحی ارتقاء نے قومیتیں پیدا کیں، اور مدائلی سرداروں کو شاہی تختوں پر بٹھا دیا۔ پہلے زمانے میں بادشاہ کا ارلین کام یہ تھا کہ فوج کی سہ سالاری کرے۔ مصیوں، اشوریوں، اور یورپین قوموں کی تاریخ اسی منالوں سے لبریز ہے۔

(۱) رومس اور ریموس، مندرستا کی راہبہ ”زی سلوبا“ کے تلام لڑے تھے، اور زنا سے پیدا ہوئے تھے۔ مگر راہبہ نے دعویٰ کیا کہ وہ جنگ کے دیوتا مریخ کی اولاد ہیں۔ رومس، روم کا بانی ہے۔

(۲)

جماعت کے طویل تجربے سے معلوم کر لیا تھا کہ شکار اور جنگ میں رہی شخص آدمی کا اندازہ نہ چاہیے، جو اسلحہ کے استعمال میں مشق اور جسمانی قوت میں اچھے ہو۔ یہ حال صرف انسانی جماعتوں ہی کا نہیں ہے، جہاں بھی جب ایک اقلیم سے دوسری اقلیم کو جیتی ہیں، وہ اپنی سرداری اور پیش قدمی کے لیے اپنا سب سے زیادہ قوی اور بڑے نظر سے منتخب کر لیتے ہیں۔ ہمبہ دیکھا جاتا ہے کہ چڑیوں کے غول سرساز کے پیچھے اترتے ہوئے خاتمے ہیں!

ایک بکریوں کے ناک میں سلطنت بھی یہی صورت ہوئی۔
 افریقہ، استریلیا اور یورپی تیند میں اس کے قبائل موجود ہیں
 جو اجتماعی نظم پیش کر رہے ہیں۔ بعض قبائل اسے بھی
 ہیں جن کا سردار کسی نہیں ہوتا، کسی بھی طور پر منتخب کر لیا
 جاتا ہے۔ جانوروں کے قبائل میں بھی اس طرح ہے۔ اُن کا جب کوئی
 خاندان سربراہ جگہ، جگہ لگتا ہے تو ایسا سردار منتخب کر لیتا ہے۔
 لیکن اس صورت کے ختم ہوتے ہی سردار بھی سردار کی بھی ختم
 ہو جاتا ہے اور وہ بھی آزاد کی طرح ایک مرد عام ہو جاتا ہے۔

کریں۔ یہاں پر بھی وہی دور دوری ہے۔ ان میں مرد کا
کوتلی بقتدار رہا ہوگا۔ حقائق و مسائل کو بھی کڑی سرمدار
نہیں ہے۔ تمام افراد بالکل مستانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

جانی جانی قیائل اسد موکا ہے - این کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ
 ہے مگر ان میں کوئی سوسوار نہیں ہے - شروع شروع جب
 یورپین اسرار لکھے تو انہیں یہ دیکھ کر سکت
 ہو جاتی تھی اے انیسویں کے اشاروں پر حرکت

سنگھار میں چوکم کا دخل)

۱۔ باعثِ خوفِ جنگ ہی نہ تھی ۔
۲۔ قائم رہی ہیں ، رہ فرد ہی
۳۔ چوروں کے بھارت نے انسانی
۴۔ کئی دہائیوں کی کثرتِ تعداد
۵۔ جماعتیں محض اس
۶۔ موجود نہ تھیں ۔ انتشار و فوض
۷۔ فوائد معلوم کیے از

ہی سے ہوئی ہے۔
 زنی خلیز نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ فرزندِ ارباب میں جس طرح کی تعلیم دینی ضروری تھی، خط و
پیش آنا، قہری حکومت، قلم و کتاب، انگریزی، لیکن
اُس نے دو سو گت ہی میں تعلیم دینی اور اس کی تعلیم دینا تھا
اے بھائی! میں نے اپنے بھائیوں کو بھی یہی تعلیم دینی
سبی مذاہب موجود ہیں، مگر وہ ہے (وہاں) جس کی تعلیم دینی میں
بھی جدگور کے ایسے آدمی ہوں جو کہ اس کی تعلیم دینا
معلوم ہوئے یہ مگر حکمی، مگر وہ ہے (وہاں) جس کی تعلیم دینا تھا
حدی و عربی — ایسے جغرافیائی، فنی، تجارتی، علم
اسدنادی، و حکومت، مگر وہ (وہاں) رہیں، اسی طرح امام، شیعہ
مسلم، جن پر مشنوں کے جتن ہوئے تھے یہ جن میں اندر کی
شورشیں زیادہ ہوتی رہیں، اسی کی حکومتیں (وہاں) تھیں، اسی طرح
اسدنادی بھی ہیں، یہ ملک ان کے لئے چھوٹے (وہاں) جہاں طرف نہیں
سے محفوظ، مگر وہ (وہاں) حکومتیں، مگر وہ (وہاں) تھیں، اسی طرح
وہاں زمانے میں، لیکن ان موجودہ زمانوں میں (وہاں) تعلیم دینا
کی مثال دینا چاہیے، یہ ملک (وہاں) ہیں، لیکن قوم (وہاں) —
دوریت کی حالت میں — (وہاں) تعلیم دینا کی طرف متوجہ رہی —

(حرفی) - بدل میں صفاء شدہ دھلی)

۱۔ مددیت : اگرچہ ہندوؤں نے جو کہیں کہیں نیکوئی کا باعث بنی ہے
۲۔ ممکن جنگ : بعد از ان کی فساد میں ہندوؤں نے
۳۔ زراعتی ہے : نیکوئی کا باعث بنی ہے اور اس
۴۔ لیس نامہ : ہندوؤں میں سے ہے

ابدائی انسانیت کے لیے جو ہی آلات مقرر کیے گئے ہیں، مختلف قسم کی معمولات کا طرز عمل ہے۔ یہی - طبعی اور کائناتی - عام معمولی محبت کے ذریعہ اپنی بندوبست کر لیں، جو ان کی ضرورت سے زیادہ اسی - چنانچہ اس کے ذریعہ اور مصلحت سے آئندہ کئی دوسرے حاصل ہونے والے فواید سے بہرہ مند ہوں گے۔ زیادہ تر رسوم حاصل کرنا اور اپنے لیے حاصل کرنا، جن سے ان کے بہتر خواہش

ان مٹاؤں میں سے ایک ایک مٹاؤ میں ایک سو سو روپے کی رقم تھی۔
 طمنہ تریوں سے لے کر ایک ایک مٹاؤ میں ایک سو سو روپے کی رقم تھی۔
 حیدرآباد میں لے کر ایک ایک مٹاؤ میں ایک سو سو روپے کی رقم تھی۔
 مٹاؤ میں ایک ایک مٹاؤ میں ایک سو سو روپے کی رقم تھی۔
 مٹاؤ میں ایک ایک مٹاؤ میں ایک سو سو روپے کی رقم تھی۔

[illegible]



ایک قدیم مرقع

خلیفہ ہارون الرشید اور فرانسیسی سفارت

عرصہ ہوا ' زمانہ حال کے مشہور مصری مصنف جرجی زیدان موسس الہلال قاہرہ نے اپنی سیاحت یورپ کی بادداشتیں شائع کرتے ہوئے لکھا تھا "سورین یونیورسٹی میں ایک قدیم مرقع میری نظر سے گزرا۔ اس میں اس فرانسیسی سفارت کا خلیفہ

ہارون الرشید کے دربار میں روز دیکھایا گیا ہے جو شارلیمین اول نے بغداد بھیجی تھی ' اور جس کے جواب میں ہارون الرشید نے وہ عجیب و غریب گہڑی ارسال کی تھی جس کا تمام یورپ میں عرصہ تک شہرہ رہا "

جرجی زیدان نے اس مرقع کا عکس شائع کر دیا تھا۔ اس مرقع میں ہارون الرشید ایک بلند مسد پر جو تو بر تو گدیوں سے بٹائی گئی ہے ' بیٹھا ہے۔ سر پر خود کی وضع کی قلنسوہ ہے اور اس پر عمامہ بندھا ہے۔ حبشی غلام عقب میں کھڑے ہیں ' اور فرانسیسی سفارت کے ارکان زمین برس ہو رہے ہیں۔

مجھے اس مرقع سے بہت دلچسپی تھی لیکن اس کی تاریخ قدامت کی

کوئی تصریح نہیں کی گئی تھی۔ میں نے خیال کیا ' بہت ممکن ہے زمانہ حال کے کسی مصور نے واقعہ سفارت کے تغیل کو مرقع کی صورت دیدی ہو ' یا کسی تاریخی کتاب کی تزئین کے لیے طیار کیا گیا ہو۔ میں چاہتا تھا ' اس بارے میں مزید معلومات حاصل کیے جائیں۔ کیونکہ مجھے اپنی ایک زیر تحریر کتاب کے لیے اس طرح کے تمام مواد کی ضرورت تھی۔

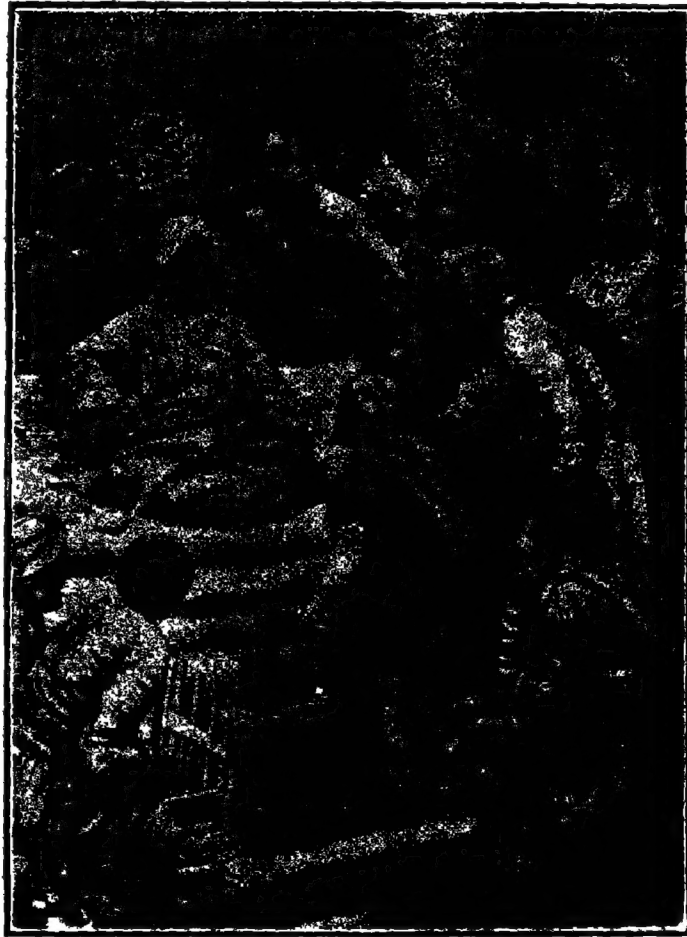
گذشتہ سال ایک تقریب سے مجھے موقع ملا کہ موسیو بلوشر سے خط و کتابت کروں۔ یہ فرانس کے مشہور فارسی دان متشرق ہیں اور کچھ عرصہ سے پیرس کے قومی کتب خانہ کے فارسی حصہ کی از سر نو تحقیقات کر رہے ہیں۔ میں نے اس مرقع کی نسبت ان سے دریافت کیا۔ ان کا جواب حسب ذیل تھا :

"جس مرقع کا آپ ذکر کیا ہے (یعنی سورین یونیورسٹی کا) وہ اصل نہیں ہے۔ اصلی مرقع کی نقل ہے۔ اصلی مرقع اسی کتب خانہ میں (نیشنل لائبریری پیرس) میں محفوظ ہے۔ یہ مشکل ہے کہ اس کی صحیح تاریخ معین کی جاسکے ' لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سولہویں صدی میں یہ مرقع موجود تھا۔ کیونکہ سنہ ۱۵۸۹ء میں جب ہینرک Heinrich نے اپنا مجموعہ تاریخ عرب نیپلز میں شائع کیا ہے ' تو اس میں یہ مرقع بھی درج کیا گیا تھا۔ مرقع کے نیچے یہ عبارت لکھی گئی تھی "بغداد کے خلیفہ کے دربار میں شارلیمین کی سفارت — اس

مرقع کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شارلیمین کے حکم سے طیار کیا گیا تھا " مرقع کا جو نسخہ بطور اصل کے اس وقت محفوظ ہے ' غالباً وہ بھی اصل نہیں ہے۔ کسی دوسرے نسخہ کی نقل ہے۔ کیونکہ اس میں بعض خاص طرح کے رنگ استعمال کیے گئے ہیں ' اور ان رنگوں کا استعمال سولہویں صدی کے بعد شروع ہوا ہے۔ * * * * *

* * * * * سولہویں اور سترہویں صدی میں یہ مرقع منجمد ان تصاویر کے تھا ' جن سے فرانس کے شاہی قصر آراستہ کیے جاتے تھے۔ قصر ٹوئیری کے لیے یہ مرقع ایران استقبال کی ان ضروریات کی قدر قامت کے مطابق طیار کیا گیا تھا ' جو اسکی دھنی اور بائیں دیواروں پر قدم آدم جننی ترتیب دی

گئی تھیں۔ میں اگرچہ یہ کہنے کے لیے کافی تاریخی تصویحات نہیں پاتا کہ یہ مرقع اصلی ہے ' تاہم اس کی تاریخی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کم از کم یہ بات بالکل صاف ہے کہ خود شارلیمین کے عہد کا ہوا نہ ہو ' لیکن سولہویں صدی سے پیشتر کا رائج و مشہور مرقع ضرور ہے * * * * * ایک دوسرے واقعہ سے بھی اس مرقع کی تاریخی حیثیت کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہارون الرشید نے اس سفارت کے جواب میں فرانسیسی سفیروں کے ساتھ اپنے خاص سفراء بھی بھیجے تھے ' اور ان کے ذریعہ بیت المقدس کی طنائی کنجیاں اور بہت سے قیمتی تحائف روانہ کیے تھے۔ انہی تحائف میں وہ اپنے عہد کی عجیب و غریب گہڑی بھی تھی جس کا ذکر اس عہد کے مورخ Eginhart نے



مبختاریات

عورت کی طاقت

عورت، ہیئت اجتماعیہ کی بنانے والی ہے۔ پوری ہیئت اجتماعیہ، عورت کے فصۃ اختیار میں ہے۔ سب کچھ اسی کی مدد سے اور اسی کی کبلے ہوتا ہے۔ عورت، مرد کی سب سے بڑی مربی و معلم ہے۔ وہ عورت ہی ہے جو مرد کو اعلیٰ اخلاق، تسدیدہ آداب، اور رفیق احساس سکھاتی ہے۔ عورت بعض مردوں کو لطف معاشرت کی تعلیم دیتی اور سب کو سخت مزاجی سے باز رکھتی ہے۔ عورت ہی کے ذریعہ مرد کو معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی اجتماعی زندگی کسے نازک اور پر بیم عناصر و اجزاء سے مرکب ہے۔ عورت کے قرب ہوئے ہی سے ہم محسوس کرتے ہیں کہ جذبات کا طوفان اور ایمان کا دھارا ابنا زبردست ہے کہ آئے روز کہیں جا سکتا، اوریہ کہ انسان اپنی عقل کے دل بڑے پر نہیں چل رہا ہے۔

(انٹزل فرانس)

علماء کی خوش مزاجی

عام طور پر مشہور ہے کہ علماء و فضلاء خشک مزاج ہوتے ہیں۔ سب ورز خشک مباحث میں غور و فکر کرتے کی وجہ سے خشک دماغ ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات قدر مشہور ہوئی کہ علم اور خوش مزاجی کو بڑی حد تک منصاد خیال کیا جائے گا۔ بہت سے مدعبدان علم، مصنوعی خشک مزاجی کی عادت ڈال کر دنیا کو اپنی تعلیمت منوائے گئے۔ حالانکہ علم اور بناسست میں ہرگز کوئی تضاد نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہنس مکھ آدمی بھی بڑے سے بڑا عالم ہوسکتا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ نمایاں مثال جاپان میں موجود ہے۔ یہاں کے علماء و عموماً بڑے خوش مزاج ہوتے ہیں۔ حال میں مشہور جاپانی عالم، ڈاکٹر ”میدرا“ امریکا گیا تھا۔ وہاں کے لوگ اُس کی ہنسی اور خوش طبعی دیکھ کر منعجب ہو گئے۔

بادشاہوں کو ہدیہ

بادشاہوں کے لیے ایک مصیبت ہدیہ بھی ہیں جو انہیں بہت بڑی مقدار میں ہمیشہ پہنچتے رہتے ہیں۔ اندر دہ ہفتم کے پاس سبکدوش صندوق سبکرت، نک تائی، دسنانوں، جونوں، اور جھڑیوں سے لبریز بطور ہدیہ کے آبا کرتے تھے۔ وہ ہدیے بہت کم قبول کرتے اور اکثر واپس کر دیا کرتے۔ تاہم بعض نادرجیزین نے بھی لبے لیے۔ جدانچہ ایک شخص نے امریکا سے باؤ بھر وزن کا ایک آلہ بھیجا تھا۔ اُسے بادشاہ نے قبول کر لیا۔ اسی طرح ایک مدیم مصری شاہزادی کا مہی کیا ہوا ہاتھ بھی منظور کر لیا تھا، اور اُس سے میر در کاغذ دباے کا کام لیا کرتے تھے!

بہی حال سابق فیصر جرمنی کا تھا۔ ایک شخص نے افریقا کے سب سے بلند پہاڑ ”کیلما نگار“ کی چوٹی پر سے ایک پنہر کات کر ہدیہ بھیجا تھا۔ اسے قبول کر لیا۔ نیز ایک بڑھیا کا سر مارک کا نوٹ بھی منظور کر لیا تھا۔ اس عورت نے دربان کے ہاتھ شہشاہ کو ایک لقاہ بھیجا جس میں اس بیک نوٹ کے علاوہ ایک خط تھا: ”کل میں نے آپ کو فرج کی قواعد ملاحظہ کرنے وقت سردی سے ڈانپتے دیکھا۔ یہ سر مارک کا نوٹ قبول کیجیے اور اس سے اپنی بیٹائیں خرید لیجیے“

ضروری ہے کہ اُس میں بھی بعض افراد، قوم کی مدافعت کی ذمہ داری لیں، بعض عام مصالح انجام دیں۔ اس تقسیم عمل اور فرائض کی عادت نہ ہوتی ہے کہ مجموع یعنی جماعت، وائم و محفوظ رہے۔ ہر عصر، دوسرے اعضاء کے مقابلے میں بیک وقت، واسطہ اور غایت ہوتا ہے۔ چنانچہ مثلاً کاشنکار حاکم کا خدمت گزار ہونا ہے، اور حاکم، کاشنکار کا خادم ہونا ہے۔ اسی طرح جماعت کا ہر فرد، دوسرے افراد کا معارف و مدد کار ہونا ہے۔

یہ اعمال اپنی مجموعی حدت سے دائرہ حیات میں منعقد حلقوں کا حکم رکھتے ہیں۔ تمام اقوام اور قہائل، انسانی مجموعہ میں ایسے ہی دائرہ پناے چلے جاتے ہیں۔

(سلطنت میں نظام حیات)

اسبغس کے کائنات حبہ کی بحث میں بنایا ہے کہ جسم حی میں تین بڑے نظام، تین بڑے وظائف انجام دیتے ہیں۔ نظام ہضمی، مجموعہ عصبی، نظام ندس۔

یہی حال سلطنت کا ہے۔ ایک فرد مجموع کے لیے اُس کی عدا مہیا کرنا ہے۔ دوسرا فرد سلطنت کا انتظام سنبھالنا ہے۔ تیسرا فرد — اور وہ درمیانہ فرد ہے — زمین کی پیداوار تقسیم کر کے کا دمہ دار ہونا ہے تاکہ باقی جماعت اُسے اپنے کام میں لائے۔

یہ عمل، جسم انسانی میں دوران خون کے نظام سے بہت مشابہہ ہے۔ سلطنت میں زراعت، حکومت، تجارت، تین اعضاء ہیں اور ان اعضاء ثلاثہ کے وائم مقام ہیں جو حیاۃ حیوانی قائم رکھتے ہیں۔

یہی پر ایک سوال قابل لحاظ ہے۔ ہمیں اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ ”کیا سلطنت ان اعضاء کے وجود کے بعد ہی موجود ہو جاتی ہے؟“ — ”یہی ہا آہ نا حہاز ہا آہ، کائنات حبہ کے مشابہہ ہے۔ چنانچہ وہ بھی دوسرے اجسام حبہ کی طرح مختلف اعضاء سے مرکب ہے۔ اس کے اعضاء میں بھی تقسیم عمل ہے اور اپنے افعال کی انجام دہی میں تعاون رکھتے ہیں۔ یہ آلات، زندہ جسم سے اس قدر مشابہہ ہیں کہ وحشی انسان انہیں سمجھ مچ زندہ وجود ہی سمجھ لیتے ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر جاندار دیکھ کر اُسے جاننے والے میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے؟“

سوال کا جواب لائنس نے یہ دنا ہے کہ ”لتری نا لورہ کا متحرک آلہ، ہی نفسہ کوئی تصویت نہیں رکھتا۔ برخلاف اس کے، ہر زندہ وجود عضویت اور مستقل زندگی رکھتا ہے۔ ہر عالم حی، ہزاروں زندہ عوام کا مجموعہ ہے۔“

وہ خوف اور کارڈ برناتے ثابت کیا ہے کہ ہر حیوان اپنے سے بہت زیادہ چہرے اور پست بے شمار حیوانات سے مرکب ہوتا ہے۔ ہمارے جسموں کے اندر بہت سی دی روح کائنات موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مستقل زندگی رکھتی ہے۔ ان کائنات کی زندگی ہمارے ہی خون سے ہے۔ یہ کائنات، مختلف وابلینیں، خواہشیں، امراض، اور حرکات رکھتی ہیں۔ اگر ہم کسی کتے کے دو تکتے کر دیں تو بھی اُس کا ہر تکتا ربدہ رہے گا۔ بلاشبہ قومی یافتہ حیوانوں کی یہ حالت نہیں ہے۔ لیکن ان حیوانات کے بھی بعض اجزاء — مثلاً ناخن اور بال — جسم کی موت کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان کے ناخن اور بالوں کا بڑھنا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ ان میں زندگی موجود رہتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ کئی چوہوں کی دمیں اگر ایک چوہے کے جسم میں لگا دی جائیں، تو ان تمام دمیں میں بھی زندگی پیدا ہو جائیگی۔

مصطفیٰ فاضل کو اس جسارت کا صلہ صرف مہاجرت ہی کی صورت میں نہیں ملا، بلکہ اُسکی تمام ترکی جائداد بھی ضبط کر لی گئی۔ اگر فرانسیسی حکومت درمیان نہ پڑتی تو شاید مصری جائداد سے بھی محروم ہو جاتا۔

مصطفیٰ فاضل کا لائحہ، تاریخ شرق جدید کا ایک اہم واقعہ ہے۔ جس جرأت و صراحت کے ساتھ رقت کے ایک مستند سلطان کو مخاطب کیا گیا ہے، اور استبداد و شخصیت کی جگہ آزادی و شہری کی دعوت دی گئی ہے، اس کی کوئی دوسری نظیر اس عہد میں نہیں مل سکتی۔ ہم چاہتے ہیں یہ پورا لائحہ اردو میں منتقل ہو جائے، کیونکہ یہ تاریخ شرق جدید کی ایک قیمتی دستاویز ہے۔

(مسئلہ اصلاح اور ایک اصل مہم)

یہ مرقعہ تفصیل کا نہیں لیکن اشارہ نا گریز ہے۔ دولت عثمانیہ میں سلطان مصلح کے عہد سے لیکر سلطان عبد الحمید خان تک اصلاح و تجدید کی جس قدر حرکتیں ظہور میں آئیں، وہ اگرچہ اس اعتبار سے قابل احترام ہیں کہ استبداد و فساد کے مقابلہ میں حریص و اصلاح کی طلبگار تھیں، لیکن ساتھ ہی یہ واقعہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انکی بنیاد میں یورپ کی عامدانہ تقلید و محاکات کے سوا کوئی مجتہدانہ بصیرت موجود نہ تھی۔

صدیوں سے اسلام کی حقیقی دینی روح مفقود ہو چکی تھی۔ اسلام کے حقیقی سرچشمہ شرع و تعلیم کی جگہ طرح طرح کے انسانی ساخت کے نئے سرچشمے پھوٹ نکلے تھے اور اجنبانہ و نظیر کی جگہ تقلید و جمرہ کی بنیادیں استوار ہو گئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ ایسے اصحاب نظر و بصیرت پیدا ہوتے، جو سب سے پہلے امت کے دیہی مزاج کی درستگی کی کوشش کرے جس کے بغیر حکومتوں کا حاکمانہ مزاج بھی درست نہیں ہو سکتا تھا۔ اس اصلاح کے بعد یورپ کے علمی و صناعی فوائد کے اخذ و اختیار کی راہ خود بخود کھل جاتی۔ البتہ بصیرت و اعتبار کے ساتھ کھلتی۔ تقلید و کور چشمی کے ساتھ نہ کھلتی۔ لیکن انفسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ دولت عثمانیہ میں ایسے علماء ناپید تھے اور ہمیشہ ناپید رہے جو صاحب نظر و بصیرت ہوں۔ امر و حکم جہل و اراہم کی تاریکی میں گم تھے۔ تعلقات کے چند شخصیتیں پیدا کر دیں جنہیں یورپ کے علوم و لغات سے آشنا ہونے کا موقع مل گیا۔ یہ اپنی کسی بصیرت و روشنی کی بنا پر نہیں بلکہ محض تقلید کی راہ سے استبداد و جہل کی مصرتوں پر مطلع ہوئے اور اصلاح و انقلاب کی سعی شروع کر دی۔ سعی صحیح تھی، بروقت تھی، لیکن سعی بصیرت و نظر سے محروم تھی۔ مرض کا احساس غلط نہ تھا، لیکن نہ تر تشخیص کامل تھی، نہ علاج ہی صحیح تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس راہ میں جس قدر قدم بھی لگے، وہ اگرچہ اکثر حالتوں میں اصلاً غلط نہ تھے، لیکن مجتہدانہ بصیرت و نظر کے فقدان سے کوئی صحیح انقلاب صورت حال میں پیدا نہ کر سکے اور شرح اس اجمال کی بہت طولانی ہے۔

بہر حال بحث و نظر کا یہ مقام دوسرا ہے۔ اس کے فہم و ذوق کے لیے دوسری قسم کی صحبتیں مطلوب ہیں۔ یہاں جو حقیقت قلم بند کرنی ہے یہ ہے کہ گذشتہ صدی کے مسرفی مصلحین کی تاریخ میں مصطفیٰ فاضل پاشا کو اصلاح و انقلاب ترکیب کے بانی و داعی ہونے کا شرف حاصل ہے، اور اسکا یادگار کارنامہ "لائحہ اصلاحیہ" ہے۔

ہوتا، تو بہت ممکن تھا، اصلاح و تجدید کی راہیں باز ہو جاتیں۔ لیکن عبدالعزیز کے مجتہدانہ استبداد نے جسکے ساتھ شخصی حکمرانی کے تمام عیش پرستانہ عناصر حسد بھی جمع ہو گئے تھے، اصلاح حال کے تمام دروازے مسدود کر دیے۔ خزانہ بالکل خالی تھا۔ یورپ سے قرضوں پر قرض لینے جارہے تھے۔ مالیات کے بہترین وسائل مکفول ہو گئے تھے۔ روس نے پیٹر سبرگ سے سرائے دارلہ باغیچہ تک اپنی مخفی سازشوں کا جال بچھا دیا تھا۔ روسی سفیر جنرل اگنائف کا اقتدار روز بروز بڑھ رہا تھا اور سلطان اپنے تمام معاملات میں اسی کے مشوروں پر کار بندہ تھا۔ سلطان کا تمام وقت محل کی عیش پرستیوں میں صرف ہوتا۔ بسا اوقات ایک ایک مہینے تک وزراء حکومت کو بار بار باہی کا مرقعہ نہیں ملتا۔ شخصی حکومتوں کا قدرتی مزاج ہی شخصی انانیت اور مستبدانہ قہر و جبر کا ہوتا ہے۔ پھر اگر خصوصیت کے ساتھ اُسکا کوئی حکمران "مستبد" ہو جائے، تو ظاہر ہے، اُسکا استبداد کس درجہ لا علاج اور بے پناہ ہوگا؟ تمام ترک اہل قلم متفق ہیں کہ عبدالعزیز اپنے تمام پچھلے مستبد حکمرانوں سے بھی زیادہ مستبد تھا۔ کوئی جات بھی اسے اسدرجہ طیش و غضب میں نہیں لاتی تھی جسقدر اس بات کا تصور، کہ دنیا کی کوئی مخلوق اسے "مشورہ" دنیا چاہتی ہے، یا نصیحت کرنے کی جرأت رکھتی ہے۔ ابتدا میں جو لوگ بھولے سے کوئی ایسی جرأت کر بیٹھے، انہیں فوراً اسکی سزا بھگتنی پڑی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کارخانہ سلطنت روز بروز درہم درہم ہو رہا تھا اور اُسے والے خطرے کے آثار قریب سے قریب تر ہونے لگے۔ یہ حالت جاری تھی، مگر ہر طرف غفلت و اعراض کا سناتا چھایا تھا۔ کوئی صدا نہ نہی جو کلمہ حق و اصلاح سے آشنا ہوئی!

لیکن غفلت و افساد کے اس سکون میں بالآخر جنبش ہوئی، اور دولت عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دعوت الی الحق کی بے خوف صدا بلند ہوئی۔ یہ مصطفیٰ فاضل کی صدا تھی۔ وہ صدائے حق، جسے نہ تو سلطان عبدالعزیز کی سطوت و جبروت روک سکی، نہ امارت و وزارت کے مطامع مانع آسکے!

تاریخ میں یہ صدائے اصلاح "لائحہ اصلاحیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دراصل ایک مکتوب ہے جو سلطان عبدالعزیز کے نام لکھا گیا تھا۔ مصطفیٰ فاضل نے یہ مکتوب سنہ ۱۸۴۷ میں لکھا، اور بذات خاص سلطان کے حوالہ کیا۔ لوگوں کو جب اس جسارت کا حال معلوم ہوا تو شدت نحیر سے انگشت بدندان رہ گئے۔ دولت عثمانیہ کی تاریخ میں یہ بالکل ایک نئی قسم کی جسارت تھی۔ ایسی جسارت جسکی مصطفیٰ رشید، فواد پاشا، اور عالی پاشا جیسے مصلحین بھی جرأت نہیں کر سکتے تھے!

سلطان عبدالعزیز نے نہ لائحہ پڑھا، اور نہ ہی نتیجہ نکلا جو متوقع تھا۔ مصطفیٰ فاضل کو قسطنطنیہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ وہ پیرس آیا اور ایک مدت تک کیلیے یہاں مقیم ہو گیا۔ مصطفیٰ فاضل کے اسی قدم پیرس سے نرجوان ترک جماعت کی سب سے پہلی بنیاد پڑی۔ قسطنطنیہ کے متعدد نرجوان بتدریج پیرس چلے آئے، اور مصطفیٰ فاضل کی امداد و سرپرستی میں متعدد زندگی بسر کرنے لگے۔ اس عہد کے وہ تمام اصلاح پسند افراد جنہوں نے نہ صرف دولت عثمانیہ کیلیے سیاسی انقلاب کی تخم ریزی کی، بلکہ ترکیب علم ادب و کتابت میں بھی دور جدید کی بنیاد ڈالی، اسی عہد کی پیداوار ہیں۔ نامق کمال ہے، ضیا باشا ادیب، سعد اللہ باشا، ابوالضیا نوفیق، عدیرہم کی نشر و نما اسی دور میں ہوئی۔

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

ذمی کے حقوق کے مساوی ہونے اور ہر طرح کے غیر قانونی امتیازات کے منسوخ کر دینے کا اعلان تھا۔

مصطفیٰ رشید پاشا نے اپنے عہد وزارت میں تعلیمی و معاشرتی اصلاحات کی جو روح پیدا کی تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک قلیل جماعت نئے تعلیم یافتہ افراد کی پیدا ہو گئی۔ ان میں سب سے زیادہ نامور شخص دروہے : عالی پاشا اور فواد پاشا۔ دونوں نے صدارت و نظارت کے مناصب تک ترقی کی، اور اپنے عہد کے مشاہیر مدبرین میں شمار کیے گئے۔ سلطان عبدالمجید کے عہد کے تمام اجراءات اصلاحیہ کی باعث و کار فرما شخصیتیں یہی تھیں۔ معاہدہ پیرس (۳۰- مارچ سنہ ۱۸۴۶) میں دولت عثمانیہ کو جو کامیابی ہوئی، اور انگلستان، فرانس، اور آٹلی نے روس کے برخلاف ساتھ دیا، وہ بہت کچھ انہی دونوں کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ معاہدہ پیرس کے بعد ہی تاریخ اصلاح عثمانی کا دوسرا فرمان شائع ہوا تھا جو ”خط شریف“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس میں ”خط گل خانہ“ کی مزید تائید کی گئی تھی، اور تمام رعایا کی آزادی حقوق کے احترام کا یقین دلایا گیا تھا۔ یہ بھی تمام تر فواد اور عالی ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا۔

(مصطفیٰ فاضل)

مصطفیٰ رشید، فواد، اور عالی پاشا نے اصلاح و تغیر کیلئے فضا پیدا کر دی، مگر جماعت پیدا کرنے کا کام بعد کو ہونے والا تھا۔ یہ مصطفیٰ فاضل پاشا کی شخصیت تھی، جس نے اس نئی فضا کو نشرو نما دی، اور ”نوجوان“ ترکوں کی جمعیت کا اولین سنگ بنیاد رکھ دیا۔ مذمت پاشا بعد کو آیا تاکہ اپنے عظیم اعمال اور عظیم قربانی سے اس سنگ بنیاد پر ایک نئی عمارت جنم لے۔

مصطفیٰ فاضل پاشا محمد علی بانی خاندان خدیوۃ مصر کا پوتا اور ابراہیم پاشا فاتح حجاز و شام کا بیٹا تھا۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوا اور مصر میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ مصر میں محمد علی کے زمانے سے مغربی علوم و السنہ کی اہمیت کا احساس عام ہو چلا تھا، اور خاندان خدیوۃ کے تمام افراد فرانسیسی زبان کی تعلیم حاصل کرے لگے تھے۔ مصطفیٰ فاضل کو بھی اسکا موقع ملا۔ اس طرح مغربی علوم و تمدن کے فہم و مطالعہ کا دروازہ اس پر کھل گیا۔ ابھی سلطان عبدالمجید ہی کا زمانہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ آیا، اور چند سالوں کے بعد جب سلطان عبدالعزیز تخت نشین ہوا، تو نظارت معارف (تعلیم) کا ناظر مقرر ہو گیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب مالیات کی وزارت کی جگہ خالی ہوئی، تو حکومت کی نظر انتخاب اسی پر پڑی۔

(لائحہ اصلاحیہ)

یہ وہ وقت تھا، جبکہ دولت عثمانیہ کی زوال پذیر ہستی کی حفاظت کیلئے اصلاح و علاج کی آخری مہلت درپیش تھی، اور فریب تھا کہ ہمیشہ کیلئے اُسکی شش صد سائے عظمت و جلال کی دیواریں سرنگوں ہو جائیں۔ سلطان محمود مصلح نے نئی اصلاحات کی بنیاد رکھی۔ سلطان عبدالمجید نے اسے بلند کرنا چاہا۔ اگر سلطان عبدالعزیز کا وجود بھی اس سلسلہ اصلاح کی تیسری کڑی

مصطفیٰ فاضل پاشا

اور لائحہ اصلاحیہ

(اعلان حق اور امر بالمعروف کا ایک شاندار کارنامہ)

اڈیسوبس صدی کے وسط میں دولت عثمانیہ کی سیاسی و اجتماعی اصلاحات کی جو حرکت شروع ہوئی تھی، عام طور پر اسکی ابتدائی تخم ریزی مرحوم مذمت پاشا کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مذمت پاشا اس روح تجدید کا داعی اول نہ تھا۔ اسے منظم و وسیع کرنے والا تھا۔ ترکی اصلاح و تجدید کی اصلی تاریخ مصطفیٰ فاضل پاشا سے شروع ہوتی ہے۔ فی الحقیقت نوجوان ترکوں کی اجتماعی حرکت کا حقیقی مرسس رہی تھا۔

(اصلاح کی ابتدائی فضا)

عثمانی دارالخلافہ میں جس شخص نے یورپ کے تمدنی انقلاب کا پہلے پہل مطالعہ کیا، وہ مصطفیٰ رشید پاشا تھا۔ (امراء دولت میں یہی پہلا شخص ہے جس نے یورپ کی زبانوں سے واقفیت حاصل کی۔) اسکی نشرو نما سلطان محمود مصلح کے عہد میں ہوئی تھی۔ سنہ ۱۸۳۹ء میں جب سلطان مرصوف کا انتقال ہوا اور سلطان عبدالمجید تخت نشین ہوا، تو یہ لندن میں عثمانی سفیر تھا۔ سلطان عبدالمجید نے اس منصب سے ترقی دی اور وزارت خارجہ پر مامور کر دیا۔ یہ اسی شخص کی سعی کا نتیجہ تھا کہ اسی سال کے بہار میں دولت عثمانیہ کی تنظیم و اصلاح کا وہ تاریخی فرمان صادر ہوا جو ”خط گل خانہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ اسکا نام ”گل خانہ“ اسلئے ہوا کہ سرے ”ترب قبر“ کے چمنستان (گل خانہ) میں اُس کا اعلان ہوا تھا۔ اس اعلان میں دولت کے قانونی اور منظم ہونے کا یقین دلایا گیا تھا۔ نیز مسلم اور

کیا ہے۔ اس عرب سفارت کے زور و استقبال کا ایک ایسا ہی مرقع فرانس میں موجود ہے جیسا یہ زیر بحث مرقع ہے۔ اس مرقع میں شارلیمین کو اس کے دربار میں دکھایا گیا ہے اور عرب سفیر اس حالت میں نمایاں ہیں کہ اپنے تحائف پیش کر رہے ہیں۔ اس سے صاف طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واقعہ سفارت کے دنوں درباروں کی تصویریں بہ یک وقت طیار کی گئی تھیں۔ اور عجب نہیں خود شارلیمین کے حکم سے طیار کی گئی ہوں۔ یہ دوسرا مرقع پیرس کی مشہور عمارت پانتھون Pantheon کی دیواریں پر اس رقم تک موجود ہے۔ یہاں شارلیمین کے عہد کے مختلف مرقع دکھائے گئے ہیں، من جملہ ان کے عربی سفارت کا استقبال بھی ہے۔

اس مرقع کی نقل ہدیہ قارئین ہے۔

مسازات کو جملہ معاسن پر ترجیح دیں - لیکن کیا یہ صفات حمیدہ ہم میں زیادہ مدت تک باقی رہیں گی؟ کیا ہم خیر و شر کے اس تصادم کا ہمیشہ یوں ہی مقابلہ کرتے رہیں گے؟

میرے آقا! جس دن یہ اخلاق ہم سے رخصت ہو جائیں گے، اسی دن ہماری موت بھی نازل ہو جائیگی - ہم کسی کو بھی اپنا حامی و مددگار نہ پائیں گے -

کاش ہماری مصیبت، صرف ہمارے معنوی انحطاط ہی پر ختم ہو جاتی اور اس جہل عمیم اور فساد عظیم تک نہ پہنچتی جو ہمارے تامل عقلی قوی تباہ کر رہا ہے -

میرے آقا! جب ہمارے اسلاف یورپ میں اترے، تو ان کے پاس علم کی کوئی روشنی بھی نہ تھی - لیکن وہ دن سلیم رکھتے تھے - یہ ذوق ان میں قوت و جرأت پیدا کرتا تھا، جیسا کہ تمام ہپاک اور بلند نفسوں کا خاصہ ہے - وہ علم نہیں رکھتے تھے، مگر عقل کے مالک تھے - وہ عقل جو حرکت پسند کرتی، جمود سے نفرت کرتی، اور رذالت سے کراہت رکھتی ہے - وہ ان لوگوں سے بالکل مختلف تھے جو ہمارے ہراول دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے - رالے افسوس! عقلیں، اُس حکومت کے زیر سایہ مفلوج ہو جاتی ہیں، جس میں انفرادی ہمت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوتی!

میرے آقا! آپ کی رعایا میں ترک سب سے زیادہ استبداد سے متاثر ہوتے ہیں - کیونکہ یہ استبداد ان کی فطری استقامت، نفس اور خود داری سے میل نہیں کھاتا - ہم ترکوں میں وہ شرمناک قابلیت ذرا بھی موجود نہیں جو یورپی عیاشوں میں نہی - ان کی حالت یہ تھی کہ عقل و فطرت رکھتے تھے مگر نہ دلفت سے گریز کرتے تھے نہ مطلق العنان حکومت سے نفرت رکھتے تھے - ہم بالکل سادہ دل پیدا ہوئے تھے - ہمارے خیالات کی مسابہگی پر دنیا بھر حیرت تھی - لیکن جب ہمارے خیالات ہم سے چھین لیے گئے تو ہم مضبوط العواس ہو گئے - عقل کی نعمت سے محروم ہو گئے - اگر بھی حالت جاری رہی تو ابک دن آگیا جب ہم میں حکمرانی کی صلاحیت باقی نہ رہے گی - کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو انتظام سنبھال سکے -

حضور والا! ہم اب ایک ایسے زمانے میں ہیں جس میں عزت اُسی کو مل سکتی ہے، جس کی عقل بڑی اور علم زیادہ ہو - یہی باعث ہے کہ تمام یورپ میں علم کا علعلہ بلند ہے اور تمام قوتیں اُس پر صرف ہو رہی ہیں - کوئی حکومت بھی اس کے فکر و اہتمام سے خالی نہیں ہے - سوئزر لینڈ میں ایک آدمی بھی ان پڑھ دکھائی نہیں دیتا - انگلستان میں (جس پر منہی بھرا موزا حکومت کرتے تھے مگر اب اپنے امتیازات سے دست بردار ہوئے جانے لگے) ۲۵ برس سے اشاعت تعلیم کی عظیم الشان کوششیں ہو رہی ہیں - مجمع یقین ہے کہ پورشیا سے آسٹریا پر صرف اس سب سے فتح پائی ہے کہ وہ مغلوب سے علم میں زیادہ تھے - کبا ہمارے لیے رزا ہے کہ اپنے عقلی انحطاط پر قابض رہیں، حالانکہ ہمارے گرد یورپ، عقلی ارتقاء کے لیے اُن تھک کوششیں کر رہا ہے؟

میں اس خیال سے پناہ مانگتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت اشاعت تعلیم کے لیے صرف مدارس کی کثرت کا ہی تصور فرمائیں - وہ محل کس کام کے جنہیں مکین نہ ملیں؟ اُن مدارس سے کیوں فائدہ جن میں دلت و خوار کی اولاد تربیت پائے؟

بلاشبہ، مضبوط اخلاق ہی اس رجحان میں تنہا ایک قوت نہیں ہے - کیونکہ یہاں جرائم کی بھی جرار فوجیں کھڑی ہیں، اور گناہوں کے تخت بھی بچے ہیں - لیکن یہ یقینی ہے کہ مضبوط اخلاق، ایک مستحکم و راسخ بنیاد ضرور ہے - اُس کے بغیر کوئی سلطنت قائم نہیں ہو سکتی - جب وہ کسی قوم کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، تو اُس قوم کی اجتماعی عمارت بھی گر پڑتی ہے - اُس کا یہ خاصہ عجیب ہے کہ جوں جوں اُس کی فترحات میں رستہ ہوتی ہے، اُس کا دائرہ بھی وسیع و عظیم ہوتا جاتا ہے - برخلاف دوسری قوموں کے جو امتداد زمانہ سے کمزور ہو جاتیں اور کامیابی کے بعد فنا ہوئے لگتی ہیں -

اعلیٰ حضرت کی عظمت اور وطن کی عزت کے تمام خیر خواہ، انتہائی رنج و ملال سے دیکھ رہے ہیں کہ قوم کی شہامت، رائل ہو رہی ہے اور اُسکی شرافت و خودداری ختم ہوتی جاتی ہے - یہ اعلیٰ صفات، قوم میں کیرنکر باقی رہ سکتی ہیں، اگرچہ کئی ہی راسخ ہوں، جبکہ مسیحی رعایا کے ساتھ مسلمان بھی گونا گوں دلتوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی دنائیت کے گہرے انہیں زبردستی پلائے جا رہے ہیں؟ مسلمان اور عیسائی، حضور والا کی تمام رعایا، حکام کے ظلم و جور سے چیخ رہی ہے - یہ حکام وہ ہیں جو حضور کے برائے نام فرمانبردار ہیں - اعلیٰ حضرت کو کیا معلوم کہ وہ شاہی احکام قوم میں جاری کرتے ہیں یا اپنی ہوا و ہوس سے کام لیتے ہیں!

آپ کی سلطنت، عام رائے سے خالی ہے - نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے عمال، رعایا کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں - اس کے معنی یہ ہیں کہ خود حضور کے عرش معلیٰ کے روبرو بھی ذمہ دار اور جواب دہ نہیں ہیں، کیونکہ کوئی شخص بھی اُن کی شکایت عذبات غالبہ تک پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا، اور چونکہ اُن کے جرائم ذات شاہانہ کے علم میں نہیں آسکتے، اس لیے اُن سے باز پرس بھی نہیں ہو سکتی - لہذا وہ بالکل قدر ہو گئے ہیں - رعیت پر دست درازی میں بے ناک ہیں - ہر قسم کی برائیاں کھلے بندھوں کر رہے ہیں - باشندے درگزر پر منقسم ہو گئے ہیں: ظالم حاکم، کوئی نہیں جو اُن کا ہاتھ پکڑے - مظلوم رعایا، کوئی نہیں جو اُس پر ترس کھائے - حاکم، جس کا دعویٰ ہے کہ اُس کی قوت، خود سلطان کی قوت ہے، لہذا بے زرک اور بے قید ہے - وہ اس قوت کی گہمند میں جملہ معائب و نقائص سے آلودہ ہونا چاہتا ہے - محکوم، جس کا کام یہ رہ گیا ہے کہ دلت کے نازک غار میں برابر گرتا جلا جائے - حکام، جنہوں نے رعایا کے لوگوں پر قفل چڑھا دیے ہیں - اگر کبھی کسی کے منہ سے مراد کی چیخ بلند ہو جاتی ہے تو یہ حکام اُسے بغاوت قرار دے دیتے ہیں - لہذا تمام رعایا، نا اُمیدی میں پڑ گئی ہے - بے حساب ظلم و جور کے نیچے دبی ہے، مگر خوف سے چپ ہے - ظلم کے ہاتھ اُس کا گلا دابے ہوئے ہیں، اور اعلیٰ حضرت سے مخفی نہیں کہ ظلم دلوں میں فساد پیدا کر دیتا اور عقلوں میں فتنہ ڈال دیتا ہے -

ترکوں کی رگوں میں پاک اور بے میل خون مرج رہا ہے - بقبناً ہم وطن سے بے حد محبت کرتے ہیں - حب الوطنی، ہماری ہمتیں بلند کرتی ہے، بڑی سے بڑی قربانیاں بھی ہم پر آسان کر دیتی ہے - ہم بہادر سناہی ہیں، موت سے نہیں ڈرتے - ہم میں وقار ہے اور ہمارے اسلاف سے ہمیں میراث میں ملا ہے - ہمارا امتیازی صفت، صریح اخلاص ہے - یہی اخلاص ہمیں آمادہ کرتا ہے کہ

(مصطفیٰ فاضل کا لائحہ)

اعلیٰ حضرت!

کلمہ حق بادشاہی اور حکمرانی تک پہنچنا، بہت مشکل ہے۔ درباری اُس پر پردہ ڈالتے اور اُسے چھپاتے ہیں۔ بادشاہ فرمانروائی کے نشہ میں مغمور اور سلطنت کی لذتوں میں غرق، راہ صواب سے غافل ہو جاتے ہیں۔

وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے ہی کرتوت سے پریشانی میں پڑتی ہیں۔ اور اپنی ہی عقل سے بستی میں گرتی ہیں۔ سلطنتیں جب برباد ہوتی ہیں، تو قضا و قدر کے بے رُک ہاتھ ہی سے برباد ہوتی ہیں۔

واقعات کو در در دیکھنے اور ارہام کر ارہام سمجھنے کے لیے انسان کو بڑے ہی اخلاص اور بڑی ہی جرأت کی ضرورت ہے۔ پادشاہ تک بے کم و کاست حقیقت پہنچانے کے لیے اور بھی زیادہ اخلاص و جرأت کی ضرورت ہے۔

میرے آقا! یہ اخلاص کبھی میرے دل سے جدا نہیں ہوا۔ خود اعلیٰ حضرت سلطان اس کے شاہد ہیں۔ وہ لوگ بھی اس سے ناراض نہیں جو میری جلا وطنی کا سبب ہوئے ہیں۔ بلاشبہ زمانے کے منجم موقعہ نہیں دیا کہ روشن کارناموں سے اعلیٰ حضرت کی ذات شاہانہ سے اپنی عقیدت ثابت کرتا اور اپنی قوم کی فلاح و بہبود۔ اگر یہ نہ کہوں کہ اُس کے احیا — کے ارادے پورے کرسکتا۔ لیکن میں پہلا آدمی ہوں جس نے اعلیٰ حضرت کے سامنے شاہی حکومت کے عیوب بے پردہ کرنے اور وطن عزیز کے مصائب پیش کر کے اپنی جرأت کی ہے۔ بہ اس لیے کہ میرا دماغ اعلیٰ حضرت اور سلطنت عثمانیہ کی خدمت کے لیے سراسر وقف ہے۔ مجھے اعلیٰ حضرت کے عرش سے جو عقیدت و وابستگی ہے، اور وطن محبوب سے جو محبت و وارفتگی ہے، اُسی کے معہ میں یہ قوت پیدا کر دی ہے کہ بے خوف و خطر اُن مصائب و آلام پر نظر ڈالوں جو ہمیں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں پیش آ رہے ہیں۔ حضور کے اخلاق عالیہ پر میرا یقین مجھے ہمت دلاتا ہے کہ اُن مصائب کی تشریح کروں۔ کوئی ایک بھی مخفی نہ رکھوں۔ سب کو صاف صاف ظاہر کر دوں۔ بہرہ علاج عرض کروں جو ہمیں شفا بخش سکتا ہے، بشرطیکہ اُس کے استعمال سے پہلے وقت نکل نہ جائے۔

میرے آقا! اب کی مسیحی رعایا کی جانب سے جس سرکشی کا برابر اظہار ہوتا رہتا ہے، وہ یقیناً ہمارے اجنبی دشمنوں کی شرارت کا نتیجہ ہے۔ لیکن وہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت کی حکومت کا برتاؤ اپنی تمام رعایا کے ساتھ کوئی عمدہ برتاؤ نہیں ہے۔ اس برتاؤ میں اگر حکومت پہلے معدوم تھی تو یقیناً اب اُسے برقرار رکھنے میں اُس کے لیے کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس مسلک کا نمرہ، ظلم کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جہل، اُس سے پیدائتا ہے، فقر و فاقہ اور شر و فساد کی اُس سے پیدائش ہوتی ہے۔

یہ سب مفعول کرتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ میں صرف مسیحی رعایا ہی ظلم و تذلیل کے لیے منتخب گئی گئی ہے۔ حالانکہ یہ سخت غلطی ہے۔ مسلمان، جن کی حمایت پر کوئی یورپین سلطنت نہیں، مسیحیوں سے زیادہ ظلم اُٹھا رہے ہیں۔ اُن کے مصائب و آلام کہیں زیادہ ہیں۔ وہ اب تک محض اس لیے صبر کیے

بیٹے ہیں کہ قضا و قدر پر اُن کا پختہ ایمان ہے۔ صبر و سکون کے عالمی ہیں۔ نفس بلند رکھتے ہیں۔ اُن کی یہ صفات، یورپین تخیل سے بہت بلند ہیں۔ اس لیے یورپ والے انہیں سمجھ نہیں سکتے۔ پھر یہ مسلمان، اُن شریف اور الو العزم اسلاف کی نسل ہیں جو فرمانروائی کے تخت پر جلوہ گر ہو چکے ہیں۔ سلطنت سے اُنکا اخلاص، قرآن پر اُن کے ایمان سے مل کر ایسا راسخ ہو گیا ہے کہ اب تک اُس میں تزلزل پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اعلیٰ حضرت اپنے مخلص توبہ خادم کو یہ عرض کرنے کی اجازت دیں کہ اب مسلمانوں کا بھی پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے۔ مصیبت آخری حد تک پہنچ چکی ہے۔ آلام نے اُن کا جسم کھا ڈالا ہے۔ اپنا غم و غصہ چھپانے کی اب اُن میں قدرت باقی نہیں رہی۔ یقیناً حضور والا کے خاندان اور قوم کے لیے یہ سخت خطرہ ہے کہ رعایا، یاس و نا اُمیدی کا شکار ہو جائے۔

مخلوق پر ظلم بہت سخت ہو گیا ہے۔ آپ یقیناً اُس سے متاثر ہیں، اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کی امت کے عظماء و اکابر بھی اُس سے بیزار ہیں۔ لیکن وہ مجھ کو حکومت کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ حتیٰ کہ خود اعلیٰ حضرت، جن کی قوت معلوم اور سطوت مشہور ہے، شاید اُسے روکنے کی قدرت نہیں رکھنے۔ کیونکہ اُس کی خبر سمع مبارک تک پہنچتی ہی نہیں۔ حالانکہ وہ اس امت کی مردانگی تباہ کر رہا ہے۔ اُس کی شخصیت گرا رہا ہے، اُس کے فضائل برباد کر رہا ہے۔

میرے آقا! اب کی رعایا میں ایسے مخلص افراد موجود ہیں جن کے دل یہ دیکھ کر حسرت سے پگھلے جاتے ہیں کہ یہ امت — جو ہماری عزت و فخر ہے — کس طرح نسل کی کمی اور ہجرت کی زیادتی کی وجہ سے کمزور و کم تعداد ہوتی چلی جا رہی ہے۔ لیکن میں اس سے خائف نہیں ہوں۔ ممکن ہے اس میں ہمارے مروجی نظام کو بھی کچھ دخل ہو۔ لیکن جس چیز سے میں ڈرتا ہوں اور جسے رز بروز قریب آتے دیکھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہم مغرب قومن کے مشابہہ ہوتے جاتے ہیں۔ رز بروز ہماری معنویت کمزور ہو رہی ہے اور یہ مرض قوم کے تمام طبقوں میں عام ہوتا جاتا ہے۔

میرے آقا! ہمارے اسلاف نے چار صدی پہلے مشرق کی رومن شہنشاہت تہ و بالا کر ڈالی، عروس البلاد اور ملکہ جہاں، قسطنطنیہ میں اپنے قدم گاڑ دیے، اور وہ فتح عظیم حاصل کی جو تاریخ میں ایک عظیم ترین کارنامہ شمار کی جاتی ہے۔ لیکن اس حیرت انگیز کامیابی کا راز کیا تھا؟ صرف دین کا اعتقاد اور جنگ میں شجاعت ہی نہ تھی۔ اُن کی وہ الو العزمی اور بہادری، درحقیقت، اُن کی معنویت ہی کا ایک جلوہ تھا۔ وہ اپنے سرداروں کی اطاعت، خوش دلی سے کرتے تھے، نہ کہ خوف اور مجبوری سے۔ یہی وجہ تھی کہ دلت اُن پر قابو نہ پاسکی۔ عقل پر اندھی تابعداری غالب نہ آسکی۔ اُنکی خود داری برابر باقی رہی۔ استقلال ذاتی نے اُن کا سانہ نہ چھوڑا۔ اطاعت نظام (تسپلن) کی روح، عزت نفس کی روح سے مل گئی تھی۔ دونوں روحیں، مضبوط اخلاق کی بنیادوں پر قائم تھیں۔ فضیلت نے انہیں گہر کر لیا تھا۔ اس لیے انہوں نے وہ عظیم سلطنت آلت ڈالی جسے استبداد کی ردیلیں گہن کی طرح لگ گئی تھیں، اور ظلم و جور نے اُس کی تمام چولیں ہلا ڈالی تھیں۔

برید شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا پیغام - مجلس وطنی کا انتخاب -
وزراء آستانہ میں - غازی کے خلاف سازش -

(غازی مصطفیٰ کمال کا پیغام)

مجلس وطنی کے انتخاب کے سلسلہ میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی قوم کے نام ایک پیغام شایع کیا ہے۔ یہ تحریر خود مرموف نے اپنے قلم سے لکھی ہے۔ اس لیے نہایت پر زور اور بلیغ ہے۔ اس میں انہوں نے جنگ آزادی کے بعد پہلی مجلس وطنی اور اپنی جماعت ”خلق فرقہ سی“ کی کارگزاریاں یاد دلانی ہیں اور پھر قوم سے اپنی جماعت کے انتخاب کی درخواست کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”آج مرفوعہ ہے کہ ہم گزشتہ چار سال کے اندر اپنے عظیم اصلاحی و تعمیری جہاد پر نظر ڈالیں اور اطمینان کے ساتھ وہ کامیابیاں دیکھیں جو ہم نے حاصل کی ہیں۔ ہمارا ملک ایک ایسی مہذب جنگ سے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، فتنہ و فساد کا تھا۔ اُسے اُن مساعی و اعمال کی سکت ضرورت تھی جسے فرمیں زندہ رہی ہیں۔ یہ بہلا موقعہ نہ تھا کہ ترکی قوم کے فوج و نصرت دیکھی نہی۔ ترکی قوم کی بڑی تاریخ فتوحات ہے لبریز ہے۔ لیکن چونکہ پہلے ترکی قوم میدان جنگ سے باہر کوئی کوشش نہیں کرتی تھی اس لیے اپنی فوج سے کوئی فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتی تھی۔ بلکہ بددیوبہ اُسکی فتح شکست بن جائید بھی۔ جو معتمدی بر فرار نہیں رکھی جاتی، اُس کے نتائج بسا اوقات

معنت اور جستی کر بھی کامیابی میں بہت بڑا دخل ہے۔ شروع میں مدرا و سپور یہ تھا کہ صبح سات بجے سے اپنے کام پر پہنچ جاتا تھا اور گیارہ بجے رات سے پہلے واپس نہیں آتا تھا۔ میں جاننا ہوں کہ آج کل کے نوجوان اتنی معنت نہیں کرسکیں گے۔ لیکن اگر وہ اتنی معنت بھی کریں، جتنی وہ آسانی سے کرسکتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیاب نہ ہو جائیں۔

میرے خیال میں منضبط معنت سے زیادہ لید کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ میں دنیا کے انک بہترین جہاز کا مالک ہوں۔ بہترین بادبانی کشتی بھی میرے پاس ہے، میں نے شکار بھی بہت کھیلا ہے۔ عیش و آرام کے جملہ سامانوں سے بھی منمنع ہوا ہوں۔ مگر میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے کسی بات میں بھی اتنی لذت حاصل نہیں ہوئی، جتنی اپنی رز کی معنت میں حاصل ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں، میری کامیابی کا سب سے بڑا راز میری اسی معنت میں ہے!

ملین ڈالر بھی جمع کر سکیں گے۔ اُس وقت میرے پیش نظر صرف یہ خیال تھا کہ کسی طرح دنیا کا ایک کامیاب آدمی بن جاؤں۔

میرے پیش نظر کامیابی کیا تھی؟ اُس کا معیار کیا تھا؟ میں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ کوئی مفصل خیال دہن میں موجود نہ تھا۔ کامیابی کا محض ایک مبہم سا تصور تھا۔ میں نے یہی تصور اپنا مطمح نظر قرار دے لیا اور کوشش شروع کر دی۔ مجھے خود تعجب ہوا کہ تھوڑی ہی مدت بعد دولت اپنے آپ جمع ہوئے لگی تھی اور اب تک جمع ہوتی چلی جاتی ہے!

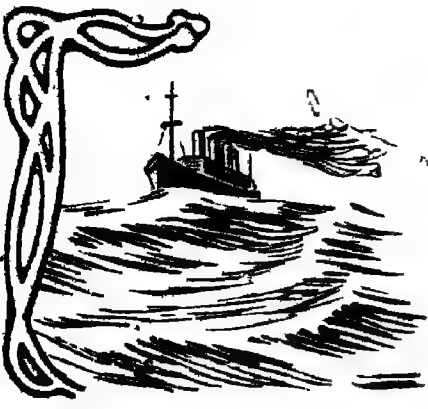
مجھے آج تک اپنی غربت اور تنگ دستی یاد ہے۔ میں بہت کم عمر تھا۔ طرح طرح کے رولے اور امنگیں دل کو دگداتی تھیں، مگر میں اپنی کوئی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے پیٹ بھر کر روٹی بھی نہیں ملتی تھی۔ میں در بدر کام تلاش کرتا پھرنا، اور کہیں بھی کام نہیں ملتا۔ سخت جدوجہد کے بعد بالاخر ایک کام ملا۔ ایک بحری حوص میں نوکری مل گئی۔ ہفتہ وار سولہ شلنگ تنخواہ مقرر ہوگئی۔ میں بہت خوش ہوا۔ مگر فوراً ہی میری خوشی رنج سے بدل گئی۔ کیونکہ اس کمپنی کے منیجر مسٹر گروس نے مجھے بلا کر نہایت خشکی سے کہا ”یہ تنخواہ تمہیں ملے گی، اگرچہ تم اس کے کسی طرح بھی اہل نہیں ہو!“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے دل میں سخت غم و غصہ تھا۔ میں نے عزم کر لیا کہ کچھ ہی ہو جائے، میں اپنی حالت ضرور درست کرے جوڑوگا۔ چنانچہ میں نے کوشش شروع کر دی، اور چند ہی سال بعد بھی مسٹر گروس مجبور ہوئے کہ مجھے اپنی عظیم کمپنی کا سرنگ بنا لیں!

مجھے سے لوگ پوچھا کرتے ہیں ”آدمی کوڑ پنی کیسے بن جاسکتا ہے؟“ میرا جواب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ دولت جمع کرنے کا کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے۔ اس کا مدار صرف دو باتوں پر ہے: دھانت اور قسمت۔ اگر انسان کو ان دونوں میں سے کافی حصہ ملا ہے، تو بلا شبہ وہ بہت زیادہ دولت جمع کر لے سکتا ہے۔

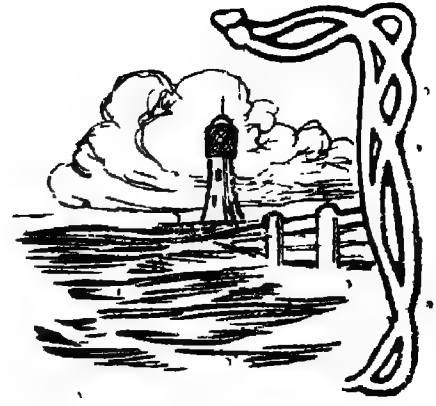
بہت سے معمولی دھانت کے لوگ ہمیشہ ”زمانہ“ کو ملامت کیا کرتے ہیں کہ اُن کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ کہتے ہیں ”اگر ہمیں ایک موقعہ بھی میسر آجائے تو ہم فوراً دولت مند بن جائیں“ لیکن یہ اُن کی غلطی ہے۔ قصور زمانے کا نہیں خود اُن کا ہے۔ اُن کی دھانت و قابلیت کا ہے۔ اعلیٰ دھانت کے لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر موقعہ کا انتظار نہیں کیا کرتے۔ وہ خود موقعہ پیدا کرتے ہیں اور اُس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

میں نوجوانوں کو ہمیشہ نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ اپنی تمام قوتیں اور کوششیں ایک ہی طرف متوجہ رکھیں۔ کیونکہ بغیر اس کے دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔ مختلف کام شروع کرے کوششیں پراکندہ کر دینے سے اثر ناکامی کی مصیبت پیش آجایا کرتی ہے۔ ہمیشہ ایک مرکز بنانا چاہیے اور اُس پر تمام قوتیں صرف کردینی چاہئیں۔ بلا شبہ میں بھی اُن لوگوں میں ہوں جو بیک وقت بہت سی تجارتیں پھیلانے لگے ہیں۔ لیکن یہ میں نے اب کیا ہے جبکہ ایک بڑے سرمایہ کا مالک بن چکا ہوں۔ شروع شروع میں نے کبھی یہ جرات نہیں کی کہ بہت سے کام لے کر بیٹھ جاؤں۔



نگ

بزی



بد نصیب کزور پتی

(کیا دولت، مسرت کا سبب ہے؟)

(دولت جمع کرنے کے لیے ہے یا خرچ کیلئے؟)

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دولت مند، خوش نصیب ہیں۔ اور فقر و فاقے میں مبتلا انسان بد نصیب۔ لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے کزور پتی، انتہاء درجہ بد نصیبی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور بہت سے نان شینہ کے محتاج ہیں جنہیں مسرت و سعادت کی زندگی حاصل ہے!

حال میں مسٹر چارلس ولنٹ نے جو ایک مشہور امریکن کزور پتی ہیں، اس موضوع پر ایک مضمون شائع کیا ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ مفلس اور امیر، دونوں اسے غور سے پڑھیں۔

وہ لکھتے ہیں:

دولت، مسرت و سعادت کے لیے کوئی لازمی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ مسرت، درحقیقت خود اس شخص پر موقوف ہوتی ہے جو اس کا متمنی ہوتا ہے۔ میں بہت سے کزور پتیوں سے واقف ہوں۔ یہ دنیا کے سب سے زیادہ بد نصیب انسان ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے مفلس انسانوں کو بھی جانتا ہوں جو نہایت پر مسرت زندگی بسر کر رہے ہیں!

مجرد دولت سے کسی شخص کو مسرت حاصل ہو سکتی ہے جو حد سے زیادہ طماع اور صرف مال کا حریص ہو۔ ورنہ بعض دولت کے جمع ہوجانے سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ مسرت بھی جمع ہوجائے۔

دولت سے بھی شخص مسرت حاصل کر سکتا ہے جو صرف اس کا جمع کرنا ہی نہیں جانتا، بلکہ خرچ کرنا بھی جانتا ہے۔ میرے خیال میں وہی دولت مند، مسرت و سعادت محسوس کرتے ہیں جو اپنی دولت بہتر طریقوں پر خرچ کرنا جانتے ہیں۔

میں بہت سے آدمیوں کو جانتا ہوں جو کہا کرتے ہیں "اگر ہمیں ایک ملین ڈالر مل جائے تو ہم مطمئن ہوجائیں اور خوش و خرم زندگی بسر کریں" لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ انہی دولت جمع ہوجانے کے بعد بھی وہ خوشی محسوس نہیں کریں گے، الا یہ کہ وہ یہ بھی سیکھ لیں کہ اپنی دولت کس طرح خرچ کرنی چاہیے؟

جب میں نے دولت جمع کرنی شروع کی، تو ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ میں عنقریب کزور پتی بن جارنگا۔ میرے خراب میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی تھی کہ ایک

آزادی، قوموں کے لیے اولین مربی ہے۔ آزادی ہی تمام دوسرے مربیوں کو پیدا کرتی ہے۔ کوئی مربی بھی آزادی کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ کوئی مربی بھی آزادی کا عمل انجام نہیں دے سکتا۔ غلام قومیں علم کی تحقیر کرتی ہیں، کیونکہ علم انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ قومیں اسی وقت علم کی طرف رعب ہوتی ہیں، جب انہیں اپنے حقوق کی جانب سے اطمینان ہوجاتا ہے۔ وہ علم اس لیے حاصل کرنی ہیں کہ اپنے حقوق سے فائدہ اٹھائیں۔ اور بہتر اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ ہر جاہل اور غلام قوم، بزدل ہوتی ہے یا خائن۔

اعلیٰ حصرت! اس وقت ہماری مصیبت صرف یہی نہیں ہے کہ ہم معدومی کمزوری اور عقلی فساد میں مبتلا ہیں۔ ہماری مصیبت اس سے بھی بڑی ہے۔ ہم ہر جگہ ایک جبار و قہار دشمن کو اپنے سامنے پاتے ہیں۔ وہ بے رحم دشمن، ہمارا افلاس ہے۔ حضور نے کتنی مرتبہ اپنے خزانے خالی کیے؟ کتنی مرتبہ تنخواہیں تقسیم کرنے کے لیے ریہہ موجود نہ پا کر ریجیدہ ہوئے؟ آپ کا رحم قلب یہ سونچ کم ہمیشہ کس قدر اداس ہوتا رہا ہے کہ عمال سلطنت کی تنخواہیں بہت حقیر ہیں؟ یہ اس لیے کہ حضور جانتے ہیں، مشرقی عہدہ دار جب تنخواہ کافی نہیں پائے، تو رشوت خوار ہو جاتے ہیں۔ رعایا میں لوٹ کھسوٹ شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن سلطنت کے خزانے خالی ہونے پر ہمیں اتنا افسوس نہیں حذا رعایا کی غربت کا افسوس ہے۔ کیونکہ سرکاری خزانہ محض اس لیے خالی رہتا ہے کہ رعایا غریب ہے۔ رعایا کا افلاس، ایک عظیم ترین خطرہ ہے۔

دنیا کی حکمرانوں میں صرف اعلیٰ حصرت ہی کی حکومت ایسی ہے جو اتنے قلیل خراج پر زندہ ہے۔ حضور کی سلطنت عظمت عظیم، وسیع، اور آباد ہے۔ تعجب ہے کہ رعایا اتنا قلیل خراج بھی ادا نہیں کر سکتی! لیکن ہمارا یہ تعجب باقی نہیں رہنا جب ہم دیکھیں کہ خراج جمع کرنے کا طریقہ، ایک بدترین طریقہ ہے۔ ہماری قوم، بہت ہی کم کام کرتی ہے۔ وہ ہر ہر سے جاہل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہے اور حکومت کا خراج ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ حالانکہ دوسرے ملکوں کی رعایا ہم سے بہت زیادہ خراج بخوشی ادا کر دیتی ہے۔

اعلیٰ حضرت کی سلطنت میں ہر چیز کو زوال آگیا ہے: زراعت، تجارت، صنعت، کوئی چیز بھی نہایت نہ بچی۔ ہم پیدا کرے کے طریقے بالکل بھول گئے ہیں اور اسے فقر و فاقہ کے مشاہدہ پر قانع ہیں۔ فقر کی ہڈیناک صورت ہمارے سامنے ہے۔ ہم اس کی دہشت سے ہمت و جرأت کا کوئی کام کر ہی نہیں سکتے۔

انسان

غضبِ ناکِ مجبور

L'ARRABIATA

پال ہیس کے قلم سے

پال ہیس (Pal Heiss) جرمنی کا مشہور معروف شاعر اور ناول نگار ہے۔ اس کا شمار نئے نئے اداس کے افسانے ہر قدم مقبول ہوئے ہیں کہ اس کا نام غیر غنائی ہو گیا جو۔ ذیل میں اس کے ایک مقبول ناول کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ ناول کا یہ دو نروں تک مسلسل شائع ہوا ہے۔

پوچھ رہی تھی۔ آتش فشاں دیز دیس کی چوٹی، سیاہ بادل میں چھپی تھی۔ اُس کے دامن شہرِ نابلی تک پہنچے ہوئے تھے۔ قربِ دجواد کے گھاؤں بھی اندھیرے میں تھے۔ سمندر خاموش اور صاف تھا۔ طلح سورتو کے کناروں پر ابھی گہرا در آن کی عورتیں اپنے روزمرہ کے کام شروع کر چکی تھیں۔ کوئی ہاتھ بھی خالی نہ تھا۔ بوڑھے اور بچے تک محنت کر رہے تھے۔

”ریشل!“ ایک بڑھانے اپنی پوتی سے کہا۔ ”لے، پادری انٹو آگیا۔ انٹو، اُسے اپنی کشتی میں جزیرہ کا پیری لے جائے گا۔ مگر طلح کی آنکھیں نیند کے خار سے اب تک بھاری ہو رہی ہیں“

سب لوگ، پادری کی قہقہے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اُس کا چہرہ نورانی تھا۔ دائیں بائیں، سر کے اشارے سے، شکر لاتے ہوئے، سب کا سلام قبول کیا اور اپنے کپڑے احتیاط سے صیقل کر کشتی میں بیٹھ گیا۔

”ہمارا پادری، جزیرے میں کیوں جا رہا ہے؟“ جھوٹی لڑکی نے اپنی دادی سے سوال کیا۔ ”کیا وہاں کوئی پادری نہیں ہے؟“

”تم ٹھیک کہتی ہو“ دادی نے اپنا پوچھا۔ ”مگر یہاں سے بہت سے پادری ہیں۔ وہاں کے سے خوبصورت کیسے دیکھ رہی ہیں“

موجودہ نہیں۔ لیکن وہاں ایک امیر عورت جا رہی۔ ایک زمانے میں وہ یہاں رہتی تھی۔ اُس وقت بھی بیاہ ہوئی تھی اور ہمارے اسی پادری کی دعا سے اچھی ہوئی تھی۔ اس خوشی میں اُس نے پادری کو، اُس کے کیسے کو، اور یہاں کے فقروں کو بہت کچھ دیا تھا۔ اب پھر اُس نے پادری لایا ہے تاکہ دنیا چھوڑنے سے پہلے اس مقدس آدمی کے سنا احترام نگاہ کرے۔ سچ یہ ہے کہ ہمارے پادری جیسا اچھا اس وقت کوئی پادری بھی نہیں ہے۔“

یہ کہہ کر بڑھانے ایک مرتبہ پھر پادری کو سلام کیا، کیونکہ اُس کی کشتی اب روانہ ہونے کو تھی۔

”موسم کیسا ہے؟“ پادری نے آبی کی طرف نظر اٹھا کر انٹوینو طلح سے کہا۔

”باپ! ابھی سورج نہیں نکلنا“ طلح نے جواب دیا۔ یہ تمام بادل سورج چھتے ہی چھٹ جاتے گا۔

”توجہ دے کر۔“ وہ پوچھ رہی تھی۔ ”پادری نے کہا۔“

”نورانی“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”مگر وہ اجانک رک گیا تھا۔“

کی طرف گئے دیکھنے لگا۔ شکر پر کوئی آدمی تیزی سے بڑھا آتا تھا اور ہاتھ ہلکا کر رہا تھا۔

یہ دراصل ایک لڑکی تھی۔ اُس کی بغل میں ایک گھڑی دبی تھی معمولی لباس پہنے تھی۔ ظاہری وضع، فقر و غربت کا پتہ دیتی تھی۔ اُس کے کانے بالوں کی لٹیں ہوا میں اڑ رہی تھیں۔ انٹوینو نے اُسے پہچان لیا۔

”انتظار کیا ہے؟“ پادری نے سوال کیا۔

”ایک اور شخص بھی جزیرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت نہ لائے بہت کہا۔“ وہ ابھی دیر نہ ہوئی۔ وہ ایک لڑکی ہے۔ ابھی پورے ۱۸ برس کی بھی نہیں ہے۔

اب لڑکی سانسے تھی۔

”موریل!“ پادری نے کہا۔ ”اُسے جزیرے میں کیا کام ہے؟“

انٹوینو نے جواب میں اپنے شانے ہلانے۔ لڑکی برابر تیزی سے بڑھ چلی آتی تھی۔ اُس کی نظریں کشتی پر لگی تھیں۔

”اچھا! غصہ در پوری اسلام!“ بعض ایسی گراں قدر باتیں دو شیر نے حقارت کے ساتھ اُنھیں دیکھا۔ کسی کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی توری پر بٹا پڑے تھے۔ غصہ سے منہ تھما رہا تھا۔ اگر وہ پادری موجود نہ ہوتا تو آج اُسے ضرور چھڑتے۔

”صبح بخیر! سوریل!“ پادری نے کہا۔ ”تمہیں ہے؟ ہمارے ساتھ جزیرہ چلتی ہو؟“

”اگر مقدس باپ کی اجازت ہو، موریل نے ادب سے جواب دیا۔“

”انٹوینو سے اجازت لو،“ پادری نے کہا۔ ”کشتی اُسی کی ہے۔“

آدمی اپنا الگ ہی، اور خدا ب آدھیوں کا الگ ہی۔

”یہ میرے پاس جا رہے موجود ہیں، اگر راہ کو کافی ہوں،“ موریل نے انٹوینو کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

”تمہاری ضرورت مجھ سے زیادہ ہے۔“ انٹوینو نے جواب دیا اور نارنگی کی ٹواریاں ہٹا کر جگہ بچانے لگا۔ نورجوان طلح، جزیرے میں نارنگی لے جا کر بیجا کرنا تھا۔ کیونکہ صرت کشتی کے کرایہ سے کافی آمدنی نہیں ہوتی تھی۔

”لیکن میں صفت نہیں جاؤں گی۔“ موریل نے غصے سے کہا۔ اُس کے چہرے اور سیاہ آنکھوں میں غصہ کی حدت نمایاں تھی۔

”جی! اچھی! آہ پادری نے دو شیر سے شفقت کے لہجے میں کہا۔ ”نورجوان! لڑکا ہے۔ وہ تیرے قہقہے سے پیسے لینا نہیں چاہتا اور پادری نے لڑکی کی طرف سہارا دینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا، دیکھ اُسے تیرے لئے اپنی چادر بچھا دی ہے۔ سب جوان ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک لڑکی کے لئے اتنا کرتے ہیں جتنا اپنے دس یا دیڑھ کے لئے بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ یہی مقدس باپ، بھی کہتے ہیں، ہمیں نہیں انٹوینو! محنت کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے ناخوش نہیں ہوا خدا کی مشیت ہی ہے کہ ہر کوئی اپنے ہم جنس کی طرف جھکے!“

اب موریل کشتی میں اُتر چکی تھی۔ وہ پادری کے قریب بیٹھ گئی۔ لیکن انٹوینو کی چادر دور ہٹا کے۔ انٹوینو اس حرکت پر کچھ بڑبڑایا اور کشتی روانہ ہوئی۔

”اس گھڑی میں کیا ہے؟“ پادری نے دو شیر سے پوچھا۔

اب سورج نمودار ہو رہا تھا۔ اُس کی روپنی کر نیں ان ہمسافروں پر پڑ رہی تھیں۔

”ریشم، ذہانت، اور روٹی“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”ریشم اور ذہانت جزیرے میں رک جائے گا۔ روٹی میں کھانوں گی۔“

”مجھے یاد پڑتا ہے تم نے کپڑا بتا بھی سیکھا تھا؟“ پادری نے پھر سوال کیا۔

”ہاں۔ لیکن میری ماں کی بیلادی مجھے گھر سے بچنے نہیں دیتی کہ اس ہنر کی اچھی طرح مشق کر دوں۔ خود میرے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ گھر میں بنے کا سا ان جمع کروں۔“ لڑکی نے حیرت سے جواب دیا۔

”اب اُس کا کیا حال ہے؟“ پادری نے گہری ہوا دھما سے کہا۔ ”آہ! بیچارہ نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ پچھلی دفعہ جب میں نے دیکھا تھا تو ذرا اچھی تھی۔“

”یہ سوچ ہمیشہ اُسے تکلیف دیتا ہے۔“ لڑکی نے نا اُمید کے لہجے میں جواب دیا۔

”دعا کر! دعا کر!“ پادری نے زور سے کہا۔ ”کبھی نواز سے قائل نہ ہو۔ دعا سے باز نہ آ۔ شاید خدا سن لے۔ نیک بن نیک۔“

”اگر تیری دعائیں قبول ہوں۔“

موریل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحہ کی خاموشی کے بعد پادری نے پھر کہا:

”موریل! میں نے ابھی تمہارا کلام تھا۔“ غصہ لک، ”غصہ ہو بیکار رہو تھے۔ یہ کیوں؟ یہ لقب تو سبھی دو شیر کے لئے کچھ اچھا لقب نہیں۔“

”تجھے علم اور خوش مزاج ہونا چاہیے۔“

دو شیر کے کڈنی چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔ اُس کی آنکھیں تیزی سے چلنے لگیں:

”وہ اسی طرح مجھے چڑھاتے ہیں۔“ لڑکی نے خفگی سے کہا۔ ”وہ مجھے روز چھڑتے ہیں کیونکہ میں اور لڑکیوں کی طرح گاتی، اچھی، اور بڑی سے ہنسی مذاق نہیں کرتی ہوں۔ وہ میرے بچنے کے لئے ہیں؟“

”سچ ہے؟“ پادری نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ ”لیکن بغیر ہر حال میں ہونا چاہیے۔ لوگوں کو ناپچے گانے، درد نہ زندگی ناقابل برداشت ہو جائے گی۔“

”مٹی زبان میں بہت بھلائی ہے۔“

دو شیر نے اپنی لمبی کالی پلکیں جھکا دیں، گویا اپنی آنکھوں کا راز ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ اب دوران میں سورج طلوع ہو چکا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں جگمگاتیں۔ سورج کی طلح کے چھوٹے چھوٹے سفید مکاں نارنگی کے باغوں میں ہلکے نظر آ رہے تھے۔ سر درویش کے کنارے کنارے مٹی کے چند ٹکڑے پل رہے تھے۔

کاظم قارا بکیر پاشا ریفرنڈم میں سے کوئی بھی انتخاب میں شریک نہیں ہے۔

(نعمان وزیر اسٹانہ میں)

اس وقت تمام وزیر آستانہ ہی میں موجود ہیں۔ پرسوں عازلی کی صدارت میں مجلس وزارت باضابطہ منعقد ہوئی۔ جمہوری حکومت کی یہ پہلی مجلس سلاطین آل عثمان کے تاریخی محل، طولمہ باغچہ میں جمع ہوئی اور مختلف مسائل پر غور کیا۔

اس واقعہ سے پھر لوگوں میں یہ افواہ پھیل رہی ہے کہ اگر پایۂ تخت انگریزوں سے بری طرح منتقل نہ ہوا، تو بھی قسطنطنیہ گروائی پایۂ تخت ضرور بنا دیا جائیگا۔

(غازی کے خلاف سازش)

اس ہفتہ کا اہم واقعہ عازلی مصطفیٰ کمال پاشا کے قتل کی سازش ہے۔ اس سازش میں چار آدمی گرفتار ہوئے ہیں۔ نین ارمی ہیں۔ ایک ترک بنایا جاتا ہے۔ سازشوں نے پولیس سے مقابلہ بھی کیا۔ ایک قتل ہو گیا۔ تین پکڑ لیے گئے۔ پولیس کا بھی ایک سپاہی قتل ہوا ہے۔

مجرموں نے اقرار کیا ہے کہ حکومت نونان کے اشارے سے انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ عازلی مصروف جب انگریز واپس جانے لگیں تو راستے میں انکی ریل ڈالنامیت سے آڑا دی جائے۔

اس خبر نے یہاں کی عام رائے میں سخت ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ کیونکہ ترکی قوم ارمینوں اور یونانیوں کی سازشوں سے بہت نقصان اٹھا چکی ہے۔ سعید حلیم پاشا وزیر اعظم، غازی انور پاشا جمال پاشا، طلعت پاشا، کاظم بک ریفرنڈم، ترکی کے ایسے فرزند تھے جنہیں سے ہر شخص اپنی جگہ دنیا کا بڑا آدمی شمار ہوتا تھا۔ مگر شفی ارمینوں نے سب کو ایک ایک کر کے دھوکے سے قتل کر ڈالا اور ترکی کے دل پر ایسے زخم لگائے جو مدتوں مندمل نہ ہو گئے۔

اب ان بد بختوں کی نظر عازلی مصطفیٰ کمال پاشا پر ہے جو اس وقت ترکی قوم کی روح رواں ہیں۔

سینٹ سے بھی زیادہ بد تر ثابت ہوئے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ ہم نے اس قدم سنت پر عمل نہیں کیا۔ ہم فوراً اصلاحی اور تعمیراتی کوششوں میں لگ گئے۔ حالت امن میں ہماری مساعی، حالت جنگ کی مساعی سے بھی کہیں زیادہ عظیم نہیں۔ ہم نے عزم بالجزم کر لیا تھا کہ اس فتح مبین سے قائدہ اٹھائیں گے اور اسے ترکی قومیت کی تجدید کا سنگ بنیاد بنا دیں گے۔ چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا ہے۔ اس کے بعد، عازلی نے مذہبی جماعت کی کارگزاریاں بیان کی ہیں:

”جنگ آزادی سے ملک ایک عظیم اصول لے کر باہر نکلا۔ وہ اصول یہ تھا ”سیادت بلا کسی دید و شرط کے صرف قوم ہی کی ہے“ اسی اصول کی بناء پر جمہوریت کا اعلان کیا گیا۔ اسی اصول کی بناء پر منصب خلافت موقوف کیا گیا جو صدیوں سے ترکی قوم کے سر پر ناقابل برداشت بار تھا۔ ہماری جمہوری جماعت کی رائے ہے کہ ہر اجنبی مداخلت سے جمہوریت کی حفاظت کرنا ترکی قومیت کے مستقبل کے لیے ناگزیر ہے۔ یہی سب سے بڑا خطری مرض ہے۔ یہی قوم کی زندگی کی اصلی ضمانت ہے۔“

اس کے بعد مصروف نے ان کنیز ترقیوں کا ذکر کیا ہے جو اس قلیل مدت میں ان کی جماعت کے ہاتھوں ظاہر ہوئی ہیں۔ بالآخر یہ نام اس عبارت پر ختم ہوتا ہے:

”اس زندگی میں میرا سب سے بڑا بھروسہ اور میری سب سے بڑی فوٹ یہ ہے کہ قوم مجھ پر اعتماد کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی رہا ہے کہ اس امانت عہدہ زیادہ سے زیادہ مقدس سمجھوں اور بہتر طریقہ پر ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر تم ہمارے نام زد کردہ اشخاص کو اپنی مجلس وطنی میں بھیج گے، تو ہم دوبارہ تمہاری خدمت کا موقعہ حاصل کر سکیں گے۔ محض پورا یقین ہے کہ مستقبل میں ترکی جمہوریت اور ترکی قوم کی آرزو بھی زیادہ شاندار خدمتوں میں انجام دے سکتا ہے۔“

میں نے اس کے افراد پر یہی ہمت سے مستقبل کی تعمیر میں مصروف ہیں۔“

(مجلس وطنی کا انتخاب)

مجلس وطنی کے انتخابات ختم ہو گئے ہیں۔ ہر طرف سے خبریں آ رہی ہیں کہ جمہوری یا کمالی جماعت کامیاب ہو رہی ہے۔ لیکن یہ کامیابی کوئی ایسی کامیابی نہیں ہے جسے انتخاب اور مفاہلہ کی کامیابی سے تعبیر کیا جائے۔ کیونکہ اس جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت ملک میں موجود ہی نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو انتخاب میں شریک نہیں ہوئی ہے۔

عازلی مصطفیٰ کمال کی جمہوری جماعت کی طرف سے ۳۱۶-۳۱۷ امیدوار کھڑے کیے گئے ہیں۔ ان کی تعینات حسب ذیل ہے:

۴۵ - انتظامی آدمی ہیں - ۴۶ - کاشتکار ہیں - ۴۰ فوجی امسٹر ہیں - ۳۴ رکالت پیشہ ہیں - ۲۵ علمی آدمی ہیں - ۲۵ تاجر ہیں - ۲۳ احبار نویس ہیں - ۲۳ ڈاکٹر ہیں - ۲۳ منہر اقتصادیات ہیں - ۵ سیاسی ہیں - ۷ انجینیر ہیں - ۳ محکمہ دار اور ڈاک کے آدمی ہیں - ۳ آلات سازی کے مہار ہیں - ایک دروازہ ساز ہے۔

اس مرتبہ بحالفین سے میں کسی ایک شخص کو بھی اس جماعت نے نامزد نہیں کیا۔ چنانچہ اعلیٰ مؤاں پاشا، طبار پاشا

الہلال کی تصاویر



امسوس ہے کہ دسہرہ کی تعطیل کے وجہ سے (جو

کلکتہ میں پوجا کی تعطیل کہی جاتی ہے) وہ نصاب طبار

نہ ہو سکیں جبکہ الہلال کے صفحات میں درج کرنا تھا۔

اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس کی تلافی آئندہ اشاعت

میں کی جائے۔

”موریلہ! پادری نے پھر گفتگو شروع کی۔“ ذوقِ مصوکی بھی کچھ خبر ہو؟“

موریلہ نے اپنے نازک مونچھے ہلا کر انکار کیا۔

”تھوڑی تصویر تارانا چاہتا تھا، تم نے انکار کیا کیا؟ پادری نے پھر سوال کیا۔“

”میری تصویر کہیں؟“ دوشیزہ نے جھٹکا کر جواب دیا۔ ”کیا مجھ سے زیادہ خوبصورت عورتیں موجود ہیں؟ کون جانتا ہو میری تصویر لے کر کیا کرتا؟ شاید ہار دے کر دیتا۔ مجھے تکلیف دیتا۔ قتل کر دیتا۔ میری ماں یہی کہتی تھی۔“

”بہن! پادری نے خلوص سے کہا۔“ فضول نہ کہو۔ کیا تم خدا کی ماں میں نہیں ہو؟ کیا خدا کے حکم بغیر ایک ذرہ بھی مل سکتا ہو؟ کوئی ایسا نہ ہو۔“ موریلہ نے سوالیہ لہجہ میں کہا۔ ”پھر وہ تو مجھ پر عاقل تھا، ذرہ بھر کی بات نہ خواست کیوں کرتا؟“

”اڑکی سے کوئی جواب نہ دیا۔“

”تم نے شادی کیوں نہ منظور کی؟“ نیکل پادری نے سوال کیا۔ ”میرا دل تو گنگ ہے میں شریف و حقوق آدمی تھا۔ تیری اور تیری ماں کی جبری شادی کرنا۔“ دوشیزہ نے کہا۔ ”میں زیادہ تم فائدہ میں ہوں۔“

”پھر بلائے بغیر میں“ لڑکی نے بڑے تاثر سے جواب دیا۔ ”میری ماں بہت سادہ عورت تھی۔ ہم آپس پر چمکتے تھے۔ پھر میں عزت دار خاتون بننے کے فلاح نہیں ہوں۔ اپنے دوستوں کے سامنے وہ مجھے دیکھ کر حیرت منہ ہو۔“

”کیا کہتی ہو؟“ پادری نے خیر خواہی سے کہا۔ ”میں کہتا ہوں وہ بہت چھانڈی تھا۔ شاید تھکے ساتھ سو رہی ہو میں رہ جاتا ایسا شوہر بڑا مشکل ہے۔“

”زمین شوہر نہیں چاہتی۔“ موریلہ نے بہت آہستہ سے مگر تعجب سے لہجہ میں کہا۔ ”میں بھی شادی نہیں کروں گی۔“

”کیا یہ بات اختیار کرنے کا ارادہ ہو؟“ پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

”دوشیزہ نے سر کے اشارے سے انکار کیا۔“

”لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ تو جھڑی ہو۔“ پادری نے جوش سے کہا۔ ”تیری ہل بہت سخت ہے۔ ایک لکڑی کے لئے سوچ، تیری یہ ضد کتنی خطرناک ہے؟“ یہ تیری مصیبت میں اضا ذکر نہ دیتی ہو۔ تیری ماں کی بے نصیبی پر اسے دانی ہو۔ کیا تیرے پاس کوئی ایک دھبہ بھی ہے کہ ایسے شریف آدمی کو روایتی ہو؟ جواب دے۔“

”میرے پاس دھبہ ہو۔“ موریلہ نے دلی زبان سے کہا۔ ”یہ میں بیان نہیں کروں گی۔“

”بیان نہیں کروں گی!“ پادری نے خفا ہو کر ایک جلد بھر لہجہ سے بیان نہیں کروں گی؟ میں جو تیرا آدمی ہوں۔ تو خوب جانتی ہو تیرا خیر خواہ ہوں۔ کیا یہ صحیح نہیں؟“

موریلہ نے سر ہلا کر اقرار کیا۔

”تو اپنا راز مجھ پر ظاہر کر۔“ پادری نے شفقت سے کہا۔ ”اگر وہ ظاہر ہوگی تو میں سب سے پہلے تائید کروں گا۔ تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ اس دنیا سے بالکل بے خبر ہو۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ زہریلے کھوہیں پر افسوس کرو گی۔ معلوم ہوتا ہو، خدا نے رحم کھا کر اس شخص کو بچھڑے پھر بھیجا تھا۔“

موریلہ نے شرابی ہوئی نظریں اٹھائیں اور کشتی کے سر پر پہنچ گئی جہاں انٹونیوں کی نگاہیں دو طرفہ جرمی تھیں اور اپنے خیالات میں غرق تھا۔ پادری نے دوشیزہ کو انہود بھیجا۔ اپنا کان اُس کے قریب کر دیا۔ ”آپ میرے باپ کو نہیں جانتے۔“ لڑکی نے ہنسی لٹکا

سے پادری کے کان میں کہا۔

”تیرا باپ؟“ پادری جھٹکا اٹھا۔ ”کہیں نہیں؟ تو ابھی دس برس کی بھی نہ تھی کہ خدا نے اُسے بلالیا۔ آسمان کی بادشاہت میں سے جگہ لے لی اپنی اس عہد میں اُس کا ذکر کیوں کرتی ہو؟“

”وہ آپ نہیں جانتے۔“ لڑکی نے دودھ دیکر کہا۔ ”آپ کو نہیں معلوم میری ماں کی تمام بیماری کا وہی اکیلا سبب ہو۔“

”کیونکر؟“ پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

”اپنی بے رحمی سے۔“ موریلہ نے فوراً جواب دیا۔ ”آخری وقت تک میری ماں کو اتار رہا۔ مجھے۔۔۔ راتیں اب تک یاد ہیں۔ وہ ایک عجیب جڑوں کی حالت میں گھرا تھا۔ میری ماں ایک نقطہ بھی نہیں ہٹتی تھی۔ مرنے مارنا شروع کر دیتا تھا۔ آہ! میرا دل اب بھی رنجیدہ ہوتا ہو۔“

”ایسے اپنا منہ دوڑوں؟“ تمہوں سے جھپٹتی تھی اور پڑتی تھی لیکن اندر ہی اندر رو رہی تھی۔ وہ میری ماں کو مارتے مارتے آخر تک جاتا غریب ہوش ہو کر گر پڑتی تھی۔ وہ اُسے دیر تک غور سے دیکھتا نہیں۔“

”تو اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ وہ اُسے اٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دانتا تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکلتی جاتی تھی لیکن اس تمام مظالم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔“

”بلکہ مجھے بھی منع کرتی رہتی تھی کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔“ میری ماں کو اُس سے ہلاکی محبت تھی۔ اس سختی پر بھی وہ اُسی کا کڑا رشتہ دیتی۔ جب سے وہ مرنے لگی تھی، یہ بھی جاری ہوئی ہو۔ اُسے غم کھائے جاتا ہو۔ اگر گری۔ خدا خواست۔ تو میں جانتی ہوں اُس کا قاتل کون ہے؟

پادری نے اسے پوچھا۔ ”تو میری ماں کو کون مارتا تھا؟“

”اپنے باپ کو معاف کر دو۔“ بالآخر پادری نے کہا۔ ”اُسے ملے معاف کر دو جس طرح تھوڑی نے معاف کر دیا ہو۔“

”تو اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ وہ اُسے اٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دانتا تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکلتی جاتی تھی لیکن اس تمام مظالم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔“

”بلکہ مجھے بھی منع کرتی رہتی تھی کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔“ میری ماں کو اُس سے ہلاکی محبت تھی۔ اس سختی پر بھی وہ اُسی کا کڑا رشتہ دیتی۔ جب سے وہ مرنے لگی تھی، یہ بھی جاری ہوئی ہو۔ اُسے غم کھائے جاتا ہو۔ اگر گری۔ خدا خواست۔ تو میں جانتی ہوں اُس کا قاتل کون ہے؟

پادری نے اسے پوچھا۔ ”تو میری ماں کو کون مارتا تھا؟“

”اپنے باپ کو معاف کر دو۔“ بالآخر پادری نے کہا۔ ”اُسے ملے معاف کر دو جس طرح تھوڑی نے معاف کر دیا ہو۔“

”تو اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ وہ اُسے اٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دانتا تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکلتی جاتی تھی لیکن اس تمام مظالم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔“

”بلکہ مجھے بھی منع کرتی رہتی تھی کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔“ میری ماں کو اُس سے ہلاکی محبت تھی۔ اس سختی پر بھی وہ اُسی کا کڑا رشتہ دیتی۔ جب سے وہ مرنے لگی تھی، یہ بھی جاری ہوئی ہو۔ اُسے غم کھائے جاتا ہو۔ اگر گری۔ خدا خواست۔ تو میں جانتی ہوں اُس کا قاتل کون ہے؟

پادری نے اسے پوچھا۔ ”تو میری ماں کو کون مارتا تھا؟“

”اپنے باپ کو معاف کر دو۔“ بالآخر پادری نے کہا۔ ”اُسے ملے معاف کر دو جس طرح تھوڑی نے معاف کر دیا ہو۔“

”کیا تمہارے خیال میں یہ مصو بھی سنگدل تھا؟“ پادری نے پھر سوال کیا۔

”اُس کی نظریں بالکل ایسی ہی تھیں جیسی میرے باپ کی ہو جاتا کرتی تھیں جب وہ میری ماں کی خوشامد کرتا تھا۔ میں وہ منظر ابھی یاد ہے۔“

”خوب یاد ہے۔“ ایک فرد اس طرح کی نظروں سے دیکھتا بھی ہو، اور پھر میں اسی وقت اپنی بے خطا بیوی کو مار کے ادھ موا بھی کر دے سکتی ہو۔“

”مجھے ایسی نظروں سے بڑا ہی ڈر لگتا ہو۔“

موریلہ اب بالکل چپ ہو گئی۔ پادری نے بھی اُسے چپ رہنا سبب نہیں سمجھا۔ اُس کے ذہن میں اب بہت سی معقول دلیلیں آتی تھیں مگر وہ چپ ہی رہا کیونکہ وہ جوان ملازم کا چہرہ۔ گفتگو سن کر غصہ سے لال ہو رہا تھا۔

”موریلہ! پادری نے فوراً جواب دیا۔“

”تو اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ وہ اُسے اٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دانتا تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکلتی جاتی تھی لیکن اس تمام مظالم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔“

پادری نے اسے پوچھا۔ ”تو میری ماں کو کون مارتا تھا؟“

”اپنے باپ کو معاف کر دو۔“ بالآخر پادری نے کہا۔ ”اُسے ملے معاف کر دو جس طرح تھوڑی نے معاف کر دیا ہو۔“

”تو اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ وہ اُسے اٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دانتا تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکلتی جاتی تھی لیکن اس تمام مظالم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔“

”بلکہ مجھے بھی منع کرتی رہتی تھی کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔“ میری ماں کو اُس سے ہلاکی محبت تھی۔ اس سختی پر بھی وہ اُسی کا کڑا رشتہ دیتی۔ جب سے وہ مرنے لگی تھی، یہ بھی جاری ہوئی ہو۔ اُسے غم کھائے جاتا ہو۔ اگر گری۔ خدا خواست۔ تو میں جانتی ہوں اُس کا قاتل کون ہے؟

پادری نے اسے پوچھا۔ ”تو میری ماں کو کون مارتا تھا؟“

”اپنے باپ کو معاف کر دو۔“ بالآخر پادری نے کہا۔ ”اُسے ملے معاف کر دو جس طرح تھوڑی نے معاف کر دیا ہو۔“

”تو اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ وہ اُسے اٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دانتا تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکلتی جاتی تھی لیکن اس تمام مظالم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔“

پادری نے اسے پوچھا۔ ”تو میری ماں کو کون مارتا تھا؟“

”اپنے باپ کو معاف کر دو۔“ بالآخر پادری نے کہا۔ ”اُسے ملے معاف کر دو جس طرح تھوڑی نے معاف کر دیا ہو۔“

”تو اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ وہ اُسے اٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے دانتا تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکلتی جاتی تھی لیکن اس تمام مظالم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔“

جیل (مشہور شاعر)

جیل کا عشقِ شبیہ سے مشہور عام ہے۔ ابوسہل ساعدی عیادت لکھا۔
نزع کی حالت تھی۔ جیل نے کہا: ”ابوسہل! ایسے آدمی کی لبت کیا کہتے
ہو جو خدا سے اس حال میں رہتا ہو کہ اُسے کسی کا خون نہیں بہایا، شریعتیں
پلی، کبھی بدکاری نہیں کی۔ کیا اس کے لئے جنت کی امید ہو؟“
ساعدی نے کہا: ”بھلا ہاں، مگر وہ کون ہو؟“
”مجھے امید ہو کہ میں ہوں“ جیل نے جواب دیا۔
ساعدی نے شبیہ کا ذکر کیا۔

”دیکھو“ جیل نے آہ سرد بھر کر کہا: ”یہ دنیا میں میرا آخری دن ہے۔
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں اگر کبھی شبیہ کی
طرف میں نے بدی سے نظر کی ہو“
جب وفات بالکل قریب پہنچی تو جیل نے اپنے ایک دوست کو بلا کر
یہ وصیت کی:

جب میں مر جاؤں، تو گھر کا تمام ہیمان تھا رہو۔ مرنے کے پہلوں
کا ایک بٹوہ اس سے الگ ہو۔ تم میری ادنیٰ پرستوار ہو کر شبیہ کے قبیلہ
میں جانا اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر میرے کرتے کا تیر بیان بچاؤ دانا پھر
چلا کر یہ شعر پڑھ دینا:

صدر العقی داکنی جیل
موت بے دلگاہ پہنچی جیل سے کوئی رعایت نہ کی۔ وہ اب اس طرح قلم
بند کیا کہ کبھی داکنی نہ ہوگی۔

والقدیر الفیل فی وادی القری
میں وادی قری میں کھیتوں اور نخلستانوں میں خوشی خوی پھرا کرتا تھا۔
تو ہی شبیہ فاندی بولیں
شبیہ اٹھ اور نوکر اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے:
دوست نے وصیت پوری کر دی۔ جیل نے سلسلہ (سلسلہ) میں آستان کیا۔

مہلب بن ابی صفور

وفات کے وقت اپنے تمام (لوگوں کو جمع کیا۔ پھر زلف منگایا اور کہا
”کیا تم یہ تمام ایک ساتھ بند ہو سکتے تیر توڑ سکتے ہو؟“ انھوں نے کہا
”ہاں“ مہلب نے کہا: ”اگر الگ الگ ہوں؟ انھوں نے جواب دیا: ”ایک
ایک تیر کا توڑنا بالکل آسان ہے“ مہلب نے کہا: ”میری مثال اتفاق و
اتحاد اور جماعت کی ہے۔ بے رہو گے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا الگ
الگ ہو جاؤ گے تو بے آسانی ہلاک کر دئے جاؤ گے“

سلسلہ (سلسلہ) بن فوت بنے

عبدالملک بن واثق

موت کے وقت اپنے بیٹے ولید سے کہا:
”دیکھ میری موت پر یہ تو توڑ کر بیچ کر بیٹے کو دے دینا۔
بلکہ کرنا دینا، آستین چڑھا، بیٹے کی کھال پہن لینا۔ مجھے میرے گھر سے
میں ڈاکر چھوڑ دینا۔ میں اپنا معاملہ خود چکا لوں گا۔ لیکن تم اپنے معاملہ
کی فکر کرنا۔ لوگوں کو بیعت کے لئے بلانا۔ جو اپنے سر سے لوگوں کی بیعت
کرے) تو تم بھی اپنی تلوار سے یوں کرنا“ (یعنی اُس کی گردن اُڑا دینا)
پھر تیر بن معاویہ کے دونوں لوگوں: محمد اور خالد کو طلب کیا۔ تیر
سے پوچھا: ”کیا ولید کی بیعت پر نام ہو؟“ انھوں نے جواب دیا: ”ہم
ولید سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے“ عبدالملک نے کہا
”دائیں اگر تم کچھ اور جواب دیتے تو نو، تمھارا سر اُڑا دیتا!“ پھر اپنے
بچوں کا کنارہ اٹھا کر دکھایا: ”یہ شہر میرا ہے رکھی تھی!“
یہ اُس وقت کی گفتگو ہے جب سکراتِ موت طاری تھی۔ عبدالملک
نے کہنا شروع کیا: ”وہ خدا کہتا ہے کہ تم میرے بچے ہو۔ سب کو بے پروائی
سے موت دیتا ہے۔ لا الہ الا محمد رسول اللہ“
اس نفل پر روح پرواز کر گئی۔

امتی کہا کرتا تھا: ”میں عبدالملک پر حسد کرتا ہوں۔ کیونکہ اُس نے
میرے وقت کہا تھا: ”خدا! میرے گناہ اگرچہ بے شمار ہیں اور بے حد
بڑے ہیں، لیکن تجھے عفو کے سامنے بہت کم اور بہت چھوٹے ہیں بھلا
مجھے معاف کر دے!“

کہتے ہیں، عبدالملک نے وفات کے وقت اپنے محل کی کھڑکی سے
ایک دھوئی کو کپڑے دھوئے دیکھا تھا۔ اُسے ٹھنڈی سانس لائی اور
کہنے لگا: ”کاش میں اس دھوئی کی طرح ہوتا کہ اپنی روزی کما لی ہے پیٹ
پالا کاش میں خلیفہ بنا ہوتا!“ پھر یہ شعر پڑھا:

لینتی کت قبل ما قد دالی فی دوس الجبال اعلیٰ الوعول
ابو حاتم نے یہ قول سنا تو کہنے لگے: ”الحمد للہ۔ یہ لوگ موت کے وقت
اُس بات کی تکرار کرتے ہیں جو یہیں حاصل ہے۔ لیکن تم موت کے وقت اُن
کی حالت کی آرزو نہیں کرتے!“

سلسلہ (سلسلہ) بن وفات پائی

ابن القری

مشہور پ خطیب ابن القری کو قتل کرنے کا حکم ابن یسمن نے سک
دیا۔ جلاؤ تلوار لے کر آیا۔ ابن القری نے کہا: ”خدا کا حکم کی درستگی کو ہے!
میں مرنے سے پہلے تین نفل کہنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میرے بعد
میرا مثل ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گی“

حجاج نے کہا: ”کہہ، کیا کہتا ہو؟“

ابن القری نے کہا: ”میرا میل گھٹا گھٹا رکھنا ہے۔ ہر تلوار کند ہو جائے
ہے۔ ہر دانہ سے غلطی ہوتی ہے“

حجاج نے کہا: ”یہ وقت، نزع کا نہیں ہے۔ جلاؤ اپنا کام کر!“

سلسلہ (سلسلہ) کا یہ واقعہ ہے۔

خط

مشہور شاعر خط بن فوت کے وقت پوچھا: ”کوئی وصیت؟“

کہا: ”ہاں“ پھر اپنے دوست فرزدق کو یہ وصیت کی،
اوصی الفرزدق عند المات
(میں موت کے وقت فرزدق کو وصیت کرتا ہوں کہ جریر کی ماں اور اُس
کی سونکوں کا خیال رکھے)

سلسلہ (سلسلہ) بن فوت ہوا

امام ابراہیم حنفی رحمہ اللہ نام کو فہ
موت کے وقت سخت خوفزدہ ہوئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ
لگے ”اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہر لمحہ ہر گز
لگتا ہے کہ پروردگار کا قاصد پہنچا اور جنت یا دوزخ کی خبر سے مست خدا
کی، میری تمنا ہے کہ قیامت تک میری روح یوں ہی حلق میں پھنسی ہو!“

سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا

مروان بن محمد

بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد جب عباسیوں کے ہاتھ قتل ہوئے
لگا تو یہ شعر کہے:

الدہر لیوان: فاما نذاخذ الدہر لیوان: فاما نذاخذ الدہر
زمانہ، دہری دن ہیں: امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہے؟
آدمی میں خوشی، آدمی میں رنج۔

دکم علی الاض من خضر و البسہ و لیس یرجم الا لاشمر
زہن پر بے شمار خشک و تر چیزیں ہیں، مگر پھر اسی دخت پر اسے طاقے
ہیں جس میں پل ہیں۔

قل لہدیٰ حضرت الدہر جی: میں تیرے ہر لڑا من لڑتے
زمانے کے انقلاب پر طعنہ دینے والوں سے کہو کہ زمانہ اسی کے خلاف
ہو جاتا ہے جو کوئی درجہ رکھتا ہے۔

امام تری المجلد لہ فی جنت و استقر بقی قصہ اللہ
تم دیکھتے نہیں دیا ہی کی سطح پر مرنے تیرے ہیں لیکن موتی اُس کی
نہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔

وان کل عشت ایدی الزمان بنا۔ زمانہ میں تجنی کوسہ ضرر
اگر زمانے کے ہاتھوں نے ہیں ستا اور اسکی سختیاں ہم پر پڑی ہیں،
فقی السار نجوم لا عدونا۔ و لیس کیست الا الشمس والقمر۔
تو کوئی تعجب نہیں۔ آسمان میں بے شمار ستارے موجود ہیں مگر ان میں
چاند اور سورج ہی کو لگتا ہے۔

سلسلہ (سلسلہ) میں قتل ہوا

ابو جعفر منصور

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے سفر حج میں مقام ”بئر میمون“ پر
پہنچ کر جب اپنی وفات قریب سمجھی، تو اپنے دلی عہد، ہمدی کو طلب کیا
اُس وقت ابو جعفر کے سامنے ایک بڑا بھلا رکھا تھا۔ اس پر کلمہ پڑھا
حناب کے کاغذات لے رہے تھے۔ کبھی کسی شخص کو اسی ہاتھ لگانے کی اجازت
نہیں دیتا تھا۔

دلی عہد کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا:

”فرزند! یہ بھلا دیکھ۔ اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ اس میں تیرے
بزرگوں کا علم محفوظ ہے۔ اس شعر (افراد) کا خیال رکھنا۔ کسی اور شعر
کو اپنا یا یہ تخت نہ بنا۔ کیونکہ یہ شعر تیرا اپنا ہے اور اس میں تیری بڑ
ہے۔ میں نے اُس میں تیرے لئے اتنے خزانے جمع کر دیے ہیں جتنے کبھی
کسی خلیفہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ حتیٰ کہ اگر دس برس بھی کچھ سلطنت
کا خرچ نہ لے تو بھی یہ خزانے جملہ مصارف کے لئے کافی ہے زیادہ
ہونگے۔ ان کی حفاظت کرنا، کیونکہ اُن کی موجودگی میں تجھے ہمیشہ قوت
حاصل رہے گی۔ تیرا گھر آباد رہے گا۔ لیکن میں جانتا ہوں تو اُن کی
حفاظت نہیں کرے گا۔“

”اپنے خاندان سے نیک ساؤک کرنا، جو بغیر عزت و شہرت۔ اُن پر
اجساں کرنا۔ ان کے لئے منبر نصب کرنا۔ اُن کی چو کھٹوں پر لوگوں کو
بھٹکانا۔ کیونکہ اُن کی عزت، تیری عزت ہے۔“

”اپنے غلاموں سے نیکی کرنا۔ اپنے قریب رکھنا۔ اُن کی نظروں
میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ مصیبت کے وقت وہ تیری سپر ہو گئے۔“

”خرا سائوں کے بے سے میں میری نیک وصیت یاد رہی مدہ تیر
حامی و مددگار ہیں۔ اُنھوں نے اپنی جان مال سے تیری مدد کی جو اُن
سے اچھا تر اور کرنا۔ اُن کی خطائیں معاف کرنا۔ اُن کے نیچیں ابد
بیادوں کی خبر لینا۔“

”خبردار! کوئی نیا شہر آباد نہ کرنا۔ کیونکہ تو اسے پورا نہ کر سکے گا۔
خبردار! عورتوں کو اپنے مشوے میں داخل نہ کرنا۔ یہ میری آخری وصیت
ہے۔“

جہم بول پر آیا تو کہا: ”یاد شاہ وہ بی جو نہ رہے!“

سلسلہ (سلسلہ) میں انتقال کیا

امام سفیان ثوری

موت کے وقت نہایت مضطرب تھے۔ کہا گیا: ”ابو عبداللہ! مضطرب
کیوں؟ کیا آپ اُس ذات کے پاس نہیں جاتے ہیں، جس کی آپ اپنے
ہمیشہ عبادت کی اور ہمیشہ اُسی کی طرف بھگتے رہے؟“
کہنے لگے: ”تمھارا بھلا ہوا میں ایک ایسے راستے میں سفر شروع کرنے
والا ہوں، جسے میں نہیں جانتا اور اُس پر درودگار کے دُور پر پہنچنے والا
ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہے!“

سلسلہ (سلسلہ) میں وفات پائی۔

عبداللہ بن عبد الغزیز

موت کے وقت کہنے لگے: ”خدا کی نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر پوری

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کے مختصر و نفا

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

وفات کے قریب اپنے اپنی وصیت لکھوائی اور حضرت عثمان اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد میں بیچ دی تاکہ مسلمانوں کو سنا دی جائے۔ وصیت حبشہ میں تھی:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی وصیت ہے جبکہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا اور آخرت میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ ایسے وقت کی وصیت ہے جبکہ فکر ایمان لے آتا، فاجر بخی میں پڑتا، اور جھوٹا بھی بیچ بولنے لگتا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنایا ہے۔ اگر وہ مدد کرے اور تقویٰ برتے، تو اس کی بابت میرا یہی گمان اور یہی امید ہے۔ لیکن اگر وہ بدل جائے، تو میں نے تھی لیس بھلائی چاہی ہو غیر کل علم، خدا کے سوا کسی کو نہیں“

”ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: میرے والد رضی اللہ عنہ موت کے آخری دنوں میں بے ہوش ہو گئے۔ میری زبان سے بے اختیار نکل گیا: ”افسوس، میرے باپ کو سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے“۔ اچھے میں ان کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا: ”نہیں، یہ بیماری نہیں ہے، مگر میری جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے: وہ جات سکرۃ الموت بالحق، ذلک اکنت منہ یحید۔ پھر پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑے تھے؟ کھنپا گیا تھا؟ میں نے عرض کیا، تین کپڑوں میں۔ پھر پوچھا، انھوں نے کس دن وفات پائی تھی؟ عرض کیا: تیسرے دن۔ پوچھا، آج کو کتنا دن ہو؟ میں نے کہا: پیر کا دن ہو۔ فرمایا: میں خدا سے امید کرتا ہوں“

(بقیہ مضمون ص ۱۷)

کو اٹھا لیا جاتا۔ مگر فوراً ہی اسی تیزی سے اپنا دامن ہاتھ تھلے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ہاتھ سے خون کا وارہ چھوٹ رہا تھا۔ پھر وہ نے اپنے پوری قوت سے کٹاٹ کھلیا تھا۔

”ہاں ہاں“ مودیلہ اقمقہ مار کر کہنی:

”مجھے تیرا حکم اتنا پڑے گا؟“ وہ جوش سے چلائی: ”میں تیری لڑائی ہوں؟“

یہ کہہ کر وہ خود سمند میں پھانڈ پڑی۔ ملاح کی نظر میں وہ غائب ہو گئی پھر نمودار ہوئی۔ اس کے کپڑے غم پر چٹ گئے تھے۔ بال کھل گئے تھے بڑی طاقت و دھارت سے پڑ رہی تھی۔ اچھے کوئی لفظ نہیں کہا۔ کشتی سے وہ ہونے لگی۔ ساحل کی طرف جانے لگی۔

کہ آج رات اللہ دن کے درمیان میری موت واقع ہو جائے۔ پھر اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کہا: دو فریڈ کپڑے ہلا کر اسی میں مجھے کھنپا دینا۔ میں نے کہا: یہ تو پڑا ہے۔ فرمایا: اچھی، احوال الی الحمد للہ بنیت اہنا ہولہنہ والصدید۔ زندہ انسان بمقابلہ مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ حاجت مند ہے۔ اور کفن تو ریم اور خون کے لئے ہے!

جب وفات ہوئی تو وہ دعا تو سنی آپ کے زبان پر تھی: توفی لما والحقنی بالصالحین! خدا یا! اس حالت میں موت دے کہ مسلم ہوں، یعنی تیرا فرمان بردار ہوں، اور ایسا کر کہ صالح انسانوں کے ساتھ تیرا شمول ہوا

تاریخ وفات مسلمہ (۳۷ھ)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا:

”میرا چہرہ زمین پر رکھ دے، شاید خدا مجھ پر مہربان ہو جائے اور مجھ کو دے!“

آخری کلمہ وصیت اہل ذمہ یعنی غیر مسلم رعایا کی نسبت تھا: ”میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلم رعایا کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری یاد رکھے۔ ان سے جو اقرار کئے گئے ہیں، ہمیشہ پورے کئے جائیں، ان کی ان کے دشمنوں سے حفاظت کی جائے، ان پر کبھی سختی نہ کی جائے“

تاریخ وفات مسلمہ (۶۳ھ)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جب قتل کا یقین ہو گیا تو حضرت علی کو خط لکھا:

”سیلاب، چوٹی تک پہنچ گیا۔ معاملہ، حد سے تجاوز کر گیا۔ خط دیکھتے ہی میرے پاس آؤ۔ موافقت میں یا مخالفت میں“ خط کے آخر میں یہ شعر لکھا:

فان كنت اكلوا فكل خير اكل والا فادركني دلا امرت (اگر میرے لئے یہی صورت رہ گئی ہو کہ میں کسی کا نالہ بنوں تو بسے بہتر کھانے والے تم بنو۔ ورنہ میرے ٹکڑے اڑنے سے پہلے مجھ کو اڑالو)

مسلمہ (۶۵ھ) میں شہید ہوئے

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت بہت حسرت ظاہر کرنے لگے۔ لوگوں نے کہا: سلمان! اب آپ کو کس چیز پر افسوس ہے؟ جواب دیا: میں نیا پیدا ہونا

نہیں کرتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک وصیت کی تھی۔ فرمایا تھا: تمھارے پاسی مسافر کے زادراہ بھر سامان ہونا چاہئے میں ڈرتا ہوں، ہم نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا۔ کیونکہ میرے گرد یہ چیزیں جمع ہیں

یہ کہہ کر گھر کے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھا گیا تو گھر میں کل سامان، ایک تلوار، ایک طشت، ایک پیالہ تھا!

مسلمہ (۶۷ھ) میں انتقال ہوا

امام حسن علیہ السلام

وفات کے وقت بار بار انا اللہ وانا الیہ راجعون کہنا شروع کیا۔ آپ کو صاحبزادے نے عرض کیا: ”آپ بھی دنیا پر افسوس کرتے ہیں؟“ فرمایا: ”فرزند! دنیا پر نہیں، خود اپنے نفس پر افسوس کرتا ہوں، کیونکہ کہا جیسی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی!“

مسلمہ (۶۷ھ) میں انتقال کیا

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت رونے لگے۔ سب پوچھا گیا: کہا:

”اس لئے روتا ہوں کہ سفر بہت دراز ہے، زادراہ بہت کم ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ نہیں معلوم جنت میں مقام ہو گا یا دوزخ میں؟“

مسلمہ (۷۷ھ) میں فوت ہوئے

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنی اولاد سے کہا: ”میری وصیت کون قبول کرے گا؟“ بڑے نے کہا: ”میں! کہنے لگے: ”میرا ترنہ ادا کرنا ہوگا“ پوچھا: ”کہنا ہے؟“ کہا: ”مہزار دینا!“ پوچھا: ”کیوں لیا تھا؟“ جواب دیا:

”دو قسم کے آدمیوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں: شریف نفس غریبوں کی۔ اور حیا سے سوال نہ کر سکنے والوں کی۔ یہ مجھے ہو کر گئے تھے۔ مگر شرم سے مانگ نہ سکتے تھے۔ فرط حیا سے چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ میں سوال سے پہلے ہی انھیں دے دیتا تھا“

مسلمہ (۷۷ھ) میں فوت ہوئے۔

سعید بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

بڑے خود دار اور بلند ہمت تھے۔ مرض الموت میں مشورہ دیا گیا: ”بیچارہ! کراہنے سے راحت پاتا اور طبیب سے اپنی حالت بیان کرنے سے مطمئن ہوتا ہے“

کہنے لگے: ”کراہنا، بُردی ہے، عیب ہے۔ خدا ہرگز میرا کراہنا نہیں سنے گا! اگر اس کے حضور بُردی نہ ٹہرے۔ رہا طبیب، تو اللہ! خدا کے سوا، کسی کو بھی اپنے اوپر اختیار نہیں دل گا۔ خدا چاہے تو مجھے کھو چاہے اٹھلے!“

ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ

نالچ میں مبتلا ہوئے۔ کہا گیا: ”دوا کیوں نہیں کرتے؟“ جواب دیا: ”میں دوا کا فائدہ جانتا ہوں، مگر نہ مرض ہی زندہ ہے نہ گناہ طبیب پھر دوا کیوں کر دے؟“

مسلمہ (۷۸ھ) میں وفات پائی

معاویہ بن زید بن معاویہ

وفات کے وقت مشورہ دیا گیا: ”اپنے غلامان میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کر جائے“

جواب دیا: ”میں نے خلافت سے زندگی میں فائدہ اٹھایا، نہ مرنے کے بعد اس کا بوجھ اٹھاؤں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی کا امیر اس کی شیرینی لیں اور میرے حصے میں تلخی لے“

مسلمہ (۸۰ھ) میں وفات پائی۔

مفلون تک پہنچی۔

قرآن ختم ہونے پر ان میں سے ایک نے اور بھی زیادہ خوش الحانی مگر عجبت کے ساتھ ایک دعا مانگی۔ اس میں سلطان متوجہ کا ذکر تھا جو اس مسجد کا گویا بانی ہو۔ نیز ایک اور سلطان کا بھی نام لیا مگر ہم سمجھ نہ سکے۔

ترک خطیب

اب خطیب منبر پر کھڑا ہوا۔ خطبہ کیا۔ یہ خطبہ عربی زبان میں تھا۔ مگر اس کا لہجہ ہم عربوں کے لئے ناقابل فہم تھا۔ ہم خطبہ کا صرف پہلا جملہ سن سکے جو یہ تھا۔ الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ الذی انعم علی المؤمنین بحکم القرآن۔

خطیب نے خطبہ کے آخر میں "جیش المسلمین" دعا کر الموصدین کے لئے دعا کی اور ترکی جہوریت کے بقا و دوام کی التجا پر خطبہ ختم کیا۔

توک نمازی

ترک نمازیوں کے آداب سمجھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ نہایت ہی عقیدہ و احترام کے ساتھ صفوں میں بیٹھے تھے۔ از حد خشوع و خضوع، ان پر طاری تھا، حالانکہ وہ خطبہ و تلاوت میں سے ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بہادر قوم، اپنے ایمان میں نہایت سخی ہو۔ لباس اور وضع قطع میں لٹنی ہی تبدیلی ہو جائے، مگر اس کے ایسا میں کوئی تزلزل نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت یہ قوم، تمام مسلمانوں کے لئے قابل فخر ہو۔

نمازی عورتیں

مسجد کے آخری حصہ میں عورتوں کے لئے ایک جگہ خاص کر دی گئی تھی۔ یہ جگہ بھی بھری ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ بڑی عورتیں ہی نماز کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان میں اکثر عورتیں بوڑھی تھیں۔ شاید قید و حصر ایسی ہی نمازی عورتیں اپنے معبود میں دیکھنا پسند کرتی ہوں!

مسجد میں عربی تحریریں

ادھر گھر چکا ہوں کہ مسجدی نقوش کی جگہ جا بجا قرآنی آیتیں اور عربی عبارات لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ درمیانی قبة کے مرکز کے گرد یہ آیت خط ثلث میں کندہ ہو۔ "المدور السموات والارض مثل نورہ کشفہا عنہا مصباح، المصباح فی زجارتہ، الزجارتہ کا ہنا کوکب درسی یوقد من شجرة مبارکۃ زیتونۃ لا شریفۃ ولا غریبۃ"۔

محراب میں یہ آیت لکھی ہو "فاحمدوا المدد العبد"۔ دیواروں پر بابا "المدد محمد، ابوکر، عمر، عثمان، علی، جن، حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اسرار کی دعا ہے۔

اس کے علاوہ ادھر بھی بہت سی تختیاں آویزاں ہیں، ادران میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بہت سی عربی نصیحتیں لکھی ہیں۔ یہ تمام کہتے، فن خطاطی کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ شاید ہی کہیں ان کی نظیر مل سکے۔

ایک عجیب وصف

ایاصوفیہ کی عمارت میں یہ عجیب ہندسی وصف موجود ہے کہ اس میں آدھ کتبہ ہی آہستہ بلند ہو، اس کی بازگشت خوب بلند اور بالکل صاف ہوتی ہو۔ چنانچہ امام کے پوسے خطبہ کی بازگشت در دیوار سے صاف سنائی دیتی تھی۔ یہ وصف ہم نے کسی دوسری عمارت میں نہیں دیکھا۔

ایاصوفیہ کو کنسیہ خانے کی برطانی کو شش ایاصوفیہ کو دوبارہ کنسیہ بنا دینے کی کوشش تو بہت مدت سے کر رہا ہے مگر سب زیادہ خطرناک اور آخری کوشش اس وقت کی تھی، جب جنگ عری کے بعد اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسجد کے باطل قریب اب تک دو چوبی فوجی بارکس موجود ہیں۔ خالی اور جاڑی ہیں وضع سے برطانی فوجوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر مجھے تعجب

دلا زار مذہبی تحریروں اور مسلمانوں کا پچھلا منظر

اسلام اور سزا و قتل

ایک خط کے جواب میں

ایسی باتیں سنانے آتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک شبہ کے طور پر سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ سوال یہ ہے کہ اسلام کی جو تعلیم آپ کے علم میں آئی ہے، اگر فی الحقیقت آپ ملحق ہو گئے ہیں کہ وہ اسلام کی تعلیم ہو، تو پھر آپ دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں اسے ڈھونڈنا کیوں چاہتے ہیں؟ آپ کو "اسلام" کی تعلیم کی تلاش ہو، یا "مسلمانوں" کی تعلیم کی؟ یقیناً یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ ایک چیز تعلیم بحیثیت تعلیم کے ہے اور ایک چیز اس کے پھیلنے کا ہم عمل ہے۔

اگر آپ کو اسلام کی تعلیم کی جستجو ہو، تو وہ دنیا کی فطری حقیقت کی طرح صرف اپنے حقیقی سرچشمہ میں ڈھونڈی جاسکتی ہو، نہ کہ انہماکی کی تعلیم میں اگرچہ وہ انسان اپنے اعتقاد میں مسلمان ہی کیسے ہیں۔ اگر آپ کی اس سرچشمہ تک رسائی ہو سکتی ہو (اور کم از کم میرا تو ان کی نسبت تھا کہ آپ کو اس کا اعتراف ہے) تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ اسلام کی تعلیم معلوم کرنے کے لئے خود اسلام تک پہنچ گئے ہیں، اور اس میں مجھے میں آپ کے لئے صرف یہی رہ جاتا ہے کہ خود اسلام سے اسلام معلوم کریں، اور جب معلوم ہو جائے تو جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہے، آپ کی جستجو ختم ہو جائے۔ بلاشبہ آپ کے لئے یہ بات بانی رہ جاتی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زندگی میں اس کا عمل تلاش کریں۔ لیکن "عمل" تلاش کریں۔ یعنی مسلمانوں کے عمل کو "اسلام" کی تعلیم قرار دے دیں۔ اگر مسلمانوں کی زندگی میں آپ کو اس کا عمل نظر آئے، تو آپ کے لئے قائم کرنی چاہئے کہ اسلام کی تعلیم دینا کی مسلمان نامی جماعت عمل کر رہی ہو۔ نہ نظر آئے تو انھیں لڑنا چاہئے اور بوجہ لینا چاہئے کہ دنیا کی بالگیر گروہوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ مسلمان نامی جماعت بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل نہیں۔ میں اس پر یہ قدرتی اور سچا طریقہ چھوڑ کر اپنے غلط روی اور سچ اندیشی کی راہ اختیار کر چکا ہوں؟ جہاں آپ کو "عمل" دیکھنا چاہئے، وہاں آپ کی تعلیم ڈھونڈتے ہیں، اور جہاں سے "تعلیم" کی حقیقت کا سراغ مل سکتا ہو، اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں؟

عزیز من! میری وہ بات یاد کیجئے جو میں نے بار بار آپ کے ذہن نشین کرنی چاہی تھی: دنیا کی کوئی تعلیمی صداقت ایسی نہیں ہو سکتی ہے کہ ہم کو ہم عمل و عمل حجت قرار دے کر ہم حقیقت کی طرف قدم بڑھائے ہو۔ مذہب کو چھوڑنے۔ دنیوی اور دینی علم و مسائل کا کوئی محدود سے محدود گوشہ لے لیجئے۔ کیا اس طریقہ سے ہم ان گوشوں میں بھی حقیقت کی طرف قدم اٹھا سکتے ہیں؟ جب دنیا کے ایک معمولی مصنف یا عالم کی کتاب کے لئے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا ہم داد دعا کچھ مہینوں ہو سکتا، اگر کوئی ایسی بات بیان کی جائے جو خود اس کتاب میں موجود نہ ہو، تو غائب عالم کے لئے جن پر انسانی فہم و استعداد کے تغیرات و حوادث کی صدیاں گزر چکی ہیں اور لاکھوں کروڑوں افراد کے احوال و ظروف سے متنبہ بعد اس لئے ان کے عقلی حقائق متاثر ہو چکے ہیں کہ یہ کسی فرد یا جماعت کا ہم عمل و عمل حجت ہو سکتا ہو؟

البتہ! منبر ۱۳ ہیں۔ ایک عزیز طالب حق کی جو مراسلت دیر کی گئی تھی، انھوں نے کہنے پر وہ سفر اور حالات طبع کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہونے کی ملت نہیں ملی۔ اب اس کے لئے وقت بنگال سے نکال سکا ہوں۔

مذہب اور پرولن مذہب

میرا خطاب عزیز موصد سے ہے۔ انھوں نے، اس خط میں اپنے اپنے جو اثرات ظاہر کئے ہیں وہ اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں جس پر ہرگز کرنے کا اپنے ارادہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب آپ پہلے پہل مجھ سے ملے، اور اپنے دل کے شکوک و اضطراب مجھ پر ظاہر کئے، تو میں نے بعض مقدمات آپ کے ذہن نشین کئے چاہئے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ وہ بنیادی مقدمات ہیں جن کے بغیر آج طلب حقیقت کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا جاسکتا۔ میں جہاں ان مقدمات کے ایک مقدمہ یہ تھا کہ مذہب اور پرولن مذہب امتیاز ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک چیز نہیں ہے۔ مذہب کے بارے میں ہماری دو ہتائی ابوریہاں صرف ان کی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ ہم بسا اوقات ان دونوں کا مدعی بنتے ہیں۔ میں سب سے پہلی بات جو آپ کے علم میں آئی چاہتا ہوں یہ ہے کہ اپنے جستجوئے حقیقت میں ایک بنیادی صداقت معلوم کی تھی اور اب اس کا سرشتہ آپ کے ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے اور انھوں نے کہ آپ متنبہ نہیں ہیں۔

آپ سمجھتے ہیں؟ ایک بڑی شکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہے کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ کو چھوڑ کر ظاہر کرتے ہیں، وہ جب تک مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈی جاتی ہے تو نہ صرف یہ کہ نہیں ملتی بلکہ ایسی

ہو۔ دریافت کر لے پر معلوم ہو گا کہ یہ مکان اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ ان میں انگریز سپاہی رہیں گے تاکہ مسجد میں نمازیوں کو داخل ہونے سے باز رکھیں۔ اس وقت اتحادیوں نے یہ مجوزانہ فیصلہ کر لیا تھا اور امروں و زفرہ میں اس کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ مگر وقت ترکوں کو خبر لگ گئی۔ ان کے کئی ہزار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور ملے کر لیا کہ موت سے پہلے ایاصوفیہ کو گر جانے نہیں دیں گے۔ ان کے ارادے کی خبر ہوا کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور عام شورش کا سالن ہونے لگا۔ اتحادی ڈر گئے اور اپنا فیصلہ کسی دوسرے مناسب قدم کے لئے ملتوی کر دیا۔ انھیں یقین تھا، سال و سال بعد پوری طرح قابو حاصل کر کے یہ کارروائی کر سکیں گے۔ مگر مشیت الہی اس کے خلاف تھی۔ اتحادیوں کو نامراد مطلقاً غالی کر دینا پڑا۔ ایاصوفیہ آج تک مسجد ہی ہے اور انتشار اللہ مسجد ہی رہے گی۔

کے بھاٹک معلوم ہوتے ہیں۔ ہر بھاٹک کی فواد پر صلیب بنی ہو۔
ترک فاضلوں نے اس کا اتنی غلط دیا ہو۔ لیکن طوطی خطا آج تک کیا
ہی موجود ہے۔ یہاں تک کہ میں تھا۔

میں زیادہ تفصیل کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بے فائدہ ہو سکتی ہے
کوشش کر دیں، قارئین، اصلیت کا عشر عشر بھی تصور نہ کر سکیں گے مختصر
یہ جو کہ سابق کا یہ کنیا اور حال کی مسجد، ایک ایسی عمارت ہو جس کو غلط
ادشا عمارت، انسانی آنکھ اس وقت صفحہ زمین پر کیس نہیں دیکھ سکتی!

بازلیک

ایاصوفیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا ہم نے اباد کیا۔ لیکن مسجد میں
جانے سے پہلے بازلیک میں داخل ہوئے۔ بازلیک، ایاصوفیہ کے قریب
واقع ہو۔ یہ دراصل زمین کے نیچے ایک بہت بڑا حوض یا دروانی حوض
کا تالاب ہو۔ تقریباً ۳۶ سو ستونوں پر قائم ہو۔ اس سے مقصود یہ تھا
کہ دشمن کے محاصرے کے وقت اس میں پانی محفوظ رکھا جائے، تاکہ شہر
پانی سے ہلاک نہ ہو جائے۔ یہ تالاب، ایک سڑک کے درمیان آیا جو
سے بلایا گیا ہو اور آسانی سے آمد و رفت ممکن ہو۔

ایاصوفیہ میں نماز جمعہ

بازلیک کی سیر سے فاضل ہو کر ہم نماز جمعہ کے لئے روانہ ہوئے۔
ہیں یہ دیکھئے گا از حد شوق تھا کہ ترکی کے موجودہ اجتماعی انقلاب کے
بعد بیٹ پوش ترک نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو بیٹ
کے ساتھ کیونکر پڑھتے ہیں؟

لیکن مسجد میں داخل ہوتے ہی ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی
ہم نے دیکھا، مسجد نمازیوں سے لبریز ہو۔ جب بھی ایاصوفیہ کی بات کیا
جائے کہ لبریز ہو، تو سمجھ لیتا چاہئے کہ ہزار آدمی اس میں موجود ہیں۔
مگر ہزار ہوں۔ ممکن ہو میں ہزار ہوں۔ ممکن ہو ۵۰ ہزار ہوں
تعداد کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہو؟

یہ دیکھ کر ہمیں ادبھی تعجب ہوا کہ سب بیٹ بیٹے ہیں۔ اس وقت ہم
معلوم ہوا کہ ترکوں نے جو بیٹے پسے ہو، وہ یورپ میں بیٹ نہیں ہو۔ ترکوں
نے اسے بھی ایاصوفیہ کی طرح مسلمان کر لیا ہو۔ یہ بیٹ، مسجد میں بھی
انکے سرور پر موجود تھی۔ اور اس کی عبادت سے روک نہیں سکتی تھی
ابھی ہماری حیرت بدستور باقی تھی۔ ہم سوچتے تھے، اس بیٹ کے
ساتھ لوگ نماز کیسے پڑھیں گے؟ لیکن ہم نے دیکھا، جو آدمی نماز کے لئے
آٹھتا، بیٹ اپنے سامنے رکھ لیتا ہو اور جیسے معمولی کپڑے کی
ٹوپی نکال کر پہن لیتا ہو۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس خاص
ٹوپیاں نہ تھیں۔ وہ دو بال سر پر باندھ لیتے تھے۔ خود ہم نے بھی اسی
طرح نماز پڑھی۔ بعض ایسے بھی تھے جو نرم بیٹ پہنے تھے۔ انہوں نے
نماز کے وقت اپنی ٹوپیاں گھما دیں۔ بلند کنارہ پچھے کر دیا اور لپٹ کر
سامنے، تاکہ رب العالمین کے حضور اپنا اٹھا زمین پر رکھ سکیں!

ترک قاری

ہم اسلامی اور مسیحی دونوں مبروں کے مابین بیٹھے۔ ہم سے کچھ
فاصلہ پر سنگ مرمر کے ۶ بلند پایوں پر ایک سیخ بیٹھ گئی تھی۔ اس پر چار
ترک قاری بیٹھے خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ہر قاری ایک ایک
گوشہ میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ ترتیب یہ تھی
کہ پہلے ایک قاری پڑھتا۔ پھر اسی کا اعادہ باری باری باقی تینوں
قاری کرتے تھے۔ آخر میں سب ملکر کہتے، بحال الحمد، والہ
الاحمد، والہ اکبر۔

میں نے اپنے عرب رفقاء کا امتحان لینا چاہا۔ ان سے پوچھا یہ
لوگ کون سورتیں پڑھ رہے ہیں؟ مگر وہ جواب نہ دے سکے۔ لیکن ہمیں
بالآخر معلوم ہو گیا کہ وہ سورہ الم نشرح اور اس کے بعد کی سورتیں پڑھ
رہے تھے۔ آخر میں انہوں نے سورہ فاتحہ تلاوت کی۔ پھر سورہ بقرہ،

عظیم کنیا، جسے کوسٹینیان نے شہیدہ قلدیہ صوفیہ کی یادگار بنانے
کے لئے تعمیر کرایا تھا، اور جسے عظیم اسلامی بادشاہ محمد ثانی نے مسجد بنادیا،
صدیوں پر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے سچی مظاہر و خصوصیات
پر قرار رکھے ہوئے ہو۔ اب تک یہ پورا کنیا ہو۔ اس کی صلیبی شکل بدستور
قائم ہو۔ اس کے مختلف حصے، جن کی ترتیب و تینوں میں صلیبی شکل بدستور
رکھی گئی ہو، اب تک اپنی صلیبیت ہی پر باقی ہیں۔ اس کے ستون اب تک
کوسٹینیان اور اس کی ملکہ کے نشان و فاداری کے ساتھ پیش کر رہے
ہیں۔ اس کے اندر دو ڈول پہلوؤں میں بیٹھانے کے حوض اب تک
موجود ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے ہیں۔ ان کی شکل مرتبائی ہو۔ ان میں
نمازی عورتیں دھڑکتی ہیں۔ اس کی دیواروں پر مقدس نقوش بھی
اب تک نظر آتے ہیں، اگرچہ ترکوں نے انھیں محو کرنے کی کوشش کی تھی
حضرت یرم (علیہ السلام) کی تعمیر آج بھی اپنی موثر آنکھوں سے نمازیوں
کی ضعیف دیکھنے کے لئے موجود ہو۔ ترکوں نے اس کا مقصد ان نقشہ
شانے کی کوشش کی کیونکہ اسلام کی عبادت گاہ اس نشان شرک کی
متعل نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر قوری طرح نہ مٹ سکا شاید یہ اس کا بیج ہو
ہو کہ وہ ایک ایسے تاریک حصے میں ہو جہاں سے وہ سرک دیکھتی ہو، مگر وہ
سب دیکھ نہیں سکتی!

یہ عجیب اتفاق ہو کہ اس کی محراب۔ حالانکہ وہ کنیا تھی۔ بغیر کسی
ترمیم کے مسجد کی محراب بن گئی۔ کیونکہ ٹھیک قلعہ کی سمت میں واقع تھی۔
یہی سبب ہو کہ نمازیں تم اپنے آپ کو ایسے رنگین شیشوں کے سامنے
پاؤں کے جو صحت کنیوں میں ہی استعمال کئے جاتے ہیں۔ بھاری بھاری
جدہ اٹھ گئی، آیات قرآنی اور عربی عبارات نظر آئیں گی، مگر تم ہی کو
کو دیکھ کر مسجد میں نہیں، سچی کنیہ میں ہو۔ کیونکہ ایاصوفیہ کی مجموعی اہمیت
اب تک بالکل گننے ہی کی ہے۔

اس محراب کے قریب، جو صلیب سریش کرتی ہو، سنگ مرمر کا وہ
ممبر اب تک قائم ہو جس پر سچی خلیفہ کھڑا ہوتا تھا۔ اسی کے مقابلے پر
اور ممبر بنایا گیا ہو۔ اس پر اسلامی خطبہ کھڑا ہوتا ہو۔ یہ دونوں ممبر
گویا تاریخ کے دو اہم صفحے ہیں اور کبھی محو ہونے والے نہیں!
مسجد کے ساتوں فوادیں بھاٹک، اتنے عظیم الشان ہیں کہ سچا قاری

سیرنی الارض

اولم سیرانی الارض فنیط و کیف کان عاقبہ اللدین بن قلیم

(۸:۳۰)

سیاحان عالم کے مشاہدات و تاثرات

قدیم قسطنطنیہ پر ایک جدید نظر!

(مغربی اہل قلم اساذمیری محمود کے قلم سے)

مسجد ایاصوفیہ

سیاحان عالم نے ہمیشہ اہتران کیا جو کہ ایاصوفیہ کے مشاہدے سے قوری
و معنوی حلال، جمال کی جو عظمت انسان کے دل و دماغ کو مسخر کر لیتی ہو،
وہ دنیا کی کسی موجودہ عمارت میں نہیں پائی جاتی۔ لندن کے ڈسٹر پیر
”کے باغیچوں، دیش کے کینے، ایتھرس کے کرول، ایتھر کے معبد کرکنا، ایتھا
کے محل کوئی بھی اس نوعیت کی تاثیر نہیں رکھتا۔ جو ایاصوفیہ کے کو محض
ہو۔ میں نے جلیل القدر تو باغیچہ آمن کی لاش اس کے پر شوکت مقبرہ
میں بھی دیکھی، وہ مقبرہ جس کے اکثر ان کے دنیا بھر کے اعتصاب ہلائے
ہیں۔ لیکن میرے دل پر وہ اثر نہیں پڑا جو کل ایاصوفیہ کے مشاہدے
سے محسوس ہوا تھا اور جو شاید زندگی بھر محسوس ہوتا ہو گا!
کنیہ ایاصوفیہ، اب مسجد ایاصوفیہ بن گیا ہو۔ یہی بہتر اور مناسب
بھی تھا۔ کیونکہ قلدیہ صوفیہ جس کے نام پر یہ عمارت بنائی گئی ہو، اس
و عبادت گاہ اعتبار سے، ایک مستقبل مجسمے کی سچی نہیں ہو۔

(بقیہ صفحہ ۱۹ ص ۱۸)

دنیا میرے قدموں کے نیچے آجائے تو بھی میں اسے لینے والا نہیں کیونکہ
میں ہمیشہ اس دن سے ڈرتا رہا ہوں جو آج دوپہر ہو۔

مسئلہ (۱) مستندہ میں انتقال کیا

(۲) سیموئیل امام نحو

شہر بنوخی سیموئیل کے وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

یوں دنیا آتی لے

آرزو کرنے والے نے آہ دہ کی کہ دنیا ہمیشہ باقی رہے۔ لیکن آرزو کو
بے بسی آرزو کرنے والا مر گیا۔

یہ کہہ کر پیش ہو گئے۔ سر بھائی کے زانو پر تھا وہ رونے لگے۔

انہوں نے آنکھ کھول دی۔ ان کے آنسو بکھر کر کہا:

وکتا جیسا فرق الدیر بیننا الی الاموال اقصیٰ من یامن الدیر
ہم سب ساتھ تھے، زمانے نے ہمیشہ کے لئے جھا کر دیا۔ پس زمانے پر
کون بھروسہ کر سکتا ہو؟

مسئلہ (۲) مستندہ میں وفات پائی۔

جامع الشواہد طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر سلسلہ ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رد اداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

سلسلہ ۱۹۱۹ء میں جلد نئے چھپے تھے، مدد سہ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ ۱۲ (منیر السلام) کلکتہ

کیا آپ کو معلوم نہیں

اس وقت

دنیا کا بہترین فائینڈن قلم
امریکن کارخانہ "شفیر"

کا
"الف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) آتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ لکھتا
پچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں
ہو سکتا

(۲) آتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو زندگی بھر
کام دے سکتا ہے

(۳) آتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور بنری
بیل بوٹوں سے مزین کہ آتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے برابر

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان پر قلم لپی

آپ کو "شفیر" کا

"الف ٹائم"

لینا چاہئے!



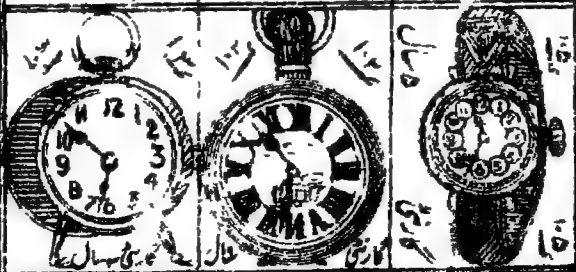
حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپیہ میں

محمولہ ملک اور سیکنڈ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے



نئے نئے نمونوں کی خوش آہنگی، اصل ملک میں خوبصورت مضبوط، دیکھنے میں خوبصورت چمک چمک
پانچ ماہ کی گارنٹی، قیمت میں ایک حد تک کمی، تین ماہ کی گارنٹی، تین ماہ کی گارنٹی، تین ماہ کی گارنٹی
مستحق سات روپیہ اضافہ، تین ماہ کی گارنٹی، تین ماہ کی گارنٹی، تین ماہ کی گارنٹی
محمولہ ملک سیکنڈ، تین ماہ کی گارنٹی، تین ماہ کی گارنٹی، تین ماہ کی گارنٹی

یہ تین گھڑیاں اگر آپ محض ایک ماہ کی گارنٹی کے لئے خریدیں تو صرف دس روپیہ میں ہی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ یہ رعایت محض
مال کی کمائی اور فروغ کی شہوت کی وجہ سے ہے اور یہ رعایت ہی وقت تک رہے گی
جب تک یہ گھڑیاں سٹاک میں ہیں۔ اس کے بعد ہم ان کے خلاف ہو گئے۔ آپ قلم ہی آرڈر
ہو جس ایسا نہ ہو کہ سٹاک ختم ہو جائے۔ اس ملک کی فراہمی کی ضمانت ہو سکتی ہے۔

نوٹ: ایک ماہ کی گارنٹی کے خلاف گاہک کوئی شکایت نہیں کر سکتا۔ یہ ضمانت صرف اس وقت تک رہے گی
جب تک کہ گاہک کوئی شکایت نہیں کر سکتا۔ یہ ضمانت صرف اس وقت تک رہے گی۔

آپ کو یہ گھڑیاں فراہم ہوں۔ اسٹاک میں ہیں۔ اسٹاک میں ہیں۔ اسٹاک میں ہیں۔ اسٹاک میں ہیں۔

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھر آگے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور
جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور اُن کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور لاطینی زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایدیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے پاس

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوتی ہے

یاد رکھئے

موسم گرما کا نیا انتخاب

شریت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

حضرت احمد دودا خانہ دہلی

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم باسکی ہو کر بلا تفریق مذہب و ملیت ہر دلی خیر و شرف مقبولیت حاصل کر کے صرف ہندوستان بلکہ مالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کی خیمہ پر دعویٰ محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کر لیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اسکا استعمال کر چکے ہیں ان سے تو اس کے فوائد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی سلسلہ پیچہ ہشتا قاز خریداری اس کی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیسی وسیع و عظیم مین جس لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا ان سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شہرت کا استعمال کسی نہج کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

ناظرین! یہ شہرت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے غذائیات پر مشتمل، رکتکو و غیرہ اور بہت سی اعلیٰ اور پکھلیک ہو جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو مٹا کر تازہ۔ اختلاج قلب، دوسرے دوران سیر، مثلاً وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سودا دی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

مسوی خوبیوں کے علاوہ اسکا استعمال سے تعلق، بھوک میں نظر پڑے ہوئے رنگ و لہریں اور بکینگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرا دم ثواب کے مصداق بیک کی خدمت کو ملاؤ۔

ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا نظر ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کو دل دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ فوج ہندوستان کی صنعت کا امیدا فرماؤں گے اور جس کی ہر چیز دیسی ہے۔ خوش بھگے اور باوجود اس خیال ہونے کے قیمت اس سے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس کو فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (عمر) سیکھوں اور عطارد کے علاوہ تاجران شہرت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں اور فی پیکیشن یا جگہ

نوٹ: اس شہرت کی عام مقبولیت سے ہم بیکہ کر رہے ہیں۔ ہمیشہ حضرات ناجائز فائدہ اٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شہرت کا بلتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شہرت خرید کر تے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدود دوا خانہ کا خوشنالیبل اور اس پر فقط رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

دوا خانہ دہلی کہ یہ شہرت ہندوستان کا دوا خانہ کی منجھن خیر ہے اور اصلی صرف ہمدود دوا خانہ دہلی ہی ہو سکتا ہے۔ نہرت دوا خانہ مع خیر ۱۹۲۷ء کا ڈاکے پر نفٹ ارسال ہوگی۔

تار کا کافی پتہ ہمدود دہلی

پتہ - ہمدود دوا خانہ دہلی

اگر آپ

دیکھیں

(ضیق نفس)

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو

تائل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان

سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنگام ٹیک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آب و ہوا وغیرہ آپ کو مطلع کرے نیز جس سے تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکیں جن کی ایک سیاحت کو

قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائیڈ بک ضرور

ڈنلاپ گائیڈ بک برٹن

The Dunlop Guide to Great Britain

دوسرا ایڈیشن ہے ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے بیوروں اسٹیشنوں کے مکمل ٹال ہو سکتی ہے

مجلدات الملل

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پارینہ را
آرزو خاوی داستان گرد اغمائے سینہ ما

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آور دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجنبی نظر دے کر کی گئی تھی (روح پیدا کر کے پیدا تھا) اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراک کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی طاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھے۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹرن نصاب کے اندراج کا انتظام لیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پندرہویں صدی میں ممکن نہیں تھیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی معقولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شایعین علم و ادب کے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیہ میں خرید دیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) سترہ چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں کے اس کے بچے بھروسہ جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علیحدہ کر کے کیلیے قیام نہیں۔ پچھلے دنوں ”البلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک ملے مکان میں منسلک کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے کوشش کی کہ سابقین علم و ادب کے لئے جس قدر ممکن جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرائی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ دوشس ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ معارف پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہو گئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ سایقین علم و ادب کو آخری موقع دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرے جس جلدی کرتے ہوئے جلدوں کی انک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پہرنچس کی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف پہنچی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم۔ ۱۰ روپیہ الہلال مکمل جلد سوم۔ ۱۰ روپیہ
 ” ” ” چہارم۔ ۱۰ روپیہ ” ” ” پنجم۔ ۱۰ روپیہ
 جلد ” البائع“ (جب دوسری مرنندہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)
 قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متعلق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

مہاجر "البلاغ پریس"

مطبوعات الهلال بنك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دیدی علوم کے پیش بہا جواہر زبیری

اس سلسلہ میں ہم ے اہم مہم کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے ' جفکا مطالعہ اصلاح ' مفائد اسلام اور اساعت و معارف کد و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے - امید کہ یہ "سلسلہ تراجم" بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے .

آسوء حسدہ — امام ابن فہم کی فن سبوت میں شہرہ آفاق کذاب ”زان المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مچلدا
اڑھائی روپیہ -

مداب الوسیلہ — لفظ ”وسیلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اعمال الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد ازھائی ربیہ، مجلد سوا تین ربیہ۔

!صحاب صفہ — انکی تعداد * ذریعہ معاش ' طریق عبادت اور انکی مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آے -

تفسیر سورة الزمر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص امداد تفسیر ۵
 اہل ترجمہ - چار آے -

العزرة الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فوقی دلائل
 بیان کیا ہے - دھہ آے -

سیرت امام انسؓ — حصرت امام کے صرزی حالات رندگی
بہایت خرش اسلامؓ سے بیان ہے ہس۔ نو آے

بجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری لی نازہ کدب
کا اردو ترجمہ - سہا روٹیہ -

آئمہ اسلام — ترجمہ رفع الحلام عن ائمہ الاعلام - بارہ آئے
 خلاف الامہ — فی العدوات - بانہم آئے

صبح سعادت — بہ انک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و تلاش سے ’رُز‘، ’عربی‘، ’فارسی‘، ’انگریزی‘ اور دوسری زبانوں میں تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین دارہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگانِ دین کے حالات، لطائفِ افسانہ، نظمیں اور مسائلِ اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کئے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی برجہ ۸ آدھ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ درواوہ لاہور پنجاب)

“ Al-Hilal Book Agency,”

24, LAHORE, PUNJAB.

— ❦ —

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہم

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں، پرانے
کے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے
صنعتی عجائب و نوادہ، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہارڈ
مائٹس گاہوں اور دفاتر کی فرسٹیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں
کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نواد عالم کا ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں پہلے سے ایجنٹ ہرگز پیش کرتے نہیں ہیں۔

با ایں ہمہ

قیمتیں عجیب و غریب حد تک ارزاں ہیں!

بڑا عظیم یورپ امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادہ حاصل کرتے رہتے
ہیں۔ تاہم ان کے لئے ایوان شاہی کے نوادہ ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادہ موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔

تاریخ اسلام

نمبر ۱۷

تذکرہ پیر کلکتہ

۵ - آنہ

قیمت

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے فلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے انجمن سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رقیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے انجمن سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کم ملکیں کے میروں کو خشک کرے اور پہلوں کو محفوظ رکھے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مددگار ہالا پدہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھئے

میروں، ترکاروں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے منہدم ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام برے برے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش انجمنیں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے منک کو آشنا کریں، تھری سی معنت اور نہروں سا سرمائے لیکر ایک رقیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بیدار سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھریوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھروں سا وقت خرچ نہ کرے یہ ساری باتیں با وعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہئے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام نہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

الہلال

ایک ہفتہ وار موصوٰر سال

نمبر ۱۷

کلکتہ : جمعہ ۱۷ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 14, October 1927.

جلد ۱

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہین؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہین رکھتی ۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی چلی ۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہین ، وہ ہین جن میں الہلال
چھپتا ہی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس میں یہ سبترین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان
دونوں میں سی جسی چاہین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سنی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رای سی ہمیں اطلاع دیجیئی ۔ یاد رکھی ۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہی ۔ ضروری ہی کہ اسکی
تمام نقایض ایک بار دور کر دی جائین ۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۴۰۱ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

عربی حروف کی حق میں	۲۰۷	اردو حروف کی حق میں	۳۹۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۴۲۴	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۴۰	نستعلیق ہون	۱۴۰

ان میں سنی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہین
ہی ۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہی ۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کرینگے مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دیں ۔ الہلال

الہامی لک

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت نشن ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

- (۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”مدیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مصائب سے تعلق رکھتے ہوں ان کے تعلقہ پر ”اندتہر“ کا نام ہونا چاہیے ۔
- (۲) معمولہ قیمت ارسال نہ ہوگا ۔
- (۳) براہ عداوت خط و کتابت میں ایسا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے ۔
- (۴) خط و کتابت میں بعد خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے ۔
- (۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ بھیجے تو تاریخ اساعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دےں ۔ ورنہ بصورت تاخیر بعد قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔
- (۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو ایسا نہ تبدیل نہ کرایے ”مقامی“ ڈاکخانہ کو اطلاع دےں اور اندطام نہ نہجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دےں کہ یہ تبدیل فرالیں ۔
- (۷) مدنی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے نوپن پر ایسا نام و پتہ ضرور لکھیں ۔
- (۸) اسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دوسرے دوسری موائف (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر عدم معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا ۔

موت و حیات وجود میں آسکتی ہے - مثلاً مرد اور عورت کے ملنے کے واسطہ سے زندہ انسان پیدا ہو سکتا ہے ' اور قتل کے ذریعہ ہلاک کیا جا سکتا ہے - اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے اپنی دلیل کی مزید وضاحت کی اور فرمایا کہ احیاء اور اماتت اگرچہ افلاک کی حرکات کے واسطہ سے ظہور میں آتی ہے، لیکن افلاک کی حرکت بھی تو خدا ہی کے حکم و مشیت سے ہے - اُس کے سوا کون ہے جو انہیں حرکت میں لا سکے ؟ اور جب اُس کے سوا کوئی دوسرا افلاک کو متحرک نہیں کر سکتا، تو ثابت ہو گیا کہ احیاء اور اماتت بھی نہیں کر سکتا -

میں حیران ہوں کہ اس امام جلیل القدر کی اس تقریر کی نسبت کیا عرص کرے ؟ ان کے جواب سے شبہ دور ہوا ہے یا آرزو زیادہ مضبوط ہو گیا ہے ؟ اول تو یہ فرض کرنا کہ نمرود کا مطلب اعتراض سے واسطہ اور بغیر واسطہ کا جھگڑا تھا، کہاں سے ثابت ہوتا ہے ؟ قرآن مجید میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ ”انا احی و امیت“ پھر یہ کہنا کہ یہ دوسری دلیل کی مزید توضیح ہے، نئی دلیل نہیں ہے، کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا - افلاک کی حرکت کو پہلا موت و حیات سے کیا تعلق ؟ کیونکہ یہ استدلال پہلی دلیل کے ساتھ مربوط ہو سکتا ہے ؟ پہلی دلیل کا تعلق جلانے اور مارنے کی صفت سے تھا - دوسری میں سورج کے طلوع و غروب کی جہت سے - اس میں اور موت و حیات کی طاقت و تصرف میں کوئی علاقہ نہیں - تعجب ہے کہ کیونکہ امام موصوف ایسی کمزور اور بے ربط بات کو محققین کا مذہب قرار دیتے ہیں اور وثوق کے ساتھ قرار دیتے ہیں -

پھر مفسرین کا یہ عام مذہب بھی کہ دوسری دلیل پہلی سے اوضح ہے، تشفی پیدا کرنے سے قاصر ہے - صاف بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ پہلی دلیل ہی زیادہ واضح اور قطعی تھی -

دوسرے شبہ کا جواب امام موصوف نے یہ دیا ہے کہ نمرود دوسری دلیل کا معارضہ نہیں کر سکا - اس لیے کہ ہو سکتا ہے، خدا نے اُس وقت اُس کے حواس مختل کر دیے ہوں - وہ اس قابل ہی نہ رہا ہو کہ اعتراض کرے - سوال یہ ہے کہ اگر معترض اور مستحکم کو اسی طرح حواس باختہ کر کے چپ کر دینا تھا، تو پھر اس مناظرہ کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ پہلے ہی سے مضبوط الحواس بنا دیا ہوتا، تا کہ وہ اعتراض ہی نہ کر سکتا - علاوہ بریں اگر خدا تعالیٰ کی سنت بھی ہے کہ جو معتزبین انبیاء کرام سے معارضہ کرتے ہیں، ان کے حواس سلب کر لیا کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام کے پاس مسکت اور قاطع جواب نہیں ہوتے، اس لیے غریب معتزبین مضبوط الحواس کر کے چپ کر دیے جاتے ہیں - کیا اسے جوابوں سے قرآن مجید کے معارف روشنی میں آسکتے ہیں ؟ خصوصاً اس زمانے میں ؟

خود امام صاحب بار بار اس پر زور دیتے ہیں کہ ”جب ایک دلیل با مثال خصم کے مقابلہ میں پیش کی جائے، اور اُس پر وہ نا فہمی سے اعتراض کر دے، تو مستدل کا فرض ہے کہ اُس کے اعتراض کی خامی ظاہر کر دے اور بعد اس کے اُسے نہ بڑھے، اور جب ایک معمولی مناظرہ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے، تو ظاہر ہے کہ ایک نبی ارلوالعزم کے لیے کیوں ضروری نہ ہو جس کا مناظرہ تمام دنیا کے سامنے بطور ایک بنیادی صداقت کے پیش کیا جا رہا ہے ؟“ تاہم وہ اس فرت کے ساتھ اعتراض وارد کرے، اس کا کوئی کمزور سے کمزور جواب بھی نہیں دینے، اور صرف یہ کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ ”محققین کی تفسیر پر شبہات وارد

جو سورج کو جس طرف سے چاہے نکالے“ لیکن سورج کا ایک سمت کی جگہ کسی دوسری سمت سے نکلنا کوئی دنیا کا محسوس واقعہ نہ تھا جو لوگوں کے علم میں ہوتا اور حضرت ابراہیم اُسے اپنے پروردگار کا فعل قرار دے سکتے - نمرود کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر یہی دلیل ہے تو تمہارا پروردگار پورب کی جگہ پیچھم سے ایک مرتبہ نکال دکھائے - اس پر حضرت ابراہیم کیا جواب دیتے ؟ کیا وہ اپنے پروردگار سے چاہتے کہ نظام شمسی کا پورا کارخانہ دھرم دھرم کر کے سورج دوسری سمت سے نکلتا ہوا دکھا دے ؟

(۵) علاوہ بریں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دلیل سے رجوع کر کے دوسری دلیل پیش کی، تو ضروری تھا کہ یہ پہلے سے زیادہ واضح و اقطع ہوتی - اُن کی پہلی دلیل یہ تھی کہ موت و حیات کی باگ اللہ ہی کے ہاتھ ہے - دوسری یہ کہ اجرام سماوی اُسی کے حکم و مشیت سے کام کرتے ہیں - ظاہر ہے کہ دوسری دلیل پہلی سے زیادہ رزنی نہیں کہی جا سکتی - اگر موت و حیات جیسا واضح اور بدیہی معاملہ خصم کو ساکت نہ کر سکا، تو اجرام سماوی کا معاملہ کیا مفید اثبات ہو سکتا ہے ؟

میں نے بڑے ہی شوق سے حضرت امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر دیکھی تھی - کیونکہ وہ قرآن مجید کے مقامات کو عقلی مباحث سے صاف کرنا چاہتے ہیں - مگر میں عرض نہیں کر سکتا کہ مجھے کس قدر مایوسی ہوئی ؟ لطف یہ ہے کہ انہوں نے پوری تفصیل کے ساتھ یہ تمام شبہات خود ہی لکھے ہیں، لیکن جواب کا جو کچھ حال ہے، اس کا اندازہ اس سے کر لیجیے کہ اُس کے پڑھنے کے بعد اپنے دل کو آرزو زیادہ شکوک و شبہات میں مبتلا پاتا ہوں -

پہلے شبہ پر انہوں نے بالکل توجہ نہیں کی ہے - دوسرے شبہ کے دو جواب دیے ہیں - ایک یہ کہ ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا مستدل کے لیے جائز ہے - اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ دوسری دلیل پہلی دلیل سے اوضح ہے - اسے عام مفسرین کی طرف منسوب کرے ہیں - دوسرا جواب ”محققین“ کا جواب قرار دیا ہے - وہ یہ ہے کہ ”یہ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا نہ تھا - بلکہ ایک ہی دلیل کی مزید وضاحت کرنی تھی : و ہوا نا نری حدوت اشیاء لا یقدر الحلق علی احداثھا، لہ امثالہ، منها الاحیاء، والاماتۃ، و منها السحاب و الرعد و البرق، و منها حرکات الافلاک و الکواکب، و المستدل لا یجوز لہ اُن ینقل من دلیل علی دلیل آخر، لکن اذا دار لایضاح کلام مثلاً، فلہ اُن ینقل من ذلک امثال الی مثال آخر، فکان ما فعلہ ابراہیم من باب ما یكون الدلیل و احداً، إلا انہ یقع الانتقال عند ایضاحہ من مثال الی مثال آخر - و ہد الرجہ احسن و الیق بکلام اہل التحقیق“ اُس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں : ”لما احتج ابراہیم بالاحیاء و الاماتۃ، ارد الخصم علیہ سوالاً لا بلوی بالعقل، و ہوانک ادا دعیت الاحیاء و الاماتۃ لا براسطۃ، فذلک لا تجدد الی اثباتہ سیلا، و ان دعیت حصولہا بواسطۃ حرکات الافلاک، فنظیرہ از ما یقرب منہ حاصل للبشر - فاجاب ابراہیم بان الاحیاء و الاماتۃ و ان حصل بواسطۃ حرکات الافلاک، لکن تلک الحرکات حصلت من اللہ تعالیٰ و ذلک لا یقدح فی کون الاحیاء و الاماتۃ من اللہ، بخلاف الحلق فانہ لا قدر لہم علی تحریکات الافلاک“ خلاصہ اس تقریر کا یہ ہے کہ پہلی دلیل پر جو نمرود نے اعتراض کیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے کہا، خدا کی صفت جلانے اور مارنے کی کیسی ہے ؟ وہ بلا واسطہ جلانے اور مارتا ہے، با افلاک کی حرکت اور اس کے اثرات کے ذریعہ ؟ اگر پہلی بات ہے تو اُس کا اثبات ممکن نہیں - اور اگر دوسری بات ہے تو یہ انسان کو بھی حاصل ہے - یعنی وسائل کے ذریعہ

نصف میں ہے۔ اگر کوئی دوسری ہستی خدائی کی مدعی ہے تو اسے چاہیے کہ یہ قوت و تصرف اپنے اندر ثابت کرے۔ نمرود نے اس کے جواب میں کہا۔ اگر یہی نصف خدائی کا ہے تو یہ مجھ میں بھی ہے۔ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے بہ سنکر فرمایا کہ خدا پررب سے سورج نکلتا ہے۔ تو پچھم سے نکال دے۔ اس پر نمرود مہر ہر کر رہ گیا۔

یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ہے جسمیں نمرود کی حیثیت خدائی کے مدعی کی ہے اور حضرت ابراہیم اس کے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اب اس آیت کی تفسیر میں چند در چند مشکلات حائل ہیں :

(۱) اول یہ کہ جب نمرود خدا ہونے کا مدعی تھا تو ظاہر ہے کہ دلیل پیش کرنا اس کے ذمہ تھا۔ نہ کہ حضرت ابراہیم کے ذمہ جنکی حیثیت منکر کی تھی۔ لیکن یہاں حضرت ابراہیم اس سے کوئی دلیل نہیں مانگتے۔ بلکہ خود اپنے پروردگار کی پروردگاری کی دلیل پیش کر دیتے ہیں کہ ”الذی یحیی و یمیت“ اور وہ اس سے معارضہ کرے لگتا ہے۔

(۲) پھر جب انہوں نے ایک ایسی دلیل بیان فرمادی ہے جس سے بڑھکر واضح اور واطع دلیل نہیں ہوسکتی تو چاہیے تھا کہ نمرود کے جاہلانہ اور طفلانہ معارضہ کی قلعی کھول دیتے۔ کیونکہ وہ اے جہل و بلاد سے زندگی بخشنے اور موت دینے کا وہ مطلب سمجھ ہی نہ سکا تھا جو موتی سے موتی انسانی عقل کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ وہ بول آتا کہ نہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے۔ سرزری نہا کہ حضرت ابراہیم فرماتے، موت اور حیات بخشنے سے مطلب نہ ہے کہ جس طرح وہ ان دیکھی ذات تمام جانداروں کو نیستی سے ہستی بخشتی ہے، اور پھر ایک خاص وقت پر فنا کر دیتی ہے، اسی طرح تو بھی ایک چھوٹا سے چھوٹا کیترا بنا دیکھ۔ لیکن آپ بہ نہیں کہتے، بلکہ فوراً اس دلیل کو چھوڑ کر ایک دوسری دلیل پیش کر دیتے ہیں۔ یعنی سورج کو اسکی معمولی سمت کی جگہ دوسری سمت سے نکال دینے کی فرمائش کرتے ہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ گونا گونے اپنی پہلی دلیل کی کمزوری مان لیں۔ اور (نعمد باللہ) نمرود کے معارضہ سے لچار ہو گئے۔ اس لیے اسے جھوڑ کر نئی دلیل کا سہارا لیا۔ ایک معمولی مناظرہ کیلئے بھی یہ بات دلیل عجز ہے، چہ جائیکہ ایک جلیل القدر پیغمبر کیلئے۔

(۳) پھر دوسری دلیل جو پیش کی گئی، اس پر بھی شبہات وارد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید ناطق ہے کہ پہلی دلیل سے نہیں مگر دوسری دلیل سے نمرود لا جواب ہر کر رہ گیا۔ مگر اعتراض ہو سکتا ہے کہ جس شخص کی شوخ چشمی کا یہ حال نہا کہ موت و حیات کے وصف الہی تک کا بیان اسے چپ نہ کرا سکا، وہ اس دوسری دلیل سے کس طرح لا جواب ہو گیا؟ اگر کہا جائے، اس لیے کہ وہ پچھم کی طرف سے سورج نکالنے پر قادر نہ تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ وہ موت و حیات بخشنے پر بھی تو قادر نہ تھا؟ نہ تھا؟ جس طرح اس بات کا ایک غلط مطلب ٹھہرا کر اس کے معارضہ کر دیا تھا اور حضرت ابراہیم ترک دلیل پر مجبور ہو گئے تھے، اسی طرح اس کا بھی کر دے سکتا تھا۔ کہدیتا میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔

(۴) علامہ برہن دلیل کے معنی بہ ہیں کہ وہ ایسی بات ہوتی ہے کہ اس کے اثبات سے مدعا کا ثبوت منطوق ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم کی دوسری دلیل ایسی معلوم نہیں ہوتی۔ اس کا اثبات اس مقدمہ کے اثبات پر موقوف ہے کہ ”خدا وہی ہو سکتا ہے



حضرت ابراہیم اور ایک بادشاہ کا مکالمہ

کریمہ ”الم تر الی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

ایک استفسار

(از جناب مولوی محمد عبدالحق صاحب سکندراباسی)

جیسا کہ جناب کو معلوم ہے، میں گذشتہ سال سے ایک سلسلہ رسائل کی ترتیب میں مشغول ہوں جن کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے مطالب حکیمانہ ایک ایسے نئے اسلوب سے بیان کیے جائیں کہ آج کل کی مذهب سے برگشتہ طبیعتیں ان سے نشفی حاصل کر سکیں۔ ایک ہمدرد ملت رئیس دکن نے ایک انگریزی زبان میں ساتھ ساتھ ترجمہ کرائے کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ اور امید ہے کہ چند ماہ کے اندر انکی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو جائیگا * * * * * اس سلسلہ میں قرآن مجید کے متعدد مقامات ہیں جو ایک عرصہ سے میرے سامنے ہیں۔ لیکن حقیقتاً حال یہ ہے کہ جیسا تشفی بخش حل آنکا ہونا چاہیے، اس وقت تک نہیں ہو سکا ہے، اور جب تک خود ابھی طبعیت مطمئن نہ ہو جائے، دوسروں کے سامنے قدم آٹھانا دیانت تحریر کے خلاف سمجھتا ہوں۔ یہ عرصہ گزنا ضروری نہیں کہ قرآن مجید کے فہم و مطالعہ کا جسقدر بھی خاکسار درق پیدا کر سکا ہے، وہ سب جناب ہی کے طفیل ہے، اور جناب ہی کی تحریرات کے سوغ کا نتیجہ ہے۔ اس لیے ان مشکلات میں بھی جناب ہی سے دستگیری کی امید ہے۔ اگرچہ وہ مقامات ایک سے زیادہ ہیں، مگر ہر دست میں جرأت نہیں کر سکتا کہ جناب کا زیادہ وقت لوں۔ صرف ایک مقام کی نسبت اپنا اطمینان چاہتا ہوں جس کے خاطر خواہ حل نہ ملنے کی وجہ سے خاکسار کی زیر ترتیب کتاب کا کام رک گیا ہے۔

سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک بادشاہ کے مناظرہ کا ذکر ہے جسکی نسبت ہمارے مفسرین کا بیان ہے کہ ”نمرود تھا : الم تر الی الذی حاج ابراہیم فی رہ ان اتاہ اللہ الملک“ ان فال ابراہیم ربی الذی یحیی و یمیت“ قال انا اُحیی و امیت“ قال ابراہیم فان اللہ یأتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب“ مہر الذی نعر“ و اللہ لا یهدی القوم الطالمین۔ مضمون اس آیت نا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم سے نمرود نے خدا کے باب مہر حجت کی۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، یعنی زندگی اور موت اسی کے قبضہ و

وہ مجبور تھے کہ عام دستر خوانوں ہی پر بیٹھ کر کھانا کھائیں - یونان میں اصلاح و تجدید کے داعی مجرم سمجھے جاتے تھے - چنانچہ پوری قوم سقراط کے خلاف کھڑی ہو گئی، اور اُس وقت تک چین نہ لیا، جب تک اُس مصلح کی جان نہ لے لی!

بلاشبہ اس قسم کے سخت نظامات اُن ملکوں کے لیے ضروری ہیں، جو ہمیشہ دشمن کے حملوں کا نشانہ بنے رہتے ہیں -

قدیم زمانے میں رومانیوں نے معلوم کر لیا تھا کہ اصلاح و انقلاب میں نقطۂ توازن کیا ہے - ایک طرف وہ تجدید و اصلاح کے حامی تھے، دوسری طرف اپنی خصوصیات کی حفاظت بھی کرتے تھے - یہ وصف اُن میں اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ فتوحات نے اُن کے تعلقات دوسری قوموں سے قائم کر دیے تھے - یہ تعلقات نئے نئے حالات پیدا کر دیتے تھے، اور وہ نظامات کی تبدیلی پر مجبور ہو جاتے تھے - رومانیوں کا سنہرا زمانہ بھی تھا جب وہ اس مرکز توازن پر قائم تھے - لیکن جب سے انہوں نے افراط و تفریط شروع کی، روز بروز گرے اور تباہ ہونے لگے -

(انگریزوں کی کامیابی کا راز)

موجودہ زمانے میں علمی اکتشافات، جدید صنائع کے ظہور، اور مواصلات کی سہولت و کثرت نے مختلف تمدنوں میں ایک ایسا تصادم و احتکاک پیدا کر دیا ہے، کہ ہر لمحہ عظیم تغیرات و انقلابات کے موقع پیدا ہونے رہتے ہیں - اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مرکز توازن تقریباً مچھل ہو گیا ہے، اور اُس کی تلاش از حد مشکل ہو گئی ہے - یہی سبب ہے کہ موجودہ دنیا میں ہر طرف شورشیں اور انقلابات برپا ہو رہے ہیں - کوئی نظام بھی پائیدار نہ حاصل کرے نہیں پایا -

لیکن صرف انگریزوں ہی کی قوم یورپ کی ایک ایسی قوم ہے جس نے رومانیوں کی طرح مرکز توازن معلوم کر لیا ہے - وہ ایک طرف اصلاح و تجدید کی حامی ہے - دوسری طرف اپنے قومی مقومات بھی برقرار رکھے ہوئے ہے - اُن میں جمود و تقلید نہیں ہے - برابر اصلاح و تجدید میں مشغول ہیں، مگر پوری تدریج اور دانشمندی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہیں - انگلستان کی آزادی نہ تو کراہی کے ہاتھوں قائم ہوئی ہے، نہ جمہوریت پسندوں کی لائی ہوئی ہے - وہ انگریزی تاریخ کی پیداوار ہے (۱) - یہ تمام عظمت و فخر جس پر آج انگلستان فخر کر رہا ہے، درحقیقت اسی توازن و عمل کا نتیجہ ہے -

(۱) جب خاندان استورات کے پادشاہ چارلس اول کا استبداد

بہت بڑھ گیا، تو انگریز امریکا کی طرف ہجرت کرے لگے - حتیٰ کہ انگلستان کے بعض علاقے بالکل خالی ہو گئے - ظالم بادشاہ یہ دیکھ کر گھبراہلا ہجرت کی ممانعت کر دی - جس دن ممانعت کا اعلان ہوا، دریاۓ تیمس میں مہاجرین کے کئی جہاز روانگی کے لیے طیار تھے - انہی میں کراہی بھی تھا - اب بائیسویں صدی کے دیکھا کہ ظلم سے نجات حاصل کرنے کی راہ بغاوت ہے، سوا کوئی نہیں ہو سکتی - چنانچہ بغاوت شروع ہو گئی - کراہی اس نائنی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا - بغاوت کامیاب ہوئی - جمہوریت کا اعلان کیا گیا - کراہی جمہوریت کا صدر منتخب ہوا - اُس وقت اُس کا لقب "لارڈ پروٹیکٹر" تھا - مگر بعد میں خود یہ بھی مستبد ہو گیا - آخر سہ ۱۶۴۹ء میں فرم نے اُس کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا -

یہ اجتماعی قانون نہایت عجیب ہے - کیونکہ بظاہر ایک قسم کا تناقض رکھتا ہے - ایک طرف کہتا ہے، "تغیر و تبدل ضروری ہے" - نئی چیز لے اور پرانی چیزیں چھوڑ دو - دوسری طرف یہ بھی کہتا ہے کہ پرانی چیزیں یک لخت فنا نہ ہونے دو - اپنے پچھلی مقومات و خصوصیات باقی رکھو - اپنی قومی خصوصیات متا کر کوئی قوم، قوم نہیں رہ سکتی - لیکن فی نفسہ اس میں تناقض نہیں ہے - دونوں باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں - نئی چیزیں لے اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام نئی چیزیں اختیار کر لی جائیں جو قومی مزاج و مصالح کے موافق ہوں - خصوصیات کے باقی رکھنے سے مقصد یہ ہے کہ وہ تمام بنیادی چیزیں قائم رکھی جائیں جو قومی مزاج کا استقلال و اختصاص قائم رکھنے کیلئے ضروری ہیں - یعنی رد و قبول اور اخذ و ترک میں اعتدال کا سرشتہ ہاتھ سے نہ دیا جائے -

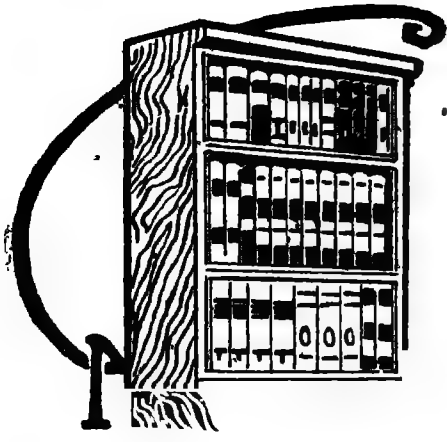
بلاشبہ اس قانون کی تطبیق میں اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے - چند ہی قومیں اصلاح میں اپنا دماغی توازن قائم رکھ سکی ہیں - یا تو یہ ہوا ہے کہ اپنی تمام قدیم عادات و روایات پر اڑ گئیں، اور ایک قدم بھی آگے بڑھنے سے انکار کر دیا - یا یہ ہوا کہ فوراً تبدل و انقلاب پر اتر آئیں، اور اپنی کوئی بھی قدیم خصوصیت باقی نہ رکھی - پہلی صورت تفریط کی ہے - دوسری صورت افراط کی ہے - اور نجات و ترقی وسط و اقتصاد میں ہے -

(قدیم قوموں کا جمود و تقلید)

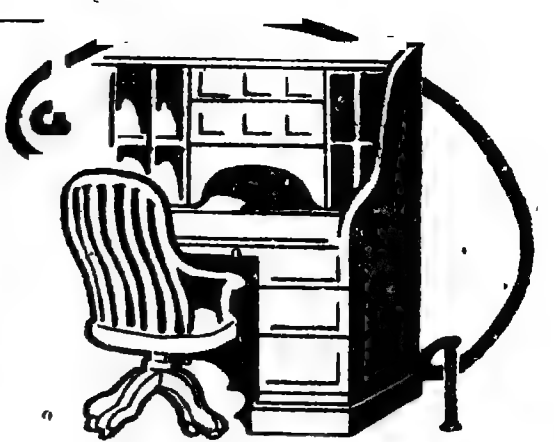
تبدل کی قابلیت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ عالم خارجی کی اطاعت کی جائے - قدیم زمانے میں ہر جگہ لوگوں کا طرز معیشت تقریباً یکساں تھا - اسی لیے تبدل کی ضرورت بھی کمزور تھی - اُس کی قابلیت آہستہ آہستہ پیدا ہونی تھی - حتیٰ کہ بعض قدیم قومیں صدیوں تک ایک ہی حالت پر قائم رہیں اور تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ کی - اُن کا تعلق ہمیشہ ایسی قوموں سے رہا، جو انہی کی طرح وحشی با نیم وحشی تھیں - اُن کے سامنے کوئی بہتر نمونہ تہذیب و تمدن کا موجود نہ تھا - اس لیے نرمی کی رعیت بھی پیدا نہ ہوئی، اور جمود و تقلید کی طبیعت برابر باقی رہی -

قدیم قوموں کے جمود و تقلید کا راز یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کی طرف سے مجبور کی جاتی ہیں کہ اپنی زندگی اور زندگی کی بنیادیں محفوظ رکھیں - یہی باعث ہے کہ اُن قوموں میں مرد کا معاملہ چندان اہمیت نہیں رکھتا تھا - بلکہ اُس زمانے میں مرد کے لیے جائز بھی نہ تھا کہ مستقل زندگی بسر کرے - وہ قومیں اتنے بالکل قدرتی بات خیال کرتی تھیں کہ عام مصلحت کے لیے افراد اپنی ہستی قربان کر دیں - اُس وقت شخصی آزادی کسی کے راہم میں بھی نہ تھی -

بعض نظری آدمیوں نے آزادی کی لعلی مثال یونانی جمہوریتوں میں بتائی ہے - حالانکہ اُن جمہوریتوں میں افراد کو مطلق آزادی حاصل نہ تھی - وہ ایسے نظامات کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے تھے جہیں آج متمدن دنیا میں کوئی آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا - اُن جمہوریتوں میں افراد کو اتنی آزادی بھی حاصل نہ تھی کہ اپنی مرضی سے کوئی دینی عقیدہ رکھیں، یا اپنی اولاد کی بطور خود تعلیم و تربیت کرسکیں - اسپارٹا میں یہ حالت تھی کہ افراد کو اپنے گھروں میں کھانا پکائے اور کھانے کی بھی اجازت نہ تھی -



مقالات



علم الاجتماع

(۳)

(ناموس اجتماع اور محافظت و تجدید)

افراد کے وجدان سے علیحدہ، جماعتی وجدان کے متعلق ہم نے جننے اقوال نقل کیے ہیں، دلائل نے اب تک ان کی تصدیق نہیں کی ہے۔ نیز اب تک یہ بھی ثابت نہیں ہوا ہے کہ جماعت کی صفت عضویت، افراد کی عضویت سے الگ وجود رکھتی ہے۔ یہ اقوال نظریوں اور آراء کا حکم بھی نہیں رکھتے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تشبیہات و استعارات ہیں۔

لیکن ساتھ ہی یہ یقینی ہے کہ تمام طبیعی کائنات کی طرح عالم اجتماع کے بھی خاص نوامیس و قوانین ہیں، اور وہ عبر متبدل اور آئل ہیں۔

اجتماع کا ایک قانون یہ ہے کہ جن اجزاء سے سلطنت اور امت مرکب ہوتی ہے، وہ تمام اجزاء باہم دگر اس درجہ وابستہ و مربوط ہونے ہیں کہ ایک جہز کے متاثر ہوتے ہی باقی تمام اجزاء بھی فوراً متاثر ہو جاتے ہیں۔

اس اجتماعی قانون کی بنا پر مقننین اور مصلحین کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ماہر طبیبوں کی طرح اصلاح و تشریع میں بہت زیادہ ہوشیار و محتاط ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک عضو کی بیماری کے علاج میں باقی اعضاء سے غافل ہو جائیں اور پہلی بیماری سے بھی بدتر بیماریوں کی پیدائش کا سبب بن جائیں۔

علم اجتماع کے درجہ ہیں: ایک طرف وہ جدید اصلاحات اور جدید اصول و مبادی کا حامی ہوتا ہے تا کہ مستقبل، ماضی و حال سے بہتر ہو جائے۔ دوسری طرف وہ ماضی و قدیم کی بھی حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قوموں کو بناتا ہے کہ اپنا ماضی، اپنے مقدمات اور اپنی خصوصیات بالکل فنا نہ ہو جائے دس، انہیں بچائیں اور باقی رکھیں۔ رزنہ ان کی قومیت درہم برہم ہو جائیگی اور اصلاح، فساد کا درجہ بن جائیگا۔

تاریخ بھی ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔ مشاہدہ کی بھی یہی ہدایت ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کی ترقی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ تبدیل و تغیر قبول کریں۔ یعنی وہ نئے اوصاف اختیار کریں، مگر تدریج اور نظر و حزم کے ساتھ۔

قوموں کی حالت پر غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کے اصلی ستون دو ہیں:

(۱) تغیر و تبدل کی قابلیت کا موجود ہونا۔

(۲) تدریج و تطور کے ساتھ تغیر قبول کرنا۔

نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ خواہ نئی دلیل بیان کی جائے، خواہ نئی مثال، ضروری ہے کہ انتقال سے پہلے معارض کی خامی واضح کر دی جائے۔ پس جس طرح شبہ عام مفسرین کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے، اسی طرح اس تفسیر پر بھی وارد ہوتا ہے جسے امام موصوف "محققین" کی تفسیر قرار دیتے ہیں۔

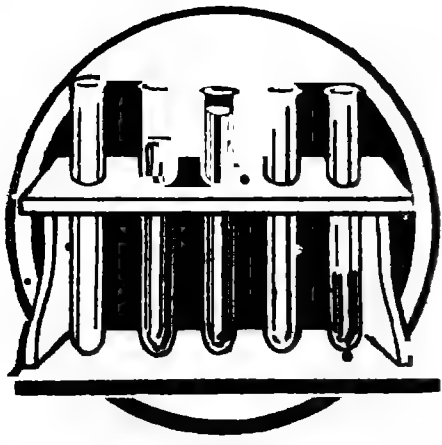
مجھے جب اس طرف سے مایوسی ہو گئی تو خیال ہوا کہ موجودہ زمانے کے محققین نے اس پر ضرور نئی روشنی ڈالی ہوگی۔ چنانچہ میں نے بمبئی سے استاد امام شیخ محمد عبدہ مصری کی تفسیر منگوا کر دیکھی، لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھی امام رازی دلی تفسیر بجنسہ پائی۔ ان شبہات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ تفسیر نیشا پوری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر علامہ ابن سعد، تفسیر روح المعانی شیخ آلوسی بھی خاکسار کے پیش نظر ہیں، مگر ان سب میں بھی یا تو وہی تفسیر کثیر والا جواب نقل کر دیا ہے، یا وہ بانیں لکھ دی ہیں جنہیں امام رازی نے عام مفسرین کا جواب قرار دیا ہے۔ یا پھر سرے سے کسی طرح کی کوشش ہی نہیں کی گئی ہے۔

جب پچھلوں میں حضرت امام رازی جیسے محققوں نے اور حال کے محققین میں شیخ محمد عبدہ مصری جیسے امام و مفسر نے، مجھے صاف جواب دیدے، تو پھر میرے لیے صرف جناب ہی کی چوکھٹ باقی رہ گئی۔ لاریب صرف جناب ہی کی ایک ذات والا صفات ہے جو موجودہ زمانے میں حقائق فران کی وہ تمام مشکلات حل کر دے سکتی ہے جن تک دوسروں کی نظر و تحقیق نہیں پہنچ سکی ہے۔ اب خاکسار ہر طرف سے مانوس ہو کر اب سے دواگیری کا طالب ہے۔ اور امید قوی رکھتا ہے کہ مابوس نہ ہوگا۔

مطبوعہ سے میرے حیدرآباد کے ایک دوست نے ذکر کیا تھا کہ جمعیت العلماء ہند نے عبد کے موقع پر اخذ الجمعیت کا ایک خاص نمبر "خلیل نمبر" کے نام سے نکالا ہے اور اس میں صدر جمعیت مولانا نقایت اللہ صاحب نے اس مقام کی تفسیر شرح و بسط سے تحریر فرمائی ہے۔ میں نے بڑے ہی شوق سے خلیل نمبر منگوا یا اور دیکھا۔ واقعی اس میں مولانا صاحب موصوف کا مصمون "مناظرہ خلیل و دمرود" کے عنوان سے بہن بڑے معجزوں میں نکلا ہے، لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں نہ تو وہی تفسیر دمرود کی پوری بحث اور جس نقل کر دی گئی ہے۔ اس سے زیادہ ایک حرف نہیں ہے۔

الہلال:

آج نے اسبغسار میں اس قدر تشریح و تفصیل کی ہے کہ اسی نے آج کی افشاءت کا بڑا حصہ روک دیا۔ اب جواب کے لیے آبدہ اشاعت کا انتظار کیجیے۔



مذاکرہ علمیہ



عالم سماوی



کیا ستارے زندگی سے محروم ہیں؟



ہم نازن بھری رات میں نظر اٹھاتے ہیں تو آسمان پر بے شمار ستارے نظر آتے ہیں۔ یہ ستارے درحقیقت ویسے ہی کرے ہیں، جیسا ایک کرہ خود ہماری زمین ہے۔ ان ستاروں میں بہت سے ستارے ہماری زمین سے بھی بہت زیادہ بڑے اور بہت زیادہ عمر کے ہیں۔ بعض ہماری زمین سے چھوٹے اور اُس سے کم عمر رکھتے ہیں۔ یہ تمام ستارے بھی ویسے ہی ایک نظام سے وابستہ ہیں، جیسا ہمارا نظام شمسی ہے۔ ان میں بھی آفتاب ہیں اور اپنے گرد بہت سے کواکب اور سیارے رکھتے ہیں۔

مدت سے علماء فلک میں سخت اختلاف ہے کہ یہ ستارے بھی ہماری زمین کی طرح زندہ موجودات سے آباد ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ پہلی رائے کا فائل ہے۔ دوسرا دوسری رائے کا۔

پلے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ زندگی کے لیے جن شرطوں کی ضرورت ہے، وہ زمین کے علاوہ ان ستاروں میں موجود نہیں ہیں۔ لیکن اُس کا یہ دعویٰ کئی وجوہ سے ناقابل تسلیم ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان شرطوں کی عدم موجودگی کا ثبوت کیا ہے؟ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہوا، پانی، نور، حرارت، وغیرہ لوازم زندگی ہیں؟ یہ ستارے بالکل خالی ہیں؟ بلاشبہ اب تک ان کے وجود کی بھی کوئی دلیل ہمارے علم میں نہیں آئی۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ یہ چیزیں وہاں موجود ہوں اور ہماری تحقیقات میں ابھی نہ آئی ہوں۔ حال ہی میں انسانی علم نے معلوم کر لیا ہے کہ بعض ستاروں میں اکیسجن موجود ہے، جو زندگی قائم رکھنے والی ہوا کا اصلی جز ہے۔

یہ یہ دعویٰ بھی بالکل بے دلیل ہے کہ زندگی کی جو شرطیں ہمیں معلوم ہیں، ان کے بغیر زندگی کا وجود ممکن نہیں۔ بلاشبہ ہماری زمین پر زندگی ان شرطوں کے بغیر ناممکن ہے۔ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ دوسرے ستاروں کی طبیعت بھی بالکل ویسے ہی ہو جیسی ہماری زمین کی ہے؟ نہ بھی ضروری نہیں کہ زندگی کا ظہور ان ستاروں میں بھی ویسا ہی ہو، جیسا اس زمین میں ہے۔ بہت ممکن ہے ان ستاروں میں زندگی کی شکلیں بالکل مختلف ہوں۔ اجسام کی ساخت جدا ہو، اعضاء، زرعلات دوسری وضع کے ہوں۔ زندگی کے لوازم مختلف ہوں۔ ستاروں کی کائنات پر ایک ہی اعتبار سے قیاس کرنا، اُن پر پکسال حکم لگانا، صحیح نہیں ہو سکتا۔

جب حکومت کی شکل حالات، ماحول، اور فومی آرزوں کے خلاف ہوتی ہے، اور اُس کی تبدیلی کے لیے قوم کے سامنے کوئی قانونی راہ باور نہیں ہوتی، تو یہ وقت انقلاب و بغاوت کے ظہور کا وقت ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ضرورت کے وقت فوراً اصلاح شروع کر دی جائے، ورنہ قوم کو نہ حق حاصل ہو جائیگا کہ فوری تبدیلی کے لیے اپنا مددنی حق استعمال کرے اور بغاوت پیدا ہو جائے۔

اسدین میں باشندگان ہالینڈ کی بغاوت (سنہ ۱۶۴۲ء) خاندان اسٹورت پر انگریزوں کا خروج، نڈلین ٹونا یارت پر جرمنی کی بغاوت، آسٹریا پر اٹالین قوموں کی بغاوت — یہ تمام بغاوتیں تاریخ کی نظر میں، صحیح، جائز، اور قانونی بغاوتیں تھیں۔

(انقلاب کی طبیعت اور حکومت کے فرائض)

بغاوت عموماً آتش فشاں پہاڑ کے انفجار، آندھی کے طوفان کے مشابہ ہوتی ہے۔ شروع شروع میں اُس کا خیال چند افراد کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ تمام قوم میں پھیل جاتا ہے۔ بغاوت کا خیال تبدیلی کے احساس سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تبدیلی ظاہر نہیں ہوتی تو حکومت کی طرف سے عام بددلی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بددلی محفی قصہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب حالت اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے کہ ہر دم ہر لمحہ مشعل ہو جانے کے لیے طیار ہو جاتی ہے۔ اُس وقت معمولی سے معمولی بات بھی عام بغاوت کا سبب بن جاسکتی ہے۔

لہذا حکام کا فرض ہے کہ ایسی حالت پیدا ہونے سے پہلے ہی اصلاح نافذ کر دیں۔ لیکن اگر ہر وقت نہ کوسکیں، تو پھر اُن کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس بغاوت و انقلاب میں شامل ہو جائیں، یعنی اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیں، تاکہ اُس کی مضرتیں کم سے کم ہو جائیں۔

اعتذار

افسوس ہے کہ سہر کی عام تعطیل کی وجہ سے اس ہفتہ بھی مطلوبہ تصاویر طیار نہ ہو سکیں اور ہمیں تصویر کے بغیر پرچہ سائے کرنا پڑا۔ تصاویر کے نہ مل سکنے کی اطلاع ملنے پر وہ تمام مضامین بھی ترک کر دینے پڑے جن کا تعلق تصاویر سے تھا۔ اس صورت حال کا صحیح علاج یہی ہے کہ جلد از جلد تصاویر کی طیار کی مستقل انتظام کر لیا جائے۔ آئندہ ہرچوں میں ہم اس کمی کی پوری تلافی کر دیں گے۔

منیجر

بھی نہیں ہوتیں۔ دنیا کی بہت سی پرانی آرزوئیں آج مت چکی ہیں اور ان کی جگہ بالکل نئی امنگوں نے لے لی ہے۔

(زمانہ کی روح)

زمانے کی روح کبھی ایک نقطہ و مرکز پر قائم نہیں رہتی۔ وہ بھر زخار کی موجوں کی طرح ہر طرف پھیلتی اور ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ وہ ہوا کی طرح ہر مقام پر پہنچتی اور دلوں اور دماغوں کو جنبش میں آتی رہتی ہے۔

زمانے کی روح ہی درحقیقت قوموں میں زندگی اور حرکت پیدا کرتی ہے۔ زمانے کی روح ایک پر اسرار آن دیہی مخلوق ہے۔ کوئی اسے دیکھ نہیں سکتا، مگر وہ سب میں داخل ہوتی اور اپنا عمل انجام دیتی رہتی ہے!

زمانے کی روح خاص طور پر بڑی بڑی انسانی جماعتوں میں جنبش پیدا کردیتی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں قوت سے ظاہر ہوتی ہے۔ قصوں اور دہانوں میں اس کا اثر کمزور ہوا کرتا ہے۔

حکام و ارباب سیاست کا فرض ہے کہ سب سے پہلے زمانے کی روح اور اس کے مقتضیات معلوم کریں۔ اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلی کریں۔ اسے نظام جاری کریں جو اس روح کے مطابق ہوں۔ ورنہ نتیجہ ناکامی و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

حکام ووت کا فرض ہے کہ اپنے زمانے کی روح سے غفلت نہ برتیں۔ وہ روح کوئی خیالی بات نہیں ہے، بلکہ حقیقی وجود رکھتی ہے۔ قوموں کے حکام اور رہنماؤں کی ذمہ داری بہت ہی عظیم ہوتی ہے۔ ان کا کام بالکل جہاز کے ناخدا کا سا ہے، جو ایک لمحہ کے لیے بھی ہوا اور موسم کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظریں، جہاز کے جدہ چہ پر ہوتی ہیں۔ کیونکہ ایک نہا سا سوراخ بھی پورے جہاز کی غرقابی کا باعث ہو جا سکتا ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانے اور حالات کی تبدیلی کے سانہ سانہ اجتماعی و سیاسی نظامات میں بھی تبدیلی لازمی ہے۔ ایسا کرنے سے نرقی و سعادت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور اس کی مخالفت سے تباہی و بربادی نازل ہوتی ہے۔

(مسلم انقلاب)

عزت یا مسلم انقلاب اسی وقت حایز ہوتا ہے، جب عام رائے اور قوم کی امیدوں کے موافق ہو۔ اسے انقلاب میں پرری قوم کے جذبات مستعل ہو جاتے ہیں۔ انقلاب — کسی قسم کا بھی ہو — بنیادی تبدیلی کا ثروت ہوتا ہے۔

اصلاح کے عمل میں حقوق کا دائرہ طبعی طور پر وسیع ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے انقلاب میں تبدیلی اچانک رافع ہوتی ہے۔ انقلاب درحقیقت اجتماعی انتقام ہے۔ ایک غیر طبعی حرکت ہے۔ خونریزی اور مصائب و آلام اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

انقلاب، ایک مصیبت ہے۔ ملک پر یہ مصیبت اسی وقت نازل ہوتی ہے جب ضرورت کے مطابق، اصلاح موجود نہیں ہوتی۔ فساد اجتماعی جسم میں پھیل جانا ہے، اور قومی مزاج بالکل بگاڑ ڈالتا ہے۔ اصلاح کی تاخیر کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ بر لجاتی ہے۔ وہ اپنی طبعی حد کو پہنچنے نہیں پاتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دبی ہوئی اجتماعی روح اچانک ابل پڑتی ہے، اور تمام موانع کو قوت کے ساتھ آٹا پیسکتی ہے۔ پس انقلاب، کوئی اجتماعی قانون نہیں ہے۔ ہاں اسے اجتماعی حادثہ کہہ سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر قوم کے اخلاق و عادات اسے ہونے چاہئیں کہ آسانی سے بدل نہ سکیں۔ لیکن ساتھ ہی ان میں انڈی لچک بھی لازمی ہے کہ ہمدردی و ندلی قبول کر سکیں۔ تاریخ کا قدردان ایسی قوموں کی نعشوں سے لرزتا ہے جو وہ را معلوم نہ کر سکے، یہی وجہ سے ہڈاک ہو گئیں۔

(رقی انقلاب سے پہلے)

اجتماع کا یہ ناموس بھی ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ تدریجی ترقی کی را، اچانک انقلاب سے بہتر اور محفوظ ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی اسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ انقلاب ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بعض جسمانی امراض کا بہترین علاج بھی ہونا ہے کہ فوراً سخت دکار حہ آئے۔ دکار کی شدت، وہ امراض دور کر دیتی ہے۔ قومیں بھی ایسی کبھی اسے ہی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں، اور ان کا علاج بھی ہوتا ہے کہ فوراً انقلاب برپا کر دیا جائے۔ کیونکہ اسی حالت میں اگر تدریجی اصلاح کا انتظار کیا جائے گا، تو مرض امتداد زمانہ سے تمام قومی جسم بوجاری ہو جائیگا، اور پھر اس کا علاج مشکل ہو جائیگا۔ حدیثہ جہاں تک کسی ایسی قوم کی ترقی کا تعلق ہے، جو کسی دوسری عاصب قوم کے ماتحت آگئی ہو، انقلاب کے بغیر حارہ نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں کسی قدرتی حالت کی اصلاح و ترقی کا سوال درپیش نہیں ہوتا، بلکہ ایک غیر قدرتی اور ناجائز قصہ و غضب کا خانہ مطلوب ہوتا ہے۔

بہر حال مابہرین سیاست کا فرض ہے کہ زمانے کی روح، اس کے پھیلتے سے پہلے ہی معلوم کر لیں، اور حکومت کی شکل میں ایسی تبدیلیاں کرنے رہیں جن پر عام رائے مطمئن ہو سکے۔ ورنہ نتیجہ نہایت ہی مہلک ہوگا۔

(نوجوان اور بڑے)

اس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ سن رسیدہ افراد نوجوانوں کے مقابلے میں اصلاح و تجدید کے دم دہمی ہوتے ہیں۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے کہ مائل ملائت ہوں۔ علم و طائف امضاء سے ثابت ہو چکا ہے کہ بڑے اجسام میں اعصاب کمزور پڑ جاتے ہیں، اس لیے عادات کی مقاومت کی قوت باقی نہیں رہتی۔ برخلاف اس کے نوجوانوں کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور اس لیے عادات کی مخالفت آسانی سے کر سکتے ہیں۔

(خیالات کا عروج و ہبوط)

زمانے کی روح ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہے۔ تاریخ کے بڑے بڑے دور اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ زمانے کی مختلف رجحانوں کے مظہر ہیں۔ جدید خیالات و افکار کی مثال بالکل سناروں کی سی ہے۔ وہ کبھی افق پر بلند ہوتے ہیں، کبھی بالکل جھپ جاتے ہیں۔ اسی طرح کبھی ایک قسم کے خیالات کو عروج ہوتا ہے، کبھی دوسرے قسم کے خیالات کو۔ آج جو خیالات مقبول عام و خاص ہیں، بہت ممکن ہے کہ کل مکرر و مبروک ہو جائیں۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں جن افکار نے تمام دور میں ہینجل ڈال دی تھی، آج دنیا ان سے نفرت کر رہی اور ان پر حقارت سے مہرانی ہے۔

زمانہ بہت سی قوتوں کو پرانڈہ کر کے فنا کر ڈالتا ہے، اور بہت سی نئی قوتیں پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے دھم و گمان میں

سے برکت و سعادت حاصل کی جائے، حالانکہ وہ بادشاہوں سے کہیں زیادہ اجلال و تکریم کے مستحق ہیں؟

اس طرح بتدریج بت پرستی مسیحی کنیسے میں داخل ہو گئی۔ شروع شروع میں کنیسا کی دیواروں پر تصویریں اور مرثیوں اس غرض سے آویزاں کی گئی تھیں کہ ”ان کے معائدہ سے عبرت و موعظت حاصل ہوگی“ لیکن آگے چلکر ان کی حیثیت ایک ناگزیر دینی شعار اور ربانی عبادت کی ہو گئی۔ مخلص عیسائی بغیر ان تصویروں کے بے کسی طرح نماز پڑھنے لگے، جس طرح وہ خدا کے لیے نماز پڑھتے تھے!

اس بدعت کے ساتھ آرہی کئی مشرکانہ رسمیں مسیحی کنیسا میں داخل ہو گئیں۔ چنانچہ چراغان، بخور، رکوع و سجود، وغیرہ رسمیں سب بت پرستوں ہی سے لی گئی ہیں۔

سچے عیسائیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اعتراض کیا۔ مگر ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ ان مقدس تصویروں اور مرثیوں کے ہزاروں معجزے مشہور ہو چکے تھے۔ لوگ ان سے دست بردار ہونے کے لیے طیار نہ تھے۔

شروع شروع میں روح القدس کی تصویریں بہت مبہم اور مضطرب دھائی جانی تھیں۔ لیکن حضرت مسیح اور مریم (علیہما السلام) اور فرشتوں کی تصویریں بالکل صاف اور خالص انسانی قالب میں ہوا کرنی نہیں۔

(چھٹی صدی مسیحی)

ابھی چھٹی صدی ختم نہیں ہوئی تھی کہ یہ ہشرکانہ عبادت کنیسا کی ایک شرعی عبادت بن چکی تھی۔ تمام کنیسے تصویریں اور بنوں سے آراستہ تھے، حتیٰ کہ خرد و یتیم خانے (محل اعظم پوپ) بھی ان سے لبریز ہو چکا تھا۔ اب یہ حالت تھی کہ مسیحی مؤمنین تصویروں اور بتوں کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے۔ انہیں عبادت و برکت کے لیے ضروری سمجھنے لگے تھے۔ وہ تقویٰ و بزرگی کے نشان خیال کیے جاتے تھے۔

آٹھویں صدی کے اوائل میں تصویر پرستی اور بت پرستی مسیحی عبادت خانوں میں پورے عروج تک پہنچ چکی تھی۔ اسی زمانے میں بعض یونانی علماء ظاہر ہوئے اور اُسے کنیسا کی بت پرستی قرار دیا۔ ان لوگوں نے کہا ”مشرک قومیں بھی اپنے بتوں کو خدا نہیں کہتی نہیں، بلکہ بعیدہ رہی معانی ان کے پیش نظر تھے، جو ان تصویروں اور مرثیوں کے بارے میں ہمارے پیش نظر ہیں۔ لیکن اس پر بھی خدا کی شریعت نے انہیں مشرک قرار دیا۔ ہم میں از ان میں کوئی فرق نہیں۔ صرف الفاظ اور اسماء کا اختلاف ہے۔“

(اسلام کا ظہور)

صدیوں کی غفلت کے بعد مسیحی علماء میں یہ بیداری صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ دن اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر اب مصر، شام، فلسطین پر چھا گیا تھا اور خود بیزنطینی کنیسے کے مرکز پر آسانی تبز نظریں پڑ رہی تھیں۔ اسلام کی تعلیمات اس بارے میں معلوم و مشہور ہیں۔ ابتدائی نصاب کے زمانے ہی میں مسیحیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان انہیں بت پرست اور مشرک کہتے ہیں۔ انہوں نے اسلامی مسجدیں بھی دیکھی تھیں جو ہر قسم کی تصویروں اور مرثیوں سے خالی تھیں۔

مسیحیوں کی ایک جماعت اسلامی اثرات سے متاثر ہو گئی اور اُزاقہ کی تعلیم کی طرف از سر نو دہشت دینے لگی جو تصویر پرستی اور بت پرستی کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیتی ہے۔



مسیحیت اور بت پرستی

آٹھویں اور نویں صدی میں مسیحیت کو خیالات کی ایک بڑی خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس خانہ جنگی کی وجہ بت پرستی تھی۔ بیزنطینی شہنشاہیت میں یہ نزاع آخری حد تک پہنچ گئی تھی۔

ابتدائی عہد کے عیسائی بتوں، تصویروں اور نقش و نگار کی تعظیم و عبادت سے نفرت رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ بت پرستی تھی۔ وہ یہودیت سے نکلے تھے اور یہودیت خدا کا تجسم نا جائز قرار دینی ہے۔ انہیں یورپ میں یونانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا، یونانی بت پرستی کے سب سے بڑے شائق تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے حریفوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھنا چاہتے تھے۔

اس زمانے میں مسیحی دعاۃ ان بت پرستوں پر ہنستے تھے اور عجب کرنے تھے کہ یہ لوگ خود اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو سجدہ کر رہے ہیں۔ لیکن بت پرستی سے یہ بیزاری تثلیث اور تجسم کو روک رہے تھے۔ بلکہ اس کے باعث و جدال ہی نے درحقیقت بت پرستی اور تصویر پرستی مسیحی کنیسا میں پیدا کر دی!

(بت پرستی کی ابتدا)

یہ چیز مسیحیت میں سب سے پہلے جن مذہب عیسائیوں کے دربعہ آئی تھی، وہ بھی حضرت مسیح کے بت یا تصویر کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ لیکن چونکہ بت پرستی سے نئے نئے مسیحیت میں آئے تھے، اس لیے انہوں نے حضرت مسیح کی تصویروں کی تعظیم و تکریم شروع کر دی۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح ارسطو اور مہاساغورس وغیرہ کی تصویروں کی پرستش کی گئی تھی۔ ان کے لئے نئے ایمان کے خیال سے مسیحی علماء نے تساہل برنا اور وہ خیال کرے کہ یہ لوگ ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف تعظیم کرتے ہیں، ان پر کوئی تشدد نہیں کیا۔ اس طرح یہ تعظیم بغیر کسی رک کے جاری ہو گئی۔

بتدریج اس تعظیم کے عبادت کی صورت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ نویں صدی میں قسطنطین نے مسیحی کلیسے میں باضابطہ طور پر یہ نئی مسیحی عبادت داخل کر دی۔ مسیحی علماء نے اس وقت بھی کوئی مخالفت نہیں کی۔ انہوں نے خیال کیا، بت پرستی کی اب جڑیں تک اکڑ چکی ہیں، اس کے از سر نو احیا کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

چنانچہ نئی پرستش کا آغاز ہو گیا۔ سب سے پہلے صلیب اور مقدس آثار کی تعظیم سے شروع ہوئی۔ پھر شہیدوں اور زلیلوں کی قبروں کی تعظیم و تکریم شروع ہو گئی۔ پھر ان سے منبتیں مرادیں مانگی جانے لگیں۔ بالآخر ان کی مرثیوں ظاہر ہوئیں۔ رگوں کے خیال کیا، اگر صلیب اور مقدس آثار قبر میں بزرگی ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ مرثیوں میں آرزو بھی زیادہ بزرگی اور برکت نہ ہو؟ بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کے بت بنائے جاتے ہیں، لیکن نہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے بھی بت بنائے جائیں اور ان

کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہے کہ صرف اُسی پر زندگی ہو اور باقی تمام عوالم بے نور اور زندگی سے محروم ہوں - زمین پر زندگی کے جو لوازم ہیں، ضروری نہیں کہ دوسرے ستاروں میں بھی لوازم ناموس انتخاب طبعی بتاتا ہے کہ زندہ کائنات اپنے ماحول اور زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہیں - اُن کی شکل بھی بدل جاتی ہے - مزاج بھی مختلف ہو جاتا ہے - پیل یقین کیا جاتا تھا کہ سنٹی گریڈ کے سو درجہ حرارت میں کوئی دیہ روح زندہ نہیں رہ سکتا - لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ بعض جراثیم کھلتے ہوئے پانی میں بھی زندہ رہ جاتے ہیں - اسی طرح بعض جراثیم برف میں بھی مدتوں نہیں مرتے - اگر یہ صحیح ہے تو یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے ستاروں کے جاندار بھی اُس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتے، جو ماحول ہماری زندگی کے منافی ہے -

ممکن ہے ستاروں میں زندگی کا قوام ہماری زمین کی زندگی کے قوام سے مختلف ہو - مثلاً آکسیجن ہمارے لیے ضروری ہے، مگر دوسرے ستاروں کی مخلوقات کے لیے ضروری نہ ہو - ظاہر ہے کہ ستاروں کے جاندار ہم سے مختلف ہونگے، کیونکہ اُن کا ماحول ہم سے بالکل مختلف ہے - ہمارے اُن کے درمیان مابہ الا شتراک صرف روح ہی ہو سکتی ہے - اور معلوم ہے کہ روح نہ تو کوئی شکل رکھتی ہے، نہ مادے کے تابع ہے - خود اپنی اسی زمین پر ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مخلوقات اپنی جسمانی ترکیب اور ضروریات زندگی میں ایک دوسرے سے پورا اختلاف رکھتی ہیں - تاہم سب زندہ ہیں، اور سب میں ایک ہی روح کار فرما ہے - جب خود زمین پر مخلوقات کا اختلاف اِس درجہ زیادہ ہے، تو ظاہر ہے، دوسرے ستاروں کی مخلوق ہم سے کیوں مختلف نہ ہو؟

چونکہ ہماری زمین، سب سے زیادہ قدیم نہیں ہے، اس لیے ممکن ہے، دوسرے ستاروں میں زندگی زیادہ قدیم اور بہت ترقی یافتہ ہو - بہت ممکن ہے کہ بعض ستاروں کی مخلوق اِس درجہ ترقی کر گئی ہو کہ ہم سے بہت زیادہ علم و حکمت رکھتی ہو - ہم سے بہت زیادہ اسرار وجود سے واقف ہو - ہم سے کہیں زیادہ اُس کی ایجادیں معجز العقول ہوں - ممکن ہے اُس کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوں کہ قریب کے دوسرے ستاروں تک بھی پہنچ سکتے ہوں اور رزح و مادہ کے راز معلوم کر چکی ہوں - ممکن ہے اُن کے جسم ہمارے ہی جیسے ہوں - ممکن ہے ہم سے بالکل مختلف ہوں - بہت ممکن ہے وہ ہم سے زیادہ حواس رکھتے ہوں -

یہ ہے خلاصہ دوسرے گروہ کے خیالات کا - اور پیل گروہ کے خیالات سے زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے -

دوسرے گروہ کا بیان بڑی حد تک مقبول ہے - وہ کہتا ہے ہماری زمین کیا ہے؟ اِس لا منہائی فضا میں بہنے والے لکھو کھو کورں میں سے ایک چھوٹا سا کرہ ہے - زمین کو طاہری اعتبار سے دوسرے کورں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں - نہ تو اُس کا حجم، نہ ہی سب سے بڑا ہے، نہ عمر ہی سب سے زیادہ ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ اُس میں زندگی موجود ہو، اور باقی تمام کرے، جو اُس سے کہیں زیادہ بڑے اور قدیم ہیں، زندگی سے بالکل خالی سمجھے جائیں؟

ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ تمام ستارے بھی بسے ہی ایک دقیق نظام سے وابستہ ہیں، جیسا نظام ہماری زمین کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے - وہ بھی نہایت انتظام کے ساتھ اپنے افلاک میں گردش کرتے ہیں - اُن کی رفتار میں بھی ادنیٰ سے ادنیٰ خلل یا بد نظمی کبھی پیدا نہیں ہوتی - پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ستارے جن پر قدرت اپنی اِس قدر توجہ صرف کر رہی ہے، بغیر کسی زندگی کے موجود ہوں، اور اِس کے سوا کوئی غرض و غایت نہ رکھنے ہوں کہ ہماری دلچسپی اور نظر فریبی کا سامان مہیا کرے؟ اِس میں قدرت کی کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ یہ ننھا سا ذرہ، یعنی زمین، تو آباد ہو، اور باقی تمام عظیم الشان عوالم جلیل میدان سے بھی بدتر ہوں؟ حالانکہ وہ بھی زمین ہی کی طرح ایک پورے حکیمانہ نظام کے ماتحت قائم ہیں -

پے سمار علمی قرائن اِس نظریے کی تائید کر رہے ہیں کہ ہمارے تمام نظام شمسی کے کواکب کی اصلیت ایک ہی ہے - اور وہ سدیم ہے - اِن سب کی نگوین، سدیم ہی کے مادہ سے 'ہوئی' ہے - وہ بتدریج سدیم کرہ سے جدا ہو کر مستقل وجود بنے ہیں - اسی طرح تمام کیمیائی و فلکی دلائل کا رجحان بھی اسی نظریے کی طرف ہے کہ نہ صرف خاندان شمسی بلکہ جملہ عوالم فلکی، اسی سدیم سے بنے ہیں - زمین اور جملہ ستاروں کا خمیر ایک ہی ہے - سب ایک ہی مادے کی مختلف شکلیں ہیں - سب کا مادہ کیمیائی ذروں سے مرکب ہے - اِن میں ہر ذرہ اپنے اندر دو کھربائی اہریں ابجائی اور سلبی رکھتا ہے -

پہن جب جملہ کائنات اور ہماری زمین، ایک ہی اصل رکھتی ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف انک ہمارے کرے ہی میں زندگی ہو اور باقی تمام کرے، مردہ اور بے جان فرض کر لیے جائیں - اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زمین کے سوا کسی دوسرے ستارے میں زندگی نہیں ہے، تو یہ سوال قابل غور ہے کہ بقول علماء فلک کے سورج اپنی حرارت برابر کھو رہا ہے، اور کوروزن برس کے بعد انک وقت آجائگا جب وہ بالکل بے نور اور بے حرارت ہو کر رہ جائیگا - اُس وقت زمین یقیناً زندگی سے محروم ہو جائیگی - اسی حالت میں یہ کوروزن سنارے کہا ہوئے؟ کیا یہ بھی ہمارے نظام شمسی کے ساتھ تباہ ہو جائیئے؟ حالانکہ معلوم ہے کہ گنتی کے جند کواکب کے سوا دُفی تمام ستارے ہمارے نظام شمسی سے باہر ہیں اور ہمارے انتخاب کی موت و حیات کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا - اگر یہ تباہ نہیں ہونگے، تو اِن کے وجود سے فائدہ کیا ہے جب کہ وہ بالکل آجائے، سنسن، اور بے جان ہیں؟

تمام عقلی و نقلی علوم اور دینی روایات بھی ثابت کر رہی ہیں کہ جملہ کائنات، ایک ہی اصل سے ظاہر ہوئی ہیں اور ایک ہی قسم کے طبعی ناموس کے منہجت برقرار ہیں - اگر یہ صحیح ہے تو زمین

اطلاع

اکثر حصرات الہلال کے ابتدائی نمبروں کا شوق ظاہر کرے ہیں، اور خریدار ہوتے ہوئے لکھنے ہیں کہ تمام پچھلے پرچے بھیج دیے جائیں - لیکن افسوس ہے کہ ابتدائی نمبر اب دفتر میں موجود نہیں ہیں اور اس لیے دفتر تعمیل سے عاجز ہے -

منیجر

ترکی حکومت

اور اس کے اجتماعی و سیاسی نعیرات

• شروع سے اب تک

(۱)

• دور اول

سنہ ۹۹۹ھ (۱۳۰۰ع) سے سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) تک

آل عثمان کی سلطنت اس زمانہ میں ظاہر ہوئی جب صلیبی جنگوں کی خونریزی سے مشرق قریب کی سرزمین سرخ ہو رہی تھی اور مسیحی تعصبات سے وقت کا مطلع غبار آلود تھا۔ اس وقت کی آب و ہوا کا یہ قدرتی اثر تھا کہ سلطان عثمان اور ان کی اولو العزم اولاد میں دینی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا اور وہ مسیحی ممالک کی فتوحات پر کمر بستہ ہو گئے۔ یہ یورپ کے صلیبی حملہ کا قدرتی رد فعل تھا۔

اس وقت ایشیائے کوچک کے اطراف و جوانب برسہ از میدان ازبیک طرابزوں میں بیزنطینی سلطنت (قسطنطنیہ) کے بلج گزار امراء حکمران تھے۔ آل عثمان نے اپنے جہاد اور ملک گیری کا آغاز انہی سے کیا اور بکے بعد دیگرے مطیع یا مغلوب کرتے گئے۔ ان سے فارغ ہو کر در دانیال کے آگے بڑھے اور بلغاربا، سربا، اور بیزنطینی سلطنت کو زیر و زیر کرنے کے بعد مسیحیت کی راج دہانی ”روم“ کو گھوڑے لگے۔ یہ صلیبی لڑائیوں کے جوابی حملہ ہی کا جذبہ تھا جس نے سلاطین آل عثمان کو یک قلم یورپ کی طرف متوجہ کر دیا تھا اور ایشیا سے بڑی حد تک غافل رہے تھے۔ صرف سلطان سلیم یاز (خونریز) نے ایشیا کی طرف توجہ کی، مگر اس کی ایشیائی فتوحات میں ایک آرزو ہی جذبہ کار فرما تھا۔ وہ عرش خلافت پر جلوہ گر ہونے کا متمنی تھا جس میں اسے پوری طرح کامیابی ہوگئی۔

یورپ صلیبی جنگوں سے بالکل خستہ ہو چکا تھا۔ مسلسل شکستوں نے اس کی شعاعت و ہمت پر کاری ضربیں لگادی تھیں۔ فرقہ وارانہ حسد و منافست نے اس کے تمام قوی معطل کر دیے تھے۔ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دول یورپ نے ترکی سیلاب کے مقابلہ کا کوئی خیال نہیں کیا اور قسطنطنیہ اور مشرقی یورپ کی مسیحی ریاستوں اور قوموں کو مغلوب ہوجانے دیا۔ لیکن جب ترکوں نے بلقان سے بھی قدم آگے بڑھایا اور ہنگری پر ترک تازیان شروع کر دیں تو یورپ کی آنکھیں کھلیں۔ مذہب کے نام پر متحدہ محاذ قائم کیے گئے اور ترکوں کے روکنے کی کوشش شروع ہوئی۔ مگر کامیابی حاصل نہ کرسکے۔

یہاں تک کہ سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے بعد خود ترکوں میں کمزوری پیدا ہوگئی۔ سلطان مراد ثالث کے عہد میں یہ کمزوری

اس کے بعد بھر بت پرستی کے خلاف کوئی با ضابطہ مسیحی دعوت پیدا نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ صلیبی لڑائیوں کے بعد اسلامی توحید کی تعلیم یورپ کے قلب تک پہنچی اور مشہور مسیحی مصلح لوتھر کا ظہور ہوا۔

ظاہر ہوئی، سلطان احمد اول کے زمانہ میں اس نے ترقی پائی اور سلطان محمد رابع کے دور میں بلوغ و کمال تک پہنچ گئی۔ ترک جس قدر کمزور ہوتے گئے، یورپ کا مسیحی اتحاد بھی اسی قدر توتنا گیا۔ یہاں تک کہ صرف روس اور آسٹریا ترکوں کے مقابلہ میں رہ گئے اور انہیں یورپ سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔

اس طرح ترکی شہشاہیت نے اپنی عمر کا اکثر حصہ بے درپے جنگوں میں گزار دیا۔ ابتدائی جنگیں حملہ آورانہ نہیں، بعد میں مدافعانہ ہوگئیں۔ لیکن اس تمام مدت میں ترکی سلطنت ایک مذہبی سلطنت رہی۔ اس کا تمام داخلی نظام شریعت کے احکام پر مبنی تھا۔ علماء و فقہاء کو غیر معمولی اقتدار حاصل تھا۔ مفتیوں کے فتوے عزل و نسب اور نظم و نسق کے لیے جاری ہوتے رہتے۔ چونکہ عثمانی حکومت کی نشو و نما ہی اس وقت ہوئی تھی جب کہ اسلام کے دینی علم و عمل کی روح پرمردہ ہونا شروع ہوگئی تھی اور دینی نظرو بصیرت اور اجتہاد فکر کی جگہ تقلید و جمرہ کی بنیادیں قائم ہوچکی تھیں اس لیے مذہبی احکام و نظام کی کوئی بہتر روح پیدا نہ ہوسکی۔ جن علماء کے ہاتھ میں نظم و نسق کے احکام تھے، ان کا علم تمام ترقی حنفی کی چند متداول متون و شروح تک جو متاخرین کی ترتیب دی ہوئی تھیں، محدود تھا، ان سے باہر نہ تو کوئی نظر رکھتے تھے اور نہ ایسی فضاء تھی کہ بلند نظری پیدا ہوسکے۔

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی پچھلی حکومتوں کی طرح عثمانی حکومت میں نظم و ادارہ کی کوئی موافق روح پیدا نہ ہوسکی۔ دائرہ حکومت تمام براعظم یورپ اور مشرق میں پھیل گیا تھا۔ مختلف مذاہب، مختلف نسلیں، مختلف تمدن اور مختلف جماعتی مزاج رقبہ حکومت میں جمع ہوگئے تھے، حکومت کے لیے ان کے مختلف عناصر پر کامیاب حکومت قائم رکھنی آسان نہ تھا۔ نرک ہمیشہ سے ایک جنگی قوم تھے۔ اب ان کے زیر نگیں یورپ اور مشرق کی تمام متمدن آبادیاں آگئی تھیں۔ ضرورت تھی کہ انتظام حکومت کی ایک طاقتور روح پیدا کی جاتی۔ یہ روح ضرور پیدا ہوئی، اگر علوم دینیہ کی حقیقی روح باقی رہتی اور تقلید و تنگ نظری نے فقہاء کے دماغ عقیم نہ کردیے ہوتے۔ لیکن افسوس کہ حالت دوسری تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رز بروز حکومت کا انتظامی مزاج مختل ہونے لگا۔ حتیٰ کہ یورپ کے مورخین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ”اسلام کے احکام کی روح ہی حاکمانہ انتظام (ادمنسٹریشن) کے خلاف ہے“ حالانکہ اسلام کی روح مخالف نہیں ہے۔ مسلمانوں کا دماغی تنزل مخالف ہے۔

(دور اصلاح)

سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) سے سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ع) تک

ادھر ترکی مدافعانہ جنگوں میں مصروف تھی۔ روس اور آسٹریا کے حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ ادھر یورپ میں ایک نئی تہذیب پھیل رہی تھی، جدید تمدن زندگی اور ترقی کے نئے نئے دروازے کھل رہا تھا، اور اقوام یورپ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ ایک طرف کامل رفقہ تھا، دوسری طرف پوری حرکت و سرعت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ بہت آگے بڑھ گیا اور ترکی جہاں تھی وہیں کی وہیں رہ گئی، بلکہ مسلسل دفاعی جنگوں نے اسکی چولیں ڈالیں۔

(لیون کی اصلاح)

سی زمانے میں لیون سوم قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا۔ اس شہنشاہ نے اشرار کے پہاڑوں میں نشور نما پائی تھی۔ ہر قسم کی تعلیم و تربیت سے محروم تھا۔ تاہم عقل سلیم رکھتا تھا۔ یہودیوں اور عربوں کی صحبت میں بیٹھ چکا تھا، اور ان کے اثر سے تصویریں اور بنوں کی تعظیم و عبادت سے متنفر تھا۔

یہ تخت نشین ہوا؛ اور عایت تدبر سے اپنے ارادے مخفی رکھے۔ یہاں تک کہ جب پوری طرح اقتدار حاصل ہو گیا تو دینی اصلاح کی طرف قدم اٹھایا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ علماء کی ایک مجلس منعقد کی اور یہ فتویٰ صادر کرایا کہ کنیسوں اور مقدس ہیکلوں سے تصویریں اور مرثیوں ہٹا کر کسی ایسی بلند جگہ منتقل کر دی جائیں جہاں مشرکانہ رسمیں انجام نہ دی جا سکیں۔

چند سال بعد اُس نے دوسرا قدم اٹھایا اور مرثیوں کی پرستش، انکی تعظیم، اور کنیسوں میں موجودگی، سب ناجائز قرار دیدی۔ اُس نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ قسطنطنیہ کے تمام کنیسوں کو تصویریں اور مرثیوں سے خالی بھی کر دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح اور حضرت مریم بنول (علیہما السلام) کے تمام بت توڑ کر پھینک دیے گئے۔ اور تمام تصویریں معر کر دی گئیں۔

اُس کے بیٹے قسطنطین پنجم نے اس بارے میں آرزو بھی زیادہ سختی برتی۔ سنہ ۷۵۴ ع میں اُس نے ایک دینی مجلس منعقد کی۔ اس میں ۳۳۸ پیشوا جمع ہوئے۔ اس لحاظ سے یہ مجلس بہت ہی بڑی مجلس تھی۔ مگر اس میں صرف بیزنطینی کنیسے ہی کے علماء شرکت ہوئے تھے۔ روم، اسکندریہ، بیت المقدس، اور انطاکیہ کے نمائندے شامل نہیں تھے۔ پادشاہ نے اس مجلس کے سامنے تصویر پرستی کا مسئلہ پیش کیا۔ متفقہ فیصلہ ہوا کہ یہ عبادت، مسیحی تعلیمات کی رے سے قطعاً حرام ہے۔ اور پرستش کی تصویریں، مجسمے، اور آثار مسیحی عبادت گاہوں سے خارج کر دینے چاہئیں۔ اس مجلس کے صلیب کو بھی اپنے فخر میں مستثنیٰ نہیں کیا، آئے بھی نجسم کا رمز قرار دیکر مٹوایا۔ مزید برآں خود فن مصوری کو بھی ناجائز بنایا۔ اس نے یہ حکم بھی نافذ کیا کہ جو شخص صلیب بنائے، یا مقدس تصویریں اور نقوش اٹارے، آئے فوراً کنیسے سے خارج کر دیا جائے، اگرچہ وہ خود علماء کی جماعت ہی میں سے کیوں نہ ہو۔

سنہ ۷۶۶ ع میں اس فیصلہ کو آرزو بھی زیادہ نشدہ کے ساتھ جاری کیا گیا۔ صلیب رکھنا، ولیوں کے لیے، نماز پڑھنا، تصویریں کی تعظیم کرنا، یہ سب باتیں جرم قرار پائیں، اور مخالفوں کے لیے تازیانہ کی سزا سے لیکر آنکھیں پھڑپھڑانے، زبان کاٹنے، اور سولی پر چڑھانے تک کی سزائیں تجویز کی گئیں۔

(بت پرستی کا دوسرا دور)

لیکن ملکہ ایرینی کے عہد میں پھر انقلاب ہوا۔ بہ ملکہ بت پرستی کی حامی تھی، کیونکہ وہ نسلاً یونانی تھی اور عورت تھی۔ یہ اس حیثیت سے تخت نشین ہوئی تھی کہ اپنے نا بالغ لڑکے قسطنطین ششم کی ولی اور سرپرست رہیگی۔ اس نے برسر اقتدار آنے ہی ابوقونی کنیسا (یعنی بت پرستی کو حرام سمجھنے والے کنیسا) کے علماء کو سناٹا شروع کر دیا۔ ستمبر سنہ ۷۸۷ ع میں یہ مقام نیس ایک دینی مجلس منعقد کی۔ اس میں ۸۶۷ پادری جمع ہوئے تھے۔ بوب کے نمائندے بھی شریک تھے۔ بالاتفاق یہ فتویٰ صادر کیا گیا کہ مقدس تصویریں اور بتوں کی عبادت مسیحیت

میں جائز ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ شرعاً مستحسن ہے۔ دلیل میں اسلاف کی بہت سی جھوٹی روایتیں پیش کی گئی تھیں۔ مزید برآں قسطنطنیہ کی سابق دینی مجلس کی تکفیر بھی کی گئی تھی۔ اُس کے فیصلہ پر عمل کرنے والوں کو بھی کافر و مرتد قرار دیا گیا!

(دوسری اصلاح)

ایک مدت تک اس نئے فیصلہ پر عمل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ تیسریس بیزنطینہ کا بادشاہ ہوا۔ بہ بت پرستی کا دشمن تھا۔ سنہ ۸۴۳ ع میں اس نے پھر علماء مسیحیت سے ایک نیا فتویٰ حاصل کیا اور بت پرستی حرام قرار پائی۔ اس نے صرف تصویریں اور بت ہی نہیں مٹائے، بلکہ کنیسوں میں مسیحی بزرگوں کے ناموں کے ساتھ ”مقدس“ کا لفظ بھی مٹا ڈالا۔ مصوروں اور بت سازوں کو شدید سزائیں دی گئیں۔ بہت سے خلاف ورزی کرنے والے پادریوں کی پیشانیوں پر آگ سے داغ دی گئیں۔ غرضکہ اس رسم کے خلاف سخت جہاد جاری ہو گیا۔

اُسی زمانے میں ایک مسیحی عالم جان (جسے عربوں نے یوحنا نحوی کے نام سے پکارا ہے) مشرقی رومن سلطنت کے کنیسے کا بطریق اعظم مقرر ہوا۔ یہ شہنشاہ کا استاد تھا اور بت پرستی کا سخت مخالف، مگر اسکی طبیعت بہت کمزور تھی۔ اس نے شاہی احکام کی تنفیذ میں تساہل کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ علانیہ احکام شاہی کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو گئے۔ شہنشاہ نے یہ حالت دیکھی تو سخت برہم ہوا۔ چلے سے بھی زیادہ تشدد پر آ کر آیا اور مقدس تصویریں اور بنوں کے معتقدین کو سخت سزائیں دینے لگا۔

(بت پرستی کا تیسرا دور)

شہنشاہ کے انتقال پر اُس کی ملکہ تخت نشین ہوئی۔ یہ اپنے شوہر کے خلاف عقیدہ رکھتی تھی۔ اس نے بت پرستی پھر رائج کرنی چاہی مگر اُس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یوحنا نحوی تھا۔ یہ شخص دونوں جماعتوں کی نظر میں مکروہ تھا۔ بت پرستی کے مخالف، اسے بزدل اور منافق سمجھتے تھے۔ حامی دشمن خیال کرتے تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ یہ طبیعی علوم اور فلسفہ کا عالم تھا۔ یہ چیز اُس زمانے میں تمام دیندار مسیحیوں کی نظر میں کفر و الحاد تھی۔ اس صورت حال نے یوحنا کو بالکل بے یار و مددگار کر دیا۔ چنانچہ اُسے معزول کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ اُس پر یہ تہمت لگائی گئی کہ جادوگر ہے۔ بہ تہمت اُس کی معزولی کے لیے کافی تھی۔ چنانچہ اُسے ذلت کے ساتھ نکالا گیا اور ایک کم نام خانقاہ میں جلا وطن کر دیا گیا۔ مگر مخالفوں کو اس سے سیوری نہیں ہوئی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اُس پر یہ الزام لگایا گیا کہ اُس نے ایک ولی کی تصویر کی آنکھیں پھوڑ ڈالی ہیں۔ اس الزام پر اُسے سخت سزا ملی اور توراۃ کے قانون ”دانستہ کے بدلے دانستہ اور آنکھ کے بدلے آنکھ“ کے بموجب اُس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں!

اب ملکہ کے لیے میدان صاف تھا۔ اُس نے سنہ ۸۴۲ ع میں ایک آوری دینی مجلس قسطنطنیہ میں منعقد کی اور از سر نو بت پرستی کا فتویٰ صادر کر دیا۔ تمام مخالفین، کافر قرار دیے گئے، اور بت پرستی مسیحیت کی بنیادی عبادت تسلیم کر لی گئی۔ ۱۹ فروری سنہ ۸۴۲ ع میں کنیسہ ایا صوفیا میں پھر تصویریں اور مرثیوں واپس آ گئیں۔ یونانی کنیسا اب تک یہ دن ایک عظیم دینی تہوار کے طور پر مناتا ہے۔

بانی نہیں رہی تھی - لیکن خود یورپ جو ہمیشہ اصلاحات کے لیے غل مچا رہا تھا، سد راہ ہوا - لامتناہی جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور ترکی کے مدبرین اور خزانہ کو اصلاح کی ذرا بھی مہلت نہیں دی گئی - اس طرح ۶۸ سال کا زمانہ نکل گیا -

زنجی تحریک حریت

کچھ عرصہ سے افریقا کے زنجیوں میں آزادی کی تحریک پھیل رہی ہے - اس کا مرکز جمہوریہ "لیبری" میں ہے - مرقص گارزی صدر انجمن "آزادی جنس زنجی" کے اعلان کیا ہے کہ نصف صدی کے اندر اندر افریقا کے سیاہ آدمی اس قابل ہو جائیں گے کہ اپنے آپ پر خود حکومت کرنے لگیں اور پورے افریقا کی متحدہ جمہوریت قائم کر لیں - صدر نے کام کی مروجہ مشکلات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے: ہم فی الحال تقریر و تحریر کے ذریعہ پروپیگنڈا نہیں کر سکتے - کیونکہ باشندوں میں تعلیم مفقود ہے - لیکن ہمارے پاس ایک معقول ذریعہ موجود ہے اور وہ "دھول" ہے - ہم دھول پر اپنی دعوت ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ تک پہنچا دیتے ہیں اور باشندے اسے قبول کرتے جاتے ہیں -

(پارلیمنٹری گالیاں)

پارلیمنٹوں میں ہمیشہ تعلیم یافتہ آدمی بیٹھتے ہیں - با ایں ہمہ ان کی گالیاں کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

ہوربا کی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے ایک مقرر کو مخاطب کر کے کہا: "چرس پینے والے! مردہ کھوپڑیوں کے سوداگر! حریت کے قاتل!" جرم پارلیمنٹ میں ایک ممبر نے دوسرے سے کہا: "تو سزا ہوا سور ہے! تو کیڑے پڑا ہوا جسم ہے! تو دونوں کا بادشاہ ہے!" "تو بوڑھا بھو دی ہے! تو قانون کا تاجر ہے! تو آئرلینڈی شکاری کی رسی ہے! تو کرامول کے زمانہ کا سزا ہوا جیتھڑا ہے!" یہ انگریزی پارلیمنٹ میں ایک ممبر کا بیان تھا!

WANTED.

Urdu Trained Mistresses for the Karachi Municipal Urdu Girls Schools on the following salary:

	Pay	Allowance	Total
1st Year (Junior)	Rs. 50 -	Rs. 10 -	Rs. 60 -
2nd Year	„ 55 -	„ 10/-	„ 65/-
3rd Year (Senior)	„ 65 -	„ 10 -	„ 75 -

The above posts are pensionable and governed by the Municipal Pension & Provident Fund Rules. The appointments will be on 2 years' contract in the first instance. Apply with full details; also age, nationality with copies of testimonials, if any. Applications should reach the Undersigned on or before 1.11.1927. Those already in service, should apply through their authorities under whom they are employed.

Sd. V. G. PRADHAN,

Administrative Officer.

SCHOOL BOARD,

KARACHI MUNICIPALITY, (L.H)

سلطان محمود بانی تک ترک اپنی عظمت و سرگرائی کی وجہ سے علم و فن کی ہر نئی بات کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے - صرف توپ خانہ اور طباعت کی چند اصلاحات منظور کی گئی تھیں - باقی تمام علمی و صناعی انکشافات سے غفلت و اعراض تھا - مشہور برکی مورخ جوہر پاشا نے اپنی تاریخ میں ترکوں کا ذہنی جبود دکھایا ہے - وہ لکھتا ہے کہ "رسمی احمد آفندی نے سلطان مصطفی ثالث کے زمانہ میں یورپ کی سیاحت کی تھی - واپس آکر سلطان کے ایک مقرب خاص پوسف آفندی سے بیان کیا کہ درل یورپ اپنے ملکوں کے حفظان صحت پر بہت متوجہ ہیں - جا بجا قرنطینے قائم کیے گئے ہیں - سلطنت عثمانیہ کو بھی یہی کرنا چاہیے - لائق مصاحب نے یہ سنکر پیشانی پر ہل ڈال لیے اور کہا "میں تمہیں ابنک مقلد سمجھتا تھا" مگر تم سخت احمق نکلتے، تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ یورپ کے لوگ ہمارے ملک میں صرف بیماروں کے در سے نہیں آتے - اگر ہم حفظان صحت کا انتظام کر دینگے تو ظاہر ہے یہ ورت آتھ جائیگی اور یورپین ہماری سرزمین پر چیونٹی کی طرح پھیل جائیگی - پھر ہم انہیں کیسے قابو میں رکھ سکیں گے؟"

یہ بات نہیں ہے کہ ترکی میں کسی کو بھی اصلاح کا خیال نہ تھا - خود سلطان مصطفی ثالث اور سلیم ثالث اصلاح کے بڑے حامی تھے - مگر بالکل مجبور تھے - اصلاح کی سب سے بڑی مخالفت فوج اور عامۃ الناس کی طرف سے ہوتی تھی - ینگ چری فوجوں کو حد سے زیادہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا، سلطان انکے ہاتھ میں کھلونا تھا - یہ فوجیں سخت جاہل اور گنوار تھیں - کسی طرح کی اصلاح دیکھنا نہیں چاہتی تھیں - عام رعایا سرکاری علماء کے ہاتھوں میں تھی اور معلوم ہے کہ علماء دولت ہر زمانہ میں اصلاح کے سب سے بڑے مخالف ہوتے ہیں - اصلاح کی ہر صدا ان علماء سوء کے مذہب میں کفر و العاد کی صدا تھی - وہ ایک لمحہ کیلئے بھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ علم کی ایک شعاع بھی ترکی کے آسمان پر جبکے -

سب سے پہلے سلطان محمود ثانی کو اصلاح کی توفیق ملی - یہ سلطان بڑا ہی اولوالعزم تھا - اس نے ینگ چری فوجوں کا قتل عام کر کے خاتمہ کر دیا - اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی ہیبت دلوں پر چھا گئی اور علماء دولت بھی باوجود اپنی تمام سرکشیاں کے لرزے لگے - اس سلطان نے اصلاح کے لئے اپنی سلطنت کے دروازے کھول دیے اور فوج کا نظام بالکل جدید کر دیا - عام ترکی لباس بھی ترک کر دیا گیا - اور خود سلطان نے نیا فوجی لباس پہنکر اس کی ابتدا کر لی - مگر افسوس ہے کہ اب بہت دیر ہو چکی تھی - یورپ تو رتازہ ہو کر از سر نو ترکی کی تباہی پر تل گیا تھا اور ہوگز نہیں میٹھتا تھا کہ یہ ہرانا حریف از سر نو طائف حاصل کرے - چنانچہ ترکی کی ماتحت عیسائی اقوام سے بغاوت کرائی گئی ان کی حمایت و حفاظت کے لیے مداخلت کا مطالبہ کیا گیا اور بین الاقوامی سپاست میں "مسئلہ مشرق" کے نام سے ایک جدید لفظ کا اضافہ ہو گیا جس سے مقصود صرف یہ تھا کہ ترکی کا خاتمہ کر دیا جائے -

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ سلطان محمود اور ان کے بعد سلطان عبد المجید نے اصلاحات عام کرنے کی سر توڑ کوششیں کیں، شیخ الاسلام احمد عارف آفندی نے تمام قلمروں میں دورہ کر کے مسلمانوں کو سمجھانا شروع کیا کہ اصلاحات شریعت کے خلاف نہیں ہیں اور انہیں نفرت و حسد کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے / اس طرح تمدنی اصلاحات کی راہ میں کوئی بھی اندرونی رکاوٹ

برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار قیوم مسلمانینہ کے قلم سے)

قصر یلدرز کے ہوٹل کی بندش۔ مجلس کے انتخابات۔ ایک نئی سازش۔ ترک امداد افغان۔ ترکی اور ایران

قصر یلدرز کے لمب کی بندش

آپ کے قارئین، قصر یلدرز کے نام سے نا آشنا نہ ہونگے۔ یہی وہ محل بلکہ قلعہ ہے جس میں بیٹہ کر سلطان عبدالحمید ثانی نے کابل ۳۳ سال تک ایسے استبداد و تہر کی حکومت کی، جو موجودہ دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی!

یلدرز، باسغودس کے یورپی ساحل پر واقع ہے۔ اس کا پہلا بیٹا، ملک بالکل لب سمندر ہے۔ یہاں سے منور کے گھنے اور خوبصورت جنگل شروع ہوجاتے ہیں۔ انیس طے کر کے محل تک پہنچنے کے لئے تیز موٹر کار میں بھی کم سے کم پندرہ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ بہت بلندی پر محل، مستحکم قلعہ کی طرح کھڑا ہے۔ پہلے اس کے گرد میلوں تک، موہجے اور قلعہ بندیاں تھیں اس زمانے میں یلدرز کا نام ترکوں کے دل لڑنا دیتا تھا۔ یلدرز کا نام لینا، یلدرز کا ذکر کرنا، یلدرز کا لفظ پھیر میں لانا، یلدرز کی طرف نظر اٹھانا، یہ سب باتیں انسان کو حکومت کی نظر میں شبہ کرنے کے لئے کافی تھیں۔ اس وقت بڑے بڑے حکام کے ہوا، کسی ترک کے دم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اندسے یلدرز کی کبھی جھلک دیکھ لے سکتا ہوا!

۳۳ سال کے بعد یلدرز کا یہ ظلم ٹوٹا۔ سلطان محمد خامش چمکے نامے میں اس کی وہ ہیبت باقی نہیں رہی۔ لیکن عوام کے لئے اس کا داخلہ اب بھی ناممکن تھا۔

وحید الدین محمد ساد، آخری عثمانی سلطان کے زمانے میں پھر یلدرز نے اپنا رعب واپس لینا شروع کر دیا تھا۔ یہ سلطان، اپنے بھائی عبدالحمید کی سی طبیعت رکھتا تھا، اور اسی جہوت سے حکومت کرنی چاہتا تھا۔ مگر زمانے کے انقلابات نے اسے مہلت نہ دی اسے تخت سلطنت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جانا پڑا۔

آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید کے مختصر عہد میں یلدرز کی تمام ہیبت نازل ہو گئی۔ جمہوریت نے آئے ہی اس کے دد دانسے عام مخلوق کے لئے کھول دیئے۔

جمہوری حکومت نے یہ محل آستانہ کی لمبید (موسیقی) کو دے دیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ شہر کے باشندے کی خوشامالی میں ترقی ہو۔ اور اس کے قیام و مصافحت کا بار خزانہ ملک پر نہ پڑے۔ اسی زمانے میں ایک آلمین سرمایہ دار باؤسیرا نامی نے درخواست پیش کی کہ یہ محل اسے کرایہ پر دیا جائے۔ وہ اس میں ہوٹل اور لمب (تفریح کی جگہ) قائم کرے گا، اور ایک معقول رقم حکومت کو دیا کرے گا۔ ترکی حکومت نے یہ تجویز اس شرط پر منظور

کر لی کہ ترک باشندوں کو اس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اس کے قیام کا اعلان دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کر دیا گیا حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح ترک، اسرات سے بچ جائیں گے اور دوسرے ملکوں کے دولت مند یہاں آکر اپنی دولت ہائیں گے۔ اور اس طرح شہر کو وہ عظیم مالی فوائد حاصل ہوں گے جو اس وقت تک صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں کو حاصل ہو رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہو کہ یہ ارکان حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ آٹھوں نے معاملہ کار صرف ایک ہی پہلو دیکھا، اور تمام پہلو نظر انداز کر دیئے۔

بہر حال آلمین نے شرائط منظور کر لیں اور انیسویں ہجری تاریخ میں پہلی مرتبہ ترکی سلاطین کے پایہ تخت میں لمب و لب کا یہ عظیم الشان مرکز قائم ہو گیا!

ٹھیکہ کی باقی شرطیں یہ تھیں کہ امراء کرایہ کے علاوہ لمب کو ہوٹل کی آمدنی سے بھی فی صدی ایک معقول رقم دینے کی۔ چنانچہ یلدرز پہلی قسط ۱۳۵۰۰۰ ترکی پونڈ کی ہوٹل کی آمدنی سے وصول کئے اس کے مقابل میں سرمایہ دار کو ۱۰ لاکھ ترکی پونڈ نفع ہوا۔

تقریباً ۱۱ مہینے یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس تمام مدت میں بلدیہ برار شکایت رہی کہ اگر یہ دارمعاہدہ سے کی شرطیں پوری نہیں کر رہا ہے۔ ترکی اخبارات میں روز معاین شایع ہوتے تھے اور اعداد و شمار طے کیا جاتا تھا کہ اس لمب سے ترکی قوم کی کتنی دولت منافع ہو رہی ہے؟ بجائے اس کے کہ یورپ کے سرمایہ دار یہاں آکر اپنی دولت صرف کریں، خود ترکوں کی دولت برباد کر کے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ہوٹل میں ملازمین قار کھلا جاتا تھا، اور اس کا شوق ترکوں میں بھی پھیلنے لگا تھا۔ دنیا کی یہ شریعت ترین قوم اب تک قار کے ملک مرض سے محفوظ تھی، لیکن اس آلمین سرمایہ دار کی ذریعہ سخی اعداد و اکان حکومت کی نامعانتی ہوئی نے اس سے ترکوں کو بھی آشنا کر دیا!

ایک طرف یہ بربادی پہلی ہوئی تھی، دوسری طرف یورپ کے دہشت مند نے گویا اس کا مقابلہ کر رکھا تھا۔ اول تو کرایہ دار نے اس مرکز کا یورپ کے مرکز تفریح میں اعلان ہی نہیں کیا، کیونکہ اس نے دیکھا، مقامی آبادی بھی اس کی مطلب براری کے لئے کافی ہو پھر یہ بھی ہوا کہ قومی حسیب کی وجہ سے دوسری قوموں کے دہشت مند، لندن، برلن کو چھوڑ کر اپنی دولت ترکوں میں خرچ کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے اس کی غفلت کے باعث حکومت متنبہ ہوئی اور اسے فیصلہ کر لیا کہ اس عظیم خطرے کا سدباب کرے۔ چنانچہ کل بات کو کمنٹر نظیف تک پولیس کی ایک بڑی جمیت نے کو محل یلدرز میں گھس پٹے۔ قار

خانے میں داخل ہوئے۔ وہاں بازیاں لگ گئیں۔ حاضرین میں ایک اچھی تعداد ترکوں کی موجود تھی۔ ایک ترک طالب علم بھی موجود تھا۔ رنگ اسے آسانی سے سمجھ کر بھاگنے لگے۔ مگر کشترنے ڈپٹ کر کھما: "کھیل ختم ہو گیا۔ کوئی ایسی جگہ سے نہ بھاگے!"

چنانچہ سب بہوت کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ فوراً ان کے نام کچے گئے۔ بازی کی رقمیں جمع کی گئیں۔ کل ۳۰۰، ۳۰۰ پونڈ تھے۔ پھر قار خانے کا صندوق ضبط کیا گیا۔ اس میں ۳۰۰، ۳۰۰ پونڈ تھے۔ ایک شخص نے بھی رقم لئے بھاگ رہا تھا، اسے بھی گرفتار کیا گیا۔ پھر محل کے تمام دودار و معقل کر دیئے گئے اور محافظ بھانگوں پر کھڑے ہو گئے۔

اس واقعہ کے بعد کشترنے حب ذیل بیان شایع کیا: "حکومت صرف اس بات کی اجازت ہی تھی کہ اسمی لوگ یلدرز میں نہایت قائم کریں کہ اس شہر کو مالی منفعہ حاصل ہو لیکن باؤسیرا نے معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اسے شہر کے لئے ایک نہایت خطرناک قار خانہ بنا دیا جسے کسی حال میں بھی حکومت گوارا نہیں کر سکتی۔ مجبوراً حکومت نے فیصلہ کر لیا کہ معاہدہ منسوخ کرے اور اس اقدام کو اس مصیبت سے نجات دلائے اس طرح ترکوں کو یلدرز کی مصیبت دوبارہ نجات ملی گئی۔"

مجلس کے انتخابات

مجلس (پارلیمنٹ) کے انتخابات ختم ہو گئے۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی قوری جماعت انتخابات میں کامیاب ہو گئی۔ کسی دوسری جماعت کا ایک آدمی بھی نئی مجلس میں نہ ہو گا۔ تمام کرسیاں "خلق فردوسی" کے آدمیوں ہی کے قبضہ میں رہیں گی۔

اس کامیابی پر غازی فردوس نے قوم کے نام ایک اعلان شایع کیا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

"میرے عزیز برادران وطن نے اپنی متفقہ رائے سے مجھے گوارا کر دیا کہ وہ ہماری سیاسی جماعت پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اس کی گرتہ خرابی بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں، اور اس کے آئندہ مسلک کو مفید یقین رکھتے ہیں۔ یقیناً ان کا یہ اعتقاد، ہمارے لئے بہت اہم (افزائی) آئے۔ ہمیں مستقبل کی تعمیر کے لئے پہلے سے بھی زیادہ قوت بخش دی ہے۔"

بلشبہ یہ کامیابی ہے۔ لیکن اس میں ایک پہلو تو ایسا بھی موجود ہے جو ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے۔ ذاتیہ ہے، جبکہ کہ کچھ کتب میں لکھ چکا ہوں کہ موجودہ انتخابات میں ہی جمہوری جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت شریک ہی نہیں ہوئی تھی۔ بلشبہ حال میں ہی نتیجہ نکلتا تھا کہ اس جماعت کے امیدوار منتخب ہو جائیں اسے کوئی ایسی کامیابی نہیں کہہ سکتے جو مقابلہ کے بعد حاصل ہوتی ہو۔ یہ اہم پہلو، خود انھوں نے نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" کو بھی زیر بحث لا پڑا۔ وہ اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:

"دوسرے ملکوں میں انتخابات، مختلف مذہبی مذاہب (اسکیل) یا مختلف طبقات کے ذاتی منافع کی بنا پر ہوا کرتے ہیں۔ انیس دوزوں سبیل سے مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہوجاتی ہیں۔ امدان میں ہر جماعت برسر اقتدار آنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ترکی میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ یہاں اب تک ایسے طبقے موجود نہیں ہیں جن کے مفاد مختلف ہوں۔ ترکی میں سرمایہ داروں، مزدوروں، اور خود مختار لوگوں کی جماعتیں موجود نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی قوم ہے، اور تمام باشندے مشترک مفاد و اغراض رکھتے ہیں۔"

بلشبہ حالت اس میں یہاں بھی دو فکری رجحان پیدا ہو چکے ہیں: ایک گردہ کا فکری رجحان یہ ہوتا ہے کہ ملک کی نجات و سلامتی ماضی میں، ماضی کی تعلیم میں، اور قدیم رسم و رواج کی پابندی میں ہے۔ دوسرے گردہ کی رائے میں کامیابی تمام تر اصلاح و ترقی میں ہے۔ پہلے گردہ میں ماضی و اس کے تعلیم یافتہ اشخاص داخل ہیں۔ دوسرے

جاتی ہو۔ اگر اعلیٰ حضرت، ہر بائی فرما کر برس، لندن، اور روم کے اخبار پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ جو قومیں اپنی مصلحتیں ہماری مدد کیا کرتی تھیں، اب وہ ہماری تباہی کا یقین کرنے لگی ہیں۔ انگلستان، فرانس، اور اٹلی کے بہت سے برہمنے حکام کی حرکتیں دیکھ کر اور رعایا پر ظلم و ستم مشاہدہ کر کے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اعلان کرنے لگے ہیں۔ یہ حکومت ہرگز اپنی اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس کا زوال یقیناً ہم بھی اُسے چھوڑ دیں۔ اُس کی موت جلد واقع ہو جائے گی!

میرے آقا! ہمیں ان پیشین گوئیوں کی تکذیب کر دینی چاہیے لیکن یہ اُسی وقت ممکن ہو گا جبکہ اپنی حکومت میں تبدیلی کریں۔ یہ تو بلی صبر و ہمت ہوگی، کیونکہ اعلیٰ حضرت کے ارادے اور حکم سے ہوگی۔ ہم فرانس، انگلستان اور اٹلی پر ثابت گردیں کہ نہ ہماری قومیت نے ہمیں اس کمزوری اور منادیں بگاڑ رکھا ہو، نہ یہ ہمارے مقدسین ہی کا اقتضا ہو۔

وگ کہتے ہیں کہ ہم مرچکے ہیں! ہم زندوں کی طرح عمل کر کے دکھا دیں کہ ہمیں مرے نہیں ہیں، زند ہیں!

میرے آقا! ہم پہلی قوم نہیں ہیں جس نے زبانی نے پوش کی ہو۔ انکی ہر خوبی بگاڑ ڈالی ہو، اور اُس کے تمام قوی کمزور کر ڈیے ہیں۔ ہم قوی قوم بھی نہیں ہونگے جس کی ایسی زبوں حالت ہوئی ہو۔ یورپ میں بھی بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر زانہ اپنی تمام مصیبتوں کا ساتھ ٹوٹ پڑا ہو، امدان کا حال بھی بالکل ہمارے جیسا ہو گیا ہو۔ میں اعلیٰ حضرت کے دربار میں عرض کر چکا ہوں کہ گزشتہ صدی میں فرانسیسی قوم کس قدر تباہ ہو گئی تھی۔ کس طرح اُس کی صنعت و حرفت برباد ہو گئی تھی۔ اُس دور میں اُس کی خیریت کمزور ہو گئی تھی کہ ہر دس سال کے بعد دوبارہ ہوجایا کرتی تھی۔ کس طرح اُس کے تمام طبقوں پر ظلم ہو رہا تھا، حتیٰ کہ اُس وقت کے ایک سویرے نے بھی پانچ سو سال سے کہنا تھا کہ آپ کی سلطنت میں کوئی نہیں جو اپنی عزت پر فخر کرے اور دیر کے انتقام سے بچ جائے۔ کوئی نہیں جو اپنی بدعنوانی پر فخر کرے اور ایک خیر چیرا سی کے غصے سے بھی بچ سکے! اُس ملک میں حکومت کا کوئی رعب و دبدبہ باقی نہ رہا تھا۔ اُس کے سامنے مل کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔ حماس گم ہو گئے تھے صفحہ ایک نئی روش اختیار کوئی اند بستی تھی۔ جنگ ہفت سال کے بعد تو فرانس گرا کر تیسرے درجے کی ذول کے نعرے میں شمار ہونے لگا تھا۔ لیکن آج کل پھر بہت جلد اپنی اصلی جگہ حاصل کر لی۔ چند سال میں اس کی تمام برباد قوتیں واپس آ گئیں۔ چلی کہ اُس کی فوجوں نے پورے یورپ کی صفحہ بیاخوار کر دی۔

یہ حیرت انگیز کامیابی فرانس نے کیونکر حاصل کی؟ صرف اس وجہ سے کہ اُسے حکومت کے وسیع نظام کی جگہ ایک نیا معیار پر نظام قائم کر دیا تھا۔ بلاشبہ یہ شاندار تبدیلی مصائب سے خالی نہ تھی۔ بہت سا خون بہا، بہت اُسے آندو گئے۔ مگر مصائب کچھ اس تبدیلی کا لازمی نتیجہ نہ تھیں۔ ان مصائب کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تبدیلی اُس وقت واقع ہوئی جب اُس کے لئے ذرا بھی وقت باقی نہ رہا تھا۔ بالکل آخری لمحہ تھا وہ لمحہ جس میں اگر قومیں اٹھ پڑتی ہیں، تو ان کا اٹھنا بڑا ہی ہولناک ہوتا ہو۔

میرے آقا! ایک فرانسیسی قوم بھی ایسی نہیں ہو جائے مصلحت صحیح سالم عمل آئی ہو۔ فرانس کے علاوہ اند بھی ایسی قومیں موجود ہیں۔ ریاست تیموری (اٹلی) کے ناب نے آندو کی کہ عظیم الشان آملین قوم کا بادشاہ ہوجائے۔ وہ بادشاہ ہو گیا! کیونکہ اُسے کوئی فوج جمع نہیں کی، کوئی سالار طیار نہیں کیا۔ اُسے صرف یہ کیا کہ قوم کو ایک آزاد و سرور حکومت بخش دی۔ اس بخشش کے ساتھ ہی اُس کی فتوحات شروع ہو گئیں۔ زمین کی فتوحات نہیں جن پر بعد میں کیا جاسکتا، وہ لو کی فتوحات جو دنیا کی حقیقی فتوحات ہیں۔ وہ پورے اٹلی کے دیوں اور

عقول پر قابض ہو گیا۔ مرتے وقت اُسے جسم لوہے سے پیشین گوئی کی تھی۔ میرے بیٹے و کٹر عازلیں کی سلطنت کا وہ میری ریاست کے مدعیے تین گنا زیادہ ہوگا۔ دنیائے دیکھ لیا کہ بوڑھی ناب کی پیشین گوئی بالکل حق تھی، یہ کیوں ہوا؟ صرف اس وجہ سے کہ دانشمند حکمران نے ٹھیکے وقت پر آزادی کا لفظ اپنی زبان سے کہا تھا، وہ لفظ جو اپنے تین حروف میں دنیا کی تمام سعادتیں اور کامرانیوں پوشیدہ رکھتا ہو!

میرے پاس اس سے بھی زیادہ روشن اور صاف مثالیں موجود ہیں اور اس کی سچی ہیں کہ اعلیٰ حضرت ان پر نظر فائز ڈالیں۔ لیکن میں اس عربیت میں ان سب کا ذکر نہیں کر سکتا۔ میں آٹھ سو سا ذکر کر دوں جو اپنی دستور آزادی کے سہارے وقت کے عظیم خطروں سے محفوظ گزر رہا ہو؟ پریشیا کا ذکر کر دوں جو ابھی کل کی بات ہو کہ اپنی تہذیب کی بدلت میدان جنگ سے فتنہ بکلی ہو؟ لیکن مجھے زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ میں جس قدر عرض کر چکا ہوں، اعلیٰ حضرت کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت! قوموں کی آزادی ان کا حق ہے۔ ان کی امانت ہے۔ ان کا ورثہ ہے۔ اور حکومتوں کا فرض ہے کہ اس امانت کے پیکر دینے میں تاہل نہ کریں۔ یہ سپردگی ان کی قوت بڑھاتی ہو اور انھیں ہر طرح کے خطروں سے محفوظ کر دیتی ہو۔ آج دنیا کی تمام حکومتیں اس امانت کی سپردگی پر مجبور ہو گئی ہیں۔ کوئی وجہ ہے کہ عثمانی حکومت اس عام اجتماعی حالت سے مستثنیٰ تصور کر لیا جائے؟ کیا ترکی قوم زمرہ اقوام میں شامل نہیں ہے؟

پھر ایسا کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہا راہیں ہیں ترقی و سعادت سے محروم رکھنا اور تمدن و دانشمندی سے دور رکھنا چاہتا ہو؟ میرا جلیل القصد آقا مجھ سے زیادہ واقف ہو کہ ایک لمحہ کے لئے یہ گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔

میرے آقا! اس دنیا میں دو سیاستیں نہیں ہیں: اسلامی اور سنی۔ ایک ہی ہے، اور سیاست اُس عمل کے ہوا کچھ نہیں جو حکم کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہو۔

یہ ہمارا دین نہیں ہے بلکہ ہمارا قدیم نظام ہے جو ہمیں فنا کر رہا ہے۔ اُس نے ہمارے مذہب کی طبیعت بگاڑ دی اور ان کی خودداری ناکل کر دی پھر ان دربروں نے سلطنت کی طبیعت بگاڑ دی اور اُس کی عزت لغت ہو گئی۔ پس ہمیں یہ نظام ترک کر دینا چاہیے اور اُس کی طرف کبھی دیکھنا چاہیے۔ اس نظام کے وجہ کے نیچے امت پڑی سبک رہی ہو۔ یہ نظام حملہ آور دشمن سے ہمیں کبھی پناہ نہیں دے سکتا۔ ہمیں وہ نظام اختیار کرنا چاہیے جو عدل و مساوات اور حریت مادہ کا نظام ہو، اعدائے یہ ہو کہ جہاں کہیں قائم ہو جائے وہاں قوموں کو اٹھ پکڑ کر اٹھا دیتا ہو اور عظمت کے محل طیار کر دیتا ہو۔

کیا ہمارے لئے یہ زیادہ ہے کہ وہ صوبے جو ابھی حال ہی میں ہم سے جدا ہوئے ہیں انھیں اپنے خون و دین کے لحاظ سے ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں، آزاد نظام حکومت کا غیر مقدم کریں، اور ہم لوہے میں پڑے رہیں؟ کیا آپ کی سلطنت میں ایسے بچے اور مخلص مجاہدین موجود ہیں جیسے مصر، تونس، مولڈاویا، رومانیہ، اور سربیا میں ہیں؟ کیوں نہیں؟ ہیں۔ انھیں بلائے، وہ سر کے بل فٹہ کر آئیں گے۔ ہر شہر میں رعایا کی پسند سے ایک گروہ منتخب کیے، وہ آپ کے سامنے رعیت کے معاملات بے نقاب کرے گا، اور پھر وہ راہ عمل باز ہو جائے گی جس کی جانب حکومت کی ابوی شفقت کا رجحان ہو۔ اس کے بعد اپنے شاہانہ اولیہ سے رعایا کے نمائندوں کو اپنی سلطنت کے مرکز میں جمع کیے۔ وہ عرش عظم کے دربار و رعیت کی ضروریات پیش کرینگے اور عتبہ عالیہ ملک اُس کی آرزوئیاں پہنچائیں گے۔

ایک طلبہ کہا کرتا تھا: مجھے ایک گز کپڑا دو، میں تھیں ایک شریف آدمی سے دوں گا۔ اے میرے آقا! آپ بھی اپنی سرپرستی میں حقوق عطا کر کے اپنی رعایا کو فحش، اولوالعزم، اور زندہ بنا دے سکتے ہیں۔ وہ آزادی کی بخشش پر حضور کی شکر گزار ہوگی، ظلم اٹھ جائے پر دعا مانگی۔ آپ کی خدمت کے لئے اپنی جانیں قربان کرے گی۔ آپ کی اپنی اور سلطنت کی بھلائی کے لئے کوشش کرے گی۔ اُس کی عقل درست ہو جائے گی۔ اُس کا نفس پاک ہو جائے گا، اور اس طرح وہ اسلاف کی فضیلتیں دوبارہ حاصل کرے گی۔ جب خطرے کا بھگ بھگے گا، تو وہ ہتیلیوں پر سرے کر دوڑے گی، عرش عظم کے گرد جمع ہو جائے گی، اور اعلیٰ حضرت کی نصرت میں خوش و خرم موت کا خیر مقدم بجالائے گی کیونکہ وہ سمجھے گی، اُس کی تمام سعادتوں کا ضامن سرپرست ہی عرش مبارک ہو۔ میں یہاں اس دستور نظام حکومت کی تشریح کرنی نہیں چاہتا جسے میں ملک کی قابلیت، اخلاق، آندو وایات کے مطابق دیکھنے کا متمنی ہوں۔ میں فقیر یہ دستور اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ اسے میں نے اور میرے رفقاء نے ترتیب دیا ہو۔

اعلیٰ حضرت کے علم میں یہ حقیقت پہلے سے موجود ہے کہ میں صاحب غرض نہیں ہوں۔ مجھے نہ کسی منصب کی طلب ہو نہ کسی عطیے اور بخشش کی آرزو۔ میری غرض صرف اس قدر ہے، اور میں بلند آہنگی سے اُس کا اعلان کرتا ہوں، کہ اعلیٰ حضرت کے دربار سلطنت کی عظیم اکثریت یعنی مسلمانوں اور مسیحیوں کی آرزو مکمل دوں۔ یقیناً جلاوطنی کی تمام تخیالات مجھ پر آسان ہو جائیں گی اگر ذات شاہانہ کے سامنے حقیقت عیاں پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت سلطان عظم اس کے پہلے خود اپنے صیرطہ کی طرف رجوع کیجئے کہ وہ اس زمانے میں آپ کا کیا فرض بتا رہا ہو، جبکہ آپ کی رعیت حیرت میں پڑ گئی ہو اور پورے مسمیٰ میں تباہ ہو رہی ہو؟ یہ ایک جلیل القدر عمل ہے۔ اسے وہی انجام دے سکتا ہو جسے اللہ تعالیٰ نے غم شہادت کا دم عطا فرمایا ہو۔ جو کوئی بھی یہ عمل عظیم انجام دے گا، تاریخ اُس کا نام ہمیشہ یاد رکھے گی اور تمام مخلوق اُس کا نام عزت و شکر گزاری کے ساتھ لیتی رہے گی!

میرے آقا! اگر زمانے نے حضور والا کو وہ شرف نہیں بخشا جو کچھ اجداد کے حصے میں آیا تھا، یعنی آپ کے ہاتھوں اس عظیم سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی، تو زمانے نے یہ شرف آپ کے لئے محفوظ رکھ دیا تھا کہ اس سلطنت کی عظمت رفتہ دوبارہ واپس لانے کا کام آپ ہی کے دست مبارک سے انجام پائے۔ تمام صادق مہمان وطن بلکہ آپ کی کرودیں مسلمان اور سنی رعایا کی آوازیں اس عورت میں میری شریک ہیں کہ حضور ابن علی عظیم و شرف کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت ہی اسکے اہل ہیں۔ یہ شرف حضور کے ام گرامی کو کون عطا کرنا تاریخ کے بلند پایوں کی صف میں لکھ دے گا جن کی تمام مخلوق تعظیم کرتی اور جن کی عظمت کے راگ تمام قومیں گاد رہی ہیں۔

مصطفیٰ فاضل - سلام

خط و کتابت

میں

اپنا نمبر ضرور لکھا کیجئے جو ہر ہفتہ رسالہ کی چٹ پر

آپ کے نام کے ساتھ درج ہوتا ہو۔

منجر

گروہ تعلیم یافتہ اشخاص کا ہے۔

”یہ دونوں فکری رجحان، ترکی میں ۲۰ برس سے متصادم ہو رہے ہیں۔ سیاست، فوج، ادب، علم، کوئی میدان نہیں جس میں یہ دونوں نقطہ ہائے فکر باہر دست بگریباں نہ ہوں۔“

”لہذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر بہت سی جماعتیں نہیں تو کم سے کم دو جماعتیں ملک میں ضرور موجود ہیں اور ہر قدر اقتدار آنے کے لئے متحام ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس وقت علماء صرف ایک ہی سیاسی جماعت موجود ہے، اور وہ حامیان اصلاح و تجدید کی ہیں۔“

”اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حامیان اصلاح اپنے مقاصد کا ایک ذیل اعلان کرتے ہیں اور مقررہ منضبط لائحہ عمل لکھتے ہیں۔ برخلاف ان کے حامیان جمود و قنصلیت اپنے مقاصد کے اعلان کی جرات نہیں دے سکتے وہ کوئی معین راہ عمل لکھتے ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں باہر کوئی فکری رابطہ بھی موجود نہیں ہو جو ایک باقاعدہ جماعتی شکل پیدا کر سکے۔ ہر کوئی اپنی ایک علامہ مضطرب اور ہمہ لڑنے لگتا ہے اور دوسرے کے ساتھ ملنے پر آمادہ نہیں ہے۔“

”یہی سبب ہے کہ عملی طور پر یہ جماعت مرگئی ہو۔ کسی طرح بھی اپنے حریف کے مقابلے میں گھری نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کی اس عملی موت نے اس میں یہ خطرناک مرض بھی پیدا کر دیا ہے کہ وہ پس پردہ سازشوں اور خیانتوں کے جال بناتی اور ملک میں پھیلنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ کہنا ضروری نہیں کہ ”حاکمیت ملیت“ کی یہ رائے افراط و تفریط سے خالی نہیں ہے۔“

ایک نئی سازش

اس سبب سے ایک نئی سازش پر سے پردہ اٹھا ہے۔ آپ کے قارئین کو یاد ہو گا کہ پہلے یونان کے بعد ہی ترکی حکومت نے اپنی سرحدوں پر چھابھریوں کو ہمیشہ کے لئے جلا وطن کر دیا تھا۔ کیونکہ ان کی پچھلی زندگی سازشوں اور خیانتوں سے بے گزر تھی۔

یہ لوگ ترکی سے بھگت کر دیان، مصر، شام وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے اور ترکی حکومت سے انتقام لینے کی فکر کرنے لگے۔ یونان میں چناؤ گزر رہا تھا، وہاں کی روش بہت مشتبہ تھی۔ ترکی خفیہ پولیس پر ان کی نگراں گرتی رہتی تھی۔

انہوں نے کئی سال پہلے ہی مذکورہ مذکورہ کے بعد خیال کیا کہ ترکی حکومت ان سے بالکل غافل ہو گئی ہو۔ چنانچہ حکومت یونان کے بعد ہی پر ایک سازش بنائی اور عمل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سازش کا سرغنہ، حاجی سامی ہے۔ یہ چرکی قوم کا آدمی ہے اور اپنے وقت کا مشہور جرائم پیشہ اور خونریز چمکا ہے۔ انجن اتحاد ترقی کی حکومت نے بنانے میں اس نے سیکڑوں خون کئے تھے۔ مرحوم الزار پاشا جب ترکستان گئے تو یہ بھی کہاں پہونچا اور جنگ میں شریک ہو گیا۔ ان کی شہادت کے بعد پھر ترکی واپس آیا اور اپنا تیرا مشغلہ جاری کر دیا۔ معاملہ لڑنا کے بعد حکومت نے اسے بھی جلا وطن کر دیا تھا۔

پچھلے ہفتے ترکی پولیس کو معلوم ہوا کہ یہ یونان سے اپنا سہارا کرتے ہوئے ترکی واپس آیا ہے اور غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ فوراً اسے گرفتار کر لیا گیا۔ مگر اسے مقابلہ کیا تھا میں وہ خود مانا گیا، مگر اس کی پوری ٹولی قید ہو گئی۔

اس ٹولی میں تمام چرکی لوگ شامل ہیں۔ بعض کے نام ہیں: مجید کوچک، مجید کلاں، جعفری قاتل، علی برادر حاجی سامی۔ ان لوگوں نے اپنی سازش کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کی تجویز تھی کہ کچھ کے قریب مقام ”فلو خاں“ میں جا کو قتل کرینگے۔ یہاں تک کہ جب غازی مصطفیٰ اور ان کے دو بارہ اسراہ کو وسط میں آنگورہ رہا ہو گئے تو مذکورہ بالا گانگ میں ان کی بیل ڈاؤن کر کے ذریعہ آواز دھکی

”سلاشی لینے پر ان لوگوں کے پاس ہوشیاری کا تدبیر کا تدبیر ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ پولیس کو شبہ ہوا تو اس کی کیا ذی تحقیقات کرائی گئی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس میں غیر مرئی روشنائی سے ان کے باقی ہم خیالوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح حکومت کو اس پورے جتنے کا علم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں ایک پنشن یافتہ فوجی افسر عائف بک کی گرفتاری بھی مل میں آئی ہے۔“

ترک اور افغان

حال میں حکومت افغانستان نے فوجی تربیت و تعلیم کے لئے اپنے مستعد افسر، ترکی بھیجے ہیں۔ انہیں باہر شادی کرنے کی سخت ممانعت تھی تاہم صوبہ دار محمد اکرم خاں نے ایک ترکی خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے اس سے اس فوجی سفیر کو درخواست دی۔ سفیر نے درخواست کا بل بھیج دی۔ کابل سے خود امیر انان اللہ خاں کا حکم آیا کہ شادی اجازت دیدی جائے۔ انہا ہی نہیں بلکہ تمام افغانی افسروں کو بھی اب ترک خاتونوں سے شادی کی آزادی دیدی جائے۔ ساتھ ہی شاہ افغانستان نے یہ بھی لکھا کہ یہ شادی، ترکی قانون مدنی کے موافق عمل میں گئے۔ فران عالی میں یہ بھی تھا کہ ”میں نہایت خوش ہوں گا اگر افغان افسر اپنی ترک بیویوں کے ساتھ کابل پہنچیں۔ ترکی اجتماعی زندگی کے اصول سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک میں انھیں رائج کریں۔“

ترکی اور ایران

پچھلے دنوں بعض سرحدی حادثات کی وجہ سے ترکی اور ایران میں کشیدگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے، جیسا کہ میں بر وقت آپ کو مطلع کر چکا ہوں لیکن اب دونوں حکومتوں کے تیرے جملہ غلافیاں دور ہو گئی ہیں۔ اس کا تاثر ثبوت یہ ہے کہ اسی ہفتے ایرانی سفارتخانے میں ترکی وزیر خارجہ فیضی رشتی بک اور ترکی سفیر تھینہ طرآن مدح شکرت کہ نہایت پرکھت دعوت دی گئی۔ اس وقت میں ایرانی سفیر نے تقرر کرتے ہوئے بہت زور دار الفاظ میں کہا کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں، اور ہمیشہ دوستانہ ہی رہیں گے۔

مکتوب مصر

(الامال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

نئے دنیا کا انتخاب

سعد پاشا زغلول کی وفات کے بعد ان کے جانشین کے انتخاب کا معاملہ بہت اہم اور مشکل تھا۔ ظاہر ہے اس وقت مصر کی توجہات کارکن، اس مسئلہ کے ہوا کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن انگلستان میں بھی اسی وجہ سے بھیجی کچھ کم تھی۔ مصر میں انگلستان کی تمام امیدیوں اسی مسئلہ سے وابستہ تھیں اور وہ انتہائی اضطراب سے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔ حسب عادت انگریزی اخبارات نے مصر کی متفقہ مصحف میں پیش ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ ایک طرف احمد زور پاشا کی پٹھانوں کی شہرت کی کتاب موقع ہو بہت کردار بدبر سر اقتدار آجاؤ۔ دوسری طرف عثمان پندوں، یعنی علی پاشا اور ثروت پاشا کی جماعت کو اکیسا کہ دھنکی جماعت، مصر کی پوری سیاست پر عادی ہو چکی ہے۔ اب وقت ہوئے گراؤ

بیسری طرف خود دھنکی جماعت میں بھی نا اعلیٰ ڈالنی چاہی۔ اس غرض کے لئے فتح اللہ پاشا برکات سے بہتر کوئی شخص نہیں

مل سکتا تھا۔ موصوف، مرحوم زغلول پاشا کے بھائی ہیں اور ان کے ساتھ جہاد ملی میں بے شمار مصائب برداشت کر چکے ہیں۔ ان اخبارات نے خیال کیا کہ تقریباً کو کے انہیں قند کی صدارت کے لئے کھڑا کر دینا چاہئے۔ دھنکی جماعت، بعض مصالح کی بنا پر ان کی سرداری قبول نہیں کرنا چاہتی۔ اس طرح آپس میں ٹھوٹ پڑ جائے گی اور ملک کی سب سے لمبی سیاسی قوت دہم برہم ہو جائے گی۔

مگر مقام سرست ہو کہ یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ زور پاشا نے کان ہلائے، مگر عام رائے سے مرعوب ہو کر خاموش ہو گئے۔ استدلال پسند نے بھی قابل تعریف رویہ اختیار کیا، اور دھنکی جماعت سے لڑنا منظور کر دیا۔

خود دھن نے بھی نہایت دانش مندی سے کام لیا اور مرحوم پاشا کی جانشینی کا مسئلہ لمبی ہی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ فتح اللہ پاشا برکات نے جنھیں انگریزی اخبارات، برات کا دوٹو مانا چاہتے تھے، انھیں انھوں میں اعلان کر دیا کہ مجھے سرداری کی طلب نہیں ہے۔ میں مذک کے فیصلے کے سامنے ہر وقت بلا کسی قید و شرط کے سرخم کرنے کو تیار ہوں۔

دھن نے اپنا فیصلہ ۲۶ ستمبر کو سنایا۔ یہ جلسہ نہایت عظیم الشان تھا تقریباً تمام ارکان جمع تھے۔ جلسہ کی کارروائی، محمد نجیب اللہ علی پاشا کی تقریر سے شروع ہوئی۔ یہ تقریر پورے دھن کی جانب سے تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

”جو کوئی سعد کی ذات خاص کا مددگار تھا، تو سعد مر گئے۔ لیکن جو سعد کے اصول کا حامی تھا، تو سعد کے اصول باقی ہیں، کبھی مرنے والے نہیں۔“

”بلاشبہ سعد مر گئے۔ بہت سے دل، جو ان کی ہیبت سے خائف تھے سر سے اٹھنے لگے۔ بہت سے سر جو ان کے دھ سے خم تھے، بلند ہونے لگے۔ فقہ کا سر اسٹی دونوں انھیں تم میں ہر طرف پھرنے لگا کہ کوئی شکاف دیکھو اور دھ لگے۔ لیکن قدیر حکیم خدا نے تمھیں اس کی نظر بند سے بچا لیا۔ تم نے خدا کی توفیق سے فقہ کی آنکھ کھول دی۔ اپنا اتحاد بجا کر شیطان کو ایس کر دیا، وہ تمھارے متحدہ علم دیکھ کر اٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔“

”دھ نے اپنے قانون کے بموجب اپنی صدارت کے معاملے پر غور کیا۔ پورے خورد و خوراک کے بعد اس کی تصفہ لائے یہ ہوئی کہ جلیل القدر منصب ایک ایسے شخص کے سپرد کرے، جسے تم سب جانتے ہو اور حق کی حمایت میں اس کا حصہ دیکھ چکے ہو۔ وہ مصائب میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ سیکھنے میں اس کی پیشانی پر کبھی بلی نہ آیا۔ ایمان میں اس نے ہمیشہ سبقت کی آواز دھ کے لئے اس نے اپنی زندگی وقف کر دی۔“

”وہ شخص کون ہے؟ وہ مصطفیٰ خاس ہے!.....“

اس تقریر کے بعد امد بہت سی تقریریں ہوئیں اور مصطفیٰ خاس پاشا بالاتفاق، دھ کے صدر، اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں میں جماعت دھ کے رئیس منتخب ہو گئے۔

دھ کا پیغام

مصری دھ نے قوم کے احاطہ فیل پیغام شائع کیا ہے:

”دینا وطن! عظیم القدرت خدا نے بزرگ جدت کی مشیت پوری کی اور سعد زغلول کا انتقال ہو گیا۔ تم اس کے فراق پر رنج سے بڑے لیکن حجت الہی نے اس کے ہوا کچھ منظر نہ کیا کہ تمھارے سردار کو دوسری ہی شریف موت دے، جیسی شریف زندگی آئے۔ ہمیشہ تھی۔ چنانچہ جس طرح وہ بجا ہندو نہ رہا تھا، اسی طرح مجاہد ہی نہ رہا۔ دنیا و آخرت، دونوں اس کے لئے بجا رہا کا ثواب جبریل موجود تھا!“

”سعد مر گیا، اس سے تمھارے دل ٹوٹا۔ کو بعض لوگوں نے تمھارا رنج و الم دیکھ کر کتنا شروع کر دیا کہ اس بڑے سینے میں جو بڑی بڑی آرزوئیں پہنائیں تھیں، اس کی موت ہی کے ساتھ ختم کریں۔“

سرمدوں کی خیر خواہی کرنا۔ اپنا اتحاد برقرار رکھنا۔ میرے دونوں
لوگوں محمد (امین) اور عبدالعزیز (امون) کو دیکھنا۔ (ان میں سے جو
بھی اپنے بھائی پر سرکشی کرے، اُسے گراہی سے روک دینا اور اس کا
عہد توڑ دینا۔

۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) میں وفات پائی۔

ابولواس

ہارون رشید کے مشہور مصاحب اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے
رادی شعر اور شاعر، ابولواس نے مرتبہ دقت یہ شعر کہے،
دُبْنِیَ الْفَنَاءَ سَقَلُوا دَعْلُوا دارانی اموت عضوا
ادریچے ہر طرف سے فنا مجھ میں دُور رہی ہو۔ میں بیکھرا ہوں کہ
جوڑے جوڑے مر رہا ہوں۔

فہم شری سجدۂ نفسی تذکرت طاعتہ اندنضوا
میری تمام تیری چلی گئی۔ اپنے سرکہ ہالے پر مجھے طاعت اللہ کا
خیال آیا!

لیس من ساعۃ مفت لی الا نقصتی برائی جزوا
ہر گھنٹے مجھ پر گزر رہی ہو۔ کوئی کوئی حصہ کم کرتی جاتی ہو!
امف نفسی علی لیل و یام تملیثیں لجا دلو
ان دنوں اور راتوں پر میرا افسوس، جنھیں میں نے اہل و عیال
میں گزار دیا!

قداسا نکل الاسارۃ فاللسم صغی عناء وغرأ وغرأ
ہم نے سراسر بُرائی ہی کی ہو لیکن خدایا! ہم تیری عفو و بخشش چاہتے
ہیں!

محمد امین

ہارون رشید کے جانشین محمد امین کو گرفتار کرنے کے لئے جب امویوں
کے آدمی آدھی رات کے دقت محل میں گئے، تو چلا اٹھا:
”انا لعدوانا الیہ ذاجون! دالہ میری جان، خدا کی ماہ میں
چلی گئی۔ آہ، کوئی تدبیر نہیں کوئی حمایت نہیں“

گرفتار ہو جانے پر اس نے اپنی اولاد اور عزیزوں سے کہا:
”یہ تمہارا آخری دیدار ہے۔ خدا تمہارا گھمبائ ہو!“
قتل کے وقت جلا دون سے کہا:

”تمہارا اثر ہوا جلتے نہیں میں سولی اللہ کے چھانکا ہوا،
ہارون الرشید کا بیٹا، اور امویوں کا بھائی ہوں؟ میرا خون نہ گرنے میں
خدا سے ڈرو!“

۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) میں قتل ہوا

حضرت معروف الکرمی

مشہور صوفی و زاہد معروف کرمی سے حالت نزع میں کہا گیا: ”دست
کیجئے“
کننے لگے:

”جب میں مر جاؤں تو میرا یہ کرتا بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں
دنیا سے اسی طرح جاؤں، جیسا آیا تھا“

۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) میں وفات پائی۔

حضرت بشر بن المنصور

وفات کے وقت بہت خوش تھے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا
”آپ موت پر خوش ہوتے ہیں؟“

کہنے لگے: ”کیا تمہارے خیال میں خالق کے حضور جانا، جس کو سب
بڑی ہی امید ہو، مخلوق میں سے کسی کے برابر ہو؟ وہ مخلوق جس میں
ڈرتا ہوں؟“ یہ کہتے ہی لوح پر دان کر گئی۔

(۱۳۵۲ھ - ۱۳۵۳ھ)

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر و قلیا

ابراہیم مصلی

اپنے زمانے کا سب سے بڑا مہر فن موسیقی، ابراہیم مصلی، قورچ کی بیاری
میں مبتلا ہوا اور خلیفہ کے محل میں آنے جلنے سے معذور ہو گیا۔ جب
تخلیف بہت بڑی تویہ شعر اس کی زبان پر جاری ہوئے:

تل و اند طیبی عن مقاساة الذی بی
والطیب میرے مرض کی تشخیص سے آگیا گیا ہو

سوف اتنی عن قرب لعد و صیب!
عقرب دوست و دشمن سب کو میری موت کی خبر شادی جائے گی!

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید عیادت کو گیا اور پوچھا:
”ابراہیم کیا حال ہو؟“

ابراہیم نے جواب میں پیش پڑھ دیا:
سقیم مل منہ اقربوہ دالہ المدادی الخیم

بیاد، جہاں سے اُس کے رشتہ دار آگئے ہیں۔ طیب اور دوست
اسے چھوٹ چکے ہیں۔

۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) میں انتقال کیا

عباس بن الاحنف

اصمعی نے بیان کیا ایک دن میں بقوہ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ کیا
دیکھتا ہوں ایک حسین نوجوان میرے پیچھے کھڑا ہو۔

”میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہو“ خوبصورت لڑکے نے کہا۔
میں اُس کے ساتھ روانہ ہوا۔ صحرایں ایک خیمہ کھڑا تھا مجھے

بقیہ مضمون ص ۱۸

میں تو اس کی بالکل کوشش نہیں کرتے کہ احتیاط اور انصاف کے
ساتھ قدم اٹھائیں۔ ہندوستان میں تقریباً ۱۰ برس سے ہندو مسلمانوں
کی موجودہ کشمکش شروع ہوئی ہو۔ اگر ان برسوں کے وہ تمام بیلا
اور مباحث جمع کر لئے جائیں جو ایک فریق نے دوسرے کے اقوال و
عمال کی نسبت بیان کئے ہیں، اور پھر ان پر انصاف اور صداقت شناسی
کے ساتھ نظر ڈالی جائے، تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ نصف سے
زیادہ مقدار ان باتوں کی سیکے گی جو کبھی فتنہ و فساد کی صورت اختیار
نہیں کرتی اگر اوقات کے مطالعہ بیان میں انصاف و دیانت کا تقویر
ساحبی لحاظ رکھا جائے۔

یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ عباس بن الاحنف اُس میں پڑے دم توڑ رہے ہیں
اُس وقت اُن کی زبان پر یہ شعر تھے:

یا بعد الدار من وطنه مفردا کی علی شجرہ
لے اپنے وطن سے بہت دُور تھا جہاں میری حسرت پر روتا ہوا!

کلمہ جذائیب بہ نادات الاستقام فی بدنه
جوں جوں اُس کا گریہ بڑھتا ہو، اُس کے جسم میں بیماریاں بھی بڑھتی
جاتی ہیں!

پھر وہ بیہوش ہو گئے۔ دخت پر ایک چڑیا چلائی۔ عباس نے اُس کی
آواز پر آنکھ کھول دی اور یہ شعر پڑھنے لگے:

ولقد زاد العواد شجی التفائی علی فتنہ
دل کا رنج اور بھی زیادہ کر دیا، اپنی ڈالی پر سے پکانے والے نے۔

شائنی ماشاء فکی کلتا یسکی علی سکرہ
جس کا شوق مجھے ہو، اُسی کا اُسے بھی ہو۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے صیب
کے روتا ہو۔

وہ پھر بیہوش ہو گئے۔ میں نے خیال کیا پہلی سی غشی ہو۔ گراؤ
نے ایک لمبی سانس لی اور سر ہونٹ گئے!

۱۹۳۳ء (مطابق ۱۳۵۲ھ) میں فوت ہوئے۔
خلیفہ ہارون الرشید

جب بیماری بہت سخت ہو گئی تو طیب بلائے گئے۔ مگر کسی علاج سے
بھی فائدہ نہ ہوا۔ ہارون، یونس ہو گیا اور یہ شعر پڑھے:

ان الطیب بلبہ دودائہ الاستیلع دفاع کر وہ اتالی
طیب اپنی طب اور دوا سے کسی مصیبت کو اُس کے آجانے کے بعد
دور نہیں کر سکتا۔

الطیب یوت بالدار الذی قد کان میری شملی امیری؟
یہ کیا ہو کہ طیب اُسی بیماری سے مر رہا ہے جسے ہمیشہ اپنے علاج سے بچا
کیا کرتا تھا؟

ہک المدادی المدادی مالذی جلب الدوار و باء من اشتری
سلاج، مرض، دوا لانے والا، دوا لینے والا، دوا خریدنے والا، اب
مرا میں گئے!

جب موت کا یقین ہو گیا تو بنی اشتم کو طلب کیا، اور کہا:
”ہر مخلوق مرا لے والی ہو۔ آج میں بھی موت کے گھاٹ اُتر رہا ہوں
میں تجھیں تین وصیتیں کرتا ہوں: اپنی امانت کی حفاظت کرنا۔ اپنے

کہ معلوم اس حد تک پہنچ کر ختم نہیں ہو گیا۔ بلکہ آپ کے لفظوں میں:

”جو طریقہ مسلمانوں نے ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک اختیار کیا، اور جو باتیں کی گئیں، وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ عجیب طرح کی مذہبی ذہنیت ظاہر کرتی تھیں جنہیں کسی طرح بھی ٹھیک راستہ پر نہیں لے جایا جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام لیڈروں اور مولانا صاحبان نے اور جمیعت العلماء نے فتویٰ جاری کر دیا کہ رنگیلا رسول کھٹے دالے اور چھاپے دالے کو قتل کرنا جائز ہے۔ اور یہ کہ اسلام کا قانون یہی ہے کہ جو نبی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی اسلام کے خلاف بدنامی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے۔“

میں آپ کی طبیعت کی صداقت اندیشی اور حق جوئی کا مقرر تھا اور اس موقع پر بھی مقرر ہوں۔ آپ نے اس رسالہ کے متعلق جو رائے قائم کی، اور جس طرح بے لاگ اور قطعی لفظوں میں اپنا خیال ظاہر کر دیا، فی الحقیقت ایک راستی پسند انسان کا یہی شیوہ ہونا چاہئے لیکن جن آیتوں کا آپ نے ذکر کیا ہے، افسوس ہو کہ نہ تو ان کی تعبیر صحیح ہو، اور نہ وہ تاثر صحیح ہو جو آپ نے قبول کیا ہے۔ آخری چیز میں دہی اصولی غلطی کام کر رہا ہے جو چہر پھیلی سطویں بحث کر چکا ہوں

تیسری بات جو غلطی کی ہے، وہ غلطی عام ہے۔ اور اس واقعیت کا بھروسہ جو ایک ہزار سال کی سچائی کے باوجود ہندوؤں کو اسلام اور مسلمانوں کی نسبت ہے۔ میں نے بار بار خیال کیا ہے کہ اگر کسی ذریعہ سے ہم یہ باہمی نا اشنائی دور کر دے سکیں، تو باہمی مخالفت اور خوش کنی کی تہی بڑی، تدار خود بخود دور ہو جاسکتی ہے؟ مگر افسوس ہو کہ اس کا کوئی سالن نہیں ہوتا۔ آپ نے غالباً بعض اخباروں کے مضامین دیکھ کر یہ رائے قائم کر لی کہ ”مسلمان لیڈروں اور جمیعت العلماء نے فتویٰ دیدیا“ لیکن اگر آپ کو مسلمانوں کی اصطلاح ”فتویٰ“ کی حقیقت معلوم ہوتی جو بہت ہی معمولی اور کم ”تو کبھی بہت اچھے قلم سے نہیں نکلتی۔ آپ ”لیڈروں“ کے ساتھ ”فتویٰ“ سے بے انتہا حق سنا لیتے۔ آپ سے یہ غلطی بھی نہیں ہوتی کہ ان تمام باتوں کو جو کہیں ”لیڈر“ یا عالم نے عام مجلس کے ایک مقرر ہونے کی حیثیت سے کہی ہیں، یا اپنے اپنے انداز طبیعت کے مطابق نرم و گرم خیالات ظاہر کئے ہیں ”فتویٰ“ قرار دینے۔ بلاشبہ آپ ان تمام باتوں پر اس حیثیت سے نظر ڈال سکتے تھے کہ کہاں تک موزوں ہیں یا غیر موزوں ہیں لیکن انہیں ”فتویٰ“ کے لفظ سے تعبیر نہ کرتے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ ”فتویٰ“ نہیں ہیں۔

غالباً آپ کا خیال یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ پر ایک مسلمان، مذہبی قسم کی کوئی بات کہے، تو وہ ”فتویٰ“ ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح تو وہ ساری باتیں جو مسلمان جلسوں میں کہتے ہیں یا اخباروں میں لکھتے ہیں ”فتویٰ“ ہو جائیں گی۔ ”فتویٰ“ مسلمانوں کے دینی علوم کی ایک اصطلاح ہے، اور اس کا اطلاق صرف اس بیان پر ہوتا ہے جو ایک مذہبی عالم دین اس حیثیت سے دیتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں اس کے نزدیک شریعت کا حکم یہ ہے۔ جب تک ایک عالم شریعت اس حیثیت سے ایک بیان نہیں دے رہا ہے کہ ”فتویٰ“ نہیں ہے، اور نہ کسی مسلمان بھی اسے فتویٰ نہیں سمجھتا۔ اب آپ غور کیجئے کہ لیڈروں کی طرف ”فتویٰ“ منسوب کر دینا کسی افسوس ناک غلطی ہے؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ علماء بھی ”لیڈر“ ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن یقیناً یہاں لیڈر سے مقصد علماء نہیں ہیں مسلمان جامعوں کے علم سربراہ و مدد اشخاص اور سیاسی رہنما ہیں، اور یقیناً نہ تو وہ ”فتویٰ“ دیتے ہیں، نہ مسلمانوں میں کوئی شخص ان کے بیانات کو فتویٰ کی حیثیت سے قبول کرتا ہے۔

البتہ جمیعت العلماء مذہبی حیثیت سے ”فتویٰ“ دے سکتی ہے، لیکن یہ خیال صحیح غلط ہے کہ جمیعت العلماء نے ”رنگیلا رسول“ کے کچھ دالے یا چھاپے دالے کی نسبت کوئی ”فتویٰ“ جاری کیا۔ یہاں پھر دہی باہمی نا اشنائی اور نا اشنائی کی بلا آگئی ہے جو چند مسلمانوں کے تمام علماء پر

چھائی ہوئی ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح ”فتویٰ“ کی حیثیت اور نوعیت پر آپ کی نظر نہیں، اس لئے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ خود کیجئے، اس ایک معاملہ میں کیے بعد دیگرے کتنی غلطیاں پیدا ہو گئی ہیں:

اولاً، مسلمانوں میں شریعی حیثیت سے فتویٰ اسی وقت دیا جاتا ہے جب کسی خاص معاملہ میں شریعی حکم واضح کر دینا ہو تاکہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اس پر عمل کرے۔ موجودہ صورت میں ”فتویٰ“ کی گنجائش یہ نہیں تھی۔ ہندوستان میں ایک شخص نے اسلام کے خلاف دلائل کتاب لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ یہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہے، نہ شریعی قوانین نافذ ہیں، نہ مسلمانوں کے مذہبی گروہ کو کسی طرح کا دخل سیاست و تفریق میں ہے۔ جو کچھ بھی اس بارے میں کر سکتی ہے حکومت کر سکتی ہے اگر کوئی شخص اس میں مداخلت کرے گا مجرم ہوگا۔ پس ظاہر ہو کہ اس معاملہ میں مسلمانوں کے فتویٰ لینے یا دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اس درجہ مجبور یا احمق ہو جائے کہ وہ خیال کرے، ہندوستان میں اسے تفریق و سیاست کے احکام جاری کرنے کی قوت حاصل ہو گئی ہے اور اس نے فتویٰ دینا شروع کرے کہ فلاں آدمی کو قتل کر ڈالنا چاہئے، اور فلاں آدمی کو قیدیں ڈال دینا چاہئے لیکن آخر یہ ہو کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

ثانیاً، جمیعت العلماء کی نسبت یہ سمجھ لیا کہ چونکہ وہ علماء کی انجمن ہے اس لئے اس کی جانب سے جو کچھ بھی کہا جاتا ہے ”فتویٰ“ ہے، کس نہج نا واقفیت کی بات ہے؟ وہ ایک انجمن ہے، اور اس حیثیت سے وہ تمام طریقے اظہار رائے کے عمل میں لاتی ہے جو دنیا کی تمام انجمنیں عمل میں لایا کرتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جو چہرہ کار ردوائی کرنا ضروری سمجھتی ہے، تو تجویز کی شکل میں کوئی بات ترتیب دیتی ہو اور اسے منظور کر کے شائع کر دیتی ہے۔ اس معاملہ پر بھی اسے ایک تجویز منظور کی اور غالباً لائوہو میں اپنی جمیعت عالم (دکننگ کیٹی) کا ایک جلسہ کر کے اس کا اعلان کر دیا۔ وہ جمیعت العلماء کی ایک تجویز ہے۔ یقیناً لوگوں نے اسے اس درجہ اہمیت دی ہوگی جس درجہ اہمیت وہ جمیعت العلماء کی تجویز کو دیا کرتے ہیں، لیکن وہ ”فتویٰ“ نہیں ہے۔ کیونکہ ”فتویٰ“ دینے کی اس معاملہ میں گنجائش ہی نہ تھی۔ آپ جمیعت کی ایک تجویز کو ”فتویٰ“ کہہ سکتے ہیں۔

ثالثاً، جمیعت العلماء کی اس تجویز کا مضمون بھی اپنے صحیح طور پر معلوم نہیں کیا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے، وہ اصلیت سے اس درجہ بڑا ہوا ہے کہ اگر میں آپ کو کلمات کر دوں تو آپ کو ناخوش نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم آپ جیسی طبیعت کے آدمی کو ایک واقعہ کے نقل کرنے میں اس درجہ بے احتیاط نہیں ہونا تھا۔ جمیعت العلماء کی تجویز تمام اخباروں میں شائع ہو گئی تھی۔ میری نظر سے بھی گزری تھی۔ اگر آپ جہاں تو اُس وقت کا کوئی اردو اخبار حاصل کر کے دیکھ لے سکتے ہیں۔ اس میں یہ کہیں نہیں ہو کہ ”رنگیلا رسول کھٹے دالے اور چھاپے دالے کو قتل کر دینا چاہئے“ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آجانی چاہئے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص یا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کر لے بغیر کسی انسان کے قتل کی علانیہ ترغیب نہیں دے سکتی۔ اگر جمیعت نے یا کسی انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صحیح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔ دراصل وہ تجویز مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھی جی نہیں گئی تھی کہ اس طرح کی قاتلانہ ترغیب کی اس میں گنجائش ہوگی۔ اس کا تمام تر خطاب حکومت سے تھا۔ حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس طرح کے دلائل و دلائل کا سدباب کرے، اور اگر موجودہ قوانین ایسے لئے کافی نہیں ہیں تو نیا قانون نافذ کرے۔ البتہ اس تجویز میں اس بات کا حوالہ ضرور تھا کہ اسلامی قوانین میں دیا بصورت اسلامی حکومت

ہونے کے۔ مجھے اصلی الفاظ یاد نہیں ہیں، ایسے شخص کی سزا قتل ہو جو غیر اسلام کی عداوت میں ذلیل کرے۔ یہ حوالہ اس طریقہ سے دیا گیا تھا، ان کا صاف منشا یہ تھا کہ معاملہ کی اہمیت حکومت پر واضح ہو جائے۔ یعنی یہ بات اس کے علم میں آجائے کہ مسلمانوں کے دینی احساسات اس بارے میں کیا ہیں، اور ان کے نقطہ خیال سے یہ معاملہ کس درجہ اہم اور ضروری ہے؟۔ بلاشبہ اس بحث کی جاسکتی ہے کہ اس قدر اس قانون کا حوالہ دینا یا نہ کرنا کہاں تک صحیح تھا؟ ادنیٰ الحقیقت اسلام کا قانون کیا ہے؟ اس بارے میں میری رائے اور اسلامی قوانین کی حقیقت کی بحث آگے آئے گی اور آپ یہ معلوم کر لیتے کہ میرا خیال اور علم کیا ہے لیکن یہ حیثیت ایک صداقت اندیش انسان کے آپ کو انسان تمام لوگوں کو جو اس بارے میں طرح طرح کے تاثرات قبول کر رہے ہیں، یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ واقعہ کی نوعیت وہ نہیں ہے جو انہوں نے سمجھ رکھی ہے۔ ہر ایک معاملہ کی نسبت موافق رائے رکھتے ہوں یا نہ، احت، ہر حال میں ہمارا مقصد یہ ہے کہ معاملہ کو اس کی صحیح اور حقیقی صورت میں دیکھیں، اور جیسا کچھ بھی وہ ہے، اسے تسلیم کر کے، رائے قائم کریں۔ انصاف کیجئے، کہاں یہ بات کہ جمیعت العلماء نے ایک تجویز منظور کر کے حکومت کو صورت حال پر توجہ دلائی اور اس میں اس بات کا حوالہ دیا کہ اسلامی قانون اس بارے میں یہ تھا، اور کہاں اس کی یہ تعبیر کہ ”جمیعت نے فتویٰ دیدیا کہ قتل کر دینا چاہئے“؟ اس وقت دنیا کے کسی مذہب کے ماننے والے بھی ایسے نہیں ہیں جنہوں نے گذشتہ زمانے میں اپنے اپنے وقت کے مصلح کے مطابق قتل و تفریق کے احکام نافذ نہ کئے ہوں اور وہ ان کی کتابوں میں ثبت نہ ہوں۔ مختلف موقعوں پر بے محل یا با محمل ان کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے، لیکن کوئی شخص اس کا مطلب یہ نہیں سمجھتا کہ بحالت موجودہ انہیں نافذ کرنا مقصود ہے۔

رابعاً، اپنے جن لفظوں میں جمیعت کے بیان کردہ اسلامی قانون کی تعبیر کی ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں ”اسلام کا یہ قانون ہے کہ جو نبی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف کوئی بدنامی کرے، فوراً اسے مار ڈالنا چاہئے“ لیکن آپ یقیناً کچھ نہ تو جمیعت العلماء کی تجویز میں اس قانون کی یہ تعبیر تھی، اور نہ میری کتاب میں کسی مسلمان نے بھی یہ تعبیر کی ہے۔ جمیعت نے یا کسی دوسری جماعت نے اگر یہ کہا ہے کہ اسلامی حکومتوں کا یہ قانون تھا، تو اس کا صاف مطلب دہی ہو سکتا ہے جو حکومتوں کے قوانین کا عام طور پر ہوتا ہے۔ یعنی ان کے قوانین کی رو سے یہ ایک ایسا جرم تھا جو اگر عدالتی تحقیقات کے بغیر ہو جائے، تو اس کے لئے قتل تک کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ ”جو مسلمان کسی کو بدنامی کرتے دیکھے، اسے فوراً قتل کر ڈالے“؟ اسلام کے شریعی نظم کی رو سے تو کسی جرم کے لئے بھی ایسی آمار کی جائز نہیں ہو سکتی۔ تفریق و سیاست کے تمام احکام کا تعلق قضا سے ہے۔ یعنی آجکل کی بول چال میں عدالتی کارروائی سے کسی فرد کو بھی اپنی جگہ اختیار نہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور جس کسی کو اپنے نزدیک مجرم سمجھے سزا دے۔ یہ کام صرف حکومت اور عدالت کا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا، تو وہ اسلامی قوانین کی رو سے اسی طرح سزا کا مستحق ہوگا، جس طرح ایک قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہو سکتا ہے۔

میں نے اس حصہ بیان میں ضرورت سے زیادہ تفصیل اس لئے کہ میں چاہتا ہوں، یہ بات آپ پر واضح ہو جائے کہ واقعات کے مطابق دیہان میں وقت کی کوتاہیوں اور کچھ اندیشوں کا کیا حال ہے؟ کس طرح ایک بات بغیر کسی اشتباہ اور سمجھدگی کے، محض اس لئے کہچہ ہے کہ ہو جاتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے اور بے لاگ طریقہ سے معاملات پر نظر ڈالنے کی استعداد رکھ چکے ہیں اور جب کبھی کسی معاملہ پر بحث کرنے

افسانہ

غضبِ ناکِ محبوبہ

L'ARRABIATA

(پال ہنس کے قلم سے)

(۲)

اُس نے خیال کیا، آج دن ختم ہو گا۔ بے صبری سے رات کا انتظار کرنے لگا۔ تمکا ہوا تھا۔ خون بہانے کی دہرے بھی طبعیت کمزور ہو رہی تھی۔ ہاتھ کے زخم کا درد بڑھنے لگا۔ وہ لکڑی کی ایک جھوٹی سی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ کی ٹپٹی کھول کر پھر خون بہنے لگا۔ تیرا ہاتھ دم کر آیا تھا۔ بڑی محنت سے اُس نے ہاتھ دھویا۔ مٹی لائے تھو کے نشان صاف نظر آتے تھے!

”اُس کی کیا خطا ہو؟“ اپنے آپ سے کہنے لگا۔ میں جتنی ہو گیا تھا۔ مجھے یہی سزا ملنی چاہئے تھی۔ کل ٹپڑ ہیا کے ہاتھ اُس کا ردال پنا کر دیا گیا۔ ادا اب کبھی اُس کا سامنا نہ کروں گا!“

زخم دوبارہ دھویا۔ دانتوں کی مدد سے ٹپٹی باتھنی۔ پھوسے پر دراز ہو گیا۔ ادا آنکھیں بند کر لیں۔

وہ سمجھ نہ سکا، سوچا تھا ادا رات بھر جاگتا رہا۔ لیکن اُسے چاند کی دھندلی روشنی میں جب ہوش آیا تو ہاتھ جس سخت درد میں ہوا تھا۔

بیکام درد و اندسہ پر دستک کی آواز سنائی دی۔

موتیلا اُس کے سامنے کھڑی تھی!!

وہ بغیر اجازت کے اندر چلی آئی۔ بالکل خاموش تھی۔ سر و بال کھولا، ہاتھ کی ٹوکری، سامنے چھوٹے سے منبر رکھ دی۔

”اپنا ردال لینے آئی ہو؟“ انٹونیو نے پوچھا۔ ”ناحیہ تکلیف اٹھائی۔ میں خود کل صبح مجھ دینے والا تھا“

”ردال نہیں“ موتیلا نے ہاتھ پٹتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں اب سے پہاڑی پر بڑی بوٹی ڈھونڈ رہی تھی۔ لو، یہ لائی ہوں“

”تم نے بڑی تکلیف کی“ ملاح نے جوش مسرت کے احساس سے مضطرب ہو کر کہا۔ ”انفوس، تم بہت پریشان ہوئیں۔ مجھے تو اب آرام ہو۔ لیکن اگر تکلیف بھی ہو، تو اس کا سہی ہوں۔ تم ایسا نہ کیوں آئی؟ اگر کوئی دیکھ لے؟ تم لوگوں کی عادت جانتی ہو۔ انھیں ہر وقت کچھ نہ کچھ کہنا ہی چاہئے“

”میں کسی کی بھی بکواس کی پرواہ نہیں کرتی“ موتیلا نے غصا سے ہمدردی کے بے جملے لہجہ میں کہا۔ ”میں تمہارا ہاتھ دیکھنے اور دوا لگانے آئی ہوں۔ تم اپنے بائیں ہاتھ سے دوا نہیں لگا سکتے“

”میں دوا کا سہی نہیں ہوں۔ سچ کہتا ہوں“ انٹونیو نے تازہ کے ساتھ کہا۔

”اچھا مجھے ہاتھ دیکھئے۔ دے۔ اچھا ہوگا تو دوا نہ لگاؤں گی“

یہ کہہ کر موتیلا نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب انتظار کی قدرت سے باہر تھا۔ ٹپٹی کھولتے ہی دوشیزہ چلائی ”آہ، سچ!“

نہیں معمولی سادہ ہو۔ کل تک اتر جائے گا“ انٹونیو نے بے پردائی سے کہا۔

موتیلا نے سر ہلایا:

”تم ایک ہفتہ سے پہلے سمندر میں لوٹ نہیں سکتے“

”ادھ، ایک ہفتہ، دو ہفتے، دس ہفتے، ملاح نے لڑکھٹا۔

موتیلا اُس کا زخم بڑی توجہ سے دھونے لگی۔ وہ چھوٹے پتے کی طرح کراہتا تھا۔ موتیلا نے زخم پر دوا خوب دی۔ ٹپٹی بانہ دی۔

”موتیلا! شکریہ!“ انٹونیو نے انعام پا کر کہا۔ ”اگر مجھ پر ایک ادا احسان کرنا چاہو، تو وہ یہ ہو کہ میرا دن دلاقتو معاف کر دو۔ میری سب باتیں قبول جاؤ۔ نہیں معلوم ایسا کیوں ہوا؟ ہرگز نہیں اٹھاؤ گا کوئی خطا نہیں تھی۔ اب میری زبان سے کبھی کوئی ناگوار بات نہیں سونگی.....“

”نہیں نہیں، مجھے معافی مانگنی چاہئے“ موتیلا نے جلدی سے کہا۔

نے بہت بہت انتظار کیا مگر دوشیزہ نے اُس کے زخمی ہاتھ سے ڈاٹھنے کی اور خود چلائے لگی۔ وہ ملاح کو نہیں سمجھتی تھی، لیکن ڈاٹھنے پر اُس کے ہاتھ کے خون کے جو قطرے لگ گئے تھے، اُن پر نظریں گر گئی تھیں۔

دلوں چپ تھے۔ چہرے اترے ہوئے تھے۔ جب ساحل کے قریب پہنچے تو ابھی گیر صاحب سلامت کرنے لگے بعض بعض نے آنکھوں ہی آنکھوں میں باہر گر اشارت بھی کئے۔ لیکن وہ دواؤں بالکل خاموش رہے۔ اُن میں ذرا بھی جھنجھٹ نہ ہوئی۔

سوج ابھی تک باقی تھا۔ کنارہ آگیا۔ موتیلا نے اپنے کپڑے دھوت کئے اور اتر پڑی۔

صبح دلی ٹپڑا اپنی بوٹی کے ساتھ دھن مٹی چرھا کا ت دہی تھی۔ ”انٹونیو! ملاح کو دیکھ کر چلائی“ تیرے ہاتھ میں کیا ہوا؟

خدا خیر کرے! تیری کشتی بھی خون سے رنگیں ہو!“

”کچھ نہیں“ انٹونیو نے افسردگی سے جواب دیا۔ کشتی میں ایک کیل بچل آئی تھی۔ اُس سے زخم لگ گیا۔ سچ کہ اچھا ہو جائے گا۔ یہی زیادہ خون تو میرے لئے طبعیت تھا۔ زخم کی راہ نکل گیا“

”میاں آؤ، میں ٹپٹی بانہ دوں“ نیکل ٹپڑیلے کہا۔ ”ذرا ٹھرو، میں ابھی کوئی جڑی بوٹی لاتی ہوں“

”شکریہ“ انٹونیو نے کہا۔ زحمت نہ رو۔ زخم بھر گیا ہو۔ صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ میری تمہاری اچھی ہو۔ معمولی تکلیف کا کوئی اثر نہیں ہوتا“

”خدا حافظ!“ موتیلا نے کہا، جو اب تک کھڑی ٹپڑیا کی باتیں سن رہی تھی۔

خدا حافظ!“ انٹونیو نے اُس کی طرف نظر اٹھائے بغیر جواب دیا۔

موتیلا اپنے گھر واپس ہوئی۔ انٹونیو نے بھی بے دلی کے ساتھ اپنی ڈاٹھ اور ٹوکریاں اٹھا کر ادا بھونڈنے کی راہ لی۔

انٹونیو اپنے چھوٹے سے جھونپڑے میں لپٹا ہوا۔ بہت پریشان ہو۔ کسی پہلو میں نہیں۔ اٹھ کر بیٹھنے لگا۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور بے شیش کی کھڑکیوں سے اندازہ تھا تھی۔ تنہائی اس کے لئے ایک حد تک آرام دہ تھی۔ دیوار پر مقدس کنوادی (درم علیہ السلام) کی تصویر لٹک رہی تھی۔ وہ تصویر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کنوادی کے سر پر تاروں کی آرائش دیکھی۔ لیکن نماز پڑھنے کو جی نہیں چلا۔ وہ نماز کیوں پڑھو؟ ابھی ابھی وہ اپنی زخم کی تمام آرزوئوں سے محروم ہو چکا ہوا!

انٹونیو، لڑکی کے فرق ہونے کے خون سے سناٹے میں آگیا۔ ہمت بنا کھڑا تھا۔ اُس کے داغ میں کوئی خیال بھی باقی نہیں رہا تھا۔ آسان پڑھنے والے اس طرح کھڑا تھا، گویا کسی مجسمے کا انتظار کر رہا ہو!

آخر کار اُس کے حواس درست ہوئے۔ اُس نے ڈاٹھ اٹھائی اور پوری قوت سے کشتی، لڑکی کی طرف لے چلا۔ اُس کی آنکھیں لڑکی پر جمی تھیں۔ اُسے بالکل خیال نہ رہا کہ اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ بہ رہا ہو۔

موتیلا بڑی تیزی سے پیرتی چلی جاتی تھی۔ مگر کشتی اُس کے قریب پہنچتی تھی۔

”خدا کے لئے کشتی پر آ جاؤ!“ انٹونیو چلا۔ ”میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ خدا جانے میری عقل پر کیسے پھر پڑ گئے تھے۔ گویا مجھ پر کبھی گرجی تھی۔ میرے سینے میں آگ کا تہوہل اٹھا تھا۔ موتیلا! میں معافی ایک کی درخواست نہیں کر سکتا۔ میں معافی کا بھی سہی نہیں ہوں۔ بس میری التجا صرف اتنی ہو کہ کشتی پر چلی آؤ۔ ہلاکت ہو!“

موتیلا برابر پیرتی رہا۔ گویا اُس نے سنا ہی نہیں۔

”وہ ساحل تک پہنچا تھا!“ انٹونیو نے پھر کہا۔ ”ابھی پورے دو میل باقی ہیں۔ اپنی بیاریاں کا خیال کر دو۔ اُس کا کیا حال ہو جائے گا؟ اگر تمہیں نقصان پہنچا تو میں بھی جان لے دوں گا“

موتیلا نے سامنے نگاہ کر کے ناصبر دیکھا۔ پھر بفر کوئی جواب دے کشتی کی طرف آنے لگی۔ کشتی کا کنارہ پکڑ لیا اور پڑ پڑنے لگی۔

انٹونیو، ادا راہ دینے کے لئے اٹھا۔ کشتی ایک طرف جھک پڑی۔ ملاح کی جادو کنا بے دھکی تھی۔ پانی میں گر پڑی۔ لڑکی نے سہارا لینے سے اجنبانہ کیا۔ پھرتی سے اوپر اٹھی اور اپنی پہلی جگہ پر خاموش جا بیٹھی۔

انٹونیو نے اُسے مطمئن دیکھ کر پھر کشتی کھینا شروع کر دی۔ موتیلا اپنے ال ہاتھوں میں لے کر ٹھوڑے لگی۔

”بیکام موتیلا کی نظر کشتی کی زمین پر پڑی۔ وہ خون سے رنگین تھی اُس نے مٹا انٹونیو کے ہاتھ کی طرف نظر اٹھائی۔ ہاتھ سخت زخمی تھا۔ مگر وہ پوری قوت سے کام کر رہا تھا۔

”یہ تو“ موتیلا نے کہا اور اپنے ردال کی طرف اشارہ کیا۔ انٹونیو نے موتیلا کو دیکھ کر بغیر میرے اشارے سے انتظار کر دیا۔ ادا کشتی چلا رہا تھا۔ پوری دیر بعد موتیلا اپنی جگہ سے اٹھی۔ آگے بڑھی۔ ملاح کے سامنے بیٹھ گئی، ادا اپنے ہاتھوں سے اُس کا ہاتھ بانہ بنے لگی۔ انٹونیو

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کئی تہذیبی و علمی کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے! انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور متحدہ ممالک میں شائع ہوا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے سلسلے سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے

ہر چھ ماہ کے

بندنے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ راجی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی روش سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی کون داری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیازہ مذہب ہلت تمام نوع انسانی پر کھلی دیا ہے؟
قیمت ۱۲/- (منیر الملال کلکتہ)

اگر آپ کو

دومہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سوتور سے دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپ کو مطلع کرنے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجاسکیں

جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی کمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بوک برٹن

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے ملے گی

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت دنیا کا بہترین فائنٹن قلم

امریکن کا رنشا شیفر

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) آٹھ سو روپے اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا

یہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہو سکتا

(۲) مضبوط اور یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی بھر

کام دے سکتا ہے

(۳) آٹھ سو روپے، سبز، سرخ اور سنہری

بیل نوٹوں سے مزین کہ آٹھ سو روپے قلم دنیا

میں کوئی نہیں

کم از کم تجھے کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو شیفر

کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دہذی علوم کے بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے امامین کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اسوہ حسنہ سے ایمام ابن فیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد آڑھائی روپیہ -

دعاب الوسيلہ — لفظ ”وسيلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ
 نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی
 ہے۔ بلا جلد ازھائی رپیہ، مجلد سوا تین رپیہ۔

اصحاب صفہ — انکی تعداد 'دربعہ معاش' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے۔

تفسیر سورۃ الکوتر — امام ابن ندیمہ کے مخصوص انداز تفسیر کا اردو ترجمہ - چار آے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل
بیان کیا ہے - چہ آنے -

سبوت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے سرکاری حالات زندگی
بہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ نو آنے

بجد و حجاز — علامہ سید محمد بشید رضا مصری بی ڈاڑہ کتاب
کا اردو ترجمہ - سوا روپیہ -

اُئمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ اے
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ اے

صبح سعادت — بہ ابک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کارش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین نازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24. LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

گاہ گاہ ہے باز خوان این دقیر پارینہ را
آمارہ خوابی دشتن گرد اغمانے زمینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراک کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابرار، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ تھیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دوسرے میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کیے ہوں، ان کی بڑی قیمت پر بھی غلغلہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں گے۔ ”البلagh پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب نے نئے جتن قدر تکمیل جلدیں مرتب کی۔ چاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ بہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اس علامہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہو گئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ ساینٹین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرے میں جلدی کریں۔ چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پہونچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی اندکس بہ ترتیب حروف نہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ ربیعہ
 " " چہارم ۱۰ ربیعہ
 الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ ربیعہ
 " " پنجم ۱۰ ربیعہ
 جلد " البلاغ " (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نلم سے شائع ہوا)
 قیمت ۸ ربیعہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں، جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

مہاجر "البلاغ پریس"

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تہذیب و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں، پرانے سکہ،
اند نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے نسخے
عجائب و نوادہ، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہمارے نمائش
گاہوں اور ذخائر کی فرسٹیں ہی سہی سنبھالیجئے۔ اہل علم و ادب، دولت مندوں کے لئے
ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نواد عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مہامی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران،
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتی تجب انگیز عہد تک اذراں ہیں!

بر عظم یورپ امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادہ حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ قارئین کے لئے ایوان شاہی کے نوادہ ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادہ موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن
ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے محل سے

الحمد لله رب العالمين

مبلغ پیر کلکتہ

قیمت

۵ روپے آنہ

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

سرزری ہے کہ

ٹائمز اف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے فلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز اف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور رہبر بحث ادبی موائد پر بھی ہوتے ہیں جہی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو۔ برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گھر ملکوں کے میوڑوں کو خشک کرے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میوڑوں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو ”نئے سسٹم“ کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس ”نئے سسٹم“ کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ، ختم ہونے والے کارخانوں سے تجارت کر سکیں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام مواد خریدیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تہذیب سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گھر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کونپنیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

الہلال

ایک ہفتہ وار مصورسال

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۲۴ - ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۱۸

Calcutta : Friday, 21, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطریں کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۴۹۲ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۱۷	اردو حروف کی حق میں	۴۱۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۴۶۴	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۵۰	تسلیم ہوں	۱۵۱

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔
آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا نے تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کرنے کی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

فیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
خدمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ”مدیجر الہلال“ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مصامدین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر ”اندبتر“ کا نام ہونا چاہئے

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عدالت خط و کتابت میں ایسا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خبرداری لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) اگر کسی صاحب نے پاس کوئی پرچہ نہ بھیجے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دے۔ ورنہ یہ صورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر اب در بدن ماہ کیلئے ایک حکم سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو ایسا پتہ تبدیل نہ فرمائیے، مضمونی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر اندظام کر لےجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں -

(۷) مذہبی اقدار روانہ کرتے وقت فارم کے کاپی پر ایسا نام و پتہ ضرور لکھیں -

(۸) اہمے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر عبر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

کے بالکل خلاف ہیں ”خواہ ریاضی کے قواعد اور درجین کے مشاہدات کا کتنا ہی دعویٰ کیوں نہ کیا جائے، لیکن ایک ایماندار مسیحی کو کبھی تسلیم نہیں کرنا چاہیے“!

یہ علم دھمکنی صرف ورنہ مطلقہ ہی کا خاصہ نہ ہی۔ جدید پورٹسٹنٹ کو بھی وراثت میں ملی تھی۔ چنانچہ انیسویں صدی کے آخری برسوں میں مشن ہالچرس کے بہت سے استاد اس جرم پر خارج کر دے گئے تھے کہ وہ جدید علم ہیئت پر اعتقاد رکھتے تھے اور اس لیے ملحد تھے!

(کلیسائی علم و استدلال)

لاہونی عدالت میں گلیلیو کی سزا یابی کے بعد رومن کیتھولک کلیسا کی ہدایت سے کئی کتابیں لکھی گئی تھیں، تاکہ کوپرنیکوس کی ”گمراہی“ مسیحی دلوں سے دور کی جائے۔ چنانچہ سیڈیمونٹی اپنی کتاب میں زمین کو ساکن ثابت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”جو حیوانات حرکت کرتے ہیں، اُن کے اعضاء اور عضلات ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ زمین نہ تو اعضاء رکھتی ہے، نہ عضلات، اس لیے وہ حرکت نہیں کرسکتی۔ وہ فرشتے ہیں، جو محل، مریخ، آفتاب وغیرہ کو حرکت دیتے رہتے ہیں۔ اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ زمین متحرک ہے، تو اُسے حرکت میں لانے کے لیے ضروری ہرگا کہ اُس کے مرکز میں ایک فرشتہ ہو۔ حالانکہ معلوم ہے کہ فرشتے زمین کے اندر نہیں رہتے۔ رہا تو صرف شیطان کا سیوا ہے۔ اگر کہا جائے کہ شیطان زمین کو متحرک رکھتا ہے، تو وہ ناقابل تسلیم ہے۔ کیونکہ شیطان کے اسے اعمال کتاب مقدس سے ثابت نہیں!“

کاس اس مسیحی علامہ کو معلوم ہوتا کہ اگر سڈروں کی حرکت کیلئے فرشتوں کی تلاش ہے، تو وہ فرشتہ موجود ہے۔ اس کا نام ”فوت جذب و دفع“ ہے!

پولاک اپنی کتاب ”کوپرنیکوس کے رد“ میں اس طرح گہرا فحشائی کرتا ہے:

”کتاب مقدس کی نصیحہ موجود ہے، کہ زمین ساکن ہے اور سورج چاند گردش میں ہیں۔ اگر کبھی ہم دیکھیں کہ سورج چاند متحرک نہیں ہیں، تو کتاب مقدس کی زور سے ہمیں ماننا پڑے گا کہ وہ تبدیلی کسی عظیم معجزے کی بنا پر پیدا ہوئی ہے۔ اس کے خلاف جننے خیالات ہیں، اُن کی اشاعت بڑی سختی سے روک دینی چاہیے، کیونکہ انہیں زمین کے متعلق ایک ایسی رائے پیش کی جاتی ہے جو کتاب مقدس کے صریح خلاف ہے“

بہر عقلی دلائل اور مشاہدے سے بھی استدلال کرتا ہے:

”اگر تسلیم کر لیا جائے کہ زمین حرکت کرتی ہے تو پھر مشاہدات کی توجیہ کیا کی جاسکتی ہے؟ اگر ایک تیز آسمان کی طرف پھینکا جائے، تو وہ اپنی جگہ واپس آجائے گا۔ حالانکہ بدر بہت دور جا کر گونا چاہیے۔ کیونکہ نئے نظریے کے بموجب زمین ارجح سرعت سے مشرق کی طرف جا رہی ہے۔ اگر وہی الواقع زمین متحرک ہوئی تو زمین کا یورا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا“

اسکے بعد لکھتا ہے:

”کوپرنیکوس کے نظریے کے بموجب زمین کا متحرک ہونا، خود زمین کی طبیعت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ زمین صرف ٹھوس

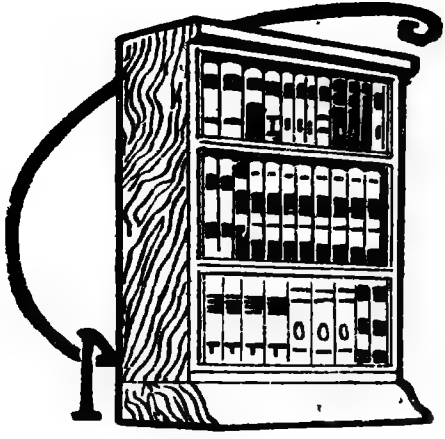
صرف اوتھر اور میلان ہی نے اس علمی تحقیق کی مخالفت نہیں کی، بلکہ پورٹسٹنٹ کلیسا کے آرز بہت سے اقطاب بھی سخت مخالف رہے۔ چنانچہ کالون نے اپنی کتاب ”حواشی بر سفر نکوس“ میں کوپرنیکوس اور اس کے ہم خیالوں پر بڑی سختی سے حملہ کیا ہے اور اُن سب کو کافر اور ملحد قرار دیا ہے جو زمین کو نظام کائنات کا مرکز تسلیم نہیں کرتے۔ وہ زبور کی آیتیں پیش کرتے ہیں کہ بعد سوال کرتا ہے ”وہ کون ہے جو کوپرنیکوس کو روح القدس کی سی عظمت رکھنے والا سمجھتے ہیں؟ جرات گرسنا ہے؟“

کالون کے جانشین، تریٹن کی بھی یہی رائے تھی۔ کیلر اور بیوٹن نے جب کوپرنیکوس اور گلیلیو کے نظریے پر پوری طرح ثابت کر دیے، اور ان کے لیے غیر منزلزل قواعد مقرر کر دیے، تب بھی تریٹن اپنی لاہونی کتاب شایع کرنے سے باز نہیں رہا، اور کتاب مقدس کے نصوح سے ثابت کرنا چاہا کہ آسمان، سورج، اور چاند زمین کے گرد گھومتے ہیں، اور خود زمین نظام کائنات کے مرکز میں قائم و ثابت ہے!

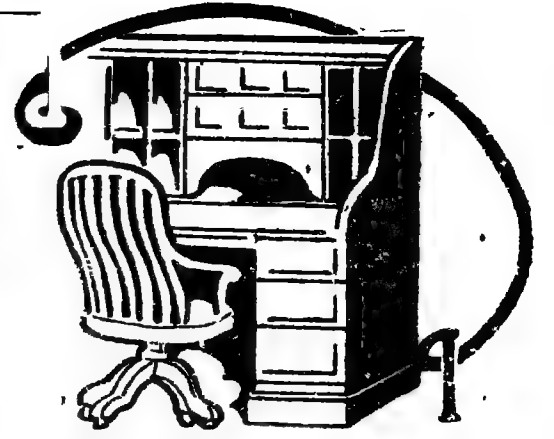
تاریخ انگلستان میں بھی اس لاہوتی جد و جہد کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ ہٹسن نے اپنی کتاب ”اصول موسوی“ میں، ڈاکٹر سموئیل بیک کے ”مقدس فلسفہ“ میں، ”ورن“، ”اسقف ہورسل“ اور ”روس وغیرہم نے اپنی اپنی تفسیروں میں نیوٹن کے نظریے کی بڑی سرگرمی کے ساتھ مقاربت کی ہے۔ کتاب مقدس کی آیتوں سے مسلم ہو کر اُس پر ثبوت پڑے ہیں۔ یہی حال ڈانٹر جان اوبن کا ہے، جو پیورٹین مذہب کا ایک بڑا خطب مانا جاتا ہے۔ اُس نے انتہائی دبدہ دلیوری سے اعلان کر دیا کہ ”کوپرنیکوس کا نظریہ، سراسر وہم و خیال ہے۔ کیونکہ نصوح رچی کے برخلاف ہے“ مشہور جان دیسلے بھی اس گروہ سے باہر نہیں ہے۔ اُس کا صاف اعلان تھا ”حدبد فلکی نظریے کفر و الحاد کی طرف ایچانے والے ہیں“

سولہویں صدی کے وسط میں شہر وینڈرگ میں (جو پورٹسٹنٹ مذہب کا مرکز تھا) دو عالم رتی کوس اور رینالڈ رھتے تھے۔ انہوں نے کوپرنیکوس کے مذہب کی تحقیقات کی تھی، اور اُسے حق سمجھتے تھے۔ لیکن انہیں اجازت نہیں دی گئی کہ اپنے طالب علموں پر اپنا یہ اعتقاد ظاہر کریں۔ رتی کوس نے تو ننگ آکر یونیورسٹی سے استعفا دے دیا، تاکہ آزادی کے ساتھ اعلان حق کرسکے۔ لیکن رینالڈ یہ نہ کرسکا۔ اُسے مجبور ہونا پڑا کہ قدیم مذہب کی حمایت کرتا رہے۔ اُسے حتم دیا گیا تھا کہ اپنے درس میں کوپرنیکوس کے مذہب کا کوئی ذکر نہ کرے۔ اگر کبھی اسارہ کرنا پڑے تو پھر اُس پر بطلموسی نظام کو ترجیح دے۔ اُس نے اس حکم پر عمل کیا۔ لیکن اُس پر بھی تغیر سے محفوظ نہ رہ سکا، اور بالآخر ذات کے ساتھ یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ اُس کی جگہ ایک نیا اسناد مقرر ہوا تھا۔ اس معلم نے بی بی پھلی تفریر اس جملے سے شروع کی تھی: ”کوپرنیکوس کا نظریہ، بدیہی طور پر غلط ہے۔ خلاف عقل ہے۔ ہرگز علمی مرکزوں میں اُسکا ذکر نہیں کرنا چاہیے!“

پورٹسٹنٹ لاہوتیوں نے صرف اندے ہی پر انکفا نہیں کیا، بلکہ تعلیم گاہوں میں بھی ایسی کتابیں داخل کر دیں، جو قدیم خرافات کا مجموعہ تھیں۔ چنانچہ کالون ہڈسل نے مدارس کے لیے ایک مختصر کتاب ”اصل کائنات اور نظام موسوی کا اتباع“ لکھی تھی اور ثابت کیا تھا کہ کوپرنیکوس کے فلکی نظریے کتاب مقدس



مقالات



علم اور کلیسا کا معرکہ



دایساتی جہل و جہود نے بعض تاریخی حقائق



دینی عدالت کو حکم دیا گیا کہ اس ”ملحد“ کو گمراہی سے روکا جائے اور کلیسا کی اطاعت پر مجبور کیا جائے۔ دلیل و برہان سے نہیں جس سے کلیسا تہی دست تھا۔ لوہے اور آگ سے جس کی کنیسے کے پاس کوئی کمی نہ تھی !

لیکن کیا لوتھر اور اُس کے پیرو اس ”الحاد“ کے کم دسمن تھے ؟ کیا انہوں نے عقل کے قید کرنے اور گمراہی کے پھیلانے میں کوئی کمی کی ؟ اس کا جواب ہم خود لوتھر کی زبان سے سن سکتے ہیں۔ کوپر نیکوس کا رد کرتے ہوئے وہ کہتا ہے :

”لوگ ایک معجزوں نجومی کی بکواس پر کان دھرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ زمین گردش کرتی ہے، نہ کہ آسمان۔ واقعہ یہ ہے کہ لیاقت اور دانائی میں شہرت حاصل کرنے کا ہر خواہش مند انسان کوئی نہ کوئی بیا نظریہ پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ مدعی ہوتا ہے کہ اُس کا نظریہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ یقینی ہے۔ یہ اسباب زندہ انسان آج اُنہا ہے کہ علم ہئیت کے تمام قواعد و اصول تہ و بالا کردالے۔ حالانکہ کذب مقدس میں صاف لکھا ہے کہ یسوع نبی نے سورج سے کہا، ”تیرا جا۔ لیکن زمین کو ایسا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ وہ خود ہی تہری ہوئی ہے“

ایک دوسرے پرتستنت مصلح میلان کا لہجہ اس ”الحاد“ کے مقابلے میں لوتھر سے نرم ہے۔ لیکن وہ بھی اپنی کتاب میں (جو کوپر نیکوس کی وفات کے چھ برس بعد شائع ہوئی ہے) لکھتا ہے :

”ہماری آنکھیں مشاہدہ کرتی ہیں کہ آسمان ہر چوبیس گھنٹے میں گھوم جاتے ہیں۔ لیکن بعض جدت پسندوں نے مشہور کرنا شروع کر دیا ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے نہ کہ فلک ثانی اور آفتاب۔ اس قسم کے خیالات کی علانیہ اشاعت اور اُن کے ذریعہ مخلوق کی تضلیل، بلند ہمتی اور دیانت داری کے قطعی خلاف ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کے لیے مکررہ نتائج پیدا کرے والا نمونہ بن جائیگا۔ جو کوئی بھی بیک کا طالب ہے، اُسے حق سے روگردانی نہیں کرنی چاہئے۔ وہ حق، جو خداوند خدا نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، اور جسے سوا سب کچھ باطل ہے“

اس کے بعد بھی مسیحی مصلح مزامیر دارد اور دیگر مقدس صحیفوں کا حوالہ دے کر دعوی کرتا ہے ”ان سے پوری وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین تہری ہوئی ہے اور سورج اُس کے گرد گھومتا ہے“۔ انڈھی نہیں بلکہ اپنے بیان کے اثبات میں وہ عقلی دلائل بھی پیش کرتا ہے، اور پھر وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ ”زمین اُسی حالت میں ایک جگہ قائم رہ سکتی ہے جبکہ وہ اس دائرات کے وسط میں ہو“ پھر اُسے غصہ آجاتا ہے۔ وہ غضب ناک ہو کر کہتا ہے ”اُن لوگوں کو سخت عبرت انگیز سزائیں دینی چاہئیں جو کوپر نیکوس کی تعلیم کی اشاعت کرتے ہیں“ !

گزشتہ تین صدیوں سے دین اور علم کی معرکہ آرائی کا غلغلہ بلند ہے۔ لیکن مئی الحقیقت یہ معرکہ دین اور علم میں نہیں ہے۔ دینی جماعتوں اور علم کے مدعیوں میں ہے۔ اُتر یہ دونوں صف آرا جماعتیں مبدان سے ہٹ جائیں، تو پھر صرف علم اور دین باقی رہ جائیگا اور دنیا دہانہ نیگی کہ ان میں کوئی نزاع نہیں ہے !

یورپ میں جب نئی علمی ترقیات نے نشرو نما بائی، تو دین، مسیحی کلیسا کی شکل میں موجود تھا۔ علمی حلقوں کا تصادم کلیسا کے جمود و تعصب سے ہوا، اور اس نے معرکہ علم و دین کی صورت اختیار کر لی۔

ہماریکے میں تدریس کے اور یورپ میں کبلی نے اس معرکہ آرائی کی داستانیں لکھیں، اور ”علم“ کی فتح مندوں اور ”دین“ کی ہزیمتوں کا غلغلہ ہر طرف بلند ہو گیا۔ حالانکہ اس فرضی معرکہ آرائی میں انہوں نے جس فرض کو ”دین“ کے نام سے پکارا ہے، وہ دین نہ تھا، دینی جماعتوں کا ایک خاص نظام تھا جو کلیسا کے نام سے قائم ہو گیا ہے۔ اگر وہ ”دین“ کی جگہ ”کلیسا“ کا لفظ اختیار کر لیتے، تو یہ پورا رزم نامہ اپنی جگہ صحیح ہو جاتا، اور ہمیں علم کی فتح مندوں اور کلیسا کی ہزیمتوں کے اعتراف میں درا بھی تامل نہ ہوتا۔ جان ڈکنسن، اور ہر فیسر و ہائٹ نے تدریس اور کبلی کی یہ غلط اندیشی دور کرنی چاہی، لیکن اُن کی صدائیں زیادہ بلند اور مقبول نہ ہو سکیں۔

(پرتستنت کلیسا اور دین)

انیسویں صدی کے آخر میں اکثر مصنفوں نے اس نزاع کی دسمہ داری زمرن کیتھولک دیسے پر قادی ہے اور اُسی کو ”علم“ کی دُشمنی اور علماء کی تعذب کا مجرم قرار دیا ہے۔ گویا اس کنیسے کے سوا کسی دوسرے مسیحی کلبے کے علم کی کوئی مقاومت نہیں کی۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ روشن خیالی اور تسامع علمی میں سب سے زیادہ مشہور کلیسا، پرتستنت بھی عقلی نقد نظری اور عام دشمنی میں زمرن کلبے سے پیچھے نہیں رہا۔ لوتھر نے حاشیہوں نے ہی علم دشمنی میں رسی ہی عجز و دلہ زج پیدا کر دی تھی، جبسی صدیوں سے قدیم کلیسا میں موجود تھی۔

تاہم لوتھر نے جب کوپر نیکوس نے نظریے کی حقائق ثابت کر دی، اور دور بین کے ذریعہ چاند میں پہاڑ، سورج میں دھبے اور عطارد کے اقمار دکھا دیے، تو زمرن کلبے غلط و غضب سے ”معجزوں ہو گیا۔

فعل کی تصریف یوں ہوتی ہے :

(مصدر)	(محبت)
mi Amaŝ	میں محبت کرتا ہوں
mi Amis	میں نے محبت کی
mi Amos	میں محبت کرونگا
mi Amus	شاید میں محبت کروں
Amu	محبت کرو
Aman ta	محبت کرنے والا
Amin to	محبت کرتا تھا
Amon te	عنقریب محبت کریگا

اسپرانٹو زبان میں مسیحی نماز کی دعا کا ترجمہ یہ ہے :

Patro nia Kiu estas en la cielo,

اے ہمارے باپ تو جو آسمان میں ہے !

sankta estu Via nomo Venuregeco Via.

تیرا نام پاک مانا جائے ، تیری بادشاہی آئے !

Estu rolo Via Kiel en la cielotiel ankau, sur la tero.

تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے ، زمین پر بھی ہو !

Panou mian ciu tagan donu almi hodiau.

ہماری روز کی روزی آج ہمیں دے !

Kaj pardona al ni suldojon niajn.

ہمارے قرض ہمیں بخش دے !

Kiel ni ankau pardonas al niajsuldantoj.

جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو بخش دیا ہے !

Ni Konduku nin en tenton.

ہمیں آزمائش میں نہ پڑے دے !

Sed lilerigu nin de la mallona.

بلکہ ترائی سے بچا !

Amen !

آمین !

الہلال کی ابتدائی نمبر

الہلال سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر ، بعدی نمبر :
 سے ۴ - تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں ، وہ درگنی
 قیمت پر خریدنے کے لیے طیار ہیں - دفتر کو اطلاع دی
 جائے -
 مہاجر

سمجھتے - میں نے خیال کیا ، اپنے گاؤں کے لیے کوئی ایسی
 زبان ایجاد کرنی چاہئے ، جو سب کے لیے آسان اور قابل فہم ہو -
 اسپرانٹو ، اسی خیال کا نتیجہ ہے ۔

یہ کام آسان نہ تھا - ڈاکٹر مذکور کو یورپ کی تقریباً تمام
 زبانیں سیکھنی پڑیں - سب کی صرف و نحو میں مہارت
 حاصل دی ، اور ایک بالکل نئی زبان اور نیا قاعدہ بنانا پڑا -
 سنہ ۱۸۸۵ ع میں اُس نے اپنی تعلیم ختم کی تھی اور طبابت
 کا پیشہ اختیار کر لیا تھا - تاہم اُس کی تمام تر توجہ اس نئی زبان
 کی تکمیل و اشاعت ہی پر صرف ہوئی رہی - سنہ ۱۸۸۷ ع میں
 اُس نے اس زبان کی پہلی کتاب شائع کی - اُس کا نام ” عالمگیر
 زبان “ تھا -

شروع شروع میں اُسے سخت ناکامیابی ہوئی - سب لوگ اُسے
 معجزوں فراز دیتے تھے - کوئی اُس کی مدد پر کھڑا نہیں
 ہوتا تھا - لیکن بتدریج یورپ میں اُس کا خیال مقبولیت حاصل
 کرے لگا ، اور اس زبان کی ترقی کے لیے پیرس میں ایک انجمن
 ” Esperantistes Pacifiques De Paris “ کے نام سے قائم
 ہو گئی -

سب سے پہلے سنہ ۱۸۷۸ میں دنیا نے یہ نئی زبان سنی -
 ڈاکٹر موصوف کے ایک جلسہ میں اس زبان کی ایک نظم سنائی -
 اس کے ابتدائی بند مع ترجمہ حسب ذیل ہیں :

En La mondo vanis nova sento

دنیا میں ایک نیا شعور آیا -

Fra La mondo iras ferto voko

دنیا میں ایک طاقتور دعوت پھیلنے لگا

Per de flugiloj de facila vento

ہلکی ہوا کے نازوں پر

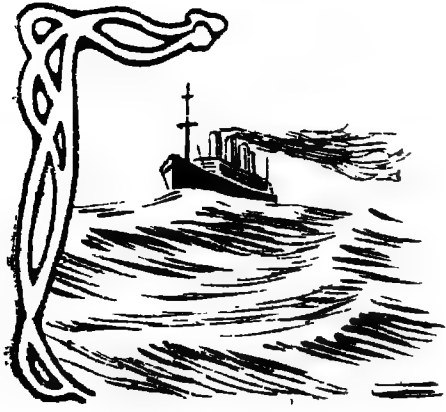
Nun de loko flugu gi al loko

اُسے ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑنے دو !

اسپرانٹو ، اس قدر آسان زبان ہے کہ اُس کے تمام قواعد ایک
 گھنٹہ کے اندر معلوم کر لیے جاسکتے ہیں - اُس کے الفاظ کی تعداد
 صرف دو ہزار ہے - تیندھنے کی مزارات کے بعد گفنگو اور نحویر
 بخوبی کی جاسکتی ہے - اُس کے تمام الفاظ یونانی ، لاطینی ،
 جرمن ، روسی ، فرانسیسی ، اور انگریزی زبانوں سے ماخوذ ہیں -
 اُس میں صرف ۲۳ حرف ہیں - u, s, j, h, g, c - دو حرفوں کے
 قائم مقام ہونے ہیں - کوئی ساکن حرف نہیں ہے - جو حرف لکھا
 جاتا ہے ، تلفظ بھی کیا جاتا ہے - شد افعال بھی نہیں ہیں -
 معرفہ کا صرف ایک حرف ہے اور وہ La ہے -

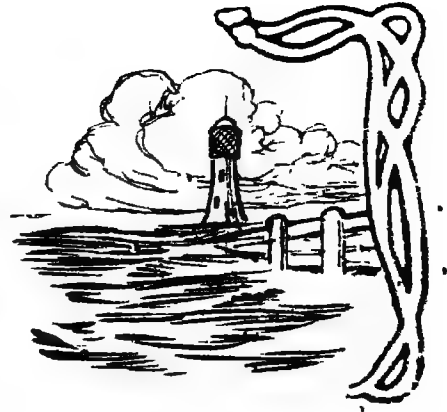
الفاظ کی قسمیں اُن کے اواخر سے پہچانی جاتی ہیں -
 مثلاً Patro (باپ) میں o اسم کی علامت ہے - Patra (ابوی)
 میں a نعت یا تثبت کی علامت ہے - Patre میں e ظرف
 کی علامت ہے - Palri میں i فعل کی علامت ہے -

حروف علت ، a, e, u, o, جب اصل لفظ سے ملا دیے جاتے
 ہیں ، تو وہ لفظ یا تو صفت ہو جاتا ہے یا ظرف ، فعل ،
 اور اسم -



زبان

بیز



دنیا کی مشترک اور عام زبان



کیا تمام دنیا میں ایک مشترک زبان رائج ہو سکتی ہے ؟



اسپرنٹو



گڈشنہ مہیڈے میلان (اٹلی) میں یورپ کی نئی مشترک زبان ” اسپرنٹو “ کے حامیوں کا سالانہ اجتماع منعقد ہوا تھا جو کئی سال سے ہر سال منعقد ہوا کرتا ہے ۔ تازہ ذاک میں اس اجتماع کی بعض دلچسپ تفصیلات آئی ہیں ۔ چونکہ ہندوستان میں اس وقت تک اس نئی زبان کی نسبت بہت کم لکھا گیا ہے ، اس لیے ہم بعض مضامین کا خلاصہ درج کر دیتے ہیں :

موجودہ علمی ترقیوں ، تمدنی ضرورتوں ، ذرائع مواصلات کی سہولت سے دنیا کے تمام براعظموں کو ناہم دگر ملا دیا ہے ۔ اس زمانے میں کوئی قوم ، دوسری قوموں سے قطع نعلق کر کے زندہ نہیں رہ سکتی ۔

لیکن اپنے قرب و مواصلت پر بھی دنیا کی قومیں اس وقت تک ایک دوسرے سے دور ہی ہیں ۔ ان میں باہمی تعارف کے ذرائع بہت کم پیدا ہوئے ہیں ۔ اس صورت حال کی بڑی ذمہ داری قوموں کی علحدہ علحدہ زبانوں پر ہے ۔ ہر قوم اپنی مخصوص زبان رکھتی ہے ۔ دوسری قوم کی زبان سے ناواقف ہے ۔ اگر واقف ہونا بھی چاہے تو بہت مشکل ہے کہ بہت سی زبانیں ہر شخص سینہ سے ۔ اس لیے عالمگیر تعارف و اجتماع کی کوئی صورت نکل نہیں سکتی ۔

یہ حالت دیکھ کر مدت سے بعض عقلاء مغرب کا خیال ہے کہ دنیا بھر کے لیے کوئی سہل اور مختصر زبان پیدا کی جائے ۔ ” اسپرنٹو “ ایک ایسی ہی نوساختہ زبان کا نام ہے جو پچھلی صدی کے اخیر میں ایجاد کی گئی ہے ۔

اسپرنٹو کا موجد ایک روسی ڈاکٹر زمیڈہوف نامی ہے ۔ یہ صوبہ کرودنو کے ایک چھوٹے سے گاؤں ایسلٹوک کا رہنے والا ہے ۔

اس زبان کی ایجاد کا خیال اُسے اُس وقت پیدا ہوا ، جبکہ اُس کی عمر صرف دس بارہ برس کی تھی ۔ اُس نے یہ سرگذشت خود اپنی زبان سے اس طرح بیان کی ہے :

” میرے گاؤں میں روسیوں ، پولشوں ، جرمنوں کی مخلوط آبادی تھی ۔ میں روز سڑکوں پر لڑائی جھگڑے کے رافعات دیکھتا کرتا تھا ۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ جھگڑے زیادہ تر اس لیے پیدا ہو جاتے ہیں کہ باشندے ایک دوسرے کی زبان نہیں

اور سہی نہیں ہے ۔ بلکہ اپنے عفاصر میں برودت کے خواص بھی رکھتی ہے ۔ معلوم ہے کہ برودت حرکت کو روکتی ہے ۔ بلکہ اُسے فنا کر دالتی ہے ۔ ہم حیوانات میں دیکھتے ہیں کہ تہذہ بڑ جانے کے ساتھ ہی ان کی حرکت بھی موقوف ہو جاتی ہے ۔ لہذا زمین کا متحرک ہونا قطعاً محال ہے “

” کتاب مقدس کی صریح نصوص سے ثابت ہے کہ آسمان زمین کے اوپر حرکت کر رہے ہیں اور چونکہ مدور حرکت کے لیے ضروری ہے کہ اُسکا کوئی مرکز قائم ہو ، لہذا تسلیم کر لینا پڑے گا کہ زمین نظام کائنات کے وسط میں ثابت و قائم ہے “

یہ نیدرولک کلیسا کے خدائات ہے ۔ مگر برٹسٹنٹ کلیسا بھی اس سے کچھ کم عقل مند نہ تھا ۔ لوتھر کے پیرو بھی کتاب مقدس کی نفسیروں اور لوتھر کے اقوال کے اندھے مقلد تھے ۔ ہالولیس ناوجود اپنے وسیع علم و نظر کے ، لوتھر کا اس درجہ مقلد تھا کہ اُس نے بھی اس علمی حقیقت کے تسلیم کر کے صاف انکار کر دیا ۔ زمین کی حرکت نہ کے خلاف اُس کی سب سے بڑی دلیل یہ تھی :

” کتاب مقدس میں لکھا ہے ۔ خدا نے خرقیا بی سے کہا ” دیکھ میں آفتاب کے ڈھلے ہوئے سائبہ کے درجوں میں سے جو دھوب گھڑی میں معلوم کیے جاتے ہیں ، دس درجے بھرا کے چڑھا لڑنگا “ چنانچہ آفتاب جن درجوں میں ڈھل گیا تھا ، اُن سے دس درجے بھر چڑھ گیا (اشعیا - باب ۳۸) “

انگلستان کے مشہور لٹرونی عالم ڈاکٹر اسمتھ نے اعلان کر دیا تھا : ” مٹھی علمی انجمن ، ملحدوں کی انجمن ہے اور دن کے خلاف کوسس کر رہی ہے “

” جان اربن کا اعلان ہے :

” بیوٹن کا نظریہ کبھی صحیح عالمی بے باک نہ رہا ۔ ہمیں ہوا ۔ وہ سراسر ارہام و حرارات ہے ۔ اور کتاب مقدس کی صریح نصوص کے مخالفت ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتنا ہے “

جان رینی کا مفرہ مشہور ہے :

” اگر ساحر و ساحری کے اصل چیز ہے ۔ تو انجیل کی کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے “

ابھی مسیحی کلیسا کی دھنیت جس نے علم کے مقابلہ کا اعلان کیا تھا ، اور بقیدا اُس کے لیے اس میدان مبارزت میں دائمی اور ہلاکت انگیز نشست کے سوا کچھ نہ تھا ۔ کسی انسان کو بھی جو حقیقت اور صداقت کا احساس رکھتا ہے ، اس شکست پر متاسف نہیں ہونا چاہئے ۔



شب و روز فرضی خطروں کے گزرنے اور پھر ان کے انسداد کے لیے بڑی بڑی رقموں کے وصول کرنے میں سرگرم رہتے۔ اسلامی خلافت، بین اسلامی مرکزیت، دینی شوکت و جبروت، اور رزحانی، پیشوائی و سلطانی کا یہ تمام طلسم، صرف ان بنیادوں پر قائم تھا کہ قصر بلدز کی داخلی حکومت ترک اسرروں کی جگہ حبشی اور حجازی خواجہ سراؤں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی، سلطان کا خاص بادی گارڈ عرب سواروں کا تھا، افریقہ اور ہندوستان کے بعض سیاحوں کو جو گاہ گاہ قسطنطنیہ آجاتے تھے، ”نشان مجیدی“ کے تمغے مل جاتے تھے، تعلیم و ترقی کی تمام راہیں بہ کھر بند کر دی گئی تھیں کہ ”اسلامی مقاصد“ کے خلاف ہیں،



سلطان عبد العزیز

اصلاح نظام حکومت کو الحاد اور زندقہ سے تعبیر کیا جاتا تھا، تمام اصلاح طلب مسلمانوں کا شمار ”مرتدین“ میں تھا، اور سب سے بڑھکر یہ کہ ہر ہفتہ شیخ ابو الہدیٰ وغیرہ مشائخ بلدز کے خواب میں دنیا کے تمام پیغمبر اور اولیا آکر سلطان عبد الحمید کے لیے الہی برکتوں اور غیبی نصروں کی بشارتیں پہنچا دیا کرتے تھے!

سلطان عبد الحمید نے اگر صرف وہ قوت ہی منظم کر دی ہوتی، جو خلافت اسلامی کی بین اسلامی مقبولیت سے پیدا ہو رہی تھی، نو فی الحقیقت یہ اس کے تمام جبر و استبداد کا کفارہ ہوتا، اور دولت عثمانیہ کے لیے مغربی طاقتوں کے غلبہ و تسلط کا خطرہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جاتا، لیکن وہ تو اسلام اور اسلامی خلافت کو محض اپنے شخصی استبداد کے حفظ و بقا کا آلہ بنانا چاہتا تھا۔ اوہام و خرافات کے سوا کوئی حقیقی عمل اس کے سامنے نہیں تھا۔ چین کے پانچ کروڑ مسلمانوں کے باز بار مدنیوں کیوں اور رفود پر رمود بھیجے کہ انکی دینی ہدایت و تعلیم کا انتظام کیا جائے، لیکن کچھ نہیں کیا گیا۔ افریقہ کے مسلمانوں کے رفود چار سال تک قسطنطنیہ میں پڑے رہے تا کہ انہیں مرکز خلافت اپنی اخلاقی سرپرستی میں لیلے، لیکن کوئی سنوائی نہیں ہوئی۔ مصر اور مراکش کی سرپرستی خود اپنے ہاتھوں ضائع کر ڈالی۔ یمن اور نجد کے قبائل محض اس لیے سرکش و مخالف رہے، کہ ترک زالیوں کے مظالم سے انہیں کبھی نجات نہیں ملتی تھی۔



مصطفیٰ فاضل پاشا

جس نے سلطان عبد العزیز کے نام لائحہ اصلاحیہ بھیجا تھا۔

داعی بھیجے گئے۔ حجاز ریلوے پر گئی۔ غرض کہ ایک ایسی فضا پیدا کر دی گئی، جس نے مسلمانان عالم کی ”خلیفہ اسلام“ کی شہرت عام کی۔ اس صورت حال نے سلطان کے میں بظاہر ایک ایسی قوت پیدا کی تھی، جس سے وہ دل یورپ کو عالمگیر اسلامی اثر کا یقین دلانا لگتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ سلطان عبد الحمید کی اس حکمت عملی کے سطحی شان و شوکت اور نام و نمود پر پیدا کر دی تھی۔ دنیا کی سطح نگاہیں دیکھتی تھیں کہ سلطنت عثمانیہ کی بین اسلامی مقبولیت کا وہ وسیع ہو رہا ہے۔ لیکن فی الحقیقت جو کچھ بھی تھا، محض ایک بالائی

پیش تھی۔ تہہ میں کوئی صحیح اور حقیقی عملی روح نہ تھی۔ اس تک خلافت آل عثمان کی بین اسلامی مقبولیت کا تعلق ہے۔ اس برس کے پورے حمیدی دور میں کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی جس کا منشا یہ ہو کہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے بحیم بنیاد پر روابط قائم کیے جائیں، اور ان میں اور مرکز خلافت میں معنوی اور اخلاقی معاونت کا رشتہ پیدا ہو۔ اسے دماغ قصر عثمانی میں موجود ہی نہ تھے جو ان مہمات کے فہم و عمل کی استعداد رکھتے ہوں۔ اس باب میں جو کچھ بھی ہوا، وہ اس سے

بہت دور تھا کہ در چار خود غرض اور خداع عرب، صومیت اور تقدس، بیس میں قصر سلطانی تک پہنچ گئے، اور سلطان کی نوہم سستی سے فائدہ اٹھا کر اس پر زہری ہو گئے۔ شیخ ابو الہدیٰ، شیخ ظافر مدنی، فضل اللہ لا باری وغیرہم، اسی قسم کی خصیتیں تھیں۔ وہ نہ تو اسلامی ممالک میں کوئی اثر و رسوخ رکھتی تھیں، نہ اس طرح کے کاموں کے عمل کی ان میں صلاحیت تھی۔ اگر انہوں نے اس قسم کا کام انجام دیا بھی، تو وہ صرف تھا کہ عراق اور شام میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت پیدا کر دی، جو اس قرار و طائف لیکر سلطان کی سطح و دنیا میں سرگرم رہا کرتے تھے، تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد سلطان کی اطاعت و انقیاد کے وجوب پر ہی کتاب شائع ہو جایا کرتی تھی۔ اس سے بڑا کام اس جماعت کا اس کے ہم مشربوں کا یہ تھا، جاسوسی اور مخفی خبر رسانی کا بلا تر محکمہ بن گئے تھے۔

سلطان عبد الحمید

جسے اصلاحات کو مزید رونق اور ترقی دی



اصلاح ہوئی تھی اور دستوری حکومت کا اعلان کیا گیا تھا۔ جاپان تیس سال کے اندر مشرق کی سب سے بڑی طاقتور حکومت بن گیا، لیکن عثمانی حکومت نے اسی تیس سال کے اندر اپنی رہی سہی طاقت بھی فنا کر دی۔ جاپان نے دستوری حکومت قائم رکھی تھی، سلطان عبد الحمید نے چھ ماہ کے بعد اس کا خاتمہ کر دیا تھا!

اصلاحات کا خاتمہ کر دینے کے بعد سلطان نے ایک نئی حکمت عملی ایجاد کی۔ یہ حکمت عملی ترکی اور ترکی سے باہر بین الاسلامی حکمت عملی "یا اتحاد اسلامی" کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اس کا منشا یہ بیان کیا گیا تھا کہ "یہ تمام مسلمانان عالم کی معنوی اور اخلاقی امانت مرکز خلافت کے ساتھ وابستہ کر دیگی" چنانچہ مدتوں کا لپٹا ہوا علم خلافت از سر نو بلند کیا گیا۔ علماء و مشائخ کا ایک بڑا گروہ دارالخلافت میں جمع ہو گیا۔ ابو الہدیٰ رفائی اور شیخ ظافر وغیرہ مشائخ نمایاں ہوئے، عربی عنصر سے از سر نو رشتہ ارتباط قائم کیا گیا۔ عزت باشا عابد وغیرہ سربر آردہ عرب مقرب بنائے گئے۔ عرب سپاہی بڑی بڑی تنخواہوں پر باقی گارت میں داخل کیے گئے، عربی ممالک



قدیم ترکی فوج کا ایک منظر

یہ گ چری سپاہی جو اصلاح کی راہ میں سب سے بڑی روک تھام

تاریخ و عبر

حکومت ترکیہ

اور اُس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

شروع سے اب تک

(۲)

(بین الاسلامی ترکی)

سنہ ۱۲۳۹ھ (۱۸۷۶ ع) سے سنہ ۱۳۴۶ھ (۱۹۰۸ ع) تک

صورت حال یہ تھی کہ سلطان عبد الحمید ثانی ترک مصلحین کی سعی و تدبیر سے تخت نشین ہوئے۔ مدحت پاشا اور اُس کے ساتھی اصلاح پسند وزراء نے سلطان مراد کی جگہ



سلطان محمود مصلح

متوفی سنہ ۱۸۳۹

عبد الحمید کو اس لیے تخت نشین کیا تھا کہ وہ محسوس کرتے تھے، سلطنت اور قوم کی سب سے بڑی ضرورت اصلاح اور دستور ہے، اور اُس کے لیے اس نوجوان شہزادہ کا سلطان ہونا مفید ہوگا۔ عبد الحمید تخت نشین ہوا۔ اصلاحات کا مزید اعلان کیا گیا۔ عثمانی سلطنت "شخصی" کی جگہ "دستوری" قرار پائی گئی، اور عثمانی پارلیمنٹ کے قیام کا فرمان نازل ہو گیا۔

اگر یہ صورت حال جاری رہتی، تو باوجود دل پر پے پے ہم مقام و متون اور جنگ پلینوں کے شدید نقصانات کے، دولت عثمانیہ کی نئی نشو و نما شروع ہو جاتی۔ لیکن افسوس ہے کہ بہت جلد سلطان کے مزاج نے بدلتا دکھایا، اصلاح پسند عنصر کی جگہ قدامت پرست اور بخرد غرض پاشاؤں کا اقتدار قائم ہو گیا، اور اصلاح و تغیر کی تمام امیدیں جو سلطان محمود مصلح کے زمانے سے نشو و نما پائے لگی تھیں، سنہ ۱۸۸۰ میں ختم ہو گئیں!

جس سال سلطان عبد الحمید تخت نشین ہوا اور عثمانی دستور کا اعلان کیا گیا، اسی سال جاپان کے نظام حکومت میں بھی

پیش بندی کر کے ۱۳۲۹ ع میں والی بیرت ادم بک کو حکم دیدیا کہ صوبہ شام کی کونسل سے مطلوبہ اصلاحات کے بارے میں گفتگو کر کے رپورٹ طیار کرے۔ اس پیش بندی نے ترکی کو بہت فائدہ پہنچایا۔ کیونکہ جب فرانس نے سرکاری طور پر شام میں اصلاحات جاری کرنے کا مطالبہ کیا، تو کامل پاشا نے اس جواب سے اسکا منہ بند کر دیا۔ ہم پہلے ہی سے اس فکر میں ہیں۔



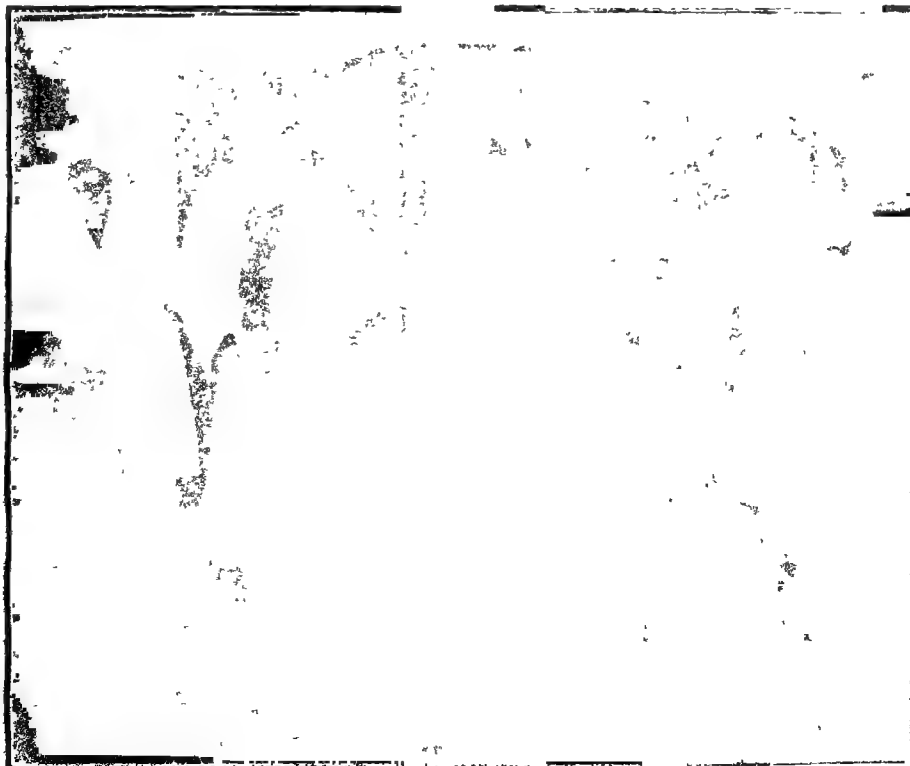
عرض عبدیت !

سلطان عبد الحمید کے سامنے وزراء حکومت سجدہ کر رہے ہیں !

ادھر یہ سیاسی بازیگری ہو رہی تھی، ادھر انجمن اتحاد و ترقی گہات لگائے بیٹھی تھی، چنانچہ موقعہ پاتے ہی اسنے وزارت الت دی، اور محمود شوکت پاشا وزیر اعظم قرار پائے۔ انہوں نے آئے ہی شامی کونسل کو غیر قانونی قرار دیدیا، اور والی کو خفیہ اشارہ کر دیا کہ تحریک کو ابھرے نہ دے۔ والی نے پوری سختی ظاہر کی، حتیٰ کہ جنگی قانون بھی جاری کر دیا، مگر اس پر بھی شامی انجمن نے اپنا سالانہ جلسہ کر ہی دیا۔ اس جلسہ میں ۸۲ نمائندے شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے اصلاحات کا لائحہ منظور کر لیا۔ جب حکومت نے اور بھی زیادہ تشدد کیا، تو شامیوں نے اپنی مؤتمر بیروت میں منعقد کی۔ اب انجمن اتحاد و ترقی پریشان ہوئی۔ کیونکہ ایک طرف اسکی حریف ”انجمن ائتلاف و ترقی“ برسرِ مخالفت تھی، دوسری طرف عربی مسئلہ بین الاقوامی شکل اختیار کرتا جاتا تھا۔ ایک عجیب اتفاق یہ ہوا کہ عربی مؤتمر، محمود شوکت پاشا کے قتل کے تیسرے دن منعقد ہوئی، جس سے حکومت اور بھی زیادہ متاثر ہوئی، اور

پرنس سعید حلیم پاشا وزیر اعظم صام و آشتی کی حکمت عملی اختیار کر کے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک نمائندہ بیرس بھیجا، اور عرب رہنماؤں سے گفت و شنید کے بعد مطلوبہ اصلاحی لائحہ کا بڑا حصہ منظور کر لیا۔

شامیوں کی کامیابی دیکھ کر عراقیوں کے خون میں بھی گرمی پیدا ہوئی، اور طالب بک نقیب کی سربراہی میں عراق نے اصلاحات کا مطالبہ شروع کر دیا۔ لیکن اب نوجوان ترک سنبھل گئے تھے۔ انہوں نے جارید پاشا کو



سلطان عبد الحمید کے دور حکومت کا خاتمہ

یہ اس موقعہ کا موقع ہے جب قوم کا رنہ پیام عزل پہنچا رہا ہے !

انہوں نے تاریخ کا سبق بھلا دیا، اور سادہ لوحی سے یقین کر لیا کہ ان کے اصول پر چلنے سے یورپ اور سلطنت کے مسیحی عناصر مطمئن ہو جائیں گے، اور انکا ملک خوشحال اور ترقی یافتہ ہو جائیگا۔ یہی حسن ظن، انکی سب سے بڑی غلطی تھی۔ چنانچہ فوراً داخلی اور خارجی مشکلات نمودار ہو گئیں۔ آسٹریا نے بوسینیا پر زری گونیا پر قبضہ کر لیا۔ یونان کریٹ پر قابض ہو گیا۔ اٹلی نے طرابلس الغرب پر تاتہ صاف کیا۔ البانیا کت کر الگ ہو گیا، بلقانی

ریاستوں نے یورپ کے اکثر ترکی مقبوضات ہضم کر لیے۔ ملک کے اندر غیر ترکی عناصر نے سرکشی شروع کر دی۔ صرف غیر مسلم جماعتوں ہی میں نہیں، بلکہ مسلمانوں میں بھی نئی نئی انجمنیں قائم ہو گئیں۔ خود دار الخلافہ میں مسلمانوں کی متعدد مخالفانہ انجمنیں بن گئی تھیں۔ مثلاً ”انجمن إخوان عربی“، ”عربی کلب“، ”چرکس انجمن“، ”کردی انجمن“، ”البانی انجمن“ وغیرہ وغیرہ۔ ان انجمنوں کے ظہور کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان اسلامی عناصر اور ترکی عنصر میں نفرت و عداوت پیدا ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر خود ترکوں میں سلطنت کی حکمت عملی کے متعلق اختلاف رونما ہو گیا۔ ایک گروہ نے از سر نو حمیدی سیاست زندہ کرنی چاہی۔ ایک گروہ نے ”ترانیت“ کا نعرہ بلند کیا۔ آخری گروہ کا تعصب یہان تک بڑھ گیا تھا کہ اسے ترجمان اخبار ”اقدام“ نے تجویز پیش کر دی کہ ترکی زبان سے تمام عربی الفاظ خارج کر دینے چاہئیں !

لیکن پیہم مصائب نے زمام حکومت معتدل گروہ کے ہاتھ میں دیدی۔ ”انجمن ائتلاف“ نے حکومت سنبھال لی۔ سلطان عبد الحمید کا شاگرد کامل پاشا وزیر اعظم ہوا، کامل پاشا ایک طرف یورپ کو مطمئن کرنے لگا، دوسری طرف ترکی کے مختلف عناصر کے سر پر بھی ہاتھ پھیرنے لگا۔ اب چونکہ ”بلقانی مسئلہ“ کے بعد ”عربی مسئلہ“ کے نام سے ایک نئی الجھن پیدا ہو گئی تھی، اور فرانس اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، اس لیے کامل پاشا نے

معلوم کی جاسکے۔ یلدز کے بعض کاغذات معلوم ہوا تھا کہ صرف چھ ماہ کے اندر یہ مارچ سنہ ۱۸۹۸ سے ستمبر سنہ ۱۸۹۸ تک گئیں سر اسی آدمی گرفتار کیے گئے تھے!

لیکن نہ تو سلطان عبدالحمید دنیا پچھلے جبار و مستبد حکمرانوں سے زیادہ طاقتور تھا، نہ اس کی خاطر خدا کے قوانین و عدالت معطل ہو جا سکتے تھے۔ بالآخر نوجو ترکوں کی پنجاہ سالہ مساعی بار آور ہوئیں، عین اُس وقت جب کہ سلطان کے وہم و گم میں بھی کسی طرح کا خدشہ نہ تھا، مناسٹر سلاویک میں انقلاب کا ناممکن التسخیر بلند کر دیا گیا۔ سلطان نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس ناگہانی طاق کا مقابلہ کرے مگر نہ کرسکا۔ اور عثمانی دستور کے قیام کا اعلان کرنا پڑا۔

یہ دستور سلطان کی ذات خاص کا مخالف نہ تھا۔ لیکن سلطان کی مستبد روح اُس سے موافق نہ ہو سکی بالآخر نو ماہ کے بعد تصادم ہوا، اور محمود شوکت پاشا مرحوم نے اپنی مشہور عالم تیس ہزار فوج کے ساتھ قسطنطنیہ پہنچ کر قصر یلدز کا محاصرہ کر لیا۔ تین دن کے محاصرہ کے بعد عثمانی پارلیمنٹ کے نمائندے قصر یلدز میں داخل ہوئے، اور قیام کا پیغام پہنچا دیا کہ ”آپ معزول کیے گئے، اور شہزادہ محمد رشاد تخت نشین ہو رہے ہیں“ قصر یلدز کے اس مشہور قہرمان نے اس وقت لرزتے ہوئے یہ التجا کی تھی ”میں اپنی زندگی کیلئے تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں!“ یہ اب اپنی زندگی کیلئے انسانوں کو خدا کا واسطہ دیتا تھا۔ اُن انسانوں کو جنہوں نے اپنی مظلوم اور بیکس زندگی کیلئے سیکڑوں مرتبہ اُن خدا کے واسطے دیے تھے، لیکن ایک لمحہ کیلئے بھی اُسے دل میں خدا کے خوف نے جگہ نہیں پائی تھی!

تاریخ مشرق کا یہ عبرت انگیز انقلاب جولائی سنہ ۱۹۰۸ ع میں واقع ہوا تھا۔

(اتحادی ترکی)

جمعیت اتحاد و ترقی کا دور

سنہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ع) سے سنہ ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ع) تک

انجمن اتحاد و ترقی نے برس اقتدار آتے ہی ”وطنیت“ ”حریت“ ”اخوت“ اور ”مسارات“ کی بنیادوں پر عثمانی سلطنت کو استوار کرنا چاہا۔ نوجوان ترک، برے ہی نہیں، چست اور مخلص تھے۔ لیکن مدبر اور تجربہ کار نہ تھے۔



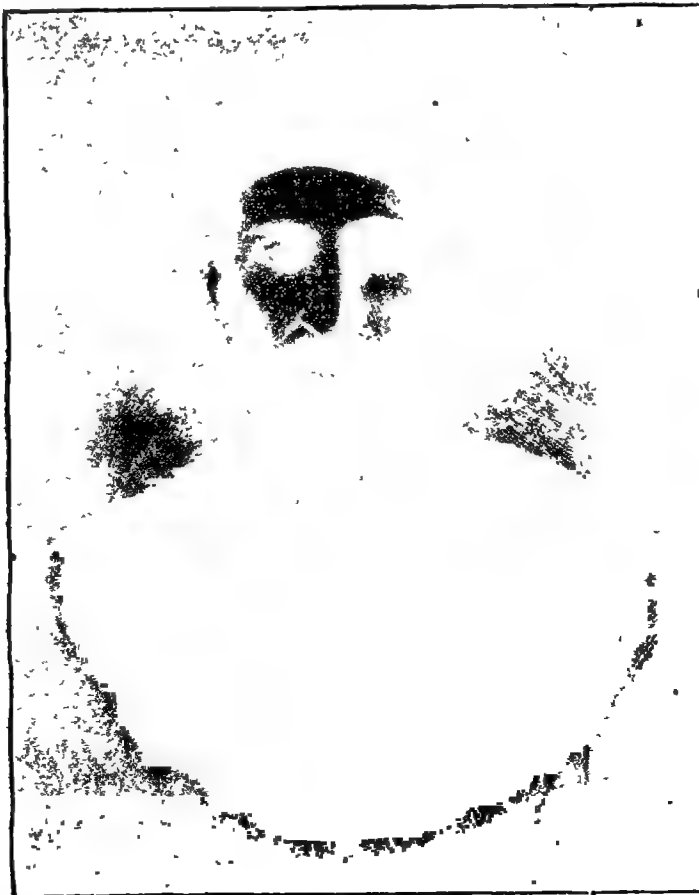
مدحت پاشا
شہید راہ حریت و دستور!

اصل یہ ہے کہ سلطان عبدالحمید مرحوم نے اتحاد اسلامی اور خلافت دینی کا مظاہرہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ فی الحقیقت اس باب میں کوئی روشنی اس کے سامنے موجود تھی، اور وہ کسی تعمیری جذبہ سے اس طرف قدم بڑھانا چاہتا تھا، بلکہ یہ تمام باتیں محض ایک طرح کے منفی اور تخریبی جذبہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ مقصود یہ تھا کہ اس کے ذریعہ اصلاح طلب تحریک کی نشو و نما کا خاتمہ کر دیا جائے، اور اُس کی طرف سے عثمانی رعایا کے قارب غافل ہوجائیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ باتیں صرف اسی حد تک کام میں لائی جاتی تھیں جس حد تک ترکی مصلعین کی مخالفت میں سود مند ہو سکتی تھیں۔ حقیقت اور

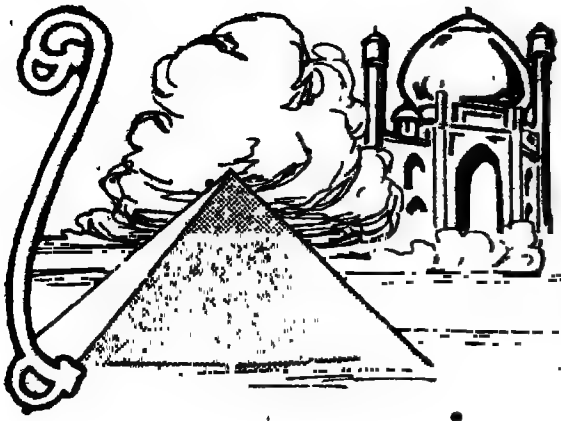
عملیت کی کوئی روح موجود نہ تھی۔ اگر سلطان عبدالحمید اتحاد اسلامی اور مرکزیت خلافت کی تقویت کا واقعی طلب گار ہوتا، تو سید جمال الدین اسدآبادی اور شیخ محمد عبدہ سے بڑھ کر اس کے لیے کون داعی اور عامل ہو سکتے تھے؟ ان دنوں کے بیس برس تک اپنی تمام طاقتیں عبدالحمید کے ہاتھوں میں دب دینی چاہیں، لیکن ان کے ساتھ جو سلوک ہوا، دنیا کو معلوم ہے۔ پہلے کورسٹ کا رھر آلودہ جام پینا پڑا۔ دوسرے کو قصر سلطانی کی چونکھت تک باریابی نصیب ہی نہ ہوئی!

بہر حال سلطان عبدالحمید کا دور، دولت عثمانیہ کے زوال طاق کا آخری لمحہ تھا۔ سلطان کو مدحت پاشا کی جماعت نے اس لیے تخت نشین کیا تھا، کہ وہ سلطان مصلح کی اصلاح کی تکمیل کریگا، اور دولت عثمانیہ کو استبدادی حکومت کے مفسد سے نجات مل جائیگی۔ سلطان نے ابتدا میں اصلاح پسند جماعت کا ساتھ دیا۔ ترکی پارلیمنٹ قائم کر دی گئی۔ لیکن پھر بتدریج رجعت پسند عناصر برسر اقتدار آ گئے، پارلیمنٹ معطل کر دی گئی۔

مدحت پاشا اور اُس کے ساتھیوں کو فرضی الزامات عائد کر کے گرفتار کر لیا گیا، اور قلعة طائف کے قید خانے میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد تمام نظم حکومت تہہ ربالا ہو گیا۔ وزراء اور دفاتر حکومت کی جگہ ”مابین ہمایونی“ یعنی قصر سلطانی کی براہ راست حکومت شروع ہوئی۔ اس حکومت کا نہ تو کوئی اصول تھا، نہ قاعدہ۔ نہ بھت بننا تھا، نہ مالیات کا کوئی تخمینہ تھا۔ خواجہ سراؤں کے افسر ”بہرام آغا“ کے ہاتھ میں سب کچھ تھا۔ وہ سلطان کے احکام باب عالی کے وزراء تک پہنچا دیتا کرتا۔ بیس برس کے اندر جتنے انسان محض اس بنا پر ہلاک کر دیے گئے، کہ اُن پر اصلاح پسندی و انقلاب کا شبہ تھا، گری ڈریعہ نہیں کہ انکی صحیح تعداد



سلطان عبدالحمید
چالیس سال کی عمر میں



اثار عتیقہ



شہر رقیم کا انکشاف

حسبتم ان اصحاب الکھف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجا

(۱)

صدیقہ خواب گراں کے بعد اب شہر رقیم یا پیترا پہر بیدار ہو رہا
- قدس اور لندن کی آمدہ اطلاعات مظہر ہیں کہ حال میں اس
ہم شہر کے کہندروں میں قیمتی پتھروں اور پرانے طلائی زیورات
ایک بہت بڑا ذخیرہ بدوی عربوں کے ہاتھ لگا ہے -

پیترا عرب قدیم کا ایک گم شدہ شہر ہے - سالہا سال سے غیر آباد
رہا تھا - کبھی کبھی صحرا گرد بدوی جنکو شاداب نخلستانوں اور
سبز چراگاہوں کی تلاش ادھر ادھر آوارہ رکھتی ہے ' تمدن قدیم
کی اس یادگار کو آدمی کی صورت دکھا دیتے تھے !

(الف لیلہ کا طلسم)

ایک مرتبہ ایک صحرا نشین عرب پیترا کے کہندروں میں گھوم
رہا تھا - ناگہا اسکا پانوں ایک پتھر پر پڑ گیا - قبل اسکے کہ وہ اس
پتھر کا اندازہ کر سکے کہ کیا ہونے والا ہے ' پتھر نیچے کو کھسکا ' زمین
ہنسی ' اور اب عرب ایک عجیب و غریب غار میں پڑا تھا - پتھر
دستور اپنی جگہ پر آگیا ' اور راہ بند ہو گئی !

اب بدوی نے خود کو ایک زمین دوز محراب میں پایا ' لیکن
اگر آنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا -

غریب عرب ایک عرصہ تک ادھر ادھر تلتوتا رہا - تاریکی
لا کی تھی - محض اس خوف سے کہ کہیں کسی دوسری
معلوم مصیبت سے دو چار نہ ہونا پڑے ' اوسنے ہاتھوں اور پیروں
کے بل رینگنا شروع کیا - اس جدوجہد میں ایک وسیع ایوان مل
گیا - اس ایوان کی تاریکی کو ایک پہاڑی سوراخ سے نکلی والے
ہندلی روشنی ایک حد تک کم کر رہی تھی - روشنی کا سہارا پا کر
اس محصور بلا نے ادھر ادھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا -
پا دیکھتا ہے کہ ایک گوشے میں قیمتی جواہرات اور طلائی اشیاء کا
بھیر پڑا ہے - یہ خزانہ غالباً طائر اور صیدان کے بحری قزاقوں
نے ازمینہ مظالم میں جمع کیا ہوگا - عرب حیرت کے دریا میں
نوبا ہوا ' اس تمام ماحول کو عالم رزیا سمجھ رہا تھا - بالآخر اوسنے
چند جواہر ربڑے اپنے عمامہ میں رکھ لیے ' اور باہر نکلنے کی راہ
لاش کرنے لگا - اس نے غور کیا کہ روشنی جس سوراخ سے آ رہی
ہے ' اس سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں ؟ اس کا خیال ٹھیک تھا -
روشنی کے نیچے ایک سنگی زینہ موجود تھا - یہ مشکل سوراخ تک
پہنچ سکا - وہاں پتھر کے کئی ٹکڑے ایک دوسرے پر پڑے تھے - زور
رکنے سے ایک پتھر ہٹ گیا اور یہ باہر نکل آیا -

یہ جواہرات بیت المقدس کے بازاروں میں بکے - مابہ
آثار انہیں تورات سے بھی زیادہ پرانا بتاتے ہیں -
بیان کیا جاتا ہے کہ پیترا کا یہ کنز مغربی لارڈ کارن
کے دریافت کردہ وادی الملک (مصر) کے خزانوں سے بھی کہیں زیادہ
بیش قیمت ہے - عجائب خانہ لندن کا ایک رفندیاس گم شدہ شہر کی
تحقیقات کیلیے جا رہا ہے -

(جغرافیائی محل)

یہ مقام ساحل بحر قلزم سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے - نقشہ کے
دیکھنے سے بحر قلزم کا بالائی حصہ در تکرزوں میں منقسم معلوم
ہوگا - اس کے شمال میں جزیرہ نماء سینا ہے جسکی شکل
مثالث نما ہے - سینا کا جنوبی نوکدار کنارہ بحر قلزم کو در شاخوں
میں جدا کر دیتا ہے - سینا کے غرب میں بحر قلزم کی وہ شاخ ہے
جو خلیج سرور کے نام سے موسوم ہے - آج کل یہ تجارت عالم کی
شاہراہ عظیم ہے - سینا کے شرق میں بحر قلزم کا وہ حصہ ہے
جو خلیج عقبہ کے نام سے پکارا جاتا ہے - یہ جگہ اب متروک ہو گئی
ہے - جہاز بہت کم آتے جاتے ہیں - ایک طرف سینا کی ندی
پہاڑیاں ہیں - دوسری طرف خلیج عقبہ کے پہاڑوں اور صحراء حرجب کا
نا پیدا کنار سلسلہ ہے - اس خلیج کے ساحل پر کوئی بندرگاہ نہیں
ہے - قصبہ عقبہ کے چند بے ترتیب مکانات کے سوا باقی تمام حصہ
غیر آباد اور پتھریلا ہے - بحر شمالی و بحر جنوبی کے درمیان
ساحل کو چھوڑ کر جہاں بمشکل ذی روح وجود کا پتہ چلتا ہے
دنیا کا کوئی ساحل اس قدر ساکت اور سنسان نہیں ہے !

لیکن پرانے زمانہ میں خلیج عقبہ کی اہمیت ہمارے زمانہ کے
خلیج سوئز سے کہیں زیادہ تھی - تین ہزار سال قبل یہاں حضرت
سلیمان کے بحری مراکب ہندوستان کی اشیاء تجارت بار کیے ہوئے
ہر وقت لنگر انداز رہتے تھے - جب تک ہندسی و ایرانی تجارتی قافلے
اس راستے سے آمد و رفت کرتے رہے ' یہ ملک تمدن عالم کا مرکز
رہا - جب شاہراہ تجارت یہاں سے دوسری جانب منتقل ہو گئی
اور بحر روم اور خلیج سوئز کا راستہ دریافت کر لیا گیا ' تو یہ ساحل رفتہ
رفتہ غیر آباد ہو گیا - صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں مسیحی مجاہدین
نے اس نواح میں کچھ بیداری پیدا کر دی تھی ' مگر سلطان
صلاح الدین کی تیغ جہاد نے یہ حصہ عالم بھی صلیبیوں پر تنگ
کر دیا ' اور اس کے بعد سے پیترا کے اطراف انسانی آبادی بچہ
ہمیشہ خالی رہے -

جنگ عظیم کے زمانہ میں شریف حسین اور اس کے بیٹے امیر
فیصل نے اس نواح کو اپنی افواج کا عقبی مستقر بنایا تھا - ہر
ہفتہ انگریزی جنگی جہاز اور کشتیاں سامان حرب سے لدی
ہوئی ساحل پر آتی تھیں - سنہ ۱۹۱۷ ع اور سنہ ۱۹۱۸ ع میں
اس آمد و رفت کا تسلسل نہایت پابندی سے قائم رہا ' اور ایک



حسین رامی پاشا
محکمہ جاسوسی کا سرغنہ

تھا کہ بہت سے سربرآوردہ
شامی، ترکی کے خلاف فرانس
سے ساز باز کرچکے ہیں۔ مگر
انہوں نے خیانت کے تمام مجرموں
سے چشم پوشی کی۔ البتہ عیسائیں
سے پوری باز پرس کی گئی۔

جمال پاشا نے صرف شام
ہی میں نہیں بلکہ تمام جزیرۃ
العرب میں دینی جہاد کا غلغلہ
بلند کر دیا۔ کربلا، نجف،

بغداد کے علماء کی دینی حمیت
جوش میں آگئی۔ شریف مکہ،
سلطان ابن سعود، ابن رشید،

امام یمن، تمام امراء عرب کو جہاد کی دعوت دی گئی۔

لیکن نوجوان ترکوں نے بہت جلد دیکھ لیا کہ مسلمانوں اور
عربوں میں ان کی دعوت کوئی گرم جوشی پیدا نہ کر سکی۔ بلکہ
جنسی و نسلی اور مقامی مصالح کا تعصب اس کڑے وقت میں
بھی ان پر غالب رہا۔ وہ سلطنت عثمانیہ اور خلافت اسلامیہ کی حمایت
و نصرت پر آمادہ نہ ہو سکے۔ ہندوستان اور مراکش کے مسلمان
انگریزی اور فرانسیسی جھنڈے کے تلے جمع ہو کر آئے، اور ان کے
سینوں پر بے دریغ گولیاں چلائیں!

اس نامرادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تورانی تحریک کے حمایتیں
کو پھر زور حاصل ہو گیا۔ نا چار انجمن اتحاد و ترقی کو ان کے نظام
عمل پر چلنا پڑا۔

عربوں کی ناقابل اندیشی نے
اور زیادہ ترکوں کو مایوس کر دیا تھا۔
شام کے چند خود غرض اور برخود
غلط افراد طیار ہو گئے کہ اس نازک
وقت سے فائدہ اٹھائیں اور دول
متحدہ کا ساتھ دیکر ”عربی
امارت“ کی بنیادیں قائم کر دیں۔
بہت ممکن تھا کہ ان لوگوں کے
انقلابی افکار عامۃ الناس میں
مقبول نہ ہوئے، لیکن اسی موقعہ
پر حجاز میں برطانی سازشیں
کامیاب ہو گئیں اور شریف نے علم
بغاوت بلند کر دیا۔ جس وقت
جمال پاشا مصر پر حملہ کی تیاریاں
کر رہا تھا، اور تمام ساز و سامان
مکمل ہو چکا تھا، اچانک اُس نے
دیکھا کہ شریف حسین اور اُس کے
لڑکوں کی بغاوت نے اس کی تمام
امیدوں کا خاتمہ کر دیا ہے!

عراق کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ اس
نے آتے ہی عراقی تحریک کا
خاتمہ کر دیا۔ ساتھ ہی بکرسامی
بک کو بیروت کی گورنری پر مقرر
کیا، جو اپنے تئذ اور سخت
گیری میں بہت شہرت رکھتا تھا،
اس نے کچھ ایسے پینترے بدلے،
کہ شامی تحریک بھی سرد
پڑ گئی، اور پیرس کی موئمر میں
جو کچھ طے پایا تھا، اُسکا اکثر
حصہ کالعدم ہو گیا!

اب جنگ عمومی کی خوفناک
گھنٹائیں فضا میں پھیل رہی
تھیں۔ وہ مصیبت سر پر آگئی تھی جسکا تصور بھی کبھی انسانی
دماغ نے نہیں کیا تھا۔

جنگ عمومی کے بعد

سنہ ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) سے سنہ ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) تک

دستوری نظام حکومت کے کامیاب بنانے اور سلطنت کے مختلف
عناصر کو مشترک وطنیت و قومیت کے نام پر متحد کرنے میں
انجمن اتحاد و ترقی کو نا کامی ہوئی۔ اس تلخ تجربہ کے بعد
اس انجمن کے ارکان میں آئندہ طرز عمل کے متعلق اختلاف پیدا
ہوا۔ اکثریت ”تورانی تحریک“ پھیلانے کے حق میں تھی اور
اقلیت ”اتحاد اسلامی“ کے فکر
کو عملی جامہ پہنانا چاہتی
تھی۔ یہ اختلاف ابھی ختم
نہیں ہوا تھا کہ عالم گیر جنگ
کا طبل بج گیا، اور اکثریت کو
اقلیت کی رائے کے سامنے جھک
جانا پڑا۔ اب، بجز اس کے کوئی
چارہ کار نہ تھا کہ تمام اسلامی
عناصر، خصوصاً عربوں کی تائید
اسلام کے نام پر حاصل کی
جائے۔

اس حوالہ سے انور پاشا نے عبد
الرحمن بک الیوسف اور شیخ
اسعد شقیر وغیرہ کو شام بھیجا
کہ عربوں کے اسلامی جذبات
بیدار کریں۔ پھر جمال پاشا نے
جبر شام کے جنگی حاکم تھے،
عربوں کی مدارات شروع کی اور
عربی تحریک سے اپنی گہری
دل چسپی اور ہمدردی کا اظہار
کیا۔ فرانسیسی قنصل خانہ سے
جو کاغذات دستیاب ہوئے تھے،
ان سے انہیں صاف معلوم ہو گیا

موت کی خبری ہو۔ شاید تابوت میری لاش کے ۲۰ یا ۳۰ سال پہلے
یہاں تک پہنچا ہو۔ تابوت میرے قدم سے بہت چھوٹا ہو۔

(۴)

اب بارش پھر شروع ہو گئی۔ گویا میرے قتل کے لئے آسمان پورے
ہو رہی ہو۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ میرا ادر کوٹ اڑا جاتا تھا۔ میں بیگم کے
شرابور ہو گیا۔

”مجھے کیسے پناہ لینی چاہی؟“ میں نے دل سے کہا۔ لیکن کہاں؟
کمرے میں، جہاں تابوت رکھا ہو؟ ناممکن! اگر میں ہاں گیا تو یقیناً
دلیانہ ہو جاؤں گا۔

مگر اس پانی اور سردی میں ٹرک پر کھڑا رہنا بھی مشکل تھا۔ میں
نور اپنے ایک دوست دوست دوست نامی کے گھر کی راہ لی۔ وہ بھی ایک
تنگ تاریک گلی میں ایک کمرے کے اندر رہتا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹا۔ کوئی چھاب نہ ملا۔ میں نے ایک طاق میں
ہاتھ مارا تو کچھ بل کی قفل کھول کر اندر چلا گیا۔

میرا کوٹ بیگ لیا تھا۔ میں نے اسے آدا کر کمرے کی زمین پر
ڈال دیا۔ اندھے میں پاؤں نے ایک کرسی سے ٹک کر کھائی۔ میں
اُسی پر بیٹھ گیا۔ تاریکی سخت تھی۔ کچھ سوچا ہی نہیں تھا۔ ہوا
تیز تھی۔ کھڑکیاں ہل رہی تھیں۔ باہر کتوں کے گھنے گرسوں کی
خوشی میں بک رہے تھے۔

میں نے جیب سے ڈیبا نکال کر دیا سلائی جلائی۔
”اُن، یہاں بھی!“ بے اختیار میرے منہ سے جھج بھج گئی۔ میں
دلیانہ دار بھاگ کر کمرے کے باہر گرا۔

یہاں بھی تابوت رکھا تھا لیکن میرے کمرے کے تابوت سے بڑا
تھا۔ اور سیاح غلات سے ڈھکا تھا۔ سیاہ غلات نے اُسے ادبھی
زیادہ ہیبت ناک بنا دیا تھا!

”یہاں بھی ہی تابوت!“ میں سوچنے لگا۔ ”معلوم ہوتا ہو یہ میرا
دہم و خیال ہو۔ میری بگاہ دہم کا کھا دی ہو۔ ناممکن ہو کہ میں جہاں
جاؤں، میرے استقبال کے لئے ایک خوفناک تابوت پہلے سے یہاں
ہو جائے۔ ضرور آج میرے اعصاب میں خلل آ گیا ہو۔ جہاں جاتا ہوں
تابوت ہی نظر آتا ہو۔ میں ضرور پاگل ہو گیا ہوں۔ جنوں کا سہرا
صاف ظاہر ہو۔ اسی بخوس روحانی چلے اور سینہ کی شیطانی ہوس
نے میرا دماغ خراب کر ڈالا!“

میں تنگ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ دلوں کنپٹیاں نددی ہاتھوں
میں ڈالیں۔

”الہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!“ یہ
کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب قلعہ میرا سر پھٹ جائے۔ سیر سے چڑوں میں نکت بانی
رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی
کا پٹھ لگا۔ نہ سپر ٹیوٹی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں آنکھیں لینے کمرے میں
جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں..... آہ، بہت ہی ہنسی
ناک نظر، ناقابل برداشت ہونٹا کی موجودگی تھی!

”الہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!“ یہ
کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب قلعہ میرا سر پھٹ جائے۔ سیر سے چڑوں میں نکت بانی
رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی
کا پٹھ لگا۔ نہ سپر ٹیوٹی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں آنکھیں لینے کمرے میں
جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں..... آہ، بہت ہی ہنسی
ناک نظر، ناقابل برداشت ہونٹا کی موجودگی تھی!

”الہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!“ یہ
کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب قلعہ میرا سر پھٹ جائے۔ سیر سے چڑوں میں نکت بانی
رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی
کا پٹھ لگا۔ نہ سپر ٹیوٹی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں آنکھیں لینے کمرے میں
جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں..... آہ، بہت ہی ہنسی
ناک نظر، ناقابل برداشت ہونٹا کی موجودگی تھی!

”الہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!“ یہ
کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب قلعہ میرا سر پھٹ جائے۔ سیر سے چڑوں میں نکت بانی
رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی
کا پٹھ لگا۔ نہ سپر ٹیوٹی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں آنکھیں لینے کمرے میں
جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں..... آہ، بہت ہی ہنسی
ناک نظر، ناقابل برداشت ہونٹا کی موجودگی تھی!

”الہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!“ یہ
کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب قلعہ میرا سر پھٹ جائے۔ سیر سے چڑوں میں نکت بانی
رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی
کا پٹھ لگا۔ نہ سپر ٹیوٹی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں آنکھیں لینے کمرے میں
جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں..... آہ، بہت ہی ہنسی
ناک نظر، ناقابل برداشت ہونٹا کی موجودگی تھی!

”الہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!“ یہ
کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب قلعہ میرا سر پھٹ جائے۔ سیر سے چڑوں میں نکت بانی
رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی
کا پٹھ لگا۔ نہ سپر ٹیوٹی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں آنکھیں لینے کمرے میں
جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں..... آہ، بہت ہی ہنسی
ناک نظر، ناقابل برداشت ہونٹا کی موجودگی تھی!

”الہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!“ یہ
کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

افشا

روحانیات کی مجلس

ہولناک رات

(مترجم)

ایمان بھروسہ نے اپنے دوستوں کو مضطرب آواز اور زرد چہرے
کے ساتھ ذیل کا واقعہ سنایا:

”میں نے اس کے کمرے کی رات، بہت ہی اندھیری تھی۔ میں اپنے ایک
دوست کے یہاں دیر تک ایک روحانی جلسے میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے تاریکی
میں اپنے گھر لوٹنا تھا۔

اُس زمانے میں ماسکو کی ایک ایسی گلی میں میرا قیام تھا، جو شہر میں
سب سے زیادہ دشت ناک اور تاریک گلی تھی۔ جب جب میں اُس سے
گزرتا، خداوند نے خیالات میرا دماغ پریشان کر دیا کرتے تھے۔

روحانی جلسے میں آخری جلسہ جو میں نے سنا تھا، وہ خاص میری ذات
کے متعلق تھا۔ بشو فیلٹو سینوزا کی صبح کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ
جلسے میں شریک ہو۔ اُس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

”تیری موت قریب آگئی، جلد خدا کے سامنے توبہ کر!“
میں ڈر گیا۔ پھر سوال کیا۔ ”نزدیک کتنا ہے؟“

”تیری زندگی ختم ہو گئی۔ آج ہی توبہ کر لے!“ یہ میرے سوال کا
دوبارہ جواب تھا۔

میں علم الارواح و اسیر بچوں پریم کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم موت
کا خیال ہمیشہ مجھے خوفزدہ کر دیتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی آداسی
مجھ پر چھا جاتی تھی۔

میں بدحواس جلسہ گاہ میں بیٹھا تھا۔ ادر اپنے گھر کی راہ لی۔ اوپر
کی منزل پر پہنچنے کے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔
اُس وقت بھی میرا خوف سے برا حال تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ گرا پڑا ہوں۔

(۲)

کمرہ تاریک تھا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں سے جھونکے
لگے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عناصر بھی خوفزدہ ہشت کی حالت
میں مضطرب ہوئے ہیں!

”اگر سینوزا کی پیش گوئی ٹھیک ہو۔ میں نے ٹھیک ہی ہونے آوا
میں آہستہ آہستہ کہا۔ اگر اس سنگ دل فیلٹو کی صبح نے پچ کہا ہو
تو اس آج ہی رات میرا خاتمہ ہو! یہ داد لکھنے والی ہوائیں میرا
کمرے میں، یہ کالی پلایاں ماتم کی صفیں بچھاؤں گی! آنسو میری
زندگی.....“

میں نے دیا سلائی جلائی۔
”یہاں بھی!“ بے اختیار میرے منہ سے جھج بھج گئی۔ میں
دلیانہ دار بھاگ کر کمرے کے باہر گرا۔

یہاں بھی تابوت رکھا تھا لیکن میرے کمرے کے تابوت سے بڑا
تھا۔ اور سیاح غلات سے ڈھکا تھا۔ سیاہ غلات نے اُسے ادبھی
زیادہ ہیبت ناک بنا دیا تھا!

”یہاں بھی ہی تابوت!“ میں سوچنے لگا۔ ”معلوم ہوتا ہو یہ میرا
دہم و خیال ہو۔ میری بگاہ دہم کا کھا دی ہو۔ ناممکن ہو کہ میں جہاں
جاؤں، میرے استقبال کے لئے ایک خوفناک تابوت پہلے سے یہاں
ہو جائے۔ ضرور آج میرے اعصاب میں خلل آ گیا ہو۔ جہاں جاتا ہوں
تابوت ہی نظر آتا ہو۔ میں ضرور پاگل ہو گیا ہوں۔ جنوں کا سہرا
صاف ظاہر ہو۔ اسی بخوس روحانی چلے اور سینہ کی شیطانی ہوس
نے میرا دماغ خراب کر ڈالا!“

گردش میں پہنچ کر میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لی تھیں!
میں نے کمرے میں کیا دیکھا؟ دیکھو، اس وقت بھی میرے بدن کے
دوڑیں کھڑے ہو گئیں۔ دل دھڑک رہا ہو۔

میں کمرے کے وسط میں ٹوٹے کا تابوت رکھا تھا! اُس پر افروانی
غلات چڑھا تھا۔ سنہری صلیب لکھی تھی۔ میں نے صرٹ ایک ہی جھٹکائی
تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہو کہ مجھے اُس کا ہر حصہ نظر آ گیا۔ آج تک اُس
کا پورا نقشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے!

یہ ایک لڑکی کا تابوت تھا۔ کیونکہ بہت چھوٹا تھا۔ اور رنگ اور
آرایش دیسی ہی تھی، جیسی لڑکیوں کے تابوتوں پر کی جاتی ہو۔

(۳)

میں تیری طرح زینہ پر ہونچا اور سیلاب کی تیزی سے اترنے لگا۔
بلکہ کنا چاہئے گئے لگا۔ ایک ہنایت ہی خوفناک وہ اپنی پوری
وقت سے مجھے دھکیل رہا تھا!

ٹرک پر میں نے جلدی سے روشنی کا ایک کھمبا دونوں ہاتھوں سے
مضبوط پکڑ لیا۔ کھمبا، جیسے سے بیگنا ہوا تھا۔ روت کی طرح ٹھنڈا تھا۔
نے سردی محسوس کی تو میرے ہوش دھواس دا پس آنے لگے۔

”اگر کمرے میں آگ لگی ہوتی، میں خیال کرنے لگا۔ بلکہ اُس
میں جو کھڑا ہوتا، شیر ٹھٹھا ہوتا، دلیانہ کتا بیٹھا ہوتا، اگر اس کی بچت
بھی اچانک گر پڑتی، تو میری بچت نہ ہوتا۔ میں اسے ایک معمولی بات
سمجھتا۔ مگر لاش! ایک کل تابوت! اس کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ کچھ
سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے مکان میں تابوت کیونکر آیا؟ کون آیا؟ ایک
امیر لڑکی کا کاہل تابوت! سونے چاندی کے کام سے آراستہ ایک مٹھی
توکے حیرت کرے میں اُسے کون لایا؟ کیوں لایا؟ معلوم نہیں، وہ غالی
ہو! اندر لاش کی ہو؟.....“

اچانک مجھے خیال آیا۔ اگر مجھ سے نہیں تو کوئی ہولناک جرم ہو۔
لاکھ لاکھ سوچا۔ کوئی بات مجھ میں نہ آئی۔

”دروازے پر تو قفل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ کچھ ایسی
نقصی جگہ کی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ منہ کاٹنا میرے سے کیا کیا ہو؟
کوئی خرد غلطی سے لے آیا۔ لیکن فرشتہ تھا تو فرشتہ ہی ہے پھر
کیوں جلا؟ اور میرے یہاں نہ دستاویز تھے؟.....“

”دروازے پر تو قفل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ کچھ ایسی
نقصی جگہ کی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ منہ کاٹنا میرے سے کیا کیا ہو؟
کوئی خرد غلطی سے لے آیا۔ لیکن فرشتہ تھا تو فرشتہ ہی ہے پھر
کیوں جلا؟ اور میرے یہاں نہ دستاویز تھے؟.....“

”دروازے پر تو قفل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ کچھ ایسی
نقصی جگہ کی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ منہ کاٹنا میرے سے کیا کیا ہو؟
کوئی خرد غلطی سے لے آیا۔ لیکن فرشتہ تھا تو فرشتہ ہی ہے پھر
کیوں جلا؟ اور میرے یہاں نہ دستاویز تھے؟.....“

”دروازے پر تو قفل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ کچھ ایسی
نقصی جگہ کی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ منہ کاٹنا میرے سے کیا کیا ہو؟
کوئی خرد غلطی سے لے آیا۔ لیکن فرشتہ تھا تو فرشتہ ہی ہے پھر
کیوں جلا؟ اور میرے یہاں نہ دستاویز تھے؟.....“

”دروازے پر تو قفل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ کچھ ایسی
نقصی جگہ کی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ منہ کاٹنا میرے سے کیا کیا ہو؟
کوئی خرد غلطی سے لے آیا۔ لیکن فرشتہ تھا تو فرشتہ ہی ہے پھر
کیوں جلا؟ اور میرے یہاں نہ دستاویز تھے؟.....“

”دروازے پر تو قفل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ کچھ ایسی
نقصی جگہ کی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ منہ کاٹنا میرے سے کیا کیا ہو؟
کوئی خرد غلطی سے لے آیا۔ لیکن فرشتہ تھا تو فرشتہ ہی ہے پھر
کیوں جلا؟ اور میرے یہاں نہ دستاویز تھے؟.....“

”دروازے پر تو قفل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ کچھ ایسی
نقصی جگہ کی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ منہ کاٹنا میرے سے کیا کیا ہو؟
کوئی خرد غلطی سے لے آیا۔ لیکن فرشتہ تھا تو فرشتہ ہی ہے پھر
کیوں جلا؟ اور میرے یہاں نہ دستاویز تھے؟.....“

”دروازے پر تو قفل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ کچھ ایسی
نقصی جگہ کی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ منہ کاٹنا میرے سے کیا کیا ہو؟
کوئی خرد غلطی سے لے آیا۔ لیکن فرشتہ تھا تو فرشتہ ہی ہے پھر
کیوں جلا؟ اور میرے یہاں نہ دستاویز تھے؟.....“

”دروازے پر تو قفل چڑھا تھا“ میں پھر سوچنے لگا۔ کچھ ایسی
نقصی جگہ کی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
ناممکن ہو کہ کسی دوست نے یہ منہ کاٹنا میرے سے کیا کیا ہو؟
کوئی خرد غلطی سے لے آیا۔ لیکن فرشتہ تھا تو فرشتہ ہی ہے پھر
کیوں جلا؟ اور میرے یہاں نہ دستاویز تھے؟.....“

مراہی نما ظرف ہے - عرب کہتے ہیں کہ یہ ظرف فراغہ کے جواہرات اور طلائی سرمایہ کا مخزن ہے - شروع سے اسے توڑنے کی کوششیں کی گئیں مگر کامیابی نہیں ہوئی - کرنیل لارنس کے ساتھیوں نے بھی ہزاروں گولیاں چلائیں - بعض بعض دفعہ پنہر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ٹوٹ کر گر پڑے - مگر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا - نہیں معلوم کس دیوبی یا دیوتا کی یہاں پوجا ہوتی تھی ؟ کرنیل لارنس کی رائے میں مصری دیوبی " ایسیس " کی پرستش ہوتی ہوگی - کیونکہ ہیدرین کی فوج کشی کے وقت تمام سواحل بحر روم اسی دیوبی کے سامنے سر بسجود تھے -

یہاں سے چند گز کے فاصلہ پر اصل شہر بیضاری نشیب میں واقع ہے - سطح سمندر سے ۹۰ ہزار فیت اونچے محدد حصہ سے شروع ہوتا ہے - رادی کی بلندی صرف ایک ہزار فیت رہ جاتی ہے - اس نشیب میں اس وقت تک شہر کی سڑکوں اور عمارتوں کے آثار باقی ہیں - یہ تمام عمارتیں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی تھیں !

پیٹرا کے رنگ بڑے آثار ہر اس سیاح کو جو مشرقی دیوار عبور کرنیکی جرات کرتا ہے ، اپنی جانب مائل کر لیتی ہیں - سورج کی کرنیں ارد گرد کی پہاڑوں کو قوس قزح بنا دیتی ہیں - انکی چمک بلوچستان کی ارغوانی پہاڑوں سے بھی کہیں زیادہ دلکش ہے - پہاڑوں کی سطح سے زعفرانی ، نارنجی ، ارغوانی ، بنفشی رنگ کی لہریں نکلتی رہتی ہیں - غروب آفتاب کے وقت رات کی تاریکی چھا جانے سے پہلے ، ایسا معلوم ہوتا ہے ، گویا طرح طرح کے رنگوں کے کی موجیں اُمتد رہی ہیں !

محمد یحییٰ - ایم - اے - ایل - ایل - بی
وکیل بدایوں

WANTED.

Urdu Trained Mistresses for the Karachi Municipal Urdu Girls Schools on the following salary :

	Pay	Allowance	Total
1st Year (Junior)	Rs. 50/-	Rs. 10/-	Rs. 60/-
2nd Year	„ 55/-	„ 10/-	„ 65/-
3rd Year (Senior)	„ 65/-	„ 10/-	„ 75/-

The above posts are pensionable and governed by the Municipal Pension & Provident Fund Rules. The appointments will be on 2 years' contract in the first instance. Apply with full details; also age, nationality with copies of testimonials, if any. Applications should reach the Undersigned on or before 1-11-1927. Those already in service, should apply through their authorities under whom they are employed.

Sd. V. G. PRADHAN,
Administrative Officer.

SCHOOL BOARD,
KARACHI MUNICIPALITY, (I H.)

عارضی چہل پہل پیدا ہوگئی - لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد یہ سرگرمی بھی ختم ہوگئی ، اور یہ حصہ پھر شہر خموشاں بن گیا -

خلیج عقبہ کے دھانہ سے ایک پہاڑی اور ریگستانی سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اندرون ملک میں در در تک چلا جاتا ہے - پیٹرا کے کہنڈر عقبہ سے ۹۰ میل کی مسافت پر واقع ہیں - پہاڑوں کے درمیان اس شہر کا محل وقوع ہے - بدر رہنما کے بغیر ان آثار تک سیاح کی پہنچ مشکل ہے - پیٹرا سے شمال کو ۲۰ میل کے فاصلہ پر رادی بحر میت ہے - سیدھے ہاتھ یعنی شرق کی طرف شمالی عرب کا عریض ریگستان ہے - سامنے ارض ادیم یا ادومیا کے پہاڑوں کا وہ سلسلہ ہے ، جو باب الرقیم یا پیٹرا کا پہاڑ تک پہنچتا ہے - اس سلسلہ کو قطع کیے بغیر پیٹرا تک پہنچنا مشکل ہے - دوسری جانب پہاڑی مگر ڈھالو راستہ ہے - اس پر سے ہو کر نیچے اترے ہیں - چند گھنٹے کے پہاڑی اور پیچ دیوچ راستہ کے بعد رادی ادم کا خانمہ ہو جاتا ہے - سفید ریت کے ٹیلروں کے ختم ہونیکے بعد ایک تنگ درہ ملتا ہے - یہ بلند پہاڑی دیوار کا دروازہ ہے - یہاں پر رادی کی وسعت ۱۲ میل سے کم ہو کر صرف ۱۲ فیت رہ جاتی ہے - درہ کی دیواریں ہزارہا فیت اونچی ہیں - عرب اس راستہ کو " شق " کے نام سے پکارتے ہیں - اس شق کی راہ سے سیاحوں کے گہرے اور بار برداری کے اونٹ اُفتل و خیزاں راہ طے کیا کرتے ہیں - پتھر پتھر چاروں طرف چپکلیاں لپٹی ہوئی ہیں - ہر قدم پر تنگناے زیادہ رحشتناک ہوتی جاتی ہے - راستہ میں ایک پہاڑی شگاف ملتا ہے جس سے شفاف پانی کا چشمہ موجزن ہے - عرب کہتے ہیں ، یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مار کر اپنے پیارے ہمرائیوں کے لئے پانی کے چشمے جاری کر دیے تھے - یہ رادی رادی موسیٰ کے نام سے موسوم ہے - رادی اسقدر تنگ ہے کہ اونٹ پر سے دونوں طرف کی دیواریں بخوبی چھری جاسکتی ہیں - اکثر جگہ ارد گرد کی پہاڑیاں بلند ہو کر چھت کا کام دیتی ہیں - اس جگہ آسمان بالکل دکھائی نہیں دیتا - سورج کی شعاع بھی یہاں تک نہیں پہنچتی -

(یونانی مندر)

ایک گھنٹہ کی مسافت کے بعد سیاح ایک تیز گھاؤ سے گذرتا ہے - اس نظر کے سامنے ایسا دلفریب اور خیرت خیز منظر آجاتا ہے جو ایک عرصہ تک کیلئے از خود رفتگی کی کیفیت طاری کر دیتا ہے - یونانی طرز کا ایک نفیس اور خوش رنگ مندر سامنے نظر آتا ہے - اسکا دلفریب حسن اور دلکشا طرز حد درجہ متاثر کرنیوالا ہے - عہد کہن کے صنایعوں نے پہاڑوں سے کات کات کر یہ خوبصورت عمارت تعمیر کی تھی -

ادومی پہاڑوں سے یہ عمارت تراشتے ہوئے ، دندانہ دار آلات سے کام لیا گیا ہوگا - اس مندر کی بالائی سطح مختلف رنگوں سے مزین ہے ، اور ریشمی کپڑے کی طرح جھلک رہتی ہے -

دنیا کا کوئی اور پھاٹک ، دنیا کے قدیم کے اس خاموش شہر کے دروازے سے زیادہ اثر ڈالنے والا نہیں ہے - ہندوستان کا سرخ شہر ، فتح پور سیکری بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا - رومانی و یونانی مخلوط فن تعمیر کے طرز پر یہ مندر کم از کم دو ہزار سال قبل اس پہاڑی سے طیار کیا گیا تھا - اسکا عہد تعمیر رومانی شہنشاہ ہدیرین کی فوج کشی کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے - اہل عرب میں اس مندر کا نام " دیوچ " مشہور ہے - لمبے لمبے ستونوں کے اوپر ایک دیو پیکر

جلد یہ دونوں علاقے برطانیہ سے واپس لے لیں گے، کیونکہ یہ حجاز کی حفاظت کے لئے اہم ضروری ہیں۔ اور حدود حجاز میں داخل ہیں۔

معادہ کی کامیابی کے استبا

قلم روکنے سے پہلے چند الفاظ ان اسباب کے بیان میں بھی ضروری ہیں جو اس معادہ کا موجب ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت تمام دنیا پر روشن ہو کہ برطانیہ دہشت سے کوشاں ہو کر کسی طرح کے عرب خصوصاً حجاز پر قابو حاصل کرے۔ شریف حسین کے ساتھ اس کے معادہ سے اندازہ ٹٹلی کے ساتھ سمجھوتہ اس حقیقت کا تاہم ثبوت ہے۔ تاہم وہ ایک شہر پھر مجبور ہو گیا کہ ایسا ایک معادہ منظور کرے جو اس کی پرانی آرزو کے صریح خلاف ہو۔

اس کے تین اہم سبب ہیں:

(۱) سلطان ابن سعود نے پچھلے چند سالوں کے اندر غیر معمولی قوت حاصل کر لی ہے۔ سرخ حجاز کے بعد شریف کی حمایت نے انھیں عربی ایسا طاقتور حکمران بنا دیا ہے کہ برطانیہ آسانی سے مغلوب نہیں کر سکتا۔ عرب کی سرزمین پر اپنا ایک اتنی بڑی قوت کے طور پر برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ اگر عرب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرے، یا مدت تک کے لئے عرب میں اپنے تجارتی و سیاسی مفاد سے ہاتھ دھو لے۔ سلطان ابن سعود کو ناخوش کرنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک طرف وہ عراق کی طرف بڑھے، دوسری طرف شرق اردن پر نظر آئے اور تیسری طرف طنج فارس کے نیم برطانیہ علاقوں پر حملہ آور ہو جائیں۔ عرب کے حالات سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ عراق، شرق اردن، اور طنج فارس کے اکثر عرب علاقوں میں تمام بڑی آبادیاں سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہیں، اور قریب قریب نجدی دعوت قبول کر چکی ہیں۔ سلطان کا ایک ماٹھ ان حال میں قیامت برپا کرے سکتا ہے۔ برطانیہ کی قوت کتنی ہی عظیم ہو، مگر وہ اپنا نادان نہیں ہو کہ بیٹھے بھلے۔ یہ تمام باتیں اپنے جرنیلوں کے لئے لکھا اس کی مصلحت ہی تھی کہ سلطان ابن سعود سے تعلقات خوشگوار رکھے اور ان کی کابل خود مختاری کے خلاف کوئی جذبہ ظاہر نہ ہونے دے۔

(۲) شام کی حکمرانری نے عربی ممالک میں فرانس کو برطانیہ کا رقیب بنا دیا ہے۔ یہ معلوم ہو کر یوں کہ یوں کہ برطانیہ فرانس کو سخت شکست دی تھی۔ اور اسے اس کے تمام دوسٹوں سے محروم کر کے لاچار کر دیا ہے۔ فرانس اس سبب برطانیہ پر دانت پس رہا ہے اور مشرق میں اس سے انتقام لینے پر تل گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف چین میں برطانیہ کی مخالفت کر رہا ہے، دوسری طرف عرب میں سلطان ابن سعود سے راہ دہم پیدا کر رہا ہے۔ برطانیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اسے اس موقع پر ذرا سی بھی غفلت کی تو بہت ممکن ہے کہ فرانس پر بازی لے جائے۔

(۳) بالمشورہ روس نے پچھلے دنوں عرب سے بہت دلچسپی ظاہر کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بالمشورہ دعوت کا ایک مرکز حجاز پر بھی قائم کر دیں، تاکہ یہاں سے بدینا بھر کے مسلمانوں میں اس کی آواز ہو سکے۔ برطانیہ اسوقت روس سے از صفا غافل ہے۔ اسکی لیا معلوم کر کے بالکل بے حواس ہو گیا، اور بے تحاشا کوشش شروع کر دی کہ دوستانہ معادہ منعقد ہو جائے۔ معادہ کی دوسری شرط کا اطلاق غالباً اسی سبب سے ہے۔

غالباً اس فیصلے کے بعد معادہ جہ پوری روشنی میں آ گیا۔ اس کے نتیجے میں کسی کو غلط فہمی نہ ہوگی۔ آئندہ مکتوب میں اس معادہ کی بات کریں گے جس کا اس وقت حجاز میں ہوا ہے۔

کے درمیان جو معادہ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہوا تھا، جبکہ برطانیہ صرف تھوڑے کے حاکم تھے، اب وہ اس سے معاہدے کے بعد کا عدم ہو گیا۔

شرط دوم۔ یہ معادہ دونوں عربی اور انگریزی میں قلم بند کیا گیا ہے۔ دونوں دستاویزوں کا درجہ بالکل سادہ ہے۔ لیکن اگر کسی عبارت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو تو انگریزی دستاویز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شرط یا سوم۔ یہ معادہ، معادہ جہ کے نام سے موسوم ہو گا۔ یہ معادہ جہ میں یہ روز جمعہ تاریخ ۱۸ مئی ۱۹۳۸ء ہجری مطابق ۲۰ مئی ۱۳۵۷ء میں طے پایا۔

معادہ جہ پر بحث غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ معادہ بالکل ویسا ہے جیسے معاہدے دنیا کی تمام رتبہ خود مختار سلطنتوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ سلطنت نجد حجاز کا بل طور پر خود مختار تسلیم کر لی گئی، بلکہ شرط سوم کی دوسرے اسے تمام بین الاقوامی حقوق بھی حاصل ہو گئے۔ نجد حجاز کی جدید تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ان کے باشندوں کی مستقل تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ دونوں ملکوں کے تعلقات طرہ سے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پر قائم ہو گئے، جیسا کہ اسی شرط کے آخر میں بالتصریح مذکور ہے۔ اب برطانیہ کے وہ امتیازات بھی باقی نہیں رہے جو مروجہ سلطنت عثمانیہ نے اپنے ملکوں میں اسے بخش رکھے تھے، اور جواب تک حجاز میں اس کی حد تک تجدید میں بھی برقرار تھے۔

اس معاہدے میں جا بجا سلطان حجاز و نجد و طحاہا کے الفاظ آئے ہیں۔ طحاہا سے مقصود وہ تمام علاقے ہیں جن پر سلطان ابن سعود کا قبضہ یا حمایت ہے۔ مثلاً ملک عسیر جو حال ہی میں اپنی رمانا ذہبت سے حضرت شیخ سنو سی کے مشورہ پر، ان کی حمایت میں آ گیا ہے۔

مسلکہ

معاہدے کے ساتھ چند ضمیمے بھی ہیں۔ یہ بھی شائع ہو گئے ہیں۔ ایک ضمیمہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا ہے کہ بحر احمر کو اس بین الاقوامی قانون سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرے گا، جو پتھاروں کی فروخت کے متعلق ہے۔ آپ کے قارئین واقف ہو گئے کہ یوں کہ کی دہلی نے مشرقی قوتوں کو کمر در کمر کرنے کے لئے ایک قانون بنا رکھا ہے، جس کی رو سے بہت مشرقی مالک جن میں ایران اور مالک عرب بھی داخل ہیں، سندھ کی راہ سے اسلحہ خریدنے کے حق سے محروم کر دئے گئے ہیں۔ یقیناً سلطان ابن سعود کا تمام مشرقی دنیا خصوصاً عربی مالک بہت بڑا اچان ہو گا اگر ان کی کوشش سے بحر احمر اس جابرانہ قانون سے مستثنیٰ ہو جائے اگر اس کوشش میں کامیابی ہوگی تو اس کے معنی یہ ہو گئے کہ عربی مالک کی جنگی قوت بہت بہتر ہو جائے گی۔ ایک قریبی نامہ یہ بھی ہو گا کہ بین الاقوامی اصول طبع سے محفوظ ہو جائے گا جو اس وقت جہ ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔

عقیدہ معان

ایک دوسرے ضمیمہ میں عقیدہ معان کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں علاقے شریف علی نے اپنی مختصر حکومت کے زمانے میں برطانیہ کے حوالے کر دئے تھے۔ سلطان ابن سعود کو اس کا رد والی پراقرض تھا۔ ان کا اقرض یہ تھا کہ یہ فعل ایک مفرد حاکم کا ہے، جس کی حکومت کی بنیادیں ایک ملک کے لئے بھی استوار نہیں ہوتیں، اور جو علاقہ ایک شہر (مدینہ) سے زیادہ وسیع یا آباد ہے، اس میں مختصر معان تک برطانیہ کو اس اقرض کی حقیقت سے استغناء ہو گا، مگر اب اس اصل اقرض تسلیم کر لیا ہے۔ اور بحث کسی دوسرے موقع کے لئے کر دی ہے۔ بلاشبہ اس وقت عقیدہ معان کا تسلیم نہیں ہوا، لیکن اس کے عمل کے لئے راستہ کھل گیا ہے۔ اس سبب کہ سلطان ابن سعود

نے ہر محشی برطانیہ نے سرگرمی سے لکھ کر اس کو اپنا مختار قرار دے کر دیا کیا، اور ہر محشی شاہ حجاز و نجد طحاہا نے ہر مائی اس میں فیصل اپنے فرزند اور نائب کو اپنا مختار قرار دیا۔

”مذکورہ بالا تہدیک کی بنا پر، دونوں نمائندوں کی مختاری کا فقدان کی محنت سے مطمئن ہو کر، ہر مائی فیصل بن عبدالعزیز اور سرگرمی و لکھ کر طحاہا نے حسب ذیل شرطیں پر اتفاق کیا ہے:

شرط اول۔ ہر محشی برطانیہ، ہر محشی شاہ حجاز و نجد و طحاہا کی کابل اور نائب کے قید خود مختاری کا اقرار کرتے ہیں۔

شرط دوم۔ ہر محشی برطانیہ اور ہر محشی شاہ حجاز و نجد و طحاہا کو مابین اس دہان اور دوستی برقرار ہوگی۔ طرہ میں عہد کرتے ہیں کہ باہمی تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے، اور اپنے جہد وسائل کو سلطنت دہان کے اپنے ملک کو ایسے غیر قانونی اعمال کے لئے مستعمل ہونے نہ دیں گے۔ دوسرے فرق کے ملک میں اس دہان اور سکون کے خلاف ہوں۔

شرط سوم۔ ہر محشی شاہ حجاز و نجد و طحاہا وعدہ کرتے ہیں کہ برطانیہ کی جہد سلطان و علیا اس کے زیر حمایت سلمان باشندوں کے لئے فرض حج کی ادائیگی میں سہولت پیدا کریں گے جیسا کہ باقی تمام حج کے لئے کرتے ہیں۔ نیز ہر محشی وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی جان و مال کو ان کے قیام حجاز کے دوران میں ہر طرح اہمیت حاصل ہوگی۔

شرط چہارم۔ ہر محشی سلطان حجاز و نجد و طحاہا وعدہ کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا حاجوں میں سے جو لوگ ملک کے حدود میں فوت ہو جائیں گے اور جن کے شرعی وارث ہر محشی کے ملک میں موجود نہ ہوں گے، ان کا ترکہ جہد میں برطانوی نمائندے یا اس کے نائب کے حوالہ کر دیا جائے گا، تاکہ متوفی کے متحی داروں تک پہنچا دیا جائے لیکن یہ حوالگی اس شرط کے ساتھ عمل میں آئے گی کہ پہلے ہر محشی سلطان کی خاص عدالتوں کے سامنے یہ معاملہ پیش ہو جائے اور حجازی قوانین کے مطابق لازمی معمول وصول کر لیا جائے۔

شرط پنجم۔ ہر محشی شہنشاہ برطانیہ، ہر محشی سلطان حجاز و نجد و طحاہا کی جہد رعایا کے لئے حجازی اور نجدی جنسیت کا اقرار کرتے ہیں جبکہ وہ ہر محشی برطانیہ کے مقبضات اور زیر حمایت ملکوں میں پائے جائیں اسی طرح ہر محشی سلطان حجاز و نجد و طحاہا بھی برطانیہ کی رعایا ان کے زیر حمایت باشندوں کے لئے برطانیہ جنسیت کا اقرار کرتے ہیں جبکہ وہ حجاز و نجد و طحاہا کے مالک میں پائے جائیں گے۔ اس میں ان بین الاقوامی قوانین کا لحاظ کیا جائے گا جو خود مختار حکومتوں کے مابین نافذ ہیں۔

شرط ششم۔ ہر محشی سلطان حجاز و نجد و طحاہا عہد کرتے ہیں کہ کویت بحرن، اور ساحل عمان کے مشائخ کے جن جوار کو ملحوظ رکھیں گے جن سے برطانیہ کے خاص معاہدات ہو چکے ہیں۔

شرط ہفتم۔ ہر محشی شاہ حجاز و نجد و طحاہا عہد کرتے ہیں کہ اپنے تمام وسائل سے غلامی کے سد باب میں برطانیہ کی مدد کریں گے۔

شرط ہشتم۔ معاہدہ کرنے والے فریقین پر لازم ہے کہ جہد سے جہد معاہدہ نافذ کریں اور منظوری کے کاغذات ایک دوسرے کے حوالہ کر دیں۔ معاہدہ اس دن سے نافذ ہو گا جب منظوری کے کاغذات کا باہم مبادلہ عمل میں آ جائے گا۔ معاہدہ اس تاریخ سے، جس تک نافذ ہو گا۔ لیکن اگر طرہ میں سے کوئی فرقہ کسی سال گزرنے کے بعد پچھلے پچھلے سے جہد مان کر دے گا کہ وہ معاہدہ باطل کر دینا چاہتا ہے، تو اس صورت میں معاہدہ برقرار نافذ ہو گا۔ معاہدہ اسی وقت باطل ہو گا جبکہ پچھلے اس کے ابطال کا کوئی فرقہ باضابطہ اعلان کرے۔

خود ہر محشی شاہ حجاز و نجد و طحاہا اور ہر محشی سلطان حجاز و نجد و طحاہا

برید شرق

مکتوب حجاز

(الامال کے مقالہ نگار مقیم جدہ کے قلم سے)

تھی۔ اس لئے مجبور ہو کر انہوں نے یہ معاہدہ منظور کر لیا تھا۔ لیکن جنگ کے چند ہی سال بعد وہ اس سے بے پروا ہو گئے، اور فرانس سے تجارتی تعلقات قائم کر لئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ حجاز پر بھی یوں کر دی، اور برطانیہ کے پروردہ اقتدار شریف حسین اسد اس کے خاندان کو خارج کر دیا!

اب گویا عملاً کوئی معاہدہ بھی تجدید اور برطانیہ کے درمیان موجود نہ تھا۔ حالات میں انقلاب عظیم رہن ہو چکا تھا، اور اس لئے جدید معاہدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے گذشتہ ماہ ہی میں گفٹ و شینڈ شروع ہو گئی اور اب ۲۲ ستمبر سنہ رواں کو تکمیل کے بعد اعلان ہو گیا ہے۔

اصلی معاہدے کا لفظی ترجمہ جیٹیل ہے:

منہر محبٹی شاہ برطانیہ، آئرلینڈ، برطانیہ مقبوضات اور الجزائر اور شمشاد ہندوستان نے ایک جانب سے، اور منہر محبٹی شاہ حجاز نجد و طحا تانے دوسری جانب سے، اپنے باہمی دوستانہ تعلقات کے استحکام اور اپنے مصلح کی حفاظت کے خیال سے غم کیا ہو کہ باہم دوستی اور حسن تعاون کا ایک معاہدہ منعقد کریں۔ چنانچہ اس غرض کے

معاہدہ جدہ

قادرین الامال واقف ہوں گے کہ تجدید برطانیہ کے اجینٹوں میں ایک معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اس معاہدے میں بعض دفعات ایسی تھیں جن سے نجد کی خود مختاری پر پابندیاں عائد ہوتی تھیں۔ مثلاً اس میں ایک شرط یہ تھی کہ حکومت نجد، برطانیہ کے ہوا کسی دوسری سلطنت سے سیاسی گفت و شنید نہیں کرے گی اور نہ تجارتی و اقتصادی تعلقات قائم کرے گی۔ یا یہ کہ سلطان نجد، حجاز کی طرف شیعہ نہیں کرے گی اس کے معاوضہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ خارجی حلوں کو اپنے مقبوضات کی حفاظت کرے گا۔

اگرچہ سلطان ابن سعود نے کبھی برطانیہ کو اپنے ملک میں دخل کا موقع نہیں دیا، تاہم بیرونی دنیا میں حالات سے بے خبر لوگوں کے معاہدے کی شرطیں دیکھ کر شبہ ہوتا تھا کہ تجدید برطانیہ کی حیات اور سرپرستی میں ہو۔

دراصل مسئلہ کا معاہدہ جنگ عظیم کے خاص حالات کا نتیجہ تھا سلطان کو برطانیہ اس کے اتحادیوں، خصوصاً شریف حسین کی طرف سے سخت خطرے درپیش تھے۔ جرمنی اور ترکی سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی

چوٹ محسوس کرتے ہیں۔ مزدور جاگ رہے ہیں۔ ہم نے جو تابوت دیکھا ہے یقیناً وہ تابوت ہی ہیں۔ ہمارا دم و خیال نہیں ہو۔ اب بتلاؤ کیا کریں؟

ہم اب مکان کی سیڑھی پر آ کے کھڑے ہو گئے، اور دیر تک سوچتے رہے، کیا کرنا چاہئے؟ آخر طے ہوا کہ ہم اس کے اوپر چلیں، اور نوکر کو جگا کر کرے میں جائیں۔

(۵)

نوکر ہاتھ میں شمع لئے اندر گیا۔ ہم پیچھے پیچھے چلے۔ دافنی کمرے کے صحن و سطین ایک تابوت رکھا تھا۔ اسپر سفید لٹین جاوہری تھی کنادوں پر سونے کے تاروں کا کام تھا۔ جا بجا چاندی کے پھول لپکتے تھے!

تابوت دیکھ کر نوکر نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔

اب ہم حقیقت معلوم کرنے سکے ہیں۔ میرے دوست نے رگ رک کر کہا، کیونکہ وہ پوچھے جس سے کانپ رہا تھا۔ دیکھا چاہو تو کیا ہو؟ تابوت خالی ہے، یا اس میں کوئی لاش بھی ہو؟

بڑے پیش دہشی کے بعد سارن نے بہت کی۔ چند قدم آگے بڑھا، اور تابوت کا ڈھکن اٹ کر پیچھے ہٹ گیا۔

ہم نے جھک کر دیکھا۔ تابوت بالکل خالی تھا۔ فرش کی جگہ ایک غدا تھا!

حال ہی میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، اور میرے قریب رہتا تھا وہ بھی میرے ساتھ روحانی طب سے شریک تھا۔

میں بے تحاشا اُس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کا کمرہ مکان کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔

لیکن میں ابھی زینے ہی پر تھا کہ اوپر سے خوفناک شہ سنائی دیا۔ ایسا مہلوم ہوا، جیسے کوئی آدمی بدحواسی سے ادھر ادھر دھڑک رہا ہو۔

اور زور زور پاؤں زمین پر مار رہا ہو۔

نورانی ایک دھشت ناگ آواز میرے کانوں میں آئی،

”مدا! مدا! دودڑا! دودڑا!“

اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص اوپر سے بے تحاشا گرتا ہوا پھوٹا پڑا۔

”ساروت! ساروت! دوست! تم ہو؟ کیا ہوا؟“ میں بے اختیار چلا آٹھا۔ کیونکہ یہ شخص میرا دوست ساروت ہی تھا۔

زینے پر دھندلی روشنی تھی۔ ساروت نے آتے ہی دیوانہ وار میرے مونہ پر پکڑ لئے۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہا تھا۔ چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں عجیب قسم کی دھشت ظاہر کر رہی تھیں!

”ساروت!“ میں پھر چلا۔

”ریکیوٹ!“ اُس کی لڑتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ ریکیوٹ تم ہو تم؟ کیا واقعی تم ہی ہو؟“

اُس نے مجھے بغور دیکھا اور لمبی سانس لی۔

”یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟“ مرنے کی طرح پیٹے پڑ گئے۔ ”ات، تمہاری صورت کسی ڈراؤنی ہو رہی ہو؟ خدا و بتلاؤ کیا ہوا؟“

اُس نے مجھے بغور دیکھ کر کہا۔

”آؤ یہ تمہاری حالت کیا ہو رہی ہو؟ بالکل مردہ معلوم ہوتے ہو میرا جان بچا تھا۔“

”بھروسہ!“ اُس نے جلدی سے کہا ”دوام لینے دو۔ آہ میں اس وقت تم سے مل کر کتنا خوش ہوا ہوں؟ جان جانے جاتے بھی۔ محاصرہ اور دوح کے جلسوں پر خدا کی نعت! علم الادراج پر ہزار نعتیں! اُس طے نہ تھیں معلوم میرے لئے کسی کسی ہولناک چیزیں پیدا کر دی ہیں؟ کیا تم یقین کر دے کہ جہنم میں اپنے کمرے میں داخل ہوا۔“

اُس نے کینا دھاڑا تا مانترا میں نے دیکھا، کمرے کے صحن و سطین ایک تلخات رکھا ہے!“

مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ یہ تو بعینہ خود میری سرگزشت تھی۔ میں نے چیخ کر دھچکا:

”تابوت! کیا کہتے ہو؟ تابوت!“

اُس نے صاف لفظوں میں کہا۔ ”تابوت! ایک حقیقی تابوت! میں بڑبڑاہیں ہوں۔ لیکن اس منظر سے تو شیطان بھی بے ہوش ہو جائے گا“

میں پھر خوں سے کانپنے لگا۔ میں نے برسرِ شکل اپنے دونوں شاہی اُس سے بیان کئے۔ میں نے کہا: ”خدا! عجیب طرح کی ہولناکی! میں نے اپنے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اپنے دوست کے کمرے میں تابوت دیکھا۔ اذنا اب تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اپنے کمرے میں تابوت دیکھا ہے۔“

(۶)

ہم دونوں مکان کی چوڑی سیڑھی پر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں بہت تھے۔ میں خیال ہوا، شاید سرد ہو رہی ہیں۔

یہ شبہ بیک وقت دونوں کے دماغ میں گرا، اس لئے ایک دوسرے کو گتے لگائے تاکہ ہم کمرے میں دافنی جاگ رہے ہیں یا عالم خواب میں ہیں۔

”میں، ہم خواب میں نہیں ہیں۔ ساروت نے کہا۔ ہم گتے کی

(۸)

میرے دوست نے غدا اٹھا لیا، اور کاٹتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ اُس کے اندر حریف بل سطین مرقم تھیں:

”میرے پیارے دوست ساروت! نوٹ!“

”تمہیں معلوم ہو چاری مالی حالت کس درجہ بگڑ چکی ہو مختصر لفظوں میں واقعہ یہ کہ میرا بھائی دیوالیہ ہو گیا ہے۔ کل اُس کا تمام سامان نیلام ہو جائے گا۔ تم جانتے ہو، اُس کی دکان میں تابوتوں کے ہزار کچھ نہیں ہو (کیونکہ شہر کے لئے وہی تابوت مہیا کرتا ہے) اب ہمارے لئے فقر و فاقہ کے ہوا کچھ باقی نہیں بچا۔ ہمارے خاندان کے بچے کے بعد طے کیا ہو کہ تجھے تابوت بھی راتوں رات نکالے جائے تھے؟

نکال دئے جائیں تاکہ وہ نیلام سے بچ جائیں۔ چنانچہ اپنے تمام سامان کے یہاں ایک ایک تابوت بھجوا دیا ہے۔ ایک تابوت تمہارے یہاں بھی رکھوا دیتے ہیں۔ تم مطمئن ہو، ایک ہفتے سے زیادہ تمہیں اس کی حفاظت کرنا کرنی پڑے گی، اور ہم اس کے لئے تمہارے اہتمام و دستوں کے نہایت شکر گزار ہوں گے۔“

مختار مخلص ”آؤ ان کو دین۔“

(۹)

اس واقعہ کے بعد میں نے کم و بیش تمام صلیب کے ملاح کو اپنا ایک حالت ہو کر جب بھی خام کو گھر لٹا تھا، زور دے کر خوں سے لگا جاتا تھا۔

میرے یہاں ایک تابوت کا منظر یہ تھا کہ

۱۲۵ھ میں اس نے والد علاء الدین کے قاضی مقوقہ کی حجت بھی ساتھ لیا اور تعلیم حاصل کر لیا۔ اس کے والد چونکہ فاضل تعلیم عالم تھے، اس لئے شروع ہی سے اسے فارسی، عربی، اردو، علمی تعلیم دی گئی۔ توفیق سے واپس آنے کے بعد اس نے آتش کی تاریخی مسجد جامع فارغ کیا۔ یہ دینی علوم کی تکمیل کی اور فارسی زبان میں بھی کامل مہارت حاصل کر لی۔

جب ۱۳۵ھ میں حکومت نے مدرسہ عرفانیہ جاری کیا اور منتخب ہو کر طالب علم اس میں داخلہ کئے گئے، تو ان میں ایک رحمت آفندی بھی تھا۔ لیکن اس نے جلد دیکھ لیا کہ اس مدرسہ کے طالب علم اس کے برابر تالیف نہیں کتے، اور تعلیم بھی بہت معمولی درجہ کی ہے، اس لئے برداشتہ خاطر ہو کر چھوڑ دیا۔

عملی زندگی

۱۳۵ھ میں اس نے اپنی تعلیم ختم کر لی۔ مگر اس کی عملی زندگی ابھی سے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ کم عمر ہی سے سرکاری فرائض میں ملازم ہو گیا تھا۔ دفتر کا کام بھی انجام دیتا اور تعلیم بھی جاری رکھتا۔

لیکن ۱۳۵ھ میں اس نے غافل علی زندگی میں قدم رکھا۔ ۲۵۰۰ قرش تنخواہ پر اسے ایک مستقل عہدہ مل گیا۔ یہ ولایت شام میں سرکاری کا فرائض کی تحریک جگہ تھی۔ دو تین برس تک اسی جگہ پر مامور رہا۔ پھر ۱۳۶۸ھ میں سائی باشا دلی توفیق کے دفتر میں لیا گیا۔ ۱۳۶۸ھ میں اسی دلی کے ساتھ صوبہ مستظفائی میں گیا۔ ۱۳۷۸ھ میں مستظفائیہ واپس آیا اور اسی زمانہ میں اس کی فاضل ہوئی۔ اس کے بعد اسے وزیر اعظم کے دفتر میں انشاء و کتابت کی معزز جگہ مل گئی۔ اس جگہ کے چھانے سے اس پر اعلیٰ اور بڑی سبب کا دروازہ کھل گیا۔ اور وہ حکومت کے ممتاز اور ذمہ دار اصحاب پر مشتمل ہونے لگا۔

تفتیش (انکیش)

۱۳۷۸ھ میں حلب شام کے جنگی خانے میں حجت نظمی پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ خزانہ حکومت کے ہتھیارے غائب ہو گئے۔ اس میں انکیش کرنے کے لئے رحمت آفندی بھیجا گیا۔ اسے خفیہ طور پر ہایت کی جاسپی کر عربی مالک کے سپہ سالار اعظم محمد باشا قریلی کے طرز عمل کی بھی تحقیقات کرے۔ یہ بیٹے کی محنت کے بعد اسے ثابت کر دیا کہ نقی کے ۲۰۰ ہتھیار نہیں، بلکہ ۵۰ ہزار ہتھیار چوری ہو گئے ہیں۔ چور کا بھی پتہ چلا لیا اور اس سے ایک ہزار ۵۰۰ ہتھیار وصول کر لئے۔ نیز ناقابل رد و دلائل سے ثابت کر دیا کہ سپہ سالار نے تم مدد کے سطلے میں سخت غلطیاں کی ہیں۔

مجلس والای صدارت

وزیر اعظم رشید باشا نے رحمت آفندی کی اس خدمت کی بہت تعریف کی۔ عرب کا سپہ سالار معزول کر دیا گیا۔ اور رحمت کو ۱۳۷۹ھ میں مجلس والکام صدر مقرر کیا گیا۔ یہ منصب اس کی فطری اور غیر فطری انتظامی قابلیت کے ثبوت کے لئے ہر طرح موزوں تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کی قابلیت کے ایسے نمایاں ثبوت ملے کہ وہ رشید باشا، عالی باشا، رشیدی باشا وغیرہ ارکان سلطنت کا معتبر ترین گیا۔ چنانچہ سلاطین کے محل کرنے کے لئے روسی پڑوس خلیفہ مستظفائی کی، اور شاہی کی توجہ بھی اس کے سپرد کر دی گئی جو بہت بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔

ارکان حکومت کے مختلف

ابا ترقی کرنے کوئے، رحمت آفندی اعلیٰ میں کا جب خانی کے مدد سے پریشانی سے نکلے، اس میں محمد آغا، علی، وزیر اعظم

کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اکثر حصہ ایک ایک دو دو سطر کر کے مختلف اوقات میں لکھا گیا ہے، اور بہت سے مقامات میں ناقص جملوں اور غلطیوں پر قلم کی کشش رک گئی ہے۔ وہ قلم اور کاغذ خوش کے نیچے چھپا کر رکھ دیا کرتے تھے، اور جب بھی پاساؤں کی نگاہوں سے ہلت پڑتی تھی، لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ توفیق دو سطر میں بھی نہیں لکھنے پاتے تھے کہ کسی آبی کی آہٹ ملتی دیتی، یا باہر سے باتوں کی آواز آنے لگتی، اور وہ قلم کاغذ چھپا دینے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

”عین اس حالت میں بھی جبکہ موت سامنے تھی، زندگی رحمت کے تمام مسائل مفقود ہو چکے تھے، نصف پری اور امراض کے علاج سے قوی معطل ہو رہے تھے، اور ایک جابر و مستبد بادشاہ اور اس کے رذیل اور جرائم پیشہ حکام ہر آن اس کے انفا میں حیات کو کرنے کے درپے ہو رہے تھے، وہ اپنی قوم اور ملت کی خدمت سے بے فکر نہیں ہوا، اور محض اس امید و ہوس سے کہ شاید اس کے لکھے ہوئے اوراق کسی وقت قوم کی نظروں تک پہنچ جائیں، اس نے اپنی زندگی کے تمام تجارب و انکار قلمبند کرنے۔ عین اس وقت جبکہ عبد الحمید اس کی ساری کے مسائل پر غور کر رہا تھا، وہ قید خانہ کی کوٹھڑی کے اندر ان کے قلمبند کرنے میں مشغول تھا جن کے ذریعہ عبد الحمید کا عرش مملکت موت کے خطرات سے نجات پاسکتا تھا۔

”میرے والد نے یہ کتاب قید خانہ میں لکھی، اور اس کا ایک حصہ سترائیں اپنے اہل و عیال کے پاس بھجوا دیا۔ یہ ابتدائی حصہ اور بعض خطوط مجھے اپنی والدہ مرحومہ سے ملے تھے، اور میں نے ان میں ایک مقدس تذکار سمجھ کر محفوظ رکھا تھا۔ چند سال پیشتر میں نے یورپ میں جو کتاب مرحوم کے قتل حیات پر شائع کی تھی، وہ اپنی اوراق سے مرتب کی گئی تھی۔

”یہ اس شخص کا اثر ہے جو ۱۲۰۰ھ رجب ۱۳۷۸ھ ہجری کو رات کے ۶ بجے دینیہ انگریزی گھڑی کے حساب سے (اردیج) عبد الحمید کے حکم سے قید خانہ طائف میں گلا گھونٹ کر ہلاک کر ڈالا گیا۔ اس نے کہا کہ ڈالا گیا، کہ وہ ظلم و استبداد کا مخالف تھا، اور عدل و دستور کا داعی تھا۔ آج جبکہ تمام مملکت عثمانیہ قیام دستور کے یادگار کی جگہ پر منادی ہے، بیجا نہیں اگر میں یہ امید کر دوں کہ دستور عثمانی کے اس شہید کی یاد پر قوم کے دل میں تازہ ہوجائے!“

سوانح حیات

رحمت باشا کی اسی خود نوشتہ سوانح عمری سے ہم مختصر اس کے حالات نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان خطوط کا ترجمہ درج کر چکے جو قلم طائف سے بھیجے گئے تھے۔

ابتدائی تعلیم

رحمت باشا ابن قاضی حاجی حافظ محمد اشرف صفر ۱۳۵۸ھ میں بہ مقام مستظفائیہ پیدا ہوا۔ والدین نے اسے شفیق نام رکھا تھا۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور حافظ شفیق کہلانے لگا۔

۱۳۷۸ھ میں اس کے والد علاء الدین کے قاضی مقرر ہوئے۔ یہاں اس نے لکھا لکھا، اور ایک برس بعد جب وہ واپس ہوا، تو محمد باشا وزیر خارجہ کے حکم سے دیان ہایت میں داخل کر لیا گیا۔ اس نے اس میں اعلیٰ شرف کی جگہ حاصل کر کے ۲۰ سالہ خاص ہو۔ اس عہد کی تعلیم کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تمام فرائض تحصیل طلبہ کو ایک لمحہ نام انصاف سے جاکر لیتی تھی۔ چنانچہ اس نے حافظ شفیق کے لئے بھی ایک نام تجویز کیا۔ یہ رحمت تھا، وہاں دن سے شفیق کی جگہ رحمت کے نام سے لکھا جانے لگا۔

سینہ میں چھپلے، اور وقت مناسب کی منتظر رہے۔ علی حیدر نے خود نوشتہ سوانح عمری کا جو مسودہ اپنی والدہ سے ملا تھا، وہ نام تمام تھا، اور کچھ یہ نہیں چلا تھا کہ اصل میں نام تمام تھا، یا اس کے بقیہ اوراق ضائع ہو گئے تھے۔ اعلان دستور کے بعد یکایک یہ خبر ترقی اجازت میں چھپی کہ ”وصفی آفندی مدیر اوراق (ریکارڈ کیپر) طائف نے ۱۳۷۸ھ کے بعد طائف کے ایک بارغ بیرون شہر سے وہ اپنی صندوق نکالا ہے، جس میں رحمت باشا کی خود نوشتہ کتاب محفوظ تھی۔ وصفی آفندی نے رحمت باشا کے قتل کے بعد ۱۵۰۰ ذی قعدہ ۱۳۷۸ھ کو زمین میں دفن کر دیا تھا۔“ وصفی آفندی نے یہ صندوق علی حیدر کے حوالہ کر دیا تھا۔ حقیقتاً سے معلوم ہوا کہ رحمت باشا نے اپنی کتاب مکمل کر لی تھی، اور احتیاطاً اس کی دو نقلیں بھی، اپنے رفیق جس شیخ خیر احمد آفندی (سابق شیخ الاسلام) سے کرائی تھیں تاکہ اگر اصل نسخہ محفوظ نہ رہ سکے تو اس کی نقل موجود رہے۔ اصل نسخہ کا ابتدائی حصہ بدعات ترمزاً بھیجا گیا، بقیہ اجزاء ابھی نہیں بھیجے گئے تھے کہ ۱۲ رجب ۱۳۷۸ھ ہجری کی وہ ہولناک رات آگئی جو مرحوم اور اس کے ساتھی محمد باشا داماد کے قتل کی رات تھی۔ اس طرح مرحوم کو بقیہ اوراق بھیجے کا موقع نہیں ملا۔ یہ اوراق قتل کے بعد قید خانہ کے حکام کو مل گئے تھے اور مستظفائیہ بھیجے گئے تھے۔ لیکن ان کی دو نقلیں خیر احمد آفندی کے پاس نہ گئی تھیں۔ خیر احمد آفندی نے کوٹھڑی کی کسی طرح یہ دونوں نسخے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ اسے ایک نسخہ اپنے مختص دست کمال آفندی شیخ تکیہ آستانہ تک پہنچانے کے لئے ایک شخص مصطفیٰ آفندی نامی کے سپرد کیا، اور دوسرا طائف کے ڈاکٹر فخری بے کو دے دیا۔ پہلا نسخہ کمال آفندی تک پہنچ سکا اور مصطفیٰ آفندی کا انتقال ہو گیا۔ لیکن دوسرا نسخہ ڈاکٹر فخری نے وصفی آفندی مدیر اوراق طائف کے سپرد کر دیا۔ وصفی آفندی رحمت باشا کی جماعت سے ہمدردی رکھتا تھا اور دل سے اصلاح پسند تھا۔ اس نے اس امانت کی قدسی، اور ایک آہنی صندوق میں بند کر کے شہر کے باہر دفن کر دیا۔

رحمت باشا کی خود نوشتہ سوانح عمری

علی حیدر نے انقلاب کے بعد مستظفائیہ لکھا تھا۔ اس نے اس کا پچھلے مسودہ سے مقابلہ کیا، اور ترکی میں ایک نئی کتاب مرتب کر کے مستظفائیہ میں شائع کر دی۔ یہ رحمت باشا کی سرگزشت حیات کا مکمل مجموعہ ہے۔ اس میں اس کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے، قید خانہ طائف کے تمام خطوط ہیں، اصلاح نظام حکومت کی تمام یادداشتیں ہیں اور آخر میں چند تصانیف ہیں جن سے کتاب کے بعض تفصیل طلب مقامات کی مزید تشریح ہوجاتی ہے۔

علی حیدر کا اس مجموعہ کے دیباچہ میں لکھنا ہے:

”ایک ایسے موثر پر جبکہ میری قوم قیام دستور کی یادگار بناتی ہو (جولائی ۱۳۷۸ء) میں اپنے والد مرحوم کی خود نوشتہ سوانح حیات کا وہ اس کے سامنے پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ یہ عبرت و موعظت کا ذریعہ ہوگا!“

”جب ہمارا وطن عزیز اپنی صد سالہ عظمت و شوکت کی بلندیوں پر تنزل کے قعر زلزلت میں گرا ہوا تھا، اور عدلی و نظام کے فقدان نے امید و مراد کے تمام دروازے بند کر دیے تھے، تو اس وقت ابن ابی کا مصنف ملک ملت کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کے کابل ۵۰ سال اس راہ میں بسر کر کے۔ یہاں تک کہ اسی کی راہ میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر ڈالی!“

”میرے والد نے یہ اوراق قلم طائف کے قید خانہ میں اس وقت لکھے تھے جبکہ وہ خلیفہ محمد علی کی طرح ایک تنگ کوٹھڑی میں مقید تھا اور خلیفہ دہلی یا شاہی کی نگاہوں میں رحمت آفندی کی رہتی تھی۔“

خدمات لینڈ کے حوالہ کردی تھیں۔ منسلک نام میں ایک انگریزی کتاب "دوازدہ سالہ حکومت سلطان عبدالحمید" کے نام سے اسٹیشن میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے دیباچہ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ انگلستان کی ایک شہزادی کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب بھی حمیدی دعائیہ دیر پیشہ کا نتیجہ تھی، اداس نے شائع کر لی گئی تھی تاکہ سرسری ایلیٹ کے ان مضامین کا جواب دیا جائے جو اسے دت پاشا اداس کی مصلحت ساعی کی حمایت میں لکھتے تھے اس کتاب کا اردو ترجمہ ہندوستان میں شائع ہو چکا ہے۔

انکشاف حقیقت

ایک عرصہ کے بعد جب دت پاشا کا لڑکا علی حمید بے جوان ہوا، تو اس کی ال نیر خاتم نے اس کے باپ کی آخری امانت اسی کے سپرد کر دی۔ یہ امانت کیا تھی؟ یہ ایک مکمل خود نوشتہ سوانح حیات تھی، جو اس شہید جہت نے طائف کے قید خانہ میں لکھی تھی۔ اور چند خطوط تھے، جو اسے اداس کے ساتھیوں نے طائف سے بھیجے تھے۔ ان خطوط میں ان تمام ہولناک واقعات کی تفصیل درج تھی جو طائف کے محبس میں پیش کئے گئے تھے۔

یہ خطوط طائف کے قید خانے سے کیونکر بھیجے گئے اور کس ذریعہ سے مرحوم کے خاندان تک پہنچے؟ اس کی تفصیل ان اوراق میں ملتی تھی۔ اس زمانے میں مقرر کے خاندان خلیوی کی ایک امیرزادی، بیگم صفوت پاشا نے مکہ معظمہ میں قیام اختیار کر لیا تھا، اداس کی دت دربارت کی وجہ سے شریف اور گورنر حجاز بہت دوسرے دت تھے۔ یہ بیگم دت پاشا اداس کے مصلحتانہ اعمال سے واقف تھی۔ اسے جب معلوم ہوا کہ وہ مع اپنے رفیقوں کے طائف میں قید کیا گیا ہے، تو آمادہ ہوئی کہ اپنی موجودگی سے ان کی مصیبت کم کرنے کی کوشش کرے۔ اور تو کچھ نہ کر سکی، لیکن اس کی وجہ سے خط و کتابت کا ایک محفوظ ذریعہ پیدا ہو گیا۔ طائف کا ایک فوجی ڈاکٹر فریڈے اس کے زیر اثر تھا اسے قیدیوں کے دیکھنے کی اجازت تھی۔ وہ ان سے پوشیدہ خطوط لے لیتا اور مکہ معظمہ پہنچا دیتا۔ کہ اسے خطوط مقرر بھیج دئے جاتے۔ مقرر سے سزا کی ایک فرانسیسی کمپنی کے دفین میں پہنچ جاتے جہاں دت پاشا کا خاندان مقیم تھا۔ کمپنی کے دفین کا منتظم دت پاشا کی بیوی اور بہن تک پہنچا دیتا۔

البتہ دت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری اتمام تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی تخلیق کا موقعہ نہیں ملا، یا بقیہ سودہ ضائع ہو گیا علی حمید نے ان اوراق کی مدد سے دت پاشا کے اعلیٰ حیات پر ایک کتاب مرتب کی، اور منسلک نام میں پیرس سے شائع کی پہلے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر اس کا انگریزی ادیشن بھی شائع ہو گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دنیا کو حقیقت حال خود قرار ہونے کا موقع ملا، اور کذب و افتراء کے وہ تمام پڑے چاک ہو گئے جو عبدالحمید اداس کے حامیوں نے اس مامت باز مصلح کی زندگی پر ڈالے تھے۔ قصر لینڈ کے کارپردازوں نے بہت کوششیں کیں کہ کئی طرح اس کتاب کی قطعی شہادتیں کر دیاں لیکن اب ۲۰ سال کی مستند حقیقت عالم آشکارا ہو چکی تھی، اور حقیقت جب ایک مرتبہ آشکارا ہو جائے، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے ستر نہیں کر سکتی!

طائف کا مدفن صندوق

منسلک نام کے انقلاب دستور کے بعد اس مصلح میں ایک نیا انکشاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے، اس شہید ظلم کی مقدس امانت مقرر اس کے خاندان میں ہی محفوظ رہی تھی، بلکہ طائف کی زمین میں دفن اپنا آغوش میانت کھول دیا تھا، تاکہ اس کی آخری امانت اپنے

دوستی کا جو اس میں اور دت پاشا میں تھی، جس ادا کر رہا ہو، جہاں تک شرعی اور اسلامی مالک کا تعلق ہو، اس وقت نہ تو لوگوں میں اس قسم کے معاملات سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی تھی اور نہ عام طور پر دلچسپی لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں اس وقت جس قدر ابد اخبار نکلتے تھے، سب نے دت پاشا کے مقدمہ کو "باغیوں" کے مقدمہ سے تعبیر کیا تھا۔ اس زمانے کے بعض اخبارات کے فائل ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ مکتبہ کے "اردو گائیڈ" اداس کو "انجمن پنجاب" نے "باغی دت پاشا" کی سزا پائی کی خبر شائع کی تھی! مقدمہ کے بعد دت پاشا طائف کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ وہ کچھ دنوں بعد گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اس وقت دنیا اس مظلوم کو بالکل بھلا چکی تھی۔ اصلاح پسند ترکوں کے سوا جو لوگ اس مقرر سے جکے تھے، کوئی جماعت ایسی تھی جسے حقیقت حال کا علم ہو، یا اس کی شخصیت میں دلچسپی رکھتی ہو۔

لینڈ کی دعائیہ

برسوں پر برس گزرنے، اور اس قتل ظلم و استبداد کی ہولناکی کی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہی۔ منطقیہ میں جد جہری کے تمام مستبدانہ اعمال اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ شروع ہو چکے تھے دت پاشا اور اسکے دفعتا کا نام لینا ایسا ہی ناقابل معافی جرم تھا جیسا "اصلاح" اور "دستور" یا "پارلیمنٹ" کا نام لینا کئی کتابوں کی اشاعت محض اس بنا پر مہینہ احتساب نے (جو "نظامہ مظاہرہ" کے نام سے قائم کیا گیا تھا) روک دی کہ ان کے مصنفین کا نام بھی دت تھا۔

دت پاشا کے اعمال حیات کو دنیا کی نظروں میں مذموم ثابت کرنے کے لئے ترکی اور ترکی سے باہر بے شمار اہل قلم کی خدمات خرید لی گئی تھیں اور وہ تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی تحریر شائع کرتے رہتے تھے جس کے ذریعہ دت اور اس کی جماعت کو مکمل سلطنت کا دشمن ثابت کیا جاتا تھا، اور سلطان عبدالحمید کے قائمانہ اعمال کی دت سرکاری کی جاتی تھی۔ منطقیہ میں احمد فاضل شہزاد کا عربی اخبار "الجوائب" اس کام میں جب زیادہ پرجوش اور سرگرم تھا۔ اسے بار بار اپنے قارئین کو تعین دلا جاتا کہ "دت اور اس کی جماعت کا اصلی مقصد دین مقدس اسلام کی تخریب تھی" اور "پتہ اور انگلستان میں بھی قصر لینڈ کے ایجنٹ نے دین و دھرم خراب کر رہے تھے۔ بہت سے اخبار اور اخبار نویس تھے، جنہوں نے اپنی

تین شہر ق جدید کی تاریخی شخصیتیں

دت پاشا

شہید حریت دوستو

(۱)

ترکی اصلاح و تجدید کی تحریک سلطان محمود صلیح کے زمانے میں شروع ہوئی، اور سلطان عبدالعزیز کے عہد میں مصطفیٰ فاضل پاشا کے ہاتھوں اس کی پہلی جماعت کی بنیاد پڑی۔ تاہم یہ محض ابتدائی تحریک کے قیام و ترقی کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی ایسی ادوار الغم شخصیت نمودار ہو، جو اپنی قربانی کے خون سے اس نئی تحریک کی آبیاری کر سکے۔ اصلاح و ترقی کی تحریک، اس آبیاری کے بغیر کبھی نشوونما نہیں دے سکتی۔ ترکی اصلاح کا پہلا فکری مفسر مصطفیٰ رشید کی شخصیت میں پایا جاتا تھا، لیکن وہ یہ سلطان محمود اور سلطان عبدالحمید جیسے اصلاح پسند فرمانروائے اداس نے اس کی اصلاح پسندی آزائش کی جگہ نہ قبولیت بنا باث ہوتی۔ خود پاشا اور علی پاشا بھی اصلاحی افکار رکھتے تھے، لیکن وہ کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکے۔ اس لئے ان کے لئے کوئی آزائش پیدا نہ ہو سکی۔ مصطفیٰ فاضل پاشا نے بلاشبہ یاقدم اٹھایا، اصلاحیہ اصلاحیہ پیش کر کے اپنے لئے خطرات پیدا کر لئے تاہم معاملہ اس سے آگے نہ بڑھا کہ جلا وطن ہو گیا۔ یا مقرر کی حکومت و خدیویت سے محروم ہو جانا پڑا۔ پس جہاں تک تحریک کی ابتدائی نشوونما کا تعلق ہے، اب تک کوئی شخصیت ایسی نمایاں نہیں ہوئی تھی جسے اس ماہ میں جانفروشی قربانی کی منزل سے گزرنے پڑا ہو۔ یہ منزل ایک ادوار الغم شخصیت کے قلم کی منتظر تھی۔ یہ ادوار الغم رشید پاشا کی شخصیت میں ظاہر ہو گئی۔ دت پاشا اس راہ کا پہلا قاتل و شہید ہو۔ اس کے خون نے وہ آبیاری ہم پہنچا دی، جس کے بغیر یہ تنظیم انقلاب بار آور نہیں ہو سکتی تھی!

دت پاشا اور عبدالحمید

سلطان عبدالحمید کی بزرگ مکت علیوں نے واقعات حقائق پر ایسے پورے ڈال لئے تھے کہ دتوں تک دنیا کی نگاہیں دھوکا کھاتی رہیں۔ اور دت پاشا کی شخصیت نمایاں نہ ہو سکی۔ دت پاشا اور اسکے ساتھیوں کے خلاف جب مقدمہ قائم کیا گیا، اور اسے سلطان عبدالعزیز کے قتل کی سازش کے انکشاف سے تعبیر کیا گیا، تو دنیا نے بغیر کسی شک کے قبول کر لیا۔ کیونکہ نہ دت پاشا کی مصلحت حیثیت اور اعمال کی دنیا کو خبر تھی اور نہ ترکی میں کوئی ایسا قوی طاقت پیدا ہوئی تھی جو اصلیت کا اظہار کر سکتی۔ سرسری ایلیٹ نے کئی مقرر منطقیہ نے مشعلیہ میں جب اپنی اولادت شائع کی، اور دت پاشا کو بے قصور ظاہر کیا، تو خود انگلستان میں بہت کم لوگوں نے اسے بھلا دیا۔ عام طور پر خیال کیا گیا کہ سرسری اپنی ذاتی

بید فرنگ

مکتوب جرمنی

(الہلال کے مقالہ نگار قیصر برٹن کا نام)

قیصر کی جرمنی میں واپسی - قیصر کے موجودہ خیالات -

قیصر کی واپسی

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں قیصر واکلم کی جرمنی میں واپسی پر مفصل بحث کر چکا ہوں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر فرانس واپس آجائے گا۔ لیکن جولائی پر دو ماہ اور گزر گئے، اور قیصر کی جلاوطنی ختم نہ ہوئی۔ حکومت جرمنی نے قیصر کی جلاوطنی والے قانون کی مدت میں دو سال کا مزید اضافہ کر دیا ہے۔ لوگ حیرت و تعجب سے اس کا سبب دریافت کر رہے ہیں؟

یہ واقعہ جو کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر واپس آنے والا تھا جولائی کی قید اس نے بھی قیصر کی جلاوطنی والے قانون کی مدت اسی مہینے میں ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن مدت ختم ہونے سے تین چار دن پہلے حکومت نے اس میں دو سال کی مزید توسیع کر دی۔ یہ کارروائی خود قیصر کے اشارے سے ہوئی تھی۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ اب تک فرانسیسی فوجوں نے جرمنی کی سرزمین خالی نہیں کی ہے۔ اس وقت وہ دریائے رین پر قلعے بنا رہی ہیں جب تک یہ قلعے طیارہ نہیں ہو جائیں گے، وہ جرمنی خالی نہیں کریں گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سالانہ کے موسم سرما میں قیصر مکمل ہو جائے گی اور پھر جرمنی آزاد ہو جائے گا۔

مماصل قیصر واکلم نے اس وقت تک کے لئے جرمنی میں قدم رکھنے کو انکار کر دیا جب تک اس کی سرزمین پر ایک ایسی سپاہی موجود ہے۔ یہی سبب ہوا کہ قیصر نے قیصر کی واپسی پر ملتوی ہو گئی۔ قیصر نے انکار کیوں کیا؟ کیا سرحد پر فرانس کی مختصر فوجوں کی موجودگی اس کے لئے خطرناک تھی؟

یہاں خطرے کا سوال نہ تھا۔ خود وادی کا سوال تھا قیصر کی عزت نفس نے گوارہ کیا کہ اپنے وطن اس حال میں واپس ہو جائے جس کی سرزمین پر اجنبی سپاہی موجود ہیں۔

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اس نزاع پر روشنی ڈال چکا ہوں قیصر

(بقیہ مضامین منسلک)

وطن کر دیں۔ یہ روسی اثرات کا مخالف انداز ایک دانت دار شخص تھا۔ قیصر نے اسے صبر سے سنا۔ حکام معزور کے حکم اگر بڑے سخت سے رد نہ ہو جائے جس کی طرف سے اس نے اسے جبراً بھجوا دیا۔ اسی قسم کا برتاؤ اور بہت سے اسی قسم کے ساتھ کیا گیا۔

کہ وہ بڑے سختی سے اس پر سے کوٹ لیا اور دیکھا کہ عام ملک سلطان کے معزول کو کیسے پرستار کرتے۔ اسے اس کے لئے بعض سربراہانہ آدمیوں سے مشورہ کیا۔ جتنے بالائین اس تجویز کی حمایت کی؟

کی نئی بیوی اور سابق دلی عدلی بیوی میں جاری ہے۔ جس نے لکھا تھا کہ قیصر کی بیوی جرمنی میں آکر مقیم ہو گئی ہو تاکہ اپنے شوہر کی خدمت نشینی کئے میدان صاف کرے۔ دوسری طرف دلی عدلی کی بیوی اپنے بڑے لڑکے کو جرمنی کا بادشاہ بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن اب یہ نزاع کلیتہً دور ہو چکی ہے۔ تمام شاہ پسند متحد متفق ہو گئے ہیں اور صرف قیصر کی مخالفت کر رہی ہیں۔

چند اہم تبدیلیاں

پچھلے چند ماہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ پہلے شاہ پسندوں کا زعمی مارشل کوڈ نافذ ہوا تھا۔ اب قیصر نے اسے معزول کر دیا ہے۔ اب ہندو بنگال جمہوری حکومت کی صدارت کے ساتھ، شاہ پسندوں کا بھی سرگروہ بن گیا ہے۔ مارشل کوڈ نافذ کرنے کی سال بے سال کارگزاریوں اور شاہی تحریک کو کوئی ترقی نہیں دی۔ لیکن مارشل ہندو بنگال نے غیر معمولی تدبیر سے کام لے کر قیصر کی کامیابی حاصل کر لی ہے۔ قیصر کے مخالفین کا سبب بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایک ہنر مند نازک زمانے میں قیصر اپنا ملک چھوڑ کر آئینہ بھاگ گیا۔ لیکن ہندو بنگال نے اب یہ اعتراض دور کر دیا ہے۔ اس نے قیصر کی اس حرکت کی تمام ذمہ داری خود اپنے سر لے لی ہے۔ اس نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا:

”میں نے ہی قیصر کو اس فعل پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ وہ راضی تھا۔ حقیقت قیصر نے ملک چھوڑ کر ملک کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس نے خود ذات اٹھا کر اکر لیا تاکہ ملک کی عزت برقرار رہے۔ اگر قیصر فوراً آئینہ چلا دیتا تو ایک طرف جرمنی کی تمام فوجیں تباہ ہو جاتیں کیونکہ اس کی عزت ہرگز ہتھیار رکھ دینا قبول نہ کرتی۔ دوسری طرف اتحادی سلطنتیں ملک کے شاہ کو گرفتار کر کے مجرموں کی طرح سزا دینے کی کوشش کریں۔ انہی وجوہات بنا پر میں نے قیصر کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا تھا۔“

ہندو بنگال کے اس اعلان نے جرمنی کے اکثر باشندوں کو مطمئن کر دیا ہے۔ اب وہ قیصر کے بھاگنے کو اس کا عیب و نقص نہیں، بلکہ ایک ایسی خدمت اور عظیم قربانی سمجھنے لگے ہیں۔

قیصر پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اس نے اپنی ملک کے وقت بہت سی ہنر مند بے وفائی کے ساتھ دوسری شاہی کوششیں کی ہیں۔ ہندو بنگال نے یہ اعتراض بھی دور کر دیا۔ اس کی ذمہ داری بھی خود اٹھا لی ہے۔ اس نے بھی بڑے بڑے ملک طرف مائل دلی مددگار بن کر لیا کہ اپنے آپ کے خلاف کوئی کوشش نہ کرے۔ دوسری طرف دلی عدلی کی

اور قیصر کی نئی بیوی میں بھی صلح کرادی۔ فرنگ نے تمام شاہ پسندوں کو ایک خیال پر جمع کر دیا۔ اب سب صرف قیصر کی خدمت نشینی چاہتے ہیں۔ ہندو بنگال نے یہ صورت حال صرف پریشانی میں پیدا نہیں کرنا بلکہ جرمنی کے تمام صوبوں اور ایالتوں کو بھی قیصر کی حمایت پر آمادہ کر دیا ہے۔ اب جب قیصر واپس ہو گا تو یقین کیا جاتا ہے کہ صرف ہندو بنگال کا نہیں بلکہ ریاست سکسٹی کو چھوڑ کر تمام جرمنی کا شاہ شاہ ہو گا۔ سکسٹی میں یا شوک خیالات مقبول ہو گئے ہیں اور وہاں مغربی بیڑ حکومت قائم ہو جانے والی ہے۔ صرف اسی حد میں بلکہ امید کی جاتی ہے کہ آسٹریا بھی اس کے زیر نگیں آجائے گا۔ کیونکہ اس وقت دہلی جرمنی کو الحاق کا خیال بہت عام ہوتا ہے۔

شاہ پسندوں کی انجمنیں

اس وقت جرمنی میں شاہ پسندوں کی بارہ انجمنیں قائم ہیں۔ یہ انجمنیں ہنر مند سرگرمی سے مصروف عمل ہیں۔ قیصر کے اصل پر انجمنیں تحریک کے مختلف کام بانٹ لے رہی ہیں۔

مثلاً ایک انجمن کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا بھر میں قیصر کو مقبول بنانے کی دعوت پھیلا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ جنگ عری کی ذمہ داری سے قیصر کو بڑی ثابت کرے اور سفارشی خط و ملازمی کے وہ تمام الزام دور کر دے جو اتحادی سلطنتوں نے قیصر پر لگا رکھے ہیں۔ اس انجمن نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ دنیا کی علم لئے اب قیصر کی اتنی مخالفت نہیں رہی جتنی پہلے تھی۔

ایک دوسری انجمن کا نام ”شعبہ خارجہ“ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سلطنتوں اور قوموں کے خیالات قیصر کے متعلق معلوم کر لی جاتی ہے۔ اس کی تازہ و داد سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دلی یورپ میں صرف ایک فرانس ہی ایسی دولت ہے جو اب تک قیصر کی دشمنی پر قائم ہو جاتی۔ سلطنتوں کو زیادہ پر خاش باقی نہیں ہے۔ رد واد میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اطالی اور امریکہ، قیصر کی واپسی کی کوئی مخالفت نہیں کریں گے۔ انگلستان کی مخالفت کا بھی اندیشہ نہیں ہے، البتہ کہ مشرق وسطیٰ پر پوری حکومت آجائے اور اس کی اب کوئی امید نہیں۔

تیسری انجمن کا نام ”انجمن مظاہرہ“ ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ قیصر جرمنی میں قیصر کی حمایت کے مظاہرے کیا کرتی ہے۔ چنانچہ کوئی کمیہ نہیں جاتا جس میں ٹپے بڑے شہروں کی سڑکیں پر عام مظاہرے کیے جاتے ہوں۔ یہ انجمن قیصر کی تصویریں اور موٹریں مفت تقسیم کرتی ہے۔ نیز ایسے عام جلسوں کا اہتمام کرتی ہے جن میں تمام شاہی دشمنیں برتی جاتی ہیں۔

چوتھی انجمن کا کام یہ ہے کہ قیصر کے ذریعہ قیصر کی حمایت کے اٹکا پھیلاتی رہے۔ چنانچہ اس کی سرپرستی میں بکثرت اخباریں نکلتی ہیں اور سیکڑوں لائن انشاپر دہشت گردی میں اور کتا میں لکھے دیتے ہیں۔

پانچویں انجمن بھری دہری فوجوں اور پولیس میں اپنے مقاصد کی اشاعت کر رہی ہے اور دہری کامیابی حاصل کر چکی ہے۔ اس وقت جرمن فوج اور پولیس میں شکل سے کوئی آدمی ایسا نہیں ملے گا جو قیصر کا مخالف ہو۔ حتیٰ کہ خفیہ پولیس کے اعلیٰ بھی اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ قیصر جرمنی قیصر کے لئے چشم براه ہے۔ عام باشندوں کی نہیں بلکہ جمہوری حکومت اور اس کے اکثر ارکان بھی اسی خیال کے ہو گئے ہیں۔ ہندو بنگال تو اپنی شاہ پسندی میں قیصر کی طرح مشہور ہو گیا ہے لیکن موجودہ وزیر اعظم ہرٹسماں بھی کچھ کم شاہ پسند نہیں ہیں۔ قیصر کی واپسی کو کسی طرح فرانسیسی فوجیں جلد سے جلد جرمنی کی سرحدیں پار کریں تاکہ قیصر کو اپنے سے پہلے واپس آجائے۔

قیصر کے خیالات

قیصر کے خیالات کی بنیاد پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قیصر کی

قرض لینے والے ہیں۔ علم ہائے اس خبر سے نہایت برہم ہوئی۔ کیرتک سلطان کے اسرار نے سلطنت کا تمام خزانہ خالی کر دیا تھا اور قرضوں کا آقا بل برداشت پورہ پہلے ہی سے ملک کی گردن توڑ رہا تھا۔

اسی اثنائوں میں صوبہ ہرزی گونیا کا مسئلہ پیش آیا۔ یہ محض حکومت کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ عام ہائے اب ادبھی زیادہ برہم ہو گئی۔ چند دن بعد خبریں آنا شروع ہوئیں کہ بلقان میں بغاوت پھوٹ پڑی ہو اہل اسکے شیعہ، اہل مذہبک پہنچ گئے ہیں۔ ابتدا ہی میں بلکہ آستانہ میں بلقان کے مسلمان طالب علموں کے پاس خطوط پہنچے کہ۔ باغیوں نے قتلے مگر قتل لے۔ اور خیر و امان کا قتل کرکے طالب علموں نے یہ دھت نامک خبریں سین تو جوش میں آ گئے۔ ان کے جوش نے شہر کی تمام مسلمان آبادی میں بھی ہوجان پیدا کر دیا۔ لوگوں کو پہلے سے یقین تھا کہ حکومت، بلقان کے معاملات سے غفلت برت رہی ہو، اور نیم پاشا دوس کے اشارے سے یہ بے کچھ کر رہا ہو۔ دوس کا مقصد یہ تھا کہ اس پہلے سے اسے مخالفت کا موقع ملے۔

بلقانی طالب علموں کے ساتھ ہزاروں مخلوق باب علی کی طرف منتقل ہوئی اور وزیر اعظم سے ملاقات کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعظم نے حالت دیکھی تو ڈر گیا، اور سلطان کو مشورہ دیا کہ نئی وزارت کا اعلان کر کے علوم انسا کا جوش ٹھنڈا کر دیں۔ چنانچہ محمد یوم پاشا اور جن آفندی شیخ الاسلام، دونوں معزول کر دیے گئے۔ رشیدی پاشا وزیر اعظم مقرر ہوئے اور وزیر آفندی شیخ الاسلام خلیفہ گئے۔ یہ رشیدی پاشا بھی رتبہ وزارت کے ساتھ مجلس اعلیٰ کا رکن مقرر ہو گیا۔

لیکن وزارت کی تبدیلی سے حالات میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ نیم پاشا اگرچہ معزول کر دیا گیا تھا، لیکن محض ایک سطحی تبدیلی تھی سلطان بدستور نیم پاشا کے ہاتھوں میں تھا۔ نیم پاشا دوس سفارت خانہ سے احکام حاصل کرتا، اہل اسکے مطابق سلطان کو مخفی مشورے دیتا رہتا۔ عام رائے نے جلد معلوم کر لیا کہ نیم پاشا امر دوزخ دہی میں پھر بربر حکومت آجائے گا۔ اس کی معزولی محض ایک دکھلاوے کی کارروائی ہو۔ اسی اثنائوں میں سیفر جنرل اگنائٹ نے ہر طرف مشورہ کر دیا کہ سلطنت میں مقرب بغاوت ہونے والی ہو مسلمان ہمسایوں کو قتل کی عام طیارا کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی کیا کہ انہی نیکو سے متاثرہ نوجوان بلکہ اور اپنی سفارت کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیے۔ اس کا ردی نے تمام شہر میں تشویش پیدا کر دی۔ تسلطیہ کی سچی آبادی نے کاروبار بند کر دیا، اور شہر چھوڑ دینا چاہا۔ ان کارروائیوں سے دوس سیفر کا مدعا یہ تھا کہ نیم پاشا کی دوبارہ وزارت کے لئے میدان صاف کرے۔ وہ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ نئی وزارت اسن امان قائم نہیں کھ سکتی، اور سچی رعایا کے کوخو پیدا ہو گیا ہو۔

تروکوں نے یہ حالت دیکھی، تو وہ مرعوب نہیں ہوئے، انھوں نے خود سلطان کے معزول کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ کیرتک اب وہ سمجھ گئے تھے کہ اس شخص کی موجودگی میں کسی قسم کی اصلاح ممکن نہیں۔

یہ خبر ہوا کی طرح بازادوں میں پھیل گئی۔ وہاں سے قہر شاہی میں پہنچی۔ سلطان بہت پریشان ہوئے۔ والدہ سلطان نے دھت پاشا کے پاس اپنا مقدمہ طرہ خواہ سرا جوہر آغا بھیجا اور دریافت کیا کہ قوم کی ناراضی دور کرنے کے لئے کون سا طریقہ مفید ہو سکتا ہو؟

دھت پاشا نے فوراً اصلاحات کا ایک مسودہ طیار کیا اور سلطان کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ اسے جاری کر دینے سے علم ہائے سلطان ہو جائے گی۔ مگر سلطان کی خدمت نے اسے منظور نہ کیا۔

اس قلم دھت میں سلطان، محمد نیم پاشا کے مشورہ پر عمل کر رہا اور محمد نیم، جس کا بیان ہو چکا ہے، دوس سیفر کی انجلیوں پر طرح رہا تھا۔ محمد نیم نے سلطان کو تحریک دی کہ میں خودی پاشا کو

بلقاریہ سے خارج ہو کر دھت آفندی سر دیہ گیا۔ وہاں بھی سخت اتری پھیلی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ بعض ملاؤں کے باشندوں کی ترکی حکام کو بالکل خارج کر دیا تھا۔ اور طوائف الملک کی قائم ہو گئی تھی۔ دھت آفندی نے اس صوبے کی بھی اصلاح کی اور باغی ملاؤں میں ازبک۔ نو حکومت قائم کر دی۔

یورپ کا سفر
دھت آفندی، قسطنطنیہ واپس آ گیا۔ اسے یقین تھا کہ حکومت ان کی خدمات کا اعتراف کرے گی۔ مگر یہاں سلطان عبدالجبار پر معزول گورنر سعید پاشا اور اس کے دوستوں کا جادو چل چکا تھا۔ انھوں نے سلطان کو دھت آفندی سے ناراض کر دیا۔

اسی اثنائوں میں رشید پاشا کا بھی انتقال ہو گیا۔ جو دھت کا سرپرست تھا۔ دھت آفندی، سلطان کی ناراضی سے افسردہ خاطر ہو چکا تھا۔ اپنے مرلی کی وفات سے ادبھی زیادہ بے دہل ہوا، اور سرکاری مناصب ترک کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ ہی اسے خیال ہوا کہ مالک یورپ کی سیروسات کرے جن کی علمی و تمدنی ترقیات کے افسانے اس کے گوش گزار ہو چکے تھے۔ چنانچہ سلاطین میں یورپ روانہ ہو گیا۔ ۶ مئی وہاں قیام کیا۔ پیرس، لندن، دانا، لیم وغیرہ کی سیر کی اور یورپ کی ترقی کے اسباب و وسائل معلوم کئے۔

فرانسیسی زبان
دھت آفندی کی طالب علمی کے زمانے میں فرانسیسی زبان کو ترکی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس نے اسے بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب حالات میں عظیم تبدیلی واقع ہو چکی تھی اور ہر سیاسی ممبر کے لئے اس زبان سے واقفیت لازمی ہو گئی تھی۔ دھت آفندی نے اپنے اندر یہ کمی محسوس کی، اور اس زبان کی تحصیل پر بکرتہ ہو گیا۔ وہ اپنی فرصت کے اوقات میں بطور خود مطالعہ کرتا رہتا یہاں تک کہ یورپ کا سفر پیش آیا اور اس زبان میں اس نے پوری مہارت حاصل کر لی۔

رتبہ وزارت اور صوبہ کی ولایت
سلاطین میں دھت آفندی یورپ سے واپس آیا اور دوبارہ مجلس دلاکی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی اثنائوں میں محمد پاشا قریصلی برنامہ دشمن وزیر اعظم ہو چکا تھا۔ دھت آفندی کو خوف تھا کہ پھر اس کی عداوت کا نشانہ بنے گا، مگر یہ دیکھ کر اسے تعجب ہوا کہ اب مخالفت کی جگہ اس کی طرف سے موافقت کے اظہار شروع ہو گئے تھے۔ اس نے دھت آفندی کو طلب کیا۔ گزشتہ معاملات کی معافی چاہی اور سلطان عبدالحمید سے بھی سفارش کی کہ اس کی پھلی خدمات کے اعتراف میں وزارت کا اعزازی رتبہ بخشا جائے، اور صوبہ پیش کی حکومت سپرد کر دی جائے۔ چنانچہ سلاطین میں دھت آفندی کا صوبہ کا والی مقرر ہو گیا۔ اور سلطان عبدالحمید کی وفات تک اسی منصب پر مقرر رہا۔

سلطان عبدالغفر
سلطان عبدالغفر کے آخری عہد میں سلطنت عثمانیہ کی حالت ازبک ذہول ہو گئی۔ ہر طرف داخلی کشمکشیں برپا ہو گئیں، اور یورپ نے خود ہو کر ازبکوں کو ڈالنا شروع کر دیا۔

پہنچتی سے سلطان، اپنے وزیر اعظم محمد نیم پاشا کے قبضہ میں تھو اور نیم پاشا، دوس سیفر جنرل اگنائٹ کے اشاروں پر حرکت کر رہا تھا۔ ترکی قوم اس حقیقت سے واقف ہو گئی تھی اور نیم پاشا کی معزول کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مگر سلطان نے قانون میں تیل ڈال لیا تھا۔ ان کی نصیحت سننا تھا کہ کسی فریاد پر توجہ دیتا۔

اسی زمانے میں رشید پاشا کی حکومت، ہم دھت پورہ کا ایک نیا

یہ دھت آفندی کا سخت دشمن تھا۔ کیرتک اسی نے اسے عرب کی سلاطین سے معزول کر دیا تھا۔ اب اسے اتھم لینا اور سرکاری ملازمت سے خارج کر دینا چاہا۔ اس نے بہت کوشش کی مگر کوئی بات قابل گرفت نہیں لی۔ آخر اس نے خیال کیا، اسے صوبہ جات روٹلی کا حاکم بنا کر بھیج دیا جائے، اور چونکہ سخت ہنگامے پر پائے، اور بہت سے دلائی اسن امان قائم کرنے میں ناکام نہ ہو سکے تھے، اس نے دھت آفندی بھی ناکام رہے گا، اور اس طرح اسے نالائق قرار دینے کا بہتر موقع مل آئے گا۔ چنانچہ اس نے احکام صادر کر دیے۔

اب دھت آفندی کے لئے سخت مشکل پیش آئی۔ وہ وزیر اعظم کی بیتی سے واقف ہو چکا تھا، اگر نہیں جانتا تو مدد مل چکی ہوئی تھی۔ جانتا تھا، تو ناکامی کا اندیشہ تھا۔ ہر حال اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا، اور سلاطین میں ایک فوجی ہم ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔

یہاں دھت آفندی نے حیرت انگیز قابلیت کا ثبوت دیا۔ صرف ۶ مئی کی قلیل مدت میں ۲۸۰ باغی سرغنڈوں کو گرفتار کر لیا۔ ۴۴ کو حکومت بلا اجازت پھا بنی دے دی۔ ۸۰ کو آستانہ کے قیدیوں میں بھیج دیا۔ باقی کو قانون کے مطابق سخت سخت سزائیں دیں۔

باغی صوبوں نے اسے حاکم کی یہ غیر معمولی مستعدی دیکھی تو اطمینان کے لئے فوراً سر جھکا دیے۔ یورپ کی زبان بالکل بند ہو گئی جو بلقان کی اس پیمیدی کو اپنی مداخلت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ خوش ہمتی ہو آ محمد پاشا بھی معزول ہو چکا تھا۔ رشید پاشا ان کی جگہ وزیر اعظم تھا۔ اسے دھت آفندی کی شاندار خدمات کا اعتراف کیا اور آستانہ واپس بلا لیا۔ دھت آفندی نے روٹلی کے حالات کی مفصل روداد پیش کی اور اصلاحات کا ایک مسودہ بھی طیار کیا، حکومت نے اسے شکریہ ساتھ قبول کیا۔ مگر بعض معاملات اور تبدیلیاں ایسی پیش آئیں کہ اصلاح کی تجاویز پر کوئی عملی کارروائی نہ ہو سکی۔ دراصل حکومت کا مزاج صدیوں سے ایسا ہو گیا تھا کہ بغیر کسی بنیادی تیز کے اصلاحات کی تجاویز سود مند نہیں ہو سکتی تھیں۔

وزیر اعظم نے دھت آفندی کو مجلس دلا میں دوبارہ داخل کیا۔ یہاں بھی اسے اس صوبہ حال پر نہیں گزریے تھے کہ رشید پاشا پھر معزول ہو گیا اور دھت چلا گیا۔ اس کی جگہ عالی پاشا کو ملی، مگر اسے بھی یورپ کا سفر پیش آ گیا اور دارالحکومت سے غیر حاضر ہو گیا۔ اس کی بابت محمد پاشا قریصلی کو بل گئی۔ اسی محمد پاشا کو جو دھت کا جانی دشمن تھا اس نے برسر اقتدار آئے ہی پھر اتھامی تدابیر کا عمل میں لانا شروع کر دیا۔

اس مرتبہ دھت پر بہت لگائی گئی کہ اس نے حکومت کے بعض محصل پر قبضہ کر لیا ہو۔ چنانچہ باغیہ مقدمہ قائم ہو گیا۔ مگر پہلی ہی پیشی میں ثابت ہو گیا کہ اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ محض اہتمام ہو ایک گواہ نے تو علانیہ عدالت کے سامنے اقرار کر لیا کہ اسے جھوٹا نو پر مجبور کیا گیا ہو، اور دھت کے خلاف اسے جھگڑا کیا ہو، سراسر باطل ہو۔

دھت آفندی عزت کے ساتھ بری ہو گیا، اور نائب وزیر اعظم کو بہت شرمندگی اٹھانی پڑی۔

بلقاریہ اور صوبہ میں
اس زمانے میں بلقاریہ کی حالت خراب ہونے لگی۔ حکام کے ظلم نے باشندوں کو پریشان کر ڈالا۔ دھت آفندی نے حقیقت کے کو بھیجا گیا۔ اس نے اپنی روداد باب عالی میں پیش کی اور اسے تسلیم کیا کہ باشندوں کی سختی صحیح ہے۔ گورنر رشید پاشا اس کے لئے دیکھا دھت آفندی نے اس کی اس کی مدد و نصرت کر لی۔ اس کے زمانے میں دھت آفندی نے اس کو معزول کر دیا۔

بصائر و حکم

عالم انسانیت و ثبوت کے دروازہ پر

شاہیر عالم اپنے اوقات و فاشین

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر و فیاث

حضرت امام شافعی

امام مرقی کہتے ہیں، جس دن حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے انتقال کیا اس کی صبح کو میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔
”مزاج کیسا ہو؟ میں نے سوال کیا۔
”میں نے ٹھنڈی سانس لی۔

”دنیائے جاہل میں، دوستوں سے جدا ہوا ہوں، موت کا پالہ منہ سے لگا ہوا۔ نہیں علم میری روح جنت میں جلتے گی کہ اسے مبارک بادوں، یا دوزخ میں جلتے گی کہ اسے تفریق پیش کر دے؟
پھر یہ شعر پڑھا:

ولما تعلق و صاقت غاہی جعلت الرجا منی لعلی کما
لپنے دل کی سختی اور اپنی بیچارگی کے بعد میں نے تیری حق پرستی کی امید سہا دیا لیا ہو۔

تعلقی ذہنی فلاح فرستہ بعفوک ربی کان عفوک عظما
یہ گناہ میری نظر میں بہت ہی بڑا تھا، مگر جب تیرے عفو کے مقابلے میں اسے دکھا، تو اسے رب، تیرا عفو زیادہ بڑا نکلا۔
سلسلہ (۴) میں وفات پائی۔

امامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا۔ کسی جاذبہ کی کھال کا بچہ بچھا تھا۔ بچہ نے پر ریت پڑی تھی، اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا۔ یہ الفاظ زبان پر تھے:

”لے دے جس کی پادشاہی کبھی ناکل نہ ہوگی، اس پر ہم فرما جس کی پادشاہی جا رہی ہو اسے وہ جو کبھی نہیں ملے گا، اس پر ہم کہو ”مر جا“

جاحظ نے کہا۔ خدا امیر المؤمنین کا ثواب زیادہ کرے اور مدت تک بخشنے!۔

”میری تندہی کی دعا گروہ امون نے فرما کہا۔ بلکہ میرے لئے مغفرت کی دعا کرو۔

پھر کہا۔ دنیا اس لئے ہے کہ ہم اسے ادا کرنے کے لئے نافرمانی کی۔ تو مجھ بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی عفو کرنے والا ہے۔ اس پر مدح پر انداز گئی
سلسلہ (۵) میں وفات پائی۔

حکیم ابو القاسم

مشہور زہاد و حکیم شاعر ابو القاسم سے موت کے وقت پرچھا گیا۔

”کوئی خواہش باقی ہو؟“

”کہا۔ ہاں، میری خواہش یہ ہے کہ مٹی“ خارق و کئے ادریس سرانے میرے یہ شعر لکھے:

اذا انقضت منی من الدنیا فلیکون فان عرا لبا کیات قلیل!
جبکہ دنیا میں میری زندگی کی مدت ختم ہو چکی ہو تو دوسرے دایوں کی تفریق بھی بہت کم ہو۔

سبعون من ذکری دنیوی و یحیث لعلی لعلی خلیل!
سب میرے خیال سے نہ بھولیں گے، میری محبت بھول جائیں گے۔ میرے بعد بھی دوست اپنے دوستوں سے باتیں کر چکے۔

سلسلہ (۶) میں انتقال کیا۔
خلیفہ واثق بن ابی اسد

خلیفہ واثق بن ابی اسد نے موت کے وقت یہ شعر پڑھا:
الموت فی جمیع الناس تشکر لاسوقہ منہم بقی دلائلک
موت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ خدا زاری لوگ ہیں گے نہ بادشاہ ہی زندہ رہیں گے۔

اضراہل قلیل فی مقابرہم و لیس یخفی من الملائک الملکوا
غریبوں کو ان کی قبر میں غربت نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ امیروں کو ان کی امیری بھی کوئی حق نہ پہنچائے گی۔

پھر حکم دیا، فرش اٹھا دیا جائے۔ فوراً قیام کی گئی۔ خلیفہ نے پناہ خواہ زمین پر رکھ دیا اور چلا:

”لے دے جس کی پادشاہی لا احوال ہو، اس پر ہم کہیں کی پادشاہی ختم ہو گئی!“
یہ کہتے ہی انتقال ہو گیا (سلسلہ ۷)۔

خلیفہ مختصر باس

خلیفہ مختصر باس ایک دن دیبا کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اس کی نظر ایک فاسی عبارت پر پڑی جو فرش پر کندہ تھی خلیفہ نے اسے پڑھا تو لکھا تھا:

”مجھ شیعہ بن کر سنا ہے اپنے باپ کو قتل کیا، لیکن اس کے بعد پادشاہی سے کوئی حق حاصل نہ کر سکا۔“

خلیفہ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ اس نے ابھی مجلس سے اٹھ گیا چند ہی روز بعد بیمار پڑا اور مدینہ کی طرف لوٹ گیا۔ اس عیادت کو آئی تو خلیفہ نے کہا۔ ”دنیا اس وقت دلوں میں سے اٹھنے لگی تھی۔ میری

اپنے باپ کی موت میں جھجکی، اندامیری سخت میں بھی جھجکی کی گئی۔“

پھر یہ شعر پڑھا:

فاوحت لغنی دینا صبتا و لکن الی اسد الکرم صبر
دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری دوزخ کو کوئی خوشی نصیب نہیں اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

سلسلہ ۸۔ سلسلہ ۹ میں وفات ہوئی۔

امام جاحظ

ادب عربی کا مشہور امام، جاحظ کا جب وقت آخر ہوا تو ابوالعباس المبرور عیادت کو گیا۔

مزاج کیسی کے جواب میں جاحظ نے کہا:
”میں شخص کیسا ہو گا جس کا آدھا دھڑلہ ہو گیا ہو حتیٰ کہ اگر آگ سے بھی جبر دیا جائے تو اسے تپ نہ چلے؟ اور آدھا دھڑلہ اتنا حساس ہو گیا ہو کہ اگر کبھی بھی اس کے قریب آئے تو وہ محسوس کر لگے؟“

پھر یہ شعر پڑھا:

اخرج منی منی کے جواب میں جاحظ نے کہا:
”میں شخص کیسا ہو گا جس کا آدھا دھڑلہ ہو گیا ہو حتیٰ کہ اگر آگ سے بھی جبر دیا جائے تو اسے تپ نہ چلے؟ اور آدھا دھڑلہ اتنا حساس ہو گیا ہو کہ اگر کبھی بھی اس کے قریب آئے تو وہ محسوس کر لگے؟“

”میں شخص کیسا ہو گا جس کا آدھا دھڑلہ ہو گیا ہو حتیٰ کہ اگر آگ سے بھی جبر دیا جائے تو اسے تپ نہ چلے؟ اور آدھا دھڑلہ اتنا حساس ہو گیا ہو کہ اگر کبھی بھی اس کے قریب آئے تو وہ محسوس کر لگے؟“

خلیفہ معتضد باس

سولہویں عباسی خلیفہ، معتضد باس نے ظالم و مستبد تھا۔ وفات کے وقت اپنا مرثیہ اسے پڑھا:

تبع من الدینا فانک لا تبقی و قد صفا ان صفی و ج العز
دنیا سے لطف اٹھائے کیونکہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اس کی بھلائی لے لے اور برائی چھوٹے۔

ولا آمن الذی قد اسنتہ ظلمتی علی حالہم یوم ارجعنا
اس دنیا پر ہرگز بھروسہ نہ کرنا جس پر میں نے بھروسہ کیا تھا، کچھ آگے مجھ سے بیوفائی کی اور کسی حق کا بھی خیال نہ کیا۔

قلت صنادید الرجال دلم اوع عددا، دلم اصل علی خلیفہ نلقا
میں نے بڑے بڑے بہاد ہمارے۔ کوئی دشمن نہ چھوڑا کسی کو بھی اس کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔

واخلت دار الملک من کل نافع فشر و شر فزا، و شر و شر فزا
میں نے پائے تخت تمام مخالفوں سے خالی کر دیا، انھیں پرانہ دھوکے مشرق و مغرب میں پھیل دیا۔

فلما لخت الخیم عزاً و رفعت و صاقت رقاب الخلق اصبح لی بقا
لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں سادہ لکچر گیا اور تمام مخالفوں کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا،

والی الری سنا، فاصبحرتی فانا اذانی حضرتی عاجلاً احمی!
تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چلا دیا اور میرا دل بچا دیا۔ دیکھ اب میں حقیر رہی اپنے گھٹے میں ڈالا جانے والا ہوں۔

دلم لغنی باجعت، دلم اجد لذی مل مننا، و لا رغب و لا
میرے جمع کئے گئے خزانے میرے کام نہ آئے۔ وہ کس چیز ہونے والے اور مددگار نہ آئے، کسی نے بھی ہمدردی نہ کی!

فیات مشرقی بعد موتی لافعی الی نعم الرحمن ام نادمہ احمی!
آہ کاٹل میں جانوں، موت کے بعد اس کے نہیں پاؤں گا، یا صنف میں جو تکلیف پہنچاؤں گا۔ سلسلہ (۱۰) میں انتقال کیا۔

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی دیکھ کر اگلے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

دنیا میں کتبِ فروشی کا عظیم مرکز
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ و ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع
ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور لاطینی زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے قلم
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کی مسلسل سلسلہ
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرے میں مل سکتے ہیں
ہمارے پیکر ہر
ملک کے بندو ذخیرہ کی تفصیل ہر شائع ہوا کرتی ہے

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں، پرانے سکہ، اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و زین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت لیجئے۔ کم از کم ہمارے نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے بہارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی معارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ مالک میں پہلے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتی تجب انجیر عمد تک انداز ہیں!

بر عظم لورپ، ایرک

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرنے لیتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی سال میں ہر گز نہیں فراموش ہوتے۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فرحت کرنے کے لئے بوجہ ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفر یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

النهر الحلال
مجلدات الملل

گاہ گاہ ہے باز خوان این دفتر پازینہ را
آنز خوابی دشتن گرد اغمائے سینه ما

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی ۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخیں میں اجتہاد نظر دے کر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف مذاق کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ادب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا جس میں ہاف ٹرن تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست سائے سرورزیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی غلغلہ کر کے کیلیے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”البلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ رکھا۔ ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر منسل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دربارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہو گئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شایعین علم و ادب کو آخری مرقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوئے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ۷ اور ابتدا میں تمام مضامین کی اندکس بہ ترتیب حرف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
 ” ” ” ” چہارم ۱۰ روپیہ ” ” ” ” پنجم ۱۰ روپیہ
 جلد ” البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)
 قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متعلق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۱ - آنہ - محمول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر "البلاغ پریس"

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تہیہ و ابن قیم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے امامین کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عفاۓ اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

آسۂ حسنہ — امام ابن قیم کی من سیرت میں شہرہ آفاق کتاب
 ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد
 آڑھائی روپیہ -

ذئاب الوسيلہ — لفظ ”وسيلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ
 کے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی
 ھ۔ بلا جلد ازھائی رویہ، مجلد سوا تین رویہ۔

اصحاب صفہ — انکی تعداد ' دربعہ معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکثر - امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا
اُردو ترجمہ - چار آئے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل
بیان کیا ہے - چہ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ تو آنے

بجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی نازہ کتاب
کا اُردو ترجمہ - سرا رویہ -

آئمه اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آئے
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آئے

مہم سعادت — یہ ابک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کوش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین نازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معجز ذرائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

“ Al-Hilal Book Agency,”

24, LAHORĒ, PANJAB. .

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالفتح صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب راجی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی نئی تعبیر کس کن احوال کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی زوادی نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا ڈھانڈا بنایا اور مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر مکمل دیا ہے؟

قیمت ہر۔ (غیر استعمال نکلتا)

اگر آپ کو

حکم

ضیق ملے

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سوترب

دوا فروش کی دکان

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہینا

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو انگلستان کے تمام شہروں، سوائیڈن

ہوٹلوں، کلیوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی

مکمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بوک برٹین

The Dunlop guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائنٹن قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ نکالنا پڑے

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام سے سنبھالے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سُری بیل بوٹل

سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اگرچه شاکل



دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مناجات جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

وزرہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وسیع تبصرہ کرتا ہے۔

اس کا معادل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جن کی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوزوں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے۔

مبوروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھری سی محنت اور تھری سا سرمایہ لیکر ایک وسیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھری سا رفت خرچ نہ کر کے ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر من کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

اَلْهَلَال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع معقول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

- (۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے۔
- (۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا۔
- (۳) براہ عداوت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے۔
- (۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے۔
- (۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا۔
- (۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرائیے، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں۔
- (۷) سبھی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- (۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا۔

ظاہر کرتے رہے۔ وہ کہا کرتے تھے:

میں یہ مہم ختم کر کے کسی دنیا میں جلا جاؤں گا اور خاموش زندگی بسر کروں گا۔ لیکن جی جی کامیابی پہنچی ہوئی گئی، ان کے خیالات میں بھی نمایاں تغیرات ہوئے گئے۔ یہاں تک کہ صاف کہا شروع کر دیا "س۔ قری" کی حکومت، سلطنت آل عثمان کے کھنڈروں پر قائم کی گئی ہے۔ اس تصریح سے انہوں نے اپنی نیت کا صاف اظہار کر دیا تھا کہ اب وہ آل عثمان کی حکومت نہیں چاہتے۔ پھر فروری سنہ ۱۹۲۳ء میں سمرنا کی اقتصادی مؤتمر میں اس سے بھی زیادہ صاف الفاظ اختیار کیے گئے "ہم سلاطین نے ملک کی تمام دولت اپنی عیاشیوں میں برباد کر ڈالی۔ قوم کو فقیر لار فلاں کر کے چھوڑ دیا!"

انہوں نے یہی نہیں کیا کہ انگورہ کو حکومت کا مرکز قرار دیا اور خود مجلس کے صدر منتخب ہو گئے، بلکہ مجلس میں اپنی ہی جماعت کی اکثریت بھی دلائی۔ اب ان کے اختیارات بے رک تھے۔ انہوں نے فوراً آل عثمان کی حکومت ختم کر کے جمہوریت کا آخری اعلان کر دیا، اور خود جمہوریت کے پہلے صدر منتخب ہو گئے!

کمالی اصلاح کی راہ میں "خلافت" ایک رک سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ اسے بھی انہوں نے ہٹا دیا۔ پھر قوانین سلطنت کی بھی ترمیم و تسمیح کی۔ ملک کی اجتماعی زندگی کی ہر شاخ میں بھی انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اب وہ ایک ایسے راستہ پر چل رہے ہیں جو ان کے نزدیک بہترین راستہ ہے۔ مستقبل فیصلہ کریگا کہ یہ راستہ صحیح ہے یا غلط؟ لیکن اس میں شک نہیں کہ جہانگیر ملک کے اجتماعی اور معاشرتی انقلاب اور یورپ کی مقلدانہ روح کا تعلق ہے، ان کی راہ اعتدال و صواب کی راہ نہیں



سنہ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۴ء تک!

(۱) محمود شرت پاشا مرحوم جو اتحاد و ترقی کی دستوری حرکت کے فوجی مظہر تھے۔ جنہوں نے سنہ ۱۹۰۸ء میں بغیر کسی کشت و خون کے سلطان عبد الحمید مرحوم کو معزول کر دیا۔
(۲) غازی مصطفیٰ کمال پاشا جو ترکوں کی جمہوری تحریک کے بانی و زعمیم ہیں۔ انہوں نے سنہ ۲۴ء میں نہ صرف عثمانی خلیفہ بلکہ عثمانی خلافت کا منصب ہی ختم کر دیا۔

(جدید ترکی)

سنہ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۳ء) سے اب تک

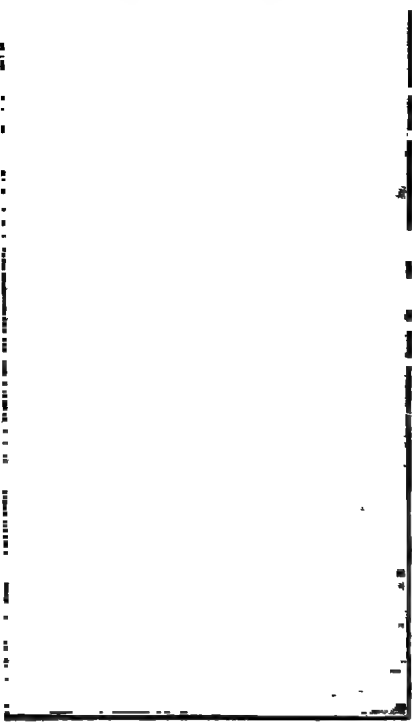
مصطفیٰ کمال پاشا نے نئی قومی حرکت کا علم بلند کیا، اور عثمانی شہنشاہی کے کھنڈروں پر جدید ترکی سلطنت کی بنیادیں تعمیر کر دیں!

ترکوں کو خاص اپنے آبائی وطن پر یونان کی غاصبانہ حکومت سے سخت اذیت ہوئی تھی۔ وہ کسی طرح بھی یہ ذلت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ منتظر تھے کہ کوئی مرد میدان آئے، اور یہ آسکے زیر علم قومی جہاد شروع کر دیں۔ ضرورت نے مصطفیٰ کمال پاشا کو پیدا کر دیا، اور ترکی قوم نے پوری خود فرشی کے ساتھ اس کا ساتھ دیا۔

اس وقت قسطنطنیہ پر دول اتحاد کا قبضہ تھا۔ سلطان ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ جوں ہی دول متحدہ نے اناطولیہ میں بیچینی دیکھی، سلطان سے ایک فرمان شائع کر دیا جس میں مصطفیٰ کمال اور اس کے تمام ساتھی باغی اور مستحق قتل قرار دیے گئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ترکوں کو آل عثمان کے خلاف بغارت کا خیال پیدا ہوا، اور انہوں نے اس خاندان سے ہمیشہ کیلئے پیچھا چھوڑ لینے کا عزم کر لیا۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں اناطولیہ کی مجلس قومی نے منظم فرج طیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت تک لوگ کمالیوں کی مجاہدانہ جرأت پر ہنستے تھے۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۹۲۱ء میں "آریس نو" کے معرکہ میں عصمت پاشا نے عظیم الشان فتح حاصل کی۔ اب دنیا کی نظریں مجلس قومی کی طرف اٹھ گئیں۔ اسے عزت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔ وہ ترکی قوم کی نمائندہ تسلیم کر لی گئی! شروع میں مصطفیٰ کمال پاشا شخصی ترفع و ظہور سے تنفر

اتحاد و ترقی کا سربرآوردہ رکن جسے گذشتہ سال
انگورہ میں پھانسی دی گئی -



اندرون ملک اور بیرون ملک میں ترکی قوموں کو جگانے کیلئے مبلغین
اور دعاۃ بھیجے گئے۔ غرضکہ ایک نئی حرکت پیدا ہوگئی۔ جرمنی نے
بھی جو اس وقت تک جنگ میں فتحمند تھی، اس تحریک کا
خیر مقدم کیا، اور اس کے خوشنما اور موثر بنانے میں سامی ہوگئی۔

تہرزی ہی مدت بعد بظاہر کامیابی کے آثار نظر آنے لگے۔ اسی
زمانہ میں روس کا انقلاب ظہور میں آیا اور بالشویک حکومت قائم
ہوگئی۔ روس کی تمام ترکی اقوام نے بھی اس تورانی دعوت کو بڑی
گرم جوشی سے لبیک کہا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۷ء کی تورانی مہم
میں ۸۰۰ نمائندے مختلف ترکی منگولی اقوام کے یکجا ہوئے،
اور بڑے جوش و خروش سے ”اتحاد تورانی“ کے راگ گائے گئے۔

مگر بدقسمتی سے ترکی کو جنگ میں شکست اٹھانی
پڑی۔ ایسی شکست، کہ قریب تھا، ترکی حکومت کا
ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو جائے۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں دہل اتحاد
دارالخلافہ پر قابض ہوگئیں، اور وہ وقت آگیا کہ یا تو کوئی عجیب
اور غیر معمولی قوت پیدا ہوکر ترکی حکومت کیلئے نیا سامان حیات
بہم پہنچا دے، یا چہہ سربرس کی یہ تاریخ عظمت و جلال ہمیشہ
کیلئے ختم ہو جائے!



جمال پاشا

برایام جنگ میں والی شام تھا

تاریخ و عبرت

حکومت ترکیہ

اور اس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

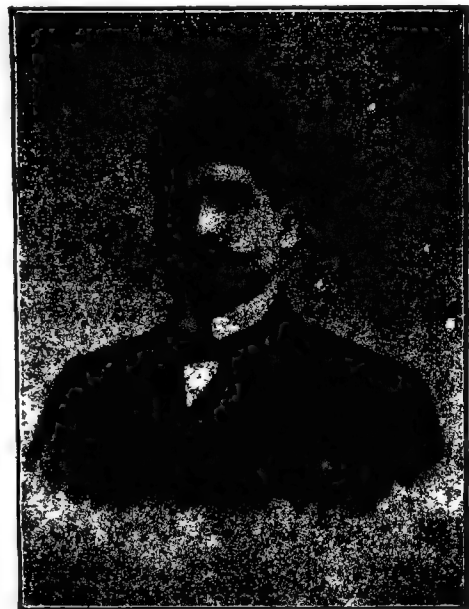
شرح سے ابتک

(۳)

تورانی دور

سنہ ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) سے سنہ ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۸ء) تک

”تورانیٹ“ کا برق پہونکا گیا۔ ترکی قوم نے اسے سنا۔
مگر زیادہ مانوس نہ ہوئی۔ کیونکہ اس برق کے پہونکنے والے اگرچہ



طلعت بے

اتحاد و ترقی کا سربرآوردہ رکن

نسلاً ترک تھے، مگر تمام تر بیرونی ممالک کے باشندے تھے، اور
ان پر ترکوں کو پورا بھروسہ نہ تھا۔ ”وہ بارہا دھوکے کھا چکے
تھے۔ تورانیٹ کے اولین علم بردار روسی تاتاری نو جوان تھے جو
عہد حمیدی کے بعد ترکی میں آئے تھے، اور تمام ترکی اقوام کو
تورانی قومیت کے نام پر جمع کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔
ان میں سب سے زیادہ سربر آوردہ شخص ارغلی یوسف اور
احمد اغاایف تک تھے۔

لیکن چونکہ یہ نئی دعوت دنیا کی موجودہ قوم پرست ذہنیت
کے بالکل موافق تھی، اس لیے بہت جلد توحش دور ہوگیا، اور
جوق جوق ترک اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ وزارت داخلہ،
مشیخہ اسلامیہ، اور وزارت اوقاف نے اپنے اپنے خزانوں کے منہ
اس کی تقریب و تبلیغ کیلئے کھول دیے۔ یہی نہیں بلکہ تمام
سربر آوردہ اخبارات مثلاً ”اقدام“، ”ترجمان حقیقت“ اور
”جون ترک“ وغیرہ کے صفحات اس کے لیے وقف ہوگئے۔ بڑی بڑی
انجمنیں مثلاً ”ترک یورون“ اور ”ترک آہانی“ وغیرہ قائم کی گئیں۔

علوم و فنون یہاں راج پاگئے۔ پیٹرا کے وسیع تماشہ گاہوں، عریض معالین، دلکش باغوں، اور تجارت سے حاصل کی ہوئی عیش و عشرت نے، اُسے سیلحانِ وقت کا کعبہ سفر بنا دیا تھا۔ یورپ کے لیے روما اور ایشیا نے، کوچک کے لیے پیٹرا، یکساں منزلت رکھتے تھے۔ تجارتی لحاظ سے، یہ نبطی شہر دنیا کا قدیم و قراطجنہ تھا۔ یا وسطی یورپ کا برلن۔

حریص اہل روما پر پیٹرا کی شہرت نہایت شاق گزرتی تھی۔ بالآخر انہوں نے ایک طاقتور بحری بیڑے کی مدد سے سنہ ۱۰۰ ع میں پیٹرا اور اس کے حوالی فتح کرلیے۔ اب یہ حصہ ملک "اریٹیا پیٹرا" کے نام سے رومانی سلاطین کا ایک صوبہ بن گیا تھا۔ رومانی عہد حکومت میں بھی پیٹرا عرصہ دراز تک عرب، فارس، ہند، فلسطین، مصر، اور شام کی کاروانی تجارت کا مرکز رہا۔ لیکن بعد کو شاہراہ تجارت کی تبدیلی اور روما کے زوال نے پیٹرا کے انحطاط کے دور کا آغاز کر دیا۔

(استدراک)

مندرجہ صدر مقالہ مولوی محمد یحییٰ صاحب رکیل ہدایوں نے، بعض انگریزی رسائل سے اخذ کر کے لکھا ہے، جو بعض جزئی ترمیمات کے بعد درج کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں چند امور کی وضاحت ضروری ہے :

(۱) پیٹرا کے یہ آثار مقامی عربوں میں "رقیم" کے نام سے مشہور ہیں۔ گذشتہ صدی کے اواخر کے اور حال کے تمام سیاحوں نے اسی نام سے اسکی تحقیقات کی ہے۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں جب مقام "طابہ" کی نسبت حکومت مصر پر دولۂ عثمانیہ میں نزاع ہوئی تھی، اور ایک مشترک ترکی مصری کمیشن تحقیقات کے لیے متعین ہوا تھا، تو اسوقت بھی "الرقیم" کے ذکر سے دنیا کے کان آشنا ہوئے تھے۔

(۲) تورات میں بھی "رقیم" کا ذکر

موجود ہے۔

(۳) قرآن حکیم نے سورہ کہف میں جہاں "اصحاب کہف" کا ذکر کیا ہے، وہاں "الرقیم" کا لفظ بھی آیا ہے : ام حسبکم ان اصحاب الکہف و الرقیم کانوا من آیاتنا عجبا ؟ (۸ : ۱۸) کہف کے لفظ کے معنی واضح تھے کہ غار کے ہیں، مگر "الرقیم" کے مفہوم کے تعین میں اختلاف ہوا۔ عربی میں رقیم کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو لکھی ہوئی ہو۔ اس لیے بعض مفسرین نے خیال کیا کہ رقیم سے مقصود یہ ہے کہ اصحاب کہف کے حالات قلمبند کرلیے گئے تھے۔ یا اُس غار پر جس میں اصحاب کہف کی نعشیں تھیں، کوئی کتبہ لکھ کر لگا دیا ہوا۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس کا ایک قول بہ روایت سعید بن جبیر نقل کیا ہے کہ اصحاب کہف کا حال ایک پتھر پر کھود کر نصب کر دیا گیا تھا۔ اسی لیے "رقیم" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

(۴) عجب نہیں اس خیال کا باعث وہ عام شہرت ہو جو ایشیائے کوچک اور شام کے عیسائیوں میں ایک ایسے ہی واقعہ کی نسبت موجود تھی۔ قدیم لاطینی تحریرات میں ایک ایسی تحریر

کچھ عرصہ کے بعد بنو اسرائیل کا زوال شروع ہو گیا۔ اہل اسیریا نے رفتہ رفتہ ان کے ممالک چھین لیے۔ ارمیا بھی باجگزار بن گیا۔ اہل اسیریا کو جب میدیا والوں کے ہاتھوں شکست ملی، تو ان کے ضعف نے نبطیوں کو پیٹرا پر قابض کر دیا۔ حضرت اسماعیل کے ۲۲۔ لڑکے تھے۔ "ثابت" سب سے بڑے تھے۔ ان سب بھائیوں کی اولاد عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئیں۔ بنو ثابت کو نبطی یا بنو نیابوط بھی کہتے ہیں۔ نبطیوں نے نہایت ترقی کی۔ ابتداءً ان کا پیشہ بحری قزاقی تھا۔ بعد کو ایک طاقتور اور متمدن قوم بن گئے۔ ان کے مکانات عالیشان اور سنگین تھے۔ تجارت، صناعت، سنگ تراشی، شیشہ سازی، ظروف سازی، پارچہ بافی، میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔

انباط کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ اس کے حدود شمال میں دمشق تک، غرب میں فلسطین تک، اور جنوب میں وسط عرب تک پھیلے ہوئے تھے۔ پیٹرا یا رقیم ان کا دارالسلطنت تھا۔ ارمی و نبطی عہد میں پیٹرا تجارت عالم کا مرکز بن گیا تھا۔ پیٹرا کے عروج کے وقت رومی مرسى دنیا کی مشہور ترین شاہراہ تھی۔ کاروانوں کے گھنٹوں کی غیر منقطع جھنگار اور پے درپے قافلے کے شور و ہنگاموں نے اہل

روما کو بھی متحیر کر دیا تھا۔ انباط کا آخری بادشاہ تجارت رابع تھا۔ یہ بادشاہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کا ہم عصر تھا۔ اس کے بھائیوں کے بادشاہ ہیروڈوٹس قاتل حضرت یحییٰ پر فوج کشی کی، اور میدان جنگ میں ہزیمت دی۔ پولوس حواری اسی حادثے کے یہاں قید تھا، اور جیل خانہ سے کسی نہ کسی طرح فرار ہو گیا تھا۔ حادثے کے بعد کوئی طاقتور حکمران پیدا نہیں ہوا۔ دولت انباط اہل روما کی ناقابل تسخیر قوت کی قلاب مقاومت نہ لاسکی، اور ہمیشہ کے لیے اپنی آزادی کھو بیٹھی۔

عہد نامہ عتیق میں "سلاع" کے نام سے اس شہر کا تذکرہ ہے۔ عبرانی زبان میں سلاع کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ جب فراعنہ

مصر کے مظالم نے بنو اسرائیل پر سرزمین مصر تنگ کر دی تھی، تو یہ شہر بہت زمانہ نے آباد تھا، اور پرانا شہر کہلاتا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ بنو اسرائیل نے صحرا نوردی سے تنگ آکر اہل پیٹرا سے پناہ کی درخواست کی تھی، لیکن انہوں نے اپنے دروازہ ان بد نصیبوں پر بند کر دیے۔ اسی لیے انبیاء بنی اسرائیل نے اہل پیٹرا کے حق میں سخت بد دعائیں کی تھیں۔

پیٹرا عرصہ دراز تک مصری تمدن کے زیر نگین رہا۔ مصریوں سے اہل پیٹرا کے تجارتی تعلقات جاری رہتے تھے۔ اسوم کے بادشاہان قدیم کی شادیاں فراعنہ مصر کے خاندانوں میں ہوتی تھیں۔ فن سنگ تراشی میں پیٹرا نے مصر سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ پیٹرا کے نوجوان اور متمول طلباء علم و فن کی تکمیل کے لیے مصر کا سفر کرتے تھے۔ دنیا کے شہروں میں پیٹرا مضبوط ترین شہر سمجھا جاتا تھا۔ سکندر اعظم نے بھی اس کے فتح کے لیے ایک جرار فوج بھیجی تھی، لیکن پہاڑی دیوار عبور نہ کرسکی۔ اگرچہ یونانی تلوار پیٹرا کو فتح نہ کرسکی، لیکن یونانی تمدن نے اُسے مغتوج کر لیا۔ یونانی

"الدير"



جبل حور کے نام سے پکاری جاتی ہے - اس راسی خاموش میں
ہر جگہ مندروں اور محلوں کی کثرت ہے -

(آثری تحقیقات)

ایک صدی کا عرصہ ہوا، اسکاٹ لینڈ کے مشہور سیاح عرب جان برکات نے اس شہر کا معائنہ کیا تھا - سنہ ۱۸۴۶ میں ہلینا مارٹینا نامی ایک سیاح عورت نے بھی یہ کھنڈر دیکھے تھے - دریا تین سال ہوئے، دو جرمن ماہرین آثار نے بھی چند مساحت دانوں کی معیت میں اس راسی کی تحقیقات کی تھی، اور متعدد نقشے اور خاکے طیار کیے تھے -

(تاریخی حالات)

اگر توڑات کے موجودہ نسخے پر اعتماد کیا جائے، تو 'رقیم' کی ابتدائی تاریخ حسب ذیل ہے :

قطر حضرت ابراہیم کی تیسری بیوی تھیں - ان کے بطن سے مدین پیدا ہوا - مدین کی اولاد پہلی پہلی اور اتنی بڑھی کہ بالآخر ایک قوم بن گئی - بنو مدین - سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح میں پانچ قبائلی شیوخ یا ملوک کے زبر نگین تھے - ایک بادشاہ کا نام رقیم تھا - پہلی صدی قبل مسیح کا اسرائیلی مورخ یوسفوس لکھتا ہے کہ اسی مدیانی بادشاہ نے رقیم آباد کیا تھا - اسکا دوسرا نام پیٹرا یونانیوں نے رکھا تھا - یونانی زبان میں پیٹرا پتھر کو کہتے ہیں - غالباً اس شہر کا سنگستانی ماحول اس نام کیلئے محرک ہوا تھا -

مدیانی قوت کے اضمحلال کے بعد بنو ادرم مسلط ہو گئے - حضرت ابراہیم کی زوجہ ارمی سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق پیدا ہوئے تھے - حضرت اسحاق کے دو لڑکے ہوئے - یعقوب اور عیص - یا ادرم - بنو ادرم انہیں ادرم کی نسل سے تھے -

سلاطین ادرم نے ایک عرصہ تک رقیم پر حکمرانی کی - آخری ادرمی بادشاہ ہدار کے زمانہ میں ادرمیوں اور اسرائیلیوں میں سخت معرکہ آرائیاں ہوئیں - شارل (طالوت) اور حضرت داؤد نے بنو ادرم کو پے درپے ہزیمتیں دیں - بالآخر نویں صدی قبل مسیح میں ارمیا بادشاہ یہود نے رقیم فتح کر لیا -

شہر رقیم کا انکشاف

ام حسبتم ان اصحاب الکھف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجا

(۲)

(قرآن گاہ)

پہاڑوں سے تراشی ہوئی سیڑھیاں جن میں سے بعض بعض کا طول ایک میل ہے، پیٹرا کی چوٹیں تک پہنچا دیتی ہیں - انہیں سے اکثر سیڑھیاں عہد عتیق کی ان مرتفع قربانگاہوں سے گزرتی ہیں جہاں ہزاروں سال پہلے اہل پیٹرا اپنے مراسم مذہبی بجا لاتے تھے - ان میں سے بعض آثار تقریباً ایک ہزار فیت کی بلندی پر واقع ہیں -

ایک زینہ اس مندرو تک پہنچتا ہے جو اس وقت تک 'الدير' کے نام سے موسوم ہے - اسکی دیوار سر فیت اونچی سنگی رزکاروں کے ہاتھ سے تراش کر بنائی گئی ہے - اسکی چوٹی پر بھی ایک صراحی نما طیف ہے - عرب اسے بھی جواہرات کا مخزن کہتے ہیں - دوسرا زینہ جبل قربانی کا راستہ ہے - یہ پہاڑی بالکل علیحدہ ہے - اس پر سے پوری راسی کا منظر نظر آ جاتا ہے - اسے بالائی حصہ میں دو قربان گاہیں ہیں - ایک آگ جمع کرنے کیلئے تھی - دوسری میں

ان جانوروں کا خون جمع ہوتا تھا جو قربان کیے جاتے تھے - قربان گاہ کے قریب قدیم رضع کے دو طویل مربع مینار ہیں - پہاڑ کے عقب میں ایک دوسری مرتفع چوٹی ہے جس پر ایک صلیبی نائٹ کے قلعہ کے بعض آثار نظر آتے ہیں - مگر اس نائٹ کا نام معلوم نہیں -

(مدفن حضرت ہارون)

بہل سے کچھ فاصلہ پر ایک سیاہ پہاڑ کا عکس سا معلوم ہوتا ہے - اسکی چوٹی پر ایک سفید دگنبد تعمیر ہے - ریگستانی سورج کی کرنیں اسے آرزو بادہ چمکدار بنا دیتی ہیں - اہل عرب کا قول ہے کہ یہی جگہ حضرت ہارون (علیہ السلام) کا مولد و مدفن ہے - اس سفید دگنبد میں ایک چھوٹی سی مسجد اور چھوٹا سا مقبرہ بھی ہے - یہ پہاڑی



قرآن گاہ

مجھ سے کہتے ہیں 'اڑ ہمارے ساتھ مل کر نوجوان لڑکیوں سے ملاقاتیں کرو۔ کیونکہ تم بھی ہماری ہی طرح مرد ہو گئے ہو! مگر وہ بالکل نہیں جانتے کہ اگرچہ میں مرد ہو چکی ہوں مگر اب تک میرے جذبات نسوانی ہی ہیں۔ میں ہر خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر آتشِ رشک میں جلنے لگتی ہوں۔ وہ مجھے اپنی رقیب معلوم ہوتی ہے!

میں اب مرد ہونے کے بعد زندگی پر نظر ڈالتی ہوں تو پہلے سے مختلف پاتی ہوں۔ اب زندگی میرے لیے ایسی رحیم و شفیق نہیں رہی جیسی پہلے تھی۔ اب خود مجھے دوسروں کی حمایت کرنے کے فرائض ادا کرنا پڑتے ہیں۔ حالانکہ پہلے دوسرے لوگ میری حمایت کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ مجھے اپنی تڑپیں و آرائش کے سوا کوئی فکر نہ تھی۔ اب مجھے اپنے ساتھ تھپڑ چانے والی عزتوں کے مصارف اپنی جیب سے ادا کرنا پڑتے ہیں، حالانکہ پہلے میرے مصارف دوسروں کے ذمے ہوا کرتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ اب میری آزادی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اب میں اپنی زندگی کی مالک ہوں۔ آزادی سے جہاں چاہوں جاسکتی ہوں، اور جتنی دیر چاہوں گھر سے باہر رہ سکتی ہوں۔

شرح میں خیال تھا کہ نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں دونوں مجھ سے نفرت کریں گے۔ میری یہ جنسی تبدیلی کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ میرا خیال غلط تھا۔ دونوں گروہ مجھے پسند کرتے ہیں۔ مرد اس لیے کہ مرد ہو گئی ہوں اور ان کی صحبتوں اور گفتگوؤں میں مرد کی طرح حصہ لینے لگی ہوں۔ عورتیں اس لیے کہ پہلے میں انہی کی طرح عورت تھی میری طرف زیادہ رغبت کا اظہار کرنے لگی ہیں اور مجھ سے محبت کی طالب ہیں۔ لیکن عورتوں کی یہ حرکت مجھے بالکل نہیں پہنچتی۔ کیونکہ اگرچہ طبیبوں نے میرے مرد ہو جانے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ مگر میرا احساس هنوز یہی ہے کہ میں عورت ہوں!

جنوبی اخبارات نے میری اس "بد نصیبی" کی خبر شائع کی، یورپ کے مختلف شہروں سے تقریباً پچاس درخواستیں عورتوں نے میرے پاس بھیج دیں۔ جن میں لکھا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے طیارہ ہیں۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ وہ مجھ سے شادی کیوں چاہتی ہیں؟ سب نے بالاتفاق لکھا تھا "ہم تم سے اس لیے شادی پسند کرتے ہیں کہ تم پہلے عورت تھیں" اس لیے عورتوں کے احساسات و جذبات سے بخوبی واقف ہو۔ تم دنیا کے تمام مردوں سے زیادہ بہتر شوہر بن سکتی ہو"

لیکن میں کسی عورت سے بھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ میں نے قسم کھا لی ہے کہ اپنے منگیتر سے معزوم ہو جانے کے بعد اسی کی طرح میں بھی عمر بھر بغیر شادی کے رہوں گی!

تمام طبیبوں کا بیان ہے کہ میری یہ تبدیلی نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ جرمنی کی ایک یونیورسٹی مجھے ایک ہزار پونڈ اس شرط پر دے رہی ہے کہ موت کے بعد اپنی نعش اس کے حوالہ کر دوں اور وہ میری جسمانی ساخت کا معائنہ کر سکے۔ ہر طرف سے لوگ مجھے لکھ رہے ہیں کہ اگر میں دنیا کا دورہ کروں تو بڑی دولت جمع کر لوں گی۔ ایک سینما کمپنی کی بھی درخواست آئی ہے۔ وہ میری تصویریں لیکر تماشا گاہوں میں دکھانا چاہتی ہے۔ لیکن میں اس قسم کی کوئی بات بھی منظور نہیں کروں گی۔ میں اپنے جسم کو مال جمع کرنے کا آلہ بنانا نہیں چاہتی!

میں زور سے چلا آتی ہوں، نہیں، نہیں، میں مرد ہونا نہیں چاہتی!

"اب یہ زمانہ کپڑے اتار دو" ایک ڈاکٹر نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "اب ہمارا جیسا کورت پتلون پہن لو۔ آج کے بعد یہ ریشمین جرابیں اور اونچی لٹری کا جوتا نہ پہننا! اب تم ہماری طرح مرد ہو گئی ہو!"

میری مصیبت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اپنے منگیتر کو یہ ہولناک خبر سنانا ابھی باقی تھا!

"خدا یا! میں کیا کروں؟" راستے میں خیال کرنے لگی "اپنے منگیتر سے کیونکر کہوں؟ آف! یہ منحوس خبر اُسے کیسے سنائیں؟"

"میرے دوست" میں نے انتہائی حسرت و یاس سے لڑکھڑاتی آواز میں اپنے عاشق کو مخاطب کیا "اب میں عورت نہیں رہی۔ ہماری شادی ناممکن ہے!"

اُس نے قہقہہ مارا اور مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ لیکن میں نے سنجیدگی سے تمام واقعہ سنا دیا۔

"کیا؟" وہ غصہ سے چلایا "کس شیطان نے تم سے یہ کہہ دیا ہے؟" میں نے جیب سے طبی سندیں نکال کر اُس کے سامنے ڈال دیں۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ ہم دیر تک حسرت و یاس سے بیتے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بار بار اُس پر ایک غشی کی سی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ ہم دونوں اپنی پچھلی محبت پر غور کرتے تھے، اپنے وعدے یاد کرتے تھے، مستقبل کا خیال کرتے تھے اور یہ سب کچھ ایک خواب سا معلوم ہوتا تھا۔ ایسی عینا کی (تربیدی) دنیا میں کبھی واقع نہیں ہوئی ہوگی!

میں اگرچہ اب مرد ہو چکی تھی، لیکن اپنے منگیتر کی محبت میرے دل میں بالکل اتنی ہی اور ایسی ہی تھی، جتنی اور جیسی عورت ہونے کی حالت میں ہو سکتی ہے۔ میری حسرت بے حد تھی۔ میں خیال کر رہی تھی کہ میرا عاشق اگر چاہے تو کسی دوسری عورت کو اپنی بیوی بنا لے سکتا ہے، لیکن میں کتنا ہی چاہوں، اب کسی مرد کو اپنا شوہر نہیں بنا سکتی!

"کچھ پروا نہیں!" میرا عاشق جوش سے چلا کر کہتا ہو گیا۔ "اگر تم مرد ہو گئی ہو تو کڑی پروا نہیں۔ میں تم سے اب بھی محبت کروں گا۔ اگر تم میری بیوی نہیں بن سکتی، تو دوست تو بن سکتی ہو؟ میں تم سے ایسی محبت کروں گا، جیسی محبت اس آسمان کے نیچے کسی نے بھی اپنے دوست سے نہیں کی ہوگی! میں زندگی بھر تمہارے نام پر کنوارا رہوں گا!"

پھر ہم دونوں نے نہایت جوش سے مصافحہ کیا۔ لیکن کیسا مصافحہ؟ مردانہ مصافحہ!

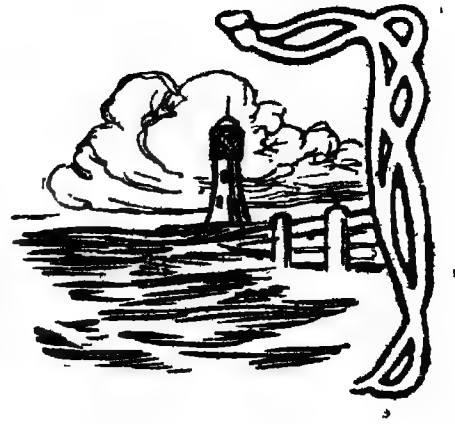
جب میں نے پہلی مرتبہ خوبصورت زنانے کپڑے اتار کر مردانے کپڑے پہنے، تو بے اختیار دل بھر آیا، اور پھرت پھرت کر رونے لگی۔ آئینہ میں جب میں نے اپنی صورت دیکھی، تو رنج و غم کی شدت سے میرا دل قریب تھا کہ پھٹ جائے۔ آج میں بازاروں میں اپنی سہیلیوں کو زنانہ لباس میں چلتے دیکھ کر رشک و حسد سے جل جاتی ہوں۔ ہر عورت کے نسوانی وجود کا منظر میری آنکھوں کے لیے غم ناک ہے۔ میرا دل بے اختیار رونے لگتا ہے!

یہ عجیب بات ہے کہ نوجوان مرد جو پہلے مجھ سے اظہار محبت کرتے تھے اور مجھے اپنے ساتھ فخر و مباهلے سے تھپڑ لیچاتے تھے، اب



نک

بزی



اب میں مرد ہون !



ایک عورت کے خیالات مرد ہوجانے کے بعد !



اٹلی میں رہنا ٹیگرا زیانا نامی ایک اٹھارہ سال کی درشیزہ لڑکی تھی - اچانک اُس کے اعضاء میں تبدیلی شروع ہوئی - اب وہ پورے معنی میں مرد ہوگئی ہے - چنانچہ ڈاکٹروں نے اُسے مرد ہونے کی سند دیدی ہے !

پچھلے دنوں ریوٹر ایجنسی نے یہ خبر تمام دنیا میں مشہور کر دی تھی - اب اسکی مزید تفصیلات انگلستان کے اخبارات میں آگئی ہیں :

یہ حیرت انگیز واقعہ گزشتہ ماہ اگست میں پیش آیا - اس سابق درشیزہ اور حال کے نوجوان مرد نے اخبارات میں ایک مضمون شائع کیا ہے - اس مضمون میں وہ مرد ہوجانے کے بعد اپنے تاثرات بیان کرتا ہے - چونکہ وہ اب تک اپنے جذبات میں نسوانیت کا تاثر ظاہر کرتا ہے ، اسلیے بہتر ہے کہ ہم بھی اُس کا ذکر ضمیر مرنٹ کے ساتھ کریں - وہ لکھتی ہے :

”بچپن ہی سے میرے دل میں یہ تمنا موجود تھی کہ کاش میں مرد ہوتی ، تاکہ مردوں کی سی آزاد زندگی بسر کر سکتی - لیکن اب جبکہ قدرت نے میرے لڑکپن کی یہ طفلانہ آرزو پوری کر کے دنیا کا سب سے بڑا عجیب واقعہ دکھا دیا ہے - میری خواہش بالکل برعکس ہوگئی ہے - کاش میں دوبارہ عورت ہو جاتی !

مسلسل : تین ہفتے اطباء کی ایک بڑی مجلس ، میرا طبی معائنہ کرتی رہی - بالآخر متفقہ طور پر اُس نے فیصلہ صادر کر دیا کہ میں عورت نہیں رہی - مرد ہوگئی ہوں - قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ عجیب فتویٰ سن کر میری حیرت کا کیا حال ہوا ہوگا ؟ میں مبہوت ہو کر رہ گئی - پھر میں پھرت پھرت کر رونے لگی - میں نے اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا - میری ہچکی بندھ گئی -

(۹) تورات میں جس پہاڑ کا ذکر ”جبل ہور“ کے نام سے کیا گیا ہے (جو عبرانی لفظ ہے) وہی آج کل ”جبل حور“ کے نام سے عربوں میں مشہور ہوگیا ہے - یہ خیال کہ یہاں حضرت ہارون علیہ السلام دفن ہوئے تھے ، غلط نہیں ہے - تورات سے پوری طرح اس کی تصدیق ہوتی ہے - سفر اعداد صحاح ۲۰ - میں حضرت ہارون کی وفات کا ذکر موجود ہے - اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک اسی جغرافیائی محل میں ”جبل ہور“ کی بلندیوں پر ، حضرت ہارون نے وفات پائی تھی - اسلامی عہد میں بھی یہ مقام اس حیثیت سے مشہور تھا - چنانچہ غالباً عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں وہاں ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی - مسجد اسوقت تک موجود ہے -

اس وقت تک موجود ہے - خیال کیا جاتا ہے کہ پانچویں صدی مسیحی میں انطاکیہ کے ایک بطریق نے یہ تحریر لکھی تھی - اس میں سات آدمیوں اور اُن کے ایک وفادار کئے کرائیمیری نامی کا (جسے عربی میں قطمیر کر لیا گیا ہے) قصہ بیان کیا گیا ہے -

(۴) لیکن اگر ”رقیم“ سے مقصد وہی شہر ہے ، جس کا ذکر عہد عتیق اور یوسف کی تاریخ میں ہے ، تو ”رقیم“ عبرانی لفظ ہے نہ کہ عربی ، اور اس لیے عربی مادہ کی اس کے لیے جستجو سود مند نہیں - عبرانی میں یہ لفظ ”راقیم“ تھا - عربی میں ”رقیم“ ہوگیا -

(۵) عرب شعراء جاہلیہ کے کلام میں جس طرح کہف کا ذکر پایا جاتا ہے ، ”رقیم“ کا بھی ذکر موجود ہے - امیہ بن ابی الصلت کہتا ہے :

رلیس بها الا الرقیم مجاوراً
وصیدہم ، والقوم فی الکھف ہمد

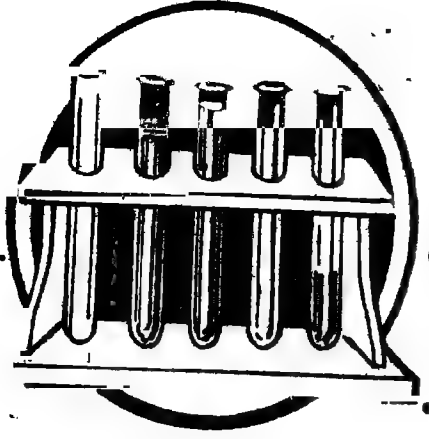
اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب جاہلیت کے لوگ ”الرقیم“ سے واقف تھے ، اور اصحاب کہف کے قصہ کی بھی شہرت تھی - البتہ تمام پڑانے واقعات کی طرح یہ واقعہ بھی بہت کچھ محرف ہوگیا تھا ، اور طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہوگئی تھیں - قرآن حکیم نے اصلی واقعہ آشکارا کر دیا -

(۶) بلاشبہ اغلب یہی ہے کہ ”الرقیم“ سے مقصد یہی شہر ہو - الرقیم عرب میں یا عرب سے بالکل متصل واقع تھا - قرب کی وجہ سے وہاں کے حالات قدرتی طور پر اہل عرب کے علم میں آتے رہتے تھے - اگر علم مفسرین اور مورخین کا یہ خیال تسلیم کر لیا جائے کہ اس واقعہ کا تعلق ایشیائے کوچک کے رومی شہر ایفی سس (افسرس) سے تھا ، تو قدرتی طور پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عرب جاہلیت میں ایک رومی شہر کا واقعہ جو یونانی زبان میں لکھا گیا تھا ، کیونکر مشہور ہوگیا ؟

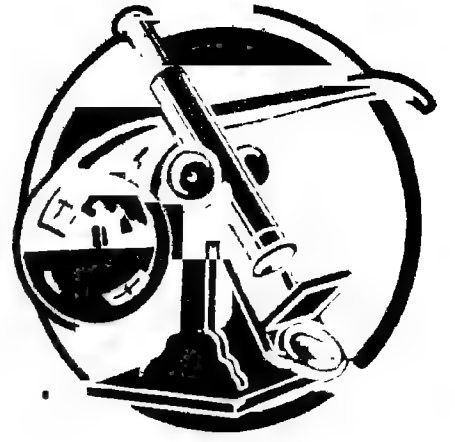
(۷) مفسرین میں بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے - چنانچہ امام ابن جریر اور ابوالفداء نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں -

(۸) مضمون میں ایک پہاڑی چشمہ کا ذکر ہے جسکی نسبت عربوں میں مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والا چشمہ ہے - یہ شہرت بے اصل نہیں معلوم ہوتی -

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنو اسرائیل کے قبائل ساتھ لیکر مصر سے نکلے ، تو فلسطین تک پہنچتے پہنچتے دو واقعات پہاڑی چشموں کے بہنے کے پیش آئے - پہلا واقعہ رادی سینا میں پیش آیا تھا ، جس کا ذکر سفر خروج کی فصل ۱۷ - میں ہے - دوسرا واقعہ وہ ہے جو ادرمیں کے ملک کے قریب ایک ایسے موقع پر پیش آیا تھا ، الجہاں سے ”جبل ہور“ قریب تھا - اس کا ذکر سفر اعداد کے صحاح ۲۰ - میں ہے - یقیناً یہ دوسرا واقعہ شہر رقیم ہی سے تعلق رکھتا ہے ، اور اسی لیے اسکا نام رادی موسیٰ مشہور ہوگیا ہے -



مذاکرہ علمیہ



علوم مادیہ کی ترقی

اور

علماء کے حوصلے

عقل انسانی کس حد تک ترقی کرتی چلی جائیگی؟ مادی علم کی تگ و دو کہاں پر جانے لگے گی؟ علماء کے حوصلے کیا ہیں؟

علم کی موجودہ حیرت انگیز نرقیاں دیکھ کر یہ سوال ہر شخص کے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جواب بہت مشکل ہے۔ اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم، کائنات فطرت کے جملہ مادی و روحانی راز معلوم کر لینا چاہتا ہے۔ اگرچہ وہ اس وقت تک صرف چند گوشوں ہی پر سے پردہ اٹھا سکا ہے۔ فی الحال علماء کے سامنے اہم ترین مسائل حسب دیل ہیں:

- (۱) شباب کی تجدید
- (۲) زندگی کی زیادہ سے زیادہ تطویل
- (۳) حسب مرضی نسل کی تولید
- (۴) زندگی کی تخلیق
- (۵) موت کے بعد زندگی کا اعادہ

علم اور علماء کے یہ حوصلے کچھ نئے نہیں ہیں۔ قدیم ترین زمانوں سے یہ مسائل زیر بحث ہیں۔ البتہ پہلے دنیا ان مسائل کے اشتغال کر جنوں سمجھتی تھی اور ان پر ہلستی تھی۔ لیکن اب نہ کوئی ہنستا ہے، نہ جنوں سمجھتا ہے۔ بلکہ سب حیرت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حیرت انگیز علمی انکشاف دیکھنے کے منتظر رہتے ہیں۔ کیونکہ گزشتہ ۱۵ برس میں علم نے زیادہ سے زیادہ ناممکن باتیں ممکن کر دکھائی ہیں۔

ڈاکٹر رورر نوب نے اب بکثرت عملی تجارب سے ثابت کر دیا ہے کہ شباب کی کامل تجدید، وہم و خیال نہیں ہے جیسا کہ پہلے سمجھا جاتا تھا، بلکہ واقعہ و مشاہدہ ہے۔ اس ڈاکٹر نے از کار رفتہ بوڑھوں کو بالکل جوان بنا دیا ہے۔ وہ اب تک زندہ ہیں اور صحیح معلوم میں جوان ہو گئے ہیں۔

حال ہی میں بہ علمی انکشاف بھی ہوا ہے کہ ایک مریم ہوئے کچھوے کا دل اطباء نے کٹ لیا اور نمک پوٹاس اور سوڈے کے اجزاء سے ممزوج عرق میں ڈال دیا۔ چند ہی لمحے بعد دل میں زندگی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ وہ زندہ دل کی طرح حرکت کرنے لگا۔ کئی گھنٹے تک زندہ رہا۔ حالانکہ کچھوے دیر سے مرا پڑا تھا!

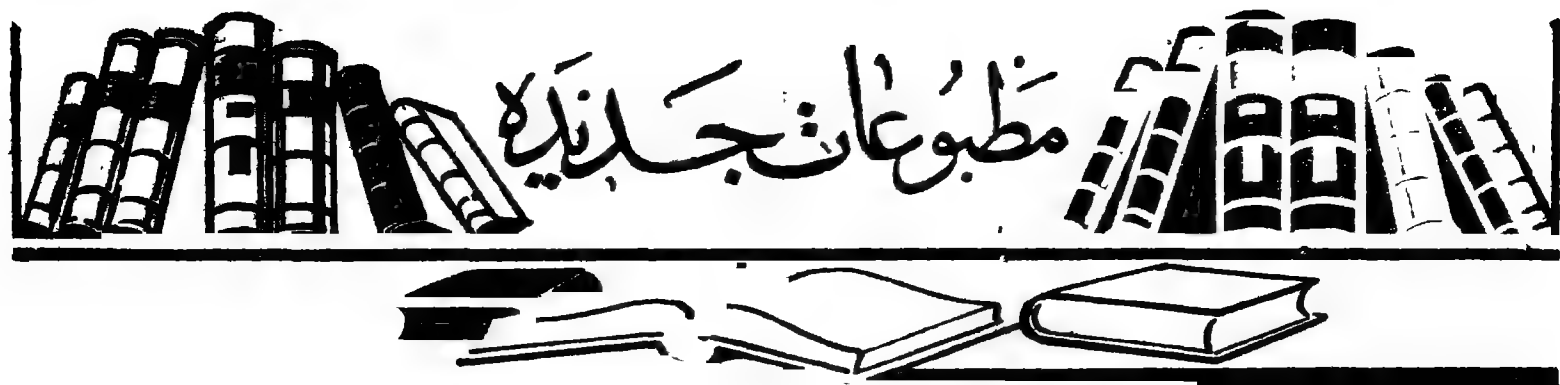
قلب کو زندہ کر دینے کا یہ پہلا تجربہ نہیں ہے۔ اس قسم کے بے شمار تجربے ہو چکے ہیں۔ یہ عمل مدت سے جاری ہے کہ موت

کے بالائی حصہ پر پہنچتا اور اس ایوان میں داخل ہوتا جس میں بادشاہ، ولی عہد، اور ارکان سلطنت بڑے جاہ و جلال سے بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہی استقبال کے بعد سفیر اپنی تحریر اسناد سناتا تھا اس کے بعد اپنے کاغذات پیش کرتا۔ پھر بادشاہ کے حضور اپنے ساتھیوں اور مصاحبوں کو ایک ایک کر کے پیش کرتا۔ استقبال کا یہ جاسہ بہت دیر تک رہتا تھا۔ پھر سب کھانے کے کمرے میں جاتے تھے اور دعوت شروع ہو جاتی تھی۔ بعض سفیر اس قدر بہزلی اور بھاری وردیاں پہنے ہوئے تھے کہ ان کے بوجھ سے کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ مجبور ہوتے تھے کہ دسترخوان پر بیٹھنے سے پہلے دوسرے کمرے میں جا کر اپنا لباس بدل آئیں۔ دعوت کے بعد سفیر پھر اپنی سرکاری وردی پہن لیتا اور ولی عہد اور وزراء وغیرہ سے ملاقات کرتا۔ یہ ملاقاتیں بھی اتنی لمبی ہوتی تھیں کہ سفیر تھک جاتا تھا، اور کھانے کے کمرے میں دو بارہ جا کر کچھ کھا پی لیتا تھا۔

لیکن اب یہ طریقے موقوف ہو گئے ہیں۔ آج کل یورپ میں یہ دستور ہے کہ نئے سفیر کے پہنچنے کے بعد دو بجے حاجب سفارت خانہ جاتا ہے۔ سفیر اور اس کا عملہ سرکاری وردیاں پہنے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ چند منٹ بعد سرکاری گاڑیاں اور باقی گارڈ پہنچ جاتا ہے، اور سفیر صدر جمہوریت یا بادشاہ کی ملاقات کے لیے محل کو روانہ ہو جاتا ہے۔ سفیر کے پہنچنے پر جنگی موسیقی کے ذریعہ اسے سلامی دی جاتی ہے۔ جس ملک کا سفیر ہوتا ہے، چلے اسی ملک کا گانا گایا جاتا ہے۔ پھر قومی گیت بجایا جاتا ہے۔ موسیقی سے فارغ ہو کر سفیر اور اس کے ساتھی گاڑیوں پر سے اترتے ہیں۔ زیریں سیزھی پر در فوجی انسر استقبال کرتے ہیں اور سفیر کو مع اس کے ہمراہیوں کے استقبال کے کمرے میں لیجاتے ہیں۔

استقبال کے کمرے میں ایک طرف صدر جمہوریت یا بادشاہ اور ارکان حکومت ہوتے ہیں، دوسری طرف سفیر اور اس کے ساتھی۔ دونوں کے بیچ میں حاجب اور مترجم کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حاجب سفیر کا نام اور لقب بیان کر کے اس کا تعارف کراتا ہے۔ پھر سفیر اپنے کاغذات پیش کرتا اور لکھی ہوئی تقریر پڑھ کر سنا دیتا ہے۔ صدر جمہوریت یا بادشاہ جوابی تقریر کرتا ہے۔ پھر رسمی گفتگو ہوتی ہے۔ طرفین کے آدمیوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا جاتا ہے اور مصافحہ پر تقریب ختم ہو جاتی ہے۔





سفیرون کا استقبال

کرسکتا تھا۔ اُس مقام پر پہنچ کر سفیر کھڑا رہتا۔ اس کے گرد شاہی حاجب اور منرجم دست بستہ کھڑے ہوتے۔ خلیفہ جب گفتگو کی اجازت دیتا، تو سفیر مجرا ادا کر کے اپنے بادشاہ کا سلام پہنچاتا۔ خلیفہ اُس بادشاہ کے درجہ کے مطابق سلام کا جواب دیتا۔ پھر سفیر اپنی جیب سے بادشاہ کا خط نکال کر اپنی آنکھوں اور سر پر رکھتا اور خلیفہ کے حضور پیش کر دیتا۔ اگر خلیفہ کو اُس بادشاہ کی عزت افزائی منظور ہوتی، تو کھڑے ہو کر اُس کا خط اٹھاتا تھا۔ پھر وزیروں کو خط کے کھولنے اور پڑھنے کا حکم دیتا تھا۔ تھوڑی دیر معمولی سلام کلام کے بعد سفیر کو بیٹھنے کی اجازت ملتی۔ وہ آداب بجا لاکر اپنی جگہ بیٹھ جاتا۔ دربار کے بعد سفیر مہمان خانہ بھیج دیا جاتا تھا۔ نج کی ملاقاتیں بعد میں ہوتی تھیں۔

(فرانس کے شاہی رسوم)

فرانس میں جب شاہی قائم تھی، تو سفیروں سے ملاقات کا طریقہ یہ تھا کہ پیرس میں چند روز قیام کرنے کے بعد وہ وزیر تشریفات سے ملاقات کرتا تھا۔ وزیر اُسے بتاتا تھا کہ بادشاہ کس دن ملاقات کریگا۔ ملاقات سے تین دن پہلے شاندار شاہی گاڑیاں سفیر کی قیام گاہ پر پہنچتی تھیں، اور اُسے مع اُس کے مصاحبوں کے سفیروں کی مہمانی کے خاص محل میں لیجاتی تھیں۔ یہاں وہ بادشاہ کا مہمان ہوتا تھا۔ یہ محل نہایت آراستہ ہوتا تھا اور مہمان کی تواضع میں غیر معمولی فیاضی سے کام لیا جاتا تھا۔ روزانہ دعوتیں ہوتی تھیں، اور سفیر کے خوش کرنے کی پوری کوشش کی جاتی تھی۔

سفیر جتنے زیادہ دور ملک کا ہوتا تھا، اتنی ہی زیادہ اُس کی خاطر مدارات کی جاتی تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ ترکی سفیر کے صرف کھانے پر شاہ فرانس روزانہ ۵۰۰ اشرافی خرچ کرتا تھا۔ سنہ ۱۶۹۹ء میں جب سلطنت مراکش کا سفیر آیا، تو بریست کے قیام کے دوران میں ۹۰۰۰ پونڈ، اور پیرس کے قیام میں ۳۱۷۰۰ پونڈ صرف کیے گئے۔ شہر بریست سے پایۂ تخت تک سفر میں ۳۸۰۰ پونڈ صرف ہوئے تھے۔ یعنی کل ۴۴۵۰۰ پونڈ یا ۶۶۷۵۰۰ روپیہ خرچ کیے گئے تھے!

اُس زمانہ میں دستور تھا کہ سفیر کے دسترخوان کے تماشہ کیلیے پیرس کے عمائدین بلائے جاتے تھے۔ انکی موجودگی میں سفیر کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ بادشاہ سے ملاقات کے دن سفیر ایک دوسرے محل میں منتقل کیا جاتا۔ یہاں کچھ دیر ٹہرنے کے بعد شاہی سواریاں آئے لینے آتی تھیں، اور اُسکا جلوس دیکھنے کیلیے پیرس کی سڑکوں پر تماشاخیوں کا ہجوم ہو جاتا تھا۔

ورسلز کے شاہی محل تک پہنچنے میں کامل تین گھنٹے لگتے تھے۔ محل کے پھاٹک اور بیرونی میدان میں سفیر کو صف بستہ فرجیں نظر آتی تھیں۔ انہی گزر کر وہ سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا محل

حال میں ایک دلچسپ کتاب جرمنی میں شایع ہوئی ہے: "ازمنۂ وسطیٰ کے شاہی مراسم" اس کے بعض حصوں کا ترجمہ مصری معاصر المقتطف نے شائع کیا ہے۔ ذیل کا ٹکڑا اُسی سے ماخوذ ہے: قدیم زمانہ میں سفراء کے استقبال و ملاقات کے لئے دربار بڑی شان و شوکت سے سجائے جاتے تھے۔ بادشاہ اس بارے میں بہت زیادہ اہتمام کا اظہار کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں اگرچہ وہ پرانی شان و شوکت باقی نہیں رہی، تاہم سفراء کی ملاقات و استقبال کے معین اصول و قواعد موجود ہیں، جن کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ ان اصول و قواعد کو بین الاقوامی زبان میں "پروٹوکول" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(عربی سفراء)

عربی عہد حکومت میں سفراء کو غیر معمولی اہمیت حاصل نہی۔ موجودہ زمانہ کی طرح اُس وقت بھی سفیر دو قسم کے ہوتے تھے: عارضی اور دائمی۔ عارضی سفیروں کا کام کسی خاص پیغام کا پہنچانا یا کوئی خاص مہم انجام دینا ہوتا تھا۔ دائمی سفیروں کو دوسری سلطنتوں میں ہمیشہ حاضر رہنا پڑتا تھا۔

صاحب نہایت العرب کی تصریح کے مطابق عربوں نے سفیر کے لیے یہ شرطیں قرار دی تھیں: "خوبصورت ہو۔ اُس کا نام خوشگوار ہو۔ متدین اور پارسا ہو۔ مخلص، امین، اور ٹیک طینت ہو۔ حاضر جواب ہو۔ معاملہ فہم ہو۔ خوشامد کا عادی نہ ہو۔ رشوت قبول نہ کرے۔ دہریہ نہ ہو..."

عرب خلفاء بیرونی سفیروں کی بڑی خاطر مدارات کرتے تھے۔ فاطمی عہد حکومت میں سفیروں کے قیام کے لیے ایک نہایت ہی شاندار محل مخصوص تھا، اور خلفاء کا حکم تھا کہ اُن کی زیادہ سے زیادہ عزت کی جائے۔

استقبال کا طریقہ یہ تھا کہ اگر سفیر سب سالار کی قسم سے ہوتا، تو اُس نے پہنچتے ہی خلیفہ ملاقات کرتا اور پیغام سننا تھا... اگر فوجی آدمی نہ ہوتا، تو ملاقات سے پہلے تین دن تک مہمان خانہ میں رکھا جاتا تھا۔ اس اثنا میں کوئی شخص بھی اُس سے نہیں مل سکتا تھا۔ چوتھے دن خلیفہ کا دربار آراستہ کیا جاتا۔ جنگی افسر و عہدہ داروں سے سفیر باندہ سر کھڑے ہو جاتے۔ بادشاہ اپنی پوری شان و شوکت سے نہایت سلطنت پر جلوہ گر ہوتا۔ ارکان حکومت اپنے اپنے رتبہ کے مطابق بیٹھے۔ جب سب انتظام مکمل ہو جاتا، تو صاحب اعظم، سفیر کو لیے دربار میں داخل ہوتا۔ جس ہی خلیفہ کا چہرہ اُنکھائی دیتا، سفیر فرش زمین کو بوسہ دیتا۔ پھر ادب کے ساتھ اُسنتہ آہستہ وسط دربار میں پہنچتا، اور وہاں سے مجرا ادا کرنے کے بعد اُس مقام پر پہنچایا جاتا، جہاں خلیفہ سے ہم کلامی

(کیا کھانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی ؟)

علماء کی رائے ہے کہ ویتامین Vitamine ہی دراصل ہماری تمام غذا کا حقیقی جوہر ہے۔ اسی پر زندگی کا دار و مدار ہے۔ ویتامین کی بہت سی قسمیں قرار دی گئی ہیں، اور ہر قسم کا حرف ابجد پر الگ الگ نام رکھ دیا گیا ہے۔ بعض جرمن علمی رسائل کا بیان ہے کہ ایک جرمن کیمیائی کو ویتامین (الف) کی ایجاد میں کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔

سرفرید موند نے حال میں اس جرمن عالم کی تحقیقات کا معائنہ کیا، اور اپنے خیالات اس بارے میں شائع کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے :

” اگر اس جرمن عالم کا دعویٰ صحیح ہے کہ اس نے ویتامین کیمیائی طریق پر طیار کر لی ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں، کہ ہم عنقریب جملہ میوؤں، سبزیوں، ترکاریوں، اور مچھلی کے تیل وغیرہ غذاؤں سے مستغنی ہو جائیں گے۔ ہماری اقتصادی زندگی میں عظیم انقلاب ہو جائیگا۔ کوئی ملک اپنی غذا میں دوسرے ملک کا محتاج نہیں رہے گا۔ انسان کی غذا، ویتامین کی تکیاں ہونگی، اور بہتر سے بہتر خوراک کا کام دینگی۔“

” اتنا ہی نہیں بلکہ پورے عالم تمدن پر اس کا اثر پڑے گا۔ جسم انسانی کی موجودہ ترکیب میں بھی تبدیلی ہو جائیگی۔ اس جدید غذا کے لیے معدے کی ضرورت باقی نہیں رہیگی۔ ایک زمانہ ایسا آجائے گا جب انسان کے جسم سے معدہ بالکل غائب ہو جائیگا۔“

اطلاع

مولانا ابوالکلام کی علالت

۲۴ ستمبر سے مولانا ابوالکلام کی طبیعت برا ہو چکی ہے۔ پچھلے پیر ہی پیری مرض کے اشتداد سے دوران سر کی تکلیف شروع ہوئی۔ پھر سرخ بخار (ڈینگو فیور) لاحق ہو گیا۔ جس کی آج کل کلمتہ میں عام شکایت ہے۔ اب اگرچہ بخار اتر چکا ہے، مگر اس کی وجہ سے بعد طبعیت کمزور ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ال انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسوں میں بھی وہ حصہ نہ لے سکے، بجز رکننگ کمیٹی کے جلسوں کے جو ان کی علالت کے خیال سے انہی کے مکان میں منعقد ہو رہی ہیں۔

جن حضرات کے خطوط اس در ہفتہ کے اندر ان کے نام آچکے ہیں، وہ جواب نہ ملنے کی وجہ سے پوچشان خاطر ہوئے۔ براہ عنایت چند دن اور انتظار کریں تاکہ مولانا کی طبیعت بحال ہو جائے، اور وہ بہ اطمینان خطوط کا جواب لکھ سکیں۔

منیجر

اس وقت سردی ناقابل برداشت ہوگی۔ سردی کا تعلق سورج سے زیادہ ہواؤں سے ہو جائے گا۔ جب قطبی ہوائیں چلیں گی تو سردی بڑھ جائیگی۔ جب خط استوا کی ہوائیں چلیں گی تو گرمی ہو جائیگی۔

ظاہر ہے کہ فضا کی حرارت ہی آبی بخار پیدا کرتی ہے۔ یہ بخار پانی برساتا ہے اور انسان پینے کے لیے پانی پاتا ہے۔ لیکن جب سورج کی حرارت کم ہو جائیگی، تو بخار بننا بھی موقوف ہو جائیگا۔ یعنی بارش بھی نہیں ہوگی۔ جتنا پانی پیلے کا جمع ہوگا، وہ بھی بکتر جائے گا، اور بے شمار نئے نئے امراض پیدا ہو جائیں گے۔

غرض کہ اس وقت زمین پر زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ جب سورج کی آخری شعاعیں بھی ختم ہو جائیں گی تو زندگی بالکل ختم ہو جائیگی۔

(قلب کے متعلق ایک نیا نظریہ)

ڈاکٹر منڈلسن جرمنی کا مشہور محقق ہے اور برلن کی یونیورسٹی میں قلبی امراض کا استاد ہے۔ اس کے حال میں قلب کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ قلب، زندگی برقرار رکھنے کا اصلی آلہ نہیں ہے بلکہ دوسرے درجہ کی چیز ہے۔ زندگی کی اصلی بنیاد، قلب پر نہیں، بلکہ جسم کی اُن خلیا پر ہے جو خون جذب کرتی ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بہت سے کمزور دل کے آدمی مدتوں تک زندہ رہتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا قلب، جسم کے مختلف اجزاء میں پوری طرح خون پہنچا نہیں سکتا۔ نیز ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ بہت سے آدمی قلب کی حرکت بند ہوتے ہی، مردہ سمجھ کر دفن کر دیے جاتے ہیں، حالانکہ وہ دراصل زندہ ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات بکثرت پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر قلب ہی پر زندگی کا مدار ہوتا، تو اس کی حرکت بند ہونے کے بعد ہی زندگی بھی ختم ہو جاتی، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

(ایک عجیب مخلوق)

آسٹریا اخباروں نے یہ عجیب خبر شائع کی ہے کہ ابروانی نام ایک گاؤں میں اب سے ۱۹ برس پہلے ایک عورت کے لڑکا پیدا ہوا۔ یہ بندر سے بہت مشابہ تھا۔ والدین نے اس کا نام الکزنڈر رکھا۔ لیکن جوں جوں اس کی عمر بڑھتی گئی، بندر سے مشابہت بھی بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ اب جہاں ہونے پر وہ بالکل بندر ہو گیا ہے۔ صرف صورت و شکل ہی میں نہیں، حرکات و سکنات و طبیعت میں بھی بندر ہے۔ وہ آدمیوں کی طرح رہنا پسند نہیں کرتا۔ بول بھی نہیں سکتا۔ بندر کی طرح چلاؤ اور اچھلتا کودتا ہے۔ پچھلے دنوں اس کے والدین نے، آپے ایک آہنی ففس میں قید کر دیا تھا۔ کیونکہ آدمیوں کو تکلیف پہنچانے لگا تھا۔ ایک دن اتفاق سے چھوٹ گیا اور سوک پر پہنچ گیا۔ لوگ اسے گوریل سمجھ کر ڈر گئے اور بھاگے۔ بڑی مشکل سے اسے قید کیا گیا۔ اب ایک ہنگرین عورت اسے اپنے ساتھ ہونا پست لے گئی ہے۔ ڈاکٹر متعجب ہیں کہ کیا رائے قائم کریں؟ وہ آدمی نہیں ہے۔ مگر آدمی کے چہرے سے بندر کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ یہاں قانون زراعت سے بھی کوئی بحث نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ قانون کے متبعین بھی یہ نہیں کہتے کہ انسان بندر سے پیدا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بندر اور انسان ایک ہی صورت اعلیٰ کی اولاد ہیں۔

نظام شمسی کے جملہ کواکب، بالکل تاریک ہوجائینگے۔ غذائی مادے کم ہوکر بالکل ناپید ہوجائینگے۔ مہلک وبائیں پھیل جائیں گی۔ انسان، حیوان، نباتات، کوئی ذی روح، بھی باقی نہیں رہیگا۔ کیونکہ زمین، زندگی پیدا کرنے اور قائم رکھنے کی صلاحیت سے قطعی طور پر محروم ہوجائے گی!

علماء کے خیال میں یہ نتیجہ لازمی ہے۔ دنیا کی ہر بادی اسی طور پر واقع ہوگی۔ لیکن یہ بربادی کب ہوگی؟ کیا ہم یا ہماری قریبی نسلیں یہ ہولناک نتیجہ دیکھ سکیں گی؟

نہیں۔ علماء نے آفتاب کی حرارت اور روشنی کا حساب لگا کر بتایا ہے کہ ابھی آفتاب میں اتنی قوت موجود ہے کہ وہ کم سے کم ۱۰۰۰۰۰۰۰ سال تک نظام شمسی کو زندہ رکھ سکتی ہے!

لیکن آفتاب اچانک نہیں بجھ جائیگا۔ بتدریج بجھے گا۔ کیونکہ وہ بتدریج اپنی قوت و حرارت کھو رہا ہے۔ اس وقت آفتاب کی حرارت، دھرتی کے مقیاس کے حساب سے دس ہزار درجہ ہے۔ علماء کا خیال ہے کہ جب یہ حرارت نو ہزار درجے پر آجائے گی، تو کرہ ارضی کے خط استوا پر حرارت، صفر کے نیچے گرجائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کوئی انسان بھی خط عرضی کے درجہ ۶۰ سے اوپر زندہ نہیں رہ سکے گا (بجز سکندریا کے جہاں سمندر کا وہ دھارا موجود ہے جسے "خلیج کا دھارا" کہتے ہیں اور جو اتنی حرارت باقی رکھے گا کہ زندگی برقرار رہے) الا یہ کہ جنوب سے غذا مہیا کرنے کا اس کے پاس سامان موجود ہو۔

علماء کا خیال ہے کہ جب آفتاب کی حرارت نو ہزار درجے پر آجائے گی، تو تمام انسان سمیت کر خط استوا کے گرد جمع ہوجائینگے۔

انہیں سب سے بڑی فکر غذا حاصل کرنے کی ہوگی۔ اس وقت سخت جنگیں برپا ہونگی۔ کیونکہ آدمی زیادہ ہونگے اور غذا کم ہوگی۔ طاقتور، کمزوروں کو ہلاک کر ڈالینگے۔ تنازع للبقاء اور بقاء اصلح کا قانون یورپی بے دردی سے نافذ رہے گا۔ طاقتوروں کو بھی اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ کیونکہ سورج برابر ٹھنڈا ہوتا رہے گا۔ غذا کم ہوتی جائے گی اور زندگی کے لیے انسانوں میں برابر جنگ جاری رہے گی!

حرارت کے ساتھ آفتاب کی روشنی بھی لازمی طور کم ہوتی جائے گی۔ بتدریج آسمان کا نیلا رنگ بدل کر تیز زرد ہوجائے گا۔ ابر کا رنگ بھی زرد ہوجائے گا۔ آفتاب کی شعاعیں حسب ذیل ترتیب سے زائل ہوجائیں گی:

(۱) مارا بنفشی شعاعیں

(۲) بنفشی شعاعیں

(۳) نیلی شعاعیں

(۴) ارنبی شعاعیں

(۵) سبز شعاعیں

(۶) زرد شعاعیں

(۷) نارنجی شعاعیں

(۸) سرخ شعاعیں

جب آفتاب کا نور بہت کم ہوجائے گا، تو اس کی شعاعیں سراسر سرخ ہوجائیں گی۔ پہاڑوں پر جمی ہوئی تمام برف اس وقت سرخ یا زرد دکھائی دے گی!

طاری ہونے کے بعد سندھ چیر ڈالتے ہیں اور خاص طریقوں سے دل کو ملنا شروع کر دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں دوران خون شروع ہوجاتا ہے۔ دل ہلنے لگتا ہے اور دل کی حرکت کے ساتھ ہی تمام جسم میں زندگی واپس آجاتی ہے۔ حال ہی کا واقعہ ہے کہ لندن کے شفاخانہ سینٹ تھامس میں ایک عورت مسز ادیلنگ ایک خطرناک عمل جراحی میں فوت ہوگئی۔ ڈاکٹر نے فوراً اس کا سینہ چاک کر ڈالا اور دل کی مالش شروع کر دی۔ پندرہ منٹ بعد عورت بالکل زندہ ہوگئی تھی۔ البتہ وہ بیہوش رہی اور تیس گھنٹے بعد ضعف قلب کی وجہ سے پھر مر گئی۔

اس سے بھی زیادہ عجیب تجربہ علماء نے یہ کر دکھایا ہے کہ جانداروں کے سر کاٹ کر ایک دوسرے کے جسم میں لگا دیے ہیں اور وہ زندہ رہے ہیں! چنانچہ پچھلے دنوں لندن میں علماء کے ایک جم غفیر کے سامنے ایک ڈاکٹر نے بہت سے جھینگروں کے سر کاٹ دیے۔ پھر ایک کا سر دوسرے میں جوڑ دیا۔ حاضرین یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ چند لمحے بعد تمام جھینگروں کے سر کے ساتھ کودنے لگے تھے! تجربہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ کچھ مدت بعد جھینگروں میں جنسی تبدیلی بھی ظاہر ہوئی۔ یعنی جن میں مادہ کے سر لگائے گئے تھے، وہ مادہ ہو گئے، اور نر سر والے نر بن گئے!

یہ شعبہ نہ تھا۔ ایک علمی تجربہ تھا۔ علماء کی نظر میں اس تجربے کی بہت اہمیت ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں یہ تجربہ حسب مرضی نسل پیدا کرنے کا دروازہ کھول دے گا۔ انسان اپنی پسند کے مطابق نر یا مادہ اولاد پیدا کر سکے گا۔

اسی سلسلہ میں یہ علمی تحقیق بھی قابل ذکر ہے کہ علماء نے تجربے سے معلوم کر لیا ہے کہ اگر مچھر کی پرورش سرد مقام میں کی جائے اور غذا کم دی جائے، تو اس کی نسل عموماً نر پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے گرم جگہ میں رکھنے اور زیادہ خوراک دینے سے اولاد زیادہ نر مادہ پیدا ہوتی ہے۔ اس تجربے کی بنا پر انسانی مردم شماری کی تحقیقات کی گئی، تو معلوم ہوا عام مصائب خصوصاً جنگ کے زمانوں میں مرد زیادہ پیدا ہوتے ہیں اور امن و راحت کے دوران میں عورتیں زیادہ ہوجاتی ہیں۔

آج کل علم وراثت کے ماہر نہایت کوشش کر رہے ہیں کہ مادی وراثتی، ہر اعتبار سے انسان کی آئندہ نسلیں زیادہ ترقی یافتہ پیدا کریں۔ ڈاکٹر شتالو اور ورنر برف وغیرہ علماء کی کوششوں سے یہ امید پیدا ہوگئی ہے کہ اس مقصد میں ضرور کامیاب ہوجائیں گے۔ ان ڈاکٹروں کا دعویٰ ہے کہ اس صدی کے ختم ہونے سے پہلے ہی انسانی عمر کا اوسط، سو برس ہوجائے گا۔ اور پھر بہت جلد یہ صورت پیدا ہوجائے گی کہ انسان دیر سے ہو بلکہ سو برس تک کی عمر حاصل کر سکے گا۔

لیکن ان تمام حیرت انگیز کامیابیوں کے باوجود علم معترف ہے کہ وہ ابھی تک اپنے عہد طفولیت ہی میں ہے، اور قدرت الہی انسان کو جس قدر دولت علم بخشا چاہتی ہے، ابھی اس کا سوراں حصہ بھی انسان کے حاصل نہیں کیا ہے!

(جب سورج بجھ جائے گا)

بالاتفاق تمام علماء فلک کا فیصلہ ہے کہ سورج کا حجم کم ہو رہا ہے، کیونکہ اس کی حرارت میں لگا تار کمی واقع ہو رہی ہے۔ ایک دن، ایسا آئے والا ہے جب اس کی حرارت بالکل ختم ہوجائے گی۔ وہ بجھ جائے گا۔ بالکل ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اس وقت ہمارا یہ کرہ زمین اور

نامکن جو کہ اس بے معنی لفظ کا نتیجہ ہو جسے عوام "اتفاق" کہتے ہیں۔ منظر نشو و نما، جو جملہ زندہ کائنات پر منطبق ہوتا ہے، صاف ظاہر کر رہا ہے کہ اس مرنی و مادی عالم سے پرے ایک ایسی غیر مرنی قوت موجود ہے جو ناموس طبیعت پر کامل اسطقت و نفوذ رکھتی ہے۔ وہی کائنات کی مالک ہے اور وہی اسے انتہائی دانش مندی سے چلا رہی ہے۔ یہ غیر مرنی قوت، لازمی طور پر انسانی دماغ ہی ہو سکتی ہے۔

ایسا مضمون ختم کرتے ہوئے لکھتا ہوں:
طویل تجربوں کے بعد مجھے یقین ہو گیا ہے کہ بقا روح کا عقیدہ محض دہم و خیال نہیں ہے۔ بلکہ ایک حقیقت پر مبنی ہے۔ انسان نے بلا سبب یہ عقیدہ پیدا نہیں کیا۔ حقیقت یہ عقیدہ، قدرت کے ایک الہام سے پیدا ہوا ہے۔ انسانی عقل ہرگز تسلیم نہیں کر سکتی کہ موت کے ساتھ ہی فنا طاری ہو جاتی ہے۔ عقل انسانی کا یہ رجحان مادی نہیں ہے۔ روحانی ہے۔ اور ہرگز باطل نہیں ہو سکتا۔ میرے اعلان کسی دینی جذبہ کی بنا پر نہیں کر رہا ہوں، بلکہ ایک عالم جاننے کی حیثیت سے بھی میرا یہی اعتقاد ہے۔

ڈاکٹر طائر نے یوں اظہار رائے کیا ہے:
"انسانی زندگی میں کوئی ثبوت بھی روح کے وجود کا موجود نہیں۔ نیز کسی علمی دلیل سے موت کے بعد بقا روح کا منظر ثابت نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے، علم ہرگز اس طرح کا کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمارا کسی بات کے ثابت کرنے سے قاصر نہ جلا اس کے بطلان کی دلیل نہیں ہے۔"

ڈاکٹر کا توجہ لکھتا ہے:
"طویل تجربوں کے بعد بھی مجھے کوئی مادی ثبوت، موت کے بعد بقا روح کا نہیں مل سکا۔ میرا علم زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب دماغ کا عمل رک جاتا ہے تو عقل خائب ہو جاتی ہے۔ ہم مجھے حق یقین ہے کہ اس مادی عالم کے پرے ایک غیر مرنی قوت ہی عقل موجود ہے۔"

ڈاکٹر اسٹیکس کا خیال ہے:
"میں نے آج تک باوجود کوشش کے کوئی ثبوت اس حیرت انگیز پایا کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ دراصل ہماری مادی زندگی بہت ہی تھوڑی ہے۔ لیکن اس کا امتیاز کثرت میں نہیں ہے۔ کیفیت میں ہے۔ میرے خیال میں انسان کی تربیت اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ علم اور دین کو ملحدہ ملحدہ رکھے اور سمجھے۔ روح کا علمی دلائل سے ثابت نہ ہونا، اس کے بطلان کی دلیل نہیں ہے۔ دین نے انسانیت کو بہت نفع پہنچایا ہے۔ انسانیت کو شہید کی ضرورت باقی رہی ہے۔"

ڈاکٹر کوٹلیہ لکھتا ہے:
"میرے شخصی تجربے نے مجھے پورے طور پر مطمئن کر دیا ہے کہ ہماری زندگی کا لفظ ایک ایسی چیز ہے جو قائم ہو جی جی فنا ہونے والا نہیں کاش میں اتنی فصاحت رکھتا کہ دوسروں میں بھی یہ اعتقاد پیدا کر دے سکتا۔ وہ چیز یہی ہے جسے "روح" کہتے ہیں۔ فطرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ میں اگرچہ اسے ثابت نہیں کر سکتا مگر مجھے اس پر کامل یقین ہے روح، مادی و کیمیائی قوانین کے تابع نہیں ہے، لہذا اسے مادیات پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ ابھی علم نے اتنی ترقی نہیں کی کہ یہ تسلیم کر لے۔"

روح

ساتھ اٹھا عصر کے مباحث

حال میں امر کے ایک علمی رسالے نے دو سوال شائع کیے تھے:

(۱) کیا روح کے وجود پر کوئی علمی دلیل موجود ہے؟

(۲) کیا علمی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد روح باقی رہتی ہے؟

۹۰ مشہور طبیعیوں نے ان دونوں سوالوں کے جوابات نہ نہیں دیے۔ بالاتفاق تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ذیل میں ان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر فرانک والک نے دعویٰ کیا ہے کہ بعض مرنے والوں میں اسے ایسی ملائین بھی ہیں، جن سے موت کے بعد روح کے بقا کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن رسالے نے وہ ملائین شائع نہیں کیں۔ البتہ آرتھاکھا کہ بعض ملائین، مادی ہیں، بعض ایٹری (یعنی ایٹمر کی قسم کی)

ڈاکٹر ہنٹ اور اسکے رفقا علم کا فیصلہ ہے:
"کوئی علمی دلیل موت کے بعد روح کے بقا پر موجود نہیں روح کے بقا کا عقیدہ ایک خالص دینی عقیدہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ عقیدہ، نفس انسانی کی اس آرزو کا منظر ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہنا چاہتا ہے اور فنا ہو جانے سے ڈرتا ہے۔ اس مسئلہ پر ہمیشہ دینی پہلو ہی سے گفتگو کرنی چاہئے نہ کہ علمی پہلو سے، کیونکہ علم میں اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔"

ڈاکٹر ہنٹ نے اپنے مضمون کے آخر میں لکھا ہے:
"لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ میں روح کے وجود یا اسکے بقا کا منکر ہوں۔ بلکہ میں ان سب باتوں پر پختہ ایمان رکھتا ہوں کہ میرا یہ ایمان، علمی حقائق و براہین پر مبنی نہیں ہے، بلکہ سراسر ضمیر و وجدان کے رجحان پر قائم ہے۔"

ڈاکٹر کین لکھتا ہے:
"اگر ہم موت سے پہلے اور موت کے بعد انسانی جسم میں یا توں، تو دونوں حالتوں میں ہرگز کوئی فرق نہیں پائیں گے۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ موت کے بعد جسم انسانی میں کوئی چیز کم ضرر ہو جاتی ہے اس کی کوہم روح کا بخل جاتا کہتے ہیں۔ کسی انسان نے بھی روح بکھلتے نہیں دیکھی، مگر کسی کو بھی اس کے بکھلنے میں شک و شبہ نہیں ہوتا۔ حقیقت روح، اس کائنات میں سب سے بڑا راز بلکہ سب سے زیادہ پیچیدہ علم ہے۔ علم اس کے ثابت کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن دین اسے ثابت کرنا چاہتا ہے۔ یہ مادی علم کی بنیاد رکھتا ہے۔ یہ واقعہ کہ ہر وہ چیز جو ہمارے حواس کے دائرے میں

آتی ہے، فانی ہے۔ روح، ہمارے حواس سے پرے ہے۔ اس لیے ہم ان کے فانی ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ وہی مفرد مسٹر کا یہ قول بھی از حد پسند ہے کہ ایک بار اسے کہا تھا۔ اگر میں گرا ہوں تو بھی فلاں کے ساتھ ہونے کو ترجیح دوں گا، بجائے اس کے کہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو بقا روح کے منکر ہیں۔ صدیوں سے علماء کوشش کر رہے ہیں کہ عالم غیب اور قبر کے بعد کی دنیا کو معلوم کریں، مگر ان کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ یہ اس لئے کہ علم، انسان کا ساتھ صرف اس کی زندگی بھر دیتا ہے۔ موت کے طاری ہوتے ہی علم کی رفاقت چھوٹ جاتی ہے۔ البتہ اس وقت دین، ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اگر منظر نشو و نما، علم ہیئت، اور دوسرے خاص علم و فنون پر ہم یقین رکھتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ روح اور اس کے بقا پر بھی ایمان نہ رکھیں۔ کائنات کے بے شمار راز اب تک ہماری عقل سے باہر ہیں، مگر ان کی حقیقت سے جاہل ہونے پر بھی ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کیوں نہ روح کے ساتھ بھی ایسی ہی تڑاؤ کیا جائے؟ ایک اور مضمون نگار جسے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، لکھتا ہے:
"موت کے بعد روح کے بقا کا عقیدہ، سراسر دینی عقیدہ ہے۔ اس میں بحث کی گنجائش موجود ہے، کیونکہ مرنے کے بعد کوئی آدمی بھی اس دنیا میں واپس نہیں آیا کہ ہمیں اصلی حقیقت سے آگاہ کرے۔ علم اس کے ثبوت سے قاصر ہے۔ ہماری عقل یہ تصور نہیں کر سکتی کہ جسم کے فنا ہو جانے کے بعد روح باقی رہے۔ لیکن ہماری عقل نے اب تک اتنے حقائق سمجھ لئے ہیں؟"

ڈاکٹر رچرڈ کا پٹ نے لکھا ہے:
"میں بقا روح پر کامل ایمان رکھتا ہوں، اس لئے میں نے علمی دلائل اسے ثابت کرتے ہیں، بلکہ اس لئے کہ میرا وجدان مجھے اس یقین پر مجبور کرتا ہے۔ میرا یہ عقیدہ سراسر دینی عقیدہ ہے۔ اگر علم بقا روح ثابت نہیں کر سکتا، تو یہ بھی واقعہ ہے کہ اسے باطل بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ ہر حال میں بقا روح کا قائل ہوں میرا پختہ ایمان ہے کہ موت کے بعد ہم دائمی زندگی حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک اور ڈاکٹر نے (جسے علمی رسالے نے امریکہ کا مشہور ترین محقق قرار دیا ہے) لکھا ہے:

"جن قوانین کی بنا پر بقا روح ثابت کی جاتی ہے، وہ ہر اعتبار سے لائق غور ہیں۔ میرے ذہن میں ڈاؤن کا یہ قول برابر موجود ہے کہ ہم عقل کسی طرح بھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ یہ کائنات محض اتفاق سے ظاہر ہو چکی ہے۔ وہ حیرت انگیز دقیق نظام جس پر کائنات قائم ہے

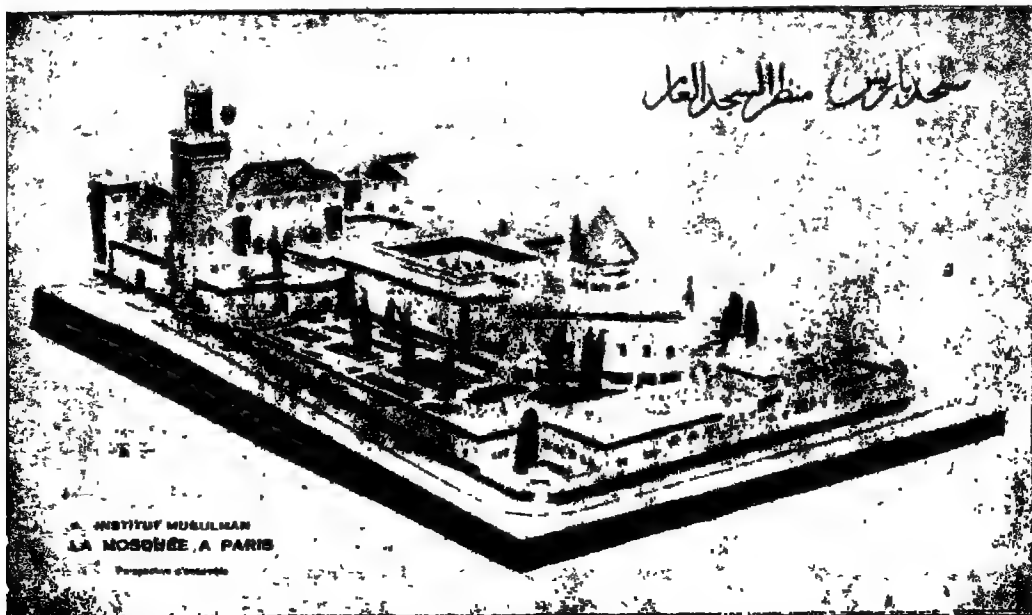
ایک فراموش شدہ عظمت

جو تذکرہ و یاد آری کی مستحق ہے



امیر محمد بن عبد الکریم

جنگی نسبت یورپ کی تازہ ذاک میں بعض نئی تفصیلات آئی ہیں - معلوم ہوا ہے کہ فرانس کے ایک دارالاشاعت نے اُنسے فرمایش کی تھی کہ وہ خود اپنے قلم سے اپنی سوانح عمری قلمبند کر دیں - شیع نے یہ درخواست منظور کر لی اور اب وہ بہ یک رقت فرانسیسی اور عربی 'دونوں زبانوں میں اپنے حالات قلمبند کر رہے ہیں -



پیرس کی مسجد اور عربی چمنستان کا مصور نمونہ، جسکی تکمیل کیلئے اس ہفتہ سلطان مصر نے ایک لاکھ فرانک دیا ہے

مدحت پاشا کی جلاوطنی

روس کا اعلان جنگ
میرزا جلال علی کی خبر شہزادہ (دواما) حکومت روس پہنچی تو حکومت
سرست سے اچھل پڑی۔ اتب اُس نے باب عالی پر زبردیا شروع کیا
کہ بلقان کے متعلق اُس کے مطالبات منظور کر لے۔ لیکن یہ حکومت
نے انکار کیا۔ اس پر روس نے اعلان جنگ کر دیا، اور وینے کو
کی طرف سے مدد فوج حملہ آور ہوئی۔

سلطان مراد کی تخت نشینی کے دن سے میں نے اس تقدیر کو
متنبی کے مجھے یقین، ہو کوئی دوسرا انسان نہیں کر سکتا۔ میں نے لگاتار
جہد و جد سے اب ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ سلطنت تمام
سے صحیح و سالم نکل جاتی۔ لیکن اب اچانک یہ معاملہ پیش آگیا۔ پہلے
مجھے خوشی ہوئی کہ اب آرام کر سکوں گا۔ مگر فوراً اس خیال سے دل
جگر مچرج ہو گیا کہ میری زندگی، میری نہیں بلکہ قوم و ملک کی ہو، اور
اس کے لئے سخت خطرات درپیش ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ سلطان کی
یہ حرکت، سلطنت کے لئے نہایت مہلک ثابت ہوگی۔ اور اس
کی تمام امدادیں ضائع ہو جائیں گی۔

لیا جائے۔ چاچہ جی کیا کیا۔
 اس سے بھی بڑی مصیبت، سلطان کی ناتجربہ کاری تھی۔
 جنگ شروع ہوتے ہی سلطان نے عبدی پاشا اور عقیب پاشا کو
 مغزول کر دیا۔ یہ دونوں سپہ سالار وہی سرحدوں سے واقف تھے۔
 اور اس جنگ کے لئے پہلے ہی سے نقشے مرتب کر چکے تھے۔ ان کی
 مغزولی نے میدان جنگ میں سخت اثر ہی پیدا کر دی۔ اس وقت پہلی
 جنگی قوت کافی تھی۔ ۵ لاکھ نظامی فوج نہایت عمدہ طور پر سامنے
 تھی۔ رضا کاروں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ مگر سلطان کی
 مداخلت نے معاملہ خراب کر دیا۔ رضا کار فوجیں منتشر کر دی گئیں۔ نظامی
 فوجوں میں بغلی پیدا ہو گئی۔ اس پر بھی سلیمان پاشا اور عثمان پاشا
 نے دشمن کی لینا روک دی، اور امید بندھ کر یہ دونوں سپہ سالار
 سلطنت کو خطرے سے بچالیں گے۔ مگر کوئی جنگی مرکز موجود نہ تھا۔
 مختلف مقامات سے احکام صادر ہوتے تھے۔ ہر مقام پر بھی سلطان
 کی جند موجود تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان پاشا کی فوجیں بھاگنے لگیں
 اور عثمان پاشا، آلودہ میں قید ہو گئے۔ آلودہ میں دس کی پوری تو
 موجود تھی۔ محمد زار دس فوج کی قیادت کر رہا تھا۔

موجود تھی۔ حمزہ زید الدوس نے اس کی زیادت پر اصرار کیا۔
 دوس کو کابل فتح حاصل ہو گئی اور اس کی منظر و منظر
 میں اسٹاف (مضافات قطیفہ) تک پہنچ گئیں۔ دوسری طرف
 سے انگریزی حکومت کا جی پیو، باسنوئیں میں گیا اور پھر
 کے سامنے توپیں سیٹی کر کے کھڑا ہو گیا۔

لے سکتے ہیں سیدی کے ہر اہل بیت
 میں اس وقت یوں ہیں اپنی جلا وطنی کے دہلی گوانہم تھا۔ مجھ
 سلطنت کے معاملات میں مداخلت یا دخل یوں ہے کہ وہ شدید
 نہا کوئی حق نہ تھا۔ تاہم میرا دل یہ تباہی دیکھ کر چین چو گیا اور
 میں نے جدوجہد شروع کر دی۔ لندن، پیرس، وائٹا، برلن، وائٹا
 راکر میں پھرتا۔ اس سٹی کا نتیجہ یہ تھا کہ سین اسٹالو کا دلیل مطاب
 منسوخ ہو گیا اور سلطنت ایک مرتبہ پھر سچ نکلی۔ مجھے قدر و سلطنت
 اور خود سلطان کی فضا پر از حد امنوس ہے۔ میں اس وقت جبکہ
 وہ اس کیونہ کا حاضر کے لئے تھا، انجلی شری کو ماضی کر لیا تھا کہ وہ اس
 پر حملہ آور ہو جائے۔ اسٹالو کے حملے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا
 کہ وہ سچی فوجیں پر واپسی کا راستہ مسدود ہو جاتا اور سب کی سب
 یا تو قید ہو جاتیں، یا برباد ہو جاتیں۔ میں نے خود سلطان کو
 محض تار دیا۔ مگر میں دین کر دے اور کوئی جواب نہ آیا۔ اس
 شہنشاہ نے کہا کہ اس وقت اس کا حال یہ ہے

استانی رہنمائی سے ملے گی۔

جوش و خروش میں تھا۔ اس وقت سے شروع ہو کر اس وقت تک سلطان کے اصرار پر اس مسئلے پر بحث ہوا تھا، اور وہ بھی بیاری میں مبتلا ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد جب انھوں نے مغربی سلطان عبدالغیر کی خودکشی کا حال سنا، تو غصے سے ادھر بھی زیادہ شدت اختیار کر لی۔ دوسرے ہی دن ان میں خون کی علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ ہم نے یہ واقعہ احتیاطاً مخفی رکھا اور علاج کرتے رہے، لیکن ۱۰۵۰ھ کے بعد ایک دفعہ سلطان، بارگاہِ مہم میں پھانسی دے دیے اور محل کے خدام کو ان کے جوتوں کا حال معلوم ہو گیا۔ اب احتیاطاً ممکن تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام حقیقت حال سے واقف ہو گیا تھا۔

سلطان کی بیاری نے سلطنت کو سخت نقصان پہنچایا۔ دستور اساسی طیار کر لیا تھا، مگر اسی بیاری کی وجہ سے اعلان لٹری کر دیا۔ صرف ہی نہیں بلکہ حکومت کے تمام کام سطل ہو گئے۔ حتیٰ کہ سفر و بدل کے کاغذات تک کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ اگرچہ وزارت و حکومت موجود تھی، مگر قانون کے مطابق حکم کے لئے سلطان کی منظوری لازمی تھی۔ اور سلطان ابراہیم نے اس کے معاملات سلطنت کی سماعت کر سکتے۔

ایک نئی مصیبت

اس صورت حال نے جس سخت پریشان کر دیا تھا، اس سلطنت کے معاملات پر غور کرنے کے لئے رات رات بھر بیٹھے رہتے۔ ایک بار میرے مکان پر شیخ الاسلام خیر الدین آفندی اور وزیر سلطنت جمع تھے کہ ایک شخص حق جو کسی نامی آیا۔ یہ فوج میں افسر تھا، اور سلطان عبدالغیر کے لڑکے شہزادہ یوسف خاں کا ایدی کا رنگ نہ بچا تھا۔ اس نے وزیر جنگ سے ایک بہت ضروری معاملہ کے لئے ملاقات کی درخواست کی۔ جہاں ہی وہ اندر داخل ہوا، حسین عیسیٰ پاشا پرستول نکلا لڑکھڑکایا۔ حسین عیسیٰ کے سینہ پر گولی لگی اور ان کا کام تمام ہو گیا۔ چونکہ پہلے پاس ہتیار نہیں تھے، بھاگ کر پرچہ ہو گئے مگر قیصری احمد پاشا وزیر بھرنے قاتل کو گرفتار کرنا چاہا۔ قاتل نے انھیں بھی سخت زخمی کیا۔ وہ بھاگے۔ اس نے تعاقب کیا۔ حیرانہ طور پر اس سے لپٹ گیا۔ مگر قاتل نے اسے بھی قتل کر ڈالا۔ مزار کے محافظ سپاہی وہ قتل کر قاتل کی جیب میں ہسٹول تھے۔ اس نے آدی اور قتل کر دئے۔ اب بھی کی بہت نہیں بڑی تھی کہ اس کے قریب چلے۔ قاتل اب ایک دوسرے کے میں گھسا، وہاں رات پاشا بیٹھ رہے تھے۔ اس نے انھیں بھی قتل کر دیا۔ بالآخر جب کافی تعداد میں سپاہیوں کو بھیجا، پہنچے تو وہ گرفتار کیا گیا۔

اس حادثہ نے سلطنت کو بہت نقصان پہنچایا۔ حسین عیسیٰ پاشا، فزون جنگ میں بے نظیر تھے۔ ماشا پاشا، حاجی مہمات فہم میں شہوت تھے۔ پہلے دشمن ان دونوں کی موت سے بہت خوش ہوئے۔

بلقان اور جزیرہ کرپٹ کی شورشیں

ہم ان مصائب میں گرفتار تھے کہ اسٹیٹنگ، مروجہ، بلغاریا، اور کرپٹ میں شورشیں برپا ہو گئیں۔ پہلے تمام دستوں کے لئے یہ بڑی نازک وقت تھا۔ بائیں ہند ہم نے بروقت کارروائیوں میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی۔ فوراً ہر طرف فوجیں روانہ کر دی گئیں۔ ہندی فوجوں نے غیر معمولی شجاعت دہت دکھائی، اور تمام شورشوں کا خاتمہ کر دیا۔

سلطان عبدالحمید کی تخت نشینی

لیکن سلطنت کی حفاظت کے لئے ہمیں سلطان کی مغربی

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مذت پاشا

شہید حریت و دستور

(۱۲)

سلطان کی مغربی

”حسین عیسیٰ پاشا، رشیدی پاشا، مذت پاشا، اور خیر الدین شیخ الاسلام نے مل کر طے کیا کہ وہ چادی الادلی کو دلی صدر آفندی کو تخت نشین کر دیا جائے۔ لیکن اس تاریخ سے دو دن پہلے ہی سلطان عبدالغیر کو کسی طرح اس معاملہ کی خبر پہنچ گئی اور انھوں نے عورتی پاشا کو ملاقات کے لئے اپنے محل میں طلب کیا۔ مگر عورتی پاشا نہیں گئے۔ کیونکہ انھیں افشا راز کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ چونکہ اب فرد تاخیر میں خطر تھا، اس لئے یہی طے پایا کہ فوراً نئی تخت نشینی عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ حسین عیسیٰ پاشا نے اسی رات اپنے شہر کا رکی مجلس منعقد کی، اور سلطان کی مغربی کے لئے طریقی تھا دین فوج بھی جمع کر لی گئی۔

مذت پاشا اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں لکھتے ہیں:

”ہم نے مناسب سمجھا کہ دلی صدر آفندی کی تخت نشینی کا اعلان، مزارات جنگ کی علامت میں ہو۔ چنانچہ میں (مذت پاشا) اور رشیدی پاشا صبح شام کے وزارت جنگ کی طرف روانہ ہوئے حسین پاشا، احمد پاشا، ردین پاشا، حسن پاشا، طولہ باغیہ و قمر شاہی) میں گئے تاکہ وہاں فوج کو ضروری احکام دیں۔

”یہ تمام کارروائی پوری طرح مخفی رکھی گئی تھی۔ ہمیں یقین تھا کہ چارے رفقا کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہو۔ لیکن جب ہم وزارت جنگ میں پہنچے، تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ وہاں لاکھوں آدمی جمع ہیں اور نئے سلطان کے درود کا انتظار کر رہے ہیں۔ آج تک مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ خبر تمام شہر میں راتوں رات کس طرح شہوت ہو گئی؟“

”مجھ، از حد جوش و خروش میں تھا۔ بڑی ہی تیزی سے مراد آفندی کا انتظار کر رہا تھا۔ آج تک دلی صدر کی سواری نمودار ہوئی حسین عیسیٰ پاشا ان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ تمام مجمع نے نئے سلطان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی تخت نشینی کا اعلان ہو گیا۔ اسی وقت سلطنت کے تمام صوبوں اور یورپ کی تمام حکومتوں کو تار کے ذریعہ اس غزل و تخت نشینی کی اطلاع بھیج دی گئی۔ دارالخلافہ میں جشن شروع ہو گیا۔ ہر طرف جھنڈے بلند ہو گئے۔ اجنبی جاما زوں نے بھی اپنے علم اوڑھے کر دئے۔ لیکن بڑی سفارت خانہ نے مظاہر جوش میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور دقتوں تک علم تذبذب میں رہا۔“

”دوس کو محمود علی پاشا کی مغربی سے سخت ایچ ہوا تھا۔ اب خود سلطان کی مغربی نے اسے اور بھی برہم کر دیا۔ چنانچہ نادر دوش ترکی وزارت خارجہ کے نام تار بھیجا کہ ”انھیں اس بات پر سخت امنوس ہو کہ ایک معمولی سپہ سالار کی جرات نے سلطان کو اس تاج و تخت سے محروم کر دیا ہو!“

”سلطان عبدالغیر مغربی کر دئے گئے، لیکن ان کی ذات اور عزت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا گیا۔ پہلے دستور تھا کہ مغربی سلطان قید کر دئے جاتے تھے، ہم بھی سلطنت کے مصلح کے لئے ایسا کر سکتے تھے، مگر ہم نے نہیں کیا۔ ہم جانتے تھے کہ ملک میں کوئی جتا بھی سلطان کی طرفدار نہیں ہو۔ لہذا انھیں قید کرنا قطعاً غیر ضروری تھا۔ علاوہ بریں ہم دستوری نظام حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، اور دستوری حکومت میں کسی شخص کو بھی بغیر جرم کے قید کرنا جائز نہیں ہوتا، اگرچہ وہ مغربی پادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔“

”مغربی ہونے کے بعد سلطان عبدالغیر نے سلطان مراد کو در خاص سے مبارک باد کا خط لکھا، اور محل طرب قیہ سے ”فرمید“ میں منتقل کر دئے جانے کی درخواست کی۔ درخواست منظور کر لی گئی اور مغربی سلطان نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنی تین سو بیویوں اور کنیزوں کے ساتھ نئے محل میں منتقل ہو گئے۔

عبدالغیر کی خودکشی

ہم ابھی نئے سلطان کی تاج پوشی کے جلسوں سے پوری طرح فارغ بھی نہ ہوئے تھے، کہ سلطان عبدالغیر نے اپنی تخت و خرو کے جوتوں سے بے خود ہو کر خودکشی کر لی۔

یہ واقعہ مغربی سے ۶ دن بعد پیش آیا۔ اتوار کے دن انھوں نے اپنے ایک ملازم سے قیمتی طلب کی ادائیگی باز دی رکھیں کاٹ ڈالیں۔ ان کی موت خودکشی سے ہوئی۔ یہ بالکل یقینی بات تھی۔ تاہم مزید احتیاط کے خیال سے ہم نے اس کی باقاعدہ تحقیقات بھی کرائی۔ تمام شاہی طبیبوں اور اجنبی سفارت خانوں کے ڈاکٹروں کو بلا کر معائنہ کرایا گیا۔ ان ڈاکٹروں کی تعداد ۱۰۰ کے قریب تھی۔ انھوں نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ سلطان نے خودکشی کی ہو۔

سلطان مراد کی بیاری

سلطان مراد کی تخت نشینی ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے عمل میں آئی تھی۔ آرتا ہر مجمع انھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مجمع از حد

(۵) کمر، مینہ، طائف، جدہ، یتیم خانہ کے اہل شرکس بنائی جائیں۔
(۶) حرم کعبہ میں نیا اضافہ کیا جائے۔ اس کے انتظام میں خرابیاں ہیں۔ اصلاح کی جائے۔

(۷) چاہ زمزم سے پانی نکالنے کا موجودہ طریقہ اچھا نہیں۔ اصل حفظان صحت کے خلاف ہو۔

(۸) مندرجہ کی موجودہ صورت حال خراب ہے۔ جاہلے کھلی ہوئی ہو۔ قسم کی گندگیاں اس میں گر جاتی ہیں۔ لوگ کپڑے بھی اس میں دھو لیتے ہیں۔ حاجی اور باشندے یہی پانی پیتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔

(۹) مندرجہ نامہ کافی ہے۔ جدید کمزور کوٹنے چاہئیں۔

(۱۰) تنزیل، عرقات، اور تجربہ میں پانی اور سایہ کا انتظام نہیں ہے۔ یہ مجلس تفتیش و اصلاح کے مسودہ اصلاحات کی چند سفارشات ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے ان پر کیا عمل ہو رہا ہے؟

تعلیم
نئے مدرسے جاری کئے جا رہے ہیں۔ مدارس کے لئے نصاب تعلیم اور دستور العمل بنایا جا رہا ہے۔ معروضات سے لائق مدرس طلب کئے جائے ہیں۔ صرف حجاز کے بڑے بڑے شہروں ہی میں نہیں بلکہ دیگر قبائل میں بھی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بدی باشندے باضابطہ مدارس سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ لہذا ان کے لئے چند خاص معلم بلائے گئے ہیں جو خود بھی بدی ہیں اور بدی عادات و طبائع سے واقف ہیں۔ اب تک ۲۰ قصبوں میں تعلیم کا انتظام کیا جا چکا ہے۔ اگر ظاہر ہے تعلیمی اصلاحات کا نتیجہ ایک مدت کے بعد ہی عموماً کیا جا سکتا ہے۔ تعلیمی لائحہ ایک فرمان کی صورت میں شائع کیا گیا ہے اور بالاختصار یہ ہے:

دفعہ اول: محکمہ شخص کو حق نہیں کہ مجلس معارف کے لائحہ سے ہٹ کر بطور خود تعلیم دے۔

دفعہ دوم: جن علوم کی تعلیم دی جائے گی، وہ دی ہوئے مجلس معارف کے مقرر کردہ ہیں۔

دفعہ سوم: حجاز کی تعلیم کا مجلس معارف کے ماتحت ہوگی۔

دفعہ چہارم: گورنر میں تعلیم نہیں دی جائے گی الا یہ کہ مجلس معارف سے اجازت حاصل کر لی گئی ہو۔

دفعہ پنجم: تعلیمی نصاب اور دستور العمل مغرب مرتب کیا جائے گا۔ سلطان نے اس کے لئے ایک مجلس کی تشکیل کا حکم دیا ہے۔

دفعہ ششم: تعلیمی لائحہ اور دستور العمل حنفی اصول پر مبنی ہوگا۔

(۱۱) تعلیم کی غرض ایک ہے۔

(۱۲) حجاز میں تعلیمی تنظیمی مدد کر دی جائے۔ تمام تعلیم ایک ہی نظام کے ماتحت رہے۔ ابتدائی تعلیم، تدریج اجباری کر دی جائے اور غریبوں کے لئے مفت ہو۔

(۱۳) حجاز میں تعلیم کے چار درجے قرار دیے جائیں: کبتی، ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ۔

(۱۴) مسجد حرام میں جو تعلیم جاری ہے، اس کے لئے ایک ضابطہ مقرر ہو۔

(۱۵) مدرسوں کی قابلیت کے لئے معیار مقرر کر دیا جائے۔

دفعہ پنجم: مدارس اور تعلیم کی جانچ کے لئے مفتش مقرر کئے جائیں گے وہ پوری تعلیم کی نگرانی کریں گے اور اپنی رودادیں مجلس معارف کے سامنے پیش کیا کریں گے۔

عدالتی نظام

عدالتوں کے لئے ایک یا دو دستور العمل سلطان نے شائع کیا ہے جو بالاختصار حنفی ہیں:

دفعہ اول: کہ مندرجہ میں حنفی عدالتیں قائم ہوں:

(۱) عدالت خفیہ۔ اس کا مرکز قلعہ عید میں ہوگا۔ یہ ان تمام دینی و دنیوی مقدمات کا فوراً فیصلہ کرے گی جن میں ۲۰ گنی سے کم کا دعویٰ پیش ہوگا۔ اور جن میں مجرم کے لئے سنگین سزائیں ہیں۔ اس کے فیصلے کی اپیل نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ ظاہر شرع کے صریح خلاف ہو۔

(۲) اسی قسم کی ایک اور عدالت بھی قائم ہوگی۔ یہ صرف بدی قبائل کے مقدمات کا فیصلہ کرے گی۔

(۳) شرعی عدالت عالیہ۔ یہ ان تمام مقدمات پر غور کرے گی جو عدالت خفیہ کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔ اس کے فیصلے اس کے قاضیوں کے اتفاق اور اراکین اکثریت سے صادر ہونگے۔

دفعہ دوم: جدہ اور مدینہ میں بھی اسی قسم کی تینوں عدالتیں قائم کی جائیں۔

دفعہ سوم: کہہ کی عدالتوں میں قاضیوں کی تعداد حنفی ہوگی:

(۱) عدالتائے خفیہ میں ایک ایک قاضی۔

(۲) عدالت عالیہ میں تین۔

دفعہ چہارم: عدالتی نگرانی کے لئے ایک مجلس قائم ہو۔ اس کا فرض یہ ہوگا کہ وقتاً فوقتاً مقدمات کی رفتار اور فیصلوں کی جانچ کرے۔

دفعہ پنجم: اگر کبھی غلطی دیکھے، تو فوراً بازرس کرے۔

دفعہ ششم: یہ مجلس ایک صدر، ایک کاتب (سکریٹری) اور تین ارکان سے مرکب ہوگی۔ خود سلطان ان لوگوں کو منتخب کریں گے۔

دفعہ ششم: اس مجلس کے وظائف ج ذیل ہونگے:

(۱) تمام عدالتوں پر نظر رکھیں۔

(۲) مالی مقدمات پر نظر ثانی کرنی بشرطیکہ کوئی فرق اس کی درخواست کرے۔

(۳) کم عمر بچوں کے حقوق اور ادوات کے اسوال کی حفاظت۔

(۴) امرا المعروف دینی من الشکر۔

(۵) ان مسائل میں قوی صادر کرنا جن کا تعلق شرعی عدالتوں سے نہیں ہے۔

(۶) اگر عدالتوں کے قاضی کسی معاملے میں مختلف ہوں اور فیصلہ نہ کر سکیں، تو انہیں مشورہ دینا۔

دفعہ ہفتم: فیصلہ کے صادر ہونے کے بعد اس کے نفاذ میں ۵ دن سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔

دفعہ ششم: قاضیوں کے لئے جائز نہیں ہو کہ عدالت کے اوقات میں لوگوں سے بیچ کی ملاقاتیں کریں۔

دفعہ پنجم: اپیل کی انتہائی مدت میں ۱۰ دن ہو۔

یہ عدالتی نظام نامے کے چند دفعات کا خلاصہ ہے۔ اس نظام نامے کے ساتھ ہی دو شاہی فرمان بھی شائع ہوئے ہیں۔ ایک میں مندرجہ کی تینوں عدالتوں کے لئے قاضیوں (رجسٹروں) کی تقرری منظور ہوئی دوسرے میں عدالتی نگرانی کی مجلس کے ارکان کے نام بتلائے گئے ہیں۔

عدالت عالیہ کے لئے تین قاضی مقرر ہوئے ہیں: شیخ محمد زائد، ابوسین (صدر)، بحت البیطار (رکن)، امین فودہ (رکن) باقی دو ذیل عدالتوں کے لئے: بالترتیب شیخ محمد التوحیدی اور شیخ حسین عبدالغنی مقرر کئے گئے ہیں۔

عدالتی نگرانی والی مجلس کے ارکان حنفی ہیں:

- (۱) شیخ عبدالعزیز بن حسن (صدر)
- (۲) شیخ محمد علی الزکی (کاتب)
- (۳) شیخ علی المالکی (رکن)
- (۴) شیخ محمد الباقر (رکن)
- (۵) شیخ سعید ابوالخیر (رکن)

مجلس امرا المعروف

عدالتی نظام نامے کے ساتھ ایک فرمان میں مجلس امرا المعروف دینی من الشکر کے قیام کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔ اس کی دفعات حنفی ہیں:

(۱) اس مجلس کا مرکز، مکہ میں ہوگا۔ شامیں، جدہ، مدینہ، طائف، یتیم خانہ وغیرہ محلات میں ہوگی۔

(۲) ہر مقام کی مجلس میں جب ضرورت ارکان کی تعداد ہوگی۔

(۳) ارکان کے لئے لازمی شرط یہ ہو کہ شریعت کے عالم، خوش اخلاق اور خوش اطوار ہوں۔

(۴) ہر مجلس کے ماتحت، سطح فوج ہوگی اور اس کے احکام نافذ کرے گی۔

(۵) ہر ہفتہ دو مرتبہ یہ مجلس جمع ہوگی۔

(۶) ان مجلسوں کے فرائض حنفی ہیں:

(۱) باشندوں کو ادوات نمازیں متنبہ کرنا اور بے نمازیوں کو کفر اسلوبی سے ناز کی طرف راغب کرنا۔

(۲) جن مقامات میں خلاف شرع کام ہونے کا شبہ ہو، ان کو نگرانی۔

(۳) باشندوں کو نرمی کے ساتھ معافی و مشکلات کے ترک کی ترغیب دینا۔

(۴) شادی و غمی میں خلاف شرع رسوم میں باز رکھنا۔

(۵) عوام کو غش کلامی سے روکنا۔

(۶) کمر دہوں کی مدد، بیواؤں سے حق سلوک، لاچاروں کی دست گیری۔

(۷) حیوانات پر رحم۔

(۸) یہ مجلس ہر اس بات کا حکم دیں گی اور ہر اس بات سے منع کریں گی جس پر امت کا اجماع ہے۔ مختلف فیہ امور میں عدالتی نگرانی والی مجلس سے رجوع کریں گی۔ کیونکہ امرا المعروف معروف میں ہوتے، نہ کہ انکو اجنباد ہیں۔

تنبیہ۔ ان مجالس کے ماتحت فوجیں کو سختی سے حفاظت کفایتی ہو کہ احکام کے نفاذ میں ہرگز تشدد سے کام نہ لیں۔

کہ مسئلہ کی مرکزی مجلس کے امکان حنفی ہیں:

(۱) شیخ عبدالرحمن بشار (صدر)

(۲) عمر فقیہ (رکن)

(۳) محمد زائد (رکن)

(۴) محمد شریانی (رکن)

(۵) اسد شفیق (رکن)

(۶) عبدالعزیز بن عمار (رکن)

(۷) عبدالعزیز بن سلطان (رکن)

(۸) سلمان البصیح (رکن)

(۹) محمد الحنفی (رکن)

(۱۰) محمد عبدالرحمن لعل (رکن)

مجلۃ الاحکام الشرعیہ

عدالتی اصلاحات کے سلسلہ میں سب سے بڑی اصلاح، جو سلطان ابن سعود کے پیش نظر ہے، وہ ”مجلۃ احکام شرعیہ“ ہے۔ آپ کے قارئین سے غرض نہیں کہ فقہ اسلامی کے مذاہب اور بعضی تفرقات سے شریعت کے قیام میں کس ذمہ و شواہد پر اپنا دعویٰ ہیں۔ خصوصاً ان مذاہب میں جہاں چاروں مذاہب کے متنبہ موجود ہیں۔ بلکہ خود مذاہب کی کتب میں ہیں۔ قدامت و جلال ہے کہ شرعی عدالتوں کا حکم نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے پہلے شرعی عدالتیں قائم

مقرر کیا۔ ایک ہزار پونڈ۔ انعام دیا۔ ۵۰۰ پونڈ میرے بیوی بچوں کو جرت کئے۔ اور مجھے اجازت دی کہ اپنے خاندان کے ساتھ جریرہ کریم میں ہوں۔ چنانچہ یکم شوال ۱۲۷۵ھ میں میرا خاندان کریم پہنچ گیا۔

شام کی گورنری

لیکن دہری بیٹے بعد مجھ کو فرمان شاہی ملا کہ شام کے گورنر مقرر کئے گئے۔ میں معاملہ کی تہ تک پہنچا ہوا تھا۔ دراصل سلطان مجھے پائے تخت سے دُور رکھنا چاہتے تھے۔ میں نے معذرت کی۔ بڑے پاپے کا غور کیا گیا مگر مسیح نہ ہوا اور شام چلا پڑا۔ مجھے اس منصب کی خوشی ہوئی۔ اس لئے نہیں کہ منصب کی اطلب تھی۔ اب میں مناصب کے امتداد سے آگاہ تھا اس لئے کہ شام میں میں اپنا جہیز اصلاح پورا کر سکوں گا۔ میرا جہیز، میری اصلاح پسندی ہو۔ میں اس کے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

شام میں آئے ہی میں نے محسوس کیا کہ مسلمان باشندوں میں تعلیم بالکل مفقود ہو۔ چنانچہ میں نے تعلیم کی اشاعت، تمام اصلاحات پر مقدم رکھی، اور سیکرٹری، مدرسے جاری کرائے۔ میں نے ایک کالج بنایا کہ برس کی عمر کے بعد جو کوئی اپنے لڑکے کو مدرسے میں داخل کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ ان ساعی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد تعلیم کی طرف باشندوں کو رغبت پیدا ہو گئی۔ اور ہزار بچے پڑھنے لکھنے لگے۔ حالانکہ مجھ سے پہلے اس صوبے میں صرف تہذیب کے چند کتب قائم تھے اور ان میں بھی صرف قرآن پڑھا جاتا تھا۔

از سر نو سازشوں کا نظمو
تعلیم کے بعد میں نے دوسری اصلاحات شروع کیں۔ مگر چاہک دار الخلفاء میں میرے خلاف از سر نو سازشوں کا طوطا ہوا سلطان نے دلا دھڑ پاشا اور شدی پاشا وغیرہ کو جلا وطن کر دیا جو سب اصلاح میں میرے ہم خیال تھے۔ اور محمود بنیم پاشا اور جود پاشا کو اپنا مشیر بنالیا جو اصلاح اور اصلاح پسند جماعت کے سخت دشمن تھے۔ پارلیمنٹ بند کر دی۔ دستور اساسی منسوخ کر دیا۔ پھر خود میرے متعلق، آستانہ کے اخبارات نے لکھا شروع کیا کہ میں شام میں بغاوت کی طیارہ کر رہا ہوں۔ مغرب اپنی بادشاہی کا اعلان کر رہا ہوں۔ میں اس کی بھی پروا نہ کرتا، لیکن شام میں میری اصلاحات کی مخالفت پانچ تخت سے ہونے لگی۔ اب میں نے دیکھا کہ استعفا پیش کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ اپنی پیری اور وضعی کی بنا پر استعفا دے دیا۔ بری جھوٹ کے بعد سلطان نے اسے منظور کیا۔ لیکن حکومت کی خدمت سے مجھے ملکہ ہونے نہیں آیا۔ شام سے عراق کی گورنری پر بھیجا۔

سرمایہ اصلاحات و ترقی

اس وقت صوبہ سرمائے کی حالت نہایت ذہول تھی۔ کوئی انتظام نہ تھا۔ ہر طرف لوٹ مار اسے اپنی پہلی ہوئی تھی۔ میں نے از سر نو حکومت قائم کی۔ مدرسے جاری کئے۔ پڑھتیں بنائیں۔ ٹریم جاری کی مگر دار الخلفاء میں میرے خلاف برابر سازشیں جاری تھیں۔ محمود بنیم پاشا برسر اقتدار تھا اور دوس کے اشاروں پر کام کر رہا تھا۔ اب سلطان عبدالحمید بالکل کھل چکا تھا۔ میرے تخت سے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ مگر اس پر بھی وہ مطمئن نہ تھے۔ اس آستانہ میں مغربی سلطان مراد کا جہیز دُور ہو چکا تھا۔ سلطان عبدالحمید کو اندیشہ پیدا ہوا، وہ میرا نہیں دُور بارہ تخت نشین کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ انھوں نے تعلیم اصلاح پسندی کا فائدہ کر دینا چاہا۔

برید شرق

مکتوب حجاز

(الامال کے مقالہ نگار حجاز کے قلم سے)

جدید اصلاحات

گزشتہ ہفتہ معاہدہ جہ پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ اس ہفتہ ان جدید اصلاحات پر تفصیل بحث کرنے کا ارادہ تھا جو حجاز میں شروع ہو چکی ہیں۔ مگر جب لکھنے بیٹھا تو معلوم ہوا ایک مضمون میں بحث نہیں ہو سکتی، کیونکہ اصلاحات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ مجبوراً نہایت مختصر اشاروں پر اکتفا کر دوں گا۔

آپ کے قارئین واقف ہیں کہ پچھلے دنوں سلطان ابن سعودی انتظامات کی تکمیل کے لئے جدت گئے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں بعض بد نظمیوں حجاز میں رونما ہو گئی تھیں۔ یہ بد نظمی ایک حد تک قدرتی تھی جاسکتی ہے۔ کیونکہ موجودہ حکومت کی عمر ابھی بہت کم ہے اور صدیوں کے اختلال و فساد کے بعد حجاز میں بہت ہی زیادہ بے راہ و بیر حکومت کی ضرورت ہے۔ باشندوں کے مزاج بگڑے

مدحت پاشا کے خلاف مقدمہ

اس مقدمہ کے لئے سلطان عبدالحمید نے مرحوم عبدالعزیز کی خودکشی کو اکڑا کر بنایا۔ عبدالعزیز کی وفات، ایک سازش اور قتل کا نتیجہ قرار دی گئی۔ ایک برس تک خفیہ طیاریاں ہوتی رہیں۔ پھر اچانک داماد محمود جلال الدین پاشا، رشیدی پاشا، سردار عجمی پاشا، روایت پاشا، اور شیخ الاسلام خیر الدین آفندی جلا وطن کر دیے گئے۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ انہی لوگوں نے سلطان عبدالعزیز کو قتل کیا ہے۔ مگر وہ تحقیقات آج تک شائع نہیں کی گئی۔

اس آستانہ میں سیر بعض دہشت گردی کے پے تھے کہ مغرب تم بھی گرفتار ہونے والے ہو۔ فوراً بھاگ جاؤ۔ نیز میرے ایک یوپیون دوست نے آکر کہا کہ میں ایک جہان خاص تمھارے لئے لایا ہوں۔ فوراً یوپیون چلے جاؤ۔ ورنہ گرفتار ہو جاؤ گے۔ مگر میں نے قطعی انکار کر دیا۔ میں نے کہا سلطان عبدالعزیز نے خودکشی کی ہے۔ نہ میں نے اور نہ کسی نے انھیں قتل کیا ہے۔ جب میں مجرم ہی نہیں ہوں تو کیوں بھاگوں اور دشمنوں کو تہمت لگانے کا موقعہ دوں؟ میں نے ہم برسرِ طاقت کی خدمت کی ہے۔ اب آخری وقت میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ میں نے یہ کہا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ سلطان میرے خون کے پیلے ہو چکے ہیں اور جلد سے جلد میرا فیصلہ کر دینا چاہتے ہیں۔ مجھ پر دُور اپنی گرفتاری کا انتظام نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ہم اربعہ کو جبکہ میں سرمائے دار حکومت میں بیٹھ خاندان کے ساتھ سہا تھا، ادھی تاک کے وقت مکہ کا پیشہ نے حاضر کر لیا، ادھے قید کے آستانہ بھیج دیا گیا۔

ہوئے ہیں۔ ذرا سی غفلت میں بے لگام ہو جاتے ہیں۔

مجلس تفتیش

سلطان نے یہ صورت حال دیکھی تو فوراً اس کے سبب اب پور کر بٹہ ہو گئے۔ انھوں نے ایک مجلس تفتیش و اصلاح کے نام سے قائم کر دی۔ اس مجلس کی طرف میں نے کسی پچھلے مکتوب میں اشارہ کر چکا ہوں۔ اس مجلس کا کام یہ ہے کہ حکومت کے تمام شعبوں کی جانچ پڑتال کر کے اصلاح کی تجویزیں سلطان کے سامنے پیش کرے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ ان تمام تدبیروں پر بھی غور کرے جو حجاز کی ترقی و خوشحالی کا موجب بن سکتی ہیں۔ سلطان نے اس مجلس کو کافی اختیار دئے ہیں۔ یہ مجلس جو کچھ طے کر دیتی ہے، سلطان اسے منظور کرتے ہیں۔ درحقیقت تمام جدید اصلاحات کا سہوہ اسی مجلس نے بنایا ہے۔

ذیل میں بعض اہم اصلاحات کا ذکر کیا جاتا ہے:
(۱) تعلیم۔ مجلس نے فیصلہ کیا ہے کہ دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح حجاز میں بھی تعلیم تین درجوں پر تقسیم کر دی جائے: ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ۔ تمام تعلیم گاہوں کے لئے عام اس سے کہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری، ایک ہی نصاب اور دستور العمل بنایا جائے۔ نئی کتابیں تصنیف یا ترجمہ کی جائیں اور ان میں ملک کی استعداد کا لحاظ رکھا جائے۔ ۲۲ ارکان پر مشتمل ایک مجلس مجلس معارف کے نام سے قائم کی جائے اور پورا محکمہ تعلیم اس کے سپرد کر دیا جائے۔

(۲) مجلس تفتیش نے فیصلہ کیا کہ عدالتوں کا موجودہ نظام، فاسد ہے اس میں تبدیلی کی جائے۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ مقدمات کا فیصلہ درجنوں تک نہیں ہو سکتا تھا۔ دادخواہوں کو سخت پریشانیاں ملتی تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ باشندے اپنا نقصان گنانا کر لیتے، مگر عدالتوں کے تباہ کن پنوں میں پھنستا نہیں چاہتے۔ مجلس نے طے کیا کہ عدالتوں کا نظام بہت سادہ کر دیا جائے۔ مقدمات کے فیصلے میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ شرعی احکام کے مطابق فوراً فیصلہ صادر ہو جائے۔ عدالت کے حکام کے غیر محدود اختیارات معقد کر لئے جائیں۔ ان پر باضابطہ نگرانی قائم کی جائے، تاکہ مقدمہ والوں کو ان کی دیانت پر شبہ باقی نہ رہے۔ چھوٹی چھوٹی عدالتیں جا بجا قائم کی جائیں۔ دین کا کام یہ ہو کہ معمولی مقدمات کا تصفیہ فوراً کر دیا جائے۔

(۳) ملک میں حفظانِ صحت کا انتظام کل نہیں ہے۔ نئے شہر قائم کھلے جائیں۔ نئے طبی آلات میلے کئے جائیں۔ لائین طبیوں کی غذا حاصل کی جائیں۔

(۴) ڈاک اور پولیس کے محکموں میں اصلاحات جاری کی جائیں۔

۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰

تین اہل فقہ حنفی پر فیصلہ صادر کرتی تھیں تو انھیں سخت دشواری پیش آتی تھیں۔ یہی دشواریاں دیکھ کر ترکوں نے ایک ایسا قانون نامہ فقہ حنفی سے مرتب کیا تھا اور ترکی عدالتیں اس پر عمل کرتی تھیں۔ حجاز میں چاروں مذاہب کے پروردگار ہیں۔ انکیوں اور شافعیوں کی اکثریت ہے۔ موسم حج میں تو تین چار مہینے کے لئے ہر مذہب کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حجاز میں کسی ایک فقہی مذہب کو مقرر قرار دینا اہل باقی کو پس پشت ڈال دینا، صریح انصافی ہوگی۔ لہذا سلطان ابن سعود نے بھی مناسب سمجھا کہ حجاز کی شرعی عدالتیں کسی ایک مذہب سے مقید نہ ہوں بلکہ ہر ایک وقت چاروں مذاہب پر حسب حالت فریقین عمل کریں۔ چونکہ قلم اہل سنت و جماعت مسلمان، چاروں مذاہب فقہ کی بنیاد پر حق تسلیم کرتے ہیں، اس لئے سلطان نے طے کیا کہ مذاہب اربعہ کے زیادہ سے زیادہ مستند اور ہر دیات زمانہ کے مطابق احکام لے جائیں اور انہی کی بنا پر عدالتیں فیصلہ کریں۔

مگر موجودہ زمانہ میں ایسے علماء و قضاة کا ملنا مشکل ہو چکا ہے۔ وقت چاروں مذاہب کے ماہر ہوں، لہذا سلطان نے طے کیا کہ ایک جملہ یا قانون نامہ مرتب کیا جائے اور اس میں مذاہب اربعہ کے متفق علیہ احکام اور زیادہ سے زیادہ مستند اور وقت کے مناسب احکام جمع کر دئے جائیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے سلطان، فقیر مذاہب اربعہ کے مشہور علماء کی ایک مجلس مرتب کرنے والے ہیں۔ یہی مجلس یہ جملہ طیار کرے گی۔

حفظانِ صحت

سلطان نے حفظانِ صحت کے انتظامات بھی شروع کر دئے ہیں۔ پختہ دھڑی و دشامی ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ جہہ میں ایک طبی مرکز قائم کرنے کی منظوری صادر کر لی ہے۔ یہ طبی مرکز جدیدین صحتی و ملوجہ پر قائم ہوگا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ متعدد حجازی فوجی یورپ بھیجے گئے ہیں تاکہ طبی علم کی تکمیل کریں۔ حجاز کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس کے فوجی ان تعلیم کے لئے باہر بھیجے جا رہے ہیں۔

جدید تعلیم

۱۔ مکتبہ اور کتب خانہ کے ذریعہ نیا کتابی مرکز کی مرتب ہو رہی ہے۔ اس راستے میں جا بجا دقت و تکذیب پیش ہوئی تھی اور صاحبوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ سلطان نے اس کی مرمت جاری کر دی ہے۔ ترکی طرک پر پھر توجہ دیا جا رہا ہے۔ آئندہ موسم حج میں حاجی یہ طرک بالکل طیار رہائیں گے اور بہت آرام حاصل کریں گے۔ ۲۔ کتب و مطالعات کے باجین بھی ایک طرک بنائی گئی ہے۔ (۱) میٹر چلنے لگے ہیں۔ طائف، مکہ کے لئے روج کا حکم دکھایا ہے۔ سبزاں، تریاں، میوے، کدیں طائف ہی سے لائے گئے ہیں۔ اب سے پہلے دو دن شہر کے باجین سفر ۲ دن میں ختم ہوتا تھا۔ اب صرف ۳ گھنٹے میں طے کیا جاتا ہے۔ طائف کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے۔ مناظر ایسے ہیں کہ حجاز کا سو طرز تکرید معلوم ہوتا ہے۔ مگر اب تک اس کی آبادی و ترقی کا کوئی سامان نہ تھا۔ سلطان اسے آباد کرنا چاہتے ہیں۔ طائف، حجاز کا قدرتی طور پر گرائی پایہ تخت ہے۔ سلطان نے اپنا خاندان طائف بھیج دیا ہے، تاکہ مکہ کے دوسرے باشندوں کو بھی ترغیب ہو اور وہ گرمی میں وہاں جا کر رہا کریں۔ ۳۔ بیچ اور دینہ کے باجین بھی طرک بن رہا ہے۔

حرم میں اصلاحات

۱۔ حرم کتب میں دو قسم کی اصلاحات شروع ہوئی ہیں: فقیری اصلاح اور انتظامی اصلاح۔ فقیری اصلاحات کے سلسلہ میں ابن امیر ہیں:

(۱) حرم کا موجودہ دفتر، محل حج بیت اللہ کے ناکافی ہے۔ لہذا اطراف حرم کے بعض مکان، حکومت نے خرید لئے ہیں تاکہ سمجھنا وسیع کر دی جائے۔ یہ توسیع باب زیادہ کی طرف سے عمل میں آئی گی (۲) حرم کے گرد مکانوں کا ایسا سلسلہ قائم ہو کہ بیت اللہ کی رات و نعت پوری طرح ظاہر نہیں ہوتی۔ لہذا حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ بتدریج اطراف کے مکان خرید کر کے منہدم کر دئے جائیں۔ (۳) مسجد حرم کے صحن پر کوئی بچت نہیں ہو صرف اطراف دھلان ہیں، لیکن وہ بھی دھوپ کی داغ بیل سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس عاجیوں کو سخت تکلیف دیتی تھی۔ دھوپ کی شدت سے بہت آگیا بیار ہو جاتے تھے۔ اب سلطان نے فیصلہ کیا ہے کہ چاروں طرف دھلان کے سامنے پتے پتے آہی ستون کھڑے کئے جائیں اور ان پر ۱۰ فٹ لمبا شامیانہ نصب کر دیا جائے۔ یہ شامیانہ دن تیراں دیا جائے گا اور رات کو اٹھا دیا جائے گا تاکہ ہوا بند نہ ہو۔ اس نتیجہ پر ہوگا کہ کم سے کم ۲۰ ہزار آدمی بیک وقت سایہ میں بیٹھ سکیں گے! (۴) حرم کے صحن میں سنگ ریزوں کا فرش ہے۔ اس کو حرم میں گرمی زیادہ رہتی ہے اور پوری طرح صفائی بھی نہیں ہو سکتی۔ سلطان نے فیصلہ کیا ہے کہ سنگ ریزے اٹھا لئے جائیں اور تمام فرش پر پٹیاں کر دیا جائے۔ چنانچہ سمیٹ بچھانے کی مشین لگائی ہے۔

۲۔ انتظامی اصلاحات بھی بہت ہیں۔ صحت بعض کا ذکر کرتا ہوں: (۱) اب تک کعبہ کے اندر داخل ہونے کے لئے حاجیوں کو بڑے ادا کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ ناجائز قرار دیا گیا۔ تمام حاجی ایک جیسے ادا کئے بغیر بیت اللہ میں داخل ہونگے۔

(۲) موجودہ اغوات کی (خواجہ سرا جو حرم کعبہ کی خدمت پر مامور ہیں) تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے کئی کی کر دی جائے گی۔

(۳) حرم میں نماز کے لئے ۱۰۰ امام کافی ہیں۔ باقی موقوف کر دئے جائیں گے۔

(۴) علماء سے فتویٰ طلب کیا جائے گا کہ امامت کی اہلیت لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) حرم میں صفائی کا انتظام ناکافی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فراشوں کی خواہ بہت کم ہے۔ ان کی خواہ میں اضافہ کیا جائے گا۔

(۶) کعبہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے کئی کی جائے گی۔

(۷) حرم میں کل ۲۰۰ دروازے ہیں۔ ۳۰ دروازے، اطراف کے مکان والوں کے ہیں۔ ان لوگوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے دروازے پر دربان مقرر کریں تاکہ وہ دروازے عام گزرگاہ نہ بن جائیں کیونکہ حرم بیت اللہ عبادت کا مقام ہے نہ کہ شارع عام۔ باقی ۱۷۰ دروازے میں ہر ایک کے واسطے دو دربان مقرر کئے جائیں گے تاکہ انتظام قائم رکھیں۔

(۸) شرفا مسجد میں سونا جائز نہیں، الا ان پر دیوید کے کجواں جائے پناہ نہیں رکھتے۔ لیکن کہیں کہیں ہر آنے والا یہی مندریش کر سکتا ہے۔ لہذا حرم میں سونا نقلی طور پر منور قرار دیا گیا۔ صرف اہل بیتان کرنے والے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۹) حرم کی گرائی کے لئے ہر نقش مقرر کئے گئے۔ یہ لوگ حرم کے جملہ انتظامات کی نگرانی کریں گے۔

(۱۰) ایک مجلس۔ مجلس ادارۃ الحرم کے نام سے قائم ہوگی۔ یہی حرم کے انتظامات کی ذمہ دار ہوگی۔

چاہ و زمزم

چاہ و زمزم کی موجودہ صورت یہ ہے کہ کھلا ہوا ہے۔ ٹپل سے پانی نکالا جاتا ہے۔ پانی نکلنے والوں اور پینے والوں کی دھوئیں ان میں گرتی رہتی ہے۔ پھر ب حاجیوں کو ب مرضی پانی بھی نہیں ملتا۔

عام طور پر انھیں پانی کے لئے اجرت دینا پڑتی ہے۔ ابن تیمیہ کے مذہب کے مسلمان نے طے کیا کہ انہوں اور سے دھوکہ دیا جائے۔ زمزم کی پائش سے مسلم ہمارا کس کو کھانے میں ۳۰ شہر ہے۔ ۳۰ شہر میں پانی ہے، باقی دس شہر اس کی دیوار ہے۔ ہندی حقیقات سے ثابت ہوا کہ اگر پانی نکلنے کا مستقل انتظام کیا جائے تو اس سے کئی گنا زیادہ پانی کنواں سے مستحق ہوگا، حتیٰ کہ پورا شہر اس سے سیراب ہو سکتا ہے۔ لہذا طے پایا کہ پانی نکلنے کی جدید مشین نصب کی جائے۔ حرم کے چاروں طرف ٹی پھیلانے جائیں اور ان میں پانی جاری کر دیا جائے۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حاجی غیر کسی رحمت کے جوہر چاہیں گے زمزم کا پانی پی سکیں گے۔

جدید کنوئیں

مکہ، منی، عرفات، بجرہ و فیروز میں جدید کنوئیں کھودنے جا رہے ہیں۔ وادی النہان، شدار، وادی منی میں کام شروع بھی ہو چکا ہے۔ لیکن صرف ان کنوئوں سے پانی کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ہے۔ بڑے حوضوں کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ طے کیا گیا ہے کہ برسات اور ہمارا سیلاب کا پانی محفوظ کر دینے کے لئے حوض بھی بنائے جائیں۔

نہر زبیدہ

چونکہ نہر زبیدہ کہ منظر میں بیٹھ پانی کا تہا بنچ ہے۔ لہذا اس کی حفاظت درستی کے لئے سلطان نے خاص توجہ کی ہے۔ نہر کا پانی سے کھلی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مقامات میں ۲۰۰ سے ۳۰۰ فٹ تک گہرائی ہے۔ اس کا بند کرنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ باشندے پیاس سے مر جائیں گے۔ مگر اس کے کھلے رہنے سے یہ شدید نقصان ہو کہ لوگ اس میں پھلے کھڑے دھوئے اور نہاتے ہیں۔ ان کی نگرانی ناممکن ہے۔ لہذا طے پایا کہ عرفات میں ایک بہت بڑا آلاب بنایا جائے۔ ہر کا تمام پانی جدید ترین مچی اصول پر اس میں صاف کیا جائے، اور پھر ہونے کے بعد آگے بڑھے۔ اس تدبیر کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مکہ کے باشندوں اور حاجیوں کو آدمی یا دیوں سے نجات مل جائے گی جو ہر اس راہی نہر کا پانی پیئے سے پیدا ہوا کرتی تھیں۔

سایہ کا انتظام

طے پایا کہ منی، عرفات، مزدلہ، مکہ اور جدہ کے باجین حج کے واسطے بڑے بڑے آبنائیں تعمیر کئے جائیں تاکہ وہ ان کے نیچے دھوپ سے پناہ حاصل کر سکیں۔ ہر موسم میں پانی بچھا جائے کہ سیکڑوں حاجی دھوپ کی تپش سے ہلاک ہو جائیں۔ اس کو انتظام سے یہ مصیبت بری صورت تک نہ پہنچے گی۔

سلطان کی ایک تقریر

گزشتہ بچے سلطان نے اپنی حکومت کے تمام امور وادارے کچھ کیا اور ان کے سامنے ایک طویل تقریر کی۔ اس کا خلاصہ جب ذیل ہے:

۱۔ آپ جانتے ہیں کہ فضلِ علی، کوثری کا اعلان ہے۔ جب بدترین عمل، حق کا اختتام۔ ہمارے مجلس پیشہ کلہ میں کے اہل کھلم، وہ علی کی نصیحت و ہدایت کے لئے ہوئی چاہیے۔ ۲۔ ہم آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مضبوط قدموں سے۔ ترقی میں پہلے خیالات، پہلے مستحکات، پہلی آندہ میں پیشہ جی علی اور علی و سلم اور علی و سلم کی پیروی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ دنیا کا جو کام ہمارے دین کے مطابق ہوگا، اسے کریں گے، جو خلاف ہوگا، اس سے باز رہیں گے۔

۳۔ حکومت کے امور وادارے کا فرض ہے کہ ہر شے کا بیان کریں لیکن صرف قول و بیان کافی نہیں ہے۔ عمل بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اما امرت انما سئلتم و تنصحت انما سئلتم و تنصحت انما سئلتم"

احرار اسلام

ادبائے اموی کی اسلامی ہیئت

ایک بڑھیا خلیفہ کے دربار میں

سودہ بنت عمارہ

”علی علیہ السلام کی محبت اور اتباع حق کی وجہ سے“ سودہ کا جود تھا۔

لیکن علیؑ نے تمہیں کیا بدل دیا؟“ امیر نے پھر سوال کیا۔

”پھلی باتوں کے ذکر سے کیا فائدہ؟“ سودہ نے جواب دیا۔

”بہات! امیر معاویہ نے کہا: ”تمہارے بھائی کا معاملہ کیا نہیں جاسکتا۔ مجھے کسی سے بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچنی تھی تمہارے بھائی اور تمہاری قوم سے پہنچی ہو۔“

”سچ ہو“ سودہ نے جرات سے کہا: ”میرا بھائی حقیقہ آری دھماکا کہتا دیا جاسکے۔“ وادہ دیا تھا میرا خاندان اپنے بھائی کو قتل کے لئے میں کہا ہو:

”دانش خزانہ المصابہ“ کا نام علم فی سائرہ معروہ جو جس کی پیروی دیکھتے ہیں۔ گویا اپنا ہوجس کی چلی پر آگ روشن ہو!

”سچ ہو۔ تیرا بھائی ایسا ہی تھا۔“ امیر نے تصدیق کی۔ ”اچھا، کو میرے پاس کیوں آئیں؟“

”تم اب آدمیوں کے سرورہ اسلمی کے معاملات انجام دینے والے بن گئے ہو“ سودہ نے کہا۔ خدا تم سے ہماری بابت اور ہمارے حقیقی کی بابت سوال کرے گا۔ تمہاری طرف سے ہمارے یہاں ایسے حکم آتے ہیں، جو تمہاری شوکت پر گھٹ کر آتے، اور تمہاری قوت جاری کرتے ہیں۔ یہ ہیں اس طرح کاٹ رہے ہیں جس طرح کھیتی کاٹی جاتی ہو، یہ ہیں ذلیل کرتے ہیں ہم سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ تمہارا دل بربن اطاعت تمہاری طرف سے آیا اور میرے آدمی اور اڈالے، میرا مال چھین لیا، اور مجھے ایک ایسی بات کہنے پر مجبور کرنا چاہا جو میرے من سے نکلتا نا ممکن ہو (یعنی حضرت علیؑ علیہ السلام سے اظہارِ بیزاری) اگر اطاعت واجب ہوتی تو پہلے اندھلی قوت دامتہ تھی۔ بہر حال اسے معزول کر دیا اور پہلے شکر کے حق بنو، وہ پھر ہمیں دکھا دیتے۔“

”تو مجھے دھمکائی ہو! اتیرنے کہا۔ میں نے ارادہ کر لیا ہو کہ تجھے سرکش اونٹ پر بٹھا کر بربن اطاعت کے پاس بھجودوں تاکہ جو سزا چاہے، دے دے۔“

سودہ نے سر جھکا لیا۔ پھر اٹھ اٹھا اور یہ شروع ہو:

سودہ بنت عمارہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے جاں نثاروں میں تھی جنگ صفین میں اس کے پر جوش خطیب اور رجزہ شعروں نے شام پر رجزہ کا رنار تنگ کر دیا تھا۔ اس کے بھائی نے نہایت پاروی سے شامی شجاعت کو شکست دی تھی۔

جب امیر معاویہ تختِ سلطنت پر تنگ ہو گئے، تو ایک دن اپنے قبیلہ کی شکایت لے کر دربار میں پہنچے۔ جو گفتگو اس میں اور امیر معاویہ میں ہوئی، تاریخ اسلام کے ادراک نے محفوظ کر لی ہو۔ یہ وہ وقت تھا کہ خلافت راشدہ کا مذہب حریت ختم ہو چکا تھا، اور امیر معاویہ کی دایرہ کی شہنشاہت کے جاہ و جلال سے تختِ خلافت کو روشناس کر چکے تھے۔ پھر بھی اسلام کی پیدا کی ہوئی روح حریت کا یہ حال تھا کہ قبائل کی ایک معمولی بڑھیا عورت دربار شاہی میں آتی تھی، اور بغیر کسی جھجک کے سخت سے سخت تمنا خاندانِ خاندان ظاہر کر دیتی تھی! امیر کی نظر جب سودہ پر پڑی، تو بے اختیار بول اٹھے: ”کیا تمہی وہ سودہ ہو جو صفین کی لڑائی میں میری جماعت کے خلاف نہایت جوش و خروش سے یہ اشعار سنارہی تھیں؟“

شمر کفعل ایک یا ابن عمارہ روم الطوائف ولسی الاقران لے فرزند عمارہ! ہند آزادی اور جنگ جوئی میں اپنے باپ کے بے کاز لے کر دکھا!

”ماضر طینا“ دامنیں دھو! دقتہ اندہ دامنہ ہولن علی کی حسین کی، اور آنکھ خاندان کی حمایت کر۔ ہند اور اس کے بچے کو خود کو لے۔

”ابن اسلام اخوانی مجھ علم اللہی دنا وایمان! ام (یعنی حضرت علیؑ علیہ السلام کے بھائی ہیں، ہدایت کا نشان و ایمان کا ستارہ ہیں!)

قدما لغوت در اسلام لڑا۔ تمہا! بعض حامد و ستان! مجھے حضور سے بچا۔ اس کے خیمے کے آگے شمشیر اُدارا دینے لے کر شہید کر!

”ہاں تم خدا کی“ سودہ نے فوراً جواب دیا۔ ”میرا حبیب آدمی نہ حق سے منہ پھیر سکتا ہو۔ مجھ کو اگر مغفرت کر سکتا ہو۔ وہ میں ہوں۔“

”تم نے یہ کون کیوں کی تھی؟“ امیر معاویہ نے سوال کیا۔

”علیؑ علیہ السلام کی محبت“ بڑھیا خلیفہ اموی نے فرمایا: خدا کی رحمت اس جسم پر، جسے قبر نے چھپا لیا ہو، اور عدل نے دفن کر دیا ہو۔

قدما لغوت الحق لا یمنی بہ بدلا نصاب الحق والایمان مقررنا وہ ہمیشہ حق کے ساتھ تھا، اسے کبھی نہیں چھوڑا تھا۔ اس کا نام حق و ایمان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے بڑھ گیا ہو!

”یہ کون ہو؟“ امیر نے انجان بن کر سوال کیا۔

”علی بن ابی طالب علیہ السلام“ سودہ کا برجستہ جواب تھا۔

”اُسے تیرے ساتھ کیا کیا کر تیری نظریں ایسا بن گیا؟“ امیر نے پوچھا۔

”آنکھوں نے ہم سے مدد وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا تھا۔ سودہ نے کہا: ”میرے اور اس شخص کے درمیان جھگڑا ہو۔“

”میں اس کی شکایت لے کر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ اس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ مجھ دیکھتے ہی غصہ چھوڑ دیا، اور بڑے ہی لطف اور نرمی سے میرا حال پوچھا۔ میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ سنتے ہی رونے لگے۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا: ”خدا! تو مجھ پر اور میرے حال پر گواہ ہو۔ میں نے انہیں تیری مخلوق پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا۔“ اس کے بعد پانچویں سے ایک کھال کا ٹکڑا نکالا اور اُس پر لکھا:

”بسم الله الرحمن الرحیم۔ قد جاؤتکم بینه من دیکم غادوفا اکیل والمینان بالقسط ولا تجسوا الناس اشیائهم، کما یستوثقون الا من مفسدین بقیۃ اللہ خیرکم ان اتم المؤمنین، وما اذیکم بحفیظ۔ اذا قرأت کتابی فاحفظ جانی یدیک من علنا حتی یقلد علیک من یقبضہ منک، والسلام“

(تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس روشنی آچکی ہو۔ لہذا آپ تول ٹھیک ٹھیک کرو۔ لوگوں کا حق دنا دین میں میں بننا بڑا نہ کرو۔ اللہ کا بقیہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہو۔ میں تم پر غصہ نہیں ہوں۔ میری یہ تحریر پڑھنے کے بعد جو کچھ چاہے، ہاتھیں ہمارا کام نہ کر۔ محفوظ رکھ۔ یہاں تک کہ وہ شخص پہنچ جائے جو تم سے وہ سب وصول کرے۔ یعنی اس حکم کو معزول کر دیا۔)

”میں نے امیر المؤمنین کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ اللہ اس پر کھنکھنے لے نہ تو کوئی ٹھکر لگائی، اُسے بند ہی کیا۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے اُسے حزن خیز پڑھ لیا۔“

”ابن ابی طالب نے تمہیں حکم برجی بنا دیا ہو“ امیر معاویہ نے کہا: ”بہت دیر میں یہ جرات تم سے دہر ہوئی!“

پھر حکم دیا کہ سودہ کمال واپس کر دیا جائے اور اس سے اچھا برتاؤ دیا جائے۔

”یہ حکم میرے لئے خاص ہو یا میری پوری قوم کے لئے؟“ سودہ نے سوال کیا۔

”مجھے دوسروں سے کیا سروکار؟“ امیر معاویہ نے کہا۔

”تو داندہ کیسے اور دیکھ رہی ہو؟“ سودہ نے کہا: ”اگر عدل ظلم نہیں تو میں اُسے نہیں قبول کرتی۔“

مجھو امیر معاویہ نے حکم دیا کہ اس کے پورے قبیلہ کی بابت فرمان لکھ دیا جائے۔ (عقد الفریہ و بلاغات النساء)



دہلی کے نامی اور نامور مشہور و مقبر مقبول خاص و عام اسم ہستی ہمدرد و دوا خشا یونانی دہلی کا

عید المثل نادر الوجود سرائی
للحم دوا خشا یونانی
تار کا کافی پتہ

نوعی طبی غریز اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو۔ لیکن تندہی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہو۔ تندہی ہزار نعمت ہے۔ تندہی ہی تو لب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندہی کی قدر ہو اور تندرست دنیا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہوا مایلم استعمال کیجئے اور پری میں شباب کا لطف اٹھائے یہ امر تو مسلم ہو کہ اگر الم مقوی اور دوا ہو، بدن میں جستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بخارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ کئی ہوئی طاقت میں ازہر و جان کا ڈالنا اسکی خاصیت ہے۔ مگر بار بار الم خصوصیت کے ساتھ پروں کو جوان اور جوانوں کو جوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزائے ہمدرد خاص تیار کیا گیا ہے جس شہر بھی اس کا معمولی اور کتبائی نہیں ہو بلکہ عالیجناب شہنشاہ الملک بہادر غفران آب رحمتیں علم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب ہمدرد نے بغرض رفاه عام "ہمدرد و دوا خانہ" کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ اگر الم ہمدرد فرار خدا کی قدرت کا شاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر مستحبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ بلکہ کو صحت اپنی لفاظی اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی سچائی کے اظہار کا کوئی موقع ہی نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

للمحکم کی استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو شکائے اور آزارے!! تجربہ بتائے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہو مشک آنت کہ خود ہوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی مایلم کی ہو۔ علاوہ اس کے چند قسم کے حلوسے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پوسے افغانی و خواص آپ فرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوا میں اس دوا خانہ سے مناسبت پڑتی ہیں کہ فرست سلسلہ مدہ جبری تیار ہو۔ مفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "ہمدرد و دوا خانہ یونانی دہلی"

ہمدرد و دوا خشا یونانی دہلی

قَالَ الْخَوَارِيزْمِيُّ

شَخْنُ الْأَصْفَادِ

علمائے دیوبند کا واحد ترجمان

اخبار

الْأَنْصَارُ

مقام اشاعت دارالعلوم دیوبند

عنقریب ایک حقیقی اسلامی دعو کا

پیغام

لیکر دارالعلوم دیوبند سے یکم نومبر ۱۳۲۷ء کو شائع ہوگا۔ اُمید ہے کہ متوسلین دارالعلوم اور مسلمانان ہند پوری گرمجوشی کے

ساتھ اس کا غیر مقدم کرینگے۔ سالانہ قیمت پیر۔ ششماہی قیمت ۴۰ مالک غیر سے سالانہ صد ششماہی پیر

مذہب اشتہار اپنا رعایتی اجرت کے ساتھ لئے جائیں گے اور ایجنٹوں کو معقول کمیشن دیا جائے گا۔

خط و کتابت و ترسیل و تبلیغ نامہ الانصار دارالعلوم دیوبند ہونی چاہئے۔

المطبع۔ احقر حبیب الرحمن ناظم دارالعلوم دیوبند دیوبند

حیرت انگیز ندر عایت

پشاور روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

صوفیہ ایک اور بیکنگ بھی صاف

آپ کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

قابل لندن ریٹیلنگ ایجنٹ ریگولٹر باکس لوج شہر علم فی ٹی بی بی بی



نئے نئے ڈیزائن کی پوشیدہ فیسیں

ایک اور بیکنگ کی قیمت ۲۰

ہندوستان کی ایک اور بیکنگ ۲۰

ایک اور بیکنگ کی قیمت ۲۰

ایک اور بیکنگ کی قیمت ۲۰

ایک اور بیکنگ کی قیمت ۲۰

ایک اور بیکنگ کی قیمت ۲۰

ایک اور بیکنگ کی قیمت ۲۰

ایک اور بیکنگ کی قیمت ۲۰

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

دنیا میں کتبِ فروشی کا عظیم مرکز
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع
ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تعلیم
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے قفسے
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی ادب سے سستے اڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چہ
لاکھ بڑی ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کر تھی

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قلم کار، پرائی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرائی تصویریں، پرائی خطے،
اور نقش، پرائی نوادر، آوازیں و ترانے کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرائی صنعتی
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش
کا ہوں اسدہ خاطر کی فرمائیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے پہلا
ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام جہتوں سے غیر معمولی مصادفہ و ساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام قلمی تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ملک میں ہائے اہمیت ہر شے گروہ کر کے سہتے ہیں۔

بائیں ہم

قیمتی جب آئینہ زندگانی انٹال ہیں!

بر عظمیٰ لورپ، ایرک

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے
ہوتے ہیں۔ قارئین کے لئے ایوان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم کی فرمائیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فرحت کرنے کے لئے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے لئے

النحر في الجلال
مجلدات الملل

گا، گا۔ ہے باز خوان این دفتر پارینہ را

آمنه خواہی داشتن کرد اغما نے سینہ ما

اردو صحافت کی تاریخ میں الہال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مقرر رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخیں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف مختلف اقسام اور مختلف ادراک کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف اہراب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہرے تے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خریاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹرن تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خریاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہر سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شایقین علم و ادب کے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست سارے میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں کے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علاحدہ کر کے کیلیے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا، ہم نے کوشش کی کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک درپرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اس
 علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں بڑی مکمل ہو گئی
 ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری مرقعہ
 دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں
 چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے۔
 اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے
 پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ۷ اور ابتدا میں نام مضامین
 کی اندکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم، ۱۰ زریبہ الہلال مکمل جلد سوم، ۱۰ زریبہ
 ” ” ” چہارم، ۱۰ زریبہ ” ” ” پنجم، ۱۰ زریبہ

جلد ” البالغ“ (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا)

قیمت ۸ زریبہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے منفرد پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آٹھ - محصل ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

• میجر "البلاغ پریس"

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے انعامین کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

آسوء حسنہ — امام ابن فہیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب
 ”زان المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد
 اڑھائی روپیہ -

کتاب الوسیلہ — لفظ ”وسیلہ“ کی بحث کے علاوہ اصنام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد ازھائی ریہہ، مجلد سوا تین ریہہ۔

اصحاب صفہ — انکی تعداد، ذریعہ معاش، طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آئے۔

تفسیر سورۃ الکوتر۔ ایمام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا
اردو ترجمہ - چار آنے -

العزرة الوثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل
 بیان کیا ہے - چہ اُنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ نو اے

بعد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب
کا اردو ترجمہ - سرا رویہ -

اَلْمُهْ اِسْلَام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بنارہ آئے
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آئے

صبح سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کوش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور درسی زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے علاوہ آئمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر درائع سے حاصل کیے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

“ Al-Hilal Book Agency,”

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر مطالعہ میں شایع ہوتی ہی سب سے پہلی
میں نظر بند تھی۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی تفسیر جو
کون کون اخراص کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی زوادات کی
لے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا تحفظ لازم آتا ہے؟ مذہب و ملت تمام
نوع انسانی پر کھل دیا ہے؟
قیمت ہر۔ (میراثہ اقبال گلستا)

اگر آپ کو

دم

ضیق ملے

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سوترب

دوا فروش کی دکان

فوراً

ایکٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنما

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں

ہوٹلوں، کلیوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جا سکیں

کی ایک سیل کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی

مکمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بک برٹین

The Dimple Guide
to Great Britain

کا دوسرا طبع

ہندوستان

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے بڑے پبلشرز کے بک شاپس سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائنٹن قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری پیل بوٹوں

سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

۱۹۲۷

تاریخ اسلام

جلد ۱

مکتبہ اسلامیہ

۵ - آنہ

قیمت

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

روزہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اس کا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "ٹئے سسٹم" کے نام سے متقدم ممالک میں مشہور ہے۔ اس "ٹئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس طرح مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708,

Clive Street, Calcutta.

الہ ل

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۲۰

Calcutta : Friday, 4, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرن کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیں۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقاضا ایک بار دور کر دی جائیں۔

قاریین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۵۵۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے:

عربی حروف کی حق میں	۲۳۵	اردو حروف کی حق میں	۴۲۸
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۵۵۴	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۷۳	نستعلیق ہون	۱۵۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کریں گی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔ الہلال

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت مہی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

- (۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے -
- (۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -
- (۳) براہ عدایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے
- (۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -
- (۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -
- (۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے * مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دینا پتہ تبدیل کرالیں -
- (۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے نوٹین پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں -
- (۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے حکم تعلق دہنرے دفتر ہی مرالہ (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے نکت ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر عبر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

کی جگہ نئی صنعتیں رائج کی جا رہی ہیں کہ جن کا رواج تمام مہذب اقوام کے لیے ایک نہایت ہی اہم اور قابل غور مسئلہ ہے، کیونکہ ان صنعتوں کی حالت یہ ہے کہ صرف یہ اپنے ہی ملک کی خام پیداوار استعمال میں نہیں لاتیں، بلکہ درواز علاقوں کی بھی خام پیداوار چاہتی ہیں، نیز انکی کثرت کی وجہ سے ان کی کھپت صرف انکے ہی علاقے میں نہیں بلکہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہونی چاہیے۔

پرانی ضروریات کی جگہ جو ملکی پیداوار سے رفع ہو جانی تھیں، نئی ضروریات پیدا ہو گئی ہیں جو اپنے رفع ہونے کے لیے درواز ممالک کی پیداوار کا بھی مطالبہ کرتی ہیں۔

یہ حال صرف مادی پیداوار ہی کا نہیں، بلکہ ذہنی پیداوار کا بھی ہے۔ ایک قوم کی دماغی پیداوار، تمام قوموں کی عام ملکیت بن گئی ہے۔ محدود تخیل اور بے تعلقی رز برز ناممکن ہوتی جاتی ہے، اور قومی و مقامی ادبیات سے ایک عالمگیر ارضی علم ادب پیدا ہو رہا ہے۔

سرمایہ دار طبقہ، آلات پیداوار کی تیز ترقی اور مواصلات کی مسلسل آسانیوں کے ذریعہ وحشی سے وحشی اقوام کو بھی تہذیب کی طرف کھینچ رہا ہے۔ سامان تجارت کی ارزانی ہی وہ بھاری توبہ ہے جس کے زور سے نہایت سرکش قوموں کو بھی اطاعت پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ تمام اقوام کو موت کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ سرمایہ دارانہ طریق پیداوار اختیار کر لیں، اور نام نہاد تہذیب قبول کرے مہذب بن جائیں۔

سرمایہ دار طبقہ کے دیہات کو شہر کا تابع بنا دیا ہے۔ بکثرت نئے شہر پیدا کر دیے ہیں۔ دیہات کے مقابلہ میں مخصبات کی آبادی میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا ہے۔ اور اس طرح دنیا کی بہت سی آبادی کو دیہاتی زندگی کی سادگیوں سے محروم کر دیا ہے۔

اس نے حس طرح دیہات کو شہر کا محتاج بنایا ہے، ٹھیک اسی طرح وحشی اور نیم وحشی ممالک کو مہذب ممالک کا دست نگر بھی بنا دیا ہے۔ کاشتکار قوموں کو سرمایہ داروں کا اور مشرق کو مغرب کا محتاج بنا دیا ہے۔

سرمایہ دار طبقہ ذرائع پیدار، ملکیت، اور آبادی کی وسعت پر برابر قابو حاصل کرتا جاتا ہے۔ اس نے آبادی گنجان کر دی ہے۔ ذرائع پیداوار میں مرکزیت پیدا کر دی ہے۔ اور ملکیت کو سمیت کر صرف چند ہاتھوں کے اندر محدود کر دیا ہے۔

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ، سیاسی مرکزیت تھی جو سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھوں وجود میں آچکی ہے، آزاد اور نیم آزاد اقوام جن کے مصالح، قوانین، حکومت، اور رسم و رواج جدا جدا تھے، کھینچ تان کے ایک قوم بنا دی گئی ہیں، ایسی قوم جس کی حکومت، ضابطہ قانون، اجتماعی مصالح، اور رسم و رواج، سب ایک ہیں۔

سرمایہ دار طبقہ نے اپنے صد سالہ جماعتی عہد حکومت میں ایسی عظیم الشان بار آور قوتیں پیدا کر دی ہیں جنہیں تمام پچھلی نسلیں بھی پیدا نہ کر سکی تھیں۔ اس قدر قدرت کی طاقتوں پر قبضہ کیا، علم آلات اور کیمیا کا صنعت و زراعت میں استعمال کیا، دخانی جہاز، ریلوے، اور تار برقی کے سلسلے جاری کیے، زراعت کے لیے تمام براعظموں کی صفائی کی، دریاؤں کی نہر بندی کی، اور زمین کے تمام خزانے آلات والے۔ پہلا کسی

اس نے مذہبی انبساط، بہادرانہ جوش، اور متوسط طبقے کی بلند خیالی، خود یں تخمینہ و شمار کے آب سرد میں غرق کر دی۔ اس نے ذاتی جوہر کو مول ٹول اور لین دین کی ایک جنس بنا دیا۔ اور تمام بیش قیمت آزادیوں کو پس پشت ڈالکر "آزاد تجارت" کی صرف ایک نامعقول آزادی قائم کر دی!

الغرض اس نے کمزوروں کے اس قدیم خرد غرضانہ استعمال کی جگہ جسپر مذہب و سیاست کی دلفریبیوں کا نقاب پڑا ہوا تھا، ایک نیا برہنہ، وحشیانہ، بے شرم، اور کھرا خرد غرضانہ استعمال ایجاد کر دیا۔

سرمایہ دار طبقے نے ان تمام پیشوں کی خوبیاں ملیامیت کر دیں جو پہلے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اس نے ڈاکٹر، وکیل، پرورہ، شاعر، فلسفی، غرضکہ سب کو محض ایک اجرتی مزدور بنا کے چھوڑ دیا!

سرمایہ دار طبقہ نے خاندانی رشتے سے محبت و جذبات کے تمام عناصر بھی نکال پھینکے، اور انکی جگہ ایک خالص مالی لین دین کا رشتہ قائم کر دیا!

سرمایہ دار طبقہ نے بتا دیا کہ وحشیانہ اظہار طاقت، جسے قرون وسطی کے رجعت پسند اس قدر سراہتے تھے، کامل سہولت کے ساتھ انکے عہد میں کس درجہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

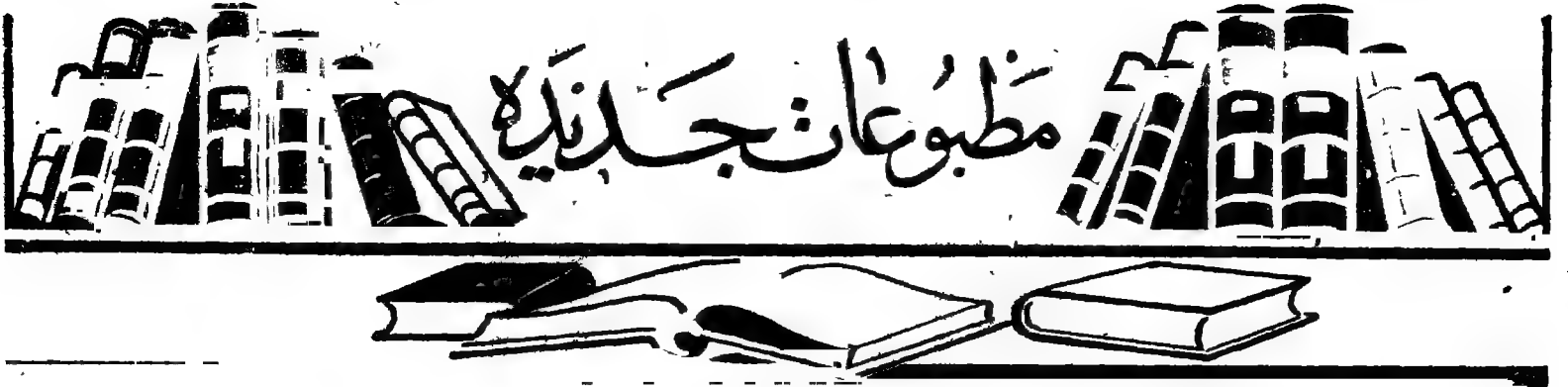
یہ طبقہ، سب سے پہلا طبقہ تھا جس نے ثابت کر دکھایا کہ انسان کی سرگرمی کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اس نے مصری اہرام، رومن نہروں، اور گوتھک خانقاہوں سے بالکل مختلف قسم کے عجائبات پیدا کئے، اور قدیم ہجرتوں اور مذہبی جہادوں سے بالکل مختلف قسم کی مہمیں جاری کیں۔

تمام سابق صنعتی طبقوں کے وجود کی اولین شرط یہ تھی کہ پیداوار کے اگلے طریقے برقرار رہیں۔ لیکن سرمایہ دار طبقہ کی زندگی ناممکن ہے جب تک کہ آلات پیداوار، طریق پیداوار، اور تمام اجتماعی رستوں میں برابر انقلاب نہ ہوتا رہے۔ چنانچہ طریق پیداوار کا مسلسل انقلاب، اجتماعی نظام کی پیہم برہمی، دائمی بے چینی، اور کبھی نہ ختم ہونے والی بے اطمینانی، بھی وہ چیزیں ہیں جو سرمایہ دار عہد کو تمام دیگر زمانوں سے امتیاز دیتی ہیں۔

تمام جیسے نئے اور مضبوط معاشرتی رشتے مع اپنے ہم آہنگ مقرر و محترم عقائد و خیالات کے فنا کر دیے گئے ہیں اور ان کی جگہ جو رشتے اور خیالات رائج کئے گئے ہیں قبل اس کے کہ جیمکین، پرانے ہو چکے ہیں۔ جو کچھ بھی تھوس اور مقبول تھا، مت چکا ہے۔ جو کچھ بھی مقدس تھا، ناپاک کر دیا گیا ہے۔ اور اب انجام کار انسان مجبور ہو گیا ہے کہ اپنے حالات زندگی اور حقیقی معاشرتی تعلقات، کھلی آنکھوں سے دیکھے۔

تمام کر ارضی کے سرمایہ داروں کو اپنی پیداوار کے لیے ایک برابر بڑھتے رہنے والے بازار کی ضرورت، دیوانہ کیسے ہوئے ہے۔ انہیں ہر جگہ اپنا آشیانہ بنانا، ہر مقام پر دیرہ ڈالنا، چپہ چپہ سے ناتا جوڑنا ضروری ہے۔

سرمایہ دار طبقہ نے عالمگیر بازار غصب کر کے تمام ممالک کی درآمد و برآمد قومی اور ملکی قیود سے آزاد کر دی ہے۔ رجعت پسندوں کی امیدوں کے برخلاف صنعت و حرفت کے نیچے سے اس کی بنیادیں نکال کر پھینک دی ہیں۔ قدیم اور مروج صنعتیں برباد کی جا چکی ہیں، اور جو باقی ہیں برابر برباد کی جا رہی ہیں۔ ان



”کمیونیزم“ اور ”اُسکے مقاصد

جرمنی کے کمیونسٹ مرکز اشاعت نے حال میں ایک نیا سلسلہ ”مطبوعات“ ”کمیونیزم“ کے اصول و مبادیات پر شائع کرنا شروع کیا ہے جسکی دو جلدیں اس وقت تک شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی جلد میں زیادہ تر مشہور کمیونسٹ رہنما، کارل مارکس کے منتخب مضامین ہیں، اور ابتدا میں اُسکی مفصل سوانح حیات بھی شامل کر دی ہے۔

روس کے آخری انقلاب کے بعد سے کمیونیزم دنیا کی ایک زندہ اور عامل حقیقت ہو گئی ہے، اور ہر ملک کیلئے ضروری ہو گیا ہے کہ نہ صرف سیاسی حیثیت سے، بلکہ علمی حیثیت سے بھی اس کے اصول و مبادیات کا مطالعہ کرے، اور نقد و بصیرت کے ساتھ صحیح راے قائم کرے۔ جہاننگ ہمیں معلوم ہے، اس وقت تک اردو میں کوئی کتاب ایسی شائع نہیں ہوئی ہے جس میں صحت کے ساتھ اس انقلاب انگیز سیاسی و اجتماعی مذهب کی حقیقت واضح کی گئی ہو۔ یہ نیا مجموعہ دیکھ کر ہمیں خیال ہوا کہ کارل مارکس کے بعض مختصر مقالات اس غرض کیلئے نہایت مفید اور جامع ہیں۔ ہم ان مقالات میں سے ایک مقالہ ”الہلال“ میں شائع کرے کے لیے منتخب کرنے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے نہ صرف اس مذهب کے اصول و عقائد، بلکہ اس کے ظہور و اشاعت کی ابتدائی تاریخ بھی واضح ہو جائیگی۔

یہ واضح رہے کہ اس مقالہ اور اسی طرح کے دیگر مقالات کے تراجم سے مقصود صرف یہ ہے کہ وقت کی ضروری معلومات اردو خواں طبقہ کے لیے مہیا ہو جائے۔ یہ مقصود نہیں ہے کہ یہ خیالات اس حیثیت سے پیش کیے جائیں کہ وہ ایک قلم مقبول اور پسندیدہ خیالات ہیں۔ ہمارے خیال میں ”کمیونیزم“ موجودہ تمدن کی سرمایہ دارانہ بے اعتدالی کا قدرتی رد فعل ہے، اور جس طرح موجودہ تمدن کی سرمایہ داری افراط کے ایک انتہائی نقطہ تک پہنچ چکی ہے، اُسی طرح کمیونیزم بھی تفریط کے دوسرے نقطہ کا ظہور ہے۔ حق و صواب کی راہ افراط و تفریط کی راہ نہیں ہو سکتی، وہ ہمیشہ درمیان کی راہ ہوتی ہے!

(۱)

(سرمایہ دار اور مزدور)

آج تک کی تمام سوسائٹیز کی تاریخ، جماعتی کشمکش کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔

آزاد اور غلام، شریف اور ذلیل، آقا اور خدمتگار، تجارتی مکھیے اور ہنجرارے، مختصر یہ کہ ظالم اور مظلوم، ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے رہے، اور ایک ایسی مسلسل جنگ میں مشغول رہے

جو کبھی علانیہ تھی اور کبھی خفیہ، مگر جسکا خاتمہ ہمیشہ یا تو سوسائٹی کی ایک انقلابی کایا پلٹ کی صورت میں ہوا، یا تمام حریف جماعتوں کی عام بربادی کی شکل میں!

قدیم ترین تاریخی عہد میں بھی تقریباً ہر جگہ سوسائٹی مختلف درجوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی اور ایک مکمل معاشرتی نظام میں سمٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ قدیم روم میں ہم شریفوں، نوابوں، گنواروں، اور غلاموں کی تقسیم پاتے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں جاگیردار، اسامی، تجارتی مکھیے، شاگرد پیشہ، اور خدمتگار دکھائی دیتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہیں سے ہر جماعت بھی کئی کئی جماعتوں میں منقسم ملتی ہے۔

موجودہ سرمایہ دار سوسائٹی نے، جسکی تعمیر جاگیردار سوسائٹی کے کھنڈروں پر ہوئی ہے، جماعتی جھگڑے اور رقابتیں موقوف نہیں کیں، بلکہ پہلے سے زیادہ نئے نئے فرقے، ظلم کے نئے نئے طریقے، اور لڑائی کے نئے نئے دھنگ نکال لیے ہیں۔

البتہ ہمارے موجودہ سرمایہ دار عہد نے یہ امتیاز ضرور حاصل کیا ہے کہ اس نے جماعتی اختلاف محدود کر دیے ہیں، اور تمام سوسائٹی سمیت کے درجے جریف جماعتوں: ”سرمایہ دار“ اور ”مزدور“ میں تقسیم کر دی ہے۔

قرون وسطیٰ کے کاشت کاروں سے دہاتی نمائندوں کی ابتدا ہوئی، اور انہیں اسامیوں نے سرمایہ دار طبقہ کی بھی آب و گل مہیا کی۔

امریکہ کی دریافت اور زمین کے گرد دورے نے اٹھتے ہوئے سرمایہ دار طبقے کے سامنے عمل کا ایک نیا میدان کھول دیا۔ ایسٹ انڈین اور چینی بازاروں، امریکہ کے استعمار، مستعمرانہ تجارت، نیز ذرائع تبادلہ اور ذرائع پیداوار کی وسعت، تجارت، جہاز رانی، اور صنعت و حرفت میں ایک نئی روح پھونک دی، اور انحطاط پذیر جاگیر دار سوسائٹی کے انقلابی عناصر کو تیزی سے ابھار دیا۔

صنعت و حرفت کا سابق جاگیردارانہ نظام وہ بڑھتی ہوئی ضروریں پروری نہیں کر سکتا تھا جو نئے بازاروں کے ساتھ پیدا ہو گئی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دست کاری کے نظام نے اُسکی جگہ لے لی، تجارتی مکھیے معزول ہو گئے، متوسط صنعتی طبقہ انکا قائم مقام بن گیا۔ مختلف سندھی مکھیوں کے مابین محنت کی تقسیم، عام کارخانوں میں محنت کی تقسیم کے آگے معدوم ہو گئی۔

سرمایہ دار طبقہ نے جہاں بھی طاقت حاصل کی، تمام جاگیر دارانہ، بزرگانہ، مذہبی، اور معنوی رشتے توڑ پھوڑ ڈالے۔ اُسے بڑی بے رحمی سے وہ تمام بوقلموں بندھن توڑے رکھ دیے جو انسان کو اُسے ”فطری سرداروں“ سے بانڈھتے چلے آئے تھے اور اُس ایک رشتہ کے سوا کوئی رشتہ باہمی رابطہ کا باقی نہ چھوڑا جسے برہنہ خود غرضی اور کبریٰ نقد ادائیگی کا رشتہ کہتے ہیں۔

... سرمایہ دار طبقہ میں مقابلہ کی روح جس قدر ترقی کرتی جاتی ہے اور تجارتی مشکلات جس قدر بڑھتی جاتی ہیں، اسی قدر مزدوروں کی اجرت میں اتار چڑھاؤ زیادہ ہوتا جاتا ہے، مشینری کی مسلسل اور تیز ترقی مزدوروں کی روزی کو برابر غیر محفوظ بنا رہی ہے، اور انفرادی مزدور اور انفرادی سرمایہ دار کا شخصی تصادم، جماعتی تصادم کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ ایک طرف مزدور، سرمایہ داروں کے خلاف متحد ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف سرمایہ دار شوخ اجرت برقرار رکھنے کے لیے مزدوروں کے برخلاف جتنا بندی کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے تئیں مستقل انجمنوں کی صورت میں منظم کر لیا ہے، تاکہ اچانک تصادم کے لیے پلے سے تیار رہیں۔ کہیں کہیں یہ باہمی لڑائی بغاوت کی صورت میں بھی پھرت چکی ہے۔

کبھی کبھی مزدوروں کو فتح حاصل ہو جاتی ہے، مگر محض تھوڑی مدت کے لیے۔ اس سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ ان کی جدوجہد کا اصلی ثمرہ فوری کامیابی نہیں بلکہ ان کے بڑھنے والے اتحاد میں ہے۔ اس اتحاد کو موجودہ ذرائع آمد و رفت سے جو موجودہ صنعت کی ایجاد میں بہت مدد مل رہی ہے۔ مختلف ممالک کے مزدور باہم دگر مل رہے ہیں، اور اس طرح وہ کام انجام پا رہا ہے جس کی ازحد ضرورت تھی۔ وہ اتحاد جس کے حصول میں قرن وسطیٰ کے شہروں کو اپنی خراب سڑکوں کی وجہ سے صدیاں لگ جاتیں، موجودہ مزدوروں کو ریلوے کے ذریعہ چند سالوں کے اندر حاصل ہو گیا ہے۔

مزدوروں کی جماعتی اور سیاسی تنظیم خود ان کے باہمی مقابلہ کی وجہ سے ہمیشہ رک رک جایا کرتی ہے، لیکن ہر مرتبہ زیادہ قوت، زیادہ استقلال، اور زیادہ استحکام کے ساتھ آہری ہے۔ سرمایہ داروں کی باہمی پھرت سے اسے کافی فائدہ پہنچا ہے، اور وہ ہر موقع پر مزدوروں کے حقوق و مفاد کے قانونی اعتراف پر مجبور ہو گئے ہیں۔

قدیم سوسائٹی میں جماعتوں کا باہمی تصادم، مختلف طریقوں سے مزدوری پیشہ طبقہ کو بڑھا رہا ہے۔ خود سرمایہ دار بھی مجبوراً اس کی ترقی کا باعث ہوئے ہیں۔ وہ اپنے تئیں ایک مسلسل حالت جنگ میں پاتے ہیں۔ ایک طرف خاندانی امارت ہے، دوسری طرف خود سرمایہ داروں کی وہ جماعتیں ہیں جن کے مفاد صنعتی ترقی کے منافی ہیں۔ تیسری طرف بیرونی ممالک کے سرمایہ دار ہیں جو ہر وقت ٹوٹ پڑنے کیلئے تیار ہیں۔ غرض کہ سرمایہ داروں کو ہر طرف لڑنا اور ہر ایک سے نبرد آزمائی کرنی پڑتی ہے۔ ظاہر ہے، وہ تنہا اتنے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور مجبور ہوتے ہیں کہ مزدوروں سے اعانت کی اپیل کریں۔ اس طرح وہ خود ہی مزدورنکو سیاسی اکھاڑ میں کھینچ لاتے ہیں، اور ان کیلئے اجتماعی تعلیم کے عناصر مہیا کر دیتے ہیں۔ وہ خود ہی مزدوروں کے ہاتھ میں وہ ہتھیار دیدیتے ہیں جو خود ان کے خلاف استعمال کیے جائیں گے!

صرف یہی نہیں بلکہ صنعت کی ترقی کے حکمران طبقہ کے تمام حصوں کو بھی عجلت اور گھبراہٹ کے ساتھ مزدوری پیشہ طبقہ کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا ہے، یا کم از کم ان کی زندگی خطرہ میں ڈال دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حکمران جماعت مزدوری پیشہ طبقہ کیلئے ترقی کے بے شمار پرزے مہیا کر رہی ہے۔

ادنیٰ اور متوسط طبقہ، چھوٹے درانداز، سردار، زراشت پیشہ، زمیندار، دستکار، سب کے سب مزدوری پیشہ طبقہ میں جذب ہو رہے ہیں۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ ان کا معمولی سرمایہ موجودہ صنائع کیلئے ناکافی ہے اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے مقابلہ میں بیکار ہو جاتا ہے، اور کچھ اس وجہ سے کہ ان کے خاص پیشوں کو پیداوار کے نئے ذرائع نے ظاہر ہو کر بے قدر کر دیا ہے۔ اس طرح مزدوروں کا یہ طبقہ صرف مزدوروں ہی سے نہیں بلکہ آبادی کے ہر حصہ سے مرکب ہے۔

(۲)

مزدوری پیشہ طبقہ مختلف تدریجی مرحلوں سے گزر کر اس درجہ تک پہنچا ہے۔ سرمایہ دار کے برخلاف اس کی جدوجہد اس کی پیدائش کے وقت ہی سے شروع ہو گئی ہے۔

سب سے پہلے یہ جدوجہد ایک فرد واحد مزدور کی جدوجہد کی حیثیت سے شروع ہوئی، پھر کسی ایک کارخانہ کے مزدوروں کی جدوجہد بنی، پھر کسی خاص نواح کے تمام ہم پیشہ مزدوروں کی جدوجہد کی صورت میں تبدیل ہوئی، جس کا مقصد سرمایہ داروں سے جنگ کرنا تھا جو ان سب کو براہ راست تباہ کر رہا تھا۔

اس منزل میں مزدور، سرمایہ دارانہ طریق پیداوار پر نہیں بلکہ خود آلات پیداوار پر حملہ کرتے تھے۔ بیرونی مال برباد کر ڈالتے تھے، مشینیں توڑ پھوڑ ڈالتے تھے، کارخانوں میں آگ لگا دیتے تھے، اور کوشش کرتے تھے کہ طاقت کے زور سے اپنی وہ حیثیت پھر قائم کر دیں جو قرن وسطیٰ میں ضائع ہو چکی تھی۔ لیکن باوجود متحدہ مقصد رکھنے کے، اس منزل میں، مزدور ایک غیر متحد ہیئ کی شکل رکھتے تھے جو تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، اور جس کے اندر باہمی مقابلہ کے جذبہ نے پھرت ڈال دی تھی۔

اس دور میں مزدور جب منظم ہونے کیلئے متحد ہوئے، تو یہ ان کے اپنے اتحاد کا نہیں، بلکہ سرمایہ دار طبقہ کے اتحاد کا نتیجہ تھا۔ وہ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے مجبور ہو جاتا تھا کہ مزدوروں میں ایک نئی حرکت پیدا کر دے۔

اس منزل میں مزدور براہ راست اپنے دشمنوں سے نہیں لڑتے تھے، بلکہ ان کی جنگ اپنے دشمن کے دشمنوں سے ہوتی تھی، یعنی مطلق العنان شاہی سے، زمینداروں سے، غیر صنعتی اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں سے۔

اس طرح مزدوروں کی یہ پوری تاریخی تحریک، سرمایہ دار طبقہ ہی کے ہاتھوں میں رہی ہے، اور تمام کامیابیاں جو اسے حاصل ہوئی ہیں، سرمایہ داروں ہی کی کامیابیاں ہیں۔

صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ مزدوری پیشہ طبقہ کی کمیٹیاں میں صرف افراد ہی کا اضافہ نہیں ہوا، بلکہ بڑی بڑی جماعتیں بھی اس میں شامل ہوتی گئیں اور انک ہر رہی ہیں۔

اس کی طاقت روز بروز بڑھ رہی ہے اور وہ اپنی طاقت کی افزائی برابر محسوس کر رہا ہے۔

جس جس مشینری، صنعت کے امتیازات مثالی جاتی ہے اور اجرت ہر جگہ کم سے کم کرتی جاتی ہے، اسی قدر مزدوروں کے فوائد اور حالت زندگی میں بھی یکسانیت پیدا ہو رہی ہے۔

لیکن سرمایہ داروں نے صرف یہ مہلک ہتھیار ہی نہیں گڑھے میں ' بلکہ وہ لوگ بھی پیدا کر دیے ہیں جو یہ ہتھیار استعمال کرینگے - وہ کون ہیں ؟ موجودہ مزدور !

جس تناسب سے سرمایہ اور سرمایہ داروں نے ترقی کی ہے ، اسی تناسب سے مزدوروں نے بھی ترقی کی ہے - اس طبقہ کی زندگی اسی وقت تک ہے جب تک اُسے کام ملتا رہے ، اور کام اسی وقت تک ملتا ہے جب تک وہ سرمایہ کو بڑھاتا رہے - یہ مزدور جو اپنے تئیں فرداً فرداً بیچ دالنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں ، تجارت کی دوسری چیزوں کی طرح ایک جنس ہو گئے ہیں اور مقابلہ کے ہیر پھیر اور نرخ کے چڑھاؤ آتار سے ہمیشہ مصیبت جھیلنے رہتے ہیں -

مزدور کا کام ، کلر کے کثرت استعمال اور محنت کی تقسیم کے باعث اپنی انفرادی شخصیت سے محروم ہو گیا ہے اور اب مزدور کیلئے اپنے اندر کوئی خاص کشش نہیں رکھتا - مزدور مشین کا محض ایک ضمیمہ بنا دیا گیا ہے ، جس سے نہایت آسان کام کی خواہش کی جاتی ہے - جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب اُسکی قیمت گھٹ کر بس اتنی ہی رہ گئی ہے کہ مزدور بمشکل اُس سے اپنی قوت لایموت کا سامان کرسکتا ہے -

اب ایک مصنوعی برتن اور مزدور ، دونوں ہم درجہ چیزیں ہو گئی ہیں جنکی قیمت اُنکی لاگت کے حساب سے ہوتی ہے - یہی سبب ہے کہ جوں جوں محنت سستی ہوتی جاتی ہے ، مزدوری بھی گھٹ رہی ہے - پھر تماشہ یہ ہے کہ جسقدر کام کی تقسیم اور کلر کا استعمال بڑھتا جاتا ہے ، اسی قدر کام کا بوجھ بھی بڑھ رہا ہے ، یا تو کام کے گھٹتے بڑھا دیے جاتے ہیں ، یا زیادہ کام ایک خاص وقت میں لبا جاتا ہے ، یا مشین کی رفتار میں اضافہ کر دیا جاتا ہے ، (وغیرہ وغیرہ)

موجودہ صنعت کے نیک آقا کی چھوٹی سی دکان کو صناعی سرمایہ دار کے بڑے کارخانہ کی صورت میں بدل دیا ہے - مزدوروں کے عول کے غول کارخانوں میں بھرے ہوئے ہیں جن کی تنظیم سبھیوں کی طرح کی جاتی ہے ، اور جو سبھیوں ہی کی طرح چھوٹے بڑے افسروں کی ایک مطلق العنان حکومت کے شکنجہ میں جکڑ دیے گئے ہیں - وہ نہ صرف سرمایہ دار طبقے اور سرمایہ دار حکومت کے غلام ہوئے ہیں ، بلکہ انہیں شب و روز ، ہر سرمایہ دار صنایع کی بھی غلامی کرنی پڑتی ہے -

جسقدر کھلے الفاظ میں یہ خود سر حکومت اعلان کرتی جاتی ہے کہ خود غرضی اور مدفعت شخصی اس کا مقصد ہے ، اسی قدر وہ حقیر ، نفرت انگیز اور تکلیف دہ ہوتی جاتی ہے !

دستی مشقت میں قوت اور جستی کی ضرورت جتنی کم ہوتی جاتی ہے ، یعنی موجودہ صنعت جس قدر زیادہ ترقی کرتی جاتی ہے ، اسی قدر 'مردانہ محنت' بی جگہ زنانہ محنت کو دی جا رہی ہے - مزدوری پیشہ طبقہ کے لیے اب عمر اور جنس کا اختلاف کوئی معاشرتی اہمیت نہیں رکھتا - مزدور مرد اور عورتیں سب کے سب محنت کے پڑے ہوئے ہیں جن کی قیمت عمر اور جنس کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی رہتی ہے -

جوں ہی مزدور کو اپنے سرمایہ دار آقا سے مزدوری ملتی ہے ، فوراً دوسری سرمایہ دار جماعتیں اُس پر قوت پڑتی ہیں : مکان دار ، دکان دار ، ساهورکار ، غرضکہ سب کے سب اُس کے لوٹنے کھسوتنے کو آموجود ہوتے ہیں -

پچھلی نسل کو یہ دم بھی گزرا تھا کہ اجتماعی محنت کی گرد میں ایسی بار آور قوتیں پڑی سو رہی ہیں ؟

گزشتہ بیان میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جن کی بنیادوں پر سرمایہ دار طبقہ نے اپنی عمارت کھڑی کی ہے ، اگرچہ جاگیرداری کے عہد میں پیدا ہوئے تھے ، مگر خود جاگیر اُنسے کوئی فائدہ نہ آتا سکی بلکہ آلتے آلتے گرداب میں پڑ کر تباہ ہو گئی ، کیونکہ یہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جب اپنی ترقی کی ایک خاص منزل پر پہنچ گئے ، تو وہ حالات جنکے ماتحت جاگیردار سوسائٹی پیدا کرتے اور تبادلہ کرتے تھے ، یعنی کاشتکاری و دسٹکاری کا جاگیر دارانہ نظام ، ترقی یافتہ قوتوں کے سامنے ٹہر نہ سکے - وہ پیداوار کو سہارا دینے کے بجائے اُسکے حق میں رک رک بوجھل بیڑیاں بن گئے ، جن کا ثروت گرنا ضروری تھا - چنانچہ اُنکی جگہ آزاد مقابلے اور سرمایہ دار طبقہ کی اقتصادی و سیاسی حکومت کے لیے لی -

لیکن اب تاریخ نے ایسا اعادہ پھر شروع کیا ہے ، جو کچھ جاگیر داروں پر گزرا ہے ، وہی اب سرمایہ داروں کو درپیش ہے -

سرمایہ دارانہ حالات ، پیداوار ، تبادلہ ، سرمایہ دارانہ املاکی رشتے ، غرضکہ پوری موجودہ سرمایہ دار سوسائٹی جس نے اسے عظیم الشان ذرائع ایجاد کیے ہیں ، سخت مصائب میں مبتلا ہے - اسکی مثال اُسے جادوگر کی سی ہے جو خبیث طاقتوں کو جگا تو دیتا ہے مگر انپر قابو نہیں رکھ سکتا -

بہت زمانہ تک صنعت و تجارت کی تاریخ ، جدد بار آور قوتوں کی موجودہ حالات کے خلاف ، ایک بغاوت کی عام تاریخ رہی ہے - اس سلسلہ میں اُن بھاری مشکلات کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا جو رفتاً فوقتاً پوری سرمایہ دار سوسائٹی کے لیے موت و حیات کا سوال پیدا کر دنا کرنی ہیں -

لیکن باوجود اِن ہولناک خطروں کے ایک عام اجتماعی ردِ بھیلی ہوئی ہے جسکا نام " زائد پیداوار " ہے اور جو پچھلے زمانوں میں یقیناً ایک خفاقت معلوم ہوتی -

اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ سوسائٹی اُسے نئی اچانک ایک عارضی وحشیانہ حالت میں مبتلا پانی ہے - قحط اور برادبی کی ایک عالمگیر جنگ برپا ہو جاتی ہے - معلوم ہوتا ہے کہ صنعت و تجارت اور زندگی کے تمام ذرائع تباہ ہو جائینگے - کہیں ؟ اس لیے کہ تہذیب بہت زیادہ ہو گئی ہے ، ذرائع زندگی بہت زیادہ ہو گئے ہیں ، صنعت بہت زیادہ ہو گئی ہے ، تجارت بہت زیادہ ہو گئی ہے !

اِن خطرات کا مقابلہ سرمایہ دار کیونکر کرتے ہیں ؟ اس طرح کہ ایک طرف ، تو بہت سی بار آور قوتیں بجبر برپا کر دالنے ہیں ، دوسری طرف ، تھے بازاروں کو فتح کرنے اور پرانے بازاروں کو مزید رونق دیتے چلے جاتے ہیں - اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ آور بھی زیادہ وسیع اور زیادہ برباد کن مشکلات کیلئے راستہ ہموار کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ ذرائع بھی مٹائے جاتے ہیں جنسے یہ مشکلات رفع کی جاسکتی تھیں -

غرضکہ وہ ہتھیار جنسے سرمایہ داروں نے جاگیرداری پر فتح حاصل کی تھی ، اب خود انہیں پر آلت پڑے ہیں -

(قسطنطنیہ)

اناطولیہ سے وہ قسطنطنیہ کو چلا - خوش قسمتی سے اُس زمانے میں سلطان محمد ازبک خل کی ملکہ "خاتون ییلون" بھی اپنے باپ شہنشاہ قسطنطنیہ کی ملاقات کو جا رہی تھی - ابن بطوطہ اسی شاہی قافلہ میں داخل ہو گیا اور سنہ ۷۳۳ھ - سنہ ۱۳۳۳ع میں نہایت تیز و احتشام سے بیزنطینی پایۂ تخت میں داخل ہوا -

سیاح خود اپنی زبان میں یہ واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے :

" ہم زوال کے وقت قسطنطنیہ عظمیٰ میں داخل ہوئے - پورے شہر میں ناقوس اس زور سے بج رہے تھے کہ در و دیوار تک گونج اٹھے - ہم قصر شاہی کے پلے پہانگ پر پہنچے - وہاں سو سنتری تھے - سپہ سالار کے ساتھ کھڑے تھے اور آپس میں کہہ رہے تھے " سرانئون " سرانئون " جس کے معنی ہیں " مسلمان " (یونانی زبان میں Sarrazino عرب مسلمانوں کا نام ہے - شاید ابن بطوطہ نے یہی لفظ سنا ہوگا)

پھر وہ شہنشاہ سے اپنی ملاقات کا حال لکھتا ہے :

" چوتھے دن خاتون نے اپنا غلام سنبل ہندی میرے پاس بھیجا - وہ مجھے قصر شاہی میں لے گیا - ہم چار پہانگوں سے گزرے - ہر پہانگ میں مسلح سپاہی موجود تھے - پانچویں پہانگ پر غلام مجھے چھوڑ کر چلا گیا - پھر چار رومی نو جوانوں کو لے کر لوٹا - انہوں نے میری تلاشی لی کہ کوئی چھری تو چھپی ہوئی نہیں ہے - انسر نے بتایا کہ یہاں کا دستور ایسا ہی ہے - جو شخص بھی بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے ، اُس کی تلاشی ضرور لی جاتی ہے - پھر پہانگ کھولا گیا - میں اندر داخل ہوا - چار آدمیوں نے مجھے گھیر لیا - در مجھے آگے سے پکڑے تھے ، در پیچھے تھے - میں آیت پڑھتے - ایران میں داخل کیا گیا - اُس کی دروازیں بہت آراستہ تھیں - قسم قسم کے حیوانات و نباتات کی تصویریں بنی تھیں - بیچ میں فوارہ تھا - دروزں جانب سپاہی صفت بستہ کھڑے تھے اور بالکل خاموش تھے - وسط میں تین آرمی کھڑے تھے - انہوں نے، مجھے میرے معنوں سے لے لیا اور اسی طرح پکڑ کر لے چلے - انمیں ایک یہودی تھا - یہودی نے مجھ سے عربی میں کہا " دروہیو " جس میں ترجمان ہوں " پھر میں ایک عظیم گنبد میں داخل کیا گیا - شہنشاہ مع اپنی ملکہ کے تخت شاہی پر جلوہ افروز تھا - داہنی طرف چہرہ آدمی کھڑے تھے - بائیں طرف چار آدمی تھے - سب ہتیار بند تھے - بادشاہ کے قریب پہنچنے سے پہلے مجھ سے کہا گیا کہ تھوڑی دیر بیٹھہ ارحاس درست کرلو - پھر میں تخت شاہی کے سامنے پہنچایا گیا - میں نے سلام کیا - بادشاہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا - مگر میں بیٹھا نہیں - بادشاہ نے مجھ سے بہت سے سوال کیے - بیت المقدس کی بابت پوچھا - مقدس چٹان ، مولد مسیح ، بیت لحم ، شہر خلیل ، کا حال دریافت کیا - پھر دمشق ، مصر ، عراق ، اور رومی ممالک کے حالات پوچھے - زمین نے ہر سوال کا جواب دیا - یہودی ترجمہ کرتا جاتا تھا - شاید شہنشاہ کو میری گفتگو پسند آئی - چنانچہ اُس نے اپنے لڑکوں سے کہا اس شخص کی عزت کرو اور امن و امان میں رہو - پھر میرے لیے خلعت کا حکم دیا - نیز ایک آراستہ کھوڑا اور چتر بھی عنایت کیا ، جو شاہی امان کی علامت ہے "

اس شہنشاہ کا نام ابن بطوطہ نے تکفور اور اُس کے باپ کا نام جرجیس لکھا ہے - ممکن ہے یہ اُن کے مسیحی نام ہوں - وہ

عظمت کا باب اسی وقت سے شروع ہوتا ہے - اسی سفر میں اُس کی دعاغی قابلیت ، معققات روح ، اور عزم و ہمت کی قوت ظاہر ہوتی ہے - اسی سفر میں اُسے فارسی اور ترکی زبانیں بھی سیکھنی پڑتی ہیں - فارسی زبان سے سیاح کو بہت مدد ملی ، خصوصاً ہندوستان میں ، ٹھیک اسی طرح جس طرح اُس کے پیشرو ، مارکو پولو کو نٹاری زبان سے مدد ملی تھی !

غرضکہ ابن بطوطہ اپنے مشرقی سفر پر روانہ ہو گیا - نجد اور صحراء عرب کو طے کر کے عراق پہنچا - راستے کے جملہ حالات و آثار مفصل قلم بند کیے - پھر دجلہ و فرات کو عبور کر کے عراق عجم میں داخل ہوا ، اور شیراز و اصفہان وغیرہ کی سیر کی - لیکن وہ آگے نہیں بڑھا بلکہ لوٹ کر پھر دجلہ و فرات عبور کیا اور عراق عرب میں سفر شروع کر دیا - اُس وقت بغداد اسی حالت نہایت زبون تھی - قاتاروں کی تخریب کے بعد ، عباسی دار الخلافہ ویران ہو گیا تھا - ابن بطوطہ یہاں بہت مناظر نظر آتا ہے اور ایک سچے مسلمان کی طرح رنج و غم کا اظہار کرتا ہے -

بغداد سے سیاح ، موصل پہنچا - موصل سے نصیبین اور سنجار آیا - اس سر زمین کے تمام امراء و سلاطین نے ملاقات کی - یہاں پر اُس کی سیاحت اچانک منقطع ہوجاتی ہے - نہیں معلوم کدوں ، وہ پھر بغداد اور بغداد سے مکہ پہنچ جاتا ہے - وہ ہم سے صرف اس قدر کہتا ہے کہ دوسری مرتبہ مکہ معظمہ اس حال میں پہنچا کہ سخت بیمار تھا - چنانچہ کامل ایک سال جہاز بیت اللہ میں مقیم رہتا ہے - اس طویل اقامت کے بعد پھر اُس میں نیا جرش پیدا ہوتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ طویل سفر پر روانہ ہوجاتا ہے -

چنانچہ وہ امن پہنچتا ہے - پھر شمال جاتا ہے - پھر ساحل بحر عرب کے تمام ممالک کی سیر کرتا ہوا عمان اور بحرین میں جا نکلتا ہے - بحرین میں موتی نکالنے والوں سے ملتا ہے - مگر ٹھہرتا نہیں اور صحراء طے کرتے سے بارہ مکہ معظمہ میں وارد ہوتا ہے - یہاں ملک الناصر شاہ مصر نے اُس کی ملاقات ہوتی ہے

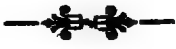
حج کے بعد پھر سفر شروع کرتا ہے اور اس مرتبہ بحر احمر عبور کر کے سرقان ، بلاد نجد ، معد ، مصر کی سیاحت کرتا ہوا قاہرہ پہنچتا ہے - لیکن وہاں اُس نے بلکہ شام چلا جاتا ہے اور ساحل لادقیہ سے جہاز پر بیٹھ ۷۳۳ھ (سنہ ۱۳۳۳ع) میں ساحل اناطولیہ پر قدم رکھتا ہے

(اناطولیہ)

اُس وقت اناطولیہ میں سلجوقی امراء و سلاطین کا دور دورہ تھا - لیکن آل عثمان ، بیہادہ ، راج حاصل کر رہا تھا - آہستہ آہستہ سلجوقی امراء اُس کے سامنے ہار رہتے جاتے تھے - سلطنت عثمانیہ کے بانی اول عثمان نے دسطنطنیہ شہدشاہی میں بھی دور تک ہاتھ پاؤں پھیلا دیے تھے - اُس وقت عثمانی راج کا پایۂ تخت بدوسہ تھا اور ابن بطوطہ کے زمانے میں سلطان ارخان بن عثمان اسی حکومت میں تھا -

ارخان کے علاوہ سلجوقی امراء میں سب سے زیادہ طاقتور محمد ازبک خل شاہ شمال تھا - یہ شہنشاہ قسطنطنیہ کا داماد بھی تھا - ابن بطوطہ یہ ملک دیکھ کر بہت متعجب ہوا - کہنے لگا اچھا یہاں اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا - مگر نو مسلموں کے عادات و اطوار عجیب طرح کے تھے - ابن بطوطہ نے پورے ملک کی سیاحت کی ہے اور بڑی تفصیل سے جملہ حالات بیان کیے ہیں - یہ عجیب بات ہے کہ ہر ملک میں وہ قصر شاہی تک رسائی حاصل کر لیا کرتا تھا - یہاں کے بھی تمام امراء و سلاطین سے اُس نے ملاقاتیں کیں

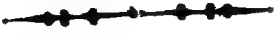
ابن بطوطہ کی سیاحت



(ایشیائی تاریخ میں اُس کا مرتبہ)



(عبد اللہ عنان ایک مصری اہل قلم کے قلم سے)



عین اُس زمانے میں جبکہ مارکو پولو نے اپنی ایشیائی سیاحت ختم کی، طنچہ (مرالش) میں ایک مسلمان سیاح پیدا ہوا (۵۷۰۳ - سنہ ۱۳۰۴ ع) اِس کا نام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ تھا۔ بعد میں دنیا نے اُسے ابن بطوطہ کے نام سے جانا۔ آٹھویں صدی ہجری کی چند ممتاز شخصیتوں میں سے ایک شخصیت اِس کی بھی ہے۔

ابن بطوطہ کی طفولیت اور ابتدائی تعلیم و تربیت سے ہم ناواقف ہیں۔ لیکن اُس کے سفر نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے دینی علوم میں پوری طرح مہارت حاصل کر لی تھی۔ ہم اُن اسباب سے بھی ناواقف ہیں جنہوں نے اِس طویل سیاحت پر اُسے آمادہ کیا۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ۲۲ سال کی عمر میں اُسے حج اور بیت اللہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور اِسی ارادے سے وہ وطن سے نکلا۔ معلوم ہوتا ہے اِس سفر کے لیے اُس کی مالی طیاری کافی نہ تھی۔ تاہم وہ جرأت کر کے چل پڑا اور مغرب اقصیٰ کے بڑے بڑے شہر: تلمسان، الجزائر، بجایہ، قسطنطنیہ سے گزرتا ہوا تیونس پہنچا۔ اِس وقت سیاح کا آغاز شباب تھا۔ غریب الوطنی کے مصائب سے نا آشنا تھا۔ خرد بیاں کرتا ہے کہ جب تیونس میں اُسے کسی نے اجنبیت کی وجہ سے سلام نہ کیا تو اُس کا دل بے اختیار ہو گیا۔ آنسو جاری ہو گئے۔ اور سخت رنج و الم محسوس ہوا!

حاجبوں کے قافلہ کے ساتھ وہ پہلے طرابلس پھر اسکندریہ پہنچا۔ یہ اُس کے سفر کا دسواں مہینہ تھا۔ اسکندریہ آئے بہت پسند آیا اور اُس نے گوارا نہ کیا کہ سرسری طور پر دیکھ کر اُگے بڑے جائے۔ چنانچہ وہ ٹہر گیا اور ایک محقق سیاح کی طرح شہر اور اُس کے آثار کی تحقیقات شروع کر دی۔ یہاں سے فارغ ہو کر قاہرہ پہنچا۔ پانچ تخت کی عمارتیں، مسجدیں، ہرام دیکھے۔ پھر پورے ملک کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیاحت کی۔ اِسی قدر نہیں بلکہ وہ مصر کے علماء، امراء، حتیٰ کہ بادشاہ تک سے ملا۔ یہ زمانہ ملک ناصر بن قلاؤن کا تھا۔

مصر سے صحراء سینا کی راہ فلسطین پہنچا اور وہاں کے اسلامی اور مسیحی مذاہات مقدسہ کی سیر کی۔ پھر شام گیا اور تمام بڑے بڑے شہر اور ڈار دیکھے۔ شام سے صحراء کو عبور کر کے حجاز پہنچا اور حج سے مشرف ہوا۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ اُس نے حج کی نیت سے سفر شروع کیا تھا۔ مگر اُس میں کامیاب ہونے کے بعد وہ وطن واپس نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے اِسی زمانے میں اُسے "مشرقِ دنیا کی سیاحت کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ عراق کے ارادے سے جل پڑا اب اُسے صحراء عرب سے گزرنا تھا۔ یہ مرحلہ بہت ہی سخت تھا۔ اب تک اسے کوئی ایسا خطرناک سفر پیش نہیں آیا تھا۔ تاہم وہ بے خوف و خطر روانہ ہو جاتا ہے۔ درحقیقت ابن بطوطہ کی سیاحت اور

جس طرح پچھلے زمانہ میں شرفاء کا ایک حصہ سرمایہ داروں میں آ ملا تھا، اِسی طرح اب سرمایہ داروں کا ایک حصہ مزدوروں میں آ رہا ہے، خصوصاً وہ مفکر حصہ جسے اِس تاریخی تحریک کا نظری علم حاصل ہو گیا ہے۔

تمام جماعتیں جو فی الحال سرمایہ دار طبقہ سے برسرِ جنگ ہیں، انہیں صرف مزدوری پیشہ جماعت ہی ایک حقیقی انقلابی جماعت ہے۔ باقی تمام دوسری جماعتیں موجودہ صنعت کے سامنے سڑتی اور گلتی چلی جاتی ہیں۔ اور یہ کچھ عجیب نہیں، کیونکہ مزدوری پیشہ طبقہ ہی صنعت و حرفت کی خاص اور براہ راست پیداوار ہے۔

رہا ادنیٰ اور متوسط طبقہ، چھوٹے چھوٹے دستکار، معمولی دکاندار، زراعت پیشہ زمیندار، تو یہ سب سرمایہ دار طبقہ سے اس لئے جنگ کر رہے ہیں کہ متوسط طبقہ کے رکن ہونے کے لحاظ سے اپنی حیثیت برقرار رکھیں۔ یہ جماعتیں انقلابی نہیں بلکہ قدامت پسند ہیں۔ قدامت پسند ہی نہیں بلکہ رجعت پسند بھی ہیں۔ وہ تاریخ کا چکر لوٹا کر الٹا چلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اگر وہ کبھی انقلابی ہو بھی گئیں، تو صرف اس خوف سے ہونگی کہ مبادا مزدوری پیشہ طبقہ میں جبراً دھکیل نہ دی جائیں۔ گزشتہ سوسائٹی کے معاشرتی حالات اب مزدوروں کے معاشرتی حالات میں مدغم ہو چکے ہیں۔ مزدوری پیشہ طبقہ بغیر کسی ملکیت کے ہے، اس کے اپنے بیوی بچوں سے رشتے سرمایہ دارانہ خاندانی رشتوں سے بالکل مختلف ہیں۔ موجودہ صنعتی معیشت پر سرمایہ داری کے انگلینڈ، فرانس، امریکہ، اور جرمنی، جس مزدوروں کے تمام قومی اخلاق خراب کر ڈالے ہیں۔ مزدوروں کے حق میں قانون، اخلاق، مذہب، تنہا نہیں جنکے پیچھے سے پیٹھ پر سرمایہ دار انہیں شکار یا کرتے ہیں۔

تمام گزشتہ جماعتوں نے طاقت پا کر ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ اپنی حیثیت مضبوط کرنے کے لیے تمام سوسائٹی کو اپنے ہی طریق عمل کا پابند کر دیں۔ مزدوروں کو بھی اِسی اسل پر عمل کرنا چاہئے۔ وہ سوسائٹی کی بار آور قوتوں پر قابو حاصل نہیں کر سکتے، جنگ کے سبب تمام پڑائے دستوروں کو منسوخ نہ کر دیں۔ خود مزدوروں کے دُسر وٹب ایسی چیز نہیں جسکی انہیں حفاظت کرنی ضروری ہو۔ انہیں شخصی ملکیت کی تمام سابق پابندیاں اور ضمانتیں منسوخ کر دینی چاہئیں۔

تمام پچھلے تاریخی تحریکیں یا تو آبادی کی اقلیت کی تحریکیں تھیں، یا ان کے حامی ایسے تھیں۔ لیکن مزدوروں کی تحریک بالکل دوسری ہی نوعیت کی ہے۔ وہ عظیم الشان اثرات کی ایک حساس تحریک ہے اور عظیم الشان اثرات کے مفاد کیلئے ہے۔

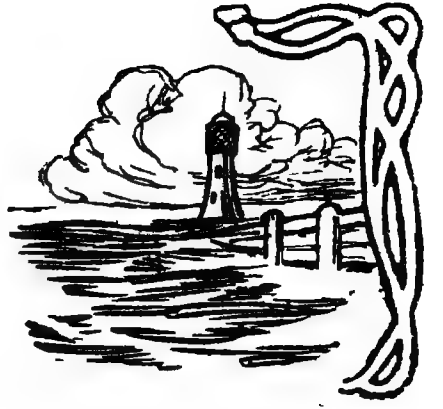
مزدوری پیشہ طبقہ موجودہ سوسائٹی کی سب سے نچلی پرت ہے۔ وہ اُس بہت تک نہیں اُٹھ سکتا ہے، جنگ کے اڑپوں کے وہ تمام پرت وٹب، چاکلہ سوسائٹی مرکب ہے، پڑے پڑے لوگ اُڑا نہ دیے جائیں۔

اگرچہ مزدوروں کا تمام قومی بنیادوں پر نہیں ہے، لیکن سرمایہ داروں کے برخلاف اِسی جدوجہد ضرور قومی ہے۔ ہر ملک کے مزدوروں کو اپنی طرف پر سب سے پہلے اپنے یہاں کے سرمایہ داروں سے نپٹ لینا چاہئے۔

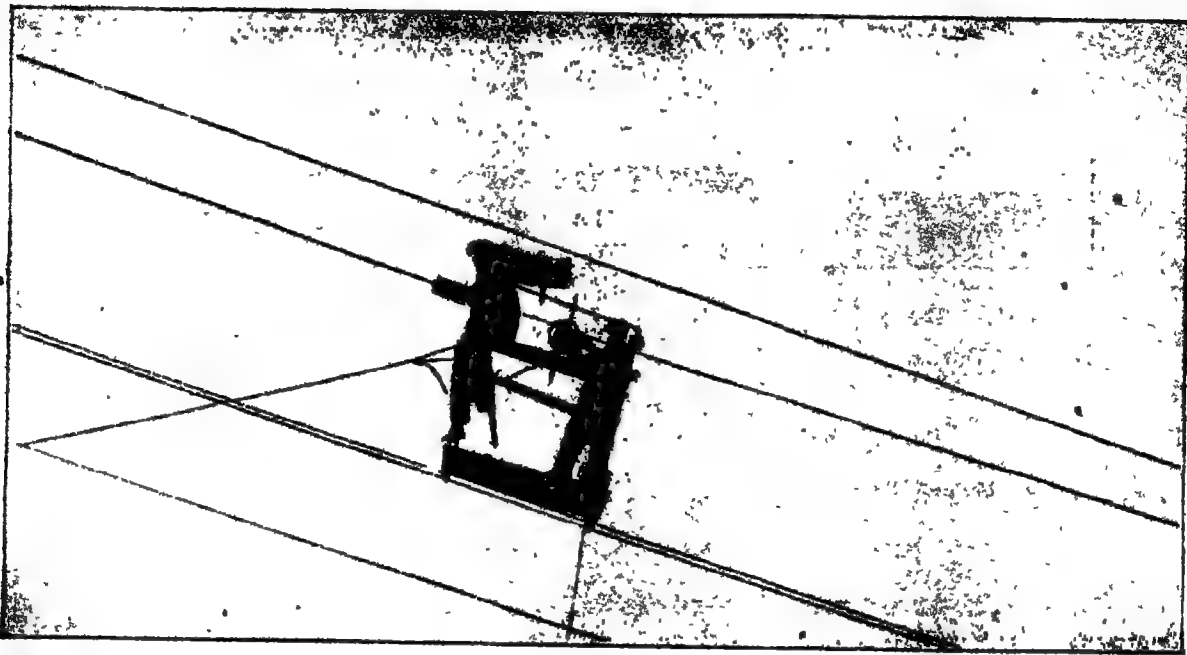




بازگشت



ہوائی سفر کا ایک نیا تجربہ !



کامیاب ہو گئے - نوعیت کے اعتبار سے یہ نہایت سہل اور سادہ قسم کی چیز ہے - لیکن محل استعمال کے لحاظ سے ایک عظیم فضائی تجربہ کا دروازہ کھل رہی ہے - اس تجربہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ اگر ضرورت پیش آجائے تو ایسی فضائی سواری استعمال کی جا سکتی ہے جو تار کے معمولی سلسلوں پر ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک بغیر کسی خطرے کے صرار کو پہنچا دے !



سائنٹفک امریکن کی آخری اشاعت نے امریکہ کے ایک نئے فضائی تجربہ کی روداد شائع کی ہے - معمولی اتفاقات کس طرح علمی تجارب کے نئے نئے دروازے کھل دیتے ہیں ؟ یہ واقعہ اس حقیقت کی ایک تازہ مثال ہے !

واشنگٹن کے قریب ایک بحری تنگ نائے پر بجلی کے تاروں کا سلسلہ قائم ہے - یہ تار معمولی کمپوں پر نصب ہیں - جس

تصویر میں یہ سواری تار پر چلتی ہوئی نظر آ رہی ہے - دوسری تصویر میں وہ ابتدائی نقطہ دکھایا گیا ہے جہاں سے روانگی شروع ہوئی ہے اور پہلی میں درمیانی حالت دکھائی ہے - یہ ایک پتلا سا تختہ ہے جس میں ہاتھ سے چلانے کی چرخ لگی ہے اور چھوٹے چھوٹے پہیوں سے تار پر درز رہا ہے - سائنٹفک امریکن کا ناٹھ نگار کہتا ہے " دو آدمی اس آلہ پر سوار ہوئے اور بغیر کسی حادثہ کے تار پر سفر کرتے ہوئے چلے گئے " اس اتفاقی تجربے سے ثابت ہو گیا کہ تار پر معلق چلنے والی ٹرینوں کی تجویز پوری طرح کامیاب ہو سکتی ہے - نیز اگر ضرورت پیش آجائے تو دنیا کی بڑی بڑی بحری آبثائیں معلق سواروں کے ذریعہ بہ آسانی زمین سے ملا دی جا سکتی ہیں -

طرح کے کمپے ہر جگہ تار کا سلسلہ قائم کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں - پچھلے دنوں بجلی کے کارخانہ کے بعض افسروں نے ارادہ کیا کہ اگر تار کا تمام سلسلہ رنگ دیا جائے تو حفاظت اور پائیداری کے لیے بہتر ہوگا - لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ موجودہ نصب و قائم حالت میں رنگنے کا انتظام کیونکر ہو؟ تار کا بڑا حصہ تنگ نائے کے اوپر سے گزرا ہے اور نہایت بلندی پر واقع ہے - کوئی کشتی کوئی جہاز کوئی سواری اس غرض کے لیے کام نہیں دے سکتی تھی - بالآخر انہوں نے غور کرنا شروع کیا کہ خاص اس غرض کے لیے کوئی نیا ذریعہ پیدا کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ ٹھہری سی کوشش کے بعد وہ ایک نیا مگر عجیب قسم کا ذریعہ پیدا کرنے میں

بڑھا۔ شمال میں اُس کا سفر بہت ہی محضود تھا۔ چین سے
پھر جازہ کے طرف لڑتا۔ جازہ سے ہندوستان آیا۔ پھر فارس، عراق،
شام، مصر، ہوتا ہوا تیونس پہنچا۔ تیونس سے سباز پر بیٹھا، اور
سنہ ۷۵۳ھ میں فارس پہنچ گیا۔ یعنی کابل ۲۵۔ سال سفر کے بعد
وطن واپس ہوا!

لیکن اپنے وطن طنجہ میں اُس کا قدم زیادہ دن تک نہیں جما۔
اندلس کی سیاحت پر روانہ ہو گیا۔ اُس وقت یہ اسلامی سلطنت
سمت کر غرناطہ کے علاقہ میں محصور ہو گئی تھی۔ سلطان
ابو الحجاج یوسف بن الولید النصری کا زمانہ تھا۔ ابن بطوطہ نے
وہاں کے علماء و فقہاء سے ملاقاتیں کیں، قدیم آثار دیکھے، پھر
مراکش واپس آ گیا۔

مگر یہ واپسی بھی عارضی تھی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد
صحراء اعظم کی راہ سے سرتان کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ لیکن یہ
اُس کا آخری سفر تھا۔ سلطان ابو عنان شاہ مراکش مزید سفر سے
مانع ہوا اور اپنی مصاحبت پر اصرار کیا۔ یہ واقعہ سنہ ۷۵۵ھ کا ہے۔
ابن بطوطہ نے مسلسل ۳۰ برس تک سیاحت کی۔ ۲۲ برس کی
عمر میں سیاحت شروع کی اور ۵۵۔ برس کی عمر میں ختم کی۔

ابن بطوطہ سلطان مراکش کا درباری بن گیا۔ سلطان اُس کے
حالات سفر سن کر بہت مسرور ہوتا تھا۔ بعض لوگ ابن بطوطہ
کی صداقت میں اُسی طرح شبہ کرتے تھے جس طرح اُس کے
بیشتر مارکو پولو کو اُس کے ہم عصروں نے غلط بیان قرار دیدیا تھا۔
ابن بطوطہ کو ابناء زمانہ کی اُس بے قدری پر بہت افسوس تھا۔
ایک جگہ وہ نہایت رنجیدہ ہو کر لکھتا ہے ”خدا جانتا ہے میرے
بیانات صحیح ہیں۔ خدا کی گواہی میرے لیے کافی ہے“

علامہ ابن خلدون نے جب اپنی تاریخ کبیر مدون کرنا شروع کی،
نواب ابن بطوطہ اور اُس کی سیاحت کا قصہ تازہ تھا۔ وہ اپنے مقدمہ
میں لکھتے ہیں:

”سلطان ابو عنان کے عہد میں طنجہ کا ایک شخص ابن بطوطہ
نام مراکش میں آیا۔ یہ مشرق میں سیاحت کرچکا تھا۔ عراق، یمن،
ہندوستان وغیرہ ممالک میں پھرا تھا۔ شاہ ہند کے پایۂ تخت دہلی
میں بھی گیا تھا، اور سلطان محمد شاہ کا مقرب ہو گیا تھا، حتیٰ کہ
عہدۂ قضا پر بھی مامور ہو گیا۔ سفر سے واپسی کے بعد اُس نے سلطان
ابو عنان کے دربار میں رسوخ حاصل کیا۔ وہ اپنے عجیب عجیب
مشاہدے بیان کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ اُسے چھوٹا سمجھنے
لگے تھے۔ ایک دن میں نے سلطان کے وزیر فارس بن وردار سے اُس بارے
میں گفتگو کی اور بتایا کہ لوگ کس طرح اُس کی تکذیب کر رہے
ہیں۔ وزیر نے مجھے جواب دیا ”تمہیں اُن سلطنتوں کے حالات کا
انکار نہیں کرنا چاہیے جن سے ناواقف ہو“

ابن بطوطہ کو مارکو پولو پر کئی حیثیتوں سے امتیاز حاصل ہے۔
آخر الذکر نے براعظم ایشیا کا صرف وسطی حصہ دیکھا تھا۔ لیکن
ابن بطوطہ کی سیاحت بہت طویل تھی۔ ایشیا کے علاوہ افریقہ کے
بہت سے حصے اور یورپ میں قسطنطنیہ اور آندلس کی بھی اُس نے
سیر کی تھی۔ پھر اُس کے مشاہدات بہت زیادہ محققانہ تھے۔
اُس کا سفرنامہ اُس عہد کے ایشیا اور افریقہ کی تاریخ اور جغرافیہ
میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اُس کا اسلوب بیان بھی زیادہ
شگفتہ، مکمل، اور علمی ہے۔

معلوم ہے کہ اُس عہد کے قیصر کا نام اندر نیکوس ثالث تھا اور
اُس کا باب اندر نیکو ثانی تھا۔

اُس زمانے میں قسطنطنیہ اپنی سابق عظمت سے بہت کچھ
محضود ہو چکا تھا۔ ستر برس پہلے صلیبی مجاہدین نے اُسے فتح کیا
اور بہت کچھ برباد کر کے چلے گئے۔ تاہم اب بھی وہ عروس البلاد
تھا۔ ابن بطوطہ نے پوری تدقیق سے اُس کا حال لکھا ہے۔ ایک
جگہ کہتا ہے:

”یہ شہر بہت ہی عظیم الشان ہے۔ در حصوں میں منقسم
ہے۔ وسط میں ایک بہت زیادہ مد و جزر رکھنے والا دریا موجزن ہے۔
(یعنی قرن الذهب) اِس دریا کا نام ”ابسمی“ ہے۔ شہر کے
ایک حصے کا نام ”اصطبل“ ہے اور دریا کے مشرقی کنارے
پر آباد ہے۔ اسی میں قصر شاہی اور امراء کے محل ہیں۔ یہ حصہ
بہت آباد ہے۔ بازار پر رونق ہیں۔ سڑکیں کشادہ اور پختہ ہیں۔
شہر ایک پہاڑ پر آباد ہے جو نو میل تک سمندر میں پھیلتا چلا گیا ہے۔
اُس کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا قلعہ اور شاہی محل ہے۔ ایک
دیوار اِس پہاڑ کو گھیرے ہوئے ہے اور سمندر کی طرف سے اُسے
مسخر کرنا ناممکن ہے۔ اسی حصے کے وسط میں کلیسا ایا مرفیا ہے۔
شہر کے دوسرے حصے کا نام ”غلطہ“ ہے۔ وہ دریا کے مغربی
کنارے پر ہے۔ اِس حصے میں فرنگی نصاریٰ رہتے ہیں۔ چنانچہ
جنیوا، وینس، روم، فرانس ... کے باشندے موجود ہیں“

عرب، سیاح نے بڑی تفصیل سے قسطنطنیہ کے گرجوں اور
خانقاہوں کا حال لکھا ہے۔ خاص شاہی اذن سے اُس نے ترجمان
کے ساتھ اِن تمام مقامات کی سیر کی تھی۔

قسطنطنیہ میں چند ہفتے مقیم رہا۔ یونانی تمدن کا اُس کے
دل و دماغ پر گہرا اثر پڑا۔ پھر وہ دوبارہ اناطولیا طے کر کے ترکیستان
کی طرف بڑھا اور خوارزم میں اترا۔ اُس وقت یہ صوبہ مذکور الصدر
سلطان محمد ازبک کے زیر نگین تھا۔ یہاں سے بخارا پہنچا۔ شہر
تاتاری حملہ سے برباد ہو چکا تھا۔ عرب سیاح نے حضرت امام
بخاری جامع حدیث کی قبر کی زیارت کی۔ پھر بلوچستان
ہوتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا، اور سنہ ۷۳۴ھ میں پنجاب
پہنچ گیا۔

ابن بطوطہ کا سفر ہندوستان بہت طویل تھا۔ اُس نے اِس
براعظم کو مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک طے کیا۔
حتیٰ کہ سیلون تک پہنچا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں سے
ملاقاتیں کیں۔ سلطان محمد شاہ سے بہت تقرب حاصل ہو گیا تھا۔
یہاں وہ کئی سال رہا اور منصب قضا پر مامور ہو گیا۔ نیز کئی
سیاسی سفارتوں پر بھی گیا۔ اور بادشاہ کی بہت سی خدمات
بجا لایا۔

ہندوستان کے حالات ابن بطوطہ نے بہت تفصیل سے بیان کیے
ہیں۔ ہندوؤں کے رسم و رواج، عبادات، عادات پر بحث کی ہے۔
ہندوستان میں ایک مرتدہ اُسے ڈاکوؤں نے لوت لیا تھا۔ اُس کے
کاغذات بھی لے گئے تھے۔ سیاح اپنے کاغذات کے نقصان پر بہت متأسف
ہے۔ کیونکہ اُن میں اُس کے سفر کی یادداشتیں بھی تھیں۔

ہندوستان سے وہ جارا اور سماترا گیا۔ بہر شمال کی طرف روانہ
ہوا۔ وہ ہم سے کہتا ہے کہ یہ سفر چین کا تھا۔ مگر تفصیل سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ چینی ہندوستان اور جنوبی چین سے آگے نہیں

تھرسا بے ہوشی کی حالت میں

صلیب اور خون

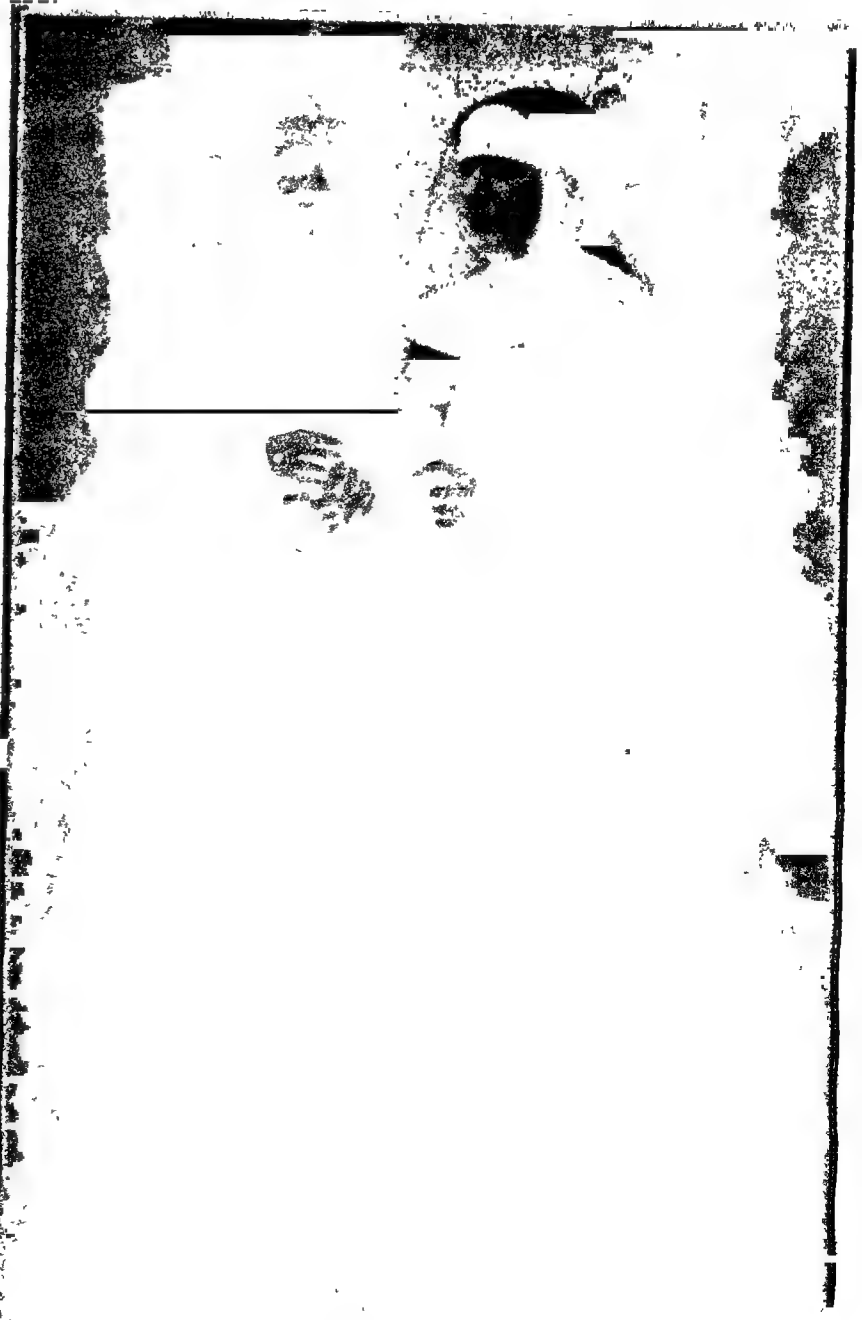
(بیوریا میں ایک پر اسرار عورت !)

یورپ کی عقل پرستی اور مشرق کی توہم پرستی کا غلغلہ صدیوں سے بلند ہے - مشرقی ممالک میں عام طور پر یہ خیال پیدا کر دیا گیا ہے کہ ہر طرح کی توہم پرستی اور غیر معقول خوش اعتقادی صرف مشرقی اقوام ہی میں پائی جاتی ہے - باشندگان یورپ کے عقل و دماغ ان تمام امراض سے محفوظ ہیں ! لیکن واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۲۷ء کے یورپ میں بھی ہزاروں لاکھوں انسان ایسے موجود ہیں ، جن کی مدہنی توہم پرستیاں کسی طرح بھی مشرقی اقوام کی خوش اعتقادیوں سے کم نہیں ہیں !

یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوریا کے ایک کاشتکار خاندان کی لڑکی تھرسا نیومین نامی کی نسبت ہزاروں لاکھوں انسانوں کا اعتقاد ہے کہ وہ ایک مسیحی معجزہ کے اعلان کے لیے بھیجی گئی ہے - دزر دور سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں ، اور یقین کرتے ہیں کہ اس کی زیارت سے اس کا دامن چھو لینے سے ہر طرح کی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے !

یہ ”مسیحی معجزہ“ کیا ہے ؟

دہان کیا جاتا ہے کہ تھرسا تھرسا وقفہ کے بعد یہ لڑکی بے ہوش ہو جایا کرتی ہے - اور بے ہوشی کی حالت میں اس کے تمام جسم پر صلیب کے سے نشان پڑ جاتے ہیں - نیز پیر کے تلوڑ سے خون بھی جاری ہو جاتا ہے - جبہ ہوش میں واپس آتی ہے ، تو صلیبی نشان معدوم ہو جاتے ہیں ، اور خون کا بہنا بھی بند ہو جاتا ہے - اخبارات کا بیان ہے کہ نہ صرف علاقہ کے پادریوں نے بلکہ سرکاری افسروں نے بھی بے ہوشی کی حالت میں اس لڑکی کا معائنہ کیا ہے ، اور سب متفقہ طور پر تصدیق کرتے ہیں کہ صلیب کے نشان جسم پر نمایاں ہو جاتے ہیں - عجب نہیں یہ لڑکی ہستربا یعنی اختلاف الرحم کی کسی غیر معروف قسم میں مبتلا ہو -



بائیں جانب تھرسا ہے - دہنی جانب ایک راہبہ ہے جو آئے گرجا لے جا رہی ہے !

بالشویک روس کی عدالت

جو نو جاسوسوں کے قتل کا فیصلہ لکھ رہی ہے !



ابھی تھوڑا عرصہ ہوا، خبر آئی تھی کہ حکومت روس نے ۲۶ آدمیوں کو جاسوسی کے جرم پر گرفتار کیا ہے جن میں سے ۹ ملزموں کو قتل کی سزا دی گئی۔ یہ مرقع اسی مقدمہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ازگرفنگ لندن کے نامہ نگار نے مرسکو سے بھیجا ہے۔

اسکی نمائش کی گئی تھی۔ یہ مجسمہ کرہ کا ایک ڈھانچا ہے، جسکے اوپر ایک انسان بیٹھا ہوا ہے۔ کرہ سے مقصود تمام دنیا ہے، اور انسان سے مقصود ”سرمایہ داری“ کی طاقت ہے۔ کرہا سرمایہ داری نے تمام کرہ ارضی اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے !

روسی تبلیغ و اشاعت

حال میں! روسیوں نے ایک قومی میلہ کی تقریب پر ایک نہایت دلچسپ مجسمہ ”سرمایہ داری“ کا طیار کیا تھا جو ایک موٹر کار پر نصب تھا اور تمام قصبوں اور قریوں میں

”سرمایہ داری“ کی ہمہ گیر ریو عالم افگنی کی مجسمہ تمثیل !

لاسلکی عکاسی

یہ دو تصویریں ”لاسلکی عکاسی“ کے تجارب کا آخری تجربہ پیش کرتی ہیں۔ ”لاسلکی عکاسی“ سے مقصود وہ نیا انکشاف ہے جس کے ذریعہ دور دراز مقامات سے بغیر رویت و حضور کے تصویر لیلی جاسکتی ہے۔ امریکہ میں اس کا تجربہ نہایت تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ ستمبر کے اواخر میں متعدد تصویریں کامیابی کے ساتھ لی گئیں۔ تصویر نمبر ۱ ایک عورت کی تصویر ہے

(۱۱)

جو تصویر لینے کے مقام سے کئی میل کے فاصلہ پر تھی۔ تصویر نمبر ۲ بھی ایک ایسی ہی تصویر ہے لیکن اس میں نمبر ۱ سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔ یہ تجربہ جو پوری طرح کامیاب ہو جایگا، تو جس طرح ریڈیو مراکز کے ذریعہ دنیا کے ہر حصہ کی صدائیں سن لی جاسکتی ہیں، اسی طرح ہر منظر اور وجود کی تصویر بھی بہ آسانی کھینچ لی جائیگی !

اندھ کو دیکھنے گئے۔ برکے کے سامنے تکی ٹھکانے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا کہ ایک شخص اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس نے تکی ٹھکانے کی طرف لوٹ کر دیکھا تو دیکھا کہ ایک شخص اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس نے تکی ٹھکانے کی طرف لوٹ کر دیکھا تو دیکھا کہ ایک شخص اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

سلطان کا فرمان، شریف کو کہہ دیا کہ یہ لوگ (یعنی ہم) وطن ہیں۔ اندیشہ ہو جاگ جائیں گے۔ تو یہی سختی سے نگرانی کرنی چاہئے۔ یہ حکم پاتے ہی شریف نے کمرل کے دشمن دانوں کو بھی بند کرادیا اور ہمارے پردوں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں۔ مگر اب بیڑیاں کاٹ دیجیے۔ کیونکہ سیاری نے ہمارے پردوں کو بھی نہیں کھاندا۔ یہ پوچھنا بدانت کر سکیں۔

خوش قسمتی سے ایک شریف آدمی کی ہمدردی حاصل ہو گئی۔ یہ ہمارے خطوط کو کم پھانچا کرے گا۔ پچھلے خطوط جو تھیں، ان کے ذریعے بھیجے گئے تھے۔ جب میں نے اپنے رفیقوں کو اطلاع دی کہ میرے اور ان کے خطوط، منسلق مقبوضہ پر پہنچ گئے، تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کیونکہ ہر ایک کے بچے ہیں امدان کی ملاقات کی تھی۔ اگر ہم نے جرم کیا تھا تو اس خیال سے دل کو تسکین دے سکتے کہ یہ ہمارے جرم کی سزا ہو، لیکن ہم نے تو کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ پھر اس کے کہ سلطنت امدان کی اصلاح و ترقی چاہی ہو۔ اگر یہی جرم ہو، تو انہوں نے اس ملک پر جہاں اصلاح و ترقی جرم سمجھی جائے!

میرے رفقا، انتہائی غم الم میں ہیں۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے لیکن میری حالت ان سے بہتر ہو۔ میں اب ۶۰ برس سے مجاہد کر چکا ہوں۔ اس عمر کا آدمی کتنے برس اور جی سکتا ہے؟ ہمیں یا ہمارے گھر کے گزشتہ سال ہی سے میرا غم تھا کہ خلوت کی زندگی اختیار کر لوں۔ سفر آخرت کی طیاری میں باقی دن گزار دوں۔ معلوم ہوا کہ خدائے یہ اسی کا سلطان کو دیا ہے!

موت سے تباہی کہ ذہن کو تلاطم و فتن میں مشغول کر دے۔ مگر موت نہیں ہوتی تھی۔ اب الحمد للہ پوری صحت ملی گئی اور جس "قدیم اندہ تک" قرآن مجید از سر نو حفظ کر لیا ہے۔ میں نماز کی بھی پوری پابندی کرتا ہوں۔ شب و روز یاد خدا و خدا کی یاد میں رہتا ہوں۔ آیت "ما اصاب من مصیبة الا باذن اللہ" میں "ما اصاب من مصیبة" ہر لمحہ میرے پیش نظر رہتی ہے۔ مجھے اس سے بڑی ہی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اپنے رب پر متوکل ہو گیا ہوں۔ اپنے تئیں اس کے حوالے کر دیا ہے۔ تم بھی ایسی کرو۔ اس پر توکل کرو اور اس کے سپرد ہو جاؤ!

اگر مجھے کوئی شے ہو، تو وہ تمہاری اور بچوں کی جدائی کا ہو۔ خداوند جل و علا سے دعا ہے کہ ہم کو بھرپور کرے۔ میرے مصروفیات دانت ٹوٹ گئے۔ یہاں ان کی موت کے لئے ہلاکتی چیزیں کھانے میں اب مجھے ناقابل برداشت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں تباہی و تباہی کی تھی ابھی تک نہیں سمجھی۔ نیز لکھا تھا کہ تفسیر معنی تفسیر روح البیان، اور وہ نندہنگ کی فرانسیسی کتاب بھی جو جسے میں اکثر پڑھا کرتا تھا۔ یہ سب کتابیں، قلم کتابیں موجود ہیں۔ اگر بھیج سکو، تو روانگی میں دیر نہ کرنا۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ بچوں کی تعلیم پر پوری توجہ دینا کر رہی ہو۔ علی حیدر، دسمہ، صابوہ کو بہت بہت پیار کرو۔ دینیہ کو اور تمام ملازمین کو سلام۔ سترائیں دو صندوق، ساحل کپڑے کے منجر کے پاس چھوڑا۔ تھان میں میرے تھے ادھر افرانی سندیں ہیں۔ تاکید کر دی تھی کہ تھیں دے۔ معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہوا؟ اگر صندوق اب تک اسی خان کے پاس ہیں، تو مجھے لکھنا کہ اسے یاد دلاؤ!

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیت

محدث پاشا

شہید حریت و دستو

محدث پاشا کے وہ خطوط جو اس نے قیضہ طائف کے پسر عزیزوں کے نام بھیجے تھے

(۱)

آج بچوں کی تصویریں نہیں۔ میں نے تمہارے خطوں کے جواباً بھیجے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہیں لے۔ کیونکہ تم نے ان کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

سزا سے مجھے استاء ہونے لگے۔ وہاں تصریح میں مجھ کو محمود پاشا اور نور پاشا کو ملکہ ملکہ مجروح میں قید کر دیا۔ مجھے کہا گیا کہ حقیقتات سے ثابت ہو گیا ہے سلطان عبدالعزیز نے خود کئی نہیں کی ہے۔ بلکہ سلطان مراد اور ان کی والدہ کے اشارے سے مجھ کو پاشا اور نور پاشا نے انہیں قتل کر لیا ہے۔ اور یہ کہ خود میں خیر احمد آفریدی، اور شہداء پاشا بھی اس قاتلانہ سازش میں شریک ہیں۔ پھر کہا گیا کہ مصطفیٰ پہلوان، حاجی محمد مصطفیٰ جزاری، سلطان علیخاں کے قتل کے قاتل ہیں۔

ملا کہ یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ یہ قتل شخص، عبدالعزیز کی وفات کے وقت نظر بند تھے۔ اگر بغرض محال عبدالعزیز کو کسی نے قتل ہی کیا ہو تو کسی حال میں بھی میرے بارشہادی پاشا کے خلاف شہ کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ سلطان کی وفات کے وقت ان کی اولاد میں سو بیویاں اور کئی بیویاں میں موجود تھیں۔ تاریخ میں گزر گئے، مگر آج تک انہوں نے مجھے اشارہ کیا ہے کہ میں نے انہیں قتل کئے گئے ہیں۔

میں نے محل شاہی میں نام نہاد عدالت کے سامنے پوری تفصیل سے تمام واقعات بیان کئے۔ تمام جہوں کو مجبوراً تسلیم کر لینا پڑا کہ واقعی کوئی شہادت قتل کا موجود نہیں، بلکہ یہ سراسر بہتان ہے۔ مگر چونکہ سلطان عبدالحمید خطرناک لوگوں سے چھٹکارا حاصل کرنے پر کمر بستہ تھے۔ اس لئے عدالت نے ۱۱ آدمیوں کو زبردستی مجرم قرار دے کر بے رحمانہ سزائیں دے دیں۔ عدالت کے بعض ایذا دار ارکان نے آخر وقت تک اس فیصلہ میں شرکت سے انکار کیا۔ سلطان نے ان کی ایما ندادی کی بھی پوری قدر دانی کی اور ہماری طرح وہ بھی قید خانے میں بھیجے گئے!

سلطان سے میری کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ بعض مصاحب میرے دین سے میرے پاس سلطانی پیغام لے کر آئے تھے اور اطمینان

دے جاتے تھے۔ ایک دن یہ پیغام پہنچا کہ سلطان کو میری اس مصیبت کا نہایت قلق ہے۔ میری جلا وطنی پر وہ انتہائی افسوس کے ساتھ مجھ کو ہونے لگے ہیں۔ لیکن یہی ہمدردی سے مجھے اجازت دی ہے کہ اپنا خاندان اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں! یہ نیز مجھے اذن شاہی حاصل ہوا کہ اپنے عزیزوں کو اگر چاہوں، خط لکھ دوں۔ میں نے خطوط لکھ کر دے دیے، مگر افسوس ہے کہ وہم لوگوں تک نہیں پہنچائے گئے۔

مجھے یقین تھا کہ وہ اس باخفا کو جلا وطن ہونا چاہوں۔ میرے خادم عارف کو افسوس نے جہاز کے ایک کمرے میں قید کر دیا۔ میرے پاس پہنچنے کا ایک کپڑا بھی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ رات کا لباس بھی موجود نہ تھا۔ جو کپڑے میرے بدن پر تھے، وہی پہنے رہا۔ اتفاق سے ایک دن میں نے خادم کو دیکھ لیا۔ اس کے پاس میرے رات کے پہنے کا کرتا موجود تھا۔ وہ میں نے پہن لیا اور بدن کے کپڑے آئندہ خود اپنے ہاتھ سے دوپٹے اور اس وقت تک کمرے میں چھپا بیٹھا رہا جب تک کپڑے سوکھ نہ گئے۔ اب دنیا سے مجھے نفرت ہو گئی ہے اور چاہتا ہوں جلد اپنے پردہ نگار کے سامنے پہنچ جاؤں!

ہم قلم و نقل کے مصیبت جہاز و خزانہ پر سوار کرنے گئے۔ کچھ نہیں معلوم تھا کہ اس جہاز میں؟ محمود پاشا کو ایک نہایت غلط کمرے میں رکھا گیا۔ نور پاشا اور میں بھی ایسے ہی کمرے میں آکر گئے۔ پھر دروازوں پر قفل چڑھا دیے گئے۔

ہم جلد پہنچے۔ سحر آخر کی گرمی بہت ہی سخت ہوتی ہے۔ ہماری تندرستی کو بہت نقصان پہنچا۔ ہمارے کمرے پانچواں کمرے کے قریب بدبو سے داغ پھلتا تھا۔ نور پاشا اور مجاہد میں بالکل ہونٹے تھے۔ اب تک ان کا دماغ درست نہیں ہوا۔

جدہ پہنچے ہی ہم مجھ کے کٹافٹ میں قید ہوئے۔ مگر ہم باہر کوئی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ہر ایک کے ساتھ آٹھ آٹھ مسلح سپاہی تھے اور بولنے کی سخت ممانعت تھی۔ ہم سے از حد ذلت کا برتاؤ کیا گیا۔ کشتاں کشتاں کہہ مٹھ رہے تھے۔ اور حرم شریف کے قریب بعض کمرے میں قید کر دیے گئے۔ یہاں خاص مسجد کعبہ میں موجود تھے۔ مگر ایک مرتبہ بھی ہمیں زیارت کی اجازت نہیں ملی تھی!

ہم طائف پہنچے اور قلعہ کے قید خانہ میں ملکہ ملکہ کوٹھروں کے

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے
ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۱)

(ہندوستان کا رقبہ)

ملک	رقبہ ایکڑ کے حساب سے
ہندوستان	۱'۱۹'۲۹'۱۹'۰۰۰
برطانوی ہندوستان	۶۲'۰۷'۲۵'۰۰۰
یورپ	۲'۴۰'۰۰'۰۰'۰۰۰
جزائر برطانیہ	۷'۷۱'۵۲'۰۰۰
ولايات متحدہ امریکا	۱'۹۰'۳۲'۴۹'۰۰۰
اسٹریلیا	۱'۹۰'۳۴'۴۱'۰۰۰
کینڈا	۲'۳۹'۷۰'۸۲'۰۰۰
جرمنی	۱۳'۳۵'۹۴'۰۰۰
فرانس	۱۳'۰۸'۵۴'۰۰۰
چین	۲'۵۰'۴۷'۲۸'۰۰۰
جاپان	۱۴'۴۸'۷۲'۰۰۰

ہندوستان، جرمن شہنشاہی سے ۷ - گنا زیادہ بڑا ہے -
ہندوستان، جاپانی سلطنت سے ۱۱ - گنا زیادہ بڑا ہے -
ہندوستان، جزائر برطانیہ سے ۱۵ - گنا زیادہ بڑا ہے -
ہندوستان، بر اعظم یورپ کے برابر ہے - باسٹنڈا روس -
ہندوستان میں ۷۷۷ دیسی ریاستیں ہیں -

برطانوی ہندوستان، ۱۴ صوبوں پر منقسم ہے - ہر صوبہ، ضلعوں
پر منقسم ہے - ہر ضلع، تعلقوں یا تحصیلوں پر منقسم ہے - ہر
تعلقہ، تہانوں پر منقسم ہے - ہر ضلع کا اوسط رقبہ ۴۵۰۰ مربع
میل ہے -

ہندوستان کی دس میں نو حصہ آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے -
ہندوستان میں ۷ لاکھ دیہات ہیں - اس کے معنی یہ ہے کہ اگر
کوئی آدمی ہر قریہ میں صرف ایک دن ٹہرے، تو پورے ہندوستان
کے دورے کے لیے ۱۹۲۷ سال درکار ہونگے -

ہندوستان میں ایک لاکھ سے زیادہ آبادی رکھنے والے ۳۱
شہر ہیں -

(ہندوستان کی آبادی)

ملک	کل دنیا
ہندوستان	۱'۱۹'۲۹'۱۹'۰۰۰
برطانیہ	۳۱'۹۳'۶۱'۰۰۰
جزائر برطانیہ	۲۴'۷۰'۰۰'۰۰۰
جاپان	۴'۲۹'۱۹'۷۰۰
جرمنی	۶'۱۰'۸۱'۹۵۴
فرانس	۵'۱۸'۷۰'۷۲۲
ایٹلی	۳'۹۲'۰۹'۵۱۸
سویڈن	۴'۲۱'۱۵'۶۰۶
چین	۱۳'۳۰'۰۰'۴۱۳
ولايات متحدہ امریکہ	۴۳'۶۰'۹۴'۹۵۳
	۱۱'۲۷'۸۶'۰۰۰

ہندوستان کی آبادی، دنیا کی مجموعی آبادی کا پانچواں
حصہ ہے -

ہندوستان کی آبادی، ولایات متحدہ کی آبادی سے ۳ گنی
زیادہ ہے -

ہندوستان کی آبادی فرانس کی آبادی سے ۸ گنا زیادہ ہے -

صرف مدراس اور میسور کی آبادی، جاپان کے برابر ہے -

صرف بمبئی کی آبادی، اسپین اور پرتگال کی مجموعی آبادی
سے زیادہ ہے -

ہندوستان میں ہر مربع میل کی اوسط آبادی ۱۷۷ ہے -

اگر ہر منٹ میں ۲۵ آدمی ہر نظر ڈالی جائے، تو پورے
ہندوستان کی آبادی دیکھنے کے لیے ۳۰ برس کا زمانہ درکار
ہوگا!

(دنیا کی آبادی رنگ کے اعتبار سے)

(کل دنیا کی آبادی : ۱'۶۹'۶۵'۰۸'۰۰۰)

سفید فام	۹۳'۶۰'۰۰'۰۰۰
زرد فام	۵۱'۷۴'۸۸'۰۰۰
سیاہ فام	۲۴'۳۰'۶۰'۰۰۰

(سفید فام)

ہندوستانی	۲۴'۵۰'۰۰'۰۰۰
تیوٹانک	۲۶'۶۷'۰۰'۰۰۰
سلاوی	۱۷'۶۰'۰۰'۰۰۰
لاطینی	۱۷'۲۰'۵۰'۰۰۰
ہونانی	۹۵'۰۰'۰۰۰
باسکس	۴'۰۰'۰۰۰
افغان	۷۵'۰۰'۰۰۰
ایرانی	۶'۰۰'۰۰'۰۰۰
عرب اور بربر	۲'۴۰'۰۰'۰۰۰
بہردی	۱'۵۰'۰۰'۰۰۰
فبطی	۸'۵۰'۰۰۰
دیگر اقوام	۹۰'۰۰'۰۰۰

(زرد فام)

چینی	۳۲'۳۰'۰۰'۰۰۰
جاپانی	۵'۶۵'۰۰'۰۰۰
کوزین	۱'۷۰'۰۰'۰۰۰
ترک	۱'۲۰'۰۰'۰۰۰
امریکن دیسی، اہل - لایا، اور فلپیائین	۴'۰۰'۰۰'۰۰۰
منگولی	۳۰'۰۰'۰۰۰
کرغیز وغیرہ	۱'۵۰'۰۰'۰۰۰
ملاکٹر	۹۵'۰۰'۰۰۰
فنس	۳۵'۰۰'۰۰۰
اسکیمز اور سائیبیرین	۱۰'۰۰'۰۵'۰۰۰
سیامی	۸۵'۰۰'۰۰۰
برمی	۷۸'۹۰'۰۰۰
تبتی	۶۵'۰۰'۰۰۰

گیا ہوں۔ اخبارات کو پھر شائع کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ تعجب یہ کہ کونٹا کے اخبار سلطان مسک کو گراہیں میں دلی دیا گیا اور اسے بدنامی ملنا کے اخباروں سے دریافت کیا۔ اس سے پہلے یہ افواہ شائع کی گئی تھی کہ میں مجبور ہو گیا ہوں۔ معلوم نہیں اس کذب و دروغ سے حکومت کیا فائدہ حاصل ہوتا ہو؟

طائف۔ ۳۳ صفر ۱۳۸۵ھ

(۷)

اپنے مرشد سلیمان آقندی کے نام۔

... بہشت میں بھی تھا کہ ہم اپنے اہل خیال ابدال و متاع سے جیتے جی دور اور اپنی آزادی سے محروم ہو جائیں۔ ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں، اس کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ صرت ذات الٰہی باقی ہے۔ کوئی خلق بھی دائمی زندگی نہیں پائے گی۔ سب کے کو زوال و ہزوری ہو۔

لا یغرن امر آمیشہ کل جی صائر لالہ مال! یہ چند روزہ زندگی، ایک کھیل ہے۔ بلکہ ایک پل ہے جس پر سوار انسان گزر جاتا ہے۔ زندگی کی حوصلہ، لا حاصل ہے۔ ان مصائب پر اللہ تعالیٰ بندوں کا ثواب زیادہ کر دیتا ہے۔ ہمارے لئے انبیاء و اولیاء کا اسوہ حسنہ موجود ہے۔ ان میں اکثر قیدیوں ہی میں مرے۔ امام ابو حنیفہ امام موسیٰ کاظم کی مثال ہر وقت میرے پیش نظر رہتی ہے۔ میری حالت اس وقت یہ ہے کہ ہر لمحہ یہ مقولہ زبان پر رہتا ہے۔ "کن فی الدنیا کما کن فی ربہ" (دنیا میں اس طرح رہو گویا پروردگار میں) زندگی کے آخری مرحلے تک پہنچ چکا ہوں۔ عمر ۶۰ سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اب مجھے ہر لمحہ حیات غنیمت سمجھنا چاہئے اور آخرت کی طیاری کرنی چاہئے۔ میرے پاس بعض کتابیں موجود ہیں۔ ان میں آپ کا مجموعہ رسالہ بھی ہے۔ اس کتاب سے مجھے عبادت الٰہی میں بہت مدد ملتی ہے لیکن انسان تنہا اپنی رائے سے ہر قسم کی ریاضت نہیں کر سکتا۔ لہذا اے شیخ جلیل! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری اس دستہ کی طرف رہنمائی کیجئے جو خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ میں یہاں دوست بھی آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوں۔ کیونکہ معنوی علاقہ جہانی اتصال کا محتاج نہیں۔ آپ مجھے تحریر کے ذریعہ ہدایت کیجئے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو خود شریف لائے اور زبانی رہنمائی کیجئے۔ میں بے صبری سے آپ کی تحریر یا زبانی جواب کا منتظر رہوں گا۔

قید خانہ طائف۔ ۱۹ شوال ۱۳۸۵ھ

(۸)

بقیہ اہل علم

... اگر شہادہ ایک خط "سیدک" کے فرضی دستخط سے بھیج چکا ہو اس کے ایک ہفتہ بعد، دو چھوٹے پتلے آئے۔ ایک پتھر میں، دوسرا پہلو میں۔ یہاں صرت ایک ڈاکٹر اور وہ بھی نوبت ہے۔ دوستوں کو میری بیماری سے سخت تشویش ہوئی۔ انھوں نے میری لاعلمی میں دالی کہ کو تجربہ کا طبیب بھیجے کے لئے لکھا۔ مگر دالی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں صاحب فرائض تھا اور قصر سلطانی سے برابر احکام آ رہے تھے کہ مجھے اور میرے رفقاء کو قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ ہمارا خاص کھانا موقوف کر دیا اور ہمارے نوکر بھی غلو کر دیئے گئے۔ میں بستر پر پڑا تھا کہ ایک انصر نے آکر حکم پہنچایا "میں نے بھی کھانا لے گا جو دوسرے تمام قیدیوں کو دیا جائے گا۔ لہذا اب اسے کوئی چیز نہ خریدو۔ کھانے خاص برتن بھی لے لئے گئے۔ قید خانہ کے برتنوں میں کھانا دینا کپڑے بھی اپنے ہاتھ سے دینا پڑے۔ پھر اسے ہم سے کاغذ، قلم، ادوات وغیرہ بھیجے پڑے۔ تمام سلان بھی لے لیا اور چلا گیا۔ اللہ رحمہ سے ہے کہ قید خانے میں تمام خطوط پہلے ہی سے جلا دیئے تھے۔

ابھی ایک اور ہمارے لئے لایا جاتا۔ خیر اللہ آقندی کی بری اور بد برس کی عمر کا بچہ قلعہ کے قریب ایک مکان میں تھے۔ انھیں بھی بھال دیا گیا۔ اس وقت یہ لوگ کمزور تھے۔

اس سختی سے حکومت کی غرض یہ تھی کہ ہم جلد سے جلد مر جائیں کیونکہ ہم لوگ اچھے کھاؤں کے عادی ہیں۔ قیدیوں کا کھانا کھانگہ مزدور ہالک ہو جائیں گے۔ صرت اسی قدر نہیں بلکہ ہمیں ہر ممکن تکلیف بھی دی جا رہی ہے کیونکہ حکومت کو شبہ ہے کہ یہ لوگ قیدیوں کا کھانا کھانے پر بھی زیادہ دہن زدہ رہیں گے۔ جب تک میرے رفقاء نے یہ حکم سنا ہے، ہماریت پریشان ہیں اور شب و روز اللہ تعالیٰ سے دعا میں گزار رہے ہیں۔

اس ملک بیماری میں مجھے آلام کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ مگر میرے خادم کو بھی لے گئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ طبیب کی آمدت بھی روک دی۔ اس سے بھی بڑھ کر اس کی گستاخانہ گفتگوں نے مجھ کو آدھ دی۔ میری بیماری بہت زیادہ ہو گئی۔ موت کا قطعی یقین تھا۔ دینا سے سفر مجھے از حد خوشی تھی۔ لیکن انیسویں، موت بہشت میں تھی۔ زندگی کا معاملہ، صرت خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ میری طلب پر بھی موت نہ آئی۔ میرے رفقاء نے ایک مہم خود بنا کر مجھ کو دل پر لگا دیا تھا۔ وہ اس کو پھوٹ گئے۔ ۵۰ دن میں زخم بھر گئے۔ اب میں پھر زندہ ہو گیا ہوں۔

انصر نے میرے خادم کو جہد بھیج دیا تھا کہ آتا ہے ہونا دیا جائے مگر قصر شاہی سے حکم آیا کہ اسے وطن آئے نہ دیا جائے، بلکہ قید کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ غریب بھی تھیں۔ اس حادثہ سے مجھے بہت رنج پہونچا۔ میں خوش تھا کہ مسکین کو اب مصیبت سے نجات ملی مگر میری خوشی، صرت چند روزہ تھی۔ اب مجھے اپنی مصیبت کے ساتھ اس کی مصیبت پر بھی غم کھانا ہے۔

روپیہ، کپڑے، مالکات، کوئی چیز بھی نہ بھیجا کیونکہ مجھے کچھ بھی پہنچ نہیں سکتا۔ اور اگر پہنچے بھی، تو بے کار ہے۔ روپیہ اس لئے بیکار ہے کہ ہم کوئی چیز خرید نہیں سکتے۔ کپڑے اس لئے بیکار ہیں کہ کپڑے ڈھولانے کی ہیں اجازت نہیں۔ خود اپنے ہاتھوں سے دھو کر پہنا ہیں۔ اس حالت میں پڑنے اور کپڑے کیساں ہیں۔ لہذا کوئی چیز بھی نہ بھیجو۔

ہمارے لئے جو کھانا مقرر ہوا ہے وہ صرت شوربا ہے۔ ایک وزن میں ۸ آدمیوں کے لئے شوربا آتا ہے اور ہرگز کافی نہیں ہوتا۔ شام کو مولیٰ کے پتوں کا شوربا ہوتا ہے۔ ہم لوگ یہ کھانا بالکل کھا نہیں سکتے۔ بھوکوں مر رہے ہیں۔ بہت ناخواندہ ہو گئے ہیں۔ ہر لمحہ موت کا انتظار ہے۔ دیکھا چاہئے ہم میں کون پہلے قبر میں جاتا ہے؟ بچوں کو پیار۔ سب کو سلام

۸ جمادی الآخر ۱۳۸۵ھ

(۹)

فیہ اہم اور فرزند عزیز علی حید کے نام "یہ غالباً میرا آخری خط ہے۔ کیونکہ ہمارا کھانا بند ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ میں جاری ہیں، جیسا کہ پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ اب وہ ہیں ہر دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ کئی مرتبہ بھی چکے ہیں لیکن میرے خادم عادت (جواب میرے ہی ساتھ قیدی) کی دفا داری اور بے داری کی وجہ سے اب تک انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔ ایک دن عادت نے ایک انصر کے ذریعہ وعدہ فرمایا۔ انصر نے اس میں زہر ملا دیا تھا۔ عادت پہچان گیا اور وعدہ پھینک دیا۔ ۱۰ دن بعد عادت نے گوشت خرید کر میرے لئے پکایا۔ مگر اسے کھاتے ہی اس میں ہر ڈال دیا گیا۔ چند دن بعد ہمارے پانی کی مرگ میں زہر

ملا دیا گیا۔ ہمارے محافظ کرا آقندی چرکی نے اعتراف کر لیا کہ قصر شاہی سے روز تائیدی حکم آئے ہیں کہ ہمیں فوراً مار ڈالا جائے۔ چنانچہ عثمان پاشا دالی کے حکم پر چرکی کو کہہ منکر سے خاص ہی غرض سے یہاں بھیج دیا ہے اور وہ قتل کی تیاریوں میں لگا ہوا ہے۔ ظہر ہے ہم ان تمام قوتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ موت بھی ہے۔ شاید اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی انھیں میری موت کی خبر پہنچے۔ لیکن تم رنجیدہ نہ ہونا۔ کیونکہ مجھے امید ہے کہ موت، میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہوگی۔ میں اپنے وطن ادرات کی راہ میں مرد ہو چکا ہوں۔ میری وصیت یہ ہے کہ حکومت کو شش کرے گی انھیں آستانہ دے جائے اور کھانا وظیفہ مقرر کرے۔ مگر تم اسے منظور نہ کرنا۔ اپنے گھر ہی میں رہنا۔ میری بہن صدیقہ ہاں کو اپنے ساتھ رکھنا اور ترکہ میں سے انھیں بھی حصہ دینا۔ میں نے تمہیں خدا کے سپرد کیا۔

ارحبی علیہ السلام

آخری خط

شہادت سے ایک دن پہلے لکھا گیا

علی و معنی آقندی کے نام

میں انھیں پہلے بھی خط لکھ چکا ہوں۔ اپنی سوانح عمری کا ایک جزو ختم کر کے انھیں بھیج چکا ہوں۔ پڑھنے کے بعد سزا بھیج دینا۔ ان زندگی کی کوئی امید باقی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ زہر دینے میں کامیاب رہے۔ اب کوئی دوسری تدبیر کرنا چاہئے۔ میں ہر لمحہ خداوند تعالیٰ سے مغفرت کی دعا میں کرتا رہتا ہوں۔ اگر میں مر جاؤں تو فقراء و یتیم پوٹ خیرات کر دینا جو مجھے پاس امانت ہیں۔ اگر اس میں زیادہ خرچ کرنا تو سزا سے روپیہ طلب کر لیتا۔ فوراً آجائے گا۔ مجھے مرشد شیخ سلیمان کی دست بوسی کرو اور میرے حق میں دھوکا دھنا کرو۔ درویش صلاح الدین پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ اس کی طبیعت کا حال معلوم ہے۔ بلا ضرورت مجھے نہ لکھنا۔ آئندہ شاید میں بھی کچھ لکھ نہیں سکوں گا۔ کیونکہ حالت بہت خطرناک ہو گئی ہے۔ والسلام

السلان کے ابتدائی نمبر

السلان سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر یعنی نمبر

۱۔ ۵۔ تک

بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دو گنی

قیمت پر

خریدنے کے لئے طیار ہیں۔ دفتر کو مطلع

دیجائے

منیر

عمر پاشا علی الاعلان کہتے دیکھیں کہ اُنکے آنے کی غرض ہم قیدیوں کو نہر سے کٹ کر ہٹا دیا۔ صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی وہ ایسے ثابت کرتے رہے ہیں۔ اُنہوں نے کھلے بندھوں نوکروں کو مشورہ دیا کہ اپنے آقاؤں کو دن دہائے مار دلائیں۔ نوکروں نے ایسا نہیں کیا تو انہیں قید کر دیا گیا اور سخت تکلیفیں دی گئیں۔

اجانب کو اگر یہ شرمناک حالات معلوم ہو گئے ہیں تو یہ کھجی نہیں ہو۔ انگریزی قوتوں کو قیام کا کام ہی یہ ہو کہ جس معلوم کر کے اپنی حکومت کو مطلع کرتے رہیں۔ باہر پارا کوئی ایسا متہذیبہ موجود نہیں جس پر اس طرح کے معاملات میں بھروسہ کر سکیں۔ پھر کیسے یقین کیا جاسکتا ہو کہ ہم نے انگریزی قوتوں کو اطلاع پہنچائی ہوگی؟ ہمارے نوکر بھی آزاد نہیں ہیں کہ اوپر اُدھر جاسکیں۔ وہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قلعہ سے نکلتے ہیں تاکہ ضروری اشیاء بازار سے خرید لیں اور اسوقت بھی مسلح افروں کی حراست میں رہتے ہیں۔

نہیں معلوم تھا کہ ضرورت سے یہ کیونکر گوارا کیا کہ ہمیں ملاقات کرو۔ ہمارے خیال میں ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اپنی آزادی اولاد، احباب، مال و متاع سب سے جیتے جی محروم کر دیئے گئے ہیں، اور ایک نقص میں جان و مال کی طرح مجبور ہیں۔ وہ اپنے عزیزوں کی محنت بھی معلوم نہیں کر سکتے؟ یقیناً یہ ایسا برتاؤ ہو جسے دنیا کا کوئی قانون کوئی شریعت، کوئی انصاف پسند انسان جائز قرار نہیں دے سکتا۔

اگر یہ سچی بات ترائے سے مقصد یہ ہو کہ ہماری عزیزوں کو خط و کتابت بھی موقوف کر دی جائے تو وہ ہماری اس قید کی وجہ سے پہلے ہی سخت بدبختی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ مرے کو مارنا کہاں کا انصاف ہو؟

تم نے اپنے خط میں لکھا کہ سترائیں میں نے فرانسیسی قوتوں سے پناہ چاہی تھی۔ یہ حقیقت سے بھاری بھالت کی دلیل ہو۔ میں صوبہ سترائے جیسے ایک بڑے صوبے کا حاکم تھا۔ اجانک ایک رات میرے گھر کا نوچوں نے محاصرہ کر لیا۔ مجھ کو قید کر کے پہلو میں اپنی عورتوں اور بچوں کا گریہ دیکھا اپنے کاؤں سے سنتا تھا، مگر انہیں اتنی تک نہیں دے سکتا تھا۔ اسوقت میرے دل کی کیا حالت ہوگی؟ اس کا جواب میں خود ہمارے خبردار چاہتا ہوں اگر تم مجھے اس لئے ملامت کرتے ہو کہ حکومت کی حرکتوں کو حق بجانب قرار دو، تو یہ کوشش بے فائدہ ہو۔ میں دومرتبہ وزیر اعظم رہ چکا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود بھی مجھے یہ ذلت آمیز برتاؤ کیا گیا اور بغیر کسی جرم کے قید میں ڈال دیا گیا۔

تم نے لکھا کہ تم ایسی باتوں کی اجازت سے نہیں سکتے اور اب تم ہماری زبانیں بند کر دو گے۔ ہماری زبانیں اب بھی بند ہیں۔ معمولی افروں اور سپاہیوں کی ہر حکومت ہو۔ ہم زبان بول سکتے تھے۔ تم اس وقت اختیار رکھتے ہو۔ ہم بے اختیار ہیں۔ جو تمہارے دل میں آئے شوق سے کہہ رہے ہیں اعتراض کا بھی حق نہیں ہو تم ہمیں "مجموعہ" کہتے ہو۔ ہم اس پر بھی اعتراض نہیں ہو سکتے۔ لیکن انہیں گتھو یا دلاتا ہوں جو تم نے دارالحکومت میں مجھ سے کی تھی تم نے انسائٹ، مروت، شرافت کا ذکر کیا تھا۔ کیا یہ موجود برتاؤ ان صفات کے مطابق ہو؟

قید خانہ طائف، صفر ۱۳۶۷ھ

(۶)

فیہ آئم کے نام
... پچھلے دنوں مشورہ کر دیا گیا کہ میں ہندوستان یا قریب بھارت

اس غرض سے بھیجا گیا ہو کہ اگر ہماری ایذا رسانی میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو تیزی کرے۔ اس شخص کی عمر زیادہ ہو، مگر عقل کم ہو۔ اس کے افعال ایسے ہیں جو کسی شریف الطبع آدمی کے نہیں ہو سکتے۔ یہ ہماری جان لینے پر تیار ہوا ہو، کیونکہ شاید اسے یہی حکم ملا ہو یا فرد مقتولیت اس نے دیکھ کر حاصل کرنی چاہتا ہو۔ اس کا خیال ہو کہ بھوکا رکھو سے ہم جلد نہیں مریں گے بلکہ ہماری زندگی بڑھ جائے گی۔ لہذا کوئی ایسی تدبیر نکالنی چاہتا ہو جس سے میری، محمود پاشا کی، اور خیر الدین قندھاری کی زندگی جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ وہ نوکروں سے کہتا ہو "تم ضرور وطن واپس جانے کے لئے بے قرار ہو گے۔ لیکن جب تک یہ تمہارے آقا زندہ ہیں، تم واپس نہیں جاسکتے۔ ان کے قتل میں میری مدد کرو تاکہ آزادی حاصل کر سکو" چنانچہ اس نے نواری پاشا کے خادم بکر آغا کو بلا کر کہا "تم نوکروں کی قید آسے دقت ختم ہوگی جب یہ لوگ مریں گے۔ نواری پاشا تو مجھوں ہیں۔ کئی دفعہ مرے کی گھر کی سے بھانڈا بھی جاتا۔ تم ان کی اس میں مدد کیوں نہیں کرتے؟ مجھ سے ریتی لو اور گھر کی کی سلاح ریت ڈالو۔ تاکہ نواری پاشا بھانڈا مارا ہو جائیں"

غرض کہ اس نے تمام نوکروں کو گھر سے نکال کر دیا ہو۔ نوکروں نے اس کی سازش میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اس پر انہیں سخت تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ یہ خبر سن کر ہم سخت پریشان ہیں ہمیں نہر دینے کی پوری کوشش کی جا رہی ہو۔ ایک طرف دنیادی منفعت حاصل کرنے کے لئے یہ شخص ہیں مارنا چاہتا ہو، دوسری طرف اخروی ثواب کے لئے حج کرنے بھی گیا ہو۔ یہ سمجھتا ہو اس طرح اپنا اور دنیا، دونوں اسے حاصل ہو جائیں گے!

ہم ڈیڑھ برس سے یہاں ہیں مگر آج تک قلعہ کا پچا ملک تک نہ سکے۔ عزیز ترین لوگوں سے بھی ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔ ہمارے پاس ایک اچھوتی بادیچی تھا۔ ڈارڈ ہسکار اسے بھی رخصت کر دیا گیا یہ حالات دیکھ کر ہمیں انہیں ہوتا ہو کہ ہمیں جلد اس دنیائے کرب کرنا ہوگا۔

اگر ہمارے متعلق اور اس طرح نقص میں بند رکھنے سے مقصد یہ ہو کہ قہر شاہی کی سازش پر پردہ ڈالا جائے، تو یہ کوشش بے سود ہو۔ یوں پھر میں اصلی حقیقت مشہور ہو چکی ہو۔ اخبارات کے صفحوں پر آچکی ہو۔ لیکن اگر ہمیں تکلیف دے کہ سلطان اور ان کے صاحب خوش ہوتے ہیں تو ہمارے لئے اس کے ہوا کوئی چارہ نہیں کہ احکام الحاکمین سے فریاد کریں اور دعا مانگیں کہ وہ اپنا فیصلہ جلد صادر کرے۔ اگر انہیں کوئی مصنف مزاح بے توہاری ناقابل بیان مصیبت کی یہ داستان سنا دینا۔

قید خانہ طائف ۵ محرم ۱۳۶۷ھ

(۵)

والی حجاز عثمان پاشا کے نام
"آپنے رسالہ دار محمد کے نام جو خط لکھا ہو، اس میں شکایت کی ہو کہ میں نے عمر پاشا کے افعال کی اطلاع انگریزی قوتوں کو دے دی ہو۔ حالانکہ میں نے تو قیام نہ کر کو ہرگز کوئی خط نہیں لکھا۔ بلکہ اس قسم کا کبھی دیکھ ہی نہیں ہوا کہ اسے اطلاع بھیجوں۔

عمر پاشا کی حرکتیں ایسی نہیں ہیں کہ زیادہ دنوں تک بھی انہیں طاقت اور کم میں کچھ بچہ ان سے واقف ہو۔ اگر انگریزی قوتوں کو علم ہوا ہو تو تاجروں اور علم باشندوں کے ذریعہ ہوا ہوگا۔ لیکن آپ نے دوسرے خط میں پھر مجھے اس معاملہ میں ملامت کی ہو۔ بظاہر آپ کو یقین ہو کہ اس میں میرا ہاتھ ضرور ہو۔ لہذا یہ مجھ پر ہو گیا ہوں کہ حقیقت ظاہر کر دوں۔

(۲)

دعوتان کے بعد کوئی خط نہیں ملا۔ ہمارے ادھر بچوں کے حالات نہ معلوم ہونے سے سخت قلق اور ملال ہو۔ تم نے ضرور روپیہ اور کھانے کی چیزیں بھیجی ہوں گی۔ مگر مجھے کچھ نہیں پہنچا مجھے روپیہ کی از حد ضرورت ہو۔ کیونکہ پچھلے سال جو ہم لوٹے بیٹھے تھے، اور جو رقم، متعلقہ سے آئی تھی، ایسا میں سے کچھ بھی باقی نہیں ہو۔ وجہ یہ ہو کہ پہلے حکومت نے ہمارے کھانے پینے کا ذمہ خود لے رکھا تھا مگر اب وہ کسی کو کچھ نہیں دیتی۔ ہمیں اپنی روٹی خریدنا پڑتی ہو۔ ہمارے ساتھ بعض ایسے قیدی بھی ہیں جن کے پاس ایک پیسہ نہیں۔ میرا محمد پاشا ان کی کفالت کر رہے ہیں۔ انہیں کپڑے بھی بنائے ہیں ہمیں قید خانے کے نوکروں کا بھی خیال کرنا پڑتا ہو۔ یہ لوگ محض ہماری وجہ سے یہاں رکھے گئے ہیں۔ ان حالات کی بنا پر ہمیں یہ سخت ضرورت ہو۔

ہمارے رفقا میں فرج کے بعض بڑے بڑے افسر بھی ہیں انہوں نے ہم سے کچھ روپیہ قرض لے کر کپڑا خریدا ہو۔ پچھلے خود اپنے ہاتھ سے سیسے ہیں۔ ان کی مصیبت اسی پر ختم نہیں ہو جاتی انکے لئے ایک خشک روٹی کا بھی انتظام نہیں کیا گیا ہو۔ بعض مجبوراً روزہ رکھتے ہیں۔ ہم پر فرض ہو کہ ان کی ضروریات زندگی کا حتی الوسعی حل رکھیں۔ ہر ملک میں دولت مند، غریبوں کی دست گیری کرتے ہیں لیکن یہاں ان مسکینوں کے لئے اس قسم کا کوئی موقعہ موجود نہیں ہو۔ انسانیت کا تقاضہ ہو کہ ہم ہی ان کی جڑیں۔ لہذا فوراً ہم پچاس روپے حکومت کے توسط سے بھیج دو۔ اگر فوراً روپیہ نہ آیا تو میں اپنا پانی کا پوتن اور گھڑی بیچنے پر مجبور ہوا جاؤں گا۔ اس صورت میں لوگ بہت قحط و قحط کوٹھکے اور ہمارے ذہن کو تشویش ہوگی۔

بچوں کو بہت بہت پیار

دعوت

قلعہ طائف کا قید خانہ

۲۵ رگس ۱۳۶۷ھ

(۳)

... برسوں یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ شریف کے (اعلام) طلب عیب عادت آجکل طائف میں موجود تھے۔ سنگل کی رات کو وہ آٹھ گھر میں ملحق سو رہے تھے کہ اجانک اُدھی رات کو تین فوجوں نے اگر ان کا محل گھیر لیا۔ فوج کے ساتھ ہم تو ہیں بھی نہیں۔ صبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ شریف اپنے رات کے کپڑوں میں ہمارے قید خانے میں قیدی بنے چلے آ رہے ہیں۔

کہ لکھا ہو شریف کا جرم یہ ہو کہ اُس نے انگریزوں سے سازش کرنی چاہی تھی۔ کہتے شخص نے ہم محض سلطان کے خوش کرنے کے لئے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ خدا نے اس کا بدلہ لے لیا۔ وہی مصیبت اسپر ڈال دی جس میں ہم پھنسے ہیں۔ اس میں ہر عاقل کے لئے عبرت ہو۔ لیکن مجھے اس شخص پر بہت ترس آتا ہو۔ سو برس کا بڑا ہواؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں ہو۔ یہ واقعہ بالکل دیباہی ہو جس میں سترائیں میں آیا تھا۔ فرق صرف اس قدر کہ وہاں تو پولی تعداد زیادہ تھی"

دعوت

(۴)

"گزشتہ رمضان سے ہماری اور بچوں کی کوئی خبر نہیں ملی۔ میں نے بھی انہیں اپنی مفصل حالت نہیں لکھی۔ کیونکہ نہایت سخت تکلیف میں ہوں۔ پیرایہ بیٹے ہوتے ہیں کہ ہمارے خدمت گزار ہم کو ملکہ کر دے گئے ہیں۔ حال میں آستانہ، عمر کے نام ایک شخص خاص

سراسر بنگال اور بنگال کے عظیم خزانوں کی طرف سے شروع ہونے والی جنگ
پلاستی سے پہلے ہمارے ملک و بنگالستان کی صنعت نہایت پست تھی
(دیکھی)

تین کروڑ اسی لاکھ کوڑے کر لاکھ میں عظیم ایشیائی دولت بہت جلد
جمع کر لی گئی تھی... قدیم زمانوں میں معمولی نظام پر ہندوستانی اپنے
مالکوں کو برطرف کر دیا کرتے تھے۔ مگر انگریزی حکومت نے دانی نہ تھی
یہ حکومت سنگ دل سے سنگ دل وحشی اور مستبد حکومتوں کی طرح
ظالم اور سخت تھی۔ مزید براں تمام تمدنی طاقتور ہتیاروں کو سلجھ تھی۔
(لاڈلو کالیو پر سیکلے کا معقول)

یہ مالا مال خزانے، کروڑوں آدمیوں کی صدیوں کی کمائی، انگریزوں
نے ہتیار کر لیا۔ اسی طرح میسوری، جس طرح روٹن نے یونان اور یونان
کے خزانے اٹلی بھیج دیے تھے، ہندوستانی خزانے کتنے قیمتی تھے؟
کوئی انسان بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ ضرور کروڑوں
اشرفیاں ہونگی۔ (اسی دولت اُس وقت کی مجموعی یورپین دولت سے
بھی بہت زیادہ تھی۔) (برک آڈم)

جب میں سنہ ۱۸۵۷ء میں بنگالستان آیا تو یہاں بڑے بڑے شہروں
کے علاوہ ملک بھر میں بارہ بیٹیک بھی موجود تھے۔ بنگال کی چاندی
نے بنگالستان پہنچ کر نہ صرف دولت میں بے شمار اضافہ کیا بلکہ اس کی
رقم بھی بہت تیز رفتاری سے بڑھ رہی تھی۔ (برک)

ہمارے خیال میں یہ بڑی دولت جو ہم نے ہندوستانی تجارت کو
حاصل کی ہو ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جاہلانہ دستور العمل ہو گیا
ہوئی ہو ایسا دستور عمل جس کی نظر کسی ملک میں ہوتی ہو کسی نانہ
میں۔ (ایٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کی یادداشت ۱۸۵۸ء)

سرری انڈازہ کے ساتھ، بڑی آسانی سے دعویٰ کیا جاسکتا ہو
کہ جنگ پلاستی اور جنگ دائر لو کے درمیانی زمانہ میں ہندوستان سے
انگلستان کو چندہ اسب روپیہ جا چکا تھا۔ (سیر نیگٹ)

ہندوستان، انیسویں صدی میں انگلستان کو کم سے کم ایک بار
۱۰ کروڑ روپیہ بے چکا ہو۔ ہمارے ہم وطنوں (انگریزوں) کا ۱۸۳۰ء
روپیہ ہندوستانی تجارت میں لگا ہو۔ اس طرح ہندوستان کی تجارت
ہمارے لئے دنیا کے تمام ملکوں کی تجارت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہو۔
ہندوستان میں پہلے سے حاصل شدہ فوجیوں اور بے شمار قیدیوں کو
دہلی لے لیا ہو۔ دنیا کے ہر گوشہ میں ہمارے ملک کو ہندوستان کا
قبضہ بہت زیادہ طاقتور، با عزت، اور با اثر بنا دیا ہو۔ تمام اعلیٰ
خیالات، کسی حکمرانی اور تہذیب کے فرائض سے قطع نظر کہ انہیں
اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہندوستان کو ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا چاہیو
انگریز بھاری سے بھاری قربانیاں کرنے کو تیار ہیں مگر یہ سونے کی
چڑیا تھی حال میں بھی اپنے اپنے ہاتھ سے اڑنے نہیں دیں گے
(سیر نیگٹ ۱۸۵۸ء)

ہندوستان نے ہمارے لئے سب کچھ کیا ہو کہ وہ زمین پر نہیں دیا
ہی ہم ایشیائی جزیرہ بنا دیا ہو جیسا ہمالیہ کو اس کے جزائر نے ہم
اتنی بڑی سلطنت ہر گز نہیں جیتی دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس
احسان پر ہم ہندوستان کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہیے۔

(دیکھی)

ہندوستان کا ہمیشہ خزانہ جو ہمیں دینا چاہیے۔
(لاڈلو سبوری ۱۸۵۸ء)

میں پوری متانت سے اعلان کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کے نظام کو
مالا مال کی تخلیق قنا ہو گئی اور ملک بڑا بڑا کر ڈالا گیا۔ موجودہ گورنمنٹ
نے ملک اور اس کے باشندوں کو مفلس اور ذلیل کر ڈالا ہو۔
(فرانسس برادلی: سیکلٹ کٹی رپورٹ سنہ ۱۸۵۸ء)

ہندوستان کا نظادہ، داغ پر افلاس اور فساد کی کاروائی قائم کر
دیتا ہو۔ ملک سے زیادہ اس کے علم باشندے اُداس ہیں۔ وہ
کمزور اور خستہ نظر آتے ہیں۔ ان کے کپڑے میلے کچیلے پڑے ہیں۔
وہ سب غریب معلوم ہوتے ہیں اور محض ایک ٹیکڑا دہلی پانے کے لئے
جان توڑ محنت کرتے ہیں، وہ لاغر اور مرجھائے ہوئے ہیں۔
(سرفریڈک ٹرویس سنہ ۱۸۵۸ء)

برطانوی ہنگامہ دہیاتی آبادی کی حالت کیا ہو؟ اب وہ اس
مطلن اور خوش و خرم قوم کی مانند نہیں کرتی جس کا حال ہم تعلیم
-ایکوں میں پڑھتے ہیں۔ شک و شبہ، تباہی و خستہ حال غریب
رعیت کی ایک ہی آواز دہ گئی ہو کہ آئندہ فصل اپنے ملک وہ بھولوں
مر جائے۔ (دی ٹری پریسیڈنٹ سنسز آف انڈیا)

آج ہندوستان کی عام آبادی اس قدر تلاش ہو رہی ہو کہ اس
کے پاس بشکل قوت لایمیت باقی ہو۔ عیش و عشرت اور کناہ ہندوستانی
بشکل اپنے بال بچوں کی ہیکم پڑی ہو سکتا ہو۔
(لاڈلو سبوری ۱۸۵۸ء)

برطانوی صنعت بڑھانے کے لئے ہندوستانی دستکاری کا محکمہ
بڑے فخر کے ساتھ انگریزی تجربہ قرار دیا جاتا ہو۔ حالانکہ یہ برطانوی
قوات کا ایک بہت ہی بڑا ثبوت ہو۔ اس سے واضح ہوتا ہو کہ
اپنے ملک کی ترقی کے لئے انگریزوں نے کس طرح جنگی اور معمولی لگا
ہندوستان کی صنعتی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ (مشر شاہ)

۱۸۵۷ء سال کی عوامی ہندوستانی عورتیں بہترین شہر کا تھی
ہیں۔ روپیہ بھرون کی روٹی سے ۲ میل سے بھی زیادہ لپٹا ہوتا تھا
کر سکتی ہیں۔ (جس ٹیلر)

وہ انگریزی حملہ ہی تھا جسے چوڑا ہلاک کر دیا۔ انگلستان نے خود ہندوستان
کے بازاؤں سے ہندوستانی کپڑے بے دخل کر دیا۔ اس نے اس ملک میں
اپنا سوت بھیجا شروع کیا، یہاں تک کہ دیسی سوت غائب ہو گیا۔ یہ
ملک جو دیسی کام کر رہا تھا، بیسی سوت کا دست نگر ہو گیا۔ سنہ ۱۸۵۸ء
سنہ ۱۸۵۸ء تک ہندوستان میں انگریزی سوت کی درآمد ایک سے شروع
ہو کر ۲۰ لاکھ ٹون ہو گئی۔ (کامل آڈس، برٹش سلین انڈیا)

ہمارا وطن ہندوستان سے بہت گرا ہو۔ دنیا میں یہ ملک سب
بڑا لڑا ہو۔ ہم وہاں محبت باہر کے گئے ہیں۔ باوجود موجودہ نڈ
کی تمام مضامین کے ہمارے ہندوستانی حکمران ایک ایسی ہیبتناک
قائم ہو چکے ہیں ان مضامین میں بیان کیا جاسکتا ہو کہ ہم ہندوستانی

کریں، تم ہمارا مل خریدو۔ اگر ہم ہندوستان چھوڑ دیں تو اس کو ہمارے
ہندوستان چھوڑ دیں تو اس کو ہمارے ملک لگا لگا کر کے ایک کروڑ
لاکھ آدمی ہو کر مر جائیں گے اور ہمارا تمام منہ ہی روٹی ہو
جائے گی۔ تمام باقی کا پانے سے اس صورت ایک ہی جواب ہو گا
وہ یہ کہ کچھ ہی ہو ہمارا قوم کو زندہ رہنا ہو گا۔ ہندوستان کی
تجارت اور دستکاری پر قبضہ کے یہ قوم اس تنگ جزیرہ میں کئی
طرح بھی زندہ نہیں ہو سکتی۔ (مشر شاہ ۱۸۵۸ء)

موانع سرگرم میں سال بھر خرچ کرنے کے بعد... ہم اس
غلہ ہندوستان میں بچ رہا تھا۔ (قطب کے کمیشن کی رپورٹ ۱۸۵۸ء)

سنہ ۱۸۵۷ء میں بنگال دنیا کا سب سے زیادہ مالدار آباد اور دنیا
ملک تھا۔ (بنگال کی تحقیقات سنہ ۱۸۵۷ء)

گورنمنٹ نے کالوں پر اپنا زیادہ لگان لگان لگا دیا ہو کہ ان کے
ان کے بال بچوں کی سال بھر کی خوراک بھی اکثر نہیں پختی۔
(مشر شاہ ۱۸۵۸ء)

بنگال کٹ جانے کی وجہ سے ہندوستان کے باشندوں پر روٹی
محسوس اور بڑھ گئی۔ ایندھن کا فقدان اور بادش کی کمی۔
(بیرون ہن لورڈ)

انگریزی سلطنت کے آغاز ہی میں ہندوستان کے بنگالی جزیرہ
سے برباد کر ڈالے گئے۔ (پروڈکشن ان انڈیا)

جنگل، قوی دولت کا ایک بہت اہم سرچشمہ ہیں جنگل، انہیں
پیدا کرتے ہیں اور موسم کا آوارہ گرد کر دے کہ اعتدال قائم کرتے ہیں۔
ہندوستان جیسے ملک میں جہاں گرمی اور بارش بہت ہوتی ہو جنگل
کی اہمیت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ (۲۶)

اگر کے بعد میں ہندوستان کا ایک ایسا بڑا مسئلہ قائم کیا گیا تھا
جیسا پہلے کبھی نہ تھا۔ (کیرپٹر ۱۸۵۳ء)

فرد شہ نے اپنے بعد میں دیباؤں پر جس بند قائم کئے تھے
پانی محفوظ رکھنے کے لئے، عظیم ایشیائی حوض بنائے تھے اور
ایک اتنی بڑی نہر کھدائی تھی جو اپنے وقت میں سب سے بڑی تھی۔
(۲۷)

دہلی کی نہر جسے شہنشاہ شاہجہاں نے بنوایا تھا، نہایت ہی
وسیع اور مضبوط تھی۔ (ڈکٹ)

نوسے جنوبی ہندوستان میں گنگا سے جس کا دی ملک ایچہ
عظیم ایشیائی اور غیر معمولی مالا مالوں کے نشان اب تک موجود ہیں
کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (فرانسس برادلی)

ہندوستان کے نام ہندو وحشی، پرائے فکر ان رعایا کی سخت
کے کاموں پر اتنی دولت خرچ کرتے تھے جس سے اس زمانہ میں
قیدی نہیں ہو سکتی قوت قائم ہو سکتی تھی۔ (تھری پریسیڈنٹ سنسز آف انڈیا)

صانع، اطمینان اور فروخت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ (جلد ۱۰)

تیلک کو پہلے بریتان کے ملک دہلی لایا گیا تھا۔ چھ سال کے قلیل زمانہ میں مدد قلعہ کے نصف بڑے بڑے شہروں کو بالکل آجاتا دیا گیا تھا۔ دنیا کی سب سے زیادہ زرخیز زمین تباہ کر ڈالی گئی تھی اور ۵۰ لاکھ بے ضرر اور محنتی انسانوں کو بلا وطن یا برباد کر دیا گیا تھا (ایسٹ انڈین کمپنی کے عہد میں بنگال سلسلہ)

”مختصری رقیں بھی دہلی پہلے بھی گئی ہوں، وہ سب کی سب بنگال کی دیس تجارت کے منافع سے وصول ہوجاتی تھیں۔ بنگال کی تباہی پورے ہندوستان کی دولت کا مرکز تھی۔ اس صورت حال سے موجودہ زمانہ کے حالات کس قدر مختلف ہیں؟ جب سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی نظامت تھامے (انگریزوں) ہاتھ میں آئی ہے، میسے اپنی خوشحال آبادیوں اور دستکاروں کی قدیم اہمیت سے کس قدر محروم ہو گئے ہیں؟“ (دیوان بنگال)

”ہندوستان کبھی مغلوب نہ ہوا اگر خود اس کے فرزندوں کی مدد نہ ہوتی۔“ (سرجان میکوم)

”ہندوستان ایک ایسی فوج سے فتح ہوا جو جس میں تین سے ختم ہوتی ہے۔ اور صرف ایک حصہ انگریز تھے۔“

جیک ہم یہاں ہندوستان میں ایک ایسی بڑی آبادی کے فتح کرنے میں مصروف تھے، جو پورے یورپ کی آبادی کے برابر تھی، تو اُن وقت انگلستان میں انگریزوں کو اس مقصد کے لئے نہ تو ٹیکس دینا پڑا، نہ قرضہ لینا پڑا، نہ کسی الجھن کا سامنا ہوا، اور نہ ہی کوئی جنگی بھرتی کی ضرورت پڑی۔

جو کچھ میں نے کہا اس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کی فتح، صبح معنی میں ہرگز فتح نہیں ہو، کیونکہ یہ انگلیڈ کی حکومت، فوج، اور روپیہ سے مل میں نہیں آئی۔ انگلیڈ نے صبح معنی میں ہندوستان کو فتح ہی نہیں کیا۔۔۔ (ایکسپینشن آف انگلیڈ۔ پرو فیئر سٹی)

”اگر ہندوستان میں متحد قومیت کا کردار جذبہ بھی پیدا ہو جائے اور اس میں اجنبیوں کے نکلنے کی کوئی علی السبب نہ بھی ہو، بلکہ صرف اس قدر احساس عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت سے اتحاد عمل ہندوستانیوں کے لئے شرناک ہے، تو اُسی وقت سے ہماری شہنشاہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم حقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور اسپر فائڈ حکمرانی نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنا بھی چاہیں گے تو اقتصادی طور پر قطعا برباد ہو جائیں گے۔ (درا)

”جنگ پلاسی کے بعد ہی بنگال کی لوٹ، انگلستان پہنچ گئی اور اس کا اثر فوراً نمودار ہوا۔ تمام صوبے متفق ہیں کہ انگلستان میں جس صنعتی انقلاب نے انیسویں صدی کو تمام پہلے زمانوں سے متا کر دیا اس کی بنیاد اسی جنگ کے بعد ہی مستحکم ہوئی تھی۔“ (سٹریٹون آڈم)

اکثر موجودہ یورپ میں توہین کی خوشحال، تمام مذہب کی ہندو شہر کی توہین کی لوٹ پر قائم ہے۔ انگلستان کی انگریزی

ہندوستان

انگریزی حکومت پہلے اور انگریزی حکومت کے بعد

خود انگریز مدبروں اور مصنفوں کی نظر میں

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مدبروں کی شہادت

”کچھ نہیں کیا کر دیا تھا جس کی انھیں ضرورت تھی؟“ (ڈاکٹر ایلٹن)

”بنگال اپنے لامتناہی خزانوں سے اپنے آقاؤں کو دنیا کا سب سے زیادہ دولت مند بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے“ (کلاویو کے خطوط سلسلہ ۱۰)

”نواب شائستہ خاں کے عہد (۱۷۹۳-۱۸۰۰) میں ایک روپیہ میں ۸۰ سیر حاصل فروخت ہوتے تھے۔“ (جے ٹیل)

”شہر ڈھاکہ میں ۵۰ بازار اور ۳۰۰ ٹکریں تھیں (۱۰)

شہر رشید آباد اس قدر دلچسپ اور دولت مند ہے جس قدر خود شہر لندن۔ فرق یہ ہے کہ اہل الذکر میں لوگوں کی ذاتی جائیدادیں آخر الذکر سے بہت زیادہ ہیں۔ اس کی آبادی کئی لاکھ ہو گئی۔ اور اگر وہ یورپین باشندوں کو خاکی کے کارادہ کریں تو صرف لاکھوں اور پتھروں سے کر سکتے ہیں۔“

(پارلیٹری کمیٹی کے سامنے کلاویو کی شہادت سلسلہ ۱۱)

”بنگال کی سلطنت، چھ سو سال لابی، تین سو سال چوڑی اور دنیا کی ایک نہایت ہی وسیع اور زرخیز میدانی سرزمین کی مالک ہے۔ جہاز رانی کی صلاحیت رکھنے والے متعدد دیادوں سے سیراب ہوتی ہے، اپنے دامنوں میں ڈیڑھ کروڑ جفاکش انسانی آبادی رکھتی ہے، یعنی نہیں بلکہ اس سے دہائی آبادی کے لئے پیادہ کی قابلیت رکھتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے خاص اپنے ہاتھوں سے اسے دنیا بھر سے زیادہ ثروت کے لائق بنادیا ہے۔“ (ڈاؤ سلسلہ ۱۲)

”سراج الدولہ کی وفات کے بعد بنگال کے سیاح تصدیق کرینگے کہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ مالدار آباد، اور زرخیز سلطنت تھی۔ تجارت اور امر دولت و ثروت اور عیش و آرام میں غرق تھے۔ دستکار اور

”بنگال اپنی پیداوار اور ہر چیز کی فراوانی میں، دنیا کے ہر شہر سے متعلق کر سکتا تھا۔ یہ علاقہ اس قدر زرخیز تھا کہ انسانی ضروریات اور عیش و عشرت کا جملہ سلائل باسانی ہوتا کرتا تھا۔ کیونکہ یہاں ہر قسم کے مویشی، بارہ ماسی پھل، بکثرت فلہ ہر قسم کا پٹر خاصہ صفا نہیں ہر قسم میں قدر زیادہ موجود تھا کہ دنیا کے کسی علاقہ میں بھی نہ پائے جاسکتا۔“ (الفنٹن جلد ۲)

”باشعہ علم طور پر نہایت تہذیب اور آدم سے لڑکی بسر کرتے تھے اور ماسی جان والی کی طرف سے بالکل مطمئن تھے، کیونکہ بادشاہ اپنی رعایا کو نہ تو جھوٹے الزاموں پر ماض کرنا تھا، نہ اس کی مال دود اور شہاد زنگی پر حملہ کر کے اسے اس سے محروم کرنا تھا۔“ (پارٹو ٹیل سلسلہ ۱۲)

”بادشاہ کے ذاتی کمرے اور شاہی دربار اپنی چمک و دمک میں، شگافا میں برہم ہوئے تھے، محل کی ہر چیز اس سلیقہ اور ہنرمندی کی زینت شہادت تھی جو کبھی صرف کی گئی تھی۔ عظیم تخت شاہی، جو ”کوہ نور“ ہیرے کے ساتھ کئی صدی پہلے ایران سے لایا گیا تھا، ٹھوس سننے کا تھا، اور دو عظیم الشان طاؤسوں پر قائم تھا، جن کی پھلی ہوئی تھیں بیش بہا جواہرات سے مصحف تھیں۔۔۔ اس طرح شہنشاہی عظمت قلعہ دہلی کے اس کتبہ کو صحیح ثابت کر رہی تھی کہ

اگر فردوس بر دے زمین آت

ہمیں بہت دہین است و بہین است

(قدیم جدید دہلی مصنف ایل گئی)

”تمام زمانوں میں سونا خصوصاً چاندی کی برآمد ہندوستان کی بہت پر صنعت تجارت تھی۔ لئے زمین پر کوئی ملک بھی اپنی ضرورتیں اور کمالات میں بیرونی ممالک سے اتنا مستفی نہ تھا جتنا یہ ملک تھا مناسب آب و ہوا، زرخیز سرزمین، اور خود باشندوں کی ذہانت و

احرارِ اسلام

عہد اموی کی اسلامی سہولت

اردی بنت الحارث ابن عتبہ

ایک موسم حج میں صنعت العمر اردی بنت الحارث بن عبد المطلب

امیر مکہ بن ابی سفیان کے دوبار خلافت میں حاضر ہوئی۔

”میرے بیٹے! تو کیا ہو؟“ اردی نے کہا ”تو نے مذلی بنت

سے کفران کیا۔ اپنے بھائی (یعنی امیر المؤمنین علی علیہ السلام) کے حق کا

محاذ کیا۔ اپنے نام کے سوا ایک نائب اختیار کیا (یعنی امیر المؤمنین

کاتیب) دوسرے کے حق پر قابض ہو گیا (یعنی خلافت پر) حالانکہ

میں نہ تو خود تو نے کوئی خدمت کی، نہ تیرے بار و اسلاف نے۔ تم

نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق سے اعراض و انحراف کیا تھا

اسپر خدا نے تمہاری قسمتیں بگاڑ دیں۔ یقیناً ذلیل و خوار کیا۔ حق حق

دادوں تک پہنچ گیا۔ اللہ کا بول بالا ہوا۔ اگر یہ مشرکوں پر یہ ظفر نہ

بت شاق تھی۔ ابن مہزیار میں ہم اہل بیت کا دم اور حسب لوگوں

سے زیادہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں فوت ہوئے کہ معتقد

موجود تھے، خدا کے صندوق میں مغزوہ پسندیدہ تھے۔ آپ کے بعد ہم اہل

بیت کے ساتھ تھے وہ بڑا دیکھا جو قوم موسیٰ کے ساتھ خاندانِ نوح

نے کیا تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کرتے تھے اللہ مردوں کو زندہ کر

تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا شراذہ بندہ نہ سکا ہم

پر کوئی بھی ایسا نہ ہوئی۔ ہماری انتہا جنت ہو۔ تمہاری انتہا

دوزخ ہو۔“

”گزارہ فرمایا:“ عربوں اہل خاص جو مدار میں موجود تھے، بے ایما

پہرہ آئے۔ ایسی زبان زدک، رشم سے آنچھ می کر

”تو کون ہو؟ تیری ماں سے؟“ اردی نے خستگی سے کہا۔

”عروین العاص، لوگوں نے جواب دیا۔

اردی نے کہا۔ تو مجھ سے بڑے کی جرات کرتا ہو! اپنے پی

چھے رہتے ہے۔ اپنی خیریت مٹا۔ داد تو قریش میں نہ تو قابض

حب نسب نہ لگتا ہو نہ اپنی اہلیت کا الگ ہو۔

”بہنو تو بڑیا!“ مروان بن الحکم نے کہا۔ تیری بیانی بھی

تیری عقل کے ساتھ جا چکی ہو۔ تیری شہادت مجھ میں ہے۔

”صاحبزادے تم بھی بڑے! اہ اندی نے کہا۔“ داد حکم سے

زیادہ تو سہیلی بن الحارث بن کلاب سے زیادہ مشابہ ہو۔

پھر وہ صاحب کی طرٹ مخاطب ہوئے! ”

”خاندان لوگوں کو تو نے ہی مجھ پر جرات دلائی ہے، حالانکہ

تیری ماں آدمی لڑکی میں خرد کے قتل کے بعد آتی تھی۔

خس جزینا کم بیم بد فاطمہ یوم الحجاب ذات سر

ہم نے تم سے جنگ بد کا بدلہ لیا۔ لڑائی، لڑائی کہیں آگ

کی طرٹ شعلہ کی ہو۔

الان من متبلی من امیر ابی دہی دہی

تنبہ (بھلا آپ تھا) پر مجھ میں نہیں تھا۔ میرا آپ بچا

بھائی، خرا، انیس میں بھول نہیں گئی تھی (دیر ب جنگ بد میں قتل ہوئی)

ثقیث وحشی غلیل حدری ثقیث ثقیث ثقیث ثقیث ثقیث

رے وحشی (قال عزہ) تو نے میرا دل ٹھنڈا کیا۔ میری شک پوری

کر دی۔

فخر وحشی علی عری حتی تغیب علی فی قری

”وحشی کا شکوہ عمر محمد پر واجب ہو، یہاں تک کہ میری

ٹپیاں قبر میں غائب ہو جائیں۔

تیری ماں کے جواب میں میں نے کہا تھا:

یا بت رقلہ عظیم الکفر خزیت فی بندہ وغیرہ

لے بیوقوف بڑے کا فر کی بیٹی! بد میں ادھر وطن میں تجھ کو

لے۔

صوبہ اللہ قبل الفجر بالما شین الطوال الزہر

خدا تجھ پر صبح سے پہلے، دراز خدا خوبصورت! شیش کی قات لڑی

نازل کرے۔

بکل قلاع عام فزی عویشی علی صغری

تیغ بران سے تجھے کالے، جزہ، میرا شیرو ادھی شیرازہ ہو۔

ہنگ وحشی صاب اتر البقیاء بعد من فخر

وحشی نے بے آبروی کر ڈالی۔ اب فاحشہ عروین کے لئے تیرے

بعد کوئی فرائی نہیں رہا۔

”تھلا بڑا ہوا! امیر معاویہ نے عروین العاص اور مروان بن

الحکم سے کہا۔ تمہیں نے اس خلافت کو مجھ پر خا کر دیا اور اب میں تو

پھر اتنی سے مخاطب ہوں۔

”مجھ بھی! اپنی ضرورت بیان کر۔ عہد قتل کی یہ کواں کو؟“

”مجھے دوسرا، دوسرا، دوسرا، پورے، ہزار دینار دے! آدھ

نے مطالبہ کیا۔

”پہلے ہزار کس لئے؟“ امیر نے سوال کیا۔

”میں عادت بن عبد المطلب کے خاندان کے لئے کچی کی زمین میں

کنز خرمیوں کی“ اندی نے جواب دیا۔

”تم نے بہت خوب سوچا۔ میرے لئے کہا۔“ اندی دوسرا دوسرا

”خاندان عبد المطلب کے زوجہ کی شادی کر دینی“

”بہت خوب! اندی نے جواب دیا۔“

”مدینہ کی لڑائی اور زلزلت بیت اللہ کے خراج کے لئے“

”بہت خوب خیال ہو۔ میں نے سنا کیا۔ تمہاری خاطر بیش

منظرو“ امیر نے خوشامدے کہا۔

تمہاری دیر چٹ دیکر امیر نے پھر سوال کیا،

”بھلا اگر علی مسجد پہنچے تو تمہیں کون شکر دے گا؟“

”سچ ہے“ اندی نے جواب دیا۔ علی، امانت اور کھانا

خدا کے حکم پر چلا تھا۔ مگر تو نے اپنی امانت مانع کر دی۔ خدا کے

دل میں حیات کی۔ خدا مال فرستیں کہنے لگا۔ خدا ہی

کتاب میں مقلدوں کے حق مقرر کیا کے بیان کرنے اور سکر

خدا کے حکم پر عمل میں کیا۔ لیکن علی نے اس لئے جس نے

کے بار گیا ہر خدا کے ہاتھ سے مقرر کر دے ہیں۔ مگر اس

تمہاری لڑائی نے، تمہیں بار اسلام قائم کرنے کی ہمت ہی نہ تھی۔

میں نے تیرا مال نہیں اٹھا کہ احسان جتا ہو۔ میں تو صرف اپنی حق

آگئی ہیں۔ ہم دوسروں کا حق لینا جاز نہیں سمجھتے۔ آہ! تیرے

دانت لوگوں اور تیری نصیبت سخت ہو جائے تو اپنی زبان پر علی کا

نام لگاؤ!“

پھر وہ نکلے لگیں۔ یہ شرا کی زبان پر تھی،

آلایا میں ویکٹ اسسینا الادی امیر المؤمنین

ہاں لے آنکھ تیرا بھلا ہو ہمارا ساتھ ہے۔ ہاں امیر المؤمنین پر

آنسو ہوا!

رہتا خرمی رجب اللطیف وفارہا میں رجب اللطیف

ہم نے اس سب سے اچھے کو کھدیا جو کبھی گھٹوں پر یا کشتیوں

پر سوار ہوئے۔

دس باس الخال اما احتلام دین قرأ الشانی والشیئا

اور مجھوں نے زمین پر قدم رکھا اور مجھوں نے قرآن پڑھا۔

اذا استقبلت وجہ الی حسین وایت الہد راع الناظرنا

حسین کے باپ کا چہرہ دیکھنا، بدکال کا دیکھنا جو بٹ بٹ

داؤں کو حیرت میں ڈال دیتا ہو۔

ولا داند الاشی علیا حسن علیا تالی الالکینا

میں نہیں داند، علی مجھے بھول نہیں سکتا، نہ زکوع کے دالہاں

اُس کی اچھی ناز بھول سکتا ہوں۔

ألی الشہرام جھینا بجز الالکینا

تم نے اہ حرام میں ب آدھ سے اچھے آدمی کو مار کر ہمیں بیت

میں ڈال دیا!

معاویہ نے انہیں ہزار دینار دیئے اور کہا:

”مجھ بھی! اچھے میں چاہا ہو خراج کر۔ پھر جب بھی ضرورت پڑے

اپنے بیٹے کو کھانا، وہ ہر طرح تمہاری مدد کرے گا۔“

خدا کے فضل سے



تار کا کافی پتہ

منیجر ہمدرد و اخوانہ یونانی دہلی

ابن سنے کی نہایت خوبصورت نازک نقش چڑیاں جو مئی سے نکرائی ہیں۔ چونکہ ان میں ایک خول کی مدد میں بنایا گیا ہے۔ ان کے اندر نگین چھپا آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرد ادیا تو سن کے گینے جوڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی دیتی ہے۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ ڈھائی روپیہ میں پانچ سو روپے کا کام بنایا جاسکتا ہے۔ ہر سائے کی موجودگی کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں جلد نکلے گا، ناکا شاک ختم ہو جائے گا۔ آٹھ روپے کی (میں کو لدن اسٹو۔ پوسٹ میں نمبر لاہور) تین ڈھائی روپیہ میں ایک نازک ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ جو میں چڑیوں کے دام میں تالیف ہے (ص)

لیکن نظریہ بحیثیت ہمیشہ ثابت و دائم ہو۔ اور ہمیشہ وہی ہے جس کا یہ ہے۔

حضریات

میں نے کہا یہ نظریہ ہمیشہ وہی ہے سر بلند ہو گا۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فلسفہ کے بعد علمائے اُس کا نظریہ چھو نہیں دیا بلکہ کسٹنی پر رگڑ کر لایا جانے لگا۔ انھوں نے قدیم اہل کے آثار کی تلاش شروع کی۔ زمین کھود کر وہ اوزار اور ظرف نکالے جنھیں انسان اپنے اولین عہد میں استعمال کرتا تھا۔ یعنی اُس عہد میں جس کا نام اصطلاح میں عہد بلیسٹوسینی ہو (یہی وہ زمانہ ہے جس میں سطح زمین کا تیسرا طبقہ بنا تھا) یہ عہد اب سے دو لاکھ برس یا ۶۰ لاکھ برس پہلے تھا۔ اسی قدر میں بلکہ علماء کی تحقیقات، عہد بلیسٹوسینی تک پہنچ چکی ہیں۔ یعنی اُس زمانے تک جس میں زمین کا دوسرا چھلکا بنا ہو۔

ڈاروین کی وفات سے دس برس بعد ڈاکٹر اوجین ڈینیس کو اولین انسان کی ہڈیاں ملیں۔ اُس نے اس کا نام ٹیکٹونڈینڈا یعنی بند انسان رکھا۔ تیسرا اُس زمانے میں ڈاکٹر ریڈمیر نے مشرقی انگلیا میں زمین کے دوسرے طبقے میں حجری ظہرت اور اوزار پائے۔ ان تمام حضرات و اوزار سے نشو و نما انسانی پرانے کے نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

تسلل انسان

بتدریج سے شاہ مخلوق سے انسان کا ظاہر ہونا ایسے قطعی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ بحث کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ لیکن یہ نشو و ارتقا اُس سے کس زیادہ پیچیدہ اور غیر منضبط تھا جتنا خود بخود سمجھتا تھا۔ پہلے علماء خیال کرتے تھے کہ ارتقا، کامل طور پر پہلے یعنی جم انسانی کے ہر عضو نے یکساں طور پر تدریجی ترقی کی ہے اور یہ صحیح نہیں۔ ارتقا، نہایت غیر متظم طور پر مختلف موثرات کے تحت واقع ہوا ہے۔ تعلیم انسان میں ارتقا کی یہ بے نظمی موجود انسان سے کس زیادہ واضح تھی۔ وقت مباحث سے اب ثابت ہو چکا ہے کہ ہر عضو نے تدریجی ترقی نہیں کی۔ یعنی یہ نہیں ہوا کہ کھوپڑی، دماغ، جگر، دانت، جلد، بازو، پاؤں وغیرہ وغیرہ اعضا میں ہر عضو بتدریج بند کی شکل سے ترقی کر کے انسان کی عضویت بن گیا، بلکہ یہ ہر ایک بعض اعضا ترقی کرتے تھے، بعض ترقی نہیں کرتے تھے، بعض بالکل غائب ہو جاتے تھے۔ ذیل کی مثال سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی:

ڈاروین کی وفات سے ۳۰ برس بعد یعنی ۱۸۷۹ء میں سرجس ڈوس کو انگلستان کے ایک مقام بلیٹون (دینی ڈاروین کی قدامت سے ۳۰ میل کے فاصلے پر) ایک پتھرائی ہوئی کھوپڑی اور جڑیلا۔ سر آتھرڈ ڈارڈ نے دونوں کی جانچ کی اور فیصلہ کیا کہ یہ دونوں عضو ایک ہی جسم کے ہیں اور یہ مخلوق اب سے ۵۰ لاکھ برس پہلے زمین پر موجود تھا۔ ان آثار میں کھوپڑی، موٹی دیواروں کی تھی اور موجود انسان کی کھوپڑی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھی لیکن نیچے کا جگر، بند کے جڑے کی طرح تھا۔ بعض علماء کے لئے یہ احتمال، بحث حیرت کا موجب ہوا اور ان سے اس کے ہوا کہ کچھ کہتے بن نہ پڑا کہ یہ وہی چیزیں، دو مختلف جسموں کی ہیں جالاکہ اگر وہ علم تشریح کے ماہر ہوتے، تو اس قطعی کا انکار نہ ہوتے۔ ان میں معلوم ہوا کہ جسم کے بعض اعضا جلد ترقی کرتے ہیں اور بعض بتدریج بچھ رہ جاتے ہیں۔ ارتقا کی یہ بے نظمی بعد میں انسان میں زیادہ واضح پائی جاتی ہے۔ مثلاً اس کی ران کی ہڈی بالکل آدمی کی ران کی ہڈی کی طرح نہیں ہے بلکہ کھوپڑی، بند سے مشابہ ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا بحث نام

نظریہ نشو و ارتقا کی موجودہ منزل

ہو۔ اور یہ کہ انسان کے دماغ میں بعض خصوصیات ایسی موجود ہیں جو انھیں پوٹید (وہ بندرجو انسان سے بہت زیادہ مشابہ ہو) کے دماغ میں پائی نہیں جاتیں۔

کھلنے نے اس پر اعتراض کیا اور وہ تاریخی مباحثہ پیش آیا جس نے علمی فتوحات کے لئے میدان صاف کر دیا۔ یہ معرکہ دراصل علم انسانیت کے درمیان واقع ہوا تھا۔ تمام مایان تورا، جن کی قیادت میکس ملارڈ ویکس کر رہا تھا، برسرِ جنگ کشت بنا ہی رہے تھے۔ کھلنے تنا تھا لیکن نیا نے تسلیم کر لیا کہ کھلنے ہی کو حامل تھی! اس واقعہ کے تین سال بعد ۱۸۷۳ء میں کھلنے نے اپنی مشہور کتاب "کائنات میں انسان کی مرکزیت پر دلائل" شائع کی۔ یہ کتاب ہمارے اسی موضوع سے متعلق ہے۔ اس میں مصنف نے قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ انسان، چھاتی رکھنے والے حیوانات ہی کا فرد ہے، اور اُس سے قریب تر مخلوق وہ بندہ ہے جس کا نام "اسٹرڈیوڈ" ہو۔

اصل انسان

یہ کتاب خیر مزید ہے کہ اُس عہد کی عقل البنانی یہ نظریہ (نظریہ نشو و ارتقا) قبول کرنے کے لئے مستعد تھی۔ مدتوں سے یہ اعتقاد رائج تھا کہ انسان ایک مستقل مخلوق ہے۔ لیکن آج مالت بدل چکی ہے۔ اس وقت جو لوگ ڈاروین کے نظریہ پر یقین نہیں رکھتے، وہ بھی اس کے لئے مستعد ہیں کہ جب یہ نظریہ قطعی دلائل کے ساتھ سامنے آجائے تو تعجب انکار نہیں کر دیں گے۔

نظریہ نشو و ارتقا، انیسویں صدی کی ایک حیرت انگیز مبدئیت ہے۔ چارلس ڈاروین کا دنیا پر بہت بڑا اثر ہوا ہے کہ اُس کے فیصلوں نے دماغ میں یہ نظریہ ظاہر کیا۔ جس وقت سرچرڈ اپنا مذکورہ بالا خطبہ لیس میں سنایا ہے تھے، ڈاروین اپنی کتاب "اصل اولیہ و متغیر کر رہا تھا۔ ۱۸۷۹ء میں یہ کتاب ظاہر ہوئی۔ مگر اُس کا نظریہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ اُس نے اپنا ایک عظیم فکری انقلاب پیدا کر ڈاروین نے قدیم افکار و معتقدات سے یہ بغاوت کی تھی جیسے نہیں کر دی تھی۔ کامل ۱۸۷۹ء میں اُس کے لئے طیارہ کی تھی۔ اُس کی یہ کتاب حقیقت اعلان جنگ تھا۔ اُس کا دوسرا خوفناک حملہ ایک دوسری کتاب کی صورت میں ہوا۔ اس کا نام "حیوانات پر ماحول کی تاثیر" تھا۔ یہ کتاب اب تک علم الحیات کے حقائق کا ایک بے نظیر مجموعہ ہے لیکن ابھی فیصلہ باقی تھا۔ دشمن ہنڈ میدان میں اڑا ہوا تھا۔ ڈاروین نے سائنس میں اپنی تیسری کتاب "تسلل انسان" شائع کی۔ یہ کتاب کا فیصلہ کن حملہ تھا۔ دشمن سراپا سر ہر کھپکا اور آج تک پھر کبھی مقابلہ میں نہ آسکا!

اس وقت سے ڈاروین کے قدم ایسے گھڑے کہ پھر کبھی انھیں ہٹنے سے آج ۵۶ برس گزر چکے ہیں۔ بہت سے نئے حقائق ظاہر ہو چکے ہیں کہ ڈاروین اپنی جگہ پر نہایت اڑی طرح قائم ہے۔ یہ تمام حقائق اُس کے نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ بلاشبہ بعض تبدیلیاں بھی واقع ہوئی ہیں

حال میں سر آتھرڈ کھلنے نے برطانی کا ڈیوی کی صدارت کرتے ہوئے نظریہ نشو و ارتقا پر ایک نہایت مبسوط تقریر کی تھی، جس نے ازبرز اس بحث پر موقوفہ دماغانہ خیالات کو جنبش دیدی۔ اس وقت تک تقریباً تین چالیس علماء افسانہ کی موافقت یا مخالفت میں اظہار خیال کر چکے ہیں، اور بحث و نظر کا سلسلہ جاری ہے۔

برطانی کا ڈیوی کے سالانہ اجلاس اور سر آتھرڈ کی تقریر کا مختصر تذکرہ اردو اخبارات میں آچکا ہے۔ ہم چاہتے ہیں سر آتھرڈ کی تقریر کے بعض اہم حصے اور ان کے مخالفین کے ضروری مباحثہ الہام کے صفحات پر دست کر دیں۔ یہ حیثیت مجموعی یہ موافق و مخالف خیالات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے مطالعے سے ایک نظر معلوم ہوا کہ کاکہ بحالت موجودہ ڈاروین کا نظریہ کس منزل میں ہے اور وہ موافق و مخالفت دلائل کا وزن کیا ہے۔

ہم پہلے سر آتھرڈ کی تقریر کا ضروری خلاصہ درج کرتے ہیں۔ پھر مخالفت مباحثہ کا خلاصہ درج کریں گے۔

سر آتھرڈ کا خطبہ

۵۵ برس سے کہ نشو و ارتقا کی تاریخ، عالم وجود میں آئی۔ آج میرا موضوع بحث بھی یہی ہے۔ اس بحث کے لئے اس شرط سے زیادہ موزوں کوئی مقام نہیں۔ کیونکہ ڈاروین نے تورا کے جامع میں پرانا پلا گولہ نہیں چھینا تھا۔ دیکھنے والے کو ڈاروین کا یہ گولہ کیسا خوفناک تھا اور کس طرح اس فلاح نے تمام مخالفوں سے ہتیار رکھ لئے۔ تقریباً ۶۶ برس پہلے ہیں کہ اسی شہر میں اپنے عہد کے مشہور ترین عالم سرچرڈ اوین نے ایک طوفانی خطبہ دیا تھا اور انسان کی اصلیت پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا تھا کہ تورا نے انسان کی عمر جتنی قرار دی ہے، وہ اُس سے کس زیادہ پرانا ہے۔ لیکن سائنس ہی اس ٹیکسٹ کو نے اس نظریہ کا مضحکہ بھی اڑایا تھا کہ انسان ادنیٰ مخلوقات سے ترقی کر کے اپنے موجودہ عہد تک پہنچا ہے۔ اُس نے دعویٰ کیا تھا کہ انسان اور بندہ میں بہت ہی عظیم فرق ہے۔ اتنا فرق کہ وہ دونوں میں کوئی مشترک علاقہ موجود نہیں، دونوں، دبلاک علیحدہ علیحدہ جنس ہیں۔

اوین اے کیلے

سرچرڈ اپنے لئے ہیں اس کا ڈیوی کا صدمہ تھا۔ اُس کے سامعین میں ایک علامہ عہد شمس پتہ کیلے، سرچرڈ کا خوفناک حریف بھی تھا۔ کیلے اس وقت جوان تھا۔ اُسے سرچرڈ سے اس وقت مخالفت تھی کہ وہ اسی تقریر میں مباحثہ پیش آجائے کی امید کرتا تھا مگر اتفاق سے یہ منکر پیش نہیں آیا۔

اس واقعہ کے دو سال بعد ہائی انجن کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ یہاں سرچرڈ نے پھر نظریہ نشو و ارتقا کا مضحکہ اڑایا۔ اُس نے دعویٰ کیا کہ انسان وہ دوسرے حیوانات سے بالکل علیحدہ مخلوق

۲۰ سے پہلے معلوم ہوا کہ اُس قدیم ترین مہمیں انگلستان کی سرزمین پر ایک ایسی مخلوق آباد تھی جو انسان اور بندہ کے درمیان تھی۔

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گہرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

دنیا میں کتبِ فروشی کا عظیم مرکز
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں کے ملحقہ ممالک میں شائع
ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے قلم
ہر قسم کی تعلیمی کتابیں سب سے سلیس
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چہ
بلکہ ہر چیز کا ذخیرہ کی تفصیل ہر شائع ہوا کرتی ہے

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے عظیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویروں، پرنٹنگ پریس،
اور نقوش، پرنٹنگ پریس، آؤٹش و زمین کا پریم کا سلمان، اور ہر طرح کے پرنٹنگ صنعتی
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش
کا ہوں اسلئے خانہ کی فرسٹ ہی سنگولائیجے۔ اپنی اہم اور اہل دولت، دونوں کے لئے پہلا
ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے فرسٹ کلاس معارف و رسامی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
توکانا، چین، وغیرہ ملک میں پہلے ایسے ہیٹھ گزشتہ کرتے رہتے ہیں۔

بائیں ہمہ

قیمتی جب آئینہ عذرا تک انٹال ہیں!

بر عظیم لوہے، امیر

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادہ حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ تاہم کے نئے ایوان شاہی کے نوادہ بھی حال میں ہم سے حاصل ہوئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

اب فرخت کرنے کے لئے ہمیں پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت
مکمل ہو کر ہمارے سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکیں گے

النهر الحلال
مجلدات الهلال

آن خوابی داشتن گداغماے معینہ ما

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر دے کر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف مذاہب کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے ایسی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی طاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹرن تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شایقین علم و ادب کے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست سٹات سرورینہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے لحاظات جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علحدہ کر کے کیلیے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”البلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے کوشش کی کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک درپرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

مديجر " البلاغ پريس "

معارف ابن تیمیہ و ابن قیم

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالفتح صاحب کی یہ تحریر طالع میں شائع ہوئی تھی جب راقم
میں نظر بند تھے۔ مضموع اس تھی کہ یہ تھا کہ اسلامی احکام کی نفی کر کے
کہیں کہ ان اعراس کے ۲۰ ہستال کی جاسکتی ہو؟ اور اسلام کی زواہد
کے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز و مذہب و ملت تمام
نوع انسانی پر کھل دیا ہو؟
قیمت ہر۔ (میر المآل کلکتہ)

اگر آپ کو

دم

ضیق

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شیت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سہ قریب

دوا فروش کی دکان

فوراً

ایکٹین

HIMROD

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی جاسنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہونا

گائیڈ بک

کی ضرورت ہو

جو
انگلستان کے تمام شہروں، سوائسٹوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرے

نیز

جس وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں

کی ایک شیل کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہو

ایسی

کل گائیڈ بک

ڈیلاپ گائیڈ تو گریٹ برٹین

The Duple guide
to great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہو

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

ٹپے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائین قلم

امیر کن کارخانہ شیفر

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) اتنا منبسط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی

بھر کام دے سکتا ہو

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور شہری بیل بولڈ

سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ بہ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے اجیت سے طلب کیجئے۔

۲۲

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رقیع تبصرہ کرتا ہے۔

اس کا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی مواند پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے اجیت سے تقاضہ کیجئے کہ یہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher.

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

ہرونو مواد ایند کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۲

BRUNO MULLER & CO. M. & H.

Berlin-W 35

Post No. 24

ہر طرح کی مشینیں جو کہ ملکوں کے میوزوں کو خشک کرے اور بچوں کو محفوظ رکھے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا بہترین کارخانہ ہے۔ مدد دلا پدہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھئے

میوزوں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے منہدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھری سی محنت اور تھری سا سرمایہ لیکر ایک رقیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور گروہوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرے چاہئیں۔ بعیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھری سا وقت خرچ نہ کرے، بہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہم سے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

نمبر ۲۱

کلکتہ : جمعہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ ہجری

جلد ۱

Calcutta : Friday, 11, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں املال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیے۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقایص ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۵۹۸ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

۴۳۰	اردو حروف کی حق میں	۲۴۰	عربی حروف کی حق میں
	حروف کی حق میں بشرطیکہ		موجودہ مشترک طباعت کی حق میں ۵۹۵
۱۵۰	تستعلیق ہوں	۲۷۳	پتھر کی چھپائی کی حق میں

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کریں گی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال

آلہ لالہ

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

- (۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے -
- (۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -
- (۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے
- (۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -
- (۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -
- (۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں -
- (۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیں -
- (۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ نہ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

(ہندو)

ہندو عورتوں کی مجموعی تعداد : ۱۰۵۸۲۱۸۲۵

ہندو بیواؤں کی مجموعی تعداد : ۲۰۲۵۰۰۷۵

(مسلمان)

مسلمان عورتوں کی مجموعی تعداد : ۳۲۳۸۹۸۴۸

مسلمان بیواؤں کی مجموعی تعداد : ۴۷۱۲۵۹۳

(صوبوں میں بیواؤں)

۴۰۴۹۸۱۲	مدارس
۱۹۸۱۸۴۹	بمبئی
۴۴۴۴۰۵۰	بنگلہ
۳۷۴۹۵۳۳	پو، پی
۱۲۳۷۷۰۵	پنجاب
۷۳۱۷۳۹	برما
۳۲۱۱۳۱۰	بہار اور اڑیسہ
۱۱۵۵۸۹۲	صوبہ متوسط
۵۷۳۳۰۱	آسام
۲۱۰۳۰۵۰۰	کل برطانوی ہند

(بیواؤں کی تعداد عمر کے اعتبار سے)

۱۵۱۳۹	۵ برس کی
۱۰۲۲۹۳	۵ برس سے ۱۰ برس تک کی
۲۷۹۱۲۴	۱۰ " ۱۵ " "
۵۱۷۸۹۸	۱۵ " ۲۰ " "
۹۶۶۹۱۷	۲۰ " ۲۵ " "
۱۵۱۶۰۴۷	۲۵ " ۳۰ " "
۲۳۵۴۱۲۲	۳۰ " ۳۵ " "
۲۲۳۲۵۹۹	۳۵ " ۴۰ " "

(دنیا کے مختلف ملکوں میں شرح اموات ہر ہزار انسانوں میں)

سنہ ۱۹۲۱ میں	سنہ ۱۹۲۵ میں	آبادی
۱۰۰۰۰۰۰۰	۱۲۶۹	امریکا
۴۵۴۰۰۰۰۰	۱۱۳۷	انگلینڈ
۳۹۲۰۹۵۱۸	۱۱۶۵	فرانس
۹۰۰۰۰۰۰۰	۱۳۶۲	جرمنی
۹۱۰۸۱۹۵۴	۱۴۶۵	جاپان
۳۱۹۳۶۱۰۰۰	۲۰۶۲	ہندوستان
۲۶۰۰۰۰۰۰	۱۶۸	ناروے
۱۲۰۰۰۰۰۰	۹۶۲	نیزر لینڈ
۶۰۰۰۰۰۰۰	۱۱۶۷	سویڈن

(شرح پیدائش سنہ ۱۹۲۱ ع میں)

۱۹۶۵	امریکا
۲۲۶۴	انگلینڈ
۰۱۸۲۵	فرانس
۲۳۶۵	جرمنی
۲۵	جاپان
۳۱۶۸۳	ہندوستان
۲۱۶۹۴	نیزر لینڈ

(دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں اوسط عمر سنہ ۱۹۲۵ ع)

(سال)	انگلینڈ اور ویلس
۵۱۶۵	ریالات متحدہ امریکا
۵۵۶۵	نیزر لینڈ
۶۰۶۰	فرانس
۴۸۶۵	جرمنی
۴۷۶۴	اٹلی
۴۷۶۰	جاپان
۴۴۶۲	ہندوستان

(دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں بچوں کی شرح اموات فی ہزار)

۵۷	انگلینڈ اور ویلس
۸۵	فرانس
۱۰۷	بلجیم
۱۰۸	جرمنی
۱۴۵	اسپین
۱۶۱	اٹلی
۱۶۶	جاپان
۱۹۴	ہندوستان
۴۵	نیزر لینڈ

ہندوستان میں ایاہجوں کی تعداد (سنہ ۱۹۲۱ ع میں)

کل برطانوی ہندوستان میں	آسام	بہار اور اڑیسہ	برما	پنجاب	پو، پی	بنگلہ	بمبئی	مدارس	صوبہ
۴۴۹۷۳	۲۱۸۷	۲۰۸۵	۲۳۳۴	۴۲۸۵	۱۸۵۹	۷۷۹۱	۳۲۵۸	۳۵۰۴	۵۰۳۵
۲۸۲۳۴	۱۵۶۵	۱۶۱۸	۱۲۰۳	۵۲۸۸	۱۸۵۹	۲۳۳۸	۷۷۹۱	۳۵۰۴	۵۰۳۵
۹۳۶۴۳	۳۱۱۵	۷۶۰۵	۱۱۴۲۳	۹۴۴۷	۱۱۷۹۳	۱۸۹۳۹	۹۵۰۲	۱۱۹۴۷	۵۰۳۵
۴۱۷۸۳	۲۲۵۵	۵۲۰۲	۷۲۶۴	۵۴۴۵	۹۵۲۱۰	۱۲۳۲۵	۴۲۳۰	۹۴۳۷	۵۰۳۵
۱۸۰۹۵۹	۲۷۴۷	۱۵۰۱۴	۱۳۸۵۲	۱۱۳۲۵	۲۹۱۶۶	۵۰۷۷۹	۱۶۹۶۹	۱۸۲۳۰	۵۰۳۵
۶۲۱۸۰	۳۲۰۸	۴۴۵۰	۷۸۴۲	۶۵۸۹	۱۱۸۸	۱۱۴۴۸	۵۵۳۵۰	۱۱۶۰۹	۵۰۳۵
۲۹۴۲	۱۱۰۲	۲۷۶۶	۲۷۵۴	۳۱۷۶	۴۳۹	۲۱۹۰	۴۰۰۳	۲۴۲۸	۲۹۸۹

(ہندوستان کی آبادی مذہب کے اعتبار سے)

سنہ ۱۹۰۱ میں	سنہ ۱۹۱۱ میں	سنہ ۱۹۲۱ میں	
۲۰۷۰۵۰۵۵۷	۲۱۷۳۳۷۹۴۳	۲۱۶۲۶۰۶۲۰	برہمن
۹۲۴۱۹	۲۴۳۴۴۵	۴۶۷۵۷۸	آریا سماج
۴۰۵۰	۵۵۰۴	۶۳۸۸	برہمن
۲۱۹۵۳۳۹	۳۰۱۴۴۶۶	۳۲۳۸۸۰۳	سکھ
۱۳۳۴۱۴۸	۱۲۴۸۱۸۲	۱۱۷۸۵۹۶	جین
۹۴۷۶۷۵۹	۱۰۷۲۱۴۵۳	۱۱۵۷۱۲۶۸	بودھ
۹۴۱۹۰	۱۰۰۰۹۶	۱۰۱۷۷۸	پارسی
۶۲۴۵۸۰۷۷	۶۶۶۴۷۲۹۹	۶۸۷۳۵۲۳۳	مسلمان
۲۹۲۳۲۴۱	۳۸۷۶۲۰۳	۴۷۵۴۰۶۴	عیسائی
۱۸۲۲۸	۲۰۹۸۰	۲۱۷۷۸	یہودی
۸۷۱۴۰۴۸	۱۰۳۲۶۲۲۹	۹۷۹۲۶۱۵	دوسرے مذاہب

(ہندوستان کی آبادی جنس کے اعتبار سے)

مرد	عورت	کل ہندوستانی صوبوں کی آبادی
۱۶۳۹۹۵۵۵۴	۱۵۴۹۴۶۹۲۶	مدیراس
۲۰۸۷۰۷۴۹	۲۱۴۴۸۲۳۶	بمبئی
۱۰۱۷۶۹۶۹	۹۱۷۷۲۵۰	بنگال
۲۴۱۵۱۲۲۲	۲۲۵۴۴۳۱۴	پڑبی
۲۳۷۸۷۷۴۵	۲۱۵۸۸۰۴۲	پنجاب
۱۱۳۰۶۲۶۵	۹۳۷۸۷۵۹	برما
۶۷۵۶۹۶۹	۶۴۵۵۲۲۳	بہار اور سیسہ
۱۶۷۶۳۸۶۶	۱۷۲۳۸۳۲۳	صوبہ متوسط
۶۹۵۱۳۹۹	۶۹۶۱۳۶۱	آسام
۲۹۶۱۱۰۹	۳۶۴۵۱۲۱	صوبہ سرحدی
۱۲۲۹۳۱۶	۱۰۲۲۰۲۴	

(ہندوستان کی آبادی زبانوں کے اعتبار سے)

ہندوستانی	بنگالی	تیلگر	مرہٹی	تامل	پنجابی	راجستانی	کناری	ارڑیا	گجراتی	برہمی
۹۶۷۱۴۳۶۹	۴۹۲۹۴۰۰۹	۲۳۶۰۱۴۹۲	۱۸۷۹۷۸۳۱	۱۸۷۷۹۵۷۷	۱۶۶۳۳۵۹۶	۱۲۶۸۰۵۶۲	۱۰۳۷۴۲۰۴	۱۰۱۴۳۱۶۵	۹۵۵۱۹۹۲	۸۴۲۳۲۰۵۶

ہندوستان میں ۱۴۷ - زبانیں بولی جاتی ہیں - ۲۳ - زبانیں دس لاکھ آدمیوں سے زیادہ کے استعمال میں ہیں -

(ہندوستان میں بیواؤں کے سنہ ۱۹۲۱ میں)

عورتوں کی مجموعی تعداد : ۱۵۴۹۴۶۹۲۶
بیواؤں کی مجموعی تعداد : ۲۶۸۳۴۸۳۸

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے ؟

(۲)

(برطانیہ شہنشاہی کی قومیں)

(مجموعی آبادی ۴۴۹۲۳۰۰۰)

ہندوستانی	عرب	افغان	پارسی	یہودی	دوسری قومیں
۲۴۴۳۰۳۰۰۰	۵۷۵۳۰۰۰	۱۵۵۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	۱۰۸۴۰۰۰	۳۱۵۰۰۰۰
					(یورپی)
					{ 'برطانیہ' فرانسیسی
					{ 'کنیدی' 'بوئر' وغیرہ
					(سیاہ فام)
					نیگرو
					ہندوستانی
					پاپونس
					آسٹریلیا کے دیسی

(زرد فام)

ملائیو وغیرہ	برہمی	ترک	چینی	تبتی	مور	دیسی امریکی
۹۵۵۶۰۰۰	۷۸۹۰۰۰۰	۶۱۰۰۰	۲۳۰۸۰۰۰	۳۰۰۰۰۰	۵۳۰۰۰	۱۵۶۰۰۰

(دنیا کی آبادی ہر مربع میل کے حساب سے)

انگلینڈ	جرمنی	جاپان	فرانس	ہندوستان	چین	روس	ریاست متحدہ امریکا
۳۷۵	۳۱۰	۲۵۵	۱۸۹	۱۷۷	۱۰۵	۶۴	۳۱

مشاہدے کے لیے بھیجے۔ ہر ایک کے ساتھ ایک مصرعہ بھی کر دیا تھا، تاکہ ہر جگہ کی تصویریں اور نقشے طیار کرتے جائیں۔ یہ تمام معلومات، تصویریں، اور نقشے، ادیسی کے پاس جمع ہوئے رہے، یہاں تک کہ بادشاہ کی آرزو پوری ہو گئی، "نیز مغربی نے لکھا ہے کہ بادشاہ، ادیسی کی ازحد تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اسے اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنی سوزی ہی پر دربار تک چلا آیا کرے اور خود بادشاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھے!"

(سب سے پہلا مطبوعہ قرآن)

اسی طرح اٹلی کے دوسرے امراء و سلاطین کو بھی عربی زبان سے بہت محبت تھی۔ فردریک دوم (جو چھٹی صلیبی کا سپہ سالار تھا) عربی میں پوری طرح ماہر تھا۔ اسی قدر نہیں بلکہ مطبع کی ایجاد کے بعد ہی اٹلی کے کئی علم دوست امرائی خاندانوں نے، مشرقی اور عربی کتبوں کی طباعت بھی شروع کر دی۔ بحر ادبیات پر پہلا مطبع شہر وائر میں قائم ہوا (سنہ ۱۶۲۴ء) یہ مطبع خاندان مندیسیس نے قائم کیا تھا۔ اس میں قرآن مجید اور عربی زبان کی متعدد طبی و علمی کتابیں چھاپی گئی تھیں۔

(عربی کتابوں کے ترجمے)

اٹلی کی تقریباً تمام بڑی بڑی تعلیم گاہوں میں اس وقت عرب اساتذہ درس دیتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپ میں سب سے پہلے اٹلی ہی نے عربی زبان کی قدر کی، اور اس سے فائدہ اٹھایا۔ لاطینی زبان میں بہت سی عربی کتابوں کے ترجمے کیے گئے۔ فقراط اور ارسطو وغیرہ کے عربی ترجمے اور شرحیں ترجمہ ہوئیں۔ گروتو کریمونا نامی ایک اٹالین نے ستر سے زیادہ علمی کتابیں عربی سے لاطینی میں منتقل کی تھیں۔ اصل عربی کتابیں اب مفقود ہیں۔ مگر یہ ترجمہ موجود ہیں۔

(یادریں کا مدرسہ)

سنہ ۱۵۸۴ء میں پوپ گریگوری سیزدہم نے روم میں یادریں کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ نے عربی زبان کی بہت خدمت کی۔ اس کے تعلیم یافتہ لوگوں میں جیل لبنان کے تین "ابن" جبرائیل صیہونی، ابراہیم حلاقانی، سمعان سمعانی بھی تھے۔ انہوں نے بہت سی عربی کتابیں لاطینی میں ترجمہ کیں۔

(اسپین اور پرتگال)

یہ عجیب بات ہے کہ اسپین اور پرتگال نے عربی زبان سے بہت کم فائدہ اٹھایا۔ لی حالانکہ اسپین میں کامل آئہ سورنوس یک عربی تمدن قائم رہ چکا تھا۔ عربی عہد میں اندلس کی سوزاری اور ملکی زبان عربی تھی۔ خرو اسپینی امرات بھی عربی سیدھے بولنے کو باعث فخر سمجھتے تھے۔ مگر پھر بھی اسپینین کو کوئی خاص شغف عربی سے نہیں ہوا۔ مسیحی اسپین میں پہلا عربی مدرسہ طلبہ میں قائم ہوا۔ یہ گیارہویں صدی مسیحی کے



سلوٹر دی ساسی جس نے جدید مشرقیات کی بنیاد رکھی

اس سے پہلے مونبلیہ (فرانس) میں ایک طبی مدرسہ سنہ ۱۲۲۴ء میں قائم ہو چکا تھا۔ اس میں تعلیم کا تمام دار و مدار اندلسی علماء پر تھا۔ عربی زبان کی باقاعدہ تعلیم ہوتی تھی تاکہ طبی و عقلی علوم کی تحصیل کامل طور پر ہو سکے۔ سنہ ۱۳۶۱ء میں وسطی یورپ کی پہلی یونیورسٹی کراکر (پولینڈ) میں قائم ہوئی۔ اس کے چار سال بعد رائڈا کی یونیورسٹی وجود میں آئی۔

(اسلامی فلسفہ اور مسیحی کلیسا)

اس کے بعد جب یورپ میں تعلیم گاہوں کی کثرت ہو گئی تو سامی زبانوں، خصوصاً عربی کی تعلیم بہت عام ہو گئی۔ مگر اب یادریں کی جماعت عربی سے خوف کھانے لگی تھی۔ ابن رشد، ابن سینا، رازی، ابن زہر، وغیرہ حکماء اسلام کی تصانیف، ان کے خیال میں کفر و الحاد کا منبع تھیں۔ اس لیے وہ طالب علموں کو بڑی سختی سے ان تصانیف کے درس و مطالعہ سے روکتے تھے۔

(اٹلی میں عربی زبان کی مقبولیت)

لیکن یادریں کی یہ مخالفت زیادہ کار آمد نہیں ہوئی۔ عربی زبان اور کتابوں کا شوق برابر ترقی ہی کرتا گیا۔ چنانچہ اسی زمانے میں اٹلی کے بعض امراء، عربی زبان کے اس قدر دلدادہ ہو گئے تھے کہ اسے اپنی تحریر و تقریر کی زبان قرار دیدینا چاہتے تھے۔ ان کے معاصرین میں عربی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان سنی نہیں جاتی تھی۔ ان کے درباروں میں عرب علماء کا ہجوم رہتا تھا۔

(شاہ سسالی اور شریف ادیسی)

ابن امراء میں رچرڈ دوم شاہ سسالی بہت زیادہ مشہور ہے۔ یہ وہ بادشاہ ہے جسے شریف ادیسی نے چاندی کا کرہ ڈنر کیا تھا۔ اس میں زمین کے پہاڑ، سمندر، اور اقلیمیں صاف صاف دکھائی گئی تھیں۔ نیز اسی کے نام پر ادیسی نے اپنی مشہور کتاب "نزهة المشتاق فی اختراق الآفاق" تصنیف کی تھی۔ ادیسی نے اس بادشاہ کی بہت تعریف لکھی ہے، اور اسے روم کے بادشاہ سے زیادہ عادل اور نیک بتایا ہے۔



ایڈین کاترمیڈر جس نے مقدمہ ابن خلدون شائع کیا

مغربی نے "الوافیہ بالرفیات" میں لکھا ہے کہ "بادشاہ نے ادیسی کو طلب کر کے کہا تھا۔ میں زمین کے چشم دید محالات معلوم کرنا چاہتا ہوں نہ کہ صرف کتابوں میں لکھے ہوئے حالات۔ چنانچہ ادیسی نے مشورہ سے بادشاہ نے عقائد آدمی، دنیا کے مختلف ممالک کے



مشرقین اور استشراق

(عربوں اور اہل یورپ کے علاقے)

عربوں کا اہل یورپ سے تصادم اور اتصال اُس وقت سے شروع ہوتا ہے، جب عربوں نے شام و مصر اور دوسرے رومی مقبوضات پر فاتحانہ اقدام کیا تھا۔ اسپین اور پرنگال کی فتح نے عربوں کو خود یورپ میں پہنچا دیا۔ پھر جب دوسری، تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بزم امیہ نے اپنی خلافت اندلس میں قائم کر لی، تو یورپ سے تعلقات آزر بھی زیادہ ہو گئے۔ تیسری صدی میں جزیرہ سسلی کی فتح اور جنوبی اٹلی میں عربی اثر نے یہ تعلقات آزر زیادہ وسیع کر دیے۔

اس کے بعد صلیبی جنگوں کے زمانے میں تصادم و اتصال نہایت سخت ہو گیا۔ اہل یورپ مشرق کا تمدن، اخلاق، اور علوم دیکھ کر دنگ ہو گئے۔ مال و جان کے بے شمار نقصان کے ساتھ، تمدنی، علمی، اخلاقی فوائد بھی بے شمار حاصل کیے۔ بہت سے صلیبی مجاہدین نے عربی زبان کی باقاعدہ تحصیل کی۔ ان کے متعدد امراء اور سپہ سالار عربی زبان اور عربی تمدن کے دل سے حامی ہو گئے۔

(یورپ پر عربوں کا علمی اثر)

یورپ میں عربی زبان اور تمدن کی مقبولیت کا آغاز اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ یورپ کے مختلف ممالک سے طالب علم اسلامی اساتذہ میں آتے تھے اور مسلمان اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ خود پوپ سلوسٹر دوم، جو سنہ ۹۹۹ ع میں پاپائیت کے منصب پر پہنچا، عربوں کا شاگرد تھا۔ اس نے قرطبہ اور اشبیلیہ میں مسلمان علماء سے ریاضی، ہیئت، اور جغرافیہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی طرح شاہ لیون اور اسٹوریا نے بھی قرطبہ میں علم طب حاصل کیا تھا۔

والتیر کا بیان ہے کہ قدیم زمانے میں تمام یورپین پادشاہ 'عرب اور اُن کے شاگرد یہودی اطباء اپنے درباروں میں رکھتے تھے۔ اور اسپین اور اُس کے پیروسی ممالک کے بکثرت مسیحی باشندے بھی عربی زبان کی تحصیل کرتے تھے' تاکہ عربی سلطنت میں ملازمت حاصل کر سکیں یا عربی ممالک میں تجارت کریں۔

(مسیحی، تبلیغ اور عربی زبان)

چودھویں صدی کے اوائل میں عربی زبان کے لیے یورپ میں ایک خاص سرگرمی پیدا ہو گئی۔ روم کے پوپ نے قرنِ وسطیٰ میں رہبانیت کا ایک نیا نظام جاری کیا تاکہ ایشیا، افریقا، اسپین اور سسلی کے غیر مسیحی باشندوں میں مسیحیت کی تبلیغ کی جائے۔ لیکن تجربے سے معلوم ہو گیا کہ اس مقصد میں کامیابی نہیں

(برطانیہ ہندوستان میں شرح پیدائش و موت سنہ ۱۹۲۵ء)

تنفس کی بیماریوں سے	جذک سے	فیضہ سے	بھار سے	معدنی تعداد اموات	معدنی تعداد اموات	دھور کا دنا سب اموات	نسب اموات	نسب پیدائش	مجموعی تعداد پیدائش	نسب پیدائش	آبادی	صوبہ
۶۷۸۲	۱۸،۸۱۰	۵۱،۹۷۱	۳۲،۴۵۹	۱۰،۵۴۳	۱۷۹،۰۰۲	۲،۴۵۸	۱۴،۳۰۸	۳،۴۳۹	۱۴،۰۰۲	۱۴،۰۰۲	۱۴،۰۰۲	مدارس
۲۸،۹۲۶	۱۱،۱۵۲	۸،۲۳۶	۴،۱۴،۵۶۳	۵،۲۹،۵۷۶	۱۹،۰۳۶	۲۷،۶۴۳	۶،۷۹،۳۲۱	۳،۵۶۶	۱۹،۱۵۵	۱۹،۱۵۵	۱۹،۱۵۵	بمبئی
۲۶،۴۴۹	۵،۵۶۷	۴۸،۵۱۴	۹،۱۲،۴۰۳	۱۲،۰۳،۰۴۱	۱۸،۳۶۹	۲،۵۰۹	۱۳،۷۰،۱۱۴	۲،۹۰۵	۴،۶۵۲	۴،۶۵۲	۴،۶۵۲	بنگلہ
۲۷،۴۱۲	۲،۷۲۴	۶۷،۰۰۰	۹،۴۷،۸۰۷	۱۲،۸۳،۸۷۲	۱۹،۱۶۰	۲،۸۶۴	۱۵،۷۳،۸۱۰	۳،۴۳۷	۴،۵۳۷	۴،۵۳۷	۴،۵۳۷	پونہ
۵،۴۸۷	۴،۴۰۰	۳،۳۵۱	۴،۵۲،۱۸۷	۸،۹۱،۰۲۶	۲۱،۲۰۹	۳،۴۳۴	۸،۲۱،۶۸۵	۴،۰۶۱	۲۰،۵۱۷	۲۰،۵۱۷	۲۰،۵۱۷	پنجاب
۱،۰۹۱	۲،۵۰۱	۸،۰۸۳	۷۵،۲۸۸	۲،۴۳،۱۶۴	۱۹۷،۵۶۲	۲۱،۶۵۱	۲،۹۳،۵۸۵	۲،۷۴۰	۱۰،۸۲۶	۱۰،۸۲۶	۱۰،۸۲۶	برما
۶،۰۶۰	۶،۹۶۲	۷۷،۴۷۰	۱،۰۴،۶۳۵	۹،۷۹،۷۶۳	۱۵۸،۶۰۰	۲،۹۶۱	۱۲،۱۴،۱۴۶	۳،۵۶۷	۳،۴۰۰	۳،۴۰۰	۳،۴۰۰	بہار اور سیما
۳،۷۱۳	۶۱۸	۹،۷۰۴	۴،۴۴۰	۴،۴۳،۶۱۲	۲،۴۳،۵۰۰	۳،۲۵۹	۳،۱۴،۶۶۸	۴،۱۸۸	۱۳،۹۱۲	۱۳،۹۱۲	۱۳،۹۱۲	سینی
۷،۷۰۸	۱،۶۶۷	۱۹،۱۸۲	۱،۴۳،۱۵۷	۱،۷۷،۱۲۷	۱۸،۴۶۳	۲،۷۴۰	۲،۱۲،۷۵۵	۳،۱۰۰	۶،۸۵۲	۶،۸۵۲	۶،۸۵۲	آسام
۳،۳۶۳	۵،۷۰۰	۲،۴۳،۷۰۷	۴،۰۰،۶۶۲	۶،۷۹،۲۸۶	۱۸۷،۶۰۰	۲،۸۴۹	۸،۳۱،۷۴۰	۳،۱۴۹	۲،۴۱۴	۲،۴۱۴	۲،۴۱۴	کل برطانیہ ہند

کمپنست اپنے نظریہ کو صرف ایک جملہ میں بیان کر سکتے ہیں ۔ " سرمایہ دارانہ نم کی ملکیت کی منسوخی "

ہم کمپنستوں کو ملامت کی جاتی ہے کہ ہم شخصی ملکیت منسوخ کر دینی چاہتے ہیں جو محنت سے حاصل کی گئی ہے اور جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ شخصی آزادی، جماعتی حد جہد اور قومی خود مختاری کی بنیاد ہے ۔

" بڑی دشواری سے حاصل کی ہوئی، خود کمائی ہوئی، خود جمع کی ہوئی ملکیت " کیا اس قول سے تمہارا مقصود چھوٹے چھوٹے سوداگروں اور کسانوں کی ملکیت ہے جو سرمایہ دارانہ ملکیت کا ہیولی پیش کرتی ہے ؟ ہمیں اس کے منسوخ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ صنعت کی ترقی نے خود ہی اسے منسوخ کر دیا ہے اور برابر کر رہی ہے ۔

یا تمہارا مقصود موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ہے ؟

کیا اجرتی محنت، یعنی مزدور کی محنت خود مزدور کیلئے کوئی ملکیت پیدا کرتی ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ وہ تو صرف " سرمایہ " پیدا کرتی ہے ۔ یعنی " ملکیت " پیدا کرتی ہے جو اجرتی محنت سے فائدہ اٹھاتی ہے، اور صرف اسی حالت میں بڑھ سکتی ہے جبکہ اجرتی محنت کی نئی نکاس برابر ہوتی رہے ۔ ملکیت ایسی موجودہ شکل میں سرمایہ اور اجرتی محنت کی باہمی نزاع پر قائم ہے ۔ آؤ ہم اس نزاع کے دونوں پہلوؤں کی جانچ کر لیں !

سرمایہ داری فی نفسہ کوئی شخصی پیداوار نہیں ہے ؛ بلکہ سرتاسر اجتماعی حیثیت رکھتی ہے ۔ کیونکہ سوسائٹی کے پے شمار ارکان کے متحدہ عمل سے وجود میں آتی ہے ۔

اسی طرح سرمایہ بھی شخصی نہیں ہے ؛ بلکہ ایک اجتماعی طاقت کا نام ہے ۔

لہذا جب سرمایہ، عام ملکیت کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے، یعنی سوسائٹی کے تمام ارکان کی ملک بنا دیا جاتا ہے، تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ شخصی ملکیت عام، ملکیت بنا دی گئی ۔ کیونکہ یہاں شخصی ملکیت کا وجود ہی نہیں تھا ۔ البتہ جو چیز لٹائی جاتی ہے، وہ ملکیت کی صرف معاشرتی حیثیت ہے ۔ یعنی ملکیت سوسائٹی میں اپنی انفرادی طاقت بھری دیتی ہے ۔

اب ہم اجرتی محنت کا مسئلہ لیتے ہیں :

اجرتی محنت کی اوسط شرح کم سے کم ہے ۔ یعنی مزدور کو کم ملتی ہے، جس سے وہ بمشکل اپنی زندگی قائم رکھ سکتا ہے ۔ پس اس طرح مزدور اپنی محنت سے جتنی اجرت حاصل کرتا ہے، وہ اتنی کم ہوتی ہے، جس سے ہسکی نہایت سادہ زندگی کی ضمانت ہو سکتی ہے ۔ ہم کسی طرح بھی محنت کی پیداوار کا یہ شخصی استعمال منسوخ کرنا نہیں چاہتے ۔ ایسا استعمال جو انسانی زندگی کے بقاء اور دوام نسل کیلئے ناگزیر ہے ۔ البتہ ہم اس استعمال کی وہ افسوسناک حیثیت ضرور مٹا دینی چاہتے ہیں جسکی وجہ سے مزدور صرف سرمایہ بڑھانے کیلئے زندہ رہتے ہیں، اور صرف اتنے عرصہ تک زندہ رہتے ہیں، جن تک حتمی طور پر مفاہ کو انکی ضرورت رہتی ہے ۔

سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں ہمتشہ ماضی، حال پر حکومت کرتا ہے ۔ لیکن کمپنست سوسائٹی میں حال، ماضی پر حکمران ہوتا ہے ۔ سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں سرمایہ، آزاد اور مستقل

" کمپونیزم " اور اُس کے مقاصد



(۳)

(مزدور اور کمپونست)

تمام پچھلی سوسائٹیوں کی تعمیر، جیسا کہ بیان ہوا، ظالم اور مظلوم جماعتوں کی باہمی دشمنی کی بنیادوں پر ہوئی تھی ۔ لیکن کسی جماعت پر ظلم جاری رکھنے کیلئے کم سے کم یہ ضروری ہے کہ اُسے اُن حالات کی ضمانت دیدی جائے، جو اُسکا علامانہ وجود برقرار رکھ سکے ۔ قدم سوسائٹی میں یہ بات حاصل تھی، چنانچہ لگائی اساموں نے جاگیر داری کے عہد ہی میں نیابی مجالس کی معیوبی کا حق حاصل کر لیا تھا ۔ لیکن موجودہ سرمایہ دار عہد میں مزدوروں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے ۔ وہ صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھنے اور اونچا ہونے کی جگہ اپنے معاشرتی حالات کے بہرور میں آ رہی ہے زیادہ غرق ہوتے چلے جاتے ہیں ۔ حتیٰ نل شبہ نہ نک کو محتاج ہو گئے ہیں ۔ انکی محتاجی کہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ آبادی اور دولت کی ترقی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہے !

پس یہ بات صاف ہے کہ اب سرمایہ دارانہ تر سوسائٹی کے اندر اپنی حکمران حیثیت برقرار رکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں، اور نہ اپنے جماعتی معاشرتی نظام کو بطور ایک برتر قانون کے اس پر عائد کر سکتے ہیں ۔ اب وہ حکومت کرنے کے قابل ہی نہ رہے ۔ وہ اپنے غلاموں کو انکے غلامانہ وجود کی بھی ضمانت نہیں دے سکتے ۔ اب سوسائٹی ہرگز سرمایہ دار طبقہ کے ماتحت نہیں رہ سکتی ۔ کیونکہ اسکا وجود سوسائٹی کیلئے مفید نہیں رہا ۔

سرمایہ دار طبقہ اور سرمایہ دار حکومت کی بنیاد اجرتی محنت پر ہے، اور اجرتی محنت کا دار و مدار مزدوروں کے باہمی مقابلہ پر ہے ۔ صنعت کی ترقی، جسکا خود ساختہ اور ناقابل مقابلہ ایجنٹ سرمایہ دار ہے، مزدوروں کی باہمی پھرت کو ایک انقلابی اتحاد سے بدل رہی ہے، اور وہ انجمنوں کی صورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے ۔

لہذا موجودہ صنعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ سرمایہ دار طبقہ کی وہ بنیاد بھی کٹ کٹ کر اس کے پیروں کے نیچے سے نکل رہی ہے جس پر اسکی پیداوار اور تصرف کا نظام قائم ہے ۔ وہ اسکی پیداوار ہی ہے جو اب سب سے زیادہ اسکی دشمنی پر تل گئی ہے اور اسکی لاش کیلئے قبر کھود رہی ہے ۔ سرمایہ داروں کا زوال اور مزدوروں کی فتح در برابر درجہ ہی اتل چیز ہو گئی ہیں ۔

(۴)

جب جب معاشرتی حالات میں کوئی تاریخی تبدیلی ہوئی ہے، تو تمام املاکی رشتوں میں بھی مسلسل تاریخی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ۔ مثلاً انقلاب فرانس نے سرمایہ دارانہ ملکیت کی حمایت میں جاگیر دارانہ ملکیت منسوخ کر دی تھی ۔

کمپونیزم کی امتیازی خصوصیت عام ملکیت کی منسوخی نہیں ہے، بلکہ صرف سرمایہ دارانہ ملکیت کی منسوخی ہے ۔ موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ایک انتہائی اور کامل ظہور ہے پیداوار اور اس کے استعمال کے اُس نظام کا، جو سراسر جماعتی نزاع اور باہمی تخریب پر مبنی ہے ۔



ہرڈوک قبر لبرگ

نے اس کی تقلید کی۔ جس نے پچاس کتابیں عربی ادب و فارغ کی شائع کیں۔ اس کے بعد روس، انگلستان، اور اٹلی نے بھی ادھر ترجمہ کی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ سولہویں صدی سے یورپ کی ہر یونیورسٹی میں، خصوصاً انگلستان، جرمنی، اور ہالینڈ کی درس گاہوں میں عربی زبان داخل نصاب ہرچکی تھی۔

(المع مستشرقین)

یورپ کو مشرقی زبانوں سے جو شغف رہا ہے، اس کا ایک نمایاں ثبوت ان مستشرقین کا وجود ہے، جنہوں نے اپنی یورپی زندگی ان علوم کے لیے وقف کر دی ہے۔ بہت سے مستشرق متعدد مشرقی زبانوں کے عالم تھے۔ مثلاً جرمن لورڈلف مشرق و مغرب کی ۲۵ زبانوں کا عالم تھا۔ سلوٹرڈی سلسی فرلچ مستشرق بیس زبانوں میں ماہر تھا۔ بیبی حال سرٹنر لینڈ کے راس برسمی اور جرمن محقق ہوسل کا تھا۔ تچ عالم تیزلی سات زبانوں میں اس طرح انشا پردازی کرتا تھا، گویا اس کی مادری زبانیں ہیں۔ یہی حال ہنگریس پروفیسر ریمبری کا تھا۔ وہ ہنگریس، ترکی، عبرانی، اور لاطینی زبانوں کا مستند عالم تھا۔

یورپ نے صرف عربی کے مدارس قائم کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مشرقی زبانوں کی بحث و تحقیق کے لیے علمی انجمنیں بھی قائم کیں۔ سب سے پہلے سنہ ۱۷۷۸ء میں ہالینڈ نے بتاربا (جارہ) میں اس قسم کی انجمن قائم کی تھی۔ پھر ۱۷۸۳ء میں ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں قائم ہوئی۔ ۱۸۰۰ء میں ایک ایسی ہی انجمن بمبئی میں بنائی گئی۔ پیرس کی انجمن سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہ سنہ ۱۸۲۲ء میں قائم ہوئی۔ اس کے بانیوں میں یورپ کا مشہور ترین مستشرق اور عربی زبان کا فاضل، سلوٹرڈی ساسی تھا۔ اسی سے جرمن، تچ سولڈش، اور اٹالین مستشرقین نے استفادہ کیا۔ درحقیقت انیسویں صدی میں عربی زبان کا یورپ میں سب سے بڑا علم بردار یہی شخص تھا۔ اس نے عربی کی تحصیل علماء یورپ کے لیے نہایت آسان کر دی۔

جی - براؤن
مشہور انگریز مستشرق

اراول کا واقعہ ہے۔ پھر سنہ ۱۲۵۴ء میں اشبیلیہ میں ایک عربی لاطینی تعلیم گاہ بھی جاری ہوگئی، مگر کوئی خاص ترقی نہ ہو سکی۔

(عربی کتابیں یورپ نے کب سے جمع کرنا شروع کیں؟) پندرہویں صدی یا چودھویں صدی سے یورپین فرمیں نے عربی کتابیں مشرقی ملکوں سے خریدنا شروع کیں۔ لوئس نہم شاہ

فرانس نے سب سے پہلے عربی کتب خانے قائم کرنے کی رسم جاری کی۔ یہ خیال اسے اس طرح پیدا ہوا کہ صلیبی جنگوں کے زمانے میں بعض یورپین نے دیکھا تھا کہ مسلمان بادشاہوں کے پاس بڑے بڑے کتب خانے ہیں، جن میں بیٹھکر وہ بہ اوقات فرصت کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے ہیں۔ لوئس نہم نے یہ سنا تو اس کے خرد بھی اپنے لیے ایک کتب خانہ قائم کیا۔ یہ واقعہ تیرہویں صدی کا ہے۔ اس کے بعد لوئس چہارنہم نے ایک آسٹرون عالم کو مشرقی ممالک میں خاص اس غرض سے بھیجا کہ اس کے لیے کتابیں خریدے۔

اسی طرح انیسویں صدی کے وسط ہی میں یورپ میں عربی کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔ کم سے کم دو لاکھ پچاس ہزار قلمی کتابیں کتب خانوں میں داخل ہو گئی تھیں۔

(یورپ میں عربی کتب خانے)

یورپ اور امریکا میں عربی کے بڑے بڑے کتب خانے بہت سے شہروں میں موجود ہیں۔ ذیل میں صرف چند کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

لیفن گرا، برلن، پیرس، لندن، لہزیک، مونیخ، رائنا، لیڈن، آکسفورڈ، ایڈنبرا، تیان، کیمبرج، نیویارک، شیکاگو، کلیفورنیا وغیرہ۔

ہر کتب خانے میں مرتب و منضبط فہرستیں موجود ہیں۔ ہر کتاب پر مفصل تقریظ لکھی گئی ہے۔ بعض فہرستیں عام ہیں ان سے ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کون کون کتاب کس کس کتب خانے میں موجود ہے؟ یہ کتب خانے برابر ترقی کر رہے ہیں۔ نادر سے نادر کتابیں غیر معمولی جد و جہد اور صرف کثیر سے جمع کی جاتی ہیں۔

(عربی کی باقاعدہ تدریس)

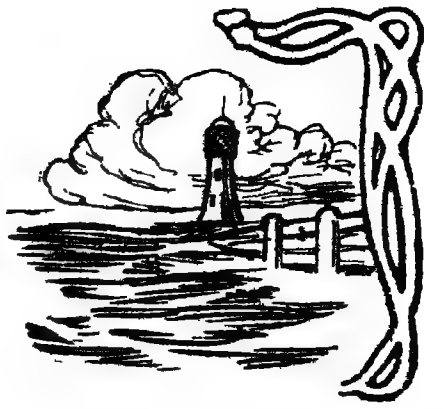
یورپ کو دیہی تعصبات سے جب نجات ملی اور اس کی جگہ ملک گیر کی ہوئی، لیلی، تر عربوں اور دوسری مشرقی فرموں کے علوم و ادب سے واقفیت پیدا کرنے کی عام طور پر ضرورت محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ اٹھارہویں صدی کے اواخر میں علم المشرقیات نے ایک منظم علم کی صورت اختیار کر لی، اور



جسے قاہرہ کا دفتہ مرتب کیا



بزرگ



لوگوں کو اُس کے کمالات کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں اس نے ایک جمعیت قائم کی جسکا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے تمام ڈاکٹروں اور فلسفیوں کے سامنے روحانیت کے مسائل اور تجارب پیش کرے۔

یورپ، جنوبی امریکہ، اور انگلینڈ کے بڑے بڑے شہروں میں طاہر بے نے صرف ڈاکٹروں ہی کو نہیں بلکہ عامۃ الناس کو بھی عجیب عجیب اعمال دکھائے ہیں جنکی کوئی علمی توجیہ اب تک نہیں کی جا سکی۔

پہلے پہل جولائی سنہ ۱۹۲۵ء میں یہ پیرس میں وارد ہوا۔ وہ چند ماہ اٹلی میں بھی گزار چکا تھا۔ روم، نیپلس، پیلرمو، فلورنس، اور بولونا میں اس نے اپنے تجربے علم کے بڑے بڑے ماہرین کو دکھائے تھے۔ کئی ہفتوں تک اطالوی اخبارات اس کے کارناموں سے لبریز رہے۔ روم میں ارڈن حکومت اور سفارتی عملہ کے سامنے اس نے اپنے فن کے مظاہرے کیے۔ خون مسولینی بنے بھی چند بار چبکی محل میں اس کا استقبال کیا تھا۔ شاہ وکٹر ایمینوئل نے بھی اپنے حضور میں بلایا۔ شاہ جارج پنجم نے بھی جو ان دنوں پیلرمو میں مقیم تھے اس کے اعمال دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

پیرس میں پہلے علماء نے ایک خاص جلسہ میں اس کے کمالات کا مشاہدہ کیا تھا۔ جہاں پیرس کے مشہور اخبارات کے نمائندے بھی بلائے گئے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ فرانسیسی علماء اس کے اعمال دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور متفقہ طور پر یہ رائے قائم کی کہ ”اس کے اعمال شعیبہ بازی سے پاک ہیں“ لندن کے ایک بڑے تھیٹر میں بھی جہاں کی ایک کرسی بھی خالی نہیں رہی تھی اس کے کمالات دیکھ گئے۔ چونکہ تقریباً تیس آدمی بیہوش ہو گئے تھے اسلئے اسکا عام مظاہرہ بند کر دیا گیا! خود طاہر بے کا بیان یہ ہے کہ ”میرے کام میں کوئی شعبہ نہیں ہے۔ میں اپنے اسرار ظاہر کر دینے کے لیے راضی ہوں، مگر میرا دعویٰ ہے کہ سوائے خاص خاص فقراء کے اور کوئی شخص یہ کمالات حاصل نہیں کر سکتا۔“

وہ کہتا ہے ”فقیروں کی روحانی قوت بہت مضبوط ہوا کرتی ہے۔ انکی تعلیم، تین مہینے کی عمر ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔“

یورپ میں ایک مشرقی درویش

علماء و اطباء کی حیرانی

طاہر بے جو زمین میں زندہ مدفون ہو جاتا ہے!

قارئین الہلال کو یاد ہوگا کہ گزشتہ سال ریوٹر ایجنسی نے پیرس سے یہ خبر شائع کی تھی کہ ”طاہر بے نامی ایک مشرقی درویش کے اعمال نے تمام پیرس میں دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی ایک جماعت نے اس کے اعمال کا مطالعہ کیا ہے اور ان کے بے لاگ ہونے کی شہادت دی ہے۔“

آج کل یہ شخص انگلستان میں ہے۔ گریفک کے مقالہ نگار نے ایک متوسط مقالہ لکھ کر اس کی شخصیت سے دنیا کا تعارف کرایا ہے اور اس کے مختلف اعمال و غرائب کی تصویریں بھی شائع کی ہیں۔ مقالہ نگار لکھتا ہے:

”پیرس میں گزشتہ دو سال سے رقتاً فوقتاً ایک پر اسرار شخصیت دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ مہمانہ قد آدمی جس کے بدن کا رنگ زبوروں کا سا اور تازہ سیاہ ہے، یورپی مغربی نفاست کے ساتھ ملبوس رہتا ہے۔ اس کے مطمئن چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جوان نے بہت دنوں سے اپنے دل کی صفائی کا راز جان لیا ہے۔ یہ پر اسرار شخص مشہور درویش طاہر بے ہے جس نے گزشتہ ڈھائی سال سے یورپ کو اپنے کمالات کی حیرت میں ڈال دیا ہے۔“

یہ سنہ ۱۸۹۷ء میں طنجه میں پیدا ہوا۔ اسکی پیدائش کے وقت ہی اسکی ماں کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسلئے تعلیم و تربیت کے لئے قدیم دستور کے مطابق فقراء کے گروہ میں رکھ دیا گیا، اور اس طرح ابتدا ہی سے فقیروں کی آپ رہا میں نشوونما پائی۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں قسطنطنیہ آیا اور ترکی لوگوں کی طرح معمولی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اس نے علم طب پڑھ کر طبیب کی سند حاصل کر لی۔

اسکی زندگی خاموش مطالعہ اور غور و فکر میں گزری ہے اور جب تک اس نے اپنے ابا و اجداد کا پر اسرار علم حاصل نہیں کر لیا،



طاہر بے

در اصل قلم اعترافات کا لپ لٹاب ہے کہ جب سرمایہ باقی نہ رہے گا تو اجرتی محنت بھی موقوف ہو جائیگی اور اس طرح سرمایہ داری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائیگا۔

جو اعراض کمیونسٹ طریق پیداوار اور اس کے طریق تصرف پر کیے گئے ہیں، وہی اس کی دماغی پیداوار اور اس کے استعمال پر بھی کیے گئے ہیں۔ سرمایہ دار کے نزدیک جس طرح اس کے فرقہ کی ملکیت کا معدوم ہو جانا، خود پیداوار کی معدومی ہے۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ تہذیب کی برابری پرری تہذیب کی برابری ہے!

وہ تمدن جس کے زوال پر سرمایہ دار یہ کچھ ماتم کر رہے ہیں، کیا ہے؟ وہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت کے حق میں ایک ایسے تمدن ہے، جو بے جان مشین کی طرح محنت کرنے کی طرف لے جاتا ہے!

تمہیں اُس وقت تک ہم سے بحث کرنے کا حق نہیں ہے جب تک تم اپنی سرمایہ دارانہ ملکیت کی منسوخی کے خلاف اپنے خود ساختہ سرمایہ دارانہ اصول کی بنا پر اعتراض کرتے ہو کیونکہ تمہارے یہ اصول بھی محض سرمایہ دارانہ حالات پیداوار اور سرمایہ دارانہ ملکیت ہی کے انتے بچے ہیں۔ عدل کیا ہے؟ صرف تمہاری جماعت کی خواہش کا نام ہے جسے قانون بنا دیا گیا ہے، اور جسے تمہاری جماعتی زندگی کے مادی حالات نے گھلایا ہے۔

گزشتہ حکمران طبقوں کی طرح تم بھی اس خود غرضانہ خیال خام میں پڑے ہو کہ اپنے معاشرتی اصولوں کو فطرت و عقل کے اقل قوانین کی صورت میں قائم کر دو۔ تم اپنے معاملہ میں کوئی نکتہ چینی سننے کو تیار نہیں۔ تم جو کچھ قدیم ملکیت کے بارے میں سمجھتے ہو، اس کے تسلیم کرنے کی جڑ۔ سرمایہ دارانہ ملکیت کے معاملہ میں نہیں کر سکتے۔

”خاندان کی منسوخی!“ زیادہ سے زیادہ جمہوریت پسند بھی کمیونسٹوں کی اس عجیب تجویز سے چراغ پا ہو جاتے ہیں:

لیکن یہ تو غور کرو کہ موجودہ خاندان، یعنی سرمایہ دارانہ خاندان کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ سرمایہ پر اور شخص ملکیت پر۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ اپنی پوری ترقی یافتہ شکل میں بھی خاندان کا وجود صرف سرمایہ داروں ہی کے لیے ہے؟ اور کیا یہ بھی صحیح نہیں کہ اپنی ترقی و تکمیل کے لیے اُسے مزدوروں کی خاندانی زندگی کی عام برابری کی ضرورت ہے؟

تم ہمیں ملامت کرتے ہو کہ ہم اولاد کا خود غرضانہ استعمال روکنا چاہتے ہیں۔ ہم اس جرم کا اقبال کرتے ہیں!

تم کہتے ہو کہ ہم خانگی تعلیم کی جگہ معاشرتی تعلیم عام کر کے نہایت ہی پاک خاندانی رشتے بھی برپا کر ڈالنا چاہے ہیں۔ لیکن کیا تم خود اس الزام سے بری ہو؟ کیا تمہاری تعلیم کو بھی تمہاری سوسائٹی نے مقید نہیں کر رکھا ہے؟ کیا موجودہ تعلیمی نظام میں سوسائٹی بالواسطہ یا بلا واسطہ مداخلت نہیں کر رہی ہے؟ کیا اسکول اور کالجوں کے احاطوں میں تعلیم مقید نہیں ہو چکی ہے؟ تعلیم میں سوسائٹی کی مداخلت کچھ کمیونسٹوں ہی کی ایجاد نہیں ہے۔ وہ تو پہلے سے ہی موجود ہے۔ کمیونسٹ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس مداخلت کی نوعیت بدل دیں اور تعلیم کو حکمران طبقہ کے اثر سے آزاد کر دیں۔

شخصیت رکھتا ہے۔ لیکن زندہ انسان محکوم ہوتے ہیں اور اپنی شخصیت سے محروم رہتے ہیں۔

سرمایہ دار اس صورت حال کی منسوخی کو انفرادی شخصیت اور آزادی کی منسوخی بتاتے ہیں، بلاشبہ اس سے انکی مراد سرمایہ دارانہ شخصیت، سرمایہ دارانہ خود مختاری، اور سرمایہ دارانہ آزادی کی منسوخی ہے!

موجودہ سرمایہ دارانہ حالات پیداوار کے ماتحت آزادی کے معنی ”آزاد تجارت“ اور ”آزاد خرید و فروخت“ کے ہیں۔

لیکن اگر خود تجارت ہی مت جائے، تو آزاد تجارت کہاں باقی رہتی ہے؟ ہمارے سرمایہ دار جس طرح دوسری آزادیوں کے متعلق بے معنی دینگ مارا کرتے ہیں، اسی طرح آزاد تجارت کے متعلق بھی انکی دینگ بالکل بے معنی ہے۔ بلاشبہ جب مقید تجارت کے ساتھ یا قرون وسطی کے مقید شہروں کے ساتھ اسکا موازنہ کیا جاتا ہے، تو اسے کچھ معنی ہوتے ہیں، لیکن جب سرمایہ دارانہ حالات پیداوار اور خود سرمایہ داروں کے ساتھ اسکا مقابلہ کیا جاتا ہے، تو وہ ایک بالکل بے معنی چیز رہ جاتی ہے۔

تم خوف زدہ ہو رہے ہو کہ ہم شخصی ملکیت منسوخ کر دیں گے۔ مگر یہ تو سوچو، تمہاری موجودہ سوسائٹی میں ۱۰/۹ حصہ آبادی کی ملکیت پہلے ہی سے منسوخ ہو چکی ہے، اور اب سوسائٹی کی بقاء کے لیے ناگزیر ہے کہ یہ باقی ایک حصہ کی ملکیت بھی جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ تم ہمیں ملکیت کے اُس طرز کی منسوخی پر ملامت کرتے ہو، جس کے وجود کی اولین شرط ہی یہ ہے کہ سوسائٹی کی بہت بڑی اکثریت بلا کسی ملکیت کے باقی رہے؟

سچ یہ ہے کہ تم ہمیں اس لیے ملامت کر رہے ہو کہ ہم تمہاری سرمایہ دارانہ ملکیت منسوخ کر دینی چاہتے ہیں۔ بے شک ہمارا یہی ارادہ ہے!

جس لمحہ سے محنت کی تبدیلی، سرمایہ، نقد روپیہ، اور لگان کی صورت میں نہ ہو سکے، جس لمحہ سے محنت ایک ایسی اجتماعی طاقت کی صورت میں بدلی نہ جاسکے جو اجارہ داری کے لائق ہو، جس لمحہ سے شخصی ملکیت کا سرمایہ دارانہ ملکیت میں تبدیل کیا جانا ناممکن ہو جائے، اُسی لمحہ سے تمہیں وارنڈا کرنے کا حق ہے کہ کمیونسٹ ”فرد“ کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر تم گویا اعتراف کرتے ہو کہ ”فرد“ سے تمہاری مراد صرف ”سرمایہ دار“ ہے۔ یعنی صاحبِ سرمایہ۔ حالانکہ اس قسم کے فرد کو بلا شک مٹا دینا چاہئے!

کمیونزم کسی کو بھی اس کی اجتماعی پیداوار میں تصرف کی طاقت سے محروم نہیں کرتا۔ البتہ وہ سب کو اُس طاقت سے ضرور محروم کر دینا چاہتا ہے جس کے ذریعہ وہ دوسروں کی محنت پر قابو حاصل کرتے ہیں۔

کمیونزم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ شخصی ملکیت کی منسوخی کے ساتھ ہی ہر قسم کی جدوجہد بھی موقوف ہو جائیگی، اور سوسائٹی پر ایک عام اداسی اور کالہی چھا جائیگی۔ لیکن اگر حقیقت حال ایسی ہوتی تو سرمایہ دار سوسائٹی بستی کی وجہ سے اب تک کب کی برباد ہو چکی ہوتی۔ کیونکہ جو لوگ اس کے لیے محنت کرتے ہیں، وہ کچھ بھی نہیں پاتے، اور جو لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ کچھ بھی محنت نہیں کرتے۔

و فنون کی تمام تر بنیاد رضعیۃ اور رضعیۃ کے تعمق اور کارش پر ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس جس رضعیۃ کا انہماک بڑھتا گیا، فطریۃ کے فہم و ذوق کی استعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آ گیا، جب لوگوں کے دماغ اس درجہ رضعیۃ اور رضعیۃ طریق بحث کے عادی ہو گئے، کہ کسی اہم اور عظیم بات کو اُس کی سادہ اور سہل صورت میں دیکھ ہی نہیں سکتے تھے۔ ذہن کی کارش پسندی جو علوم رضعیہ کے اشتغال کا لازمی نتیجہ ہے، آسان اور سہل مطالب کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ یہ صورت حال، صرف قرآن ہی کو پیش نہیں آئی، بلکہ مختلف صورتوں اور حالتوں میں تمام ضعف سماری کو پیش آچکی ہے، اور منجملہ اُن اسباب کے جو ہمیشہ کتب و ادیان کی تعریف کا باعث ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ داعی قرآن (صلعم) نے اسے ”تعمق“ اور ”تنطع“ سے تعبیر کیا، اور فرمایا کہ ہلاکت کی راہوں میں سے ایک راہ یہ بھی ہے جیسا کہ متعدد مرقوفات میں وارد ہے۔ یہ مرقعہ تشریح کا نہیں۔ اگر آپ دقت نظر سے کام لیں گے تو ان چند جملوں کے اندر اصول تفسیر کی ایک اصل عظیم آپ کے سامنے آ جائیگی۔ یہ اصل عظیم نہ صرف تفسیر قرآن میں، بلکہ علم و نظر کے بے شمار گوشوں میں آپ کی رہنمائی کر سکتی ہے۔ ذہن انسانی ”رضعیۃ“ میں جس قدر کارش پسند ہوتا گیا ہے، اتنا ہی ”فطریۃ“ سے دور ہوتا گیا ہے۔

بہر حال یہ دوسرا ”غیر قرآنی“ طریقہ اُن تمام طریقوں پر مشتمل ہے جو صدر اول کے بعد پیدا ہوئے۔ متکلمین مفسرین کا طریق تفسیر کم و بیش یہی ہے۔ کوئی اس طریقہ میں ایک خاص حد تک گیا ہے، کوئی بہت زیادہ دور تک۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی راہ کے شہسوار ہیں۔ ان کے بعد اکثر مفسرین نے دانستہ یا نا دانستہ اُنہی کا نقش قدم اختیار کر لیا۔ قاضی ابن رشد کی کشف الادلہ اور فصل المقال اور شیخ الرئيس کی بعض مختصر تفسیریں امام رازی اور مفسرین متکلمین سے پہلے لکھی گئی ہیں۔ اُن کے مطالعہ سے ہم معلوم کر لے سکتے ہیں کہ متکلمین اشاعرہ، فلاسفۃ اسلام اور معتزلہ سے کتنا ہی انکار کرتے ہوں، لیکن وہ خود بھی اسی طریقہ کی پیداوار تھے۔ بہتر قسم کی نہیں۔ ناقص اور کمزور قسم کی پیداوار۔

ایک سخت بنیادی غلطی جو اس طریقہ کی مقبولیت کا باعث ہوئی، متاخرین کا یہ خیال تھا کہ وقت کی علمی ضرورتوں کیلئے سلف کا طریقہ سود مند نہیں ہے۔ یہ بات ضرب المثل کی طرح اُن کی زبانوں پر جاری ہو گئی تھی کہ ”سلف کا طریقہ ایمان کیلئے بہتر ہے مگر استدلال کیلئے مفید نہیں“ حالانکہ اگر ایمان کو جہل سے نہیں بلکہ علم و بصیرت سے پیدا ہونا چاہیے، تو جو طریقہ ایمان و یقین کے لیے سود مند ہوگا، وہ استدلال و بھان کیلئے کیوں غبر مفید ہو؟ جہانگیر نام نہاد علمی ضروریات کا تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ متاخرین کے طریقہ سے بڑھ کر کمزور اور نا مراد طریقہ، کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ ”استدلال“ کو فنون رضعیہ کے ”منطقی استدلال“ سے باہر نہیں دیکھ سکے، اور وجدان و طبیعت کی حقیقی شہادتوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ آپے اپنے استفسار میں جا بجا لکھا ہے کہ ”امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ موجودہ زمانے میں سود مند نہیں“ لیکن میں کہتا ہوں اس تنقید کی کیا ضرورت ہے؟ یہ طریقہ تو کسی زمانے میں بھی سود مند نہ تھا۔ کیا یہ طریقہ اُس زمانہ میں سود مند تھا جب امام صلعم نے تفسیر لکھی ہے؟ اس کا حال خود اُنہی



حجة ابراهیمی

ایہ کریمہ ”الم تر الی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریق

(از مولانا ابوالکلام)

الہلال نمبر (۱۵) میں جناب مولوی عبد الحق صاحب کا جو استفسار آیۃ مندرجہ عنوان کی نسبت شائع ہوا تھا، اُس کا جواب حسب ذیل ہے:

(۱) قرآن حکیم کے مطالعہ و تدبر میں آپ کو جو مشکلات پیش آ رہی ہیں، وہ اُس تک پیش آتی رہیں گی، جب تک کہ اس بارے میں چند بنیادی اصول واضح نہیں ہو جائیں گے۔ یہ مرقعہ تفصیل و اطناب کا نہیں ہے۔ مختصراً یوں سمجھیے کہ صدر اول کے بعد سے قرآن حکیم کے فہم و تدبر کی راہیں دو ہو گئی ہیں۔ ایک ”قرآنی“ ہے۔ دوسری ”غیر قرآنی“ قرآن کے فہم و تدبر کے لیے غیر قرآنی طریقہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے اس پر آپ کو تعجب ہو۔ اس میں شک نہیں یہ معاملہ فکر انسانی کے عجائب تصرفات میں سے ہے۔ مگر ایسے تصرفات اس کثرت سے ہر جگہ ہیں کہ انہیں عجیب سمجھتے ہوئے بھی ہمیں متعجب نہیں ہونا چاہیے۔

”قرآنی“ طریقہ سے مقصود قرآن کے مطالعہ و فہم کا وہ طریقہ ہے جو تمام تر قرآن پر مبنی تھا۔ قرآن سے باہر کے اثرات کو اُس میں داخل نہ تھا۔ عربی لغت کے صاف اور معروف معانی، عربی بول چال کے بے تکلف اور سادہ محاورات، صدر اول کا بے لاگ ذوق و فہم، اور انبیاء کرام کا فطری اور غیر صناعمی اسلوب بیان، اس طریقہ کی خصوصیات تھیں۔ سلف امت کا طریق تفسیر یہی تھا۔

”غیر قرآنی“ طریقہ سے مقصود وہ تمام طریقے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ مفسرین قرآن کے ذوق و فکر سے پیدا ہوئے۔ یہ علوم رضعیہ کی اشاعت، ایرانی، رومی، اور ہندی تمدن کے اقتباس، اور عجمی اقوام کے اختلاط کا قدرتی نتیجہ تھا۔ مفسرین کے ہر گروہ نے قرآن کے مطالب اُسی شکل و نوعیت میں دیکھے، جیسی شکل و نوعیت کی فکری حالت اُن کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہو گئی کہ قرآن کے الفاظ، تراکیب، اسلوب بیان، دلائل و براہین، مواظ و حکم، سب نے ایک دوسری ہی طرح کی نوعیت پیدا کر لی۔ قرآن کی تعلیم و بیان کی تمام تر بنیاد فطریۃ اور فطریۃ کی سادگی پر تھی۔ علوم

تیزی سے بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ خیال پیش نظر رکھ کر وہ اب مصر جانے والا ہے۔ وہاں وہ بڑے بڑے رقص کیلیے مدفنوں، رھیگا جنکا مجموعی رقفہ تین سال تک کا ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ اس عمل سے جسم آہستہ آہستہ متغیر ہو جائیگا مگر دماغ سرگنا زیادہ ترقی کر جائے گا!

طاہر کی عمر تیس سال کی ہے مگر علمی تجربوں کیلیے وہ اپنی زندگی کے پورے تین سال وقف کر دیگا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر دس پانچ برس اور نکل گئے تو اس تجربہ کا مرقعہ باقی نہیں رہیگا۔ جوانی گذر جانے کے بعد انسان اس طویل جسمانی سکون و جمود کی حالت برداشت نہیں کر سکتا۔

طاہر بے اعمال موجودہ انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہیں۔ وہ ایک ایسی راہ کا سالک ہے جسکا مغربی دماغ ادراک نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے چہرے، گردن، بازو، اور پیروں کو لوہے کی سلاخوں یا چھریوں سے چھید دیتا ہے۔ جب اس کے سینے سے خنجر باہر نکالا جاتا ہے تو نہایت تیزی سے خون کی دھار بہنے لگتی ہے۔ اور جب تماشائی یقین کر چکے ہیں کہ واقعی خون ہی ہے، تو وہ یکایک خون کا بہنا روک لیتا ہے۔ وہ اپنی نبض کی رفتار تیز اور سست کر سکتا ہے۔ وہ ایک ایسے تختہ پر جس پر لوہے کی نوکدار کدلیں جڑی ہوئی ہوتی ہیں، لیت جاتا ہے، اور ایک سو پچھتر پاونڈ کا پتھر اس کے ببت پر رکھ کر لوہے کے بہاری ہتھوڑے سے چور چور کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ اٹھا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے، اور ایک سکند کے اندر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا ہے!

کبا پتھر کا تکرے تکرے ہو جانا کوئی نظر کا دھوکا یا شعبدہ ہے؟ بعض اشخاص کا خیال ہے کہ اس عمل کے دوران میں سب لوگ مسمریزمی عمل سے مسحور کر دیے جاتے ہیں، اور انہیں وہی نظر آتا ہے جو عامل چاہتا ہے!

گذشتہ سال لندن تھیٹر کے منیجر مسٹر شوپٹ طاہر کے سے ملنے پیدس گئے تھے تاکہ امریکہ جانے کے معاملہ پر اس سے گفتگو کریں۔ لیکن اس کے سینے سے خون بہتا دیکھ کر انہیں غش آ گیا۔ وہ بہ مشکل اس لائق ہوئے کہ واپس آ کر اس کے مدفن کر دینے کا عمل دیکھ سکیں۔ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ فقیر ایک ساحر ہے۔

اگر یورپ کے علماء، مشرق کے قدیم نفسیاتی علوم سے واقف ہوتے، اور انہیں معلوم ہوتا کہ حبس نفس کی مشق علم وظائف اعضا (فزیالوجی) کے قوانین پر کیسا عجیب اثر ڈال سکتی ہے، تو وہ طاہر بے کے ان اعمال پر متعجب نہ ہوتے۔ اب سے تقریباً چار سو برس پہلے شیخ عبد الوہاب شعرائی نے قاہرہ میں خود اپنی آنکھوں سے یہ تمام اعمال دیکھے تھے، اگرچہ وہ انکی صحیح تعلیل نہ کر سکے۔

اسکا دعویٰ ہے کہ انہیں زخم یا ضرب شدید کا احساس نہیں ہوتا، یہ اپنے آپ پر کامل سکتہ کی سی حالت طاری کر دے سکتے ہیں۔ سانس روک لیتے ہیں۔ زندہ دفن کر دیے جاسکتے ہیں۔ اپنی زندگی اور اپنے خیالات پر قابو رکھتے ہیں، اور نیک و بد اراج کو بلا سکتے ہیں۔

”زندگی کا ابدی معما حل کرنے کے لیے فقراء موت کی عمیق غار میں اترتے ہیں۔ جس طرح غراض سمندر کی تہ تک پہنچ جاتا ہے، ان کی جسمانی موت، غفلت اور نسیان کی نیند کو ایک ایسی حد تک پہنچا دیتی ہے، جہاں سے جسم کے مرکب حصوں کی تفریق شروع ہو جاتی ہے، اور جہاں روح جسم سے الگ ہونا چاہتی ہے۔“

طاہر بے اپنے ابتدائی اعمال کی نمائش کے بعد اپنے آپ کو زندہ مدفنوں کرا دیتا ہے جس میں تماشائیوں کی خواہش کے مطابق دس منٹ سے لیکر نصف گھنٹے تک کا رقفہ ہوتا ہے۔ اس پر ایک سکتہ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کے کان، ناک، اور منہ

ہڑٹی سے بند کر دیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ایک تابوت میں لٹا کر اسے بالر سے بھر دیا جاتا ہے، اور تابوت زمین کے اندر دفن کر دیا جاتا ہے۔ جب وقت پورا ہو جاتا ہے تو تابوت نکالا جاتا ہے، اور چند سکند کے بعد طاہر بے کا سکتہ ختم ہو جاتا ہے۔ تابوت سے نکالے جانے کے وقت وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا اور جسم کا رنگ دھندلا مٹیدلا ہو جاتا ہے۔ طاہر بے کے بیان کے مطابق رنگ کی یہ تبدیلی اس لیے واقع ہوتی ہے کہ جتنی دیر تک وہ تابوت کے اندر رہتا ہے، دوران خون بند ہو جاتا ہے۔ اس کا قول ہے کہ اگر اپنے آپ پر سکتہ کی حالت طاری نہ کروں تو ہوا کے بغیر دس منٹ کے اندر مرجاؤں۔ بہت دن گزرے، دفن کا یہ طریقہ مصر میں بھی مروج تھا۔ ساحروں نے مجرموں کی سزا کے لیے یہ چیز

ایجاد کی تھی۔ کبرندہ زندگی کی قدر و منزلت جو دینی طور پر ضروری سمجھی گئی تھی، کسی انسان کیلئے سزائے موت جائز نہیں رکھتی تھی۔ مجرم صرف عارضی طور پر دفن کر کے پھر باہر نکال دیے جاتے تھے۔ تجربہ سے اندازہ کیا گیا تھا کہ اگر ایسی سزا متواتر دی جائے اور مجموعی سزا کا رقفہ ایک سال ہو جائے، تو مجرم کی عمر طبعی دو سال گھٹ جانی تھی، کبرندہ اس طویل جمرہ و سبوت کی حالت میں جسم کے رگ اور پٹے تباہ جاتے تھے، اور ان کی قوت کم ہو جاتی تھی۔

لیکن انہیں ساحروں کا بہ مترادف یہی ہے کہ اگر یہ درا چھڑی چھڑی خوراکیں میں دی جائے تو بہت سے امراض کیلئے مفید ہوتی ہے۔

ایک مزید انکشاف طاہر بے کے تجربوں کیلئے باقی ہے۔ وہ یہ کہ جسم جب مٹی کے اندر مدفن ہو جاتا ہے تو دماغ کی نشروں نما



طاہر بے تابوت سے نکالا گیا ہے اور ایک ڈاکٹر اسے کھڑا کر رہا ہے

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مرحمت پاشا

شہید حریت و دستور

مرحمت پاشا کا قتل

مرحمت پاشا کے رفیق محسن شیخ الاسلام خیر احمد آفندی نے (جو خود بھی قید خانہ طائف میں فوت ہوئے) مرحمت پاشا اور داماد محمد پاشا کے ہولناک قتل کا حال اس طرح لکھا ہے:

”مرحمت پاشا اور ان کے رفقاء، طائف کے قلعہ میں تین سال قید رہے۔ تیسرے سال کے آخر میں مرحمت پاشا کے ایک بھوپڑا بھل آیا تھا۔ فوجی ڈاکٹر کے حکم سے قتل کر دیا جائے، مگر ڈاکٹر باپے اور کمروری کی وجہ سے وہ عمل جراحی پر رضامند نہ ہوئے۔ پھر سب بھی تھا کہ مصروف کو ڈاکٹر کی ہمارت پر یقین نہیں تھا۔ داماد محمد پاشا نے والی جواز کو مرحمت پاشا کی لاعلمی میں خرید کر کسی ماہر طبیب کا انتظام کیا جائے۔ اس کے مصداق وہ خود آکر بیٹھے۔ مگر والی نے ان کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔

مرحمت پاشا نے اپنا علاج خود کیا اور زخم اچھا ہو گیا۔ سرکاری طبیب روز معائنہ کرتا تھا اور والی کو اطلاع دیتا تھا۔ والی تادیبی کے ذریعہ روزانہ سلطان کو خبر بھیجتا تھا۔ کیونکہ سلطان کو مرحمت پاشا کی موت کی جلد ہی تھی۔

ایک دن صوبہ دار ابراہیم آغا کے ساتھ ڈاکٹر مرحمت پاشا کے کمرے میں گیا اور بغیر کسی مناسبت کے کہنے لگا۔ اب تو یہ میں سیاسی دیروں کو علاج پر قتل نہیں کیا جاتا۔ جلاوطن کے پکے یکم ڈاکٹر انجام دیتے ہیں۔ جرم کی ناک پر کلور فارم دیکھ دیتے ہیں۔ جب سو جانا ہے تو گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے طبیب کے منہ سے یہ بات سنی، مگر کوئی اس کا مطلب سمجھ نہ سکا۔

تیسری لپٹن کا کمانڈر بکر آفندی چرکسی، قلعہ کے سیاسی قیدیوں کا محافظ تھا۔ چند مہینے سے وہ موجود تھا۔ مگر معتقلین میں مقیم تھا۔ مگر اچانک داپس آ گیا اور سید پاشا کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر ابراہیم آغا بھی تھے۔ لوگوں نے اس سے اس اچانک داپس کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا۔ ”طائف کی فوج مرتب کرنے اور قریہ کے باشندوں سے سرکاری محضری وصول کرنے آیا ہوں۔ مگر کئی سال سے انھوں نے ایک مہینہ بھی ادا نہیں کیا۔“

بکر آفندی کی داپس کے چھپے دہریہ قیدی پاشاؤں کے خادم، حضرت عبداللہ بن عباس کی سید میں ملازمہ زاد کرنے گئے جب عادت ان کے ساتھ رہا تھا۔ مرحمت پاشا کا خادم عارف آفندی ناز کو جانیں سکا کہ اس کے آغا کی طبیعت ساز تھی۔ ملازمہ کے بعد آفندی کا علاج تھا۔ ملازمہ کا رک رک کر علاج

میں داپس جانے نہیں دیا۔ نیز ایک آدمی بھجکر عادت آغا کو بھی طلب کیا۔ مگر اس نے اپنے آقا کے پاس سے ہٹنا منظور نہیں کیا۔ کمانڈر نے پھر آدمی بھجکا کہ عادت کو فوراً لے آؤ۔ اس مرتبہ مرحمت پاشا نے قلعہ سے کہا کہ کمانڈر سے کہو خود قلعہ میں آئے اور عادت سے جو کچھ لینا ہو کہہ جائے۔

کمانڈر فوراً آیا اور خیر احمد آفندی کے کمرے میں گیا۔ اس نے خیر احمد آفندی سے کہا:

”دار الخلافہ سے حکم آیا کہ تمام نوکر چاکر سیاسی قیدیوں سے علاوہ کر دیے جائیں۔ اب انھیں حکومت کی طرف سے کوئی رقم بھی نہیں دی جائے گی۔ عام قیدیوں کا کھانا کھلایا جائے گا۔ بازار سے بھی خرید کی عادت ہو۔ ظلم، دادات، کاغذ بھی رکھنے کی اجازت نہیں۔ خیر احمد آفندی کی بیوی بھی (جو طائف میں مقیم تھیں) نکال دی جائیں گی۔“

اس خبر نے تمام قیدیوں کو سخت پریشان کیا۔ محمد پاشا غصہ آدی تھے۔ انھوں نے کمانڈر کو بہت سخت سست کیا۔ مگر بے فائدہ تھا۔ سلطانی حکم عمل کیا گیا۔ تمام خادم، قلعہ کے باہر ایک گھر میں قید کر دیے گئے۔ کمانڈر نے چلتے وقت کہا وہ طائف سے باہر جا رہے ہیں۔ مگر انھیں۔ رات بھر قلعہ ہی میں رہا۔

مرحمت پاشا، دومرتبہ وزیر اعظم بن چکے تھے اور قوم کی عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں۔ مگر طائف نے ان کی خدمات کا کوئی لحاظ کیا، نہ ٹیپا نے ہی پر ترس کھلیا۔ انھیں بستر مرض پر اکیلا چھوڑ دیا۔ ان کا خادم زبردستی لے گئے۔ اس وفادار خادم کے عوض ایک بنگلہ سپاہی ان کی تیار دانی کے لئے مقرر کر دیا۔ لیکن مرحمت پاشا کے رفقاء مصیبت نے ان کی خدمتگاروں کی طرح خدمت کی۔ رات کو بھی انھیں تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ علی بہتوں کے ساتھ سوتے تھے۔

مرحمت پاشا، اپنی شجاعت اور ثابت قدمی میں مشہور ہیں۔ ان حالات نے ان کے حوصلہ کو ذرا نہیں کچا۔ وہ اب بھی خوش تھے۔ پابند سے ناز پڑتے تھے۔ دطائف کا بعد دیکھتے تھے۔ ملاوت میں مشغول رہتے تھے۔ تفسیر بیضاوی اور کتاب الشعار، ان کے مطالعہ میں تھی۔

وہ کہا کرتے تھے ”جو کچھ لوگ کر سکتے ہیں، کر گزریں۔ ہم بھلائیوں میں مزے ہیں۔ تمام گندگوں سے دھو ہو چکے ہیں۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ قتل کر سکتے ہیں، اور قتل جائے۔“

دنیا دہشت میں وقت و سہاوت کا دور تھا۔ وہ جیتا انجیز طوفان تھا۔ ان کی ذات پر کمال تھا۔

ایک دن کمانڈر بکر آفندی نے کمانڈر مریچ کو کمرے میں بلایا۔ مگر خیر احمد آفندی کی بیوی اور قیدیوں کے نوکروں کو پہنچائے۔ وہ مرحمت پاشا کے پاس بھی گیا۔ وجہ بیان کی کہ رخصت ہونے آیا ہوں۔ مگر مقعد یہ تھا کہ ان کی زبان سے کچھ نکلے اور چٹکی کھا کر خالوں میں مقبولیت حاصل کرنے۔ مرحمت پاشا نے کہا ”میری تقریر منور حق بحرف دالی حجاز سے کہہ دینا۔“

”کمانڈر عبداللہ نے ہمیں برا منصب بخشا ہے۔ مرحمت پاشا کی خدمت، آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ آج اس کی جو حالت ہو دیکھ لیں۔ یہ سلطان، اسی طرح اپنے خیر خواہوں کی خدمت پر انجام دیا کرتا ہے۔ مرحمت پاشا کو معلوم ہوا کہ سلطان اس کے قتل پر تیار ہوا ہے۔ ہمیں اس کام پر مقرر کیا ہے۔ اس وقت مختاری جتنی خاطر ملتا ہے، صرف اسی مطلب سے ہے۔ اس کے بعد مختار جرحاں بھیجا، ۱۹ دوسروں کی حالت سے معلوم کر سکتے ہیں۔ سردی آفندی نے اس کی دی تھی۔ اس پر سلطان نے خوش ہو کر اسے ”قاضی عسکر“ کا عہدہ دیا۔ مگر اب سردی آفندی کی حالت کیا ہے؟ اس وقت وہ گینسا میں ملا وطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے! جو دت پاشا ہمارے گرنے میں سلطان کا دست دبا رہا تھا۔ مگر آج اس کی حالت کیا ہے؟ اس وقت وہ قلعہ اپنے گھر میں قید ہے اور ذات کی زندگی بسر کر رہا ہے! ان معاملات پر غور کرو۔ کیونکہ اس سلطان کی طبیعت ہی ایسی ہے۔ تم مسلمان ہونے قرآن پڑھو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”من یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ وعلیہ اولہ وعلیہ اجمعین“ (جو کوئی جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کرے، اس کی سزا، جہنم جوں میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر خدا کا غضب ہوگا۔ خدا کی لعنت ہوگی۔ اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار ہے!)

اس کے بعد مرحمت پاشا نے اس آیت کی تفسیر حبان کی اور کہا: ”دیکھو حضرت حق بن علی علیہ السلام بھی بعض بادشاہوں کے اشارے سے قتل کئے گئے تھے۔ قیامت تک دنیاؤں کے قاتلوں پر لعنت کرتی ہے۔ خدا انھیں دوزخ میں ڈالے گا۔ تم والی سیر کر تفسیر حق بحرف کہہ دینا۔“

اس پر بکر آفندی نے کہا: ”جناب عالی! جی بہت می ٹرائیوں میں شریک ہوا ہوں۔ مگر میدان جنگ کے باہر آج تک ایک مرتل بھی اپنے ہاتھ سے نہیں اڑی۔ میں ہرگز کوئی جرم نہیں کر سکوں گا!“

سات دن بعد بکر آفندی داپس آیا۔ اس کے ساتھ قیدیوں کے نوکر بھی تھے۔ مگر مرحمت پاشا سے کہا ”سلطان کا حکم آیا ہے کہ نوکر قیدیوں کے پاس داپس کر دیے جائیں۔ انھیں طرح آرام دیا جائے۔ والی حجاز سے سلام کے بعد حضرت کی ہر کمرہ کو کوئی قصہ کہیں۔ میں نوکر پہلے آقا کے حکم کی اطاعت کرتا ہوں۔“

اس درمیان میں مرحمت پاشا کی صحت اچھی ہو گئی۔ تھیرا شفا حاصل ہو گئی تھی۔

ایک دن مرحمت نے ایک سپاہی سے دوہرہ منگایا۔ ایک سپاہی نوکر آفندی کو لے کر اس کے ساتھ ہو گیا اور بڑی مستحضر سے دوہرے کیا۔ لوگوں کو اس کی بات پر بہت تعجب ہوا تھا۔ کبھی قیدیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ آج کیوں اس قدر نرمی ہو گیا؟ سیدک، مرحمت پاشا کے کھانے کی روزہ خارج کر دیا کرتے تھے۔ انھوں نے پتلی کھولی تو دودھ کا رنگ اچھا تھا۔ ایک پیچ لے کر انھوں نے اپنی زبان پر رکھا، قلم خود لے کر لکھا۔ قیدیوں کو کھلایا، اپنے ہی مخصوص کمرے میں لے گیا۔ قلعہ کے باہر لے گئے۔ وہ برہنہ تھے۔ ان کی سترہ جات تھیں۔

مفہوم بھی رکھتے تھے جو عرب جاہلیہ کی لغت میں نہیں سمجھے جاتے تھے۔ صدر اول میں چونکہ مسلمانوں کا فوق خارجی اثرات سے متاثر نہیں ہوا تھا، اس لیے قرآن کے تمام الفاظ اپنے لغوی معانی میں قائم رہے۔ بلاشبہ اس عہد میں بھی ہر انسان جو قرآن کا علم رکھتا تھا، الفاظ قرآنی کے معجزات سے واقف تھا۔ لیکن یہ زبان ازربول چال کے رہے ہی صاف اور سادہ معجزات تھے، جو دنیا کی ہر زبان میں ہوتے ہیں اور جن کے معلوم کرنے کیلئے کبھی کسی اہل زبان کو کسی فلسفیانہ فن بلاغت و بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ابن کعب جب ”بل یداء مبسوطان“ اور ”الیہ یصعد الکلم الطیب“ پڑھتے تھے، تو بغیر اس کے کہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیوں سے آشنا ہوں اور ید و علو کے نفی و اثبات کی بحثوں میں الجھیں، اسکا وہ سیدھا سادھا مطلب سمجھ لیتے تھے جو ہر غیر متکلف عربی داس سمجھ لیتا۔

لیکن آگے چل کر جب علوم دخیلہ کی (یعنی ان علوم و فنون کی جو باہر سے عربی زبان میں منتقل ہوئے) اشاعت ہوئی، اور وضعی علوم کی اصطلاحات اور نظری مباحث کی منطقی تعریفات و حدود کا لوگوں میں مذاق پیدا ہو گیا، تو ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی پیدا ہو گئی جنہوں نے قرآن کو اہستہ اہستہ منطقی و فلسفی جامہ پہنانا شروع کر دیا، اور بہ تدریج اس کے الفاظ عربی لغت سے ہٹ کر منطقی تعریفات و حدود کی نوعیت اختیار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ کچھ عرصے کے بعد ان الفاظ کیلئے بھی معانی سمجھے جانے لگے، جو علوم وضعیہ میں ان کے لیے قرار پا چکے تھے۔

(۳) یہ تبدیلی الفاظ اور مطالب، دونوں میں ہوئی۔ مطالب میں بنیادی چیز قرآن کا اسلوب بیان و استدلال ہے۔ ایک عظیم اور اصولی غلطی متاخرین سے یہ ہوئی کہ وہ قرآن کے فطری اور وجدانی اسلوب بیان کی اہمیت معلوم نہ کر سکے۔ یرنانی فلسفہ کے اشتغال نے ان میں منطقی استدلال کا ذوق پیدا کر دیا تھا۔ انہوں نے کوشش کی کہ جہاں کہیں قرآن حکیم میں استدلال اور اثبات مدعا کے قسم کا کوئی بیان ہے، اُسے کہینچ تان کر منطقی استدلال کی شکل دیدیں۔

حالانکہ انبیاء کرام کے علوم کی راہ وضعی و منطقی طریق استدلال کی راہ سے بالکل مختلف ہے۔ انبیاء کرام کا خطاب علوم سے نہیں بلکہ قلوب سے ہوتا ہے۔ وہ علماء کے لیے بحث و نظر کا سامان پیدا کرنے نہیں آتے۔ بلکہ عامۃ الناس کے لیے ہدایت و سعادت کی راہیں کھول دینے کے لیے آئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اشیاء کی حقیقت کا سراغ لگائیں۔ وہ اس لیے آئے ہیں کہ اعمال اور ان کے نتائج کی حقیقت دنیا پر واضح کر دیں۔ پس وہ اپنی تعلیم و ہدایت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے، جسے کسی طرح کی بھی مشابہت منطقی طریق بحث و استدلال سے ہو۔ ان کا طریقہ سیدھا سادھا فطری طریقہ ہوتا ہے، جسے لیے نہ ترانسان کے بنائے ہوئے علوم و فنون کی تحصیل ضروری ہوتی ہے، نہ پیچیدہ اور دقیق مقدمات ترتیب دینے پڑتے ہیں، اور نہ کسی طرح کی ذہنی کارش اور نظری سلوک کی قید ہوتی ہے۔ ہر انسان اپنے وجدان کی قدرتی استعداد اور طبعیت بشری کے فطری طلب و داعیہ سے اُسے سنتے ہی قبول کر لے سکتا ہے، اور ایک فلسفی و حکیم سے لیکر ایک بادیہ نشین دھقان تک، ہر درجہ، ہر طبقہ، اور ہر زمانے کا انسان یکساں طور پر اُس سے یقین و ایمان حاصل کر لیتا ہے!

مے پرچہ لینا چاہیے۔ ان سے بہتر ان کی فائسائیں کیلیے کوئی شاہد نہیں ہو سکتا۔ نفسیر اور اساس التقدیس وغیرہ ان کے ابتدائی اور درمیانی عہد کی کوہ کندیوں میں سے ہیں۔ آخری عہد کی مصنفات میں سے ایک رسالہ مباحث ذات و صفات میں ہے۔ اس کے دیباچہ میں مشکلات مباحث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”لقد تأملت الطرق الکلامیہ و المناہج الفلسفیہ، فما رأیتھا تشفی غلیلاً، ولا تری غلیلاً، و رأیت اقرب الطرق، طریقة القرآن۔ و اقر فی اثبات: الرحمن علی العرش استری، و اقر فی النفی: لیس، کمثلہ شیء۔ و من جرب مثل تجربتی، عرف مثل معرفتی“ یعنی میں نے علم کلام اور فلسفہ کے تمام طریقوں پر غور کیا، لیکن معلوم ہوا کہ مشکلات راہ کیلیے کچھ سودمند نہیں ہیں۔ سب سے بہتر طریقہ قرآن ہی کا طریقہ ہے!

”فن المحبت ما ادق بیانہ

متحیر فیہ امام الرازی!

امام صاحب کا یہ اعتراف بعینہ بھی اعتراف ہے جو موجودہ اور قدیم عہد کے تمام حکماء کی زبانوں پر بھی طاری ہو چکا ہے۔ یہ مذہبی مباحث کی راہ سے اس کچھ میں آئے تھے، اس لیے الہیات کی اصطلاحوں میں اعتراف عاجز کر رہے ہیں۔ لیکن لامارک، ہیگل، اور اسپنسر براہ راست حقائق کائنات کی جستجو میں نکلے تھے، اس لیے وہ ان مصطلحات کی جگہ دوسری طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، لیکن اعتراف عاجز کی ایک ہی طرح کی راج دونوں کے اندر بول رہی ہے۔ لامارک کے اس قول میں کہ ”ہمارا سارا علم اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جہاں کا اقرار کریں“ یا اسپنسر کے ”اس اعتراف میں کہ ”اصلیت اور حقیقت کے ان تمام سوالوں کے جواب میں ہم اسے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کچھ نہیں جانتے“ اور امام رازی کے اس اعتراف میں کیا فرق ہے کہ:

نہایت اقدام العقول عقال

و اکثر سعی العالمین ضلال

و لم نستفد من بحثنا طول عمرنا

سوی ان جمعد فیہ فیل و فالو!

بہر حال جب تک قرآن حکیم کی تفسیر خالص قرآنی طریقہ پر نہیں کی جائیگی، مشکلات راہ حل نہیں ہو سکتیں۔

(۲) ایک اہم اور بنیادی کام اس باب میں یہ ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ، تراکیب، اور اسلوب بیان کو تمام وضعی اور خارجی عوارض سے پاک کر کے ان کی اصلی صورت و نوعیت میں نمایاں کر دیا جائے۔ جو بھی بہ اصلیت نمایاں ہو گئی، تمام اشکال خود بخود دور ہو جائیں گے۔

قرآن حکیم عربی زبان میں نازل ہوا۔ اُسے الفاظ عربی زبان کے الفاظ تھے۔ وہ انہی معانی کیلئے استعمال کیے گئے تھے، جن معانی کیلئے عربی لغت میں مستعمل تھے۔ قرآن نے خود جابجا اپنے عربی زبان میں ہونے، نہایت کھلے اور دلنشین ہونے، اور مطالب کے سہل اور رد فہم ہونے کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً سورہ مریم میں کہا کہ ”فانما یسرناہ بلسانک لبشر بہ المتقین“ ہم نے قرآن تمہاری زبان میں سہل کر دیا تاکہ منقی طبیعتوں کیلئے اس میں ہدایت کی بشارت ہو۔ ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ عظیم اور ابتدائی وصف باقی نہیں رہتا، اگر ایک لمحہ کیلئے بھی یہ فرض کر لیا جائے کہ اسے الفاظ ان عام اور معروف معانی کے علاوہ کوئی دوسرا

یہ عہد اتحادی فوجوں سے آستانے کی آزادی کی یادگار ہو چکا
عمومی کے غائب پر دہلی اتحاد نے ٹرکی سے التواء جنگ کا معاہدہ طو
کیا۔ اس معاہدہ کی رو سے ترکوں نے ہتیار رکھ دیئے۔ ہتیار رکھتے
ہی اتحادی فوجیں باہر تخت میں گھس پڑیں۔ انگریزوں نے "پیرا"
پر قبضہ کر لیا۔ فرانسیسیوں نے استنبول پر، اٹلی نے باسنوآس کے
ایشیائی ساحلوں پر، (اب سلطنتوں کے جنگی بیڑے بحر مروت اور اداسنو
میں داخل ہو کر لنگر اٹھا رہے تھے) اداسپی تہیں شہر کی طرف میدان
کر دیں۔ پھر ان کی بری فوجیں آئیں اور دشمن کی وہ حالت کر دی جو
خونخوار افواج، مفتوحوں کی کیا کرتے ہیں۔ ایسا ظلم و ستم شروع کیا
جس کا قصور کسی بھی ترکوں نے نہیں کیا تھا۔ سب سپاہی اندر سے ہلکا
ہلکا پھرتے پھرتے اور بے جان ہو گئے، ابھی میں جتنا کہتے تو بہت
سے ملتے تھے، اب تو نہ کھڑے نہ کھڑے بہت سے جلا وطن کر گئے
کلیاں میں تکلیف دہانوں کے استقامت سے کھڑے رہا۔

رحمت پاشا کی اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے محکمہ قضا کو بلا کر انجان بن کے کہا:

”مقدمہ دالے نے ہمیں ہی دودھ پھینکا تھا جس میں سے کھانا کو دیا کرتا ہے۔ لیکن چھپے بھی مقدمہ کا ایک قطرہ زبان پر رکھا، اس کی حلق جل گیا۔ مہم ہوتا ہوا نہر تانبے کے کاسے سے پیا ہو گیا ہو تو اس میں جال کر لیا نہ کہ خبر کردہ۔ ایسا نہ ہوا انھیں کوئی نقصان پہنچ جائے۔“

محمد آغا نے واپس آ کر کہا کہ انہوں نے دودھ دالے کے برتنوں کا معائنہ کر دیا۔ اسے مارینگے۔ قید کرینگے۔ قیدی حقیقتات کریں گے۔ قیدیوں نے یہ سنا تو سکرانے لگے۔ کیونکہ سن چکے تھے کہ کماندار اپنے ساتھیوں سے پوچھتا تھا۔ ان لوگوں نے مقدمہ کو کھالیا ہوگا؟ کیا مرے؟ کیا نہر کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہے؟

رحمت پاشا کے بعض رفقاء نے مہم دودھ کماندار کے پاس بھیجا کہ اس کی کیا دی تحلیل کی جائے۔ لیکن اسے ہنسر مقدمہ واپس کر دیا۔ اور کہا۔ یہاں تحلیل کرنے کے آلات موجود نہیں!

اس واقعہ کے بعد باوجودی خانہ اچھی طرح بند کر دیا جاتا تھا۔ کھانے پینے کے برتنوں پر ملائیں لگا دی جاتی تھیں۔ لیکن وہ ہفتہ کے بعد ایک دن عادت آغا نے جوں ہی دودھ کا کھانا، برتنوں پر سے ملائیں ہٹا دی تھیں۔ باقی کھانے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ حقیقتات معلوم ہو گیا کہ نہر ملا دیا گیا ہو۔ بعد میں اس آغا اور نور علی آغی نے اقرار کیا کہ انہوں نے نہر ملا دیا تھا!

اسی اثنا میں محمد پیشہ دست دے میں مبتلا ہو گئے۔ تپ چلا تو وہ کوئی نہر ملا دیا۔ انہوں نے قہر مینا چھوڑ دیا اور چوڑے ہو گئے۔

ایک دن پانی کا رنگ اور مزہ بدلا ہوا تھا۔ اس میں بھی نہر ملا دیا گیا تھا۔ فوراً صراحی توڑ ڈالی گئی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ نہر، مہر سے مہیا کیا جاتا تھا۔ لانے والا ایک شخص تحلیل آغا تھا۔ والی حجاز کو اس پر بہت اعتماد تھا اور اسی کے ذریعہ دشمنوں کو قتل کر دیا تھا۔ یہ ایک مدت سے یہاں آیا ہوا تھا مگر تباہ اس خطرناک جرم کا ترک نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ۳۱ راج سنہ ۱۲۸۵ کو رسالہ دار محمد علی دور جیٹ فوج اور توپ خانے کے کمرہ منظر سے آیا اور قلعہ کے محافظوں میں اپنے ہم سپاہی داخل کر دئے۔ محمد لطفی نے اتنے ہی مدت پاشا کے خادم عارف اچھا کو طلب کر کے کہا۔ میں نہر لایا ہوں۔ اگر تم رحمت پاشا کو کھانا تو تمہیں ایک نہر پوڑا انعام دیا جائے گا۔ ایک دوسرا شخص، محمد پاشا کو اسے لے کر تیار ہو گیا ہو۔ اسے ۹۰۰ پوڑا انعام دیا جائے گا۔

مارت آغا وادار کو کر تھا۔ اسے بظاہر نہر لے لیا اور دہڑ کیا کہ اپنے آقا کو قتل کر ڈالے گا۔ مگر قلعہ میں واپس آ کر رحمت پاشا اور محمد پاشا کو قہر بتا دیا۔ انہوں نے باقی رفقاء کو مطلع کیا۔ سب ہنسات پریشانی میں پڑ گئے۔

محمد لطفی، خاص قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ تمام قیدی اس حقیقت سے واقف ہو چکے تھے۔ اپنی آمد کے ایک ہفتہ بعد اسے اور کچھ جرم کی پھر کوشش کی۔ پورے قلعے میں فوج لاکر بھری اور محاصرہ کر لیا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ رحمت پاشا کے خادم عارف آغا نے جی ہی دغا داری سے کام لیا تھا اور سلاز ناش کر دیا تھا۔

واقعہ یہاں کہ صبر دانا براجم نے عادت آغا کو گئی دوسرے افسر کی مدد میں بلا کر کہا،

”میرا کج رات رحمت پاشا کا خاثر لڑ دیا چلتے ہیں۔ اب بے پناہ قہر سے اس کا معرکہ لڑا، مگر شکست کھائی نہیں گیا۔ لہذا اب یہ

کر دیکھ رحمت پاشا کے ساتھ سوتے ہو۔ مات کو کمرے کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔ دیکھو اگر دودھ بند کر کے سو گئے تو ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔ یہاں قلعہ میں سیاسی قیدی نماز عشاء کے بعد اپنے کمرے میں جانے کے لئے رخصت ہو رہے تھے کہ عادت آغا نے آکر کہا،

”آپ لوگ جہان نہیں، کیونکہ آج رات میرے آقا کو قتل کرنا چاہتے ہیں!“ تمام رفقاء گھبرائے اور انہوں نے طے کر لیا کہ رحمت پاشا کو تنہا نہیں چھوڑینگے۔ ایک افسر نے عادت آغا کی گفتگو سن لی تھی۔ اس نے محمد لطفی کو خبر ہو جانے کی۔ محمد لطفی نے فوراً عادت آغا کی گرفتاری اور قیدیوں کے منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ مش آغا ایک افسر نے آکر کہا، ”میرا لائی محمد لطفی سلام کے بعد کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا بچاؤنا ممنوع ہو۔ فوراً اپنے اپنے کمرے میں چلے جائے۔“

رحمت پاشا اور محمد پاشا نے جواب دیا، ”ہم ہرگز یہاں سے نہ جائینگے۔ تم لوہے کے زور سے ہیں نہ خیال دوا۔“

پھر فوراً بکر آغی کا منارے آکر کہا، ”عادت، ایک شیراز کی ہو۔ وہ ایک ایسا جھوٹ بولا ہو جسے پورے سندھ کا پانی بھی دھوئیں سکتا۔“

رحمت پاشا نے پوچھا، ”ہلے گرد یہ تمام طیاریاں کیسی ہیں؟“ بکر آغی نے جواب دیا، ”ہیں اب تک کوئی خاص حکم نہیں ملا۔ لیکن ہم بر حکم کی اطاعت ضرور کریں گے۔“

پھر اس نے تم کھائی کہ اب تک جتنی خبریں مشہور ہوئی ہیں بالکل جھوٹ ہیں اور قلعہ سے باہر چلا گیا۔

جرم کی رپا

۱۲ رجب سنہ ۱۲۸۵ کو رات کے پچھلے پہر میں رحمت پاشا اور محمد پاشا قتل کر ڈالے گئے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

اس رات میرا لائی محمد لطفی اور بکر آغی کا منار، قلعہ کے پھاگ میں ہو۔ قلعہ کے اندر بہت سی فوج جمع کر دی گئی۔ سپاہیوں کو کافی مقدار میں کارتوس تقسیم کر دئے گئے۔ اسی رات کے بعد محمد پاشا کے خادم حاجی شکر کی کھاناکر پچھلے گئے۔ پھر قیدی کے کمرے کے سامنے دودھ سلج سپاہی کھڑے کر دیئے گئے۔ رحمت پاشا کا منار عادت آغا چلے ہی سے قید کر دیا گیا تھا۔ مگر موصوت تنہا نہ تھے۔

ناحق پاشا کے (لٹکے ملی بک ان کے ساتھ سوتے ہوئے)۔ اچانک رحمت پاشا کے کمرے کا دروازہ توڑ ڈالا گیا۔ علی بکر آٹھائے گئے۔ اور رحمت پاشا کو قتل کرنا چاہا۔ انہوں نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ صرف خدا کے خوف سے ڈرایا اور نصیحت کی۔ انہوں نے کہا، ”دیکھو، سپاہی کا کام، وطن کی حفاظت ہو۔ نہ کہ اس کا کچھ جرم۔“

لیکن ان کا گھانا گھوٹ ٹالا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح قاتلوں نے محمد پاشا کا دودھانہ بھی توڑا۔ وہ جا پڑے اور تکیہ اٹھا کر دیر تک مقابلہ کرتے رہے۔ آخر تھک گئے۔ محمد آغا، ایک افسر نے ان کے گھے میں سے کھانا ڈال دیا۔ وہ زندہ سے چلائے۔ ”ان اسرا۔“ اس آواز پر سب لوگ جاگ پڑے۔

خیر احمد آغی، پاس کے کمرے میں تھے۔ وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ سپاہیوں نے کہا، ”ڈرے نہیں۔ آپ کے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔“ مگر وہ اس قدر عروب ہو گئے تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور مدت بھر اسی حالت میں رہے۔

محمد پاشا کو قتل سے پہلے بہت تکلیف دی گئی، پھر گھانا ڈالا گیا۔ مگر یہ کافی بھگایا اور لاشیں سے ان کا ہاتھ توڑا گیا۔

قل کے بعد دونوں شہیدوں کو قتل خانے آٹھائے گئے۔ رات

یہی کوئی ایک تھوڑا سا لٹکی واپس توڑ کر اس کے لئے کچھ لٹکیاں لٹکیں گے۔ امام یونس آغی کو شہیدوں کے ہٹانے کا حکم دیا گیا۔ مگر انہوں نے انکار کیا۔ اس پر دونوں کو بغیر غسل اور کفن کے دھن کر دیا گیا۔ دونوں قبروں پر دو پتھر لگا دیئے گئے۔ ایک پر کھانا تھا۔ دوسرا پر راج کو قوت ہونے۔ دوسرے پر تھا ”محمد پاشا نہر کی قوت ہونے۔“

حالانکہ بالکل جھوٹ تھا۔ کیونکہ وہ قتل کی ایک ہی دہائی کیا گیا تھا۔

رحمت پاشا اپنے قتل کے بہت دنوں سے مہر تھے۔ واقعہ سے دو تین دن پہلے ایک مرتبہ نان کے بعد مہر جھلنے دیر تک بیٹھے ہوئے۔ ساتھیوں نے فکر کی وجہ دریافت کی۔ کہنے لگے،

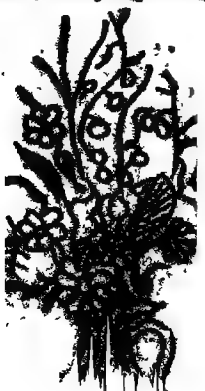
”میں موت کے باسے میں غور کر رہا ہوں جس کی تکلیف نہ منط سے مجھے کم میں ختم ہو جاتی ہو۔ سوچتا ہوں کہ کون سی موت بہتر ہے کم تکلیف وہ ہوتی ہو، گلا گھونٹنے کی موت یا گولی کی موت یا بیماری کی موت؟ اگر مجھے اعتقاد ہوتا تو میں موت کو زندگی پر ترجیح دیتا، مگر یہ معاملہ انسان کے اپنے پس کا نہیں ہو۔ دیکھو میں بیمار ہوا۔ موت سے قریب ہو کر پھر مقدمہ ہو گیا۔ بیماری وجہ سے کمی سم یہاں قید ہیں۔ شاید چلا دی موت ان کی دہائی کا سبب ہوگی۔“ وفات سے پہلے رحمت پاشا نے خیر احمد آغی کو ہم پوڑا دئے اور کہا، ”یہ میرے کفن دفن کے لئے ہیں۔ مگر خیر احمد آغی کو اس خدمت کا مقدمہ نہیں ملا۔ اس لئے انہوں نے یہ رقم حکومت کے حوالے کر دی۔“

رحمت پاشا اور محمد پاشا، گلا گھونٹ کر قتل کئے گئے۔ مگر حکومت نے یہی مشہور کیا کہ وہ بیمار ہوئے تھے اور اپنی قضا سے مر گئے۔ لیکن دنیا نے یہ جھوٹ تسلیم نہیں کیا اور بہت جلد حقیقت مشہور ہو گئی۔

سلطان عبدالحمید ان دونوں شہیدان وطن سے اس قدر خائف تھا کہ بہت دن تک ان کی موت کا اسے یقین نہیں ہوا۔ چنانچہ دوسرے دن اپنے خاص آدمی حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے طائف بھیجے اور انہوں نے قیدی حقیقتات کی سرگلا کو برابر ہی شک دیا کہ دونوں کس بھاگ گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آخر میں سلطان نے حکم دیا کہ رحمت پاشا کا سر کاٹ کے اس کے پاس بھیجا جائے۔ چنانچہ قہر کھودی گئی، سر کاٹا گیا، اور ایک صندوق میں بند کر کے روانہ کر دیا گیا۔ مگر چونکہ بیچ میں سر سبز پڑتی تھی اور وہاں کا بیجی خانہ بہت سختی سے تلاشی لیتا تھا، اس لئے صندوق پر یہ عبارت لکھ دی گئی، ”خاص پوڑا سلطان کے ہاتھی دانت کی مصنوعات۔“

رحمت پاشا اور محمد پاشا کی قبریں کچھ دور سے موجود ہیں۔ مگر احمد رتب پاشا نے اپنی حکومت کے زمانے میں ان پر سے پتھر اکھڑا ڈالے اور قبریں زمین سے برابر کر دیں۔

یہ عجیب بات ہو کہ اس واقعہ قتل کے ایک ہفتہ بعد والی حجاز مرض طائف میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ گویا خدا کا دیا تھا کہ اس کا انتقام



افسانہ

فرانس کا آخری مقبول ڈراما

مضحک اور غمناک عناصر کا مجموعہ

ایلن کاشوہرا

ذیل میں اس ڈرامے کا خلاصہ ایک نقاد ماثالی کی نظر سے قلمبند کیا گیا ہے، جو گذشتہ موسم بہار میں پیرس کا سب سے زیادہ مقبول اور دلچسپ ڈراما تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے چند امور پیش نظر رکھنے چاہئیں:

- (۱) "کامیڈی" اور "ٹریجڈی" کی دو قدیم تئیں معلوم ہیں، لیکن ایک تیسری قسم وہ ہے جس میں دونوں طرح کے جذبات جمع کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یعنی وہ واقعات و احساسات کا ایک ایسا ملا جلا مجموعہ ہوتا ہے، کہ اسے ایک اعتبار سے مضحک کہہ سکتے ہیں، ایک اعتبار سے غم انگیز۔ اس اشتراک سے قطعاً یہ نہیں ہو کہ سلسلہ واقعات میں بعض حصے غم انگیز آجائیں اور بعض مضحک، جیسا کہ شکسپیر نے جلدی صبی غمناکی میں ایک منظر پیش کیا اور برکھوفنے والوں کے مضحک مکالمہ کا دکھا دیا ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ نفس امارہ اس کے واردات و احساسات کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ اسے ایک پہلو سے مضحک اور ایک پہلو سے غم انگیز قرار دے سکے۔ یہ قسم آجکل فرانس میں سب سے زیادہ مقبول ہے، اور مندرجہ ذیل ڈراما اسی قسم کا ایک آخری نمونہ ہے۔
- (۲) سب سے زیادہ قابل غور دلچسپی کی موجودہ اخلاقی ذہنیت کی نمائش ہے جو اس ڈرامے میں پہلے سے آجانی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ آئین اور اس کے شوہر کی قصصی سیرت اور پت کے اعلیٰ اور متوسط طبقات کے نوے کی صدی مرد و عورت کی حقیقی سیرت۔ حیات و زوجیت کی اخلاقی اور معاشرتی طبع فضا ہو چکی ہے۔ محض ایک طرح کا قانونی معاہدہ رہ گیا ہے جس کی پابندی معاشرتی ضروریات کی بنا پر کی جاتی ہے، بہت ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ پابندی بھی ضروری نہ رہے۔ موجودہ تمدن کا ہتھکڑے خرچ، اخلاق اور اخلاقی حدود کا خاتمہ ہو گا۔

سے بھی زیادہ دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا لباس اس کے سن سال اور مرتبہ کے مناسب ہو۔ اس کی گفتگو سننے والے کی جان جانے جو کہ ہرگز کی مخلوق نہیں، اطراف ملک سے آئی ہے۔ اندیشہ کہ اس کا ہم طبقہ ہو فتن رکھتی ہے جو متوسط طبقہ تو نہیں ہے مگر اس سے اکثر کر رہا بھی گلا نہیں کرتا۔

عورت، بیوہ ہے۔ شوہر کی یادگار ایک لڑکی آئین موجود ہے۔ یہ نہایت حسین اور خوش اندام ہے۔ ماں بچی زانہ کے جوڑے تنگ آکر پیرس میں پناہ ڈھونڈ رہی ہیں۔ فن موسیقی کے ایک ماہر سے ملاقات ہوئی ہے۔ وہ خود بھی اپنے ہنر میں بدست ہے مگر قصباتی و دشمنہ پرور ہے جو جاتا ہے۔ دونوں کو اپنے شکستہ گھر میں جگہ دیتا ہے۔ پھر بیک وقت اس رشکناہ کا استاد، مرنی، اور عاشق بن جاتا ہے۔

لڑکی، رقص و سرود میں کامل ہو جاتی ہے۔ پیرس کی ایک تھری کی کپنی اس کی خدمات قبول کر لیتی ہے۔ آج کی رات وہ پہلی مرتبہ ایک پرانے والی ہے۔ ماں اسے بڑے ہی تاثر، اضطراب، مسرت اور کسی قد خون کی نظر میں سے دیکھ رہی ہے۔ لیکن کامیابی کی اہمیت بھی سمجھتی ہے اس لئے خوشی بھی منانا چاہتی ہے۔ چنانچہ اسے دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ مینر جو ہنر کے کھانے چاہے ہیں جو دو تھنڈوں کے لئے معمولی گریزوں کے لئے کہتے ہیں۔ وہ اپنے دل کی تمام باتیں اپنی کم سن بھرتی خواہ کو سناتی ہے۔ اس کا لہجہ بالکل دیباچی

(۱) میں ہنسنا چاہتا تھا جب یہ ڈراما دیکھنے کے لئے جانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ ہنسون گا، کیونکہ قصہ کامیابی مضحک تھا۔ پھر پہلی مرتبہ اس نے یہ آیتا اور کتے چنیوں کی نظریں اب تک اسپرٹس پڑی تھیں جو انیکٹر اس میں جھلنے والے تھے، سب فن ظرافت میں مشہور تھے پیرس کے مخلوق کی عادت ہے کہ پہلے ہی سے لکھ اٹھانے لگتی ہے میں نے بھی پیشگی ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

سننے ہوئے تعمیر پہنچے۔ پردہ اٹھنا تھا کہ اے ہنسی کے پریٹیں بل پڑ گئے لیکن چند ہی لمحے بعد ہنسی غائب ہو گئی۔ اپنے اندر میں نے ایک عجیب طرح کا احساس پایا۔ الفاظ شاید اسے بیان نہیں کر سکتے کیونکہ وہ احساس نہ تو خالص سرسختی نہ خالص رنج۔ یا یوں کہو کہ وہ چیز خالص رنج سے بھی زیادہ قلب کو متاثر کر رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی جسم پر بھی جو گرتی تھی۔ بلکہ شاید ہنسی پر۔ شاید قہقروں پر یا فٹری میں مسکراتا رنج میں کھلکھلا کر ہنسا!

کیوں؟ اس لئے کہ سیرت ہمارے سامنے انسان کی ایسی خلعتیں پیش کر رہا ہے جن کا ظاہر ہنسنا ہے والا ہے، ہنسنا چاہتا ہے یا نہ چاہتا ہو، ہنسنے والا ہے، رونا چاہتا ہے یا نہ چاہتا ہو۔

(۲)

پردہ اٹھنے ہی ایک اور طبعیت تھا اسے سامنے موجود۔ ادیب

نے ایک طریقہ دریافت کیا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ کامیابی انھیں کے لحاظ سے خون کی جالی کی جالی ہے۔ خون کی جالی ہے ثابت ہو چکا ہے کہ کامیابی تعامل کے لحاظ سے انسان اور ہندو تھا انسان کا خون بالکل ایک ہی طرح کا ہے۔ دونوں کا خون یکساں طور پر یکساں اور ان قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور دونوں خون اپنی کامیابی ترکیب میں بھی ایک ہی ہیں۔ پھر انسانی ترکیب میں دونوں کے دماغ بھی یکساں ہیں۔ رجم ماد میں جس طرح انسان کا پھر نشوونما پاتا ہے ٹھیک اسی طرح اس بند کا پھر بھی نشوونما حاصل کرتا ہے۔ رجم میں دونوں بالکل یکساں حالات سے گزرتے ہیں۔ دونوں کے جسم میں ایک ہی قسم کے اثری اعضاء بھی موجود ہیں اور نظریہ نشوونما ارتقاء کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ پھر جس طرح عورت اپنے بچے سے محبت کرتی اور پالتی پوتی ہے، بالکل اسی طرح اور لیسے ہی جذبات کے ساتھ ہمارے قسم کا بند بھی اپنے بچے کو پالتا ہے۔

یہ تمام حقائق، ان کثیر دلائل میں سے صرف چند ہیں جن کو انسان اور اس بندرنا انسان میں کامل مشابہت ثابت ہوتی ہے۔ اگر یہ دونوں مخلوق ایک ہی اصل سے پیدا نہیں ہوئے، تو اس مشابہت کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے؟

دماغ انسانی کا نشوونما

بند کے دماغ میں کوئی جزو ایسا موجود نہیں جس سے مشابہ جزو انسان کے دماغ میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح انسان کے دماغ میں جو اجزاء اور اعضاء کی ترکیب موجود ہے، بعینہ وہی گوریل کے دماغ میں بھی موجود ہے۔ انسان کا دماغ بندرنا انسان کے دماغ سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ فرق صرف کیت کا ہے۔ انسان کا دماغ کیت میں زیادہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ فرق، معمولی فرق نہیں ہے۔ انسان کے دماغ کے کیت اور معین اجزاء میں اس کی تقسیم ہونے انسان کو نشوونما اور اک، عمل و کلام، اور تعلیم و تربیت کی قوت بخشی ہے۔

طواریق نے انسان اور بندرنا انسان کے دماغوں کی تحقیق کی۔ ثابت ہوا کہ فرق صرف کیت میں ہے نہ کہ نوعیت میں۔ طواریق کے بعد دوسرے بہت سے علماء نے بھی تحقیق کی اور اس لئے کی تائید کی۔ علم وظائف الاعضاء، علم النفس، علم التشريح، اور علم الجینیٹک وغیرہ علم کے مباحث سے ثابت ہو گیا ہے کہ انسان کے دماغ نے بندرنا انسان کے دماغ سے ترقی کی ہے، اور اس ترقی کے دوران میں کسی نئی ترکیب کا اس میں اضافہ نہیں ہوا ہے۔

سیمیہ مشکلات

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری تحقیقات بالکل مکمل ہو چکی ہیں اور حقیقت ہم ابھی پہلی ہی منزل میں ہیں۔ پہلے سے سائنس بہت سی ایسی سیمیہ مشکلات ہیں جن میں ہم حل نہیں کر سکے ہیں۔

ہم اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب ہم یقین کے ساتھ انسانی دماغ کی ترقی اور گوریل کے دماغ کی ترقی کا سبب بیان کر سکیں گے ہم ناموس وراثت کی معقول تفسیل کر سکیں گے اور بتا سکیں گے کہ کیا ایک خاندان زیادہ طاقتور ہوتا ہے اور دوسرا کمزور؟

پھر یہ عجیب بات ہے کہ عہد مسیحی میں صرف انسان کے مورث اعلیٰ کے دماغ ہی نے ترقی نہیں کی، بلکہ دوسرے بہت سے حیوانات کے دماغوں نے بھی ترقی کی ہے۔ شروع میں تمام بندوں کا دماغ بہت ہی چھوٹا تھا۔ پھر اس میں زیادتی ہوتی رہی یہاں تک کہ انسانی دماغ کا طرز ہوا۔ یہ کیوں ہوا؟ وہ کیا موثرات تھے جنہوں نے اس دماغ کے لئے ترقی کی راہ باز کی؟ سرسخت (ان سوالوں کا جائزہ پاس شانی جلیب موجود نہیں ہے)

کی ایک کان ملی ہو۔ البتہ خیال کیا جاتا ہے کہ ملک میں سیٹھے، رنگ،
تانبے کی بھی کانیں موجود ہیں، مگر زیادہ بڑی نہیں سمجھی جاتیں۔
مراکش کی تجارت

مسئلہ سے اب تک کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ مراکش میں
براہم پر درآمد کا سلسلہ اضافہ ہو رہا ہے۔ ذیل کے نقشے سے اس کا
اغانہ ہوگا:

سنہ	لین فرینک کے حساب سے زیادتی
۱۹۹۰ء	۱۳۲
۱۹۹۱ء	۵۱۳
۱۹۹۲ء	۵۰۸
۱۹۹۳ء	۳۳۰
۱۹۹۴ء	۶۲۶
۱۹۹۵ء	۹۸۰

مراکش کی تجارت میں فرائض کا حصہ بہت بڑا ہے۔ ذیل کے نقشے
سے اس کا اغانہ ہوگا:

محصنہ	مجموعی تجارت	فرائض کا حصہ
۱۹۹۰ء	۲۲۲	۱۵۲
۱۹۹۱ء	۱۲۱۹	۷۵۳
۱۹۹۲ء	۱۷۵۲	۹۵۳
۱۹۹۳ء	۲۲۰۳	۱۳۲۷

برآمد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ مسئلہ میں مراکش کی کل برآمد ۲۰
لین فرینک تھی۔ مسئلہ میں ۱۲ لین تک پہنچ گئی۔ لیکن درآمد کے
مقابلے میں یہ ترقی بہت معمولی ہے۔ کیونکہ برآمد میں فاسفٹ بھی اہل
ہو جو سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہے۔ اس کی قیمت مسئلہ میں
۱۰،۲۵۰،۰۰۰ فرانک تھی۔ اسی طرح دوسری کاؤں کی آمدنی جو
فرانسیسی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہے، ۶ لین فرینک تھی۔
اس وقت تک مراکش کی ۹ لاکھ کھار قابل کاشت زمین، ۶۶
ہزار فرانسیسیوں کی ملکیت میں جا چکی ہے۔ یہ لوگ اپنی پیادان فرائض
بھیجتے ہیں اور بے شمار نفع حاصل کر رہے ہیں۔

مراکش کا قرضہ

فرانسیسی حمایت سے پہلے مراکش پر ۱۹۹۰ لین قرضہ تھا۔ لیکن مسئلہ
میں ایک نیا قرضہ اس کے سر منظم دیا۔ اب اس کی تعداد ۴۴
لین فرینک ہو گئی ہے۔ حکومت مراکش کے سالانہ میزانیہ میں قرض
اور سود کی ادائی کے لئے بھی ایک لکھ لکھتی ہے۔ ۱۹۹۲ میں حکومت کی
آمدنی ۳،۴۳۰،۰۰۰ فرانک تھی اور قرض کی قسط
۳،۴۹۰،۰۰۰ فرانک تھی۔ مسئلہ میں آمدنی ۱۱،۵۱۷،۰۰۰
فرانک تھی اور قرض کی قسط ۱۸،۴۰۰،۰۰۰۔

ریلوے

اس وقت مراکش میں ۱،۲۵۵ کیلو میٹر ریلوے لائن بھی ہوئی ہے
لائن دو قسم کی ہے: چھوٹی اور بڑی۔ چھوٹی لائن، فوجی نقل و حرکت
کے لئے ہے اور جب ذیل مقامات کو متصل کرتی ہے:

خط	دورانی
دار البینا سے مراکش تک	۲۸۳ کیلو میٹر
جدہ سے فاس تک	۴۰۱
قطر سے دزبان تک	۱۵۸

آخر الذکر دونوں خطوں سے جنگ ریل کے زمانے میں اس
نے بہت فوائد حاصل کئے۔ ان پر سافر بھی سفر کرتے ہیں، مگر کم۔
بڑی لائن کی دو شاخیں ہیں:

فاس سے مراکش تک۔ فاس سے مراکش تک، ایک لکھ ۲

مذکرہ علیہ

نظریہ نشو و ارتقا کی موجودہ منزل

(۲)

مشکلات

نظریہ ارتقا کے تحقق کی راہ میں اب تک متعدد مشکلات اٹھ
ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ طبقات الارضی تاثرات کے تحت
ارتقائی سلسلے کی بعض کڑیاں کم ہیں۔ ان کڑیوں کا پتہ لگانا ضروری
ہے۔

حفریات کی مدد سے ہم نے ہمدیوسینی (یعنی وہ عہد جس میں
کی سطح کا دوسرا طبقہ طیار ہونا شروع ہوا) کے اواخر تک کی تحقیق
کر لی ہے۔ مگر خود اس عہد کی تحقیق پوری طرح مکمل اور یقینی نہیں ہے۔
بلاشبہ ہیں ہمدیوسینی طبقات میں پھرائے ہوئے دانت لے ہیں لیکن
ہم یہ بندرنا انسان، یا انسان ناماند کے دانت ہوں۔ لیکن اس
مخلوق کی تعین کے لئے مزید تحقیقات کی ضرورت ہے۔

ہمدیوسینی کم سے کم ڈیڑ لاکھ برس دراز تھا۔ اس سے پہلے
کا زمانہ، عہد ہمدیوسینی کہلاتا ہے اور کم سے کم چھ سات لاکھ سال دراز
تھا۔ اسی عہد میں بندرنا انسان ظاہر ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلگوم کو جو
ہندوستان کے شعبہ طبقات الارض میں کام کرتے ہیں (ایسے پتھر لے
ہوئے آباد ستیاپ ہوئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بندر
نما انسانوں کی بارہ تیس موجود تھیں اور عہد ہمدیوسینی کے واسطے
دادا آخرین ہا لیس کے جنگلوں کے اندر زندگی بسر کرتی تھیں پھر
آج ہم بندرنا انسان کی کم از کم تین ایسی قوموں سے بھی واقف
ہیں جو اسی عہد میں یورپ کے جنگلوں کے اندر موجود تھیں لیکن
ان میں ہیں ان کے جسم کے صرف وہی اجزاء مل سکے ہیں جو زیادہ

پائیدار تھے۔ یعنی دانت اور جڑے۔ ان دانتوں کو اگر قدیم انسان
کے دانتوں کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو کوئی شخص اس امر کو
انکار نہ کرے گا کہ عہد ہمدیوسینی کے بندرنا انسان کے دانت موجودہ
انسانی دانتوں کی اصل ہیں۔

انسان کب ظاہر ہوا؟

یہ غیر ضروری ہے کہ عہد ہمدیوسینی سے پہلے انسان کے ظہور کی حقیقت
کی جائے۔ کیونکہ اس عہد سے پہلے کے الارضی طبقات میں صرف بندر
نما انسان ہی کے آثار ملتے ہیں۔ اس وقت جتنے بھی دلائل ملے
اس میں موجود ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ انسان نے ایک
ایسے بندر سے ظہور کیا ہے جو بندرنا انسان قسم کا تھا۔ یہ پتہ چلا ہے
قسم کے بندر سے زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ اور یہ کہ انسان کی اصل
اتحادیوٹ سے عہد ہمدیوسینی میں جدا ہوئی ہے۔ بنا بریں انسان کی
عمر، دس لاکھ برس کی ہے۔

انسان کے تسلسل کے مراحل

طبقات الارضی سباح سے اب تک قطعی طور پر ثابت نہیں ہوا کہ
انسان کی اصل، بندرنا انسان ہے۔ پھر کیا وجہ ہو کہ ہم اس آ
پر زور دیتے ہیں کہ انسان اپنے ظہور کے کسی عہد میں بندرنا انسان
قسم کی ایک مخلوق تھا؟ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ انسان اور بندر
مخلقت حیثیتوں سے بہت فرق ہے۔

میں مختصر جواب دیتا ہوں۔ موجودہ صدی کے ادائی میں فزیر
نیلون نے ہر شخص جو انسانی کا تعلق اس کے افراد سے معلوم کرنے کے

سنہ	لین فرینک
۱۹۳۵	۲۹۳۵
۱۹۳۸	۲۳۳۸
۱۹۴۲	۹۰۲۲
۱۹۵۶	۱۲۰۵۶

صحرا میں ریل

شمالی افریقہ کے فرانسیسی نظم و نسق کی سرکاری کانفرنس ہر سال منعقد
ہوا کرتی ہے۔ حال میں اس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس
نے متعدد نئی تجاویز منظور کی ہیں۔ ان میں سے زیادہ اہم تجاویز یہ ہیں کہ
صحرا میں ریلوے لائن تعمیر کر کے شمالی افریقہ وسطی افریقہ سے ملا دی
جائے۔ اگر یہ ریلوے خط تعمیر ہو گیا تو افریقہ کی عمرانی اور تجارتی حالت
میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ صحرا کا تمام غیر آباد حصہ
میں آباد ہو گا۔ اور اس سے صحرا کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ اور اس سے صحرا کی حالت بہتر ہو جائے گی۔

۴۔ اس کی دورانی ۲۰۶ کیلو میٹر ہے۔
قنطرہ۔ رابطہ لائن۔ یہ دار البینا اور مراکش ہوتی ہوئی
طبیحہ۔ فاس ریلوے سے مل جاتی ہے۔ یہ سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہے۔
مراکش میں فرائض کے جنگی مصارف
ذیل کے نقشے سے معلوم ہو گا کہ فرائض کو اب تک مراکش کے
محکم کرنے کے لئے کتنے مصارف برداشت کرنا پڑے:

سنہ	لین فرینک
۱۹۲۶	۱۲۶
۱۹۲۸	۵۹۸
۱۹۳۰	۱۳۱۰
۱۹۳۸	۲۹۰۸
۱۹۴۲	۳۷۴۲
۱۹۵۰	۹۲۵۰

تاریخ و عبر

آزادی کی راہیں

تاریخ قرطاجہ کا ایک عبرت انگیز صفحہ

ہنیال نے دم کو سخت شکست دی۔ ترازین کا مور کا پھل
قم میں واقع ہوا، بہت ہولناک تھا۔ اس کے ایک برس بعد
"کان" میں دم کو ادھی زیادہ سخت شکست ہوئی۔ پوری فوج
کٹ گئی۔ ہنیال، اٹلی میں جا کر ایک جنگ کرتا رہا۔ دم کے اکل
قریب تھا۔ مگر سخت کوشش کے باوجود بھی اسے کسی طرح فتح نہ کر سکا۔
مسلل جنگوں نے خود ہنیال کو بھی بہت کمزور کر دیا تھا۔ اس
نے قرطاجہ، لگ کے لئے لکھا۔ فوراً اس کا بجائی ہر دو بل ایک
فرج چلے کر دیا ہوا۔ مگر دیکھئے متوجہ ہوں پر دیا نہیں نے اسے
روک لیا۔ جنگ کی۔ اسے قتل کر ڈالا، اور پوری فوج برباد ہو گئی۔
اس اٹالیا میں رونا نہیں نے ہنیال کو چھوڑ کر خود قرطاجہ
پر چڑھائی کر دی۔ قرطاجہ داروں نے ہنیال کو مدد کے لئے بلایا وہ
فوراً چلا۔ مگر مسئلہ ق م میں قرطاجہ کے قریب ہی آئے وہی پہ
سالار شہنشاہ نے سخت شکست دیدی۔

اب قرطاجہ کے لئے اس کے ہوا کوئی چلہ نہ تھا۔ اس کی مدد
کرے۔ دم نے طرح کی شرطیں پیش کیں کہ قرطاجہ اپنا پورا جنگی ہتھیار
اور ہتھیار اس کے لئے تمام جزیرے اور اسپین میں تمام مقبروں میں
دم کے حوالے کر دے۔ نیز بھی کسی سے جنگ نہ کرے۔ قرطاجہ یہ
ذلت قبول کرنے پر مجبور تھا، لیکن ہنیال نے اس کا رد کیا۔ وہ لکھا
بد ہو گیا۔ سیریا اور مقدونیا کے بادشاہوں کو دم کے خلاف جا کر
کھڑا کر دیا۔ ان کی فوجوں میں لڑا رہا۔ لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی
آخر اسے مسئلہ ق م میں نہر کا خود کشی کر لی۔

تیسری جنگ

(مسئلہ مسئلہ ق م)

یہ قرطاجہ اور دم کی آخری لڑائی تھی۔ مگر تاریخ میں پہلی دفعہ
کی لڑائی بھی جاتی ہو، کیونکہ اس میں مندرجہ ذیل نے بہت دشواری
کے ایسے جوہر دکھائے جو آج تک تمام مجاہدانہ اپنی کمرے نمونہ بنے
ہوئے ہیں۔

اس جنگ کی وجہ عجیب تھی۔ ظم و حوص کی آخری حد تھی۔ واقعہ
یہ ہوا کہ دم کے ایک شریف کا قریب قرطاجہ میں سیاحت کی اور یہ کہ
کر لیا گیا کہ مسلسل جنگوں اور شکستوں کے بعد بھی قرطاجہ بہت
خوشحال اور آباد ہو۔ اس کی تجارت و ثروت روز افزوں ترقی
کر رہی ہو۔ وہ دم واپس آیا اور دوانی مجلس شہر کے سامنے جب
ذیل تقریر کی۔

"وہ نادان کا ہم پر بڑا فضل ہے کہ ہمیں ایسی سرسبز اور خوش
سرموئیوں کا مالک بنایا ہے، اہل گے ملک کا موقع جس میں ہمیں کرنا ہو کہ

فینیقیہ کے باشندوں نے اپنے بادشاہ بعلبیل کے عہد میں شہر قرطاجہ
آباد کیا۔ قرطاجہ کے معنی ہیں نیا شہر۔ یہ آبادی، شمالی افریقہ کے
ساحل پر ٹیونس کے قریب قائم ہوئی تھی۔ فینیقیہ کی کڑی کے بعد
قرطاجہ نے عروج حاصل کیا اور بتدریج بحرابض کی تجارت کا مالک
بن گیا۔ اس کا جنگی بیڑہ، دم کے بیڑے سے کہیں زیادہ طاقتور
تھا۔ مسیحی سے قبل طاری تک ان کا اقتدار قائم تھا۔ مراکش، الجزائر
اور ٹیونس کے اکثر حصے ان کے قبضے میں آ گئے تھے۔ اسپین، بستی،
سیریا، کارسیکا، مغربی افریقہ، تجارت نے بہت وسعت اختیار
کر لی تھی۔ پوری قوم، دولت سے مالا مال ہو رہی تھی لیکن دم کی
سے سخت حد تھا اور بار بار جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں تین جنگیں
سے زیادہ اہم ہیں۔

پہلی جنگ

یہ جنگ مسئلہ ق م میں ہوئی۔ دم نے اسے شروع
کیا تھا۔ وجہ یہ ہوئی کہ دم نے بستی میں شہرستی پر قبضہ کر لیا۔ یہ
شہر قرطاجہ کے تابع تھا۔ قرطاجہ کے بحری اسطول نے دم کو سخت
نقصان پہونچایا۔ یہ دیکھ کر دم نے بھی فوراً جنگی بیڑہ طیار کیا اور
بہری جنگ شروع ہو گئی۔ لیکن جزائر ایتھ کے قریب قرطاجہ دالو
کو شکست ہوئی اور پورا بستی، دم کے قبضہ میں آ گیا۔

دوسری جنگ

اس شکست کے بعد قرطاجہ کی تنخواہ دار فوج نے کمرشی شروع
کی اور طوائف الملوک پھیل گئی۔ لیکن اسی زمانے میں ایک عظیم املا
ہملا کار ظاہر ہوا، تمام قبضہ کا سرکھل ڈالا، اور اسپین میں ایک
عظیم نشان فوج، دم سے لڑنے کے لئے مرتب کی۔ کیونکہ اس نام
سیریا اور کارسیکا پر بھی قابض ہو چکا تھا۔

یہ جنگ، تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہو۔ کیونکہ اسی میں
ہنیال نے تصور کیا تھا جو دنیا کا مشہور ترین سپہ سالار تسلیم کیا گیا ہو۔
ہنیال نے پہلی بار اپنے باپ سے تم کھائی تھی کہ عمر بھر دم کا
دشمن رہے گا۔ اس کی قسم بھی ثابت ہوئی۔ پوری زندگی، دم سے
جنگ میں گزار دی۔

رومانوں کو یقین تھا کہ جنگ، اسپین میں ہوگی۔ اسی کو انہوں
نے اسپینی سرحدوں پر جنگی طیاروں کی تھیں۔ لیکن ہنیال، کوہ ہیرا
کو جو کہ کے فرائض پہونچا اور فرائض سے افس کے برائی پہاڑوں
عبر کر کے اپنا ایک اٹلی کے میدانوں پر جا دھکا۔ دم والے سخت تعجب
ہوئے۔ انھیں ہرگز خیال نہیں گزرتا تھا کہ اس طرح کوئی فتح حاصل
آور ہوگی۔

شہرستان میں حمل ہوئی۔ اس سے فرائض اس کے فرائض
کی طرح دیکھا کہ اس کی دلوں میں اگے ہوا تھا۔ اس میں
اور جو اس بات پر راضی ہو چکا کہ اس کی بری، اس کی آمد
کے آتش میں شریک ہوگا۔

ماضی وقت چاہا ہو اس کے لڑائی ہوئی اپنے شہر کے پہاڑوں
گنگو جیاری ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ شہر بری سے بھی اپنا تک اندیشہ
ہو کر۔ اس سب کے باوجود اس نے وہ شہرستان چھوڑ دیا۔ خون سے
کانپنے لگتی ہو کر وہ سیدگی سے کتا ہو۔ کوئی جج نہیں۔ مجھے یہ موت
منظور ہو! بری بے حد حقارت سے بے فیرت شہر کو دیکھتی ہوئی
اس کا دل سخت چرچا ہوا ہو۔ وہ چاہتی تھی، شہر اس سے بچ کر،
اور اس نے اس کی خیانت پر غضب ناک ہوتا۔ مگر ان کھیتی ہو کہ شہر کو
اس کی ذرا بھی قدر نہیں۔ آہ، وہ اپنی حیثیت کو ٹرہ کر لٹ سے زیادہ
نہیں پاتی!

اس بے فیرت پر شہر کو سخت سخت لگتی ہو۔ اس شہر کو
بھی لبرز ہو چکا ہو۔ جذبات بہت دبانے، اب بے قابو ہوا جا رہا ہو۔
دیکھو، آتش فشاں پھٹا، غیظ و غضب نے دیوانی کی شکل اختیار کر لی
محبت اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ فیرت ہولناک درجہ تک پہنچ
گئی۔ اب وہ ٹک نہیں سکتا۔ خائن بری کو اس کے غضب سو کوئی
بچا نہیں سکتا۔ اپنا تک چلا ہو! میری دیکھی ہو! عورت لڑو
برا انداز ہو۔ بیک کی طرح تفرقاتی ہو۔ گردن کی گہرائی میں سرسوت و
سعادت محسوس کر رہی ہو۔ اب اسے دیکھ لیا کہ شہر محبت سے خالی
نہیں۔ اب تک آتش عشق میں جل رہا ہو۔ فیرت سے انتقام پر تھکا ہوا
ہو۔ وہ اس کے قدموں پر گر پڑا چاہتی ہو۔ معافی کا ارادہ کرتی ہو۔ تو
کے لئے آمادہ ہو رہی ہو۔ شہر غصہ کی دیوانی میں اس پر لڑی پڑنے
کو ہو۔ لیکن انیسویں، یہ کیا ہوا؟ شہر ہچا تک سنبھل جاتا ہو، رک کر
کھوکھلی آواز میں کتا ہو، موڑ آتی ہوگی۔ اپنے آتش کے ساتھ چلی جائے
پھر فوراً بھاگ کر گھر سے چل جائے ہو۔ عہد رونا دھونا دایلا کر شروع کر
دیتی ہو!

(۸)

یہ فیرت شہر نے کہا تھا "موڑ آتی ہوگی۔ اس پر چلی جائے، مگر اب
موڑ کہاں؟ ایتھ کے آتش نے محسوس کیا تھا کہ اس کے دل میں شہر
کی دیوہی پر نفرت و حقارت پیدا ہو گئی ہو، حالانکہ اس نفرت و حقارت
کی تہ میں ایک دوسری نفرت بھی پوشیدہ تھی؟ کوئی نفرت؟ ایتھ کو
نفرت! اس عورت سے نفرت جس کی اب کوئی قیمت عشق باقی نہیں
رہی تھی، جو اب کسی شہر کی محبوبہ نہ تھی، بلکہ خود شہر کی طرف سے
فحش دھوس کی پیش کش تھی!
ایٹن اپنے شہر اور اپنے آتش کے فتن، دونوں سے محروم ہو گیا
یہ اس کے شہر کا انتقام تھا۔

الملال کے ابتدائی نمبر

الملال سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۱ سے
تک
بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دو گنی قیمت پر
خریدنے کے لئے طیار ہیں۔ فقر کو اطلاع
دیجائے۔ نمبر

ہو جیسا ہادی کا اپنی بیٹی کے مقابل میں ہوتا ہو گنگو کچھ اس طرح کی ہو کہ وہ دونوں اس میں سیدگی سے مصروف ہیں مگر مٹنے والے ہستی سے لٹے جاتے ہیں!

اچانک موسیقی کا آواز آتا ہے۔ بہت خوش ہو۔ مگر خوشی نے کچھ اضطراب بھی پیدا کر رکھا ہے۔ وہ تاثر سے بے اختیار رونے لگتا ہے۔ ایسا رونا جو تاشا نہیں کہہ سکتی دلا ہے۔ ان کو اس کی بیٹی کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہے۔ پھر اس کامیابی کی نقل اُتار کر دکھاتا ہے اور وہ نئے سناتا ہے جن سے لڑکی نے سامعین کا خراج تحسین وصول کیا تھا۔

ماں خوش ہے۔ لیکن ساتھ ہی غمِ وطن بھی ہے۔ کیونکہ تھیلوں کی آبی ہونا پسند کرتی ہے اور دل سے چاہتی ہے کہ لڑکی کسی اور کام میں لگے۔ استاد موسیقی بھی خوش ہے۔ لیکن ساتھ ہی خوفزدہ بھی ہے۔ کیونکہ ڈنڈا ہو، مبادا الین وہ متند خواہوں کے دام میں پھنس کر ان کی ہود ہو۔

(۳۳)

ماں اپنی لڑکی کے عاشق کا خون محسوس کرتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی اختصار واذکی کو شش کو بھی محسوس کرتی ہے۔ دونوں گونگو حالت میں ہوتے ہیں کہ لڑکی انھیں کیلیاں کرتی، ہنسی بھلتی، جوش میں بھری ہوئی آتی ہے۔ ماں کو پتہ چلتا ہے۔ عاشق کے سامنے آتی ہو اور شکر ادا کرتی ہے۔

لیکن ان کی قسمت میں موت کا لطف تھا، اٹھنا نہ تھا۔ غمِ وطن کا غیر ایک دوست نہیں کے ساتھ آجود ہوتا ہے۔ دونوں لڑکی کو ان کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں اور کھیل کود کے ایک ٹپے چلے غلہ میں گھری ہوئے غلہ چھٹنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کی گفتگو کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ لڑکی پہلے ہی موت قبول کر چکی تھی۔ مگر اب اپنی پیش کرتی ہے اور عاشق کو ساتھ لے جانے کا حلقہ موت خیل کرتی ہے۔ آواز دے اچھے محسوس کرتے ہیں اور فوراً عاشق کو بھی دھوکے میں دے اچھڑا کر رہا ہے۔ یہ اصرار کرتے ہیں۔ لڑکی بھی منہ کرتی ہے۔ مجدد اُتر کر لیتا ہے۔ آنے والے جلد بڑھ جائے گا وہ کہہ کر رخصت ہو جاتا ہے۔

عاشق مٹھن کرے میں تنہا ہے۔ اب وہ منظر سامنے آتا ہے جو ہنسا بھی ہے اور رنج بھی دیتا ہے۔ عاشق، دعوت کا لباس پہنتا ہے مگر کوئی کپڑا بھی دوست نہیں۔ سب اپنے پیٹے پرانے ہیں کہ شرم سے عرق عرق ہو جاتا اور دہلی رنج محسوس کرتا ہے۔ لیکن بناوٹی خوشی کا اظہار بھی کرتا ہے۔ تمام جا بجا سے لٹے ہوئے ہیں۔ ایک تلام بنا ہو تو دوسرے کا پتہ نہیں۔ الین بھی اپنی آواز میں مصروف ہے۔ تھیلوں کے غیر لے قس کا لباس عادیہ دیدیا ہے۔ اسی کو پہنتی ہے اور جس کی دیوی معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس کی بھی زینت کا تمام سامان موجود نہیں۔ وہ چھٹاتی ہے لیکن اپنے عاشق کی اندر نی تکلیف محسوس کر کے مصروفی سم دھاتی ہے اور دستلی دیتی ہے۔ عاشق دھو کر تاج کو آئینہ دہنی تخت کو گے گا اور اس کی ضرورت کی تمام چیزیں جلدیا کرے گا۔

موٹر آگئی۔ ماں کو دیکھو کسی خوش ہو؟ بیٹی کے حسن پر قربان ہوئی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے چلی جاتی ہے۔ لٹے ہوئے دامن اٹھاتے ہے کہ لڑکی کا لباس میٹھی کے غبار سے میلان ہو جائے مگر سن فادہ مشرق خدمت میں موم بتی لے آگے آگے چل رہی ہے۔ عاشق کو دیکھ، چہرہ آرا ہوا ہے مگر خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ دل رد ہوا ہے مگر لبوں پر مصروفی ہم نمایاں ہے!

(۳۴)

دوسرے دفعہ کے بعد انقلاب چلی شروع ہو جاتا ہے۔ تھاری

آنکھوں کے سامنے اب ایسے لوگ ہیں جن میں ہر شکل بیان کیے ہوئے۔ دھڑکنے لگے اظہار ادا غماز بدل گئے ہیں۔ اب فریت کی سیکھا کیں نظر نہیں آتی۔ الین کے کمال نے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔ ہر جگہ مقبول ہے۔ دنیا مسکرا کے قدموں سے لٹ گئی ہے۔ شب و روز ہنسنے برس رہا ہے، کسی کو بھی افلاس کی شکایت باقی نہیں۔ اب نازنین کی ماں وہ بڑیا ادا پڑھتے ہیں جو جیسے ہم پہلی فصل میں دیکھا تھا۔ اب اس کے چہرہ پر شباب کی رونق ٹوٹ آئی ہے۔ نئے فنش میں لبوس ہے۔ گنگو کی طرز بھی بدل گئی۔ اب وہ پیرس کی خانقاہ اور آواز میں بھی بڑا تغیر ہو گیا۔ اب وہ خوش گلد ہے۔ حرکات و سکنات بھلا پہلے سے نہیں ہے۔ اب پھر تلی اور چٹ وچلا ہے۔ استاد بھی اب وہ پہلے کا خستہ حال، پرمردہ، گرا نہیں رہا۔ اب وہ ایک خوش حال دیش ہے، بھاری بھر کم، سنجیدہ، باوقار اسٹریٹ کرکٹ اب اپنی محبوبہ الین کا شوہر ہے۔ صرف یہی لوگ نہیں، بلکہ ان کی غریب خادہ بھی بالکل بدل گئی ہے۔ ایک نئے لوگ کا بھی اضافہ ہوا ہے۔ پیرس کا وہ حیرت گر بھی نہیں رہا جو موم بتی سے روشن کیا جاتا تھا اور جس کی زمین دامن سیلے کر ڈالتی تھی۔ اب وہ سمند کے خوش منظر ساحل پر ایک شاندار عمارت میں ہیں۔ ہر موسم گرامن الین کے دوستوں اور قد دانوں کا یہاں ہجوم رہتا ہے۔ تمام چوٹی کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔

ہم تھیل کے غیر اور اس کے والدین کی کچھ اور دوستوں کے ہر اہلکین کے گھر بار آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ دہشتے ہیں کیلئے ہیں، خراج کرتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔ الین کا شوہر ملین ادا خوش ہے۔ اپنے دوست سے شکر گزاری کے لہجہ میں کہتا ہے "خدا کی مشیت یہی تھی کہ میں والدین ہوا۔ میں مغرب ایک موسیقی آموز قصبہ لکھنے والا ہوں جو مرد مقبول ہوگا۔ میرا تعلق ایک بڑے خاندان بھی ہو گیا ہے جس میں موسیقی پر نقد کیا کر دے گا"

گنگو جادی تھی کہ الین کے دوست آگئے۔ استاد موسیقی پڑ دوست کے ساتھ کسی کام سے باہر چلا گیا۔ الین اپنے دولت مند قد دان کے ساتھ تنہا کر رہی ہے۔ باقی احباب ملاقات کے الین میں بیٹھے ہیں۔ مگر کے مالک کی داپسی کا انتظار کر رہی ہیں۔ الین اُس کے دوست میں گنگو جاتی ہے۔ عجیب صورت حال! دونوں عاشق ہیں! عورت اپنے شوہر سے خیانت کر رہی ہے۔ اب معلوم ہوا اس تمام دولت کا سرچشمہ ہی خیانت ہے!

اب وقت ہے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ الین کا آشنا اس کبھی شوہر سے تنگ آ گیا ہے۔ اس نے تنگ ہو کر اپنی آشنا سے دل کھول کر متع ہونا چاہتا ہے۔ مگر یہی شوہر جس میں سبوتا ہو جاتا ہے۔ یہ شوہر دانشمندی ہے، یا عبادت ظاہر کرتا ہے؟ یہ مصروفی تھا اس نے تو نہیں کہ دولت سے فائدہ اٹھائے؟

والد فاسق کا یہی خیال ہے۔ مگر الین اسے سامنے سے ابھار کرتی ہے۔

(۵)

دونوں تھیل میں ہنسی طرح کر رہے تھے کہ باہر دوستوں کی آمد بلند ہوئی "حضرت آگئے! حضرت آگئے!" دونوں ہوشیار ہو گئے۔ شوہر گھر میں داخل ہوا۔ اجنبی خدمت پہنچے۔ اب میاں بیوی تنہا ہیں۔ دونوں میں باتیں ہوتی ہیں شوہر کی آداسی نمایاں ہے۔ بیوی دہر دھتی ہے وہ پس دیش کرتا ہے پیر جاتا ہے کہ لوگ اسے "الین کا شوہر کہتے ہیں"۔ اس کا نام نہیں لیتے یہی نہیں بلکہ اسے دیکھ کر مسکراتے ہیں، آنکھیں لٹاتے ہیں۔ اشارہ کرتے ہیں۔ لہذا اسے کچھ شک ہے۔ بیوی اپنے تمام چلتے اور حسن

کی وہ ہر بیان کام میں لاتی ہے۔ شوہر کے شکوک و شبہات کا جواب دیتا ہے۔ اب دیکھو، شوہر تیار ہے۔ بیوی کا کھانا کھل رہا ہے۔ اس ایک بڑی رتن ہوتی ہے۔ اس کا کھانا کھانا ہو جاتا ہے، وہ سوتلا ہو کل الین جوئے میں بہت روپیہ لڑکی لیکن اسے خبر نہیں دی ہے اور بھی کوئی ہوتا ہے۔ دیکھو اسے سیر کا غلہ کھاتا ہے۔ تھی جو پیر کا کھانا ہوتا ہے۔ یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے اس کا ذکر کیا تھا شک اب یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے!

لیکن الین چلا گیا ہے۔ شوہر مافوق ہے۔ اسانی سے دھوکا دے سکتی ہے۔ چہ بیٹی بیٹی! میں تمام شکوک اسے کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ شوہر اپنے نوکر اور خادہ سے بھی زیادہ غمی ہے۔ یہ دونوں کچھ جانتے ہیں۔

(۶)

تیسرے دفعہ کے بعد ہم الین کے شوہر کو اپنے دوست گنگو میں مصروف پاتے ہیں۔ اب اسے کابل یقین ہو گیا ہے۔ بیوی کی خیانت میں کوئی شبہ باقی نہیں ہے۔

اسے یہ یقین اس طرح حاصل ہوا کہ الین اور اس کے احباب نے تفریح کے لئے جانا تھا۔ شوہر نے غلہ کیا اور کسی بہانے گھر میں رو گیا۔ ان کی روانگی کے بعد خود بھی تعاقب میں پوشہ چلا آئے احباب کے ساتھ الین اور اس کے والدین آنا کہ نہیں پلا۔ دونوں دن بھر کہیں غائب رہے۔

بد نصیب شوہر سخت آداس ہے۔ لیکن اپنے کو سمجھاتے ہوئے ہے دوست سے کہتا ہے "موجودہ شرمناک صورت حال ناقابل برداشت ہے۔ میں اس زندگی سے بیزار ہوں۔ اپنی سابق فریاد گنگو شریف زندگی کی طرف ٹوٹ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن داپسی سے پورا ایک کھیل کھیلنا چاہتا ہوں۔ بہت ہی ددناک کھیل ہے!"

احباب، میرے واپس آگئے۔ الین اور اس کا آشنا بھی ہمراہ ہے۔ سب اپنے اپنے شاہدے بیان کر رہے ہیں۔ شوہر دل میں کتا جاتا ہے، مگر ظاہر میں دلچسپی کا اظہار کر رہا ہے۔ ہنسی خوشی سب کی سنتا ہے۔ سب اسے بیوقوف بنا رہے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ کچھ نہیں سمجھتا!

(۷)

رخصت کا وقت آگیا۔ سب اس قرار داد کے ساتھ جانے لگے کہ ہٹل میں رات کے کھانے پر جمع ہو گئے۔ لیکن الین کے شوہر نے اپنی بیوی کے آشنا سے چند لہجہ ٹھرنے کی درخواست کی۔ کرو میں صرف تین شخص رہ گئے، میاں، بیوی، اور اس کا آشنا! الین وہ مؤثر منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے جو شوہر سے گری ہوئی بیوی سے شدید نفرت، اور آشنا پر سخت غصہ کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔

غضبناک میاں شوہر کو دیکھو وہ اپنا ادا اپنی شرافت کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ لیکن بالکل نئے قسم کا انتقام! وہ کسی طرح کا تشدد کرنا پسند نہیں کرتا۔ انتقام میں بھی نرم اور بڑا بار رہنا چاہتا ہے۔

دیکھو، بیوی اٹھ کر دوسرے کمرہ میں چلی گئی۔ اب دونوں رقبہ رُود دیتے ہیں۔ شوہر اپنی بیوی کے عاشق سے گفتگو کرتا ہے۔ بغیر کسی تہدیک کا ظاہر کرتا ہے کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں! عاشق بیوی کو کہہ رہا ہے۔ حواس بجا کر کے ڈرنے ڈرنے پوچھتا ہے۔ تو کیا ارادہ ہے؟ اسے یقین تھا جواب میں مبارک! مٹے گا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ شوہر کچھ نہیں چاہتا موجودہ صورت حال پر معافی مندی کا اظہار کرتا ہے۔ حیرت فوراً

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و مقبول خاص علم اہم ہستی

ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی کا

عیدم المثال نادالہ وجود سرائی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی پتہ

ماہ الحکم دوا آتش

بہ تحفہ

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو لیکن تندہی بھی ایک ایسی نعمت ہو کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ سیکڑ ہو۔ تندہی ہزار نعمت ہو۔ تندہی ہو تو ب کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندہی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہوا تازہ کشیدہ کیا ہو مارا لہم استعمال کیجئے اور پری میں شباب کا لطف اٹھائے یہ امر تو مسلم ہو کہ مارا لہم معوی اوداح ہو، بدن میں چربی اور تو رمانی پیدا کرنا۔ رنگ کا بخارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی جھانک ہو۔ مگر ہمارا لہم خصوصیت کے ساتھ پردوں کو جان اور جوانی کو فوجان بناتا ہو اس لئے کہ نادا اور دیش قیمت اور معوی اور زحمت بخش اجزاء سے بطور خاص تیار کیا گیا ہو۔ منجھ بھی اس کا معوی اور کتابی نہیں ہو بلکہ عالیجناب شفا الملک ہمارا دغفران ماب میں اعظم دہلی کا خاص خانہ دانی منجھ ہو جو جناب مدوح نے بغرض رفاہ عام ”ہمدرد و دواخانہ“ کو مرحمت فرمایا ہو۔ ایک مرتبہ مارا لہم کا استعمال فرما کر خدا کی قدر کا مشاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہو مگر معتد بہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہو۔ پبلک کو صرف اپنی لغالطی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہو۔ مگر بعض آدمی ہم کو اپنی بچی ہڈی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہو تو مجبور ہو کر ارشہ تیار دینا پڑتا ہو۔

مارا لہم کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو شکائے اور آرائے تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعوٰی میں سچا ہو۔ شک آنت کہ خود بروہ۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ دینی ضروری کی گئی ہو مگر اسکے چند اقسام کے علوے معوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے احوال و خواص آپ فرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فرست سلسلہ معجبتی تیار ہو بہت طلب فرمائے۔ خط و کتب کے لئے کافی پتہ ”منجھ ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی“

منجھ ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی

برص سفید و داغ ایوم میں تحفہ غائب

درد توری قیمت واپس۔ اقرار نامہ لکھالیں اکیس خوراک جو کھانے والے ایک شیشی روغن سیجا جو پورے ۲۱ روٹ کا کافی ہوگی قیمت منجھ سے تیار ہوتا ہے

دقمر علاج برص ہمدرد ہنگامہ (ہبار)

چکروانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم و ملت کا سچا پروانہ دلچسپ اچھوتے مضامین نظم و نثر سے لبریز نو بر شہ در ہنگامہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہوگا لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چند سالانہ تین پورے طلبہ سے دو روپیہ (عام) مالک غیر سے پانچ روپیہ (مشر)

منجھ رسالہ پروانہ در ہنگامہ ہبار

گھسکر آزما

دور و لے تولہ سونا

رنگ و لکھو

جہنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سلسلے کی نہایت خوبصورت نازک نقش چڑیاں جہنی سے بن کر آئی ہیں۔ چونکہ ان میں ایک خول کی صف میں بنایا گیا ہو۔ انکے اندر رنگیں چڑیاں آجاتی ہیں۔ امید معلوم ہوتا ہو کہ بہترین زبرد اور باقوت کے نیلے جڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ و رون میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی پتی ہو۔ مصنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہو۔ دھاتی روپیہ میں پانچ سو روپے کا کام نکالا جاسکتا ہو۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں دنیا فروخت ہوتی ہیں۔ جلد نکلوانے تاکہ اشاعت ختم نہ ہو جائے۔ چڑیوں کی قیمت دھاتی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس چڑیوں کے دام مبلغ سات روپے (مشر)

منجھ گولڈن سٹور۔ پوسٹ بکس ۱۱۱۱

ارشہ تار کے لئے

میخبرینگ مسلم دہلی

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھر آگے نہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چھوٹا
کے بعد ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کر آتی ہے

ان تمام صحاب کے لئے

جو
قیمتی تہن و صنعت کی قیمتی شاہکار کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قہیم آثار، پُرانی علمی اور طبوہ کتابیں، پُرانی تصویریں، پُرانے سکہ،
اور نقوش، پُرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی،
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش
گاہوں اور ذخائر کی فرستیں ہی سکتا لیجئے۔ اہل علم و ادب اہل دولت، دونوں کے لئے
ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مسامت و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، دیور مالک میں ہمارے ایکٹلہ بیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتی تہن و صنعت کی قیمتی شاہکار کا شوق رکھتے ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ تاہم کے لئے اہل ان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم سے فراہم کیے

اگر آپ کے پاس نو اور موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تہیہ و ابن قیم

دینی علوم کے بیش بہا جواہر ریزی

اس سلسلہ میں ہم نے امامین کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے، جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے۔ امید کہ یہ ”سلسلہ تراجم“ بد نصیب ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :۔

اُسوہ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب
 ”زاد المعاد“ کے خلاصہ کا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد
 ازھائی روپیہ -

نقاب الرسيلہ — لفظ ”رسيلہ“ کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ کی مبسوط بحث کی ہے۔ بلا جلد آڑھائی رویہ، مجلد سوا تین رویہ۔

اصحاب صفہ — انکی تعداد، ذریعہ معاش، طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آنے۔

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیہ کے مختصر انداز تفسیر کا
اردو ترجمہ - چلر آنے -

العرة الرثقی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل
بیان کیا ہے - چہ اُنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی
نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں۔ تو آنے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب
کا اردو ترجمہ - سرا روپیہ -

اُئمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے
خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یہ ایک علمی، اسلامی، سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کاروش سے اردو، عربی، فارسی، انگریزی، اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ اُسکے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات، لطائف افسانہ، نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر درائع سے حاصل کئے ہوئے حالات درج کیے جاتے ہیں۔ فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی۔

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

“Al-Hilal Book Agency,”

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت بکلی وقت اپنا نام اور پتہ صاف لکھیں

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

• گاہ گاہ ہے ازخوابین دفنہا پرینہ را

ماند خواجهی داشتند گردانهای نرسیده

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اُس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تھا۔ اُس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مذہب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے۔ اور اُس کا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹرن تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مراد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ء میں بعض شایقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل ست ست ستر روپیہ میں خرید کیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علحدہ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں ”البلاغ پریس“ کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا، ہم نے کوشش کی کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کر لی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک درپرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمد للہ یہ کوشش ایک حد تک مشكور ہوئی اور اب علامہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہو گئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری مرقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہو سکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہو سکے گی جو سب سے پہلے پہنچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کے اندکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ

” ” ” ” چارم ۱۰ روپہ ” ” پنجم ۱۰ روپہ

جلد ”البلاغ“ (جب دوسری مرتبہ الهلال اس نام سے شائع ہوا)

قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے۔ قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ذاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

میڈیجر "البلاغ پریس"

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ
اس وقت

دنیا کا بہترین فائنلین قلم
امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“
قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ
ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا
(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر کام
دے سکتا ہو

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری پین لٹوں
سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں
کوئی نہیں

کم از کم تجھے
یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو
”شیفر“ کا
”لائف ٹائم“

لینا

چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے

ہیں تو
یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہینٹا

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں
ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹرؤں، رقص گاہوں،
قابل دید مقامات،

اور

آمار قدیمہ وغیرہ سے
آپ کو مطلع کر دے

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیا سکیں جن
کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے!

ایسی

مکمل گائیڈ بک ضرور

ڈنلاپ گائیڈ بوک گریٹ برٹین

The Dunlop Guide
To Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے
ریلوے اسٹیشنوں کے بک سٹال سے لے سکتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب
راہنچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی
رو سے مسجد کعبہ کن افراس کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام
کی زوادی نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز قریب
بہت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت بارہ آنے (۱۲)

(مخبر الہلال کلکتہ)

اگر آپ کو

د

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

تذکرہ شاعرانہ

تذکرہ شاعرانہ

قیمت

۵ - آنہ

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحثات جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اچھے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اس کا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا علم طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اچھے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجئے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرے گا بہترین طریقہ وہ ہے جو ”نئے سسٹم“ کے نام سے منہدم ممالک میں مشہور ہے۔ اس ”نئے سسٹم“ کے مطابق کام کرے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور گورنمنٹوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بعیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

الہ ل

ایک ہفتہ وار مضمون

نمبر ۲۲

کلکتہ : جمعہ ۲۲ - جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ ہجری

Calcutta : Friday, 18, November 1927.

جلد ۱

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔ طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔ پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔ براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیں۔ طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۶۵۰ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۴۲	اردو حروف کی حق میں	۴۴۰
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۶۳۰	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۷۸	نستعلیق ہون	۱۵۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں گے مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - ہالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے ۔

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا ۔

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے ۔

(۵) اگر کھی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں ۔

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھیں ۔

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا ۔

قبضہ جمانا چاہا۔ چنانچہ ایک موقع پر جب یہ چاروں عاشق و معشوق جمع تھے، نیپولین نے تعکمانہ انداز میں کہا ”جوزف! تم اور تمہاری محبوبہ دونوں غیر مستقل مزاج ہیں۔ لیکن مجھے میں اور میری محبوبہ میں استقلال ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم تم مبادلہ کر لیں تا کہ تمہارا نقص جویا پورا کر دے“ اور میں ڈیڑہرا کی کمی پوری کر دوں“ یہ عجیب و غریب فلسفہ بیان کر کے اُس نے اپنے بھائی کی محبوبہ کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور کسی کو بھی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی!

لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے بعد نیپولین نے محسوس کیا کہ عزت و عظمت کی راہیں اُس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں۔ لہذا ڈیڑہرا کو یک قلم چھوڑ دیا، اور اُس کی منتوں اور آنشوں کا ذرا بھی خیال نہ کیا۔

(جوزیفائن سے عشق)

اُس کی طبیعت کچھ ایسی بیچین واقع ہوئی تھی کہ ایک ہی حالت پر چلے جانا اُسے پسند نہ تھا۔ سابق محبت سے دوسرے بردار ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہ جوزیفائن پر فریفتہ ہو گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اکتوبر ۱۷۹۵ء میں جب نیپولین بام عزت کی ابتدائی سیڑھیوں پر تھا، اُس کے پاس ایک کم عمر لڑکا آیا، اور اپنے باپ کی تیار راہیں مانگی۔ یہ لڑکا فرانس کے مشہور سپہ سالار رائونٹ الکونڈر کا بیٹا تھا جسے فرانسیسی انقلاب کے زمانے میں پھانسی دیدی گئی تھی۔ نیپولین بچہ کی جرأت و فصاحت سے بہت خوش ہوا اور اُس کی درخواست منظور کر لی۔ دوسرے دن اُس کی ماں شکریہ ادا کرتے آئی۔ یہی جوزیفائن تھی۔ نیپولین پہلی ہی نظر میں اس پر عاشق ہو گیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ دوسرے دن خود نیپولین جوزیفائن کے چہرے سے مکان پر گیا۔ جوزیفائن واقعی بہت خوبصورت تھی، ساتھ ہی عقلمند بھی تھی۔ اُس نے محسوس کر لیا کہ نیپولین اُس کی چشم و ابصر کا شکار ہو گیا ہے۔ چونکہ اسراف کی وجہ سے سابق شوہر کی تمام دولت خرچ کر کے مقروض ہو چکی تھی، اُس نے اس نے بھی اس نئی دعوت عشق کا پوری سرگرمی سے استقبال کیا اور تعلقات بزہانا شروع کر دیے۔ چند ماہ کی آمد و رفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارچ سنہ ۱۷۹۶ء میں جنرل بونا پارت اور جوزیفائن کی شادی ہو گئی۔ دہن کی عمر دولہا سے سات سال زیادہ تھی، مگر نکاحنامہ میں اُس کی عمر ۲۹ - برس لکھی گئی اور نیپولین کی ۲۶ برس!

شادی کے دو دن بعد نیپولین کو اٹلی کے حملہ پر جانا پڑا۔ سخت مصروفیت تھی، مگر جوزیفائن کی یاد ہر وقت تازہ رہتی تھی۔ ہر منزل پر سے خط کے ساتھ قاصد بھیجتا، اور اپنی حالت سے اُسے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ پہلے خط میں لکھا تھا ”جب جب اپنے دل پر ہاتھ رکھتا ہوں، تم اُسی میں موجود ملتی ہو جس سے مجھے بڑی تسکین ہوتی ہے۔ اِس دنیا میں اگر کوئی غم ہے تو صرف تمہاری فرقت کا“

جوزیفائن کی تصویر ہر وقت اُس کے پاس رہتی تھی۔ جب کہیں پڑاؤ ڈالتا تھا، تصویر نکال کر سامنے رکھ لیتا تھا۔ جب کوچہ کرتا تھا تصویر جیب میں رکھ لیتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نیس میں اُس کے ہاتھ سے تصویر کا آئینہ چھوٹ کر ٹوٹ گیا۔ اُسے اُس نے فال بد سمجھا۔ قریب تھا کہ جوزیفائن کی طرف سے

متعلق کہا تھا ”اُس وقت دنیا میں کوئی دوسرا شخص ایسے خوش نصیب نہ تھے جیسے ہم دونوں تھے۔ ہم ایک ایسی پاک محبت کے مزے لرتے رہے تھے، جیسی خواب میں بھی کسی انسان نے نہ دیکھی ہوگی... اکثر ہم دونوں باغوں میں چلے جاتے اور درختوں پر چڑھتے اترتے۔ بارہا ہم دن دن بھر مغلوق کی نظروں اور شہر کے شور و غل سے دور بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے!“

لیکن امتداد زمانہ نے نیپولین کے دل سے اِس دوشیزہ کی یاد محو کر دی اور اُسے اپنی ایک ہم وطن لڑکی سے عشق ہو گیا۔ نیپولین شروع ہی سے مستبد تھا۔ اُس نے اپنی محبوبہ کو سختی سے حکم دیدیا کہ اُس کے سرا کسی کو بھی مسکرا کر نہ دیکھے۔ لڑکی کے دل میں اِس جابرانہ حکم سے نفرت پیدا ہو گئی، اور اُس کے پانچہ سے نکلنے کے لیے اُس نے ایک دن شراب میں زہر ملا دیا۔ اور نیپولین مرتے مرتے بچا!

(ادھیڑ عورت سے عشق)

اِس واقعہ سے کچھ عرصہ بعد نیپولین کو ایک ادھیڑ عورت ”میڈیم پرمون“ سے محبت ہو گئی، اور اس قدر بڑھی کہ ایک لمحہ بھی اُس کی جدائی گوارا نہ تھی۔ ایک دن نیپولین نے اُس سے باضابطہ شادی کر لینے کی درخواست کی۔ عورت نے اِس خواہش پر زور سے قہقہہ لگایا ”تم بیوقوف ہو گئے ہو! مضحکہ بننا چاہتے ہو! بھلا لوگ کیا کہیں گے؟ بیوی ہونے کے بجائے میں تمہاری ماں بننے کے زیادہ قابل ہوں!“ نیپولین پر یہ بات بہت ناگوار گزری اور قطع تعلق کر لیا۔

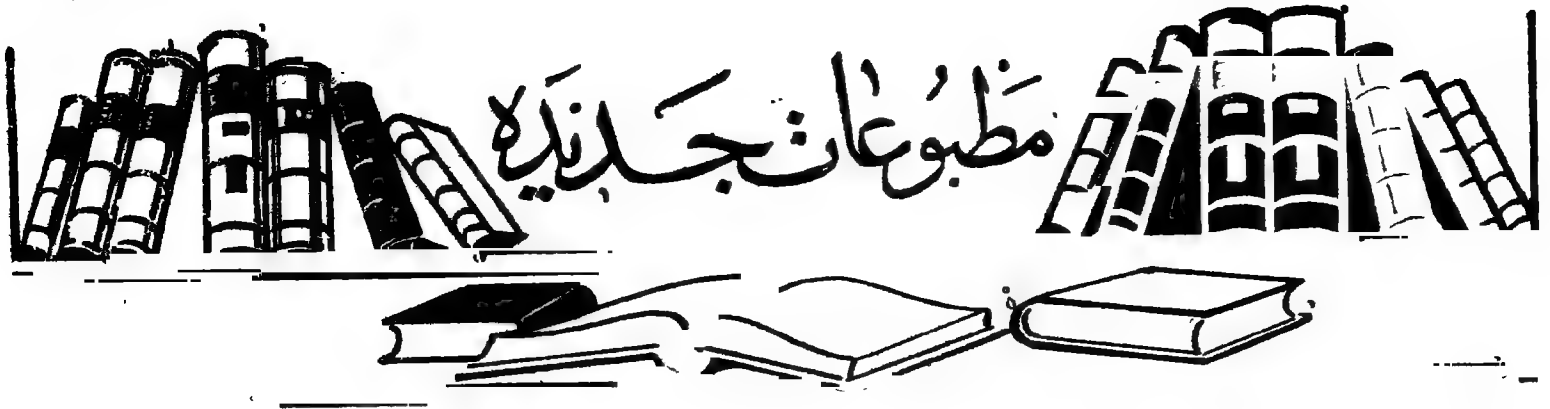
(نیپولین کا طریق محبت)

ایک مورخ کا بیان ہے کہ نیپولین نے بے شمار عورتوں کا دل توڑا ہے۔ اُس کی عادت تھی کہ تعلقات بڑھائے جاتا تھا، اور جب عورت اُس کے دام محبت میں پھنس جاتی تھی، تو بے اعتنائی سے بالکل چھوڑ دیتا تھا۔ چنانچہ ”میڈیم ولسکا“ پولینڈ کی ایک حسینہ کا واقعہ اِس بات کا کافی ثبوت ہے۔ نیپولین نے اِس عورت کو دیکھا اور لبھانا چاہا۔ مگر اُس نے سخت نفرت کا اظہار کیا۔ نیپولین نے اُسے قبضہ میں لانے کی بہت کوشش کی، مگر وہ برابر بیزار رہی۔ آخر ایک دن غضبناک ہو کر چلایا ”تو دیکھ لیگی۔ میں تجھے کس طرح زیر کرتا ہوں! تجھے میرے ارادہ کے سامنے جھکنا پڑے گا! دیکھ، یہ میرے ہاتھ ہیں گھڑی ہے، جس طرح میں یہ گھڑی چور چور کیے ڈالتا ہوں، اُسی طرح پولینڈ کا ملک بھی پاش پاش کر کے پھینک دوں گا!“ اُس نے یہ کہا اور گھڑی زور سے دیوار پر مار دی۔ اِس حرکت کا عورت پر اتنا شدید اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہو کر نیپولین کے قدموں پر گر پڑی۔

لیکن چند دنوں کے بعد ہی نیپولین نے اُسے اکتا کر چھوڑ دیا!

(محبت میں استبداد)

عشق و محبت کے میدان میں بھی اِس شخص کے ظلم و استبداد کے قصے مشہور ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ غربت کے زمانہ میں جب نیپولین اور اُس کا بھائی مارسیلز کے بازاروں میں پہرا کرتے تھے، اتفاق سے ریشم کے ایک سرداگر ”فرانسوا کلاری“ کے خاندان سے اُن کا تعارف ہو گیا۔ اِس تاجر کی دز لڑکیاں تھیں۔ بڑی کا نام ”جولیا“ تھا۔ چھوٹی کا ”ڈیڑہرا“۔ نیپولین نے شروع میں جولیا کو پسند کیا اور اُس کے بھائی نے ڈیڑہرا کو۔ تھوڑے دن بعد نیپولین اپنی محبوبہ سے سیر ہو گیا، اور بھائی کی محبوبہ پر



(نیپولین اعظم)

اتھارویں صدی میں نیپولین بونا پارت کا ظہور بھی انسانی اولوالعزمی کا ایک عظیم ظہور تھا۔ شاید ہی یورپ نے کسی انسان کی نسبت دنیا نے اس قدر کہا اور سنا ہو، جس قدر اس غیر معمولی انسان کی عجیب و غریب دماغی قوتوں کی نسبت کہ سن چکی ہے۔ تاہم انسانی عظمت کی اخلاقی نامرادی کا یہ کیسا عبرت انگیز منظر ہے کہ یہی نیپولین جب میدان جنگ سے باہر اپنے گھر کی محفوظ زندگی میں دیکھا جاتا ہے، تو اس میں اتنی قدرت بھی نظر نہیں آتی کہ نہایت ادنیٰ درجے کی اخلاقی کمزوریوں سے اپنے آپکو باز رکھے!

حال میں جرمنی کے ایک اہل قلم گیلرڈ اریتز Gertrude Aretez نے ایک کتاب "نیپولین اور اُسکی درست عورتیں" لکھی ہے، اور اس میں مستند تاریخی ذرائع سے وہ تمام شہادتیں جمع کر دی ہیں جو نیپولین کی عاشقانہ بو الہوسیدوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے، اور دو تین ہفتہ سے انگلستان اور یورپ کے اکثر اخبارات و رسائل کا موضوع بحث ہے۔ ہم اس کی بعض تاریخی داستانیں قارئین الہلال کی عبرت و بصیرت کیلئے درج کرتے ہیں۔

(سولہ برس کی عمر میں عشق)

محبت کے باب میں نیپولین کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے کہ "محبت کا دل بھلا رہا ہے" ممکن ہے، نیپولین نے یہ اس وقت کہا ہو، جب وہ پاک دامن تھا۔ لیکن بعد میں — اگر مخالف مورخین کی روایت تسلیم کر لی جائے تو — اس نے اس قول کی بنا پر حسن و ہوس کی زندگی سے اجتناب نہیں کیا، وہ ہمیشہ کسی نہ کسی حسینہ سے وابستہ رہا۔

آغاز شباب میں نیپولین مارسیلز اور پیرس کی سڑکوں پر پھٹے پرانے کپڑے پہنے پھرا کرتا تھا۔ نہ تو اس کی ہیئیت سے کبھی کو دولتمندی کا شبہ ہوسکتا تھا، نہ اس میں ظاہری حسن و جمال ہی کچھ ایسا غیر معمولی تھا کہ کسی کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ اس زمانہ میں بھی بکثرت عورتیں اس پر عاشق ہو گئی تھیں۔ کیونکہ فی الواقع اس میں کوئی ایسی نامعلوم کشش موجود تھی، جو دلوں کو لپکا لیتی تھی۔ ممکن ہے، اس کا شرمگین انداز اور اُسکے پر غور چہرہ کی عجیب اداسی اس کے دیکھنے والوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتی ہو۔

کہا جاتا ہے کہ نیپولین سولہ برس کی عمر میں جب والنسا میں رہتا تھا، تو وہاں کی بہت سی حسین عورتیں اس پر فریفتہ ہو گئی تھیں۔ مگر خود اسے بجز ایک کے کسی سے دلچسپی نہیں ہوئی۔ اس درشیزہ کا نام "کارولین کرلومبیا" تھا۔ وہ نہایت نازک اندام اور خوبصورت تھی۔ ایک مرتبہ خود نیپولین نے اس لڑکی کے

نیپولین اور اسکی اخلاقی زندگی

(انسانی عظمت اور اخلاقی نامرادی)

میدان جنگ اور حجلہ ہوس!

انسان ذہن و جسم کی کتنی ہی عظمتیں حاصل کر لے، لیکن روح اور اخلاق کی ادنیٰ سے ادنیٰ پاکیزگی بھی حاصل نہیں کرسکتا، اگر اُس کا اعتقاد اور عمل روحانی ہدایت کی روشنی سے محروم ہے! انسان کے لیے، یہ سہل ہے کہ تمام دنیا فتح کر لے۔ سکندر نے دنیا کی تمام سلطنتیں تہ و بالا کر ڈالی تھیں۔ انسان کے لیے یہ بھی دشوار نہیں کہ ذہن و فکر کی ایسی بلندیوں تک پہنچ جائے جہاں تک دوسروں کے قدم نہ پہنچ سکے ہوں۔ ارسطو، اقلیدس، سولن، اور سنیکا جیسے فاتحین علم کی فتح مندیوں لا زوال ہو چکی ہیں، اور دنیا منطق، ریاضی، قانون، اور فلسفہ اخلاق میں آج تک ان کی پس رز ہے۔ انسان کی اولوالعزمی ان بلندیوں پر بھی نہیں رکتی۔ کچھ مشکل نہیں اگر وہ آگ کے شعلوں میں کود پڑے، سمندر کی موجوں کی ہنسی اور اڑنے، پہاڑوں کی صفیں چیر ڈالے۔ لیکن ہاں، یہ مشکل ہے، بہت ہی مشکل ہے، کہ وہ اخلاق اور روحانی پاکیزگی کی راہ میں اپنی کسی ایک خواہش نفس کا بھی مقابلہ کر سکے۔ اس کی ساری اولوالعزمی اور کرہ ہمتی جو دنیا کی ساری رکاوٹوں کا تنہا مقابلہ کرسکتی ہے، ہوائے نفس کی ایک ادنیٰ سی رکاوٹ بھی اپنی راہ سے ہٹا دینے پر قادر نہیں ہوتی۔ سکندر تمام دنیا کی تسخیر کی محنت سے نہیں تھکا، لیکن بابل کی ایک عورت جب اس کے سامنے آئی، تو اپنی خواہش نفس کے اضطراب سے بے بس ہو کر گر گیا۔ سنیکا نے تمام نوع انسانی کو اخلاق اور اخلاقی سعادت کی دعوت دی، لیکن خود اپنے آپ کو ایک دوسرے انسان کی منکوحہ عورت سے باز نہ رکھ سکا۔ ارسطو کے دامن علم کے دہبے بھی دنیا گن چکی ہے، اور یونان کی ابک قدیم ضرب المثل ہمیں بتلاتی ہے "بڑا انسان بنو۔ اگر نیک انسان نہیں بن سکتے!"

فی الحقیقہ، انسان کی زندگی کی یہی اخلاقی اور عملی نامرادی ہے، جو الہامی ہدایت کی کسی بالاتر قوت کی ضرورت تسلیم کرے، پر مجبور کر دیتی ہے۔ انسان اپنے ذہن و جسم کی قوتوں سے سب کچھ کر لے سکتا ہے، لیکن تکلف اور بناوٹ سے بھی اپنے آپ کو نیک نہیں بنا سکتا۔ اگر انسانی زندگی کی سعادت کیلئے اس عملی صداقت کی کچھ بھی ضرورت ہے جسے نیکی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو ناگزیر ہے کہ عام انسانی سطح سے کوئی بلند تر ذریعہ ارشاد و ہدایت کا ہو۔ مذہب اور الہام اسی ذریعہ ہدایت کا نام ہے۔

ثانیاً، ایک اصل عظیم اس باب میں یہ ہے کہ انبیاء کرام کا طریق تعلیم ”مقدمات“ کا طریقہ نہیں ہوتا۔ ”براہ راست“ تلقین کا طریقہ ہوتا ہے۔

عام بول چال میں اس کا مطلب یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی بات کے ثابت کرنے اور منہ دینے کے طریقے درہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے مخاطب سے چند ایسے باتیں منوالی جائیں جو کو اصل مدعا نہیں ہیں، لیکن انکے تسلیم کر لینے کے بعد مدعا کا تسلیم کر لینا ضروری ہو جائیگا۔ یہ طریقہ ”مقدمات“ کا طریقہ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو بات مخاطب کے دل میں آتا رہی ہو، وہ ایسی شکل و نوعیت میں بیان کر دی جائے کہ بغیر کسی دوسری بات کے سہارے کے، خود بخود دل نشیں ہو جائے۔ اس بات کے سمجھنے، مان لینے، اور شک و انکار سے محفوظ ہو جانے کیلئے کسی دوسری بات کے سونچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ یہ طریقہ ”براہ راست“ تلقین کا ہے۔ کیونکہ اس طریقہ میں اثبات مدعا کیلئے جو کچھ کہا جاتا ہے، مقدمات کا محتاج نہیں ہوتا۔ پہلا طریقہ علوم و ضعیفہ اور نظار کا ہے۔ دوسرا طریقہ طریق نظری اور انبیاء کرام کا ہے۔

انبیاء کرام اگر اپنی تعلیم میں مقدمات کا طریقہ اختیار کرتے، تو ظاہر ہے کہ ان کا خطاب عام نوع بشر سے نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بجز چند افراد کے جنہوں نے علوم و ضعیفہ کے طریقہ پر مقدمات کے بحث و نظر کی استعداد پیدا کر لی ہو، عامۃ الناس نہ تو ان کی تعلیم سمجھ سکتے، نہ ایمان کے لیے مکلف ہو سکتے۔ انبیاء کے لیے ضروری ہوتا کہ وہ ایمان کی براہ راست دعوت دینے کی جگہ پہلے مدرسوں میں وضعی علوم کی تعلیم دیتے پھرتے، پھر تعلیم کے بعد مقدمات ترتیب دیکر اثبات مدعا کی شکلیں بناتے، پھر ان مقدمات میں سے ایک ایک مقدمہ پر لڑتے جھگڑتے۔ پھر جب مخاطب ان مقدمات کے جال میں الجھ جاتا، تو اسے بے بس کر کے اقرار کرا لیتے۔ یہ طریقہ حکماء کی بحث و نظر کا ہے۔ ”دعوت“ کا نہیں ہے۔ اور انبیاء کرام ”داعی“ ہوتے ہیں۔ ”مناظر“ اور ”نظار“ نہیں ہوتے!

ثالثاً، مقدمات کا طریقہ جیسا کچھ بھی ہو، یقین نہیں پیدا کر سکتا، عجز پیدا کر دیتا ہے، اور دوزخ میں غرق ہے۔ انبیاء اپنے مخاطبین میں یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ بحث میں عاجز کر کے چپ کر دینا نہیں چاہتے۔ مقدمات کا طریقہ پیچ در پیچ اور چند در چند نظری مسلمات پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر مخاطب اس پیچ و خم کا شاطر نہیں ہے، تو بہت جلد لاجواب ہو کر چپ ہو جائیگا۔ یہ ”چپ ہو جانا“ نہ کہ ”مطمئن ہو جانا“ طریق مقدمات میں مناظر کی فتح سمجھی جاتی ہے۔ لیکن انبیاء کرام زبان نہیں، دل جیتنا چاہتے ہیں، اور زبان کے بے بس ہو جانے سے دل میں یقین نہیں پیدا ہو جاتا۔ تم ایک تیز زبان آدمی سے گفتگو میں بازی نہیں لیجا سکتے، اس لیے ہار مان لیتے ہو، مگر اس سے دل کا اعتقاد تو نہیں پیدا ہو جائیگا؟

رابعاً، مقدمات کے طریقہ کا تمام تر دار و مدار وضعی علوم کے نظری مسلمات پر ہوتا ہے، اور یہ مسلمات نہ تو ہر حال میں حقیقی ہیں، نہ ہر زمانے کی علمی استعداد یکساں طور پر ان کا اعتراف کر سکتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کل تک جو بات مسلم طور پر مانی جاتی تھی، آج تقنی کمزور ہو جائے کہ لوگ اس کی



حجة ابراہیمی

ایہ کریمہ ”الم ترالی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریقہ

(از مولانا ابو الکلام)

(۲)

(۴) انبیاء کرام (علیہم السلام) حکماء کے وضعی طریق استدلال کی جگہ فطری طریق تلقین کیوں اختیار کرتے ہیں؟ میں اسکی تشریح یہاں نہیں کروں گا، کیونکہ اول تو یہ تعریض تشریح کی متحمل نہیں، ثانیاً ایہ زیر بحث میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسکی تشریح آگے آئیگی۔ البتہ ترتیب بیان کیلئے مختصر لفظوں میں یوں سمجھیے کہ:

اولاً، انبیاء کرام کی تعلیم کا مقصد بحث و نظر نہیں ہوتا، ایمان و یقین ہوتا ہے۔ ایمان و یقین کیلئے وضعی علوم کا طریق استدلال کسی حال میں بھی سود مند نہیں۔ انبیاء کرام کے تمام احکام کا دار و مدار ما وراء معسوسات حقائق پر ہے جسے قرآن حکیم نے عالم ”غیب“ سے تعبیر کیا ہے۔ عالم ”غیب“ کے معاملات خلاف عقل نہیں ہیں مگر ما وراء عقل ضرور ہیں، اسلئے انکا عام نظری استدلال کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف وجدانی شہادت کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ وجدانی شہادت جو فطرۃ انسانی میں ردیعت کر دی گئی ہے اور جمعا الاعان قدرتی طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ پس انبیاء کرام کا طریق ارشاد یہ ہوتا ہے کہ وہ افسان کے وجدان سے خطاب کرتے ہیں، نہ کہ مجرد ذہن و ادراک سے۔

یہی وہ پاس لیجائے۔ لیکن جب ڈاکٹر ملکہ کے پاس پہنچا، تو اسے ایک کانے عہدہ دار سے تعشق کرتے پایا۔ ملکہ نے نیپولین کا پیغام سن کر کہا ”میں نے اُسکی محبت کبھی اپنے دل میں محسوس نہیں کی۔ اگرچہ میں یہ ہمیشہ یاد رکھنے پر مجبور ہوں کہ وہ میرے لڑکے کا باپ ہے“۔

مذکورہ بالا عزوتوں کے علاوہ اور بھی بہت سی عزوتوں سے نیپولین کو محبت ہوئی یا انہوں نے اس سے محبت کی۔ انہیں سب سے اہم اور قابل ذکر تین عزوتیں ہیں۔ میڈیم پولین، میڈیم تھی استایل، اور مسٹر اریل۔ ہم انکے واقعات بالاختصار بیان کریں گے۔

پہرہی کر ایک خط میں لکھتی ہے ”زندگی سے آگٹاگٹی ہوں۔ موت کی تمنائیں کر رہی ہوں!“

جنگ اٹلی سے فارغ ہو کر دنوں میں یورپی بڑی شان و شوکت سے پیرس لوٹے۔ لہن تھوڑے ہی دنوں بعد نیپولین کو پھر جوزیفائن سے علحدہ ہونا پڑا۔ وہ مصر کی مہم پر روانہ ہو گیا، اور بیرونی سے وعدہ لے لیا کہ جنگ ختم ہوتے ہی مصر چلی آئیگی۔ مگر ابھی وہ مالٹا ہی پہنچتا تھا کہ اس عیش پسند عورت نے خاوند کو یک قلم بہلا دیا، اور جلسے شروع کر دیے۔ نیپولین اب فرانس میں اس قدر ہر دلعزیز ہو گیا تھا کہ اُسکی بیوی کی آزادیوں پر تمام پیرس ملامت کر رہا تھا۔ مگر خود اُسے کچھ برا نہ تھی۔ بہت جلد نیپولین کو تمام رواد معلوم ہو گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی زمانہ میں اُسے سب سے پہلے جوزیفائن کو طلاق دینے کا خیال پیدا ہوا تھا۔

جوزیفائن سمجھتی تھی کہ نیپولین شاید کبھی واپس نہ آئیگا، یا بہت مدت کے بعد آئیگا۔ اسی لیے بالکل بیباک ہو گئی تھی۔ مگر اچانک اُسے خبر ملی کہ اُسکا شوہر مصر سے آگیا ہے، اور عنقریب پیرس پہنچنے والا ہے۔ بہت خوفزدہ اور پریشان ہوئی۔ ایک طرف اپنی بے اعتدالیوں کا خوف تھا۔ دوسری طرف سخت مقررص بھی ہو گئی تھی۔ حیران تھی شوہر کو کیا جواب دے گی؟ مگر تھی چالاک۔ فوراً پیرس سے استقبال کیلئے روانہ ہو گئی۔ نیپولین کو بھی اُسکی روانگی کی خبر مل گئی تھی۔ اُسنے بالکل مختلف راستہ اختیار کیا، اور محل میں آکر تمام دروازے بند کر لیے۔ جوزیفائن اپنی تدبیر میں ناکام ہو کر سرعت سے لوٹی، اور سیدھی محل کی طرف روانہ ہو گئی۔ مورخ میسن کا بیان ہے ”جوزیفائن محل کے دروازہ پر کھڑی دستکیں دیتی رہی۔ مگر نیپولین نے کوئی شنوائی نہیں کی۔ پھر اُسنے اپنے گھنٹوں پر جھک کر پھرت پھرت کے رونا شروع کیا، مگر اس پر بھی سبہ سالار نے مطلقاً پروا نہ کی۔ اس حالت پر پورا دن گزر گیا، مگر دروازہ نہیں کھلنا تھا نہیں کھلا۔ اب جوزیفائن بالکل تھک گئی۔ ناامید ہو کر واپس جانے والی تھی کہ اُسکی ایک سہیلی اُسکے دونوں بچوں ارجین اور ہورٹانس کو لے آئی۔ انہوں نے رکوہ کر کے اپنے سوتیلے باپ کو پکارنا اور اپنی ماں کیلئے رورز کر سفارشیں کرنا شروع کیا۔ معصوم بچوں کی آواز سن کر نیپولین کا دل نرم پڑ گیا اور دروازہ کھول دیا۔ پھر جوزیفائن کو آٹھایا، آنسو پونچھ، معاف کیا، اور اُسکا بیس لاکھ فرنک قرضہ بھی ادا کر دیا“

(جوزیفائن کو طلاق)

اُسکے بعد جوزیفائن نیپولین کے ساتھ رہی۔ جب وہ تخت نشین ہوا، تو اُسنے ملکہ فرانس کا تاج پہنا اور شہنشاہی کی عزت و عظمت کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی۔ یہاں تک کہ نیپولین کو اپنے بعد اپنے جانشین کی فکر ہوئی۔ اس خیال نے دوسرے سیاسی مصالح کے ساتھ ملکر اُسے جوزیفائن کی طلاق پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ طلاق دیدی گئی، اور نیپولین نے شہنشاہ آسٹریا کی لڑکی میری سے شادی کر لی۔

مشہور ہے کہ آسٹریا کی بیوی کو اپنے شوہر سے ذرا بھی محبت نہ تھی۔ بلکہ سخت نفرت کرتی تھی جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ نیپولین نے جزیرہ سینٹ ہیلنا میں بستر مرگ پر اپنے ڈاکٹر کو وصیت کی تھی کہ موت کے بعد اُسکا دل شیشہ میں رکھ کر اُسکی

بانگ نا امید ہو جاتا۔ مگر اُس نے فوراً خط لکھا ”کاش تمہارے پر ہوئے، اور تم آ کر میرے پاس آ جاؤ!“

لیکن جوزیفائن اپنی راگ زلیوں میں مصروف تھی۔ نیپولین کی اُسے ذرا بھی پروا نہ تھی۔ اب اُسے پایہ تخت میں بڑی عزت حاصل ہو گئی تھی۔ اچھے اچھے لوگ اُس کی خوشنم میں لگے تھے۔ چند ہفتہ کے اندر نیپولین نے اٹلی میں عظیم الشان فتوحات حاصل کر لیں اور اطمینان پا کر جوزیفائن کو بلا لینا چاہا۔ لیکن وہ برابر حیلے حوالے کرتی رہی۔ آخر نیپولین نے سختی سے لکھا کہ فوراً چلی آؤ۔ اس مرتبہ اُس نے ایک نیا عذر پیش کیا۔ اُس نے لکھا کہ میں سفر نہیں کر سکتی کیونکہ حمل سے ہوں۔ نیپولین کو اس جھوٹی خبر سے بڑی ہی خوشی ہوئی۔ اُس نے فوراً خط لکھا ”جوزیفائن! میں نے سخت غلطی کی۔ کس طرح اپنے گناہ کا کفارہ کروں؟ میں نے نا حق شک کیا۔ حالانکہ تم بیمار تھیں۔ سچ ہے، محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے... کاش ایک ہی دن کیلئے میں تمہارے پہلو میں ہوتا!“

نیز اپنے بھائی کو لکھا ”جوزیفائن کی عالت نے میرے ہوش اڑا دیے ہیں۔ کش میں اُسے لکھ سکتا۔ اُس کی محبت جڑوں کے درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ خدا نخواستہ اگر وہ مر گئی تو زندگی میں میرے لیے کوئی لطف باقی نہیں رہے گا!“

لیکن چند ہی دن بعد نیپولین کو معلوم ہو گیا کہ جوزیفائن نے دھوکا دیا تھا۔ وہ بالکل اچھی ہے، اور پیرس میں ضیافتیں دے رہی ہے۔ اب اُسکے غصہ کی کوئی حد نہ تھی۔ اُسنے فوراً تلخ لہجہ میں خط لکھا، اور حکم دیا کہ بلا کسی عذر کے روانہ ہو جائے۔ جوزیفائن بادل ناخواستہ روانہ ہو گئی۔ میلان میں نیپولین نے بڑی مسرت سے استقبال کیا۔ مگر چند ہی دن بعد اُسے پھر میدان جنگ میں جانا پڑا۔ کیونکہ فوج ایک خطرہ میں پھنس گئی تھی۔ خطرہ دور کر کے اُسے پھر اُسے طالب کیا۔ خط میں لکھا تھا ”جدائی کے وقت تمہارے آنسوؤں نے میرے دل کو سخت مایوس کر دیا تھا۔ میری عقل جانی رہی تھی۔ اب یہاں میرے پاس آ جاؤ، تاکہ میرے سے پہلے ہم کہہ سکیں کہ ہم نے بھی چند دن خوشی کے دیکھے ہیں“ مورخ میسن کا بیان ہے کہ نیپولین ’جوزیفائن کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا تھا، گویا کسی مقدس دیوی کے حضور میں کھڑا ہے!“

(نیپولین کا رقیب)

جوزیفائن اپنے شوہر کے حسب الحکم جنگی پڑاؤ میں آ گئی۔ بہن چارلس نام فوج میں ایک کم رتبہ افسر تھا۔ کم عمر اور خوبصورت تھا۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے، نیپولین کی فوج میں اُس سے زیادہ حسین آدمی کوئی نہ تھا۔ جوزیفائن دیکھتے ہی فریفتہ ہو گئی۔ یا تو فوج میں رہنے سے بیزار تھی، یا اب فوج سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔ دنوں میں شناسائی ہوئی، تعلقات بڑھے، اور اتنے بڑھے، کہ خود نیپولین نے محسوس کر لیا۔ وہ نہایت غصہ ہوا مگر ضبط سے کام لیا۔ البتہ اتنا ضرور کیا کہ اپنے رقیب کو فوج سے نکال کر پیرس بھیج دیا اور حکم دیا کہ آئندہ احکام کا منتظر رہے۔ اپنے شوہر کی اس کارروائی سے جوزیفائن کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر مجبور تھی، کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی

بھی چپکا دی۔ مطلب یہ قرار دیا کہ حضرت ابراہیم نے حدوث عالم پر حرکت و تغیر سے استدلال کیا ہے۔ یعنی اُن کی حجت بھی یہی تھی کہ ”العالم متغیر و کل متغیر حادث“ انہوں نے کواکب کے صانع عالم نہ ہونے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ اُن میں حرکت ہے۔ حرکت تغیر کو کہتے ہیں، اور جس میں تغیر ہو وہ محدث ہے، اور جو محدث ہے، وہ قدیم نہیں، اور جو قدیم نہیں، وہ صانع عالم نہیں ہو سکتا! اس تفسیر پر ہمارے منکملین کو اس درجہ وثوق بلکہ فخر ہے کہ حضرت امام رازیؒ تغیر سے استدلال حدوث کو ”طریق ابراہیمی“ قرار دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں ”پہلا حکم ربانی جس نے اس حکم سے مغالطہ کر آسنا کیا، وہ حضرت ابراہیم خلیل ہیں!“

ابھی اس سے قطع نظر کیجئے کہ اس استدلال کی کمزوریوں کا کیا حال ہے، اور اسکا صغریٰ از کبریٰ ہی کونسا قطعی اور مسلم ہے کہ نتیجہ قطعی الثبوت ہو۔ اس پر بھی بحث نہ کیجئے کہ اس طرح کا استدلال انبیاء کرام کی طرف منسوب کرنا طریق دعوت نبوت سے کس درجہ نا اشنائی اور حقیقت فراموشی ہے۔ صرف اس بات پر غور کیجئے کہ لغت و عربیت کے لحاظ سے اس تفسیر کا کیا حال ہے؟ آیت کریمہ میں ”کوب“ چاند، اور ”مورج“ کا ذکر ہے، اور تیسری کیلیے ”افل“ کا لفظ آیا ہے۔ منکملین کی یہ نفسیہ ”افول“ کے معنی حرکت و تغیر قرار دیتی ہے، اور جب تک یہ معنی قرار نہ دیے جائیں، اُن کے گڑھے ہوئے استدلال کی دیوار کھڑی نہیں ہو سکتی، لیکن جزم و قطع کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ عربی لغت میں کسی ایسے ”افول“ کا وجود ہی نہیں جو حرکت و تغیر کے معنی میں بولا جاتا ہو۔ جو ”افول“ عربی زبان میں مستعمل ہے، اُسکے معنی تو کسی چیز کے چھپ جانے اور غائب ہو جانے کے ہیں۔ ”قد افلت الشمس نائل و نائل افول“ ای غابت و اندجبت۔ اس کے سوا کوئی معنی اس لفظ کے مفہوم میں داخل نہیں۔ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب چاند دُوب گیا، سورج غروب ہو گیا، تو حضرت ابراہیم نے کہا ”انی لا احب الانلین“ میں چھپ جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہاں حرکت و تغیر کی مصیبت کہاں سے آگئی؟

پھر قیاس پر فہامت یہ ہے کہ ”حرکت“ ہے بھی انکا مقصود حرکت اغری نہیں ہے۔ بلکہ حرکت مصطاحۃ فلسفہ ہے۔ یعنی وہ حرکت جو ایک حالت سے دوسری حالت میں انتقال کو کہتے ہیں، خواہ مکان میں ہو یا زمان میں، اور کم میں ہو یا کیفیت میں۔ مثلاً درخت کا نمو بھی حرکت ہے، اور یہ حرکت فی الکم ہے، اور کسی رنگ کا تغیر بھی حرکت ہے، اور یہ حرکت فی الکیف ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ”افول“ کے مفہوم میں کسی نہ طرح کیلیج تان کر حرکت کی دلائل پیدا بھی کر لی جائیں، تو لغت اور قرآن پر یہ کیسا صریح اتہام ہوگا کہ حرکت کا یہ فلسفیانہ مفہوم اُن کے سر پہ چڑھا جائے؟

علامہ بریس منکملین اپنے ذوق تفلسف میں یہ حقیقت بھی بھول گئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب جن لوگوں سے تھا، وہ کواکب کو صانع کائنات نہیں سمجھتے تھے کہ اُنکے لیے اس مزعومہ استدلال کی ضرورت ہوتی۔ اُن لوگوں کا اعتقاد اجرام سماویہ خصوصاً چاند سورج کی نسبت رہی تھا، جو دنیا کی تمام مشرک عقول کا اپنے اپنے دیوتاؤں کی نسبت رہ چکا ہے، اور اب تک ہے۔ یعنی یہ ایسی روحانی اور ملکیوتی ہستیاں ہیں جنہیں دنیا کی تدبیر و

فانما یسرناہ بلسانک لعلیم یتذکر (۵۸: ۴۴) ہر الہی یتزل علی عبدہ آیات یدبات لیخرجکم من الظلمات الی النور (۵۷: ۹) قرانا عربیا غیر ذبی عروج (۲۸: ۳۹) فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المنقین (۹۷: ۱۹) و انہ لننزل رب العالمین۔ نزل بہ روح الامین۔ علی قلبک لنکور من المذمرین۔ بلسان عربی مبین! (۱۹۱: ۲۶) انہ لقول فصل و ما ہر بالہزل (۱۴: ۸۶) یعنی قرآن صاف اور واضح عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اُسکی تعلیم بالکل کھلی ہوئی اور اسکا طریق بیان تمام تر سہل اور دل میں اتر جانے والا ہے۔ سچائی اس میں کھل دی گئی ہے۔ حقیقت کے لیے اُس میں کوئی نقاب نہیں۔ اُس کا بیان یقلم سیدھا سدا ہے۔ کسی طرح کی تیرہ اور پیچیدگی اُس میں نہیں پا سکتی۔ اُسکے سمجھنے بوجھنے کیلیے صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ دل لگنے والا اور کان سننے والا ہو۔ اُسے صرف سن لینا ہی اُسے پا لینا ہے، اور اُسے دیکھ لینے سے انکار نہ کرنا، اسکی شیفتگی اور عشق کا اقرار ہے!

علامہ بریس قرآن نے جابجا اپنے نام گنائے ہیں۔ وہ کہتا ہے میں ”مروعة“ ہوں، ”ذی الذکر“ ہوں، ”تبدلاً لکل شی“ ہوں، ”تذکرہ“ ہوں، ”ہدی رحمہ“ ہوں، اور بہ ظاہر ہے کہ جو بات وعظ ہو، تذکرہ ہو، نصیحت ہو، ہدایت ہو، روح و دل کے لوگوں کی شفا ہو، وہ منطقی شکلوں کا الجھاؤ اور مقدمات و مقدمات طلسموں کا کارخانہ نہیں ہو سکتی!

(۷) ضرورت ہے کہ مختصراً اس معاملہ کی توضیح کے لیے ایک دو مثالیں بھی دیدی جائیں:

منکملین نے جو طریقہ الہییات میں اثبات مدعا کا اختیار کیا تھا، اُس میں سب سے زیادہ اُن کا اعتماد حدوث عالم کے اثبات پر تھا۔ یعنی عالم ہدام (مصطلحہ فلسفہ) نہیں ہے۔ پیدا شدہ ہے۔ حدوث عالم کے لیے سب سے زیادہ قوی استدلال حرکت اور تغیر کا استدلال سمجھا جاتا تھا۔ بچپن سے ہم نے یہ شکل رتی تھی: ”العالم متغیر، و کل متغیر حادث۔ فالعالم حادث“ (عالم متغیر ہے، اور ہر چیز جو متغیر ہے، حادث ہے۔ پس عالم حادث ہے) چونکہ منکملین کے دماغ میں اثبات مدعا کی یہی شکلیں بسی ہوئی تھیں، اسلیے انہوں نے قرآن کے استدلال کو بھی کہینچ تان کر بھی جامہ پہنا دینا چاہا۔ قرآن حکیم نے جس طرح آیت زیر تدبر میں حضرت ابراہیم (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ایک ”حجت“ کا ذکر کیا ہے، اُسی طرح سورہ انعام میں ایک دوسری ”حجت“ کا بھی ذکر کیا ہے: و تلک حجبتا اتیناھا ابراہیم

علی قومہ۔ نزع درجات من نشاء، ان رنک حکیم علیم (۸۳: ۶) بہ ”حجت“ کیا نہی؟ یہ ”حجت“ وہ قہمی جس میں حضرت ابراہیم کے مشہدہ ”ملکوت السموات و الارض“ کے واردات کا ذکر ہے: فلما جن علیہ الایل، ری کرکبا، قال ہذا ربی، فلما افل،

قال لا احب الانلین! (۷۶: ۶) یعنی حضرت ابراہیم نے سنارہ، چاند، اور سورج دیکھا، اور جب اُن میں سے ہر کوکب دُوب گیا، تو فرمایا ”انی لا احب الانلین“۔ چونکہ اس معاملہ کو قرآن نے ”حجت“ کے لفظ سے تعبیر کیا تھا، اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، منکملین نے ”حجت“ سے معنما قرآن کر رہی حجت قرار دے لیا تھا جو اُن کی مصطاحۃ منطق ”حجت“ تھی، اسلیے انہوں نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے منطقی استدلال کی شکل یہاں

منہ یصدون - و قالوا : الہتنا خیر لم ہر ؟ - اسے بعد کہا " ما ضررنا لك الا جدلا " بل ہم قرم خصمون ! " یعنی منکروں کی یہ فکری حالت کہ وہ بات کی حقیقت پر غور کرنے کی جگہ مرضی اور تخمینی صورتیں پیدا کر کے کچھ بحثی کرنی چاہتے ہیں " راستی و حق پرستی کا طریقہ نہیں ہے - " جدل " کا دھنگ ہے -

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے دعوت الی الحق کا طریقہ راصح کرتے ہوئے کہا : ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة

الحسنة " و جادلہم بالتی ہی احسن (۱۶ : ۱۲۶) اس آیت میں بالترتیب تین طریقوں کا ذکر آیا ہے : حکمت - موعظہ حسنہ - اور جدل - لیکن جدل کو " بالتی ہی احسن " کے ساتھ مقید کر دیا ہے - یعنی ایسا جدل جو اچھے طریقہ پر کیا جائے - اس سے معام ہوا کہ قرآن کے نزدیک " جدل " حکمت و موعظت کی طرح محمود و مطرب نہیں ہے " الا یہ کہ " بالتی ہی احسن " ہو -

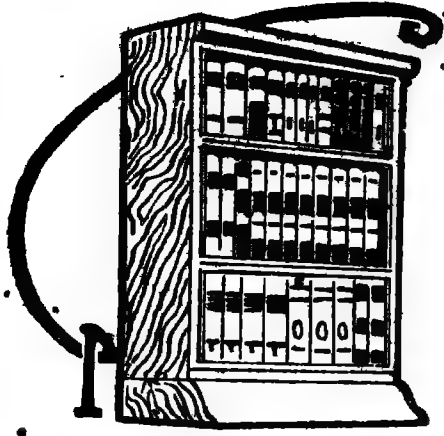
جس آیت کی نسبت اپنے استفسار کیا ہے " دراصل وہ اسی حقیقت کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتی ہے - وہ واضح کرتی ہے کہ انبیاء کا طریق دعوت و ہدایت کا ہے - جدل کا نہیں ہے - اور تشریح اسکی آگے آئیگی -

(۶) لیکن افسوس ہے کہ متکلمین کا منطقی ذوق طریق قرآنی کی اہمیت و حقیقت معلوم نہ کر سکا - انہوں نے قرآن کو بھی وہی منطقی جامہ پہنا دیا چاہا " جو خود انہوں نے علم و نظر کے ہر گوشے میں پہن لیا تھا - چونکہ یہ طریقہ قرآن کیلئے ایک مصنوعی طریقہ تھا " اسلئے قدم قدم پر طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں - لغت ساتھ نہیں دہنی تھی " عربی اسلوب بیان قطعاً مخالف تھا - سباق و سیاق کا مقتضا کچھ اور ہی کہتا تھا - سب سے بڑھکر یہ کہ قرآن کا عام نظم و نثر اس طریق کے ساتھ چل نہیں سکتا تھا - تاہم وہ اپنی موشگافیوں اور کوہ کندیوں میں برابر بڑھتے ہی گئے " اور کسی نے اسے اس طرح کہیں نہ کر ایک لبا کارخانہ استدلال گڑھ کر کہا " اب دنیا ہاتی ہے کہ قرآن کی مشکلات حل نہیں ہوتیں - لیکن کوئی نہیں جو اس حقیقت پر سے پردہ اٹھائے کہ مشکلیں قرآن کی مشکلیں نہیں ہیں - مفسرین کی پیدا کی ہوئی مشکلیں ہیں - اگر ایک بات کو اس کی زبان " اس کے اسلوب " اور اس کے قدرتی معانی سے ہٹا کر ایک دوسری طرح کی شکل دہنی جائیگی " تو یقیناً وہ صاف نہیں رہیگی " مشکلات کا ایک معما ہی بن جائیگی !

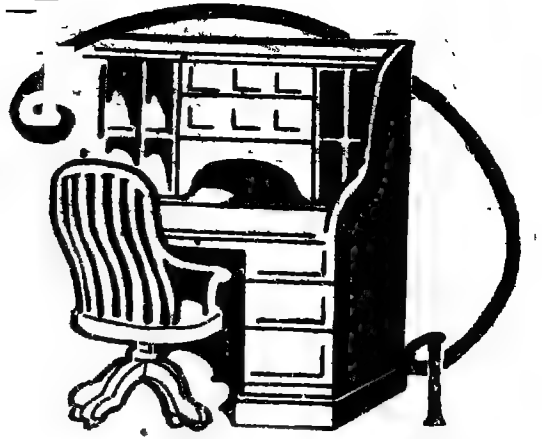
یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کے ساتھ ہم در ہی طرح کا سلوک کر سکتے ہیں - یا تو اس کی سچائی تسلیم کریں - یا انکار کریں - اگر ہم اس کی سچائی تسلیم کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہ تمام اوصاف بھی تسلیم کر لیں جو اس نے اپنی نسبت بار بار بیان کیے ہیں - ان اوصاف میں سب سے پہلا اور بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار سے سہل ہے - کسی اعتبار سے بھی مشکل نہیں - پس قرآن سب کچھ ہو سکتا ہے مگر مشکل اور پیچیدہ نہیں ہو سکتا - کوئی تفسیر " کوئی تابل " کوئی ایسی بات جس سے اس کی کوئی ایک سورت " کوئی ایک ذریعہ " کوئی ایک آیت " بلکہ اس کا کوئی ایک لفظ بھی مشکل اور مقدمات طلب بن جائے " قرآن کے لئے سچی تفسیر اور سچی بات نہیں ہو سکتی - یقیناً وہ سچی نہیں ہو سکتی - اس لیے کہ قرآن جسے سچ ہونا چاہیے " بار بار کہتا ہے : ولقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر (۱۷ : ۵۴)

ہنسی اور زائیں - ایمان کی بنیاد ایسی متغیر اور متلون بنیاد پر نہیں ہو سکتی - وہ تو ہر فرد " ہر جماعت " ہر طبقہ " اور ہر زمانہ کے لیے ایک بکساں حقیقت ہے - یہ محل تفصیل کا نہیں " روزہ مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی - ہمارے حکماء اور متکلمین نے حدوت عالم اور اثبات صانع کے کتنے ہی استدلال ترتیب دیے تھے " جن کی بنیاد اس وقت کے مذاہب فلسفہ کے نظری مسلمات پر رکھی گئی تھی " لیکن آج ہم کسی پڑھے لکھے آدمی کے سامنے انہیں دھرائے ہی جرات نہیں کر سکتے !

" (۷) صرف یہی نہیں کہ قرآن کا " یہ طریقہ نہیں ہے " بلکہ اس نے راصح طور پر اس طریقہ کی مذمت کی ہے " اور اسے بھی انہی طریقوں میں سے قرار دیا ہے جو اس کے نزدیک " جدل " کے طریقے ہیں " اور جو طریق " دعوت " و " ہدایت " کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے - یہ طریقہ جھگڑنے اور لفظوں اور باتوں کے پیچ میں مخاطب کو کس دہانے کے لیے ضرور مفید ہے - مگر اعلان و یقین کیلئے کہ طریق دعوت و ہدایت کا مقصد رحید ہے " کچھ مفید نہیں - بلاشبہ اس طریق کا عامل ایک علمی قسم کا جھگڑالو آدمی بن جاتا ہے " لیکن مرشد اور ہادی نہیں بن سکتا - اس کی طبیعت بھی اس طرف نہیں جاتی کہ سچائی اور حق معلوم کرے - وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے کہ اپنے بنائے ہوئے قاعدوں " گڑھے ہوئے مقدموں " اور منرائی ہوئی اصطلاحوں سے کسی نہ کسی طرح مخاطب کو لاجواب کر دے - رفتہ رفتہ خود اسکا قلب بھی حقیقت سے نا آشنا اور اسی قسم کی باتوں پر قانع ہو جاتا ہے جسے انگریزی میں " تکنیکل " قسم کی باتیں کہتے ہیں (لفظ صناعی اسکا پورا مفہوم ادا کرتے کیلئے کافی نہیں " الا یہ کہ اختیار کر لیا جائے) اگر وہ ایک مخاطب کو جو حق کی جستجو اور بقیں کی راہ میں اس سے نزاع کر رہا ہے " صرف ایک لفظ کی عطی " یا کسی اصطلاحی قاعدہ کی نا آزمائی " یا ترتیب مقدمات کے پیچ و خم کے الجھاؤ سے شرمندہ کر دے سکے اور لاجواب بنا دے " تو وہ اسے اپنی بڑی سے بڑی فتح مندی سمجھ گا ہے " اور اسے " مناظرہ میں ہار دینے " سے تعبیر کرے گا - لیکن ایک لمحہ دیلیے بھی یہ نہیں سونچے گا کہ اس نام نہاد فاحش شکست سے حقیقت اور سچائی کا فیصلہ کیونکر ہوتا ہے ؟ نہ زیادہ سے زیادہ مناظرہ کی حیثیت ہے - لیکن حقیقت کا فیصلہ تو نہیں ہے ؟ اگر وہ اس مناظرانہ کچھ ادبشی کی مدد و شہی سے افاقہ پائے " اور خود اپنے دل کی گہرائیوں کا حساب لے " تو اسے معلوم ہو جائے کہ جس بات کے منوالے کیلئے وہ ایک عالم کو چپ کرانا پہرتا ہے " خود اسی کے دل کو اس پر قرار نہیں ہے - قرآن و سنت پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ " اور اس طرح کے تمام طرفے " نہ صرف حصول مقصد کیلئے سود مند نہیں ہیں " بلکہ ہدایت و بقیں کی راہوں سے دور کر دینے والے ہیں - قرآن ان تمام طریقوں کو " خصومت " اور " جدل " یعنی لڑنے جھگڑنے کی راہ قرار دیتا ہے " اس کے جا بجا اس نوعیت کے اعتراضات اور تشکیکات نازل کی ہیں - " پھر بتلانا ہے کہ یہ حق و ہدایت کی راہ نہیں ہے " خصومت اور جھگڑنے کی روش ہے - سورہ یاسدن میں مذکور ہے کہ " استقام تشکیکی نقل کرنے کے بعد کہ " و یقولون متی ھذا البعد ان کفتم صابقین ؟ " فرمایا " ما یظنون الا صیحة واحدة " تاخذہم و ہم یخصمون ! " " خصومت " کا لفظ یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے - سورہ زخرف میں مذکور ہے کہ " و لما ضرب ابن مریم مثلاً " اذا قریمک یہ انداز سخن نقل کیا ہے کہ " و لما ضرب ابن مریم مثلاً " اذا قریمک



مقالات



”کمیونیزم“ اور اُسکے مقاصد

(کارل مارکس کے مباحث)

(۳)

” لیکن تم کمیونسٹ ‘ سرمایہ دار عورتوں کی عمومیت بھی رواج دو گے “

ایک ہی طرح کے سرمیں تمام سرمایہ دار یہ راگ آلاپ رہے ہیں !

چونکہ سرمایہ دار اپنی بیوی کو بھی پیداوار کا ایک آلہ تصور کرتا ہے ‘ اس لیے جب کبھی سنتا ہے کہ آلات پیداوار عام ملکیت ہو جانے والے ہیں ‘ تو قدرتی طور پر خیال کرتا ہے کہ عورتوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا !

اُسے کبھی یہ خیال نہیں گزرتا کہ کمیونسٹوں کا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ عورت پیداوار کا معض ایک آلہ نہ سمجھی جائے - وہ عورتوں کی موجودہ حیثیت بدل دینی چاہتے ہیں -

ہمارے سرمایہ داروں کے اس عیارانہ خوف سے زیادہ کوئی چیز مضحکہ انگیز نہیں جس کی وہ اس باطل دعویٰ میں نمائش کر رہے ہیں - کمیونسٹوں کو عورتوں کے عام بنانے کی کیا ضرورت ہے جب کہ ان کی یہ صورت حال تقریباً ہمیشہ موجود رہی ہے اور آج بھی موجود ہے !

ہمارے سرمایہ دار بزرگ کیا کر رہے ہیں ؟ اپنے مزدوروں کی عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے قبضے و تصرف میں رکھنے سے سیر نہ ہو کر نیز باضابطہ عصمت پررشی پر بھی قانع نہ ہو کر ‘ وہ اب آپس میں ایک دوسرے کی پیرویوں سے علانیہ تعلقات پیدا کر رہے ہیں ‘ اور یہ تعلقات سرمایہ دار سوسائٹی کی بہترین معاشرتی دلچسپی ہیں !

خود سرمایہ دارانہ شادی بھی درحقیقت عورتوں کی عمومیت ہی ہے - کمیونسٹوں کو زیادہ سے زیادہ الزام یہ دیا جاسکتا ہے کہ وہ عورتوں کی موجودہ ریاکارانہ اور خفیہ عمومیت ختم کر دینی چاہتے ہیں - ظاہر ہے کہ پیداوار کے موجودہ نظام کی منسوخی کے ساتھ اُس کا نتیجہ یعنی عورتوں کی عمومیت بھی معدوم ہو جائیگی ‘ اور اُس وقت عام عصمت پررشی کا بازار بھی گرم نہیں ہو سکیگا -

کمیونسٹوں پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ وطنی و قومی روح فنا کر دینی چاہتے ہیں -

مزدوروں کی نہ تو کوئی قوم ہے نہ وطن - پس جو چیز انہیں ملی ہی نہیں ‘ چھپنی بھی نہیں جاسکتی !

مزدوروں کو پہلے سیاسی طاقت حاصل کرنی چاہیے ‘ پھر اپنے تئیں بطور ایک قوم کے قائم کر دینا چاہیے - یہ کام بذاتِ خود ایک قومی کام ہے ‘ اگرچہ سرمایہ دار اُسے کچھ نہ سمجھیں -

جوں جوں سرمایہ دار ترقی کرتے جاتے ہیں ‘ آزاد تجارت پھیلتی جاتی ہے ‘ عالمگیر بازار کھلتے جاتے ہیں ‘ صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ‘ قومی اختلافات بھی کم ہوتے جاتے ہیں ‘ اور حالات زندگی میں ہمرنگی و یکسانیت بڑھتی جاتی ہے -

مزدوروں کی فتحمندی ان اختلافات کو آہستہ آہستہ کم کر دیگی کیونکہ ان کی تجارت کے لیے تمام دنیا اور کم سے کم مہذب ممالک کا متحدہ عمل اولین شرط ہے -

افراد کے باہمی خود غرضانہ استعمال میں جس قدر کمی ہوتی جائیگی ‘ اسی قدر قوموں کا باہمی خود غرضانہ استعمال بھی کم ہوتا جائیگا -

جوں جوں فرقہ بندیں معدوم ہوتی جائیگی ‘ قوموں کی باہمی دشمنی بھی مٹتی جائیگی -

رہ باقی الزام جو کمیونیزم پر مذہبی ‘ فلسفی ‘ اور نظری نقطہ نظر سے لگائے گئے ہیں ‘ تو وہ اس قدر پرچ ہیں کہ کسی سنجیدہ بحث کے محتاج نہیں -

کیا اس حقیقت کے سمجھنے کے لیے کسی گہری بصیرت کی ضرورت ہے کہ مادی حالات زندگی اور اجتماعی نظام کی تبدیلی کے ساتھ انسان کے خیالات ‘ نظریے ‘ تصورات ‘ حتیٰ کہ ضمیر و وجدان تک بدل جاتا ہے ؟

خیالات کی تاریخ بجز اس کے اور کیا ثابت کرتی ہے کہ دماغی پیداوار ‘ مادی پیداوار کے ساتھ ہمیشہ بدل جاتی ہے ؟ ہر عہد کے حکمران خیالات ہمیشہ رہی ہیں ‘ جو اس کے حکمران طبقہ کے تھے -

جب لوگ ان خیالات پر بحث کرتے ہیں جو سوسائٹی میں انقلاب پیدا کر دیا کرتے ہیں ‘ تو یہ حقیقت صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ پرانی سوسائٹی کے اندر ہی نئی سوسائٹی کے عناصر کی تکیوں پوشیدہ تھی ‘ اور یہ کہ قدیم خیالات کے انحلال کے ساتھ ہی قدیم اجتماعی رشتے بھی پرانندہ ہو جاتے ہیں -

جب قدیم دنیا اپنے زوال کی آخری گھڑیوں سے گزر رہی تھی ‘ تو قدیم مذاہب بھی ایڑیاں رگڑ رہے تھے - یہاں تک کہ مسیحیت نے ظاہر ہو کر انہیں نکل لیا - اسی طرح جب اٹھارویں صدی میں مسیحی خیالات کی جگہ عقلیت نے لے لی ‘ تو جاگیر دار سوسائٹی نے اُس وقت کے انقلابی سرمایہ داروں سے فیصلہ کن لڑائی لڑی - پھر مذہبی آزادی اور وجدانی آزادی کے خیالات نے علم کی علمداری اور آزاد مقابلہ کا اصول ظاہر کر دیا -

ہے - یعنی اُس جیسی ہے - تاج محل کے مثل کوئی عمارت نہیں - یعنی اُس جیسی کوئی عمارت نہیں - قرآن نے بھی جا بجا مثل کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے -

لیکن جب فلسفیانہ مصطلحات رائج ہو گئیں، تو ”تمثیل“ کا استعمال ایک خاص تعریف و حدود کے ساتھ ہونے لگا - مثلاً مماثلت کے مفہوم میں منطقی اطلاق پیدا کر کے اُسے مماثلۃ فی الجوہر، مماثلۃ فی کیفیۃ، مماثلۃ فی الكمیۃ، مماثلۃ فی القدر و المساحة؛ وغیرہ میں لے گئے، اور اسکے بعد ”مثل“ مستعمل قرآن سے بھی استدلال کرنے لگے - مثلاً ”لیس کمثلہ شی“ میں ”مثل“ کو بھی ”مثل“ مصطلحہ قرار دیتے ہیں، اور اس پر اپنی تمام فلسفہ آرائیوں کی عمارت استوار کرتے ہیں - وہ کہتے ہیں - تمام اجسام متماثل ہیں، اور جسم وہ ہے جو جراثیم فرد سے مرکب ہو، یا جسی طرف اشارہ کیا جاسکے، اور جسی مقدار ہو، پس جب خدا نے فرمایا ”لیس کمثلہ شی“ تو اس سے اُن تمام جسمی (مصطلحہ فلسفہ) مماثلتوں کی نفی ہو گئی جو جراثیم یا اعراض میں ہو سکتی ہیں - فلرکان جسماً لکان لمثل، و اذا لم یکن جسماً، لزم نفی ملازعات الجسم - یقیناً خدا کے مثل کوئی شے نہیں، لیکن سراسر یہ ہے کہ ”لیس کمثلہ شی“ میں قرآن نے عربی کا جو لفظ استعمال کیا ہے، اور اسکا جو مطلب در سو برس تک تمام عرب مخاطبین سمجھتے رہے، وہ کیا تھا؟ کیا وہ یہی مثلیت مصطلحہ فلسفہ تھی؟ حاشا رکلا - عربی میں مثل کا لفظ تھیک انہی سیدھے سادھے معنوں میں بولا جاتا ہے، جن معنوں میں ہم آجکل اردو میں بولا کرتے ہیں - مثلاً ایک شخص کہتا ہے ”تاج محل اگرہے مثل کوئی عمارت موجود نہیں“ تو اس سے اُسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مماثلۃ فی الجوہر یا مماثلۃ فی الكمیۃ، یا مماثلۃ فی کیفیۃ، یا مماثلۃ فی القدر و المساحة، یا مماثلۃ فی ای معنی اصطلاحی فلسفی کی نفی کر رہا ہے - بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایسی خوشنمائی رکھنے والی کوئی دوسری عمارت موجود نہیں - قرآن نے بھی تھیک تھیک اسی سادہ اور لغوی معنی میں ”مثل“ کا لفظ استعمال کیا ہے - یہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیدہاں یہاں کہاں سے آگئیں؟

یا مثلاً، عربی کا ایک لفظ ”خلد“ اور ”خلود“ ہے جسکے معنی لغت اور زبان میں طول عہد کے ہیں، اور اسی نسبت سے وہ ہمیشگی کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے - لیکن یہ ہمیشگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسے بول چال میں ہم کہتے ہیں ”یہ آدمی ہمیشہ کلکتہ ہی میں رہیگا“ اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ ابد تک رہیگا اور مستقبل میں کوئی وقت ایسا نہیں آئیگا جب وہ کلکتہ میں موجود نہ ہو، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ یہیں ٹہرا ہوا ہے اور عرصہ تک یہیں ٹہریگا - قرآن نے بھی جا بجا اسی معنی میں یہ لفظ استعمال کیا ہے، لیکن بعد کو جب فلسفیانہ بحثیں پیدا ہو گئیں، تو ”خلود“ کے معنی ایسی ہمیشگی کے ہو گئے جسکی کوئی نہایت نہ ہو -

یا مثلاً، عربی میں لفظ ”قدیم“ کے بھی معنی ہیں، جو اردو میں ”پرانے“ کے ہیں ”یہ مکان بہت قدیم ہے“ یعنی بہت مدت سے ہے - لیکن متکلمین نے فلسفیانہ مباحث میں ”قدیم“ و ”حدوث“ کی خاص مصطلحات اختیار کیں، اور اسلیے ”قدیم“ کی بھی ایک خاص منطقی تعریف بن گئی - اب کذاب رسالہ کا مستعملہ ”قدیم“ بھی اسی معنی میں لیا جانے لگا!

تصرف میں دخل ہے، اور اسلیے انکی پرستش ضروری ہے - پس جب وہ کواکب کو صانع کائنات سمجھتے ہی نہ تھے، تو اُنکے محدث و مخلوق ہونے کے دلائل پر حضرت ابراہیم کیوں زور دیتے؟ اور کیوں قرآن اسے ”تک“ حجة ایٹنا ہا ابراہیم علی قومہ“ سے تعبیر کرتا؟ اُنکے علم میں تو کوئی ایسی بات آئی تھی، جس سے کواکب کے تدبیر و تصرف عالم میں دخل ہونے کا بطلان ثابت ہوتا، کیونکہ اُنکے ہم وطنوں کی اصلی گمراہی یہی تھی -

یہ محل مزید تشریح و اطناب کا متحمل نہیں، ورنہ یہی ایک تفسیر اس حقیقت کی توضیح کیلیے کافی تھی کہ متکلمین کے طریقہ نے قرآن حکیم کے معارف و حقائق پر کیسے تو بر تو پردے ڈال دیے ہیں، اور اُنکی ذہنیت معارف قرآنیہ کی روح سے کس درجہ مختلف بلکہ متضاد ہے - فی الحقیقت قرآن حکیم کا یہ مقام من جملہ اہم ترین دلائل قرآنیہ کے ہے، لیکن متکلمین نے ایک دروازہ کار اور تقریباً بے معنی منطقی استدلال کا جامہ پہنا کر اُس کی ساری دلاویزی اور خوبی غارت کر دی ہے، جو کبھی طرح بھی اُس پر راست نہیں آتا - لطف یہ ہے کہ یہ استدلال حضرت ابراہیم کی طرف اس جوش و سرگرمی کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، گویا اُنکے لیے ابراہیم خلیل کی جگہ امام الحرمین یا امام رازی بن جانا کوئی بڑی ہی فضیلت کی بات ہے!

میں نے یہاں ارسطو کی جگہ امام الحرمین اور امام رازی اسلیے کہا کہ جو بات حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کی گئی ہے، وہ اتنا وزن بھی نہیں رکھتی، جسقدر عامۃ حکماء کی عقلیات کا تسلیم کرنا پڑتا ہے - شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے سچ کہا ہے کہ ”متکلمین نے طریق قرآنی اسلیے ترک کیا، تاکہ فلاسفۃ و عقلیین کے ساتھ چل سکیں، مگر افسوس کہ یہ بھی نہ کر سکے - انکی خام خالیوں سے تو پھر حکماء کی باتیں غنیمت ہیں“

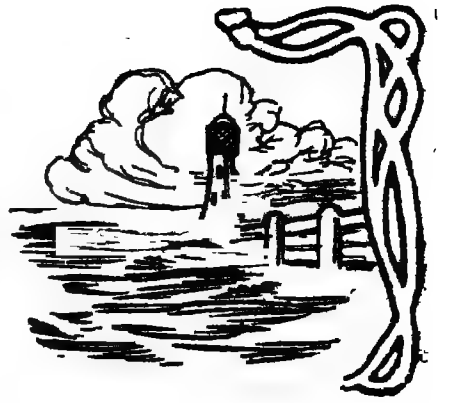
یا مثلاً، قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کے صفات کا ذکر کرتے ہوئے ”احد“ اور ”واحد“ کا لفظ استعمال کیا ہے - ”احد“ اور ”واحد“ کے معنی اُس زبان میں جسمیں قرآن نازل ہوا ہے، اسکے سوا کچھ نہیں ہیں کہ یہ صفت، تعدد کی نفی کرتی ہے - یعنی وہ ایک ہے، کیلا ہے، اسکا کوئی شریک نہیں - کوئی عرب یا عربی داں انسان ”احد“ کا لفظ سنکر اس سے زائد کسی مفہوم کا تخیل ہی نہیں کر سکتا، لیکن متکلمین نے اسکے لیے فلسفیانہ معانی اور التزامات پیدا کر لیے، اور بلا تکلف انہی معانی میں استعمال کرنے لگے - مثلاً وہ کہتے ہیں، خدا نے اپنا وصف احد قرار دیا ہے - احد وہ ہے جو منقسم نہ ہو سکے، پس معلوم ہوا کہ وہ جسم نہیں ہے، کیونکہ اجسام قابل انقسام ہیں - ہمیں بھی اسکا شوق نہیں کہ خدا کی جسمیت ثابت کی جائے، لیکن یہ قطعی ہے کہ قرآن نے عربی کا لفظ ”احد“ اس مصطلحہ متکلمین مفہوم میں استعمال نہیں کیا ہے، اور نہ اس انقسام و عدم انقسام کی دقیقہ سنجیوں سے اسے کوئی تعلق ہے -

یا مثلاً، عربی کا ایک لفظ ”مثل“ ہے - ”مثل“ کے اصلی معنی کسی چیز کے نصب ہونے کے آنے - مصرور صررت بنا دیتا ہے، اس لیے اُسے ممثل کہنے لگے - مثل الشی - ای انتصب و تصرر - سورۃ مریم میں ہے ”فتمثل لها بشراً سوياً“ یعنی آدمی کی شکل میں نمایاں ہوا - پھر اسی نسبت سے اسکا استعمال مشابہت کے معنوں میں بھی ہونے لگا - فلان چیز فلاں چیز کے مثل



ترک

باز



مصری خواتین کا نقاب جو اب رخصت ہو رہا ہے !

مصر اور ترکی کی نسوانی تحریکات



پیرس کے مصر رسالہ نے ایک سلسلہ مقالات بلاد اسلامیہ کی جدید نسوانی تحریکات پر شائع کرنا شروع کیا ہے۔ مقالہ نگار حال میں قسطنطنیہ اور قاہرہ کے سفر سے واپس آیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :

”سنہ ۱۹۲۷ کی جو فکری لہر قاہرہ اور قسطنطنیہ کی عورتوں کے دماغوں میں دوڑ رہی ہے، اُسے میں لفظوں میں منتقل کر دینا چاہتا ہوں“

مقالہ نگار کے تاثرات کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

(۱) ترک اور مصری عورتوں میں نئے خیالات کی نشو و نما اگرچہ گذشتہ صدی کے اواخر سے شروع ہو گئی تھی، مگر وہ ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھ سکی۔ سنہ ۱۹۰۰ تک قسطنطنیہ اور قاہرہ میں نئی قسم کی خواتین کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ فرانسیسی زبان سے واقف ہیں، مغربی روش کا لباس مشرقی اصلاحات کے ساتھ پسند کرتی ہیں، اور ان میں اہل قلم عورتوں کی بھی ایک محدود تعداد پیدا ہو گئی ہے۔

(۲) لیکن موجودہ صدی کے اوائل سے صورت حال میں نئی نئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان تبدیلیوں میں سب سے زیادہ اہم تبدیلیاں دو تھیں۔ ترک اور مصری خواتین کا یورپ میں آزادانہ سفر و قیام۔ اور

ترک نقاب۔ چنانچہ

سنہ ۱۹۰۵ سے لیکر

سنہ ۱۹۰۸ تک

ترکی اور مصر کی

پچاس سے زیادہ

خواتین یورپ کے بڑے

بڑے شہروں میں

دیکھی گئیں۔ ان

میں بڑی تعداد ان

کم عمر خواتین کی

تھی جو تعلیم کی

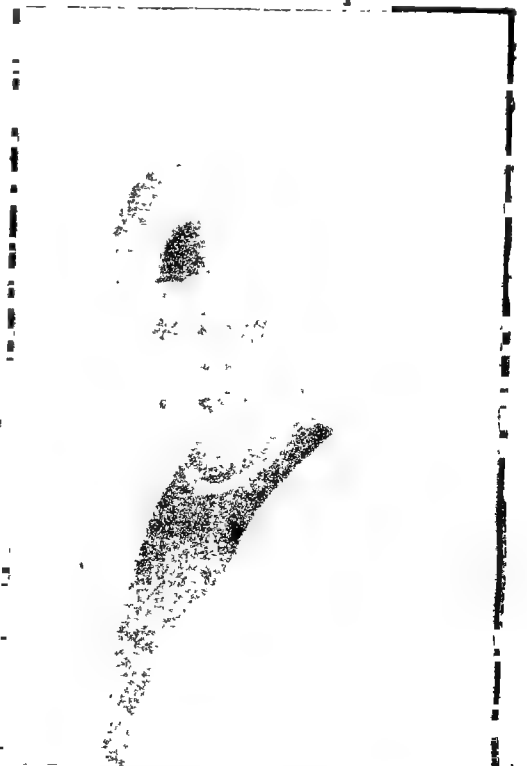
غرض سے یورپ آئی

تھیں۔ ان متعلقات

میں مصر کے خاندان

خدیجی کی بھی

بعض خواتین تھیں۔



جدید مصری خاتون

بیگم زغلول اپنے معمولی لباس میں

(۳) سنہ ۱۹۰۸ء میں جب ترکی میں انقلاب دستوری ہو، تر حالات نے یکایک ایک دوسری ہی صورت اختیار کر لی، اور ترکی کے خواتین کی معاشرتی زندگی میں انقلاب عظیم ہو گیا۔ اُس وقت تک دار الخلافہ میں خال خال مسلمان عورتوں کے کلب تھے، اور جتنے بھی تھے، زیادہ تر امریکن مشنری جماعتوں کے قائم کیے ہوئے تھے۔ لیکن اب یکایک زنانہ کلبوں کی تعداد میں عظیم اضافہ ہو گیا۔ سب سے پہلے انجمن اتحاد و ترقی نے زنانہ کلب قائم کیے۔ پھر عام تحریک شروع ہو گئی، اور ایسے ایسے عظیم الشان کلب قائم ہو گئے، جن کے ارکان کی تعداد سینکڑوں سے بھی متجاوز تھی۔ اسی وقت سے ترک خواتین نے ملک کی سیاسی و معاشرتی تحریکات میں بھی علانیہ حصہ لینا شروع کر دیا۔ ایک کثیر تعداد مقررین اور اادیبوں کی بھی پیدا ہو گئی جن میں ایک کافی تعداد ترکی زبان کے اچھے خطیبوں اور اہل قلم کی تھی۔ چہرہ کا نقاب بھی تمام تعلیم یافتہ خواتین نے تقریباً ترک کر دیا۔ البتہ باہر نکلتے کے لیے ایک خاص طرح کا جسم پوش لباس پہن لیا جاتا تھا جس سے نہ صرف تمام جسم اور لباس کی آرائش چھپ جاتی تھی، بلکہ سر کے بال بھی پوشیدہ رہتے تھے۔ صرف نصف پیشانی سے لہر تھتی تھیں، چہرہ کھلا رہتا تھا۔۔۔

- (۴) باغیوں اور جلاوطنوں کے اہلک کی ضبطی -
- (۵) حکومت کے ہاتھوں میں قرض کی مرکزیت اور یہ اس طرح کہ ایک قومی بینک قائم کیا جائے جس میں صرف حکومت کا سرمایہ ہو اور جسے بلا شرکت غیرے اجارہ داری کا حق حاصل ہو -
- (۶) ذرائع مواصلات اور برآمد کی حکومت کے ہاتھوں میں مرکزیت -
- (۷) قومی کارخانوں اور آلات پیداوار کی توسیع اور بنجر زمینوں کی ایک عام اجتماعی خاکہ کے مطابق اصلاح -
- (۸) سب کو معنیت کیلئے مجبور کرنا اور صنعتی فوجوں کی تنظیم خصوصاً زراعت کیلئے -
- (۹) زرعی اور صنعتی معنیت کی آمیزش تاکہ شہر اور دیہات کی باہمی تفریق مت جائے -
- (۱۰) تمام بچوں کیلئے عام مفت تعلیم -

جب دوران ترقی میں جماعتی امتیازات معدوم ہو جائیں گے اور تمام پیداوار قوم کی بڑی اکثریت کے ہاتھوں میں سمٹ آئیگی تو عام اجتماعی طاقت اپنی سیاسی حیثیت کو دیکھی - سیاسی طاقت درحقیقت ایک منظم طاقت ہے تاکہ دوسری جماعتوں پر مسلسل ظلم کیا جاسکے -

اگر مزدور انقلاب کے ذریعہ برسر اقتدار آجائیں اور طاقت کے زور سے پرانے حالات پیداوار برباد کر ڈالیں تو ان حالات کے ساتھ قدرتی طور پر وہ موجودہ جماعتی نزاعات اور خود جماعتوں کو بھی برباد کر ڈالیں گے بلکہ ساتھ ساتھ خود اپنی جماعتی حکمرانی کی حیثیت بھی مٹا دیں گے -

الہلال کو

اشاعت کی کمی کی شکایت نہ ہوتی، اگر مصارف کی زیادتی پیش نہ آتی - سنہ ۱۹۱۴ء میں الہلال کی یہی قیمت تھی - یعنی بارہ روپیہ سالانہ، مگر تمام طباعتی اشیاء کی قیمت موجودہ قیمتوں سے آدھی تھی - اس وقت اگرچہ الہلال کا خلقہ اشاعت اور کے تمام رسالوں سے زیادہ ہے، لیکن مصارف کی زیادتی کی وجہ سے اب تک آمدنی اور خرچ برابر نہیں ہو سکے ہیں - کیا آپ اس معاملہ پر توجہ ضروری نہیں سمجھتے؟ اگر ضروری سمجھتے ہیں تو توسیع اشاعت کے لیے کوشش کیجیے -

(منیجر الہلال)

بلاشبہ اعتراض کیا جائیگا کہ مذہبی، اخلاقی، فلسفی، سیاسی اور قانونی خیالات تاریخی ترقی کے دوران میں تبدیل ہوتے رہے ہیں، مگر ان تبدیلیوں کے باوجود یہی مذہب، اخلاق، فلسفہ، سیاست اور قانون کی حقیقت کبھی نہیں بدلی، بلکہ یہ چیزیں بدستور باقی رہیں - مزید برآں کچھ اتل سچائیاں بھی ہیں جو تمام اجتماعی نظاموں میں ہمیشہ قائم رہی ہیں اور ان میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی - لیکن کمپوزنم یہ تمام سچائیاں نئی بنیادوں پر قائم کرنے کی جگہ انہیں سرے سے مٹا دینا چاہتا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو تمام تاریخی ترقیوں کے بالکل مخالف ہے -

لیکن ہم کہتے ہیں کہ تمام پچھلی سوسائٹیوں کی تاریخ جماعتی نزاع کی تاریخ ہے جس نے مختلف زمانوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں - جماعتی نزاع نے کوئی شکل بھی اختیار کی ہو، لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں سوسائٹی کا ایک حصہ دوسرے حصوں کو خود غرضانہ استعمال میں لاتا رہا ہے - لہذا کچھ عجب نہیں اگر ان تمام زمانوں کا اجتماعی ضمیر ہمیشہ تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا پابند رہا ہو - ظاہر ہے کہ اس اجتماعی ضمیر کی تبدیلی اسی وقت ممکن ہے جب جماعتی نزاع کا پورے طور پر خاتمہ کر دیا جائے -

کمپوزنم کیا ہے؟ ملکیت کا انقلاب اور اس کے روایتی رشتوں کا ایک براہ راست طبعی انفجار! لہذا کچھ عجیب نہیں اگر وہ اپنے دوران ترقی میں تمام روایتی نظریوں سے آزادانہ قطع تعلق کرنے اور ایک نیا نظام قائم کر دے!

لیکن ہمیں سرمایہ داروں کے اعتراضات کی پروا نہیں کرنی چاہئے - اپنے کام میں بدستور منہمک رہنا چاہئے -

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ مزدوری پیشہ طبقہ کے انقلاب کا پہلا قدم یہ ہے کہ وہ حکمران طبقہ کی حیثیت حاصل کر لے - یعنی حقیقی جمہوریت کو کامل فتح حاصل ہو جائے -

مزدور سرمایہ داروں سے تمام سرمایہ بتدریج چھین لینے اور پیداوار کے تمام آلات حکومت کے ہاتھوں میں جمع کر دینے کیلئے اپنی سیاسی طاقت استعمال کرینگے، یعنی پیداوار کے تمام ذرائع وہ خود اپنے ہاتھوں میں لے لینگے - کیونکہ وہی حکمران طبقہ ہونگے اور کوشش کرینگے کہ جلد سے جلد بار آور طاقتوں کی مجموعی مقدار بڑھا دیں -

یہ مقصد ظاہر ہے کہ پروا نہیں ہو سکتا، جب تک کہ حقوق ملکیت اور سرمایہ دارانہ حالات پیداوار پر علانیہ سخت حملہ نہ کیے جائیں - یہ حملہ ان ذرائع سے کیے جائینگے جو اگر ابھی اقتصادی حیثیت سے ناقابل حصول معلوم ہوتے ہیں، مگر بتدریج بڑھینگے اور ضروری ہو جائینگے - اس سے مقصد وہی ذرائع ہیں جو پیداوار کے تمام طریقوں میں انقلاب پیدا کر دیں -

یہ ذرائع مختلف ممالک میں قدرتی طور پر مختلف ہونگے - تاہم ترقی یافتہ ممالک میں حسب ذیل ذرائع سے بہتر کام لیا جاسکتا ہے:

(۱) زمین کی ملکیت کی منطرحی اور زمین کے لگان پر حکومت کا قبضہ -

(۲) بہاری اور برابر بڑھنے والا انکم ٹیکس -

(۳) سرمایہ دارانہ وراثت کی منسوخی -

مستعمرات سے ملنے والے ملک کا آزاد ہندوستان کی پارہ بانی کا
سنا فائدہ سمجھا جاتا ہے۔ مین اسٹریٹ جیسا انگریزی کپڑے کی برآمدی
جہازوں کی طلبی تیز رفتاری اور مسکانی ایجادات کی بحیرہ صوبہ
تائیر کے ماتحت روز افزوں ترقی کو دیکھتی تھی، ہندوستانی کپڑے پر
۵۰ فیصدی چنگی لگا دی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دھاکا کاغذیں
کپڑا اس زبردستی چنگی کی وجہ سے انڈیا جانا موقوف ہو گیا اور
بالآخر یہ کپڑا بازار سے مفقود ہو گیا۔ (پروفیسر سیر)

تاریخ و عبر

ہندوستان

انگریزی حکومت پہلے اور انگریزی حکومت بعد

خود انگریز مدبروں اور مصنفوں کی نظر میں

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مدبروں کی شہادت

(۲)

۱۸۱۷ء تک ہندوستان کا سوئی اور دیشی کپڑا ہندوستان کے
بازاروں میں مقبول فسخ کے ساتھ خود انگریزی کپڑے سے ۵۰
۹۰ فیصدی کم قیمت پر بکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی کپڑے
کو بچانے کے لئے ہندوستانی کپڑے پر ۱۰۰ فیصدی چنگی لگا
دی گئی۔ اگر یہ ظالمانہ چنگی نہ لگائی جاتی اور مخالفت کے قانون نافذ
نہ کئے جاتے، تو "پسلی" اور منظر کے تمام کارخانے شروع ہی
میں بند ہو جاتے اور باوجود شہنوں کی قوت سے سطح ہونے کے کپڑے
بچل سکتے۔ درحقیقت یہ کارخانے، ہندوستانی کپڑے کی تلاش پر
کھڑے کئے گئے ہیں۔ اگر ہندوستان خود مختار ہوتا تو وہ اس باوقار
کا ترکی بہ ترکی جواب دیتا۔ وہ بھی انگریزی مصنوعات پر بھاری چنگی
لگا دیتا اور اس طرح اپنی تجارت کو نفا ہونے سے بچا لیتا۔ مفت
کاپی ہندوستان کو نہیں دیا گیا۔ وہ بے دم بدیشیوں کے ہم پر
تھا۔ انگریزی مصنوعات بغیر چنگی ادا کئے جبراً اس ملک میں لانچ
کی گئیں۔ بدیشی تاجروں نے غیر منصفانہ سیاسی تحبہ استعمال کر کے
اپنے اس حریف کا گلا گھونٹ ڈالا جس سے وہ کسی طرح بھی مقابلہ
نہیں کر سکتے تھے۔ (دہلوی آن انڈیا اڈیل)

۱۸۵۷ء میں مٹھ تھان نامی ایک شخص نے صرف ۷ گھنٹے کے
اندھ ڈھاکہ میں ۲۱ مٹھان ملل کے خریدے۔ (ڈاکٹر لکھیا)

اس وقت انڈیا میں ایک شخص موجود ہے جس نے نوپ کے زمانہ
میں ایک صبح اپنے ہی مکان پر ۸۰۰ مٹھان ملل کے خریدے تھے جو
خود کار بیکر لائے تھے۔ پہلے انڈیا میں کپڑے کے گاہکوں کا
ظلم دھوکے روک ٹوک تھا۔ لیکن سراج الدولہ کے عہد سے شروع
ہوا۔ خود مذکورہ بالا شخص کا عینی مشاہدہ ہو کہ جھگل باڑی کے گاہک
سو ٹوریاؤں نے اپنا پیشہ اور گھر بار محض انہی ظلموں کی وجہ سے
چھوڑ دیا تھا حالانکہ اس وقت یہ ظلم صرف شروع ہوا تھا۔
(بوٹھ کے خیالات صفحہ ۹۵-۹۶)

نہایت جب کسی کے سخت اور جابرانہ معاہدے منظور کرنے سے
انکار کر دیتے تھے تو کمپنی کے ایجنٹ ان کا سامان نیلام کر کے قیمت
کھینچ لیتے۔ مین یٹیم کاتے والوں پر بھی یہی ظلم کیا جاتا تھا۔ ایسی کڑی
شائیں موجود ہیں کہ لوگوں کے آنکھیں محض ان کے لئے کاٹ دیے
گئے کہ وہ مین تاگنا نہ بنا سکیں! (دولیم لڈس)

جب کسی لگاتار کسی صنعتی شہر میں پتھر پھینکا تو اپنے آپ کو بھگتوں کی
گھنٹ بھگت کر لیتا۔ گناہ کا گھر "کچری" کہلاتا تھا۔ یہاں وہ اپنے
ہر کاہن کے ذریعہ سے بیکاروں اور دلالوں کو روکنا شروع کر دیتا
کرنے کا حکم دیتا پھر انھیں کچری کی دیکر حنا مارے پتھر پھینکا کرتا جنکی
دوسے انھیں مین دت میں خاصیت پرانی دیا کرتا تھا۔ پتھر
پڑھنے کے لئے غریب لکھنوی رتنا مندی ضروری نہیں تھی۔

افریقہ سے لیکر شگائی تک، ہر بند گاہ میں ہندوستان کا تاج
ہر طرح کا کپڑا تجارت دستیاب ہوتا تھا۔ (داد کو پوٹو سٹلڈ)

مستعمرات کے بنام قانون کی رو سے انڈیا میں ۱۹۲۹ء میں
سے چین، ایران، ہندوستان کے ہر قسم کے کپڑوں کا استعمال ممنوع
قرار دیا گیا۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ اس تاریخ سے جتنا بھی کپڑا
وہ یا تو ضبط کر لیا جائے گا، یا واپس کر دیا جائے گا۔
(سر جانچ بڈوڈ)

"سی" انگلینڈ میں یہ سخت جرم تھا کہ کوئی عورت ہندوستانی چھینٹ
استعمال کرے۔ ۱۸۵۷ء میں گلہال میں ایک انگریز خاتون کو دم ہزار
پونڈ جرمانہ اس لئے ادا کرنا پڑا کہ اس کا دواں ہندوستانی کپڑے کا
تھا۔ (پروفیسر لکھی)

سترہویں صدی کے آخر میں انڈیا اور ہندوستانی چھینٹ اڈیل
بہت بڑی مقدار میں انگلینڈ بھیجی گئی اور وہاں اس قدر مقبول ہوئی
کہ مقامی ادنیٰ دیشی کپڑے کی تجارت سخت خطرہ میں پڑ گئی۔ چنانچہ اس
کی روک تھام کے لئے مستعمرات اور مستعمرات میں پارلیمنٹ نے ایسے
قانون پاس کیے جن کی رو سے انگلینڈ میں ہندوستانی کپڑے کا استعمال
مطلقاً ممنوع قرار پایا۔ (پروفیسر لکھی)

نفس کپڑا جتنے، رنگین کے ہلانے، دھات پر نقش نگار بنانے
جو اہر اس طرح، عطر کے طیارہ کرنے، اور جلا تم کی دقت دلیف منظر
میں ہندوستانیوں کا کمال تعلیم نمانہ سے شو آفاق ہو۔
(پروفیسر سیر)

ہندوستان کی صنعت پارہ بانی
ہندوستان نے پارہ بانی کو ہر زمانہ میں بے نظیر کمال اور ناقابل تلافی
ہنرمندی کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔ ان کے بعض کپڑے تو ایسی چیز
انگریز فحاشات سے طیار ہوتے ہیں کہ پرستان کے بنے ہوئے معلوم ہوتے
ہیں۔ یہ کمال واصل، ہندوستانیوں کے بہترین ذوق، فحاشات
پسند، اور سلیقہ کا نتیجہ ہے۔ (برنس سٹیلڈ)

ہندوستان کے جنگی دھنوں میں بھلوں کی جگہ ادن (سن) پیدا
ہوتی ہے جو اپنی فحاشات اور خوبصورتی میں بھڑکے ادن کو بھی مات کرتی
ہو۔ ہندوستانی اس سے ادن کے کپڑے بناتے ہیں۔
(دہرودوٹس سٹیلڈ قبل مسیح)

اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ ہندوستان ادب بانی کے ابتدائی
قبل مسیح میں تجارتی تعلقات قائم تھے۔ سنہ قبل مسیح کی مصری سوا
کی ہوئی فحاشیں انڈیا میں ہندوستانی شہریوں میں بڑی مقبول ہوئی
ہیں۔ وہم میں ہندوستانی پارہ بجات کی بہت بڑی کپت تھی۔ یہ
واقعہ اس طرح محقق ہوتا ہے کہ "ایڈلڈ لپنی" نے شہریت کی چونکہ
وہم کی بہت بڑی رقم ہر سال ہندوستانی کپڑے پر خرچ ہوتی ہوئی تھی
کی طرف یونان بھیجی تھا، کے نام سے مشہور تھی۔ (پروفیسر لکھی)

ہم جانتے ہیں کہ یہودیوں نے اپنی قومیت کے ابتدائی برسوں (قبل
قبل مسیح ۳۰۰ سال) میں ہندوستان کا کپڑا استعمال کیا ہے۔
(دیکھو صفحہ ۱۳۰۹)

فینی سس ۲۰۰ سال پہلے مصر اور عرب کی دوا کے تذکرے
بجائ کی نقل کا ذکر کرتا ہے۔
(دیکھو صفحہ ۱۳۰۹)

پایا - اب مشرق کی ساری چیزوں کی طرح مشرق کی عورت بھی تقریباً نابود ہو گئی ہے - وہ وقت دور نہیں ہے جب اس کا سراغ ڈھونڈنے کیلئے مورخین کو کتابوں کے سیکڑوں اوراق الٹنے پڑینگے - اب انگورہ، قسطنطنیہ، اور قاہرہ ہی میں نہیں، بلکہ بغداد اور شام میں بھی "مشرقی عورت" بغیر ڈھونڈنے نہیں مل سکتی - گذشتہ سال میں نے بیروت میں بہت کوشش کی کہ کسی ایسے امیر گھرانے کا سراغ، اڑوں جہاں مجھے کامل مشرقی زندگی نظر آئے - کچھ عرصہ کے بعد ایک



سنہ ۱۹۲۱ء میں قسطنطنیہ کی مسلمان عورتوں کا عطاہرہ

سب سے زیادہ اہم تبدیلی یہ ہوئی کہ مسلمان خواتین نے سرکاری دفاتر میں کام کرنا شروع کر دیا جس کی کوئی سابق مثال موجود نہ تھی - ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کے اکثر مراکز میں عورتیں ہی عورتیں نظر آنے لگیں - دفاتر میں ٹائپسٹ عورتیں بھی پیدا ہو گئیں - اس صورت حال نے مشرقی ممالک میں بھی اس اسلوب حیات سے عورت کو آشنا کر دیا، جو اس وقت تک صرف یورپ اور امریکہ ہی کی مضطرب آبادیوں میں محدود تھا -

(۴) ترکی کی اس تبدیلی نے قاہرہ پر بھی اثر ڈالا جہاں مغربیت کہیں زیادہ قوت و وسعت کے ساتھ نشور نما پا رہی تھی - سنہ ۱۹۰۱ء - میں جب قاسم امین بک نے مسلمان عورتوں کی معاشرتی زندگی میں اصلاح کی ضرورت محسوس کی تھی اور پردہ کے خلاف اپنی مشہور کتابیں شائع کی تھیں، تو اس وقت مصر کے اندر بمشکلی پچیس مسلمان عورتیں ایسی نکل سکتی تھیں جو بغیر نقاب کے گھر سے باہر نکلنا گوارہ کر نیں، لیکن اب ایک بڑی تعداد ایسی عورتوں کی پیدا ہو گئی، جو بغیر کسی جھجک کے گھلے منہ باہر نکلنے لگی تھیں، اور انہوں نے پوری طرح مغربی لباس اختیار کر لیا تھا - سنہ ۱۹۱۲ء - میں جب میں قاہرہ گیا تھا، تو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا تھا کہ نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی عورتیں تمام قدیم رسوم و عوائد ترک کر چکی ہیں، اور بجز خال خال گھرانوں کے قدیم مصری زندگی کا نظارہ کہیں دکھائی نہیں دیتا - بعض گھرانوں کی خواتین سڑکوں پر بالکل کھلے دلے نکلنے سے پرہیز کرتی تھیں، لیکن اپنے گھر میں انہیں اس سے انکار نہ تھا کہ

ایک یورپین خاتون کی طرح مہمانوں کی پذیرائی کریں، اور ان کی صحبتوں میں اپنے شہروں اور عزیزوں کے ساتھ شریک ہوں -

(۵) جنگ کے بعد دنیا میں جو تعجب انگیز تغیرات ہوئے ہیں، شاید ان میں کوئی چیز بھی اس درجہ مؤثر اور قابل غور نہیں ہے، جس قدر مشرقی عورت کی کامل مغربیت ہے - اب ہمیں وہ تمام پر اسرار اور قصہ نما تذکرے بھلا دینے چاہئیں، جو کسی زمانے میں مشرقی عورتوں اور مشرقی حرم سراؤں کی داستانوں میں ہماری تعجب آمیز دلچسپی کا ذریعہ ہوا کرتے تھے، اور ہر مغربی سیاح جو مشرق کا قصد کرتا تھا، سمجھتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو الف لیلا کی شاہراہوں میں سگوداں

دوست نے رہنمائی کی، اور میں ایک گھرانے میں مدعو کیا گیا - یہ گھرانہ بیروت کے ایک قدیم امیر خاندان کا گھرانہ تھا - اس کے ارکان مغربیت کے دلدادوں میں "قدامت پرستی" کیلئے بدنام ہیں - یہ مخالفانہ شہرت سنکر مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی - میں نے خیال کیا تھا کہ بیسویں صدی میں کم از کم ایک مرتبہ "الف لیلا" کے عالم میں واپس جا سکوگا - لیکن آپ میری مایوسی کا اندازہ کر سکتے ہیں، جو اس وقت مجھے طاری ہوئی، جب میں نے اس "قدامت پرست" گھرانے میں اپنے آپکو ایک کامل قسم کے فرانسیسی ایوان ملاقات کے صوفے پر پایا، اور صاحب مکان نے یہ کہہ کر اپنی درازدہ سالہ لڑکی کی تقریب کی کہ "یہ مید مرزبل..... ہیں!"

یہ بیروت کا قدامت پرست گھرانہ ہے! بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ اس گھرانے کی ساری قدامت پرستی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس کی مسن عورتیں مغربی لباس نہیں پہنئیں، اگرچہ اپنی لڑکیوں کے لیے اسی کو پسند کرتی ہیں!

مقالہ نگار نے آخر میں افسوس کیا ہے کہ مشرق نے مغرب کی تقلید کے شوق میں اسکی بالکل پروا نہ کی کہ مغربی معاشرت کی بے اعتدالیوں سے اپنی نگہداشت کرے - وہ کہتا ہے "بلاشبہ مشرقی عورت کو مغرب سے بہت کچھ حاصل کرنا تھا، لیکن ساتھ ہی اپنی قدیم زندگی کی بہت سی قیمتی چیزیں محفوظ بھی رکھنی تھیں جن کے فقدان پر آج مغرب افسوس کر رہا ہے"



قسطنطنیہ میں خواتین کے ایک خیراتی بازار کا افتتاح

برید شرق

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا تاریخی خطبہ

بعد از جنگ حوادث و اعمال کی مستند و مداد

(المآل کے مقالہ نگار تیمر سلطنتیہ کے قلم سے)

اس حالت پر میں سوت کو ترجیح دیتا تھا۔ میں نے فوراً یونان بمقابلہ کی طیارہ شروع کر دی۔ جون اور جولائی (مئی ۱۹۵۷ء) کے مہینوں میں آسٹریا اور ارض روم کے شہروں میں میں نے کانفرنس منعقد کیں۔ لیکن میری حکمت و سیاست دیکھ کر استنبول کے حکام سخت برہم ہو گئے۔ علی کمال ایک دیر داخلہ نے مجھے طلب کر کے کہا کہ باب علی میری تجویز کا مخالف ہو۔

۳ جولائی کو میں نے اپنے دوستوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور صاف لفظوں میں ان تمام خطروں سے آگاہ کر دیا جو مجھے ساتھ قومی تحریک میں شرکت سے اٹھیں پیش آنے والے تھے۔ انھوں نے نہایت بہادری سے سرگرم عمل رہنے پر اصرار کیا اور اخلاقی و رفاقت کی باتیں کھائیں۔

تب میں اپنے فوجی منصب سے مستعفی ہو گیا تاکہ آزادی سے جدوجہد جاری رکھ سکوں۔ لیکن ارض روم میں میرے دوستوں میں باہم ناجاتی پیدا ہو گئی۔ میں نے ان سے صاف کر دیا کہ تاریخ ثابت کر چکی ہو کہ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ایک قابل مستقل مزاج، اور جیت سرور کی اطاعت نہ کی جائے۔ ایسے ایک وقت میں اختلاف سے بزرگ کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

قومی حرکت کا دوسرا قدم

قومی تحریک نے دوسرا قدم، سیواس کانفرنس سے اٹھایا۔ اس کانفرنس میں تمام ترکی علاقوں کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ یہیں صاف طور پر بات چیت کی گئی کہ اتحادیوں، خصوصاً یونان کی مقاومت کی جگہ اور ہر ممکن تدبیر سے ترکی سرزمین، اجنبی فوجوں سے پاک کی جائے۔

اس موقع پر ایک فرانسیسی افسر نے سیدھا کہا کہ اگر فرانس عنقریب اس وطنی تحریک کا سرگرم ڈالے گا تو میں نے اسے جواب دیا "سیواس پر تم ہرگز قبضہ نہیں کر سکتے۔ فرانس یا کوئی اور طاقت اگر وہی تحریک کچلنا چاہتی ہو تو اسے ایک طویل ہونک جنگ کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔"

اسی کانفرنس میں یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ امریکہ کی حمایت میں ترکی کو چلا جانا چاہئے۔ کپتان ردوف بک، جنرل رافٹ پاشا، خالدہ ادیب ہانم (زوجہ عدنان بک) اس تجویز کے سرگرم حامی تھے مگر میں نے ارکان مجلس سے درخواست کی کہ سرحد سے مسئلہ حل کیا جائے۔

کمال ایک ہفتہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا جمہوری مؤقر میں اپنا تاریخی خطبہ سناتے ہوئے غلبہ پت ہی طویل ہو۔ شخص کے بے چارہ نہیں۔

سلاطین میں التوا اور جنگ

موصوف نے بیان کیا:

۱۹ مئی ۱۹۵۷ء میں وہ بحر اسود کے ساحل مسون پہنچے۔ یہ وہ وقت تھا جب ترکی کی داخلی حالت از حد بتر ہو چکی تھی۔ سلطان وحید الدین اور ان کے وزیر اعظم داماد فرید پاشا، ملک کو اس قعر و نشت سے نکالنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے تھے جس میں وہ التوا اور جنگ کے بعد گر پڑا تھا۔ اتحادی سلطنتیں، معاہدہ التوا کی کسی شرط کی بھی پابند نہ تھیں۔ برطانی، فرانسیسی، اور اطالی فوجیں، ترکی کی بہت سی سرحدوں پر قابض ہو گئی تھیں۔ پھر انہی اتحادیوں کے اشارے سے ۵ اپریل ۱۹۵۷ء میں یونانی فوجیں سمرنا پر قابض ہو گئی تھیں۔ اسی قدر نہیں بلکہ ترکی سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ تقریباً سے دست بردار ہو جائے تاکہ وہاں جمہوری حکومت قائم کر دی جائے۔ کردستان کو خود مختاری دیدے۔ ملائکہ بونٹوس کو آزاد کرے اور اس میں بھی ایک خود مختار حکومت بن جائے جس کا پایہ تخت، طرابزون ہو۔

"انجمن مجاہدانہ انگریزوں"

استانبول، تمام سازشوں کا مرکز تھا۔ "انجمن مجاہدانہ انگریزوں" نے زیادہ خطرناک سازشی مرکز تھا۔ یہ انجمن خود سلطان کی سرپرستی میں تھی۔ وزیر اعظم اور دوسرے اہل سلطنت، اس کے منبر تھے۔ اس انجمن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ترکی قومی تحریک کو کچل ڈالے۔ فوج کی آبروی، آخری حد سے بھی تجاوز کر چکی تھی، لیکن وہ بڑا سلطان سے وفادار تھی۔ ملک میں یہ تحریک بھی پھیل رہی تھی کہ ترکی اب خود کچھ نہیں کر سکتا، لہذا کسی بڑی سلطنت سے امداد حاصل کرنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے تین ذریعے نوکریاں کے پیش نظر تھے: "آنگھستان کی سرپرستی قبول کر لی جائے۔ یا امریکہ کی حمایت منظور کر لی جائے۔ یا خود اندرون ملک میں متحد حکومتیں قائم کر دی جائیں۔"

غازی کی ابتدائی سعی

اس کے بعد غازی نے اپنی ذاتی کوششوں کی طرف اشارہ کیا: "میرے دشمنوں نے مجھے آستانہ سے نکلنے کی کوشش کی تھی میرے سخت پلے تین فوجیں تھیں۔ نیراگوہ اور دیار بکر کی فوجیں پر بھی مجھے نگرانی کا حق حاصل تھا۔ میں یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

(ب) ہندوستانی ہمارے لئے آدھیں پر ہادی ہمارے لئے فکر کرنے لگیں گے۔

(ج) ہادی ہمارے لئے تعلیم حاصل کرنے، ہادی ہمارے لئے ایک خاص سے دلچسپی لینے، ہادی ہمارے لئے ایک خاص نتیجہ کے لئے کوشاں ہونے سے، وہ ہندوستانی ہونے کے بجائے انگریز ہو جائیں گے۔ ٹھیکہ کی طرح، جس طرح وہ میں کی سخت قویں رومن ہو گئی تھیں!

(د) اس طرح وہ قدیم ہندوستانی بنیادوں پر آزادی حاصل کرنے کی خواہش سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کوئی فوری تبدیلی ناممکن ہوگی۔ ہمارا قبضہ مدت و داد تک بے خطر قرار دے گا (د) تعلیم یافتہ طبقہ یہ سمجھ کر کہ اس کے ملک کی بھلائی ہادی ہمارے سرپرستی میں ہو سکتی ہو، قدرتی طور پر ہم سے وابستہ رہے گا۔

(سرکاری مراسلہ ۲۵/۵/۵۷ء)

زمین کی فتح کے بعد ہندوستان کا دماغ بھی فتح کر لیا گیا۔ (دہنٹر)

دماغ ہی سلطنتیں برباد کرتے اور قائم کرتے ہیں، دماغ قبضہ کر لو۔ قوم پر بھی حکومت کر سکو گے۔ (دواست ڈومینین)

بغیر داخلی انقلاب کے سیاسی انقلاب ناممکن ہو۔ پوری ایک فوج کی بلند با آسانی روکی جاسکتی ہو، لیکن داخلی حملہ کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا (میرس)

کوئی بھی ہندوستانی ذہانت اور دیر کی پریشہ نہیں کر سکتا۔ گریٹر ہو کہ مغربی طریق تعلیم نے اسے کس طرح اپنا شکار کر لیا ہو اور ہندوستان کی مدائیتی ذہانت کی اشتعل قوت بالکل افسردہ ہو کر رہ گئی ہو! (د)

ہم نے بنگالیوں کو جو تعلیم دی ہو وہ صنعت و حرفت کی طرف توجہ کرنے کے بجائے صرف ادبیت رکھتی ہو۔ (سرای، سی، بک)

جہاں باشندے خوشحال ہوتے ہیں، وہاں تعلیمی ترقی خطرناک نہیں ہوتی۔ مگر جہاں افلاس اور تعلیم کا ساتھ ہوتا ہو، وہاں آگ لگا دیتی ہو۔ یہ ایک سچی حقیقت ہو، لیکن کچھ آدمی ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ حقیقت ہندوستان میں کتنی سچی ہو! (ڈبلو۔ ایس۔ بلٹ)

فروع میں گورنمنٹ کا تعلیمی دستور عمل یہ تھا کہ ملک کے انتظام کے لئے آدمی فراہم کیے جائیں۔ نیز تعلیم کے بجائے صرف ادبی تعلیم کی بہت افزائی کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ادبی تعلیم یافتہ کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی، اور تعلیم تقریباً معذور رہی۔ (سید کریم شاہ)

المآل کے ابتدائی بغیر

المآل سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر یعنی نمبر ۵۔ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دو گنی قیمت پر خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے۔ غیر

کارگیروں کو کمپنی کے لئے کام کرنے پر زبردستی مجبور کیا جاتا تھا۔ ان سے ایسے معاہدے لئے جاتے تھے جو ان کے حق میں سراسر نقصان دہ ہوتے تھے۔ ان کی فریادوں کی کوئی شنوائی نہیں ہوتی، اور انھیں اپنے ذاتی مفاد اور ضمیر کے خلاف کام کرنے پر بڑی سختی سے مجبور کیا جاتا تھا۔ بار بار ایسا ہوتا تھا کہ کارگیروں کو بھاری بھاری جوتے، کام سے انکار کرنے کی وجہ سے ادا کرنے پڑتے.... تو رہا ان کو ہولناک اور عبرت انگیز سزاؤں دی جاتی تھیں.... حیرت شدہ کی حد یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کارگیروں کو مجبوراً اپنا پیشہ ترک کر دینا پڑا تھا۔

دسمبر ۱۹۹۷ء اور اگلے سال کی کمرشل بورڈ کی ٹاؤن

غریب ہندوستانی دستکاروں اور کاریگر گھرا پر ایسے ایسے ظلم
 توڑے گئے ہیں جن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ غریب کچنی کے گریا
 غلام بنا لئے گئے تھے۔ جرنے، قید، جبری معاہدے، ادوید کی
 اپنے ذریعوں کی نسل معدوم کر دی! (پہلے صفحہ ۷۳)

صنعت، حرفت اور تجارت کے منزل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ شہر
(خاصاً کہ) کی آبادی تقریباً بڑھ گئی۔ ۱۸۰۰ء میں اس کی آبادی
۱۲۰ لاکھ تھی، مگر اب صرف ۶۸۰۳۸ رہ گئی ہو جیسا کہ ۱۸۳۸ء کی
مردم شماری سے ثابت ہوتا ہو۔۔۔ جتنی تیزی سے آبادی گھٹی ہو،
اس سے کہیں زیادہ سرعت سے افلاس بڑھ گیا ہو!
(جسٹین ٹیلر)

مسٹر بریڈکل ہیرسٹی کا سوال:

”انگلستان یا ہندوستان، دونوں میں سے کسی ایک کی منت
و حرقت کا قربان کرنا دوسرے کی ترقی کے لئے لازمی ہے۔ بنا بریں
ہندوستانی منت و حرقت کی قربانی کر دی گئی۔ کیا تم ہندوستان کو
دوبارہ خوشحال کرنے کے لئے انگلستان کو تباہ کرنا چاہتے ہو؟“

مشرط مارٹن کا جواب :
 ”میں ہرگز ہندوستان کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے نہیں آتا۔
 لیکن میں ہندوستان کو مسلسل نقصان پہنچانے کے خلاف ہوں بحر
 یہ بھی لازمی نہیں کہ ہندوستانی لوہا فوں کی ترقی سے انڈھستان برباد
 ہو جائے گا۔ کیونکہ ہندوستان کے پاس نہ گلاسگو اور منچسٹر کی طرح
 مشینیں ہیں نہ تجارتی بازار ہیں نہ سرمایہ جو“
 مشرط روکل برسط :

آپ سے جو سوال کیا گیا ہو اس کا تعلق اس نفسِ شہ سے ہو جو مشین میں طیارہ بن رہا ہو۔ پس سوال یہ ہو کہ کیا اس نفسِ شہ کی صنعت اس ملک (انگلستان) میں باقی رکھی جائے یا ہمیشہ کے لئے اٹھادی جائے؟

مشرطاً:

”اگر انگلستان میں اس صنعت کا بقاء ہندوستان سے نا انصافی ہے
پر موقوف ہو تو میرا جواب یہ ہو گا کہ انگلستان کو انصاف سے کام لےنا
چاہئے۔ خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہو۔ کیونکہ اسگز دہلا کو ہرگز حق نہیں
ہو کہ محض اپنے ذاتی مفاد کے لئے اس ملک کے باشندوں کو تباہ
کر دے اس لئے انہوں نے فریغ کیا ہے“

مشرطاً:

مسئلہ ۱۳۱ میں جب اپنی نے ہندوستان کو تاج کے حاکم کیا تو اس
 سے پہلے ہی ہندوستان کی صنعت تباہ ہو چکی تھی۔ لہذا اس وقت تاج
 کا سوال بد پیش نہیں ہو جو واقع ہو چکی ہو۔ نیز پہلے اس شہاد
 موجود ہو کہ ہندوستان صنعتی ملک ہونے کے بجائے زرعی ملک ہو۔ او
 ر جماعتیں جو پہلے دستکاری میں مصروف تھیں، اب زراعت میں مشغول
 ہو گئی ہیں۔

مشرادین:

”میں اپنے ہرگز تسلیم نہیں کرتا کہ ہندوستان صرف زراعتی ملک ہے۔ ہندوستان جس طرح زراعتی ملک ہے اسی طرح صنعتی ملک بھی ہے۔ اُس کی مصنوعات ہر زمانہ میں نہایت کامیاب رہی ہیں اور کوئی قوم بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکی ہے۔ اب ہندوستان کو محض زراعتی ملک بنادینا، اُس کے لئے سخت ناانصافی اور ظلم ہے۔“

(مشہور نام کی پالیٹری سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ)

ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان
کو جو کڑا بچھا گیا اس کی تفصیل یہ ہے:

سنہ	ہندستان سے	انگلستان سے
۱۸۱۲ء	۱۲۶۶۶-۸	۸۱۸۲-۸
۱۸۲۱ء	۵۲۲۴۹۵	۱۰۱۱۳۸۵۲۶
۱۸۲۸ء	۴۲۲۵۰۴	۴۲۸۸۲۰۴۴
۱۸۳۵ء	۳۰۹۰۸۶	۷۱۴۴۴۲۴۴

(مٹر لائٹ)

ہندوستان کا سوت

ہندوستان میں انگریزی سرت بے پہلے مسلمانوں میں آیا
اس کے بعد اس کی مقدار بڑھتی گئی۔ چنانچہ

۱۲۰۰۰	۱۸۲۷
۸۰۰۰	۱۸۲۵
۵۰۰۰	۱۸۳۰

(ایسٹ انڈین کمپنی کے حالات ضمیمہ ۱۱)

ڈاکٹر قریب نے فرسٹ ایم میں لکھا ہے کہ "لوہا کے میں جیسا سونہ
کتا ہے اور بلبل طیار ہوتی ہے اس کا مقابلہ انگریزی ذہانت اور
صنعت کی طرح بھی نہیں کر سکتی" (برلمان)

منافع (دوا کا) میں قدیم زمانہ سے ہرگز کا مشعلہ موت طیارہ کرتا تھا۔ لیکن اب انداز انگریزی موت کی وجہ سے یہ کلام بالکل موقوف ہو گیا ہے۔ اس طرح کا تنہا ادب بننے کی صنعت، جس سے ۲۰ برس کے قلیل زمانہ میں لاکھوں مسمیٰ مخلوق پیٹ پالتی تھی، ۶۰ برس کے قلیل زمانہ میں اجنبی ہاتھوں میں چلی گئی۔

سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں انگریزی سوت ہندوستان آیا۔
۱۸۲۷ء میں اُس کی مقدار ۳۸۲۹۴ من تک پہنچ گئی۔ ۱۸۳۱ء
میں ۸۲۸۱۰ من ہو گئی۔ اور ۱۸۳۶ء کے بعد تو اُس نے ہندو
سوت کو بالکل بے دخل کر کے ملک بھر میں اُس کی جگہ لی۔
(جس میں ٹیلر)

قلم
جب کبھی میں ہندوستان کی بے شمار مخلوق کی جہالت کا خیال کرتا

میں، تو مجھے کاروائی کا پُر اصرار مقولہ یاد آجاتا ہے۔ علیٰ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے مجھے دئے انسان کا جاہل بہنا میرے نزدیک ایک اندہ رنگ
 مصیبت ہے۔
 (ڈاکٹر سیال)

یہ بالکل یقینی ہے کہ ہندوستان ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا جہاں سے لہجہ کی قدیم مہذب ترین قوموں نے اپنا علم، صنعت اور ادب حاصل کیا تھا۔ (اے۔ ایف۔ فٹنر)

جب کبھی کوئی ملک یا قوم کسی زبردست طاقت سے مفتوح ہو جاتی ہو تو یقین کر لینا چاہئے کہ حکمران طاقت سب پہلا کام ہی کرے گی کہ مفتوح قوم کی تعلیم تباہ کر دے گی یا سختی کے ساتھ اسے اپنے ہاتھ میں لے لیگی تاکہ اس سے فائدہ اٹھاسکے۔ کیونکہ یہ مسلم جو کہ علم اور خلائی پہلو پہلو نہیں دے سکتے۔ (بڑے سمیڈی)

۱۹۳۳ء میں تعلیمی کمیٹی کے ایک ڈائرکٹر نے کہا تھا "ہم نے امریکہ محض اپنی حماقت سے اس لئے کھو دیا کہ وہاں اسکول اور کالج قائم کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اب ہمیں ہندوستان میں اس حماقت کا اعادہ نہیں کرنا چاہئے۔ (ایجوکیشن کمیٹی سلسلہ نام)

ہمارے مشرقی مقبوضات میں شہری بھیجے کی تجویز ایک نہایت ہی تاہم عاقبت اندیشانہ اور مسرفانہ تجویز ہے۔ یہ تجویز نہایت ہی ہلک، ہل، جاہلانہ، بے فائدہ، مضرت رساں، خطرناک، اور مقصدناہ ہے۔ یہ ہر طرح کے تدبیر اور صحیح سیاست کے خلاف ہے۔ یہ ہمارے مقبوضات کی سلامتی اور دوام کو خطرہ میں لانے والی ہے۔ (ہندوستان میں کیری، کی آدپر ایٹم انڈین کپنی کے ڈائریکٹر جنرل کا رزلویشن ۱۹۴۷ء)

۹۳ء میں کبھی کے ڈاکٹر لکھتے ہیں تم (انگریز) ہندوستانیوں کو تعلیم دینا کیوں چاہتے ہو؟ تعلیم دیکر تم انہیں اپنی بے انصافیوں سے آگاہ کر دو گے۔ تم نے ان کا ملک لوٹ لیا ہے۔ تم نے ان کے ہر گھر کو برباد اور ذلیل کر دیا ہے۔ تم نے ان کے بادشاہوں کو قتل کر ڈالا ہے۔ لہذا تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم انہیں کسی طرح فریب خود خود فراموش، اندھا جاہلی رہنے دو!

دعوتِ محاسنِ طرین اور اربعِ سالہ السلام

ہیں صرف اسی سبب تک ہندوستانیوں کو تعلیم و تربیت دینی چاہیے
 کہ ان سبب اپنی تجارت اور حکومت چلانے میں فائدہ
 لے سکیں۔ (ملکوتہ جنرل ص ۱۸۷ء)

ہمیں ہندوستان کی ایک ایسی جماعت ملتا کوئی چاہئے جو رنگ اور خون میں ہندوستان ہوں، مگر ذوق، خیال، اور ذہنیت انگریزوں کی رکھیں۔ (میکالے)

ہمیں ہندوستانی میں ہندوستانی مہر دے، سپہ سالاروں کی اذیتوں کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہمیں گھٹیا گھٹیا مطالبہ ہے۔
(تھیکرے)

ہندوستان میں انگریزوں کے اخرونی تعلیمی مقاصد عینیل ہیں۔
(الف) انگریزی تعلیم کی رواج پانے سے قبضہ کے لئے مفید ہوگی۔

کئے۔ ترکی میں جو اعلان شائع کیا تھا، وہ اس تجارت سے متعلق تھا۔ آزادی کی اس تحریک میں خدا ہمارے ساتھ ہو!۔ اسی زمانے میں مسیحی شہزادہ اینون قرہ حصار سے ہم اتحاد میں نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ ویلے بھی کئی جگہ سے توڑ ڈالی گئی۔ نئی مجلس وطنی بھی منعقد ہوئی۔ یہ واقعہ ۲۳ اپریل ۱۹۲۲ء کا ہے۔ اس کے بعد غازی نے رافت پاشا کا پھر ذکر کیا۔ انھوں نے کہا: میں نے انھیں تیرا کے میدان جنگ میں جانے کا حکم دیا۔ مگر انھوں نے تعیل نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ایک فرانسیسی آب دو پر خفیہ آستانہ چلے گئے۔ آج تک معلوم نہ ہو سکا اس سفر کی غرض کیا تھی؟ اس کے بعد کالم تارا بکرا پاشا کی مذمت کرتے ہوئے غازی نے کہا:

”مجلس وطنی سے سید اس سے انکڑہ آنے پر عرض تھے۔ پھر جب آستانہ میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو انھوں نے زور دیا کہ مجلس وطنی توڑ دی جائے۔ لیکن میں نے ان کے مشورہ کی کوئی پروا نہیں کی۔ اس کے بعد غازی نے وہ روداؤں پڑیں جو مشہور خان سعید طرا، انگریز راجہ فرود کو بھیجا کرتا تھا۔ پھر بتایا کہ نور الدین بک تسلطیہ کا پولیس کسٹرن انگریز جاسوسوں کو پناہ دیتا تھا۔ اس کے بعد غازی نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ مجلس وطنی کی سائیس کے بعد موجودہ سیاسی مسلک کیونکر اختیار کیا گیا؟ انھوں نے کہا:

”اس وقت تین سیاسی رجحان ملک میں موجود تھے: پان اسلامیت، پان تورانیتزم، ترکی قومیت۔ میری رائے اسی آخری رجحان کی طرف تھی۔ یہ اس لئے کہ کچھ ترکی قوموں کا ایک علم کے نیچے جمع ہو جانا ممکن ہو۔ اسی طرح تورانی تحریک یا اسلامی تحریک پر بعد سے کرنا ایک ہم اور جملہ تھا۔ لہذا ہمارے لئے اس کے بڑا کوئی راہ باز نہ تھی۔ اپنی خاص قومی تحریک پر تکیہ کریں۔ ہمارے لئے ایک قومی سیاست ضروری تھی۔ قومی سیاست سے مقصد، وہ زندگی جو جو ب سے پہلے قوم کی قوت پر قائم ہو۔ پھر تمام تمدن دنیا کی ہمدردی حاصل کر سکے۔ جب میں نے مجلس وطنی کے سامنے اپنا یہ نقطہ نظر پیش کیا تو یہ بحث شروع ہوئی کہ حکومت کی شکل کیا ہونی چاہئے۔ اس وقت سلطان اور خلیفہ آستانہ میں موجود تھا۔ بہت سے لوگ اسے معذہ اور بے گناہ سمجھتے تھے۔ لہذا ضروری ہوا کہ کوئی ایسی تجویز بنائی جائے جو حالات کے مناسب ہو۔ چنانچہ یہ تجویز منظور کی گئی:

”مجلس وطنی سے بالا کوئی قوت تسلیم نہ کی جائے۔ مجلس وطنی میں تشریف اور تفسیدی دونوں قوتیں جمع ہیں۔ جب سلطان اور خلیفہ، قید و آزاد ہوگا اس وقت اس کی وہ حیثیت ہو جائے گی جو مجلس وطنی ملے کرے گی۔“

فرید پاشا کی وزارت

پھر مجلس وطنی کے انتخابات پیش کئے اور میں اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ میں اسی زمانے میں سلطان وحید الدین نے ہاری مندر فرید پاشا کو دوبارہ وزیر اعظم بنادیا۔ ہاری قومی حکومت کے خلاف قوت سے شائع کئے گئے اور دشمن کے ہوائی جہازوں سے تمام ملک میں تقسیم کئے گئے۔ اب ہر طرف شورش پیدا ہوئی۔ خفیہ اور علانیہ قومی حکومت پر یورش شروع ہوئی۔ جنوں، ادا تہار، مشرقی انگریز، قوتاد، زقناد، اندر، سیوہ رگ، ایغین، قونہ، فرحک تمام علاقوں میں سب بغاوت برپا ہو گئی۔ پھر فرما ہی ازمیت میں پیش خلافت نے غلبہ کیا اور قومی حکومت مجبور ہوئی کہ ان تمام قوتوں سے بیک وقت جنگ کرے۔ چنانچہ خیات وطنی کا قانون بنایا اور محاکم استقلال مرتب کرائے گئے۔

ساتھ ہی یونانی سیلاب کے مد گنے کے لئے تیرا میں اندر فرانسین کی سرکوبی کے لئے آستانہ میں میدان جنگ قائم کئے گئے۔ ہاری کو شہر جلد باراد ہوئیں۔ اطن، طرطوس، اندر میں ہم نے فرانسیسیوں کا محاصرہ کر لیا اور فرانس کو ہاری تمام سرزمین خالی کر دینی تھیں۔ ساتھ ہی مجلس وطنی نے اپنا ایک وفد روس بھی بھیجا۔ پوئے ایک برس تک گفت و شنید جاری رہی۔ یہاں تک کہ ایچ ۱۹۲۲ء میں اسکو سے پہلے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

جون ۱۹۲۲ء میں یونانیوں نے حملہ شروع کیا۔ قومی فوج مجبور ہوئی کہ پیچھے ہٹ جائے۔ اس وقت میں خود میدان جنگ گیا۔ علی نواز پاشا کی زیر قیادت مسلح شہزادہ اینون قرہ حصار کے خطہ پارازر نو روئے قائم ہو گئے۔

دوئی مشکلات

اسی اثنا میں دوئی مشکلات پیدا ہوئیں: ایک مشکل ”سبز فوج“ کی تھی۔ یہ ایک خفیہ انجمن تھی اور ادھم چرکی کے ماتحت تھی۔ دوسرا معاملہ جلال الدین عارف بک کا تھا۔ انھوں نے چاہا کہ مشرقی صوبوں میں اپنے لئے ایک خاص حیثیت پیدا کریں۔ مگر ہم ان دونوں شکلوں پر بھی غالب آ گئے۔

ارمنی فتنہ

اسی دوران میں اتحادیوں کے اشارے سے ارمن قوم نے سر اٹھایا اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اب ہمیں اس نوعیت کا بھی مقابلہ کرنا تھا۔ چنانچہ ہماری فوجیں متحرک ہوئیں۔ ارمنوں کی اچھی طرح گشتالی کی اور قاصد پر قبضہ کر لیا۔ پھر ارمنوں کو مجبور کیا کہ صلح کی درخواست کریں۔ اس کا نتیجہ معاہدہ کورمو کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے ترکی سرحدیں دی ہو گئیں جو سلسلہ میں تھیں اس طرح ارمنی خطرہ بالکل زائل ہو گیا۔ روس نے بھی یہ معاہدہ قبول کر لیا بشرطیکہ باطم اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ اس تدبیر سے ہم مشرق کی طرف سے کلیدیہ مطمئن ہو گئے۔

قونیہ کی بغاوت

اس کے بعد قونیہ میں پھر بغاوت ظاہر ہوئی۔ ہم مجبور ہوئے کہ از سر نو ایک فوج مرتب کریں۔ ادھم چرکی نے اس امر کی مخالفت کی اور جب ہم نے اس کی پروا نہیں کی تو وہ یتیمان سے بول گیا۔ ایک مرتبہ پھر قومی فوج پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئی۔ ہم نے فوراً علی نواز پاشا کو میدان جنگ سے واپس کر کے اس کی سفارت پر بھیجا اور عصمت پاشا اور رافت پاشا کو سپہ سالار مقرر کیا۔

میں اسی زمانہ میں داماد فرید پاشا پھر مغربی ہو گئے اور قونیہ پاشا، صالح پاشا کے ساتھ بربر حکومت آئے۔ انھوں نے اناطولیتہ سفارت کے لئے ایک وفد بھیجا۔ یہ وفد اس وقت پہونچا جب عصمت پاشا این آدنی میں یتیمان کو شکست دے چکے تھے۔ یہ قومی حکومت کی پہلی فتح تھی۔ لیکن اس فتح کے بعد ہی یونانیوں نے علی ادھم چرکی کی اعانت سے کونیا پر حملہ کر دیا اور ہاری فوجوں کو پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ صدمہ صرف اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ رافت پاشا بروقت دشمن کے محاصرہ کے لئے میدان جنگ میں نہیں پہونچے۔

لندن کانفرنس

اس کے بعد لندن کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں حکومت انگریز بھی مدعو کی گئی۔ مگر میں نے وزیر اعظم قونیہ پاشا سے مطالبہ کیا کہ وہ دہلی اتحاد سے کہیں کہ براہ راست حکومت انگریز کانفرنس میں بٹائی جائے، کیونکہ ترکی میں تہادہ حکومت موجود ہے۔ ساتھ ہی وزیر اعظم کو مجلس وطنی کی حسب ذیل درخواستوں سے مطلع کر دیا:

(۱) مجلس وطنی، سلطان کی ذات شانہ کو تسلیم کرتی ہے۔

(۲) سلطان کا قیام آستانہ میں ہے، لیکن حکومت اور پارلیمنٹ کا مرکز، انگریزہ میں ہو گا۔ لیکن قونیہ پاشا اور سلطان نے یہ تجویزیں منظور نہیں کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے لندن میں اپنا علحدہ وفد بھیجا اور کانفرنس کی شرطیں نامنظور کر دیں۔

اسی اثنا میں یونانیوں نے دوبارہ حملہ شروع کیا۔ لیکن پھر عصمت پاشا کے ہاتھوں شکست کھائی۔ مگر دہلیو مینا میں رافت پاشا سے سخت مقابلہ جاری رہا۔ آخر ہم نے رافت پاشا کو واپس بلالیا اور عصمت پاشا پوئے میدان کے سپہ سالار مقرر ہو گئے۔

جعفر طیار اور رافت پاشا

غازی نے جعفر طیار پاشا کا ذکر کیا جو مشرقی تھریں میں قومی تحریک کے علمبردار تھے:

”ہم انھوں نے کوئی قابلیت بھی ظاہر نہیں کی۔ اس علاقہ میں تحریک کی ناکامی کے سراسر ذمہ دار وہی ہیں۔ تاریخ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ بغیر کسی مقابلہ کے دشمن کے ہاتھ میں قید ہو گئے!“

اس کے بعد مقدمہ نے رافت پاشا کا پھر ذکر کیا:

”رافت پاشا نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ قونیہ پاشا، وزیر جنگ بنائے جائیں۔ عصمت پاشا، میدان جنگ کے سپہ سالار ہوں اور وہ خود (یعنی رافت پاشا) جنگی اشادات کے صدر مقرر کئے جائیں“ میں نے انھیں حنبیل جواب دیا:

”آپ جنگی اشادت کے صدر بننا چاہتے ہیں؟ جنگی اشادات کی صداقت کے معنی یہ ہیں کہ علی طو پر پوئے میدان جنگ کی مثالیں لیکن آپ میں اس کی ہرگز قابلیت نہیں ہوا۔ اس کے بعد رافت پاشا گوشہ نشین ہو گئے اور پھر کبھی نہیں کیا۔“

کابل فتح

تین مہینے سکون کے بعد ۱۰ جولائی ۱۹۲۲ء کو یونانیوں نے بہت بڑے پیمانہ پر عشاق اور بدوئہ کی طرف حملہ شروع کیا۔ سہارن پخت مرکز جاری رہا۔ آخر ترکی فوجیں پیچھے ہٹنے لگیں اور دہلیو سقلیہ کے اس پار آ کر گئیں۔

مجلس وطنی، ترکی فوجوں کی واپسی سے سخت پریشان ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ خود اپنے ہاتھ میں سپہ سالاری لے لوں۔ میں نے اس شرط پر یہ منصب قبول کر لیا کہ مجلس مجھے وہ تمام اختیارات بھی بخش دے جو اسے فوج پر حاصل ہیں۔ مجلس نے یہ شرط منظور کر لی اور تین مہینے کے لئے اپنے اختیارات مجھے عطا کر دیئے۔

میں نے کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور سٹاربا کا وہ مرکز پیش آیا، جسے حملہ آور یونانیوں کی کر توڑ ڈالی۔ تب مجلس وطنی نے مجھ کو ”مارشل“ کا خطاب دیا۔ ساتھ ہی ”غازی“ کا لقب بخشا۔ اپنا فتحی کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ فرانس نے ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو ہم سے معاہدہ کر لیا۔ ترکی کی کابل خود مختاری تسلیم کر لی اور ان تمام علاقوں سے دست بردار ہو گیا جو جنوبی اناطولیہ میں اس کے قبضہ میں تھے۔

انہی دنوں میں یونانیوں نے بحر اسود پر ترکی علاقے میں اپنی حکومت قائم کرنا چاہی۔ بعض یورپین سلطنتیں ان کی سہعا افزائی کر رہی تھیں۔ مگر ہمارا فوج یونانیوں کی تائید پر تھی۔ مگر ہم نے اس فتنہ کا بھی سرکھل ڈالا۔

۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء میں خود مجلس وطنی کے اندر مخالفت نے زور پکڑا۔ مخالفت کے سرگروہ رودف بک اور قرہ داصت بک تھے۔ رافت پاشا کا میلان بھی اسی جماعت کی طرف تھا۔ انھوں نے ایک

حکومت آستانہ اور سیواس کا نفرین

حکومت آستانہ، سیواس کا نفرین دیکھ کر گھبرا گئی اور قومی تحریک کا گلا گھونٹ دینے پر کمر بستہ ہو گئی۔ اس مقصد کے لئے اسے صوبہ معمرہ الیزیز کے حاکم علی غالب کو منتخب کیا۔ اسے حکم دیا کہ شرقی صوبوں کے تمام کردوں کو قومی تحریک کے خلاف کھڑا کر دے۔ نیز ایک اجنبی انسر اس کی مدد کے لئے مقرر کیا۔

علی غالب جب کو یقین تھا کہ وہ سیواس تک پہنچ سکتا ہے اور حکومت پر قابض ہو کر قومی تحریک کا خاتمہ کر دے سکتا ہے۔ لیکن قومی کارکنوں نے اسے طور پر بیدار رکھا۔ ہم نے بدقت ضرورتی تدابیر اختیار کیں۔ مجرموں کا تعاقب شروع کر دیا۔ جلد ہی ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور اجنبی حمایت میں بھاگ کر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ نیز میں نے عام حکم صادر کر دیا کہ کردستان میں اجنبی افراد کی موجودگی قطعاً ممنوع ہے۔ الایہ کہ ان کے پاس ہماری خاص اجازت موجود ہو۔

پھر میں نے سلطان کو ایک طویل برقی پیغام بھیجا۔ میں انتہائی تقییم و تکریم کے الفاظ استعمال کئے اور درخواست کی کہ موجودہ حالات وزارت کو توڑ دیں اور ایسا ایسی وزارتیں مرتب فرمائیں جو قومی آرزوں کی موید ہو۔

فریہ پاشا یہ پیغام دیکھ کر بہت حراغ پا ہوئے۔ انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ قومی کارکنوں کو بہت ڈرا دھمکیاں اور بالآخر آستانہ اور اناتولیا کے امین گفتگو کا سلسلہ ہی قطع ہو گیا۔ سیواس کا نفرین کے بعد ہم نے پارلیمنٹ منعقد کرنے کی کوشش شروع کی۔ لیکن آستانہ کی حکومت اسے جمع ہونے دینا نہیں چاہتی تھی۔ تاکہ قوم کی مرضی کے خلاف صلح حاصل کر سکے۔ یہ دیکھ کر ہم نے اپنے تمام عہدہ داروں کو حکم دے دیا کہ پوری مستعدی سے انتخابات کی تیاریاں شروع کر دیں۔ نیز سیواس کا نفرین کی اس تجویز کو علی جامہ پہنانے کے لئے کمر بستہ ہو گئے کہ اندرون ملک میں ایک نمائندہ جماعت، مجلس قومی کے نام سے قائم ہو اور جملہ معاملات دی انجام دے، یہاں تک کہ ملک میں ایسی حکومت قائم ہو جائے جس پر قوم کو اعتماد ہو۔

اسی بددھد میں ہیں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر اختلافات، سو رن، رشک و حسد کی کوئی حد نہ تھی۔ ساتھ ہی قومی کی علاقہ عداوت اور خفیہ سازشوں نے اب اور بھی زیادہ زور دیا۔ ضرورت تھی کہ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا جائے اور سب کا سرچل ڈالا جائے۔ ہم نے یہی کیا۔

اسی دوران میں ہر طرف سے سلطان پر تادیبوں کی بارش ہوئی کہ فوراً اس خائن وزارت کو توڑ دیں۔ اسی دوران میں علی فواد پاشا مغربی میدان جنگ کے سپہ سالار اور انگریزوں میں جھگڑا پیدا ہو گیا۔ میں نے مداخلت کی اور پرامن طریقہ پر تصفیہ ہو گیا۔ اس فیصلہ کی بنا پر انگریزی فوجیں، مرتزقین اور سامنے سبک ہو گئیں۔ اب حکومت آستانہ کو یقین ہو گیا کہ اناتولیا کی قومی تحریک کا شلنا ناممکن ہے۔ اس کے خلاف جتنی کوشش کی جاتی ہو، وہ آخری ہی زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہو، لہذا اسے یہی مناسب سمجھا کہ سختی کے بجائے نرم و مہربان سے اس کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ مرحوم عبداللیم پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے منتخب کیا۔ ۲۷ اور ۲۸ ستمبر کی درمیانی رات کو ہم دونوں تلبلیس کے آکر پرہ گھنٹے بیٹھے۔ باتیں کرتے رہے۔ مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ اب دادا فریہ پاشا کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تھا کہ وزارت کی کرسی خالی کر دیں چنانچہ تین دن بعد وہ مستعفی ہو گئے۔

اسی زمانے میں طراز بن کے بعض لوگ ایک دفتر میں کھڑے ہو کر خود سمجھوتہ کے لئے آستانہ جانے لگے۔ مگر انھیں روک دیا گیا اور طراز بن کے صوبہ دار کو قید کر دیا گیا۔

اس کا جواب حکومت آستانہ نے یہ دیا کہ پھوٹ ڈالنے کے لئے بعض منافق اناتولیا میں بھیج دئے۔ مگر اسیں اسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ اناتولیا کی قومی مجلس نے آستانہ کے باشندوں کی اندر زیادہ حمایت حاصل کر لی اور سلطانی حکومت کے شر سے انھیں باخبر کر دیا۔ ہم نے یہی نہیں کیا بلکہ ان پر جوش و خروش، نا اہلیت و اندیشہ پرستی کی ناک میں بھی پھیل ڈال دی جو تسلیم پر حملہ کر دینے اور تلوار کے زور سے فیصلہ حاصل کرنے پر تھے۔ ہم نے ہر جگہ اپنی دعوت پھیلا دی تھی کہ دول اتحاد کے اہل نحل و العنقہ کو بھی جو آستانہ میں موجود تھے، متاثر کر دیا۔

علی رضا کی وزارت

ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان نے ۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو علی رضا پاشا کی وزارت قائم کر دی۔ علی رضا پاشا کا مسلک، فریہ پاشا سے بالکل مختلف تھا۔ نئی وزارت، مفاہمت چاہتی تھی۔ مگر وہ بھی اس مفاہمت میں مخلص نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ قومی تحریک کو گھٹا کر دے۔

علی رضا پاشا نے مجھے مفاہمت کی دعوت دی۔ میں نے گفتگو کے لئے ہر شرط پیش کی:

(۱) اگر جدید وزارت، قومی آرزوں کی موید ہوگی تو قومی مجلس بھی اس کی تائید کرے گی۔

(۲) جدید وزارت، ملک کی قربت کا کوئی فیصلہ اس وقت تک نہ کرے، جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہو اور حکومت پر اس کی کابل اور آزاد کاری قائم نہ ہو جائے۔

(۳) صلح کا نفرین میں جو نمائندے جائیں، وہ ان لوگوں میں سے ہوں جن پر قوم اعتماد کرتی ہو۔

(۴) جدید وزارت، قومی صفائی سے اپنا مسلک ظاہر کرے۔

(۵) وہ تمام عہدہ دار، سپہ سالار ہر طرف کر دے جائیں جو قومی تحریک کے مخالف ہیں۔ ان کی جگہ وطن پرست آدمی مقرر کئے جائیں۔

کئی دن تک گفت و شنید جاری رہی۔ علی رضا پاشا صرف زبان سے وعدہ کرتے تھے کہ ہماری شرطیں منظور کرتے ہیں۔ وہ ہر یقین دلانا چاہتے تھے کہ ہم سے ہر طرف فدا رہیں۔ جمال پاشا سرسینی کو وزارت میں بھی لے داخل کیا تھا کہ قوم کو غلط فہمی میں ڈال سکیں۔ کیونکہ جمال پاشا سرسینی، قومی آدمی خیال کئے جاتے تھے۔

لیکن ہم دھوکا نہیں کھا سکتے تھے۔ جب ہم نے دیکھ لیا کہ گفتگو سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو ہماری قومی مجلس بدستور قائم رہی اس کی بیداری اور مستعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد قومی اناتولیا پر اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ ساتھ ہی ہماری خفیہ انجمنیں ہر طرف پھیل گئیں۔ خود آستانہ اور مکران میں بھی ہم متعدد طاقتور انجمنیں قائم کر سکے۔ ان کوششوں کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ہم انتخابات میں کامیابی حاصل کر لیں۔ ہم چاہتے تھے پارلیمنٹ، آستانہ کے بجائے اناتولیا کی سرزمین میں منعقد ہو۔

اسی زمانے میں امریکن جنرل ہارڈ اناتولیا میں سیاحت کر رہا تھا۔ اسے مجھ سے سیواس میں ملاقات کی ادھر سوال کیا:

”اگر تمام قریبوں کے بعد بھی قوم کوئی نتیجہ حاصل نہ کر سکی تو کیا کر دے گا؟“

میں نے جواب دیا:

”اگر قوم تمام قریبوں کو لے کر تو ضرور کامیاب ہو جائے گی۔“

لیکن اگر سپرچی کامیاب نہ ہو تو معنی یہ ہو گئے کہ قوم گھٹی ہوئی اس کے بعد لازمی نے کاشت پاشا کی نیت کی۔ لہذا:

”میں نے انھیں حکم دیا کہ صوبہ قوتیہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں۔ مگر انھوں نے مجھ سے منصب کی ترقی کا مطالبہ کیا۔ پھر میں نے انھیں قوتیہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا چاہا، مگر انھوں نے دوبارہ منصب کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب میں خود تمام مناصب سے برخواست کر دیا گیا تھا اور مجھے پھانسی کی سزا کا حکم مل چکا تھا!“

علی رضا پاشا نے ایک چال اور چلنا چاہی۔ صلح پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے آسمیا بھیجا۔ مگر میں اسی وقت سیواس میں شورش بھی پیدا کر دی۔ یہ شورش انجمن مکران انگریزوں کی کوششوں سے برپا ہوئی تھی۔ اس علاقے میں مکران کا رنج دواں ایک انگریز رابن ”فریہ نام تھا۔ سیواس کی طرح ادا ادا زبان، دوسرے میں بھی شورش نے مٹو کیا۔ مگر ہم نے بدقت سخت خاتمہ کر دیا۔

میں اس بات پر مصر تھا کہ پارلیمنٹ، اناتولیا میں منعقد ہو لیکن احمد غزت پاشا، جمال پاشا سرسینی، احمد عتیق پاشا اسکے خلاف تھے۔ صلح پاشا کی مجھ سے گفتگو اس سمجھوتہ پر ختم ہوئی کہ طرزیں نے اناتولیا، اظن، سمرنا اور آستانہ کو قومی وطن تسلیم کر لیا۔ اس کی تعمیر و ترقی کو ناجائز قرار دیا۔ سلطنت و خلافت کے برقرار رہنے پر اتفاق کر لیا۔ نیز یہ طے پا گیا کہ پارلیمنٹ کے انتخابات قومی آزادی کے ساتھ جاری ہوں۔

ہم نے علی رضا پاشا کی حکومت سے یہ بھی منوالیا کہ فرہنگیوں سے جنگ کی جائے۔ جنھوں نے انگریزوں کے بعد اظن پر قبضہ کر لیا تھا اور اجنبی جاسوسوں کو قطعی طور پر شرارت پھیلانے سے روک دیا جائے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ کوئی ایسی صلح قبول نہیں کی جائے جسے مجلس قومی نامتور کرے۔ اس کے مقابلے میں ہم نے مان لیا کہ پارلیمنٹ آستانہ ہی میں منعقد ہو۔

قومی مجلس انگورہ

۲۷ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ہماری قومی مجلس سیواس سے انگورہ میں منتقل ہو گئی کیونکہ اب ضرورت تھی کہ قومی میدان جنگ سے قریب ہیں۔

پارلیمنٹ، آستانہ میں منعقد ہوئی، مگر اتحادیوں نے اسے جبراً بند کر دیا۔ میں نے پارلیمنٹ کو انگورہ میں جمع ہونے کی دعوت دیدی۔ مجھے پہلے سے معلوم ہو گیا تھا کہ اتحادی، پارلیمنٹ کے ممبروں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ممبروں کو متنبہ کر دیا اور فوراً انگورہ چلے آئے پر زور دیا۔ مگر انھوں نے میری نصیحت قبول نہیں کی اور قید ہو گئے۔

اسی زمانے میں جمال پاشا سرسینی نے کوشش کی کہ اناتولیا کی قومی تحریک پر قابض ہو جائیں۔ قومی فوج پر اپنے طرفداروں کو مقرر کر دیں۔ مگر انھیں کامیابی نہ ہو سکی۔ پھر انھوں نے اتحادیوں کے دباؤ سے مجبور ہو کر چاہا کہ قومی فوج، یونانیوں کے مقابلے میں ہٹ جائے۔ مگر ان کی یہ کوششیں بھی ناکام ہو گئیں۔

جب پارلیمنٹ کے ممبراں گھوڑے پیچھے تو میں نے انھیں باہمی اتحاد کی نصیحت کی۔ میں چاہتا تھا پارلیمنٹ کا صدر مجھے منتخب کیا جائے، تاکہ میں جب چاہوں، اسے اناتولیا میں طلب کر سکوں مگر اس وقت ارکان مجلس، اتحادیوں کے خوف سے اس کی جرأت نہ کر سکے۔

اب بہت سی نئی مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ ہمیں سب پر غالب آنا تھا۔ میں نے ترکی میں اور تمام اسلامی ممالک میں اعلان شائع

خروج زیادہ ہوتا ہے، بعض سے کم۔ اول الذکر اجسام میں کئی گنی ایک وقت کی کئی رو میں حلول کر جاتی ہیں اور وہ حدود درجہ جنون میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آگے چل کر ڈاکٹر نے روجوں سے اپنی کئی گفتگو میں بھی نقل کی ہیں۔ چنانچہ شاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات کے دن اسے ایک انگریز ایکٹرس "لیلیان" کی روج سے گفتگو کی۔ وہ لکھتا ہے میں نے سوال کیا:

"ہم کاش تم مجھے بتاؤ تیس کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے؟"

نص نے یوں جواب دیا۔

"بہت سے لوگ تمہاری دینا سے یہاں آتے رہتے ہیں۔ لیکن میں ان سے نہیں لیتی۔ حالانکہ وہ ملاقات کے لئے بہت اصرار کرتے ہیں۔ یہ دیکھو ایک شخص مجھے پکار رہا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ عالم فانیں شاہ ایڈورڈ کے نام سے شہر ہوتا اور اس کی ماں بہت بڑی ملکہ تھی۔ لیکن اب یہاں وہ خود اور اس کی ماں، محض دو رو میں ہیں اور باقی روجوں سے کوئی امتیاز نہیں لکھتیں۔ ہم یہاں آسوقت تک ٹہرے ہیں جب تک ہم یہاں عالم اور وجود فنا کے تمام رازہ مکمل جائیں!"

حیوانات کی عیبر

تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ بڑی حیوانات اپنی طبیعت موت کو کماتے ہیں۔ زیادہ تر قبل از وقت موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سردی گری، بھوک پیاس، قتل اور دوسرے بہت سے حادثے ان کی زندگی ختم کر دیتے ہیں۔

حال میں ایک جرس ڈاکٹر ٹین نے اس سلسلہ پر بحث کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ علمائے ابجد حیوانات کی عمر کے متعلق جتنے نظریے قلم لے گئے ہیں، اکثر غلط ہیں۔ اور یہ کہ عمر کی درازی، جسم کے قد قنات پر موقوف نہیں ہے، بلکہ دوسرے اسباب سے متعلق کہتی ہے۔ ہونٹ ٹھنکی کو مستثنیٰ کر کے، جس کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے بعض دوسرے حیوانات کی عمریں اس ڈاکٹر کی رائے میں صرف یہ ہیں:

بھوا	۲۰۰
طوطا	۴۰۰
کڑا	۳۰۰
بلا	۲۰۰
ہاتھی	۲۰۰
شیر	۱۲۲
گدھ	۲۲
شیر	۲۰
بوم	۲۰
بجگا	۲۰
اونٹ، گھوڑا، گدھا	۵۰
بجگا، کرگدن، دریائی گھوڑا	۵۰
گرگھڑا، میڈک	۲۰
جنگلی سور	۲۰
شیو چیتا، دریائی گائے	۲۵
گدھا	۲۰
ہرن	۱۲
کتا اور بلی	۱۵
دوڑی	۱۰
چمڑا	۳

اسی ڈاکٹر نے بتا دیا کہ بڑی عمر والے جانور کبھی نہیں جیتے۔ یعنی ان کی عمریں بڑھتی جاتی ہیں۔

عالم مطبوعات و صحائف

تاریخ کا سب سے بڑا سوال

نام نہاد "مجلس اقوام" اور چھوٹی قومیں

حال میں امریکن اخبارات کا ایک سرور آوردہ نمائندہ مجلس اقوام کی کارروائیوں کا مطالعہ کرنے جیتو اگیا تھا۔ واپسی کے بعد اس نے امریکن اخبارات میں حسب ذیل تاثرات شائع کئے ہیں:

"یہ انجمن، صرف دول عظمیٰ نے اپنی دلچسپی اور خود غرضی کے لئے بنائی ہے۔ تمام چھوٹی سلطنتیں ان کے وجود اور اس سے فریاد کر رہی ہیں۔ مظلوم قوموں کو یہاں بیچ کیا جاتا ہے اور ان کی کھال کھینچ کر تھپتھپتے جاتے ہیں۔ کمزور قوموں کی فریادیں، روئی کی ٹوکر میں ڈال دی جاتی ہیں اور وہ مجلس اقوام کو لٹ کر رہ جاتی ہیں، روتی پیتی نامراد لوٹ جاتی ہیں۔ یہ انجمن کچھ مفید ہو سکتی تھی اگر دول عظمیٰ اپنی سازشی طبیعت بدل دالتیں۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ سازش ان کے غیر میں داخل ہو چکی ہے۔ ان کی تمام رکن سلطنتیں اس امر سے بھرتی واقف ہیں اور اب چھوٹی سلطنتیں بقاءت پر طیار ہو گئی ہیں۔ چنانچہ انجمن کے آٹھویں سالانہ جلسہ میں غول نے اپنے غصے اور نفرت کا علاوہ مظاہر کیا۔ سوڈن، لیبیا، پولینڈ، فنلینڈ، لیتھینیا، استونیا وغیرہ نے جھگڑی لے دے کی۔ انھوں نے مشاغل میں کمزور دول عظمیٰ نے اس انجان کی کشتی، جان بوجھ کر غرق کر دی ہے۔ وہ تمام اضطراب اور بے چینی واپس لے آئی ہیں جو گزشتہ جنگ کا سبب تھی۔ وہ باہر سازشیں کرتی ہیں۔ خفیہ معاہدے طیار کرتی ہیں اور وہ تمام خطرناک کام کر رہی ہیں جو مجلس اقوام کے مقاصد کو قطعی مخالفت رکھتے ہیں"

"چھوٹی قوموں کی بقاءت کا علم لایٹ بند کیا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ ۱۹۱۲ء والا جیتو کا پڑو کوئلہ نہ دیا جائے جس کی رو سے جبری حکم پتیا وں کی تعلیل اور چھوٹی سلطنتوں کی زبردست سلطنتوں کی حمایت ضروری ہے۔ لیبیا کی اس تجویز کی سوڈن نے تائید کی اور اس کے نمائندے نے تصریح کی کہ اس وقت بعد ہی مسلک، دولی نظریے نے اختیار کر لیا ہے جو گزشتہ جنگ کا سبب ہوا تھا اور آئندہ بھی ایک بہت زیادہ خونخوار جنگ کا موجب بنے گا۔"

"پولینڈ نے اس کی تائید کرتے ہوئے تجویز کی کہ مجلس اقوام جنگ کی صورت کا قطعی فیصلہ صادر کرے۔ لیتھینیا اور فنلینڈ نے تجویز کی کہ تمام سلطنتیں اس بات کا عہد کریں کہ ہر مظلوم سلطنت کو الی دہی دیں گی تاکہ وہ اپنی عافیت پسند طرح کر سکے۔ فنلینڈ کے وزیر خارجہ نے بیان کیا کہ گزشتہ سال پولینڈ نے اپنے جنگی سامان پر

۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ خرچ کئے ہیں۔ یہ عینہ اتنی ہی رقم چھوٹی سلطنتوں میں اسے خرچ کی تھی، جس سے جنگ عمومی کا نالو ہوا۔ پولینڈ کی اس وقت مجموعی جنگی قوت، ۱۰،۰۰۰،۰۰۰ سپاہی ہیں۔ یعنی اس وقت میں ایک پاس جتنی قوت تھی، اس سے آج وقت تھوڑی ہی کم ہے۔"

حالانکہ معلوم ہے جنگ عمومی میں جن سلطنتوں نے شکست کھائی تھی ان کے ہتیار چھین لئے گئے ہیں اور ان کے پاس کوئی فوج بھی نہیں ہے۔ خود مجلس اقوام کے مندرستہ ایک دیگر کو اقرا کر پڑا کہ تین دول عظمیٰ: برطانیہ، امریکہ، اور جاپان اپنے جنگی ہتھیاروں کے محدد کرنے پر متفق نہیں ہوئیں، لہذا کوئی امید نہیں کہ باقی سلطنتیں باہم کوئی سمجھوتہ کر سکیں گی!"

فرحکتاب مجلس اقوام کی حقیقت مکمل گئی ہے اور یہ پتہ چل گیا کہ اس پر اعتماد نہیں رکھنا۔

جنون کے بارے میں ایک نیا نظریہ

ڈاکٹر کارل ویگلنڈ، امریکہ کا ایک مشہور ڈاکٹر اور عقلی امراض میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ حال میں اس نے جنون کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس نظریہ کو بہت سے علماء، خود ڈاکٹر کا جنون بتاتے ہیں، مگر وہ اس پر از مدد ہوئے، اس قدر معرکہ آسے "نظریہ" نہیں کہتا ایک مسلم حقیقت بتاتا ہے!

نظریہ یہ ہے کہ "موت جس سے تمام لوگ اس قدر ڈرتے ہیں، محض ایک عمومی حادثہ ہے۔ موت کے سہمی یہ ہیں کہ دوج ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ، موت کی کوئی حقیقت نہیں۔ خود دوج کو بھی اس انتقال کی خبر نہیں ہوتی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جیتنے جیتنے دوج پھر عالم مادہ کی طرف لوٹ آتی ہے اور کسی زندہ آدمی کے جسم میں حلول کر جاتی ہے۔ جب ایسی ہو چلی آتی ہے تو آدمی مجنون ہو جاتا ہے۔ پس جنون کی علت یہ ہے کہ کوئی گم گشتہ راہ دوج، جسم میں حلول کر گئی ہے۔

ڈاکٹر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

"۲۰ برس کی تحقیقات کے بعد مجھے ثابت ہو گیا ہے کہ موت کے بعد بھی روح باقی اور زندہ رہتی ہے۔ ہمارے گرد بے شمار دوسرے پھوڑے ہیں اور ہم سے مخاطب ہوتا ہے جی ہیں۔ لیکن ہم نہ انھیں سمجھتے ہیں نہ کسی اور طرح محسوس کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود یہ دیکھی بھی جاہل ہوتی ہیں۔ نہ اپنی حالت پوری طرح جانتی ہیں نہ ہمارے سکوت ہی کے سبب سے واقف ہوتی ہیں۔ یہی حالت انھیں ایک تاریک عالم میں لگاتی ہے اور وہ اس سرگرداں ہوتی ہیں۔ لیکن بہت سی دوسرے جگہ کر اس دنیا میں واپس آ جاتی ہیں اور بعض چہروں میں داخل ہو کر انھیں مجنون بنا دیتی ہیں۔"

"ہر انسان کے جسم سے ایک متناظر طبیعتی سیل ادا ہوتا ہے جو بھی اسے روحی جسم کی طرف کھینچتا ہے۔ بعض جہلوں سے ہر انسان کو



اور فتح سے تادمی ہوئی۔ حالانکہ ان کا نام کافی ملا تھا۔ مگر ۱۲۲۲ء کا جولائی ابھی آیا بھی نہ تھا کہ ترکی فوج، جس طرح سرگرم تھی، لڑنے لگی۔ اور دشمن کے مقابلہ پر ۲۰ فوجوں نے حرکت کی۔ اب ہماری جنگی طاقت، دشمن کے برعکس تھی۔ لیکن ہوائی جہاز اور توپ اس کے پاس ہم سے زیادہ تھیں۔ مغربی میدان جنگ کے ۲ حصے کر دیے گئے ایک حصہ نو لاکھ پانچاکی قیادت میں تھا اور دوسرا یعقوب پاشا کے سپرد کیا گیا۔ عصمت پاشا، سپر سالار عام تھے۔

چند ہی آدمیوں کو اصلی حالات کا علم تھا۔ عام طور پر باہر کی بھی ہوئی تھی۔ مگر ہم بالکل مطمئن تھے، کیونکہ اپنی قوت سے واقف تھے۔ ایک ایک ۲۰ رگت کو ہم نے حملہ شروع کیا اور صرف ۵ دن کے اندر دشمن کا قلع قمع کر ڈالا۔ تمام دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اب ہماری منظرو منظر فوجوں نے تھیں اور استنبول کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ دیرل اتحاد ہماری مقاومت پر اٹھیں۔ ہم نے کہا اگر تو آئے، تو ہمیں آؤ۔ اور نہ سے دست بردار ہو جائے تو ہماری فوجوں کو آگے بڑھنا ضرورت نہیں۔ اس طرح ہمیں اور آستانہ بھی آزاد ہو گیا!

دو علی کا جانتہ

پھر تو زبان کا فخر منقطع ہوئی۔ لیکن اتحادیوں نے قوی ہو کر پھر ایک ضرب لگنا چاہی۔ انھوں نے صلح کا فخر من حکومت آستانہ کو بھی دعوت دی۔ اب میں مجبور ہوا کہ اس علی کا خاتمہ کر دو چنانچہ میں نے مجلس ملی میں تقرر کرتے ہوئے کہا:

”سیادت، دی نہیں جاتی، لی جاتی ہو۔ آل عثمان نے یہ سیادت، غصب کر لی تھی۔ لیکن اب قوم نے واپس لے لی ہو۔ یہ ایک حقیقت ہو۔ اب ہمیں اس کا اعتراف کر لینا چاہئے۔ مجھے یقین ہے یہاں تو آدمی جیسے ہیں، سب یہ اعتراف کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ اعتراف نہ بھی کریں تو حقیقت بہر حال محروم و زردوش کی طرح ظاہر ہو جائے گی“

اس تقرر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس ملی نے سلطنت کو خلافت سے الگ کر دیا۔ شخصی فرائض کو خاتمہ کر دیا۔ آخری سلطان نے یہ سمجھا تو بدھاس ہو کر اجنبی حمایت میں پناہ لی اور ترکی سے بھاگ گیا۔ اس طرح وحید الدین، منصب خلافت سے شادابا گیا اور اس کی جگہ عبد المجید آفندی کا انتخاب ۲۸ نومبر ۱۲۲۳ء کو عمل میں آیا۔ پھر لڑائی میں صلح کا فخر من شروع ہوئی۔

اس اثناء میں میں نے تمام اطالیہ کا دورہ شروع کیا۔ علم باشندوں سے طویل گفتگو کی اور تعلیم داخلی اور خارجی معاملات، کاشت کا مدد پر واضح کرنا شروع کئے۔

شاہ پسندوں کی تحریک

میں اسی وقت شاہ پسندوں نے بھی اپنی تحریک پھیلا شروع کی۔ وہ کہتے تھے خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہو۔ ترکی تم خدا کی تلوار ہو جسے خلیفہ، خلافت کے مقاصد میں استعمال کرنا ہو لیکن میں اس خیال کا مخالف تھا۔ میں کہتا تھا یہ محض اداہم ہیں۔ اگر خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہو، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ترکی ہی قوم، اس کی تلوار بنے۔ پھر ترکی قوم اپنا خون، پوری نیا صلی سے صدیوں بہا چکی ہو۔ اب وقت آ گیا ہو کہ وہ اپنے بقا و حیات کی فکر کرے اور اداہم سے باز آجائے۔ یہی مختلف دعائیا منصب خلافت کی منسوخی کا سبب ہیں۔

موجودہ دور حکمرانی

اس کے بعد مقررہ موجودہ ترکی حکمرانی کی اس طرح تشریح کی: ۱۲۱۱ء میں سلطان عبدالحمید کے قانون اساسی میں لکھا گیا کہ ترکی سلطنت کا سرکاری دین، اسلام ہو۔ لیکن اب یہ جملہ حذف کر دینا

ہوگا۔ کیونکہ ہماری جدید جماعت کے قانون میں خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، شریعت کی وزارت، دینی مدارس کی بندش، خانقاہوں کی منسوخی، اور ترکی لپٹی کی سو قوتی، یہ تمام باتیں اصل ہیں۔ شروع شروع اس کا اعلان اس نے نہیں کیا گیا کہ ہم قول کو پھیلنے والے کو پسند کرتے ہیں!

جب عصمت پاشا اور زلفی سے پہلی مرتبہ واپس آئے تو میں نے ان پر بڑی سختی سے حملہ شروع کیا۔ لہذا میں نے ازبر نو انتخابات کا فیصلہ کر دیا۔

ایک دن رات کو رعدت یک میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ رات پاشا کے مکان پر لے گئے۔ وہاں علی فواد پاشا بھی موجود تھے۔ رعدت یک نے مجھے کہا:

”میں آل عثمان اور سلاطین آل عثمان سے وابستہ ہوں۔ میں انہی کا بروہ ہوں۔ سلطنت اور خلافت، وہ مجھے ہیں ترک ہر آدمی پہنچ نہیں سکتا۔ اگر یہ منصب منسوخ کر دئے جائیں گے تو ملک ہر لٹاک مصائب میں مبتلا ہو جائے گا!“

رات پاشا نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا: ”ہم شاہی فرائض کے بغیر اس سرزمین پر زندہ ہی نہیں رہ سکتے!“ علی فواد پاشا نے کہا: ”میں نے اب تک اس معاملے میں کوئی غور نہیں کیا ہے“

میں نے ان لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ ایک یہ مسئلہ معروض بحث میں نہیں آیا ہو۔ لہذا یہ گفتگو قبل از وقت ہو رہی ہے جب وہ وقت آتا تو بلا کسی شکل کے سلطنت اور خلافت میں تفریق کر دی گئی۔ خلیفہ عبد المجید سے ہم نے مطالبہ کیا کہ اپنے نام سے ایک اعلان شائع کریں اور اپنے خائن مشیر کے اعمال کی مذمت کریں مگر انھوں نے اس سے قطعی انکار کیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ اپنے دستخط ان فقرات میں کرنے پر اصرار کیا: ”خلیفہ رسول عبد المجید بن عبد الغفر خاں“ اسی زمانہ میں رات پاشا نے خلیفہ عبد المجید کو ایک گھوڑا ہدیہ پیش کیا۔ انھوں نے اسے قبول کر لیا اور رات پاشا نے اسے لطف الہی“ قرار دیا۔“

سابق خلیفہ عبد المجید کی فرہاشی

جنیوا کی خبروں سے معلوم ہوا کہ سابق خلیفہ عبد المجید آفندی مغرب پر پیر کی ایک حسین و درخشاں شادی کرنے والے تھے۔ عہد کا نام جولیت لیباں ہے۔ ایک فرانسیسی سرمایہ دار کی بیٹی تھی جو سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہو۔ عبد المجید کی عمر اسی سے زیادہ تھم ہو چکی ہو۔ بڑا پالا گیا ہو۔ گردن شیر کی عمر صرف ۲۲ برس ہو۔

خلیفہ کے محل میں ۵۰ عورتیں تھیں۔ مگر شریعت اسلامیہ کے بموجب ان میں سے صرف چار تن کی شریعی بیویاں تھیں۔ انی چار میں سے دوسرے چکی ہیں۔ ایک نے پیرس میں خودکشی کر لی دوسرا آئی میں ایک دیل کے حادثہ میں مر گئی۔

سلطان عبد المجید اس وقت جنیوا کے معانات میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں بالکل گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے معاصروں میں سے صرف گیارہ آدمی ساتھ ہیں۔ ان کا سالانہ خرچہ جو ترکی حکومت نے دینا منسلک کیا ہو، صرف اٹھارہ ہزار پونڈ ہے۔ لیکن ان کی جائیداد کی آمدنی اس سے کئی گنی زیادہ ہو۔ اس لئے وہ اپنی جلا وطنی میں بھی آرام کی زندگی بسر کئے ہیں۔ پیرس کی دو شیرازہ خلیفہ انجاء کے نمائندے سے گفتگو کرتے

ہوئے کہا:

”میں نے اور سلطان نے قہری کوشش کی کہ ہماری بھی سختی رہو لیکن یہ راز کسی طرح فاش ہو گیا۔ مجھے یقین ہے ہم دونوں ہی پریست زندگی بسر کر سکیں گے۔ بلاشبہ سلطان کی عمر زیادہ ہو، حتیٰ کہ میرے دادا معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس سے میرے دل کے تعلق پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ سلطان نے وعدہ کیا ہو کہ ہمیں سلطان، دیر کے ساحلوں پر گزارے کے پیرس میں ساتھ دیں گے۔“

”میں معلوم ہو کہ اب سے پہلے سلطان کے پاس ۵۰۰ عورتیں تھیں؟“ نامہ نگار نے سوال کیا۔

”ہاں میں جانتی ہوں“ نازین نے جواب دیا۔ لیکن مجھے اس سے کیا سروکار؟ عقلمند عورت کبھی اپنے شہر کے پڑنے حالات نہیں کر دیتی۔ یہ عقل اور ادب، دونوں کے خلاف ہوا۔ خود طے دفعہ کے بعد اسے اتنا اور اچھا لگایا:

”جس مرد کے پاس اب سے پہلے ۵۰ عورتیں نہ چکی ہیں وہ مزدور جانتا ہو گا کہ ایک عورت کو کس طرح خوش رکھ سکے؟“

عبد المجید آفندی اسی شادی کے لئے وسیع پیمانے پر طبکاری کر رہے ہیں۔ لیکن اب تک اس کی تاریخ اور شادی کا مقام کسی کو معلوم نہیں ہے۔

عظیم الشان توأم تارہ

پچھلے دنوں امریکن ڈاکٹر جی۔ ایس۔ بلاسکٹ نے ایک عجیب کوکب دریافت کیا ہے۔ یہ تارہ توأم ہے یعنی جڑواں ہے۔ ۲۰ سال ایک ساتھ ہیں۔ شہب گیس سے مرکب ہیں۔ اس گیس کی حرارت پچھلے ہوئے لوہے کی حرارت سے بارہ گنی زیادہ ہو۔ ایک سا بڑا ہو۔ دوسرا چھوٹا ہو۔ چھوٹے کی روشنی آفتاب کی روشنی سے ۱۰۰۰ گنی زیادہ ہو۔ اور قطر، زمین کے قطر سے ۲۰۰۰ گنا زیادہ ہو۔ دونوں کا حجم، زمین کے حجم سے ۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰ گنا زیادہ ہو۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ حرکت کا دائرہ، بیضاوی شکل کا ہوا اور دائرہ، ۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰ میل طویل ہو۔ ایک ہفتہ میں یہ مسافت طے کر لیتے ہیں۔ رفتار کی شرح ہر منٹ میں ۱۱۲،۰۰۰ میل ہو۔

خواجہ حسن نظامی

کا

ہفتہ وار انگریزی اخبار

ننگِ مسلم دہلی

تبلیغ کا حامی۔ مسلمانوں کی سیاسی حقوق کا مدافع اور تمام اسلامی مطالبات کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنے والا۔ سالانہ قیمت پانچ روپے۔ طالب علموں کو چار روپے ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو پڑھنا چاہیو

میجر ننگِ مسلم دہلی

دہلی کے نامی اور نامور مشہور مقبرہ مقبول خاص و علم اہم ہستی

ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی کا

عیم المثال نادالوجہ سرائی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی تپہ

ماہ الحکم دواخانہ

زندگی تیرے بغیر اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہو۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہو تو ب کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کھانا اور دواخانہ استعمال کیجئے اور پری میں شباب کا لطف آٹھائے یہ امر تو مسلم ہو کہ اللہ تعالیٰ ارادہ ہو، بدن میں چربی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بھاننا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں تازہ سرفہ جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا دواخانہ خصوصیت کے ساتھ ہر دور کو جوان اور جوانوں کو جوان بناتا ہے اس لئے کہ نادا اور بیش قیمت اور معوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطور خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شفا الملک بہادر غفرلہ آپ اس علم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب مدوح نے بغرض رفاہ عام ”ہمدرد و دواخانہ“ کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ارالہم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتد بہ اور پورا فائدہ ایک چل میں ہوتا ہے۔ پہلک کو صحت اپنی لفاظی اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی گئی ہمدی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماہ الحکم کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو شکائے اور آزمائے! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچی ہو۔ شک آنت کو خود ہوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمددی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہے مگر اس کے چند اقسام کے حلے معوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ نصرت میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد مرکب دوا میں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ نصرت مسلمانہ جیسی تیار ہو۔ صفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی تپہ۔ منجر ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی

منجر ہمدرد و دواخانہ یونانی دہلی

حصہ سفید داغ ایوم میں حیرت غائب

درد توری قیمت واپس۔ (قرارداد لکھا لیں اکیس روپے) خوراک معجون مساجد اور ایک شیشی روغن مساجد پورے ۲۱ روز کافی ہوتی قیمت مندرجہ سارے پر وادہ

دقمر علاج برص منبر در بنگلہ (منبر)

چند دانہ

اپنی نوعیت کا پہلا سال ملک اور قوم و ملت کا سچا پروردگار دہلی کے معائن میں ظلم و فتنے سے لبریز نو برکت در بنگلہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہو گا لکھنؤ چھاپائی اور کاغذ بہت نفیس چند سالہ تین پڑھنے طلبہ سے دو روپیہ (عام) ملک غیر سے پانچ روپیہ (مشر)

منجرب لپا پر وادہ در بنگلہ

گھسکر آزمالو

دورو تولہ سونا

رنگین کپڑے

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت اور نکش چڑیاں جرمنی سے نکلائی ہیں۔ چونکہ ان میں ایک غول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ ان کے اندر نگین چڑیاں آجاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرجد اور باقوت کے کٹنے چڑنے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ و روشنی میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی پڑتی ہے۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ دھاتی روپیہ میں پانچ روپے کا کام نکالا جاسکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائے تاکہ اس بات ختم نہ ہو جائے۔ چوڑیوں کی قیمت دھاتی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس چوڑیوں کے دام مبلغ سات روپے (مشر)

منجر گولڈن سٹور پوسٹ بکس لاپو

ایم جی پرائیویٹ لٹریچر پبلیشیاں ہر قسم کی کتابیں اور ساری سے قیمتی چھپنے والی کتابیں کے لئے گولڈن کاپی ہر قسم کی کتابیں۔ لئے کا تپہ۔ حکیم محمد رفیع سندھو۔ سوگا ضلع فیروز پور پنجاب۔

مطبوعات جامعہ

تاریخ الامت۔ تاریخ اسلام کا وہ سلسلہ جو صحیح تاریخی اصول اور تحقیق و تنقید کے ساتھ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جبراجی نے اردو خوانوں کے اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے تالیف فرمایا ہے۔ طرز تحریر نہایت سادہ اور سلیس اور عام فہم جامعہ لیا بیا لیا آئی اور ہرگز تعلیم صوبہ متوسطہ آفس کے اپنے مدارس کے لئے پسند کیا ہے۔

- (۱) حصہ اول سیرۃ الرسول میر (۲) حصہ دوم خلافت راشدہ عام
- (۳) حصہ سوم خلافت بنی امیہ میر (۴) حصہ چارم خلافت عباسیہ عام

تاریخ فلسفہ اسلام۔ آڈیو کے مشہور فلسفی اور شوقین تپہ۔ دی پورنی سنسٹ کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از فاکٹر سیلبر جین صاحب۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی (برلن) استاد فلسفہ تعلیم و انظم اعدا کا دہلی جامعہ طبعیت (عام) برہان۔ تفسیر سورہ نور مصنف محمد عبدالحی صاحب روتی۔ خواجہ صاحب سلسلہ تفسیر القرآن فی مداراقرانہ کسی تعداد کا محتاج نہیں۔ یہ کتاب بھی اچھی سفید سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مصنف کی دیگر تفاسیر بھی ہم سے مل سکتی ہیں۔ ہر جلد عام (ایک روپیہ) مبادی معاشیات۔ ایڈوکلکین کی مشہور و معروف تصنیف کا لکھنؤ اردو میں ترجمہ از فاکٹر ذاکر حسین خاں۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی شیخ امجد

(۵) ضمیمہ خلافت عباسیہ جلد دوم عام دیوان غالب آندو (طبع ثانی) مطبوعہ برلن جرمنی۔ ہندوستان کے اہم ناز شاعر ادیب مرزا غالب کے کلام کا مجموعہ طبعی لطافت و نہایت کے ساتھ طبع کرایا ہے۔ پاکٹ سائز۔ ملائم جلد۔ منہرے نقش و نگار طلائی اور اوراق اور غالب کی لائانی ملکئی نگین تصویر جرمن ہنر مند کی کلاسیکی نمونہ دیوان مکمل ہے جس میں مرزا مرحوم کا خود نوشتہ مقدمہ غزلیات۔ قصائد۔ اور رباعیات ہیں۔ آخر میں بیان کے لئے حاشیہ دار سادہ اوراق شامل ہیں۔ جلد کا رنگ سرخ۔ نیلا یا بزمیت صرٹ چار روپے (لکھنؤ) لئے کا تپہ۔ مکتبہ جامعہ طبیبہ اسلامیہ۔ دہلی

دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں ہر آدمی کی سالانہ آمدنی

۳۳۲۸	امریکہ
۱۳۵۶	برطانیہ
۱۲۹۲	فرانس
۵۴۰	اطلی
۱۱۸۰	جاپان
۳۰	ہندوستان

فی کس روزانہ آمدنی

۱۰	امریکہ
۱۰	برطانیہ
۱۰	فرانس
۱۰	اطلی
۱۰	جاپان
۱۰	ہندوستان

ٹیکس کی فی آدمی شرح بحساب روپیہ

سال	برطانیہ	فرانس	جرمنی	اطلی	امریکہ	ہندوستان
۱۹۱۲ء	۵۳-۸۰	۲۸-۳۰	۲۲-۲۵	۱۸-۲۰	۲۱-۲۳	۲-۱۲
۱۹۲۰ء	۳۲-۸۰	۱۳-۱۵	۱۱-۱۳	۸-۱۰	۱۲-۱۴	۲-۸
۱۹۲۲ء	۲۹-۶۰	۱۵-۱۷	۱۱-۱۳	۸-۱۰	۱۲-۱۴	۲-۸
۱۹۲۳ء	۲۲-۶۰	۱۲-۱۴	۱۱-۱۳	۸-۱۰	۱۲-۱۴	۲-۸

ہندوستان اور جزائر برطانیہ میں پیشوں

کے اعتبار سے آبادی کا تناسب

ہندوستان	جزائر برطانیہ
مجموعی آبادی ۳۱۹۳۹۱۰۰۰	مجموعی آبادی ۴۴۳۰۰۰۰
زراعت پیشہ ۷۱۵۸	۱۱۵۶
صنعت پیشہ ۱۱۵۲	۵۱۵۲
تجارت پیشہ ۷۱۵۲	۱۳۵۲
آزاد پیشہ ۲۵۶	۵۱۵۲
بچ کی نوکریاں ۱۵۸	۱۳۵۸
دوسرے پیشے ۵۱۵	۰۰۰
کل کن ۱۵۱۵	۶۱۵

دنیا کی فردوری پیشہ آبادی

ملک	مجموعی آبادی	فردوری
امریکہ	۱۰۵۷۱۰۰۰	۴۷۶۷۷۰۰۰
برطانیہ	۴۷۲۰۰۰۰	۲۵۷۳۳۰۰۰
فرانس	۳۹۲۰۹۰۰۰	۲۰۹۳۱۰۰۰
جرمنی	۵۹۸۵۸۰۰۰	۳۰۲۳۲۰۰۰
اطلی	۳۸۸۳۹۰۰۰	۱۸۷۱۸۰۰۰
ہندوستان	۳۱۷۳۹۱۰۰۰	۹۸۸۶۳۰۰۰
کینیڈا	۸۷۸۸۰۰۰	۳۳۲۱۰۰۰
آسٹریلیا	۵۵۱۰۰۰۰	۲۳۹۷۰۰۰
جنوبی افریقہ	۱۳۲۲۰۰۰	۴۷۲۰۰۰
نیوزی لینڈ	۱۲۸۳۰۰۰	۵۱۵۰۰۰

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۳)

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی آبادی مع شرح پیدائش و اموات

نام شہر	۱۹۲۱ء	۱۹۱۱ء	۱۹۰۱ء	پیدائش	موت
کلکتہ	۹۰۷۸۵۱	۵۹۶۰۶۷	۸۴۷۷۹۶	۱۸۳۹	۳۲۷۷
ممبئی	۱۱۷۵۹۱۳	۹۷۹۳۳۵	۷۷۷۰۰۶	۱۷۷۰	۲۷۷۰
دہلی	۵۲۶۹۱۱	۵۱۸۶۹۰	۵۰۹۳۳۶	۲۳۷۶	۴۷۷۳
بمبئی	۱۹۵۳۰۱	۱۷۹۳۸۹	۱۷۷۷۹۳	۲۳۷۶	۳۳۷۸
لکھنؤ	۱۱۹۴۵۰	۱۰۸۵۵۱	۷۷۷۳۳	۲۳۷۶	۲۷۷۲
پٹنہ	۱۱۹۹۷۶	۱۳۶۱۵۳	۱۲۷۷۸۳	۲۱۷۵	۱۲۷۷
بنارس	۱۹۵۲۷۳	۲۰۸۱۲۱	۲۰۹۳۳۱	۵۷۷۵	۴۷۷۵
اٹک آباد	۱۲۷۷۰۵	۱۵۹۷۰۱	۱۷۷۷۳۳	۲۷۷۰	۲۷۷۰
آگرہ	۱۸۷۷۵۰	۱۸۲۶۱۹	۱۸۸۰۲۳	۶۷۷۷	۳۹۷۰
کانپور	۱۹۵۰۸۸	۱۷۷۷۰۰	۱۹۷۷۰۰	۳۷۷۱	۲۷۷۷
لکھنؤ	۲۱۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۱	۲۷۷۷۷۱	۲۷۷۱	۳۷۷۷
دہلی	۲۲۷۷۸۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۳	۲۷۷۷
لاہور	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷	۲۷۷۷
کراچی	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷	۲۷۷۷
پٹنہ	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷	۲۷۷۷
جے پور	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷	۲۷۷۷
ناگپور	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷	۲۷۷۷
ریون	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷۷۷	۲۷۷۷	۲۷۷۷

برطانوی ہندوستان میں سختی آبادی کی بڑائی

۲۰-۲۰

صوبہ	مرد	عورتیں	مجموعی تعداد
دہلی	۶۹۷۷۰	۷۹۷۷۷	۱۴۹۷۷۷
ممبئی	۱۳۱۳۷۳	۲۲۷۷۳	۱۵۴۱۰۶
بنگال	۱۳۹۳۷۷	۱۳۷۷۳۰	۲۷۷۱۰۷
پٹی	۱۰۷۷۲۳	۱۰۷۷۲۳	۲۱۷۷۴۵
پنجاب	۷۲۷۳۳	۷۲۷۳۳	۱۴۷۷۶۶
برما	۲۲۷۷۷	۲۲۷۷۷	۴۷۷۵۴
بہار	۸۳۷۳۹	۸۵۷۷۷	۱۶۷۷۱۶
سی پٹی	۲۷۷۷۷	۲۷۷۷۷	۵۷۷۵۴
آسام	۲۷۷۷۷	۲۷۷۷۷	۵۷۷۵۴
ملی برطانوی ہند	۶۰۷۷۷۷	۶۰۷۷۷۷	۱۲۰۷۷۵۴

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کا مسلسل سلسلہ
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرے سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چھ ماہ
کے بعد نئی ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

ان تمام صحاب کے لئے

جو

قیمتی متن و صنعت کی قیمتی شایر کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکہ، اور نقش، پرانے زیور، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی، عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مہارت و سعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گوش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتی قصبہ آئینہ مندک آنداں ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے فوائد حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ قاتر کے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی سال میں ہم جتنی فراہم کرتے ہیں

اگر آپ کے پاس فی اور موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت
مکمل جو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے لئے

منیجر "البلغم پریس"

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ
راہچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی
دوسے سجدہ کن افراد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام
کی زمامداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز و تہ
بہت تمام نفع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت بارہ آنے (۱۲/۱)
(میںبر الملک)

اگر آپ کو

د

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شک

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سو قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت چاہتے

ہیں تو

یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہینا

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کرے

نہ

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیا سکیں

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے!

ایسی

مکمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بک برٹن

The Dunlop Guide
To Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے

ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائنل قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ

ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر کام

دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز سرخ اور سنہری پیل ٹون

سے نرین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کہے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اِسْتِشْهَادِی

مِلّیّہ دہلی
ابن عربیہ

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورژہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اس کا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رتبہ کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کر کے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کرتبیں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

الہلال

ایک ہفتہ وار مرسوٰ رسالہ

نمبر ۲۳

کلکتہ : جمعہ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ ہجری

جلد ۱

Calcutta : Friday, 25, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزوں نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیں۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی تمام تقاضا ایک بار دور کر دی جائیں۔
الہلال

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۱۷۴۲ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۵۰	اردو حروف کی حق میں	۴۵۲
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۶۸۰	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۲۹۰	نستعلیق ہون	۱۶۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کریں گی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔
الہلال

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے ۔

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا ۔

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں ایذا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسد میں دیدی گئی ہے ۔

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو ایذا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر اندظام کر لیجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں ۔

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر ایذا نام و پتہ ضرور لکھ دیں ۔

(۸) ایسے حرا ب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا ۔

قیمت لباس میں "قنصل" (نپولین) کے ساتھ ساتھ پہرا کرتا تھا اور پیرس کی مخلوق کے دیکھ کر متعجب رہ جاتی تھی!

قنصل مقرر ہونے کے بعد نپولین اس محل میں اٹھ گیا، جو حکومت نے اسے دیا تھا۔ رات کو اس کے خاص کمرے کی نگہبانی رستم ہی کے ذمے تھی۔ وہ رات بھر دروازے پر پڑا رہتا تھا، اور کسی کو اندر جانے نہیں دیتا تھا۔

ایک دن جوزیفائن کو معلوم ہوا کہ نپولین کے ساتھ ایک عورت موجود ہے۔ وہ غصے میں بھری ہوئی اٹھی اور کمرے میں گھس پڑنا چاہا۔ مگر رستم دروازے پر سو رہا تھا۔ اس کے خواتے اتنے بلند اور خوفناک تھے کہ جوزیفائن ڈر گئی۔ شمع ہاتھ سے گر پڑی، اور بدحواس الٹے پاؤں بھاگی!

دن کے وقت رستم کے فرائض یہ تھے کہ صبح اپنا آقا کو حجامت میں مدد دیتا تھا۔ نپولین نہایت تک مزاج تھا۔ بار بار چلا اٹھتا تھا "گدھے! آئندہ سیدھا کر۔ خوش قسمتی سے تیرا آقا مصری نہیں ہے۔

وہ رنہ گردن آزا دیتا!" حجامت کے بعد اپنے آقا کو نہلاتا تھا۔ پھر اس کے ساتھ دفتر جاتا تھا اور ایک لمحہ کیلئے بھی جدا نہیں ہوتا تھا۔

کلیپر کہتا ہے:

"نپولین نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ لیکن وہ اپنی فیاضی سے دوسروں کی محبت خرید لیا کرتا تھا۔ ہمیشہ جوتے میں اپنی تمام جیت، رستم کو دیدیا کرتا۔ ایک مرتبہ پانچ دن کے اندر تین ہزار فرنک رستم کو مل گئے۔ اس تقرب کی وجہ سے تمام خدام رستم پر حسد کرنے لگے تھے۔ صرف خادم ہی نہیں، بہت سے بڑے بڑے آدمی بھی جلتے تھے۔ ان کا خیال تھا: رستم کی یہ تمام قدردانی صرف اس لیے ہے کہ وہ اس کے دشمنوں کو خفیہ قتل کر دالنا ہے۔

رستم نپولین کے ساتھ سایہ کی طرح لگا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ فرج کی قواعد کے وقت بھی آقا کے گھوڑے کے پہلو میں اس کا عربی گھوڑا نمایاں نظر آتا تھا۔ گھوڑے پر چیتے کی کھال کا زین ہوتا تھا۔ زین پر سونے کا کام تھا۔ خود رستم کا لباس، ریشم کا کارچوبی ہوتا۔ در در تک اس کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔ وہ اس قدر شاندار ہوتا تھا کہ رستم، عرب پادشاہ معلوم ہوتا تھا، اور نپولین اس کا فرنگی سپہ سالار۔ تھیٹر میں بھی وہ نپولین کے پہلو میں بیٹھتا تھا۔ تمام نظریں غلام کی شان و شوکت کے تماشے میں معرہ ہوجاتی تھیں!"

جب کبھی وہ راستے میں تنہا ہوتا، مخلوق ہجوم کر کے ساتھ ہوجاتی۔ مسرت کے نعرے بلند ہونے لگتے۔ اپنے فاتح آقا کی طرح یہ غلام بھی اپنی عظمت و غرور میں مدھوش رہتا تھا۔ وہ بالکل پورا نہ کرتا کہ لوگ اس کی تعریف میں نعرے لگا رہے ہیں، یا تضحیک کر رہے ہیں!

عکا کے یہاں قیام کرے۔ رستم نے لکھا ہے کہ احمد باشا نے اپنی دوستی کا حق اس طرح ادا کیا کہ مصری امیر کو زہر دے کر مار ڈالا!

(نپولین تک رسائی)

رستم نے اب اپنے سامنے ایک نئی مصیبت دیکھی۔ مجبوراً مصر بھاگ گیا۔ مصر میں ایک دوست نے اسے مشہور خاندان بکری کے سجادہ نشین شیخ السادات کی خدمت میں پیش کر دیا۔ شیخ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اپنے غلاموں کا انسر بنا دیا۔

شام کے حملے سے واپسی پر نپولین کے استقبال کیلئے مصر کے تمام امراء شہر کے باہر کھڑے تھے۔ سید بکری بھی موجود تھے۔ وہ نپولین کی سواری کے لیے ایک گھوڑا بھی لے گئے تھے۔ گھوڑے کی لگام، رستم کے ہاتھ میں تھی۔ نپولین نے گھوڑا شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا۔ چند دن بعد در غلاموں کی فرمائش کی۔ سید بکری نے در غلام حاضر کر دیے۔ انہی غلاموں میں ایک رستم تھا۔

نپولین نے اپنی خدمت میں لیتے وقت رستم کو ایک مرمغ تلوار اور طلائی دستے کے دو طینچے عطا کیے۔ (فرانس میں داخلہ)

فرانس کی واپسی میں رستم بھی نپولین کے ساتھ تھا۔ راستے میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ ایک دن نپولین کے ساتھیوں نے سنانے کیلئے کہ دیا کہ "جنرل تمہیں اس لیے ساتھ لیے جاتا ہے، تاکہ پیرس کے جلسے میں تمہاری بھینٹ چڑھائے" سادہ لوح غلام ڈر گیا، اور داربلا مچانا شروع کر دیا۔ نپولین نے سنا تو بہت ہنسا۔ اور وہ تمام رقم اسے بخش دی، جو دوران سفر میں اپنے ساتھیوں سے جوئے میں جیتی تھی!

نپولین نے رستم کو مارسیلز میں چھوڑ دیا۔ ہر طرف لوگوں کی نظریں اس پر پڑتی تھیں۔ عورتیں تو اسپرٹ پڑیں۔ اس کے عجیب مشرقی اطوار اور چرکسی چشم و ابرو آنکے لیے نئی قسم کی چیز تھی۔ چند دن بعد نپولین کا اسباب لیکر وہ پیرس ورتہ ہوا۔ راستے میں ڈاکو مل گئے، اور تمام اسباب لوٹ لیا۔ رستم کی مرمغ تلوار اور چھ ہزار فرنک کی تھیلی بھی چھین لی۔

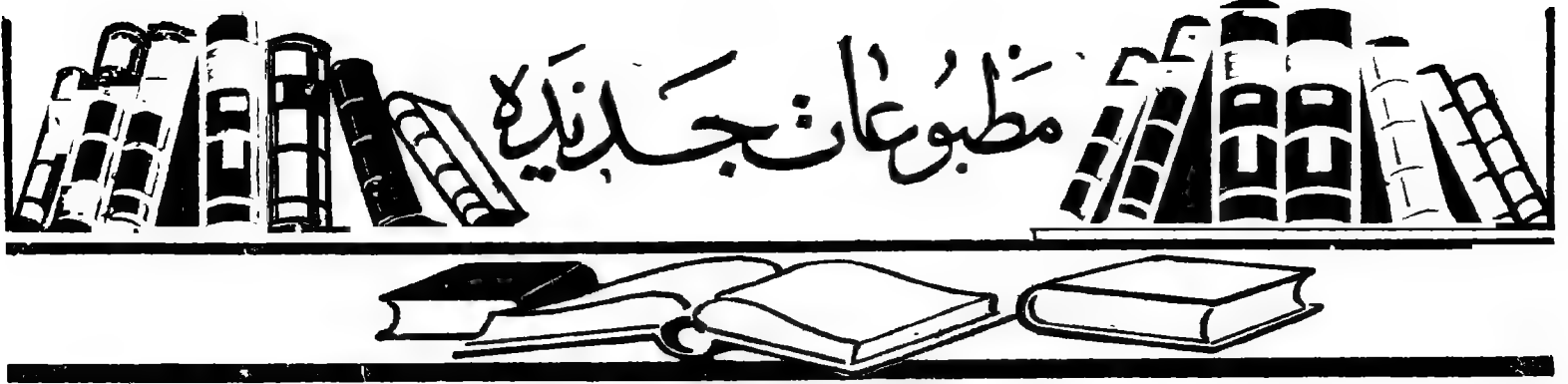
جوزیفائن، نپولین کی بیوی، رستم کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اپنی خدمت میں قبول کر لیا۔ بعد میں لوگوں نے اس پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیں۔ کہا گیا کہ جوزیفائن غلام پر عاشق ہے۔ اسی قدر نہیں، بلکہ یہاں تک کہا گیا کہ نپولین رستم کو معصیٰ اسی نیت سے لایا تھا، تاکہ جوزیفائن کیلئے دلچسپی کا سامان مہیا کر دے، اور خود اس کی نگرانی اور رشک سے آزاد ہو جائے۔

(رستم اور پیرس)

کچھ ہی سبب ہو، لیکن پیرس میں رستم کے ظہور نے نپولین کی عظمت میں غیر معمول اضافہ کر دیا تھا۔ رستم اپنے پیش



شیخ خلیل بکری نقیب السادات مصر، جس کے ذریعہ نپولین کو رستم ملا



رستم بن رضا

(نپولین کا چرکسی غلام اور معتمد)

رستم بن رضا کوفان سنہ ۱۷۸۲ع میں تغلیس (قوزاق) میں پیدا ہوا۔ اُس کا بچپن کوہ قاب کے مرغزاروں میں بسر ہوا تھا لیکن زمانے کے انقلابات نے اُس کے دل و دماغ پر اُس سرزمین کے حسن و جمال طبیعت کا کڑی اثر باقی نہیں چھوڑا۔ وہ نہ تو شاعر ہوا، نہ مصور۔ اُس کی قسمت میں ایک عجیب انسان کا عجیب غلام بننا تھا!

نپولین کے سکرٹری میڈول نے اپنے روز نامے میں لکھا ہے:

”رستم کا باپ طیب تھا۔ بعض مورخین نے اُسے تاجر بھی بتایا ہے۔ اُس کے چار اولاد تھے۔ ان میں ایک رستم تھا۔ سنہ ۱۷۹۵ء تک وہ اپنے والدین کے ساتھ رہا۔“

خود رستم نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ وہ اپنی ماں سے از حد محبت رکھتا تھا۔ یہی محبت اُس کی تمام مصائب کا سبب ہوئی۔ باپ نے اُسے گھر سے نکال دیا اور وہ آرزو گدوں کی طرح گاؤں گاؤں پھرے لگا۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں وہاں کے امراء میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ رستم اس جنگ میں قید ہوگیا اور بہت دنوں تک ایک قلعہ میں بند رہا۔ پھر وہاں سے بھاگا نا کہ اپنی ماں کی کفالت کرے۔ اب وہ اپنے شہر سے علیحدہ ہوگئی تھی اور چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ لے کر کسی طرف چلی گئی تھی۔

بہت تلاش کے بعد رستم نے ماں کا پتہ لگالیا اور اُس کے ساتھ رہنے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد اُس نے ارادہ کیا کہ کسی شہر میں جا کر آباد ہو جائے اور اپنے خاندان کی پرورش کا انتظام کرے۔ وہ سب کو ساتھ لے کر چل دیا، مگر راستے میں بردہ فروش قزاقوں نے گھیر لیا اور پورا قافلہ گرفتار ہوگیا۔ بردہ فروشوں سے ایک مالدار عورت نے رستم کو خرید لیا اور اپنا لڑکا بڑا کر گھر میں رکھا۔ لیکن اُس کے شہر کو گھر میں اس خوبصورت نوجوان کی موجودگی ناگوار ہوئی۔ اُس نے مصر کے ایک امیر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

مصری امیر رستم کو مصر لایا۔ پھر اپنے ساتھ مکہ معظمہ لے گیا۔ حج کے بعد دس دنوں شام کے راستے واپس ہوئے۔ مگر ابھی راہ ہی میں تھے کہ معلوم ہوا ”نپولین نے مصر پر قبضہ کر لیا ہے۔ امیر نے فیصلہ کیا کہ مصر نہ جائے اور اپنے دوست احمد باشا جزائر والی

الہلال کے گذشتہ نمبر میں ہم نے ایک جرمن اہل قلم کی جدید کتاب کا ذکر کیا تھا جس میں اُس نے نپولین کے بعض غیر

مشہور گوشہ ہائے حیات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ابھی اس کتاب کی بہت سی دلچسپ اور عبرت انگیز داستانیں باقی ہیں، لیکن ہم چاہتے ہیں، مجلس کے تبدیل ذائقہ کیلئے اُس کے ایک دوسرے حصہ پر قارئین الہلال کو توجہ دلائیں۔ یہ حصہ بھی تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے پچھلی داستانوں سے کمتر نہیں ہے۔ اس میں نپولین کی درباری زندگی کی ایک عجیب و غریب تاریخی شخصیت سے آنکی تقریب ہوگی۔ یہ شخصیت دس برس تک نپولین کے تمام عجائبات زندگی کی طرح یورپ کی ایک عجیب و غریب ہستی کا درجہ رکھتی تھی۔ حالانکہ اُسکی ابتدائی زندگی اس طرح شروع ہوئی تھی کہ وہ مصر کا ایک چرکسی غلام تھا!



رستم بن رضا

یورپ کے تمام مورخین نے اس کا

نام رستم بن رضا لکھا ہے۔ فرانس کے قیام کے بعد اُس نے فرانسیسی زبان میں اسقدر قابلیت حاصل کر لی تھی کہ آخری عمر میں اپنی یادداشت حیات قلمبند کی۔ اس یادداشت میں اُس نے خود اپنے قلم سے اپنے ابتدائی حالات لکھے ہیں۔ جرمن مصنف ہمیں بتلاتا ہے کہ یہ کتاب اس کے پیش نظر ہے۔

(مہیب آقا اور عجیب غلام!)

گزشتہ صبی کے ارائل میں رڑے زمین پر ایک طرفانی آندھی آئی۔ اُس نے بادشاہوں کے تخت اُلت دیے۔ تاجداروں کے تاج گرا دیے۔ یہ ایک مہیب جبار تھا جس کے سامنے تمام یورپ سر بسجود ہوگیا تھا۔ اس مہیب آقا کے ساتھ ہمیشہ ایک عجیب و غریب غلام بھی دیکھا جاتا تھا۔ مہیب آقا نپولین تھا، اور عجیب الہیئت غلام رستم تھا!



حجۃ ابراہیمی

ایہ کریمہ ”الم قرالی الذی حاج ابراہیم“ کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریقہ

(از مولانا ابر الکلّام)

(۳)

انفوس ۛ کہ محل اس کا متحمل نہیں کہ مثالوں کے بیان میں اظہار سے کام لیا جائے۔ ورنہ آپ دیکھتے کہ تفسیر قرآن کا کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ۛ جو اس غیر قرآنی طریق تفسیر سے متاثر نہ ہو چکا ہو، اور اصلیت پر بے شمار پردے نہ پر گئے ہوں۔ اگر آپ صرف امام راغب اصفہانی کی مفردات ہی اُٹھا کر دیکھ لیں جو آج کل کے نئے محققین قرآن میں سے اکثر کا ترشہ عام ۛ، تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ نہ صرف قرآن کے مطالب ردائل کی صورت بدل دی گئی ۛ، بلکہ اُس کے تمام الفاظ کے لیے بھی ایک نیا فلسفیانہ قاموس ترتیب دیدیا گیا ۛ، اور وہ چیز جسے اپنے ”عربی مبین“ ہونے پر ناز تھا، اب ایک مشکل ترین عجمی چیستان بننے لگی ۛ!

(آیت زیر تدبر)

اب جب کہ یہ تمہیدی مطالب ایک حد تک واضح ہو گئے ہیں، آیت زیر تدبر کی تفسیر نہایت سہل ۛ۔ چند سطروں کے اندر تمام مشکلات دور ہو جائیں گی۔ البتہ تفسیر سے پہلے چند مبادیات کی مختصراً تشریح اب بھی ضروری ۛ:

(۱) اس آیت میں قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے عہد کے ایک انسان کا مکالمہ نقل کیا ۛ۔ سب سے پہلی اور بنیادی غلطی جس کی وجہ سے تمام مشکلیں پیدا ہو گئی ہیں، یہ ۛ کہ مکالمہ کی نوعیت ہی غلط سمجھ لی گئی ۛ۔ آیت میں ”حاج“ کا لفظ آیا ۛ: الم ترالی الذی حاج ابراہیم فی ربہ۔ یعنی کیا تمہیں اُس آدمی کا حال معلوم نہیں جس نے ابراہیم سے پروردگار عالم کے بارے میں حجت کی تھی؟ چونکہ مفسرین متکلمین کے دماغ میں منطقی طریق مناظرہ و حجت ہوا تھا، اور انبیاء کرام کے حجج و براہین فطریہ کو بھی جامہ پہنانا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے اس مکالمہ کو ”مناظرہ“ مصطلحاً منطبق قرار دیدیا، اور پھر لگے فن مناظرہ کے تمام اصول و اداب اُس پر

تمہارا فرض ۛ کہ اس نازک وقت میں اپنے نہ نہ چہرے پر ”نیولین“ کو امید نہیں تھی کہ رستم دوسرے دن دیکھا تو وہ موجود تھا۔ اُس نے اپنے جانے پر افسوس و ندامت کا بظہار کیا اور نیولین کا سب سے صاف ہو گیا۔

میں نیولین نے اپنی ناکامیوں سے مضطرب ہو کر زہر ڈاکٹروں نے اُسکی جان بچالی۔ ایک دن اُس نے رستم سے پستول طلب کیا۔ رستم نے مارشل برتیہ سے مشورہ کیا۔ مارشل نے کہا جو جی میں آئے کر۔ میں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔ لیکن بعض دوستوں نے کہا۔ اگر شہنشاہ خود کشی کرلیگا تو دنیا تمہیں کو الزام دے گی۔ کہا جائیگا، تم نے دشمنوں سے رشوت لیکر پستول نیولین کے حوالہ کر دیا۔ تاکہ وہ خود کشی کر لے۔

اس واقعہ کو رستم نے حیلہ بنایا، اور نیولین سے ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو گیا۔ جلا وطن ہوئے وقت شہنشاہ نے اپنے غلام کی بابت سوال کیا۔ اور جب اُس کی بے وفائی کا حال سنا تو قدرتی طور پر بہت رنجیدہ ہوا۔

رستم کی بے وفائی اسی پر ختم نہیں ہو گئی، بلکہ وہ دو مرتبہ انگلستان بھی گیا۔ وہاں نیولین کے دشمنوں کے سامنے اپنا شاہی خلعت پہن کر جایا کرتا تھا۔ انگریزوں کے ہاتھ اُس نے اپنے آقا کی بہت سی یادگاریں بھی بیچ ڈالیں۔ انہی میں سونے کا ایک تکرہ بھی تھا۔ اس پر لکھا تھا ”نیولین کی یادگار اپنے وفادار غلام رستم کے لیے“

۷۔ دسمبر سنہ ۱۸۴۵ع کو اُس کا انتقال ہوا۔ اُس کی قبر اب تک پیرس میں موجود ۛ، اور اُس پر یہ عبارت کندہ ۛ: ”بہاں شہنشاہ نیولین کا غلام رستم رضا سو رہا ۛ“

اُس کی زندگی ہی میں اُس کے دونوں لڑکے مر چکے تھے۔ صرف بیوہ اور ایک لڑکی باقی رہی۔ لڑکی کی شادی ایک فرانسیسی تاجر سے ہو گئی تھی۔

الہلال کو

اشاعت کی کمی کی شکایت نہ ہوتی، اگر مصارف کی زیادتی پیش نہ آتی۔ سنہ ۱۹۱۴ع میں الہلال کی یہی قیمت تھی۔ یعنی بارہ روپیہ سالانہ، مگر تمام طباعتی اشیاء کی قیمت موجودہ قیمتوں سے آدھی تھی۔ اس وقت اگرچہ الہلال کا حلقہ اشاعت اردو کے تمام رسالوں سے زیادہ ۛ، لیکن مصارف کی زیادتی کی وجہ سے اب تک آمدنی اور خرچ برابر نہیں ہو سکے ہیں۔ کیا آپ اس معاملہ پر توجہ ضروری نہیں سمجھتے؟ اگر ضروری سمجھتے ہیں تو توسیع اشاعت کے لیے کوشش کیجیے۔

(منیجر الہلال)

(رستمی فیشن)

پیرس کی نازنینوں کے لیے رستم ایک متحرک فتنہ بن گیا تھا۔ وہ اُن کی نظر میں مشرقی حسن و جمال کا ایک پر اسرار ہیکر تھا۔ یہاں تک کہ اُس کے لباس کی بھی نقل اتاری جانے لگی۔ پیرس کا سب سے زیادہ مقبول فیشن ”رستمی فیشن“ ہو گیا۔ خود جوزیغالن اِس لباس پر فخر کرتی تھی۔ فرانس سے نکل کر یہ فیشن جرمنی پہنچا، اور لوئزا ملکہ پروشیا تک نے اختیار کر لیا۔ عورتوں کی طرح مرد بھی اِس کی تقلید کرنے لگے تھے۔ یہ بیماری ایسی عام ہوئی کہ خود نیپولین بھی مبتلا ہو گیا۔ اُس نے بھی رستم کا سا لباس اپنے لیے بنوایا تھا اور برے برے جلسوں میں پہن کر جاتا تھا!

اُس عہد کے ماهر مصوروں نے رستم کی تصویریں آناریں۔ اخبارات و رسائل نے خاص اہتمام سے شائع کیں۔ پورے یورپ میں اُس کی شہرت عام ہو گئی۔

جب نیپولین کی تاج پوشی قریب آئی، تو اُس نے درباری درزی کو حکم دیا کہ رستم کے لیے پیش قیمت خلعت طیار کرے۔ یہ خلعت اِس قدر گرانبہا تھا کہ صرف کوٹ پر سات ہزار تین سو فرانک خرچ ہوئے تھے۔ جوئے کی قیمت ایک سو بیس فرانک تھی۔ یہ رقم اُس زمانے میں ایک شاہی لباس ہی پر خرچ ہو سکتی تھی!

تاج پوشی کے جلوس میں رستم اپنے خاص لباس میں ملبوس شہنشاہ کے پہاڑ پہلو چل رہا تھا۔ وہ خود بھی اپنے گھوڑے پر ایک شہنشاہ معلوم ہوتا تھا۔ ہر طرف اُس کے اعزاز میں تالیوں کا شور بلند تھا!

(مفتہاء عروج)

رستم نے اپنی زندگی کے بہترین ایام شہنشاہ نیپولین کے زیر سایہ بسر کیے۔ دربار میں اُسے اتنا عروج حاصل تھا کہ خاص و عام سب حسد کرتے تھے۔ نیپولین جب کوئی شہر فتح کرتا تھا تو شاہی گاڑی میں فاتح کے پیچھے رستم ہی بیٹھتا تھا۔ نا واقف اُسے سلطنت کا رکن اعظم خیال کرتے تھے۔ بہت سے لوگ اُس کی خوشامدیں کرتے، تا کہ اس کے ذریعہ نیپولین کی خوشنودی حاصل کر لیں!

جب نیپولین پیرس میں ہوتا تو رستم کو درگھڑتے تفریح کی اجازت ملتی۔ وہ اپنے اُن دوستوں سے ملنے جایا کرتا جن کے یہاں خوبصورت عورتیں ہوتیں۔ لیکن میدان جنگ میں اُسے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ کیونکہ اُس کے فرائض ہر لمحہ اُسے شہنشاہ کے ساتھ رہنے پڑے۔ پڑ مجبور کرتے تھے۔ وہی اس کے لیے کھانے کا بھی انتظام کرتا تھا۔

نیپولین کے کھانے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ بسا اوقات وہ کھائے بغیر ہی سو جاتا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نیپولین آدھی رات کو اپنے بستر پر گیا اور کھانا طلب نہ کیا۔ رستم نے خیال کیا، اب وہ کھانا نہیں کھائگا۔ اُس نے بھنی ہوئی مرغی خوشی خوشی کھانا شروع کر دی۔ لیکن ابھی آدھی مرغی بھی کھانے نہیں پایا تھا کہ نیپولین نے کھانا مانگا۔ رستم بہت گھبراہٹا، مگر اب کر ہی کیا سکتا تھا؟ وہی بچی ہوئی مرغی لیکر حاضر ہو گیا۔ نیپولین دیر تک مرغی دیکھتا رہا۔ پھر غلام پر غضبناک نظریں ڈالیں اور کہا ”میں نہیں جانتا تھا کہ بعض مرغیوں کا صرف ایک ہی بازو اور ایک ہی

ٹانگ ہوتی ہے۔ مجھے کبھی اِس بات کا دھم بھی نہیں گزرا تھا کہ دوسروں کا جھوٹا کھانا پڑے گا!“

رستم ترک گیا۔ رنگ فق ہو گیا۔ کانپتی ہوئی آواز میں کہنے لگا ”مہربان آقا! میں بہت بھوکا تھا۔ پہلے ارادہ صرف ران کھانے کا تھا۔ مگر افسوس۔ بازار بھی میں نے کھا لیا!“ نیپولین ”چپ ہو گیا“ اور مرغی کھائی، صبح اُس نے ایک سپہ سالار کو بعض احکام دینے کیلئے طلب کیا۔ رستم بھی سامنے کھڑا تھا۔ نیپولین نے سپہ سالار سے کہا ”تم نے کچھ سنا؟ کل رات میں نے اُٹنے رستم کا پس ماندہ کھایا تھا! ملعون! ادھر آ۔ میں تیرے کان ملونگا۔ خبردار، پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا!“ یہ کہہ کر نیپولین زور سے ہنس پڑا۔

(شادی)

رستم، اپنے آقا کو رستم پیرس کی عورتوں سے اپنے عشقیہ معرکوں کی داستانیں سنایا کرتا تھا۔ نیپولین کو اِن راقعات سے بڑی دلچسپی ہوتی تھی اور وہ غلام کی ہمت افزائی کیا کرتا تھا۔ آخر رستم کا یہ شوق رنگ لایا۔ اور وہ ایک عورت پر عاشق ہو گیا۔ اُس نے شہنشاہ سے شادی کی درخواست کی۔ نیپولین نے پہچا ”وہ کچھ مالدار بھی ہے؟“ رستم نے جواب دیا ”جب تک حضور کے قدموں سے لگا ہوں، مجھے مال کی کیوں فکر ہو؟“ نیپولین کو یہ جواب پسند آیا اور شادی کی اجازت دیدی۔

یکم فروری سنہ ۱۸۰۶ء میں ہلکونڈرائٹن دریل سے رستم کی شادی ہو گئی۔ خود شہنشاہ جلسہ میں شریک ہوا، اور تمام خرچ اپنی جیب خاص سے ادا کیا۔ شادی کے ایک برس بعد لڑکا پیدا ہوا۔ رستم نے اُس کا نام ایشیل رکھا۔ نیپولین کو یہ بچہ بہت پیارا تھا۔ اکثر بلا کر اُس سے کھیلا کرتا تھا۔ جب وہ لوٹتا تھا، تو اُس کی دونوں مٹھلیوں میں اشرفیاں ہوتی تھیں!

نیپولین کو رستم اِس قدر عزیز تھا کہ سفر اٹلی کے موقع پر جب وہ بیمار ہو گیا تو نیپولین نے چلتے وقت اُس سے کہا ”رنج نہ کرنا۔ میں جلد واپس آؤں گا۔ میری بیوی تمہاری خبر لیگی۔“

خود رستم نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ شہنشاہ اُس پر بے حد مہربان تھا۔ شروع میں نیپولین نے اُس کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں کی تھی۔ ایک دن اتفاق سے یاد آگیا تو فوراً ۱۲۰۰ فرانک مقرر کر دیے۔ تھوڑی ہی مدت بعد یہ رقم درگنی کر دی گئی۔ یعنی ۲۴۰۰ فرانک ملنے لگے۔ نیز ۲۴۰۰ فرانک شکار میں بادشاہ کی بندوق اٹھانے کیلئے، اور ۹۰۰ فرانک دائمی انعام کے طور پر بھی ملتے تھے۔ اس کے علاوہ کھیل میں جسقدر روپیہ نیپولین جیتتا تھا، سب اسے دیدیتا تھا۔ عیدوں اور جشنوں کے موقع پر بھی بہت کچھ دیتا تھا۔ چنانچہ ۲۰۰۰ فرانک سنہ ۱۸۰۸ء میں دیے۔ ۳۰۰۰ سنہ ۱۸۱۰ء میں دیے۔ ۴۰۰۰ سنہ ۱۸۱۱ء میں دیے۔ ۶۰۰۰ سنہ ۱۸۱۳ء میں دیے۔ ۶۰۰۰ سنہ ۱۸۱۴ء میں دیے۔ پھر معزلی سے پہلے ایک مرتبہ یکمشت ۵۰۰۰۰ فرانک عطا کیے!

(رستم کا خاتمہ)

لیکن افسوس ہے کہ مصیبت کے وقت رستم بے وفا ثابت ہوا۔ آنا کے تمام احسانات بھول کر اُس سے رخ پھیر لیا!

۶۔ اپریل سنہ ۱۸۱۴ء میں، نیپولین کو تخت سے دست بردار ہونا پڑا تھا۔ وہ جب جزیرہ البانیا کی طرف روانہ ہوتے لگا، تو رستم بلا اجازت اپنی بیوی سے مشورہ کرنے چلا گیا۔ بیوی شریف تھی۔

کہتے ہیں) اور مصر کے فرعون کا (جو کچھ بھی اُس کا نام ہو) ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے اُن کا ذکر ایسے لفظوں میں کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس خدا کے اقرار سے منکر تھے جسکی دعوت حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے اُنکے سامنے پیش کی تھی، اور خود اپنی خداوندی اور خداوندی کی طاقتوں کا دعویٰ رکھتے تھے۔ چونکہ مفسرین کے پیش نظر صحیح تاریخی معلومات نہ تھیں، اسلیے وہ صحت کے ساتھ اس انکار اور ادعا کی نوعیت متعین نہ کر سکے۔ یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ دونوں پادشاہ اپنی خدائی کے اس معنی میں مدعی تھے کہ وہی صانع کائنات ہیں۔ چنانچہ دونوں مقامات کے تمام مکالمات و مخاطبات میں فریق ثانی کی یہی اعتقادی حیثیت قرار دی گئی ہے اور اسلیے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کے تمام دلائل و ارشادات اسی پہلو سے دیکھے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ بات حقیقت حال کے خلاف ہے، اسلیے اس کی وجہ سے طرح طرح کے نئے الجھاؤ پیدا ہو گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف دنیا کی تاریخی معلومات کی بنا پر، بلکہ خود قرآن حکیم کی تصریحات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں آج تک کسی انسان نے بھی اس معنی میں خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ وہی صانع کائنات ہے۔ ایسا دعویٰ کرنا، بلکہ ایسے ادعا کا تخیل کرنا فطرت انسانی کے اسدرجہ خلاف ہے کہ کوئی انسانی ہستی اسکی جرأت ہی نہیں کر سکتی۔

تحریر اندازہ سے زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے، اسلیے اس مقام کے دلائل و مباحث درج نہیں کیے جاسکتے۔ حقیقت حالی سمجھنے کیلئے حسب ذیل اشارات کافی ہونگے:

اولاً، نوح انسانی نے خدا کی صفات کے تصور میں جو تھوکر بن کھائی ہیں، من جملہ اُن کے ایک عالمگیر گمراہی شاہیت و الہیت کا تشابہ ہے۔ یعنی شاہیت کے اختیارات نے بھی مافوق الفطرت اختیارات کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ جب کبھی کوئی انسان اپنی غیر معمولی جسمانی قوتوں سے مخالفوں کو زیر کرے پادشاہ بن جاتا، لوگ خیال کرتے، وہ دیوتاؤں کا انسانی مظہر ہے، بلکہ خود بھی دیوتا ہے۔ پھر جب شاہیت نے نسل و خاندان کے سلسلہ کی صورت اختیار کر لی، تو کسی انسان کا شاہی نسل سے ہونا، اس کے دیوانہ رشتوں کی دلیل سمجھا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ اس خیال نے پوری طرح ایک عام عقیدہ کی نوعیت پیدا کر لی کہ پادشاہ انسان نہیں ہے۔ انسانیت سے بلند تر ہستی ہے۔ اسکی طاقت بھی الہی طاقت، اور اسکا حکم بھی حکم خداوندی ہے۔

قرآن حکیم نے بابل اور مصر کے جن دو پادشاہوں کا حال بیان کیا ہے، اُنکی اور اُن کے قوم کی گمراہی یہی تھی۔ وہ اپنی قوم میں ایک دیوتا کی طرح مانے جاتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ ان دو انسانوں نے خصوصیت سے اسکا دعویٰ کیا تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ پادشاہ تھے، اور پادشاہ کیلئے ایسا ہی اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔

ثانیاً، اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ مفسرین کا یہ سمجھنا کہ فرعون اور نمرود نامی دو انسان خدائی کے مدعی تھے، صحیح نہیں ہے۔ جس طرح کبھی خدائی کے یہ مدعی تھے، اُس طرح کبھی خدائی کا اعتقاد اُس عہد کے بے شمار پادشاہوں اور پادشاہی کے سلسلوں کیلئے رہ چکا ہے۔ ہندوستان میں بھی پادشاہ کے لیے ایسا ہی اعتقاد موجود تھا۔ حتیٰ کہ اُن کا سلسلہ نسب چاند سورج سے ملا دیا گیا تھا۔ نثارپور کی ابتدائی تاریخ بھی

مجیب کے فرائض ہیں۔ جو مدعی ہو، اسے دلیل پیش کرنی چاہیے۔ جو منکر ہو، اسے توڑ کرنا چاہیے۔ چونکہ مقصود اس تمام گھر خانہ سے اسکاٹ خصم ہے۔ یعنی مخاطب کو چپ کر دینا، اس لیے تمام اصول و آداب اسی محور کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ امام رازی نے جب اسے مناظرہ قرار دیا، فوضوری ہوا کہ پوری بات اسی سانچے میں ڈھال کر دکھا دی جائے۔ بات اُس سانچے میں ڈھلتی نہیں۔ بس ساری مشکلیں اسی سے پیدا ہو گئی ہیں۔

آپ خود اپنے استفسار میں لکھتے ہیں:

”یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ ہے، جس میں نمرود کی حیثیت خدائی کے مدعی کی ہے اور حضرت ابراہیم اُس کے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاہتے ہیں“

یہ جو آپ نے ”در اصل مناظرہ ہے“ کہ دبا، بس یہی تمام فساد کی جڑ ہے۔ ”مناظرہ ہے“ تو حضرت ابراہیم کی حیثیت ایک مناظر کی ہے۔ اگر وہ مناظر ہیں، تو چاہئے کہ اُن قواعد کلام سے سرمر تجاوز نہ کریں جو فن مناظرہ کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ یا مثلاً رشیدیہ میں درج ہیں۔ اور چاہیے کہ بد بخت نمرود بھی اُنہی مقدمات اور مبادیات کے مطابق سرگرم ضلالت و شقاوت ہو، جو ہم شرح مواقف وغیرہ میں پڑ چکے ہیں!

امام رازی اور متکلمین کے اصول تفسیر یہی ہیں، اور آپ بھی اُنہی کے قدم بقدم چلنا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم ”مناظر“ مصطلحہ قوم کیوں ہوں؟ اور اگر وہ مناظر ہوں، تو کیوں اُن تمام گھرے ہوئے قاعدوں کے پابند ہوں جو علوم و ضعیفہ کی تدوین کے بعد ہم نے اپنے اوپر لازم کر رکھے ہیں؟ کونسی عقل کی قطعیت اور وحی کی تنزیل موجود ہے کہ حضرت ابراہیم کو بھی اُن قواعد کلام کی پابندی کرنی چاہیے جو مناظرہ رشیدیہ میں ہم رت چکے ہیں؟ یا جنہیں بحر العلوم نے اپنے حواشی میں لکھا ہے؟ ”مناظر کے لیے یہ جائز نہیں“ اور ”مستند کے لیے یہ ضروری ہے“ سوال یہ ہے کہ کیوں جائز نہیں؟ کیوں ضروری ہے؟ اور کیوں ان اصول مرضوعہ اور قواعد مصنوعہ ”ما انزل اللہ بہا من سلطان“ کے انبیاء و رسل پابند ہوں؟ کیوں ان کے لیے جائز نہ ہو کہ سر موران سے تجاوز کریں؟ کیا مصیبت ہے کہ قرآن عربی زبان میں آرتا ہے۔ تمام فصحاء قریش اُس کی فصاحت کے آگے سر بسجود ہو جاتے ہیں، لیکن چار سو برس کے بعد ہمارے مفسرین بحث کرتے ہیں کہ سیدوہ اور کسائی کے بنائے ہوئے قواعد کے مطابق وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ چار ہزار برس پہلے ایک داعی الی الحق فطرت الہی اور وجدان انسانی کے مطابق رشد و ہدایت کا دروازہ کھولتا ہے، اور ایک منکر حق کو شک و انکار کی جگہ یقین و ایمان کی راہ دکھلا دیتا ہے، لیکن پانچویں صدی ہجری میں امام رازی آکر بحث کرتے ہیں کہ منطقی طریق مناظرہ کے مطابق یہ مکالمہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور پھر چودھویں صدی میں آپ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشکلات حل نہیں ہوتیں۔ مشکلات حل ہوں تو کیسے ہوں جب صدیوں سے مشکلات ہی کو بلارا دے دے کر سمیٹا گیا ہے، اور اصلیت کی سادگی و وضاحت اور صناعت کی کج اندیشیوں اور پیچیدگیوں کے اندر گم ہو گئی ہے؟

(۳) ایک دوسری بنیادی غلطی جو یہاں الجھاؤ پیدا کر رہی ہے، حضرت ابراہیم کے مخاطب کی اعتقادی حیثیت ہے۔ مفسرین سے ایک سخت تسامح قرآن حکیم کے اُن مقامات کی تفسیر میں ہوا ہے، جہاں بابل کے اس پادشاہ کا (جسے نمرود

عظمیٰ سمجھتے ہیں، جسے ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منہ سے نکلوا دینا، انکی بزرگی کی بڑی ہی دلیل اور اُنکے مرتبہ نبوت و خلعت کی بڑی ہی جبروتی ہے!

اس سے بھی بڑھ کر اعجب العجائب معاملہ یہ ہے کہ قرآن حکیم اس مقام پر جس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے، وہ یہی ہے کہ انبیاء کرام کا طریق دعوت، ”ہدایت“ کا طریقہ ہوتا ہے۔ ”جدل“ و ”حسومت“ کا نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت خلیل نے باوجود اس کے کہ ایک الد الخصام کچ بھٹی کرنے لگا تھا، سرشتہ ہدایت ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور مجادلانہ نزاع کی جگہ طریق ہدایت سے اُسے اعتراف حق پر مجبور کر دیا۔ لیکن متکلمین ہیں کہ عین اسی مقام کو مجادلانہ انداز استدلال کی شکل دے رہے ہیں، اور بڑی کڑ کندنیں اور کڑ برادرینوں کے بعد ثابت کر دینا چاہتے ہیں کہ اصل حقیقت یہ نہیں ہے۔ بالکل اس سے الٹی ہے۔ یعنی طریق طریق جدل اور مناظرہ ہے۔ نہ کہ ارشاد الی الحق اور ہدایت الی المقصد!

تفسیر کبیر کا یہ پورا مقام پڑ جائیے۔ معلوم ہوتا ہے، حضرت خلیل اور نمرود کا مکالمہ منطقیوں کی ایک اچھی خاصی مجلس مناظرہ ہے۔ ایک طرف نمرود بیٹھا ہے، اور ایک پختہ کار فلسفی کی طرح شفا اور اشارات کے تمام مباحث رت چکا ہے۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم ہیں، اور امام رازی اور قاضی عیض کے علم کلام کا ایک ایک لفظ نوک زبان رکھتے ہیں۔ نمرود ایک سوال کرتا ہے۔ یہ اُس کا جواب دیتے ہیں۔ وہ ان کے جواب کا توڑ کرتا ہے، اور نئے مقدموں میں الجھانا چاہتا ہے۔ یہ ایک شاطر مناظر کی طرح فوراً پیترا بدلتے ہیں، اور انہی مقدمات کے دائرے سے اُسے گرا دینا چاہتے ہیں۔ وہ سبب اور واسطہ کے طرف رخ کرتا ہے۔ یہ حرکت افلاک کا پیچ کس دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت نبوت نہ ہوئی۔ میر زاهد اور سیالکوٹی کا مباحثہ ہو گیا! حاشا وکلا کہ انبیاء کرام جو تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کے لیے آئے ہیں، یہ مجادلانہ انداز سخن اور مخاصمانہ طریق مخاطبیت رکھتے ہوں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی یہ طریق تفسیر تسلیم کر لیا جائے تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لینا پڑے گا کہ دنیا کے سارے نبیوں اور رسولوں کی سب سے بڑی بڑائی یہ تھی کہ وہ منطقی اور متکلم ہوں۔ لیکن اگر یہی معیار نبوت ہے، تو دنیا کا سب سے بڑا نبی ارسطو تھا جس نے سب سے پہلے منطق کے اصول و قواعد سے دنیا کو آشنا کیا، نہ کہ ابراہیم خلیل اور محمد بن عبد اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام، جن کا لکھنے پڑھنے کے طریقے سے آشنا ہونا بھی ثابت نہیں!

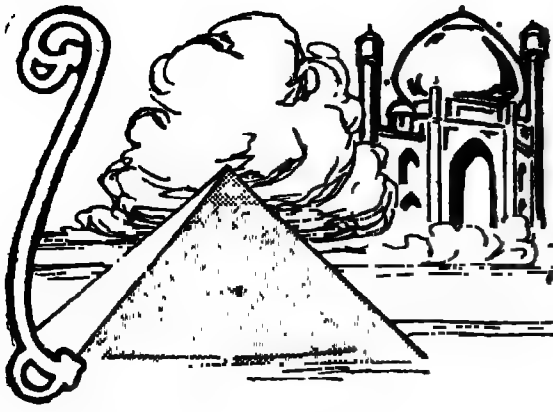
(۲) اب غور کیجیے۔ اس مکالمہ کو ”مناظرہ“ قرار دیکر کس طرح انہوں نے اپنے آپکو مشکلات کے حوالہ کر دیا ہے؟ اگر یہ ”مناظرہ“ ہے، اور حضرت ابراہیم کی بڑی فضیلت یہی ہے کہ مناظرین کی طرح مخاطب کو سخن پروری میں ہرا دیں، تو ضروری ہے کہ مناظرہ کے جو اصول و آداب وضع کیے گئے ہیں، انہیں کسی نہ کسی طرح اس مکالمہ پر منطبق کیا جائے۔ مصیبت یہ ہے کہ وہ منطق نہیں ہوتے۔ کیونکہ سرے سے یہ مناظرہ مصطلحہ قریب تھا ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مشکلات کا کوئی تشفی بخش حل نظر نہیں آتا۔ فن مناظرہ رضعیہ کے لحاظ سے پہلی چیز فریقین کی حیثیت کا تعین ہے۔ یعنی اُن میں سے کون مدعی ہے کون منکر۔ کون مثبت ہے، کون منفی۔ پھر مستدل کے واجبات ہیں، اور

منطبق کرنے، اور جب منطبق نہ ہو سکے تو لا یعنی اور دراز توجیہیں کرنے لگے۔ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں سب سے پہلی بات جو کہتے ہیں، یہی ہے کہ ”والقصہ الاولیٰ مناظرۃ ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم مع ملک زمانہ“ (جاد ۲: ۳۱۷) جو بھی انہوں نے اس معاملہ کو ”مناظرہ“ کے لفظ سے تعبیر کیا، حقیقت سے الگ ہو گئے، اور پہلا قدم ہی اُلٹا پڑ گیا۔ اب جس قدر اُنکے بڑھتے جاتے ہیں، حقیقت سے زیادہ دور ہوتے جاتے ہیں، اور یکے بعد دیگرے الجھاؤ پر الجھاؤ پڑتے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق ”المسئلۃ الاولیٰ“ اور ”المسئلۃ الثانیہ“ اور ”الاشکال الاول“ اور ”الاشکال الثانی“ کا سلسلہ یہاں بھی پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ جاری رکھا ہے، لیکن جب جواب کا موقع آیا ہے، تو پانچ پانچ اور چہ چہ وجوہ اشکال بیان کرنے کے بعد ایک شافی جواب بھی نہیں دے سکتے، اور ایک ایسے طریقہ سے جو پڑھنے والے کو حیرت و ارتباب میں غرق کر دیتا ہے، رخصت ہو جاتے ہیں!

امام رازی کے بعد جس قدر مفسرین پیدا ہوئے، سب نے اس مکالمہ پر اسی حیثیت سے نظر ڈالی۔ البتہ حافظ عماد الدین ابن کثیر جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے تلامذہ میں سے ہیں، اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ سلف کے طریق تفسیر سے آشنا ہو چکے تھے، اس لیے ان موشگافیوں میں نہیں پڑے۔ بلکہ صاف صاف کہ دیا ”وهذا التذلل علی هذا المعنی احسن مما ذکره کثیر من المنطقیین“ (حاشیہ فتح البیان جلد ۲: ۱۵۹) یعنی یہ مطلب اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو بہت سے منطقیوں نے قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ منطقیوں کے طریقہ سے الگ رہ کر بھی وہ پوری طرح اُن کی لغزشوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ یعنی اس الجھاؤ سے وہ بھی نہ نکل سکے جو حضرت ابراہیم کے ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل اختیار کرنے کے معاملہ میں پڑ گیا تھا۔

یہ بات معلوم کرنے کیلئے کہ متاخرین کی پیدا کی ہوئی مشکلات سے متقدمین کس طرح معذور نہ، امام ابن جریر طبری کی تفسیر پر نظر ڈالیے جو محدثین کے صاف اور سادہ طریق پر روایات جمع کر دیتے ہیں۔ انہوں نے سرے سے یہ فتنہ انگیز لفظ ”مناظرہ“ استعمال ہی نہیں کیا ہے۔ وہ ”حاج ابراہیم فی ربہ“ کا ترجمہ ”الذی خاسم ابراہیم فی ربہ“ کرتے ہیں، جو فی الحقیقت اس محل کیلئے خود قرآن کا بتلایا ہوا لفظ ہے، اور پھر سیدھا سادھا مطلب بیان کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔

یہ راضع رہے کہ ہمیں یہاں مناظرہ کے لغوی اطلاق سے اختلاف نہیں ہے، بلکہ اصطلاحی اور وضعی اطلاق سے اختلاف ہے۔ وضعی علم کی اصطلاح میں ”مناظرہ“ ایک خاص فن ہے جس میں مباحثہ کے اصول و آداب وضع کیے گئے ہیں، اور اس کا مقصد اسکاٹ خصم ہے۔ یعنی جھگڑنے والے کو چپ کر دینا۔ نہ یہ کہ اسے شکوک دور کر دینا۔ نہ صرف یہ کہ انبیاء کرام کا طریق بیان یہ نہیں ہوتا، بلکہ قرآن بتلاتا ہے کہ کسی طالب حق کا بھی طریقہ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ طلب حق اور علم حقیقت کی راہ نہیں ہے۔ ”جدل“ اور ”تخصومت“ کی راہ ہے۔ اب غور کیجیے۔ یہ کیسی مصیبت ہے کہ جس طریق بحث و کلام کو قرآن مذموم ٹھہراتا ہے۔ اسی کو ہمارے مفسرین متفلسفین محمور و مطلوب قرار دیتے ہیں، اور قرآن کے تمام دلائل اور انبیاء کرام کے تمام مکالمات و مخاطبات کو اُسی شکل و صورت میں آراستہ کرنا چاہتے ہیں، اور پھر ذہن کی اس کچی اور فکری اس مرض کو علم و معرفت کی ایک ایسی



اثار عتیقہ



علم الاثار مصر کا جدید ذخیرہ



فراعنہ مصر کے عظیم ہیکل

ریمیسس ثانی اور اُسکی لڑکی کا مجسمہ جس کے محل میں
حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے !



جاتا تھا کہ ہر روز طلوع آفتاب کے وقت اس میں سے الہی نغموں کے ترانے بلند ہوتے تھے۔ اب یہ بالکل ٹوٹی پھوٹی حالت میں برآمد ہوا ہے۔ لیکن علم کی خوش قسمتی سے اس کے کتبے محفوظ ہیں اور پوری طرح پڑھے جا سکتے ہیں۔

ان کے بعد آپ دو بڑی تصویریں اور تلوں دیکھ رہے ہیں۔ پہلی تصویر ایڈیس مندر کی ایک دیوار پر کندہ ہے۔ اس میں مصریوں کے دو دیوتا دکھائے گئے ہیں۔ ہورس اور اسالرس۔ ہورس ہر طرح کی اچھائیوں کا معبود تھا۔ اسالرس سورج دیوتا تھا۔ مصری یقین کرتے تھے کہ سورج دیوتا کی بہن اور لڑکی ”آئی سس“ نے اپنے مقدس آنسوؤں کے چند قطرے ملا کر ہمیشہ کیلیے دریائے نیل کو شیریں اور مقدس بنا دیا ہے !



گذشتہ دس سال کے اندر علم الاثار مصر میں جدید انکشافات کا جو اضافہ ہوا ہے، وہ نہایت قیمتی ہے اور علماء آثار کا خیال ہے اس سے مصری اثریات میں تحقیق و نظر کا ایک نیا دور شروع ہو جائیگا۔ رادیو الملوک اور الاقصر کے دو مقبروں کا حال نہایت تفصیل کے ساتھ دنیا کے علم میں آچکا ہے، لیکن ان مقبروں کے علاوہ اور بھی بے شمار نئی نئی چیزیں ہیں جو تاریخ مصر کے بعض اہم زمانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور اسلئے علماء آثار ان کے درس و مطالعہ میں مشغول ہیں۔

آج ہم قارئین الہلال کی دلچسپی کے لیے ان میں سے بعض اہم آثار کا مرقع شائع کرتے ہیں۔

سب سے پہلے آپ کی نظر در چھوٹی

چھوٹی تصویر پر پڑے گی، جن میں سے ایک پر منقش تصویریں ہیں۔ عرسری میں ایک شکستہ مجسمہ نظر آ رہا ہے۔ پہلی تصویر ایڈیس مندر کی ایک دیوار کا مرقع ہے جس میں فرعون ”سٹی“ اور اپنے معبود کے سامنے کھڑا ہے اور اسے نذر پیش کر رہا ہے۔ مرقع میں فرعون کی صورت اور وضع اتنی نزاکت اور خوبی کے ساتھ کندہ کی گئی ہے کہ مصر کے تمام حجرے مرقعوں میں صرف چند تصویریں ہی اس کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ اس مرقع میں ہمارے سامنے چار ہزار برس پہلے کا ایک انسان اپنی اصلی صورت و وضع میں کھڑا ہے !

دوسرا مرقع مصری دیوتا ”ممین“ کا بت ہے۔ اس کی نسبت یقین کیا



دوسرا مرقع ایک عظیم مجسمہ کا نہایت قیمتی ٹکڑا ہے جو الاقصر سے برآمد ہوا ہے۔ نقش کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل فرعون ریمسس دوم کا مجسمہ تھا۔ تصویر میں صرف کمر سے لیکر پاؤں تک کا حصہ نمایاں ہے۔ پاؤں کے پیچھے ایک عورت کا چہرنا ہوا مجسمہ ہے جو کھڑی ہے۔ یہ ریمسس کی لڑکی ہے۔ ریمسس دوم وہی فرعون ہے جس کے محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہی لڑکی محل شاہی کی رہ عورت ہے جس نے دریا سے حضرت موسیٰ کو نکالا تھا !

یہ اوصاف ٹھیک ٹھیک اُس متکبرانہ انداز سخن کے مطابق ہیں جو اس مکالمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح عربوں میں شاہان رزم 'قیصر' شاہان ایران کسریٰ، اور شاہان مصر فرعون کہے جاتے تھے، اسی طرح بابل کے پادشاہوں کے لیے 'نمرد' کا لفظ بطور لقب کے مشہور ہو گیا تھا۔ یہ لقب بے اصل بھی نہ تھا، کیونکہ جس طرح رزم میں سیزر اور ایران میں خسرو پادشاہوں کا نام رکھا تھا، اسی طرح بابل کے پلے فرمانروا کا نام نمرد تھا۔ پس ابتدا میں جب لوگوں نے یہ کہا ہوگا کہ مکالمہ نمرد سے ہوا، تو اُن کا مقصد یہ ہوگا کہ بابل کے ایک پادشاہ سے ہوا۔ یہ مطلب نہ ہوگا کہ نمرد نامی انسان سے ہوا تھا۔

رباعاً 'یونانی مورخوں کے بیانات اور علم الآثار کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بابل کو اکب پرست تھے۔ اسی کو اکب پرستی نے انہیں علم ہئیت کے علمی مبادیات سے آشنا کیا تھا۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ اجرام سماویہ کائنات کی ایسی ملکوتی ہستیاں ہیں جنہیں تدبیر و تصرف عالم کی تمام قوتیں حاصل ہیں۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، انہی کے عمل و تصرف سے ہوتا ہے۔ ان میں سات ستارے بڑے دیوتا ہیں، اور سورج ان سب میں بڑا ہے۔ آج کل علم نجوم کے نام سے جو خرافات دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، یہ ہندوستان اور بابل ہی کی کو اکب پرستی کا بقایا ہیں۔ اپنے پادشاہوں کی نسبت اُن کا بھی وہی اعتقاد تھا، جو اُس عہد کی تمام قوموں کا رکھا تھا۔ یعنی وہ سورج دیوتا کے زندہ مظہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کی تقدیس بھی اسی طرح کی جاتی تھی، جیسی تمام دیوتاؤں کی کی جاتی تھی۔

(۳) مکالمہ کے آخر میں ہے: "فہت الذی کفر" یعنی جب حضرت ابراہیم نے دوسری دلیل پیش کی تو مجادل کچھ نہ کہہ سکا۔ ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ مفسرین نے اس مکالمہ کو منطقی مناظرہ بنا دیا تھا۔ مناظرہ اور جدل کا ماحصل یہ ہے کہ مخاطب کو لا جواب کر دیا جائے۔ اس لیے انہوں نے "فہت الذی کفر" کا مطلب یہ قرار دیا کہ حضرت ابراہیم کی دوسری دلیل کے جواب میں وہ کوئی بات نہ بنا سکا۔ اس لیے مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابراہیم کی بات کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکا تھا۔ اور شرح چشمی اور کج بحثی کی جگہ اُس پر حیرانگی کی حالت طاری ہو گئی تھی، لیکن یہ حیرانی محض اس بات کا نتیجہ نہ تھی کہ وہ سخن پروری میں لا جواب ہو گیا تھا۔ کیونکہ ابھی تفصیل کے ساتھ آپ سن چکے ہیں کہ انبیاء کرام کی مخاطبت بات میں لا جواب کر دینے کے لیے نہیں ہوتی۔ یقیناً ایمان کے لیے ہوتی ہے۔ پس اُس کے مبہوت ہو جانے کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابراہیم کی دوسری بات اُس کے دل میں اتر گئی۔ پہلی بات پر تو اُس نے مجادلانہ کج بحثی کر کے جواب دیدیا تھا۔ کیونکہ اپنے جہل و ضلالت کی وجہ سے اُسکی حقیقت سمجھ نہ سکا تھا۔ لیکن دوسری بات اُسکی فکری اور اعتقادی استعداد کے مطابق کچھ ایسی دل کو لگتی ہوئی تھی، کہ سننے ہی متاثر ہو گیا، اور تیر نشانہ پر لگ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ یعنی وہ سچائی جسے اپنی کور چشمی کی وجہ سے اب تک نہیں دیکھ سکا تھا، اب یکایک اُس کے سامنے چمک اُٹھی، اور باوجود کمالِ تمرد اور ضلالت کے اُس میں جھٹلانے اور شرح چشمی سے کج بحثی کرنے کی جرأت باقی نہ رہی!

اسکی شہادت دینی ہے۔ ہنر اسرائیل نے جب فلسطین اور شام پر قبضہ کیا تو جو قومیں وہاں آباد تھیں، اُن کا بھی اپنے پادشاہوں کی نسبت ایسا ہی خیال تھا۔ خود قرآن اور تورات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصری زندگی کے جو واقعات بیان کیے ہیں، اُن کا تعلق بھی ایک پادشاہ سے نہیں ہے۔ ہر پادشاہوں سے ہے جو اپنے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے تھے۔ ایک فرعون رہا جس کے محل میں حضرت موسیٰ پیدا ہوئے۔ دوسرا رہا جو اُن کا تعاقب کرتا ہوا خلیج سوئز میں غرق ہوا۔ اگر فرعون کے ادعاء الوہیت سے مقصود یہ ہوتا کہ وہ کسی ایک انسان کا شخصی ادعا تھا، تو ظاہر ہے، بغیر کسی امتیاز کے دونوں کی نسبت ایک ہی طرح کی ادعائی ذہنیات قرآن کیوں ظاہر کرتا؟ دراصل قرآن نے اسی لیے اُن کے ناموں کی جگہ اُن کا عام لقب "فرعون" استعمال کیا۔ کیوں کہ کسی ایک پادشاہ کا تمرد و طغیان دکھلانا مقصود نہیں تھا۔ تمام فراعنہ کا طغیان دکھلانا مقصود تھا۔

بہر حال قرآن حکیم نے ان دونوں پادشاہوں کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ انسانی گمراہی کی ایک خاص حالت کا نمونہ دکھلا دے۔ اس نوع کی گمراہی کے لیے یہ کامل قسم کے نمونے تھے۔ اس لیے انہی کو بطور مثال لے چن لیا گیا۔

باقی رہے فرعونوں کے وہ متکبرانہ اور مدعیانہ اقوال جو قرآن حکیم نے نقل کیے ہیں، تو اُن میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو خدا بمعنی صانع کائنات سمجھتے تھے۔ چونکہ مفسرین نے یہی مطلب گہرا لیا تھا، اس لیے ان کی نظر آیات کے صاف صاف مطلب کے طرف نہیں گئی۔ دوسری راہوں میں پہنچ گئے۔ لیکن یہ محل تفصیل کا نہیں ہے۔

ثالثاً، آیت زیر تدبر میں جس پادشاہ کا ذکر کیا گیا ہے، اُس کی شخصیت بھی صحیح طور پر منعین نہیں کی گئی۔ عام طور پر مشہور ہے کہ وہ نمرد تھا۔ لیکن بابل اور نینوا کے آثار قدیمہ سے جس قدر معلومات فراہم ہو چکی ہیں، اُن سے اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی۔ "نمرد" سے مقصود وہ پادشاہ ہے، جس کے خاندان نے سب سے پہلے بابل پر حکمرانی کی تھی۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ مشہور شخص "آر" پنجم تھا جس کے سوانح حیات کی منقش اینٹیں جرمن رند کی کوششوں سے سنہ ۱۹۰۴ء میں برآمد ہوئی ہیں۔ ان اینٹوں کی عبارت سے جو خط مسماری میں کندہ ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ نمرد اور اُس کے خاندان کا زمانہ دو ہزار سات سو برس قبل مسیح تھا۔ اگر تورات کے سنین تسلیم کر لیے جائیں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ دو ہزار تین سو برس قبل مسیح کا زمانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس حساب سے حضرت ابراہیم کا ظہور نمرد سے کئی سو برس بعد ہوا ہے۔ اُن کے زمانہ میں نہ صرف نمرد کی، بلکہ اُس کے خاندان کی بھی حکومت باقی نہیں رہی تھی۔

خاندان نمرد کے دو سو برس بعد بابل میں ایک نیا سلسلہ شاہی قائم ہوا جسے "ایلامی" خاندان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس خاندان کا ایک پادشاہ دو ہزار تین سو برس قبل مسیح بابل میں حکمران تھا جس کا نام "کادرا امر" تھا۔ غالباً یہی پادشاہ حضرت ابراہیم کا معاصر تھا، اور اسی سے اُن کا یہ مکالمہ ہوا ہے۔ بابل کے آثار میں اس پادشاہ کی تصویریں اور بعض فرامین کی اینٹیں بھی ملی ہیں۔ ان کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت خود سر اور جبار تھا۔ اُس کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ آسمانی دیوتاؤں کا قہر و جبروت اُس کے اندر مجسم ہو گیا ہے۔

علم اور مسیحی کلیسائے

کتاب پیدائش اور تخلیق کائنات

برمنگھم کے بشپ کا کفر اور زندہ !

تھوڑا عرصہ گزرا ہے، لندن سے ریوٹر ایجنسی نے یہ خبر تمام دنیا میں مشہور کر دی تھی کہ برمنگھم کے لارڈ بشپ نے ریسٹ منسٹر میں تقریر کرتے ہوئے ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جس نے یورپ کے تمام کلیسائی حلقوں میں ہلچل ڈال دی ہے۔ اُس نے صاف صاف لفظوں میں اعتراف کر لیا ہے کہ پیدائش کائنات کا قدیم مسیحی اعتقاد (یعنی تورات کی کتاب پیدائش کا بیان) قابل ترمیم ہے اور

اب وقت آگیا ہے کہ ہم علمی تحقیقات کی مخالفت کرنے یا غلط مذہبی تاویلوں کے ذریعہ تطبیق دینے کی ناکام کوششوں سے باز آجائیں۔ یعنی تسلیم کر لیں کہ تورات کی کتاب پیدائش کا بیان ایک کہانی سے زیادہ نہیں ہے !

اس کے بعد ایک دوسرے واقعہ کی خبر سن کر ہلچل مچ گئی۔ بشپ جب سینٹ پال چرچ میں وعظ کر رہا تھا تو اچانک ایک واقعہ نے تمام مجلس میں اضطراب پھیلا دیا۔ ایک طرف سے تیز صدا اُٹھی ”یہ بدعت و زندہ کا معلم ہے“ لوگوں نے جب اُس طرف نظر اٹھائی، تو معلوم ہوا ”پادری کینن ریسنر غیظ و غضب کی شدت سے بے قابو ہو کر کھڑا ہو گیا ہے“ اور واعظ کے کفر و زندہ کا اعلان کر رہا ہے۔ اس پر غضب طربقہ سے مجلس کو اپنی طرف متوجہ کر کے اُس نے بشپ پر لعن و طعن کی بوجھار شروع کر دی۔

اور پھر یہ کہہ کر کہ ”ایسے زندیق کا وعظ سننا جائز نہیں“ اپنی جماعت کے ساتھ گرجے سے رخصت ہو گیا !

اب انگلستان کے اخبارات و رسائل میں اس معاملہ کی تمام تفصیلات آگئی ہیں۔ دراصل یہ معاملہ بھی اسی سلسلہ بحث کی ایک کڑی ہے جو سر آرثر کیٹھ کی تقریر (مندرجہ الہلال) سے تمام یورپ اور امریکہ میں چھڑ گیا ہے۔ بشپ اف برمنگھم کا نام ڈاکٹر بارنس ہے۔ اُس نے اسی تقریر کا حوالہ دیکر اپنے خیالات ظاہر کیے تھے۔ معاملہ کا اہم اور دلچسپ پہلو یہ ہے کہ یہ اعتراف برطانیہ کیسے کے ”ایک بہت بڑے ذمہ دار شخص کی زبان سے ہوا ہے۔ اُس نے پوری دلیری کے ساتھ وہ خیال علانیہ ظاہر کر دیا، جو آج ہزاروں لاکھوں عیسائیوں کے دلوں پر ثبت ہے !

یقیناً قارئین الہلال خواہشمند ہونگے کہ بشپ کی تقریر سے واقفیت حاصل کریں۔ ہم اختصار کے ساتھ اُس کا خلاصہ درج کر دیتے ہیں۔

بشپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا :

”اس عہد کے انسانوں سے میں کیا کہوں؟ کیا یہ کہوں کہ قدیم عقیدہ ہی پر استوار رہو؟ ہو گز نہیں۔ میں اُن سے جو کچھ کہہ سکتا ہوں، وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حق کی تلاش کرو۔ خوش ہو، کیونکہ تم ایک ایسی صدی کی مخلوق ہو، جو اپنی علمی ترقیوں کی وجہ سے تاریخ کی سب سے زیادہ عظیم الشان صدی ہے۔ میں اُن سے کہتا ہوں، جدید انکشافات کا خیر مقدم بجا لاؤ۔ علماء عصر کی تعظیم کرو۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھو کہ اس تمام علمی ترقی کے پیچھے ہم برابر ایک کثیف پردہ ہٹا دیکھتے ہیں۔ یہ پردہ، زندگی کے تمام بنیادی مسائل کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے، اور ہماری نظروں کو اُن کی حقیقت معلوم کرنے سے روک رہا ہے۔ تم پر فرض ہے کہ ان مسائل سے قریب تر ہو۔ تمہارا



پادری کینن ریسنر بشپ کے زندہ کا اعلان کر کے سینٹ پال سے واپس جا رہا ہے !

قلب ایمان سے لبریز ہو جائے۔ تمہاری رہبر، عقل ہو، نہ کہ خوش اعتقادی۔ اگر تم ایسا کر گے، تو تمہارا ایمان اُن دنوں جماعتوں سے مختلف ہوگا جن میں سے ایک نے مغرورانہ انکار کی اور دوسری نے جھٹلانہ خوش اعتقادی کی غلطی کی ہے !“

”سر آرثر کیٹھ کے خطبہ کے بارے میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ مذہب نشہ و ارتقاء کے مقابلہ میں ہمارا مسلک کیا ہونا چاہیے؟ کیا ہم حقیقت کو جدل کے موڑے پردوں میں چھپا دیں؟، میں تم سے آج یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم اس روشن زمانے کی مخلوق ہو کر، حقائق سے تجاہل نہیں برت سکتے !“

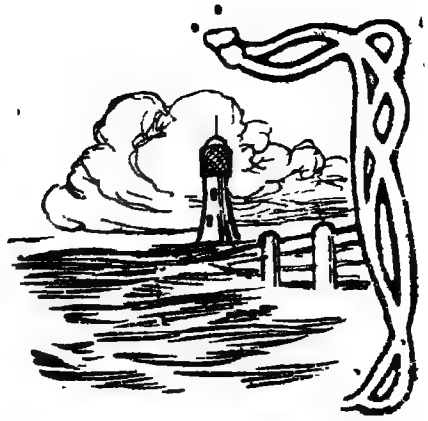
”کیا ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ لوگوں کی عقلوں میں شک پیدا کر دیں، حالانکہ یہ شک کا کوئی مرقعہ ہی نہیں ہے؟ کیا یہ مناسب ہے کہ مسیحی عقائد کی تاریخ

محض اس لیے بدل دی جائے کہ داروبن کا مذہب نیا نہیں ہے، پرانا مذہب ہے؟ یا یہ مناسب ہے کہ جدید حقائق تسلیم کرتے ہوئے حقیقت کا صاف صاف اعتراف کر لیں، اور تسلیم کر لیں کہ مسیحی عقائد کی بعض تقلیدی آراء قابل تبدیل ہیں؟“

”میرے خیالی میں آخری تجویز بہتر اور مناسب ہے۔ آؤ، ہم بے خوف و خطر حقائق کا دوسرا ہی خیر مقدم کریں، جیسا کہ وہ علمی حلقوں میں اپنا خیر مقدم دیکھ رہے ہیں۔ تمام اہل علم متفق ہیں کہ انسان نے بندر کی ایک قسم سے ترقی کی ہے ممکن ہے، انسان کی یہ ترقی دس لاکھ برس پہلے شروع ہوئی ہو۔ تمام حیوانی اصولوں نے مختلف سمتوں میں ترقی کی ہے، لیکن انسان کی حقیقی ترقی اُس کے دماغ اور فکری مرکزوں میں واقع ہوئی ہے۔ اسی لیے وہ اپنے ہم جنس حیوانوں پر بازی لگایا۔ بندر کی دوسری قسموں نے آرزو قسم کی ترقی کی۔ چنانچہ



برید جنگ



حدود کی وضاحت کیلئے لکیریس کھینچ دی گئی ہیں۔ اس میں لکیریس کی جگہ دیواریں کھڑی ہیں۔ یہ دیواریں کیا ہیں؟ تجارت کی حفاظت کی دیواریں ہیں جنہوں نے ہر قوم کو دوسری قوم کا دائمی رقیب بنا دیا ہے۔ فوجی اور ملکی حفاظت کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو یہی دیواریں متقابل دشمنوں اور حریصوں کو ایک دوسرے کے کچل ڈالنے سے رک رکھی ہیں۔ یہ دیواریں کب تک قائم رہیں گی؟ سر آرثر کہتے ہیں ”انہیں توڑ دو“ لیکن اگر انسان اس کے لیے آمادہ نہ ہو، تو عجب نہیں قدرت کی خانہ بر اندازیاں خود ہی انہیں توڑ کر تمام یورپ کو ایک کھلی زمین کی شکل میں منقلب کر دیں!

یورپ کا ایک نیا نقشہ

تجارت کی حفاظت اور آزادی کا حصار

مطالب کے بیان و تفہیم کا ایک موثر ذریعہ

بحث طلب مطالب پر تقریر کرتے ہوئے مقرر اور مدرس عموماً شمار و اعداد کی جدولوں یا تناسب کے رنگوں اور نقشوں سے کام لیا کرتے تھے۔ پھر میچک لینٹرن استعمال کیا جانے لگا۔ ایسے مطالب جن کے فہم میں تصاویر کا معاملہ مدد دیتا تھا، فانوس کی تصویروں کے ذریعہ ذہن نشین کیے جاتے تھے۔ حال میں سینما کی ایجاد نے بھی ایک زیادہ موثر اور اصلیت نما ذریعہ ہم پہنچا دیا ہے۔ امریکہ میں بحث و تقریر کے بے شمار کلب، سینما کا اسی طرح استعمال کرتے ہیں جس طرح عام طور پر میچک لینٹرن استعمال کیا جاتا ہے۔

لیکن جو طریقہ حال میں سر آرثر کلائیو مارٹنسن نے مجلس اقوام کے سامنے تقریر کرتے ہوئے تمثیل مطالب کے لیے اختیار کیا تھا، وہ ان تمام طریقوں سے جدا گانہ قسم کا ہے اور چونکہ نہایت آسان اور سادہ قسم کا ہے اس لیے نہایت درجہ پسند کیا گیا ہے۔ ان کی تقریر کا موضوع یہ تھا کہ تجارت کی آزادی اور بندش کے لحاظ سے اس وقت یورپ کی مختلف قوموں کا حال کیا ہے؟ اور کس طرح یہی چیز آئندہ ایک بین الاقوامی جنگ کا دروازہ کھول دینے والی ہے؟ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے انہوں نے یورپ کا ایک نقشہ اس طرح کا طیار کرایا کہ سرحد کے خطوط کی جگہ حصار کی دیواریں کھڑی کر دی گئیں اور تمام یورپ تیرھی سیدھی چار دیواریں کا مجموعہ بن گیا۔ نقشہ کے بننے کے بعد جب اس پر نظر ڈالی گئی تو معلوم ہوا جو حقیقت ایک بہت بڑی کتاب لکھ کر بھی واضح نہیں کی جاسکتی تھی اب وہ صرف اس نقشہ پر ایک نگاہ ڈال لینے سے سامنے آجاتی ہے۔ جنیوا کے پچھلے اجلاس کے مرقعہ پر یہ نقشہ حاضرین کے معائنہ کے لیے ایک نمایاں مرقعہ پر رکھ دیا گیا تھا۔

اس نقشہ کا عکس آپنے سامنے ہے۔ اگر یورپ کا نقشہ آپ کے کمرے میں آویزاں ہے تو پہلے اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ پھر اسے دیکھیے۔ یہ تھیک دھری نقشہ ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس میں

خریداران الہلال

توجہ فرمائیں

جن جن حضرات سے چھ ماہ کی قیمت وصول ہوئی تھی، ان کا حساب الہلال نمبر (۲۴) پر ختم ہو جائیگا۔ یعنی آئندہ نمبر سے بعد کے نمبر پر۔ اگر وہ آئندہ بھی الہلال کا مطالعہ جاری رکھنا چاہتے ہیں، تو دفتر نہایت شکر گزار ہوگا اگر وہ پی کی درخواست کی جگہ وہ بذریعہ منی آرڈر قیمت روانہ کر دیں۔ پی کی رقم وصول ہونے میں بہت تاخیر ہوتی ہے اور اس لیے پرچہ کے مسلسل اجراء میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ایک ہفتہ کے اندر قیمت بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں تو رجسٹر میں نمبر ۲۴ کے بعد سے انکی جدید خریداری کا اندراج ہو جائے اور پرچہ کی ترسیل بغیر کسی انقطاع کے جاری رہے۔

وہ کہنا ضروری نہیں کہ نئی شش ماہی جلد سے الہلال کا نیا دور حیات شروع ہوگا اور وہ اس حالت سے بالکل مختلف ہوگا جس حالت میں اس وقت تک نکلتا رہا ہے۔

منیجر

تاریخ و عبر

تاریخ جنگ صلیبی کا ایک صفحہ

عربوں کے آتش بار اسلحہ

لونی نہم کے مورخ کا چشم دید بیان

صلیبی جنگوں میں سب سے بڑی جنگ ساتویں جنگ تھی۔ یہ معلوم ہو کہ ان جنگوں میں تفریق پیش تھا، بلکہ اسی پر کوربا رہا تھا۔ اندا صلیبی مجاہدوں نے غلط کیا کہ مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے خود تعزیر حملہ کر دیا چاہئے۔ چنانچہ لونی نہم شاہ فرانس کی زیر قیادت ایک عظیم فوج یورپ سے روانہ ہوئی اور ساحل مدیٹھ پر آمدی آگئی جہاں دریائے نیل سمندر میں گرتا ہے۔

اس جنگ کی ایک مستند تاریخ اقوال کی یادداشتوں میں ملتی ہے۔ یہ شخص لونی نہم کا صاحب اور اس کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ دمیاط کی جنگ میں یہ ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہا۔ اس کے بیانات چشم دید ہیں۔ بادشاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے لونی دیم کا بھی صاحب تھا۔ اس نے یہ وہ ملک کے حکم سے یہ کتاب لکھی تھی جیسا کہ دنیا میں ظاہر کیا ہے۔

یہ کتاب اس عہد کی تاریخ کے لئے ایک نہایت قیمتی دستاویز ہے۔ تاریخ کی خوش قسمتی سے یہ ضائع نہیں ہوئی، اور شاہی کتب خانہ میں محفوظ رہی۔

اقوال کے بیان میں سب سے اہم واقعہ، مصری فوجوں کی جنگی استعداد اور آتش مادوں کی صلیبیوں پر بارش ہے۔ ان آتشی مادوں کو مورخ ”لونی آگ“ سے تعبیر کرتا ہے۔ اس تعبیر کی بنیاد یہ ہے کہ یہ آگ فی حقیقت یونانیوں ہی کی ایجاد ہے۔ مسلمانوں کو نیز لفظی سلطنت سے پہلے اس سے واقف ہوئی، اور صدیوں تک بطور ایک راز کے محفوظ رکھا۔ یہی وہ بے پناہ اسلحہ تھا جس کے ذریعہ آسمان سے مستلزم اور ساحل میں عربوں کو شکست دی تھی جنہوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا تھا۔

بیزنطینیوں کو اس آتشی مادے کا پتہ مسلمانین چھام کے عیدین لگا۔ یعنی ساتویں صدی عیسوی میں۔ اور تقریباً ۴۰۰ برس تک تھا وہی استعمال کرتے رہے۔ یہاں تک کہ گیارہویں صدی کے آخر میں عربوں نے کسی ذریعہ سے اس کی حقیقت معلوم کر لی اور اپنی جنگوں میں استعمال کرنے لگے جس طرح اس آگ نے بیزنطینیوں کے مقابلے میں عربوں کو نقصان پہنچایا تھا، اسی طرح عربوں کے مقابلے میں صلیبیوں کے لئے ملک ثابت ہوئی۔

یونانی طریقہ سے زیادہ مکمل اور دور رس بنایا تھا۔

یہ زائد، ملک صالح بن کامل کی حکومت کا تھا۔ بادشاہ اس وقت بیمار تھا۔ لونی نہم نے اسے سخت ہتھکڑیاں لٹکا، اور سچی قوموں کے نام پر مطالبہ کیا کہ مقرر اس کے حوالہ کرے۔ پھر بادشاہ نے قاضی بہاء الدین زہر سے جواب لکھوایا۔ یہ تاریخ جو اب تاریخ کے صفحات میں اب تک محفوظ ہے!

ملک صالح کی باری کی وجہ سے دمیاط کی مدافعت نہیں کی جاسکی اور صلیبیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اسلامی لشکر، مقام منصورہ میں جمع ہوا، اور بادشاہ کی وفات کے بعد ہی حملہ شروع کر دیا۔ اس حملہ میں اس سے زیادہ خوفناک حربہ دہی۔ یونانی آگ تھی، جس کی ہولناکی کھانا ہم اس مورخ کی زبانی نقل کرتے ہیں۔

وہ لکھتا ہے: ”ایک رات جب کہ ہم اپنے بروجوں کی حفاظت میں سرگرم تھے مسلمان میدان جنگ میں ایک ایسا آلا لائے، جسے اب تک انھوں نے پہنچا نہیں کیا تھا۔ پھر اس آگ کے ذریعہ یونانی آگ برسانا شروع کر دیا۔ آقا کے نامدار الشہداء کی طرف سے، جو میرے قریب ہی کھڑے تھے، یہ دیکھ کر کہا:

”بھائیو! اس وقت ہم ایک ایسے خطرے کے سامنے ہیں جیسا کہ کبھی پیش نہیں آیا۔ اگر مسلمان ہمارے بروجوں میں آگ لگا دیں گے تو بڑی ہی مشکل پیش آئے گی۔ اگر ہم یہاں کھڑے رہیں گے تو جگر خفاک سیاہ ہو جائیں گے۔ اگر ہٹ جائیں گے تو قلعے دشمن کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے اور ابد الابد تک ہماری ذلت در سوانی ہو جائے گی۔ لہذا اب اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ اپنے ہر ان خاک و گچا میں، اور اس سے غرت و سلامتی کی دعائیں کریں۔ صرف وہی ہیں بچا سکتا ہوں چنانچہ ہم نے اس دانشمند راز پر عمل کیا۔ جب ہم پر آگ کی پہلی بارش ہوئی اور بروج میں ہمارے سامنے آگ گرئی، تو ہم نے غداروں کے حضور سجدہ کیا اور نالہ و زاری کرنے لگے۔ آگ بجھانے والے پاس کھڑے تھے، اور بڑی مستعدی سے اپنا کام کر رہے تھے۔

یونانی آگ کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ایک عظیم مرتبان کی صف میں میدی جلتی ہے۔ بے نیزے کی طرح ایک بڑی سی دم اس کے پیچھے ہوتی ہے۔ اس کی آواز، بجلی کی کرک کی طرح ہولناک ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی جاتی درندہ ہوا میں آڑا جلا آہو چکا ہے۔ اتنی تیز ہوتی ہے کہ رات کی تاریکی میں اس کی آواز مسلمانوں نے سہرا

یہ آگ اس رات تین مرتبہ بڑے بڑے اٹھوں سے بجی اور چار مرتبہ جھلٹے اٹھوں سے۔

ہمارا مقدس بادشاہ جب مستحکم یونانی آگ آ رہی ہو تو اپنے شہر سے اتر کر زمین پر کھڑا ہو جاتا اور ہمارے نجات دہندہ خداوند سبحان کی طرف ہاتھ اٹھا کر جلاتا ہے اے آقا! معبود عظیم! اپنے خادموں کو بچالے! مجھے یقین ہے کہ بادشاہ کی دعاؤں سے ہمیں بہت نفع پہنچے گا۔ جب جب آگ آگرتی تھی، یہ مقدس بادشاہ فوراً آدی بھیکر معلوم کرتا تھا کہ آگ نے کیا کیا اور ہماری حالت کیا ہے؟ ایک رات ایسا ہوا کہ آگ اس بروج کے قریب آگرتی جس کی حفاظت ایک افسردہ کو رتسی نامی کے ذمہ تھی۔ فوراً ایک سولہ دو کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ”اگر آپ فوراً مدد نہیں آئیں گے تو ہم سب جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ کیونکہ مسلمانوں نے بہت بڑی شدت میں آگ بھینکنا شروع کر دی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے گناہ کا دنیا ہم پر آڑا جلا آ رہی ہے!“

میں دوڑ کر گیا۔ قاضی سوار کا بیان بالکل درست تھا۔ ہم فوراً آگ بجھا دی۔ لیکن ابھی ہم تاریخ ہی ہوئے تھے کہ مسلمانوں نے پھر بڑی شدت سے آتش باری شروع کر دی۔

بادشاہ کے بھائی، دن کے وقت بروجوں کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ وہ بروجوں پر چڑھ گئے تاکہ مسلمانوں پر تیر برسائیں۔ بادشاہ نے یہی طے کیا تھا کہ رات کو بروجوں کی حفاظت ہم لوگ کریں اور دن کے شاہ سہلی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ شاہ سہلی میرے بھائی کے مسلمانوں نے اپنی بندوقوں سے بہت سخت حملہ کر دیا اور تمام بروج تقریباً ٹوڑ ڈالے۔ انھوں نے یہی نہیں کیا، بلکہ دن دردن یونانی آگ کے آگے بھی نصب کر دیے۔ حالانکہ اب سے پہلے ہمیشہ رات ہی کو ان سے کام لیتے تھے۔ اب آگ برسے لگی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہہ کر کے قریب بھی بھینچیں لگا دیں۔ مٹی، مزدور بنا رہے تھے۔ یہ حالت ہو گئی کہ کوئی آدی نہ مل کے قریب جاسکتا تھا، نہ بروج کے قریب پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف بہت بڑے بڑے پتھر برس رہے تھے۔ دوسری طرف آگ کا طوفان برپا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بروج جل گئے۔ شاہ سہلی غصے کا نئے لگا۔ آگ بجھانے کے لئے وہ خود آگ کے اندر کودنا چاہتا تھا مگر اسے بچ لیا گیا!

بادشاہ نے جب یہ حالت دیکھی، تو تمام سرداروں کو دروغ کی کہتوڑی تھوڑی لکڑی اپنے اپنے ہاؤزوں سے ننگا دیں ہلکے ایک نیا بوج طیا کیا جائے اور ہر کوئی بوج کیا جاسکے۔

پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ بروج اس وقت چلایا جائے جب شاہ سہلی کی باری ہو، تاکہ پھلی شکست کا غم اس سے دور ہو جائے چنانچہ یہی کیا گیا، اور بروج اس مقام پر پہنچا گیا جہاں دوسرے بروج جل گئے تھے۔

مسلمانوں نے یہ دیکھ کر اپنی بھینچیں نصب کر دیں اور ایک وقت سب کے ہاتھ کھول دیے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہمارے آدی خوت زندہ ہو گئے ہیں تو فوراً یونانی آگ برسا اور شروع کر دی اور نیا بروج بھی جل کر راکھ ہو گیا!

اسی طرح یہ مورخ بڑی تفصیل سے دوسرے تمام معرکوں میں بھی اس یونانی آگ کے ذکر کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے بیانی کے مطابق ایک مرتبہ یہ آگ دوسرے سچی لشکر پر پھیل گئی تھی اور خود بادشاہ کا خیمہ بھی جلا ڈالا تھا!

شرق میں بیزنطینیوں کے بعد جب پہلے مصر اور شام کے مسلمانوں نے یہ آگ استعمال کی تو پھر دوسری اسلامی سلطنتوں نے بھی اسے معلوم کر لیا۔ چنانچہ اس کی مدد سے مسلمانوں نے

سے ہر ایسی تعریف کو انتہائی رنج و غم سے دیکھتا ہوں، جو مسیحی دین کو معقول بنیادوں پر استوار کرنے سے روکتی ہے۔

”بے شمار دلائل سے ثابت ہو چکا ہے، اور متقدم دنیا میں ہر مستند عالم اس کا اعتراف کر رہا ہے، کہ انسان نے ایک ایسی مخلوق سے ترقی کی جو بندر سے مشابہ تھی، انگلستان میں ہر روشن خیال مسیحی کا اعتقاد یہی ہے۔ یہاں کے تمام مشاہیر لاهوتی علماء بھی اس رائے کو خیال صحیح سمجھتے ہیں۔ یہ اعتراف مسیحیت کو آج بھی زیادہ مستحکم کر دے گا۔ کیونکہ یہ اس روحانی اساس کو جو ہم مسیح سے اخذ کرتے ہیں، اس درجہ معقول بنا دیتا ہے کہ کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔“

”ہم کتنا ہی انکار و مغالطہ کلم میں لائیں، مگر مسیح کی تعلیمات سے جو عہد جدید میں موجود ہیں، ہرگز ثابت نہیں کر سکتے کہ عہد قدیم کی کتاب پیدائش حرف بعرف صحیح ہے۔ لوگ یہ بھول گئے کہ کتاب مقدس روحی حقائق کا خزانہ ہے، نہ کہ تعلیم و تدریس کی کوئی علمی کتاب ہے۔ لوگ یہ مسیحی عقیدہ بھی بالکل بھول گئے کہ ”روح القدس برابر لوگوں کی عقلیں وسیع کرتی رہیگی تاکہ وہ حق تک پہنچ سکیں؟ یہ لوگ حق کے جاننے سے ڈرتے ہیں، کیونکہ سمجھتے ہیں، حق کے اعتراف سے مسیحی عقیدہ کمزور ہو جائے گا۔ مگر یہ اُن کی غلطی ہے۔ علم کی اس مقاومت کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہزار ہا طالب علم، مسیحیت کے دائرے سے یہ یقین کرتے ہوئے، نکل جائیں کہ مسیحیت کی بنیاد سراسر جہل و خرافات پر ہے!“

کمپونزم یا اشتراکیت

کمپونزم کے مداحوں کے بعض اقوال

اشتراکیت کا مطمح نظر، خیر مشترک ہے (نارمن انجل)

اشتراکیت کی سب سے بہتر مجمل تعریف یہ ہے کہ وہ سوسائٹی کے مادی اقتصادی قری کو منظم کر کے انسانی قری کے ماتحت کر دینا چاہتی ہے (راسے میکڈانلڈ)

اشتراکیت کی غرض بجز اسکے کچھ نہیں ہے کہ انسان کیلئے ایک نیا عالمگیر ضمیر پیدا کر دے (ولز)

اشتراکیت، تعلیمات مسیح کی عملی ضرورت ہے۔ (چارلس امون)

عملی اشتراکیت، حد سے زیادہ سادہ چیز ہے۔ یعنی عالمگیر انسانی تعاون کا نظام ایک حکومت کے ماتحت (رابرٹ)

اشتراکیت، ایک ایسی مثل اعلیٰ ہے جسے اب تک دنیا کی آنکھوں نے نہیں دیکھا (ہاتجس)

اشتراکیت، عنقریب محنت کو اس طور پر منظم کر دیگی، کہ ہر آدمی محسوس کرنے لگے گا، ”وہ اپنے عمل سے پوری نوع انسانی کی خدمت کر رہا ہے (رٹن)“

اشتراکیت کا مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ نظام جمہوری کے ساتھ زمیں اور سرمایہ کو قوم کی ملکیت بنا دے (برٹرنڈ رسل)

بندریچ شمپانزی، گریلا، ارانگ، اور اوتان کی قہموں کے ظہور کیا۔ یہ تمام بندر انسان کے قریبی عم زاد ہیں۔ علماء اس ترقی کی جزئیات میں کتنا ہی مختلف ہوں، لیکن کوئی در مستند عالم بھی اس معاملہ میں اختلاف نہیں رکھتے کہ انسان نے بندر ہی سے ترقی کی ہے۔ اور یہ، کہ یہ ترقی ایک مسلم و ثابت حقیقت ہے۔ دائروں کا مذہب پچاس برس سے موجود ہے اور پوری طرح صحیح ثابت ہو چکا ہے ...“

”علم الحیات کے مباحث سے ثابت ہو چکا ہے کہ شر اور برائی کا میلان انسان کی طبیعت میں فطری ہے، اور یہ اس نے اپنے اسلاف سے ورثہ میں پایا ہے۔ یہ بالکل یقینی ہے کہ انسان، ایک حیوان ہی ہو، اور اپنے اعضاء اور روح میں بندریچ ترقی کرے خالص حیوانیت سے اس درجہ تک پہنچ گیا ہو۔ وہ کوئی دیوتا نہ تھا، جو طہارت و تقویٰ کے لباس میں ملبوس، آسمان سے زمین پر اتر پڑا ہو۔ انسان کی روحی ترقی ہی نے اسے باقی تمام حیوانات سے ممتاز کر دیا ہے۔“

”ہمیں ہمیشہ حق کی جستجو میں لگے رہنا چاہیے۔ جب کبھی کبھی حقیقت پر پہرے پردہ آئے، تو قدیم سے قدیم تقلیدی خیال کے بھی ترک کر دینے میں ہمارے اندر کوئی پس و پیش نہیں ہونا چاہیے، اور نہ اس تبدیلی پر کسی طرح کا رنج محسوس کرنا چاہیے۔“

جب کبھی کوئی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، تو ایک خاص قسم کے لوگ چلا اٹھتے ہیں: ”ایمان خطرے میں پڑ گیا ہے!“

”لیکن میرا تاریخی مطالعہ مجھے بتاتا ہے کہ ایمان صرف اس وقت خطرے میں ہوتا ہے، جب عقل قید کر دی جاتی ہے، اور دماغ پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ”ہمیں مسیحی حقائق کو اسی طرح محفوظ رکھنا چاہیے، جس طرح ہمارے عقائد چلے آئے ہیں“ لیکن میں من گڑھت حقائق کے رجوع سے اپنی لاعلمی کا صریح اعلان کرتا ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں ”جدید خیالات کفر و العاد ہیں“، لیکن میں کہتا ہوں ”آج کا کفر ممکن ہے، کل کا ایک راسخ دینی عقیدہ بن جائے!“

”تمام وہ مسیحی جو تقلیدی بندشوں سے آزاد ہیں، جانتے ہیں کہ مذہب نشو و ارتقاء اور حقیقی مسیحی تعلیم میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ کیونکہ خدا اپنی قدرت تدریجی ترقی میں بھی اسی طرح ظاہر کر سکتا ہے، جس طرح فوری تخلیق میں۔“

یہ پہلا موقعہ نہیں ہے کہ اس موضوع پر اس بشارت نے اظہار خیال کیا ہے۔ اب سے درسال پہلے بھی ایسی قسم کے خیالات ظاہر کیے تھے۔ اس زمانے میں امریکا کے پروفیسر سکریس پر اس لیے مقدمہ چلایا گیا تھا، کہ اس نے ایک سرکاری مدرسہ میں اپنے شاگردوں کے سامنے دائروں کا مذہب پیش کر دیا تھا۔ اس مناسبت سے رسالہ ”نیچر“ نے بشارت مذکور سے اس مسئلہ کی نسبت استفتا کیا تھا۔ بشارت کا جواب حسب ذیل تھا:

”یہ جاسلانہ تعصب جس نے مذہب نشو و ارتقاء کی تعلیم کو امریکا کے سرکاری مدارس میں ممنوع قرار دیدیا ہے، ایک سخت مذموم تعصب ہے۔ مین آزادی خیال کا حامی ہونے کی حیثیت سے نہایت نا پسند کرتا ہوں کہ ایک انگلوسکسن جماعت قانون کے زور سے علم کی اشاعت روکے۔ میں ایک مسیحی ہونے کی حیثیت

لک	برآمد	درآمد	میزان
ٹچ لیٹ آئینہ	۹۹۳۳	۶۵۳۸	۱۶۶۳۱
اسٹریٹ	۱۲۴۳۸	۱۰۳۳۱	۲۳۰۶۹
روس	۸۵۶	۲۹۲۳	۲۴۶۹
لجیم	۱۰۵۳۰	۱۵۵۳۳	۲۶۲۵۲
اوسٹائن	۱۲۳۴۴	۱۳۹۳۳	۲۶۳۳۱
ٹلی	۵۳۳۸	۱۴۰۳۶	۲۴۱۳۳
آئینہ	۱۰۵۳۳	۱۶۶۳۲	۲۸۱۳۶
چین	۱۲۲۳۸	۱۴۴۳۲	۳۰۰۳۰
کنیٹا	۱۹۸۳۲	۱۴۰۳۸	۳۶۹۳۰
جاپان	۱۴۹۳۵	۲۰۴۳۳	۳۸۶۳۸
جری	۱۹۳۳۳	۳۰۳۳۵	۴۹۴۳۸
فرانس	۳۴۴۳۹	۴۴۳۳۵	۸۵۳۳۳
دلیا تھو اریک	۸۶۶۳۰	۸۲۸۳۰	۱۶۹۳۳۰
برطانیہ	۸۲۳۳۲	۱۰۰۳۲۱	۱۸۲۶۳۳
ہندوستان	۱۸۰۳۹	۱۵۴۳۳	۳۳۳۳۳

چاول

دنیا میں چاول کی پیداوار (۱۹۲۳ء)

رقبہ بحساب ایکڑ

۸۰۴۸۴۰۰۰

۱۰۰۰۰

۲۳۱۰۰۰

۱۳۱۰۰۰۰

۰۳۳۰۰۰۰

۱۱۴۸۳۰۰۰

۴۶۹۹۰۰۰

۱۱۶۰۰۰

۸۹۲۰۰۰

برطانیہ ہندوستان میں چاول کی پیداوار (۱۹۲۳ء)

رقبہ بحساب ایکڑ

۲۰۸۶۸۴۰۰

۲۹۰۸۰۰۰

۱۳۹۶۰۰۰

۲۲۴۵۰۰۰

۳۲۴۰۰۰

۶۰۳۳۰۰۰

۵۰۶۴۰۰۰

۱۱۴۴۰۰۰

۱۵۰۵۰۰۰

ہندوستان میں چاول کے کارخانے

۳۱۹

۱۳۰۰

۶۲

چاول کی برآمد

ہندوستان سے باہر تقریباً ۷ کروڑ من چاول باہر نکالا جاتا ہے

لک	برآمد	درآمد	میزان
جنوبی افریقہ	۶۰۳۳	۱۵۳۶	۱۱۱۳۹
کوبا	۶۳۳۱	۴۰۳۴	۱۱۳۳۸
برازیل	۶۸۳۶۰	۳۸۳۶	۱۱۴۳۲
ڈومینک	۵۴۳۴	۱۴۳۱	۱۲۹۳۸
سوڈن	۶۸۳۰	۶۸۳۴	۱۳۶۳۴
آسٹریا	۶۳۳۳	۶۶۳۳	۱۰۹۳۹
زیمبیا	۹۳۳۶	۶۴۳۴	۱۵۶۳۳
اسپین	۵۰۳۸	۱۰۶۳۲	۱۵۴
سوڈن	۴۶۳۱	۸۲۳۸	۱۵۹
میکسیکو	۶۴۳۰	۶۴۳۶	۱۶۳۳۶

لک	برآمد	درآمد	میزان
روسی	۴۱۰۹۱۰۰۰		
جرمنی	۶۳۱۲۳۰۰۰		
سوڈ	۱۳۱۵۹۳۰۰۰		
ادن خام	۴۴۱۲۳۰۰۰		
غلا اور آٹا	۵۳۰۰۰۰۰		
چائے	۲۲۰۳۰۰۰۰		
خام چمڑا	۵۴۰۶۰۰۰۰		
ماریچہ چمڑا	۵۰۵۴۱۰۰۰		
بیج	۲۴۳۵۳۸۰۰۰		
لیس	۱۰۲۶۵۲۰۰۰		
روغن، مہری وغیرہ	۳۱۹۸۱۰۰۰		
کیمیائی اجزاء، سمیات اور دوائیں	۳۵۱۳۰۰۰		
ابرک وغیرہ	۵۸۶۳۰۰۰۰		

دنیا کے بڑے بڑے تجارتی ملکوں کی تجارت کا تناسب

۱۹۲۳ء میں

(بحساب لین پونڈ ایکس لین، دس لاکھ کا ہوتا ہے)

لک	برآمد	درآمد	میزان
جنوبی افریقہ	۶۰۳۳	۱۵۳۶	۱۱۱۳۹
کوبا	۶۳۳۱	۴۰۳۴	۱۱۳۳۸
برازیل	۶۸۳۶۰	۳۸۳۶	۱۱۴۳۲
ڈومینک	۵۴۳۴	۱۴۳۱	۱۲۹۳۸
سوڈن	۶۸۳۰	۶۸۳۴	۱۳۶۳۴
آسٹریا	۶۳۳۳	۶۶۳۳	۱۰۹۳۹
زیمبیا	۹۳۳۶	۶۴۳۴	۱۵۶۳۳
اسپین	۵۰۳۸	۱۰۶۳۲	۱۵۴
سوڈن	۴۶۳۱	۸۲۳۸	۱۵۹
میکسیکو	۶۴۳۰	۶۴۳۶	۱۶۳۳۶

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی عمرانی

اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۴)

برطانی ہندوستان کی سرکاری آمدنی اور خرچ ۱۹۲۲ء

مجموعی خرچ	مجموعی آمدنی	صوبہ
۷۷۱۲۹۰	۴۵۵۳۱۵۱۶	پنجاب
۶۰۳۵۳۱	۱۶۰۱۳۸۲۵۳	اٹک
۱۲۰۲۰۷۰	۷۳۹۰۲۸۹۰	بھارت
۲۳۵۵۱۲۷	۳۷۹۷۱۷۷	افغان
۱۱۲۶۶۹۵	۳۷۸۰۷۴۸	گلگت
۲۲۸۲۰۶	۴۱۹۹۲۳۹	شراب
۱۱۹۷۸۷	۲۶۸۹۶۸۹	سیت
۳۱۱۶۱۶۶	۱۶۱۴۶۹۸	جنگل
۲۹۰۵۳	۱۶۳۳۹۲	طریش
.....	۸۲۳۳۳۸۴	ہندوستانی ریاستوں کا خرچ
۳۰۴۴۳۰۱۵	۳۶۹۲۶۸۷۰	ریلوے
۲۱۲۳۷۵۱	۱۰۹۱۹۲۵	آب پاشی
۲۷۷۲۱۸۰	۱۱۳۵۰۸۷	ڈاک اور تار
۱۸۶۸۲۲۸۵۷	۳۳۱۰۰۲۶۵	سود
۱۰۱۲۵۹۱۰۳	۷۳۹۷۵۳۳	شہری انتظام
۷۱۴۱۰۷۹	۳۹۹۳۲۸۹۲	محکمات اور شرح مہا
۷۷۷۲۸۷۵	۱۳۲۱۲۶۳	رقاہ عام
۴۳۵۳۱۸۶۱	۴۵۸۹۶۷۱	تفرقات
۵۹۶۶۵۱۸۷۷	۴۰۳۱۱۶۵۹	نوج
.....	۸۷۴۴۶۸۱۳	صوبوں کا خرچ
۱۳۱۸۴۹۲۳۲۱	۱۳۷۵۳۱۸۱۱۹	میزان کل

صوبوں کی سرکاری آمدنی اور خرچ ۱۹۲۲ء

خرچ	آمدنی	صوبہ
۱۳۰۸۵۰۴۷۲	۱۳۷۹۰۳۱۵۸	پنجاب
۱۳۷۲۵۶۷۹۱	۱۳۹۹۱۷۹۷۱	اٹک
۹۷۹۰۱۷۳۸	۱۰۳۴۲۳۷۱۰	بھارت
۱۰۴۲۲۹۰۷۸	۹۹۹۵۳۱۱۵	جنگل
۷۹۷۳۴۷۹	۹۷۷۷۸۴۰	سیت
۹۸۶۷۳۵۵۵	۹۸۷۷۷۷۷۷	جنگل

خرچ	آمدنی	صوبہ
۵۱۳۱۲۳۹۲	۵۳۶۵۳۳۶۷	پنجاب
۲۸۲۵۵۵۳	۵۲۵۳۳۲۱۰	اٹک
۲۰۰۲۸۷۵۳	۲۳۰۴۸۶۶۱	بھارت

ہندوستانی صوبوں کی شراب اور نشی اشیا میں سرکاری آمدنی ۱۹۲۲ء

صوبہ	شراب کی دکانیں	بیکریں اور دیگر اشیا کی دکانیں	آمدنی	خرچ
صوبہ سرحدی	۷۴	۱۸۲	۲۳۷۵۳۶۷	۳۰۰۶۶۳
پنجاب	۱۶۸۷۸	۱۰۲۸	۲۳۵۳۳۲۱۰	۲۸۲۵۵۵۳
بھارت	۶۲۱۰	۱۶۰۹	۲۳۰۴۸۶۶۱	۲۰۰۲۸۷۵۳
جنگل	۲۵۵۸	۲۳۸۹	۲۳۸۹	۸۰۵۷۳۷
پونپ	۲۳۳۹	۲۹۴۶	۲۹۴۶	۵۹۶۶۵۱۸۷۷
پنجاب	۱۵۲۵	۱۱۷۸	۱۱۷۸	۲۴۵۳۳۲۱۰
برا	۱۱۵۶	۱۲۳	۱۲۳	۲۶۸۱۷۳۹
پنجاب	۷۹۳۹	۲۳۰۷	۲۳۰۷	۵۸۵۹۲۶۰
پونپ اور برار	۲۳۵۳	۲۰۱۹	۲۰۱۹	۲۳۸۱۳۷۱
آسام	۳۰۸	۵۵۵	۵۵۵	۲۷۳۲۹۰۱
دہلی	۲۲	۱۹	۱۹	۲۵۲۵۰۸
کراچی	۸۱	۱۰	۱۰	۱۶۲۴۲

برطانی ہندوستان میں ملک کی سرکاری آمدنی

صوبہ	۱۹۲۲ء	۱۹۲۳ء	۱۹۲۴ء	۱۹۲۵ء
شمالی ہندوستان	۱۸۴۷۵۷۷	۱۳۹۲۸۸۲	۳۱۸۰۶۸۶۹	۱۰۷۰۵۳۶۸
پنجاب	۱۸۵	۱۶۰	۳۱۰	۳۶۲
پنجاب	۱۳۹۰۷۴۳	۱۵۱۷۵۹۷	۲۱۳۶۲۹۹۶	۱۸۹۹۱۷۷
بھارت	۱۲۱۳۵۵۹۶۹	۱۲۲۲۰۷۴۲	۲۲۶۷۷۷۷	۱۷۳۳۳۹۰۲
جنگل	۱۵۷۷۷۷۷	۱۸۴۱۰۸۹۲	۱۸۱۶۱۵۲۳	۲۳۵۹۰۸۹۷
برا	۲۳۳۵۷۳۳	۳۰۳۳۰۱۳	۶۱۳۹۱۸۷	۳۲۸۱۰۰۰
پنجاب	۲۲۹	۲۸۸	۶۷۸	۴۵۰
آسام	۱۱۵۴
میزان	۷۳۳۳۷۷۷۷	۶۸۲۳۶۱۱۲	۱۰۰۱۵۰۸۷۰	۷۳۹۰۲۸۶۰

ہندوستان کا قرضہ ۱۹۲۲ء

مركزی حکومت	اندرونی قرضہ	انجمنستان سے لیا گیا	میزان کل
۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵	۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵	۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵	۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵
۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵	۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵	۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵	۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵
۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵	۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵	۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵	۳۱۳۶۰۰۵۱۷۵

صوبوں پر

۱۲۱۹۳۵۵۲۰ - ۱۲۱۹۳۵۵۲۰

ہندوستان کی تجارتی آمدنی ۱۹۲۲ء

مجموعی درآمد	تفصیل
۲۱۱۳۳۸۰۰۰	لوہ اور آہنی مصنوعات
۵۳۷۵۰۰۰	دوسری دھاتیں اور ان کی مصنوعات
۲۲۲۴۷۰۰۰	کپڑے
۲۲۲۴۷۰۰۰	شیشے اور بھٹی کے آلات

عالم مطبوعات صحائف

روسی راہب راسبوتین کا قتل

پرنس یوسوف کا اعتراف

تاریخ الممال روس کے پراسرار راہب راسبوتین کے نام آمد حالات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ الممال نمبر (۹) میں اس کی پوری سرگزشت ان کی نظر دل سے گزر چکی ہو۔ جو حیرت انگیز اقدار اور تسلط اسے زار اور ملکہ روس پر حاصل ہو گیا تھا، اس کی کوئی دوسری نظیر بیسویں صدی کی تاریخ میں موجود نہیں۔ یہ ان کا مذہبی رہنما تھا۔ پھر روحانی معلم اور مرشد کی طرح مانا جانے لگا، پھر مشیر اور دیگر سب کچھ بن گیا۔ زار اور زارینہ بیجان آلہ کی طرح اس کی انگلیوں میں تھے۔ جس طرح چاہتا تھا، اُنہیں استعمال کرتا تھا۔ ملک میں کیسی بہت سیاسی اصلاحات جوڑ دیا (روسی پارلیمنٹ) کی شکل میں جاری ہو گئی تھیں، اسی کے اشارے سے غارت ہوئیں، روشن خیلاؤ اصلاح پسند امر کو اسی نے قتل اور جلاوطن کر دیا، زار کے بہترین دوست اور مددگار عمر کے وفادار خادم اسی کے حکم سے سائبریا بھیجے گئے۔ پھر جب عالمگیر جنگ عالم شروع ہوئی، تو جرمن نے بے شمار روپیہ خرچ کر کے اس کی خدمات حاصل کر لیں۔ یہ جرمن جاسوس تھا، لیکن روس کے تمام اسرار جنگ اسی کے قبضہ میں تھے۔ ایک طرف یہ زار کو یقین دلانا کہ میری روحانی برکتوں اور دعاؤں سے جرمن فوجیں اور روس کے تمام جہت جہد ہلاک ہونے لگیں گے۔ دوسری طرف جرمن فوجیں اور روس کے فوجی قتل و حرکت کی بروقت خبریں بھیجتا تاکہ تمام روسی فوج کا غارت کر دیں!

زار پر یہ حیرت انگیز اقتدار اُسے کیسے حاصل ہوا تھا؟ لکھ کے ذریعہ۔ لکھ کیوں اُس کے احکام سے ہرگز نہ تباہ نہیں کر سکتی تھی؟ خود راسبوتین کی لڑکی صوفیہ نے اپنی حیرت انگیز اوداشتیں شائع کر کے دنیا کو بتلایا ہے کہ اُس میں اور ملکہ میں ناجائز نقل و حرکت راسبوتین سے اُسے عقیدت ہی نہیں تھی، بلکہ ہوس پرستی کا حسن تھا۔

صوفیہ کے علاوہ ایک شخص بھی یورپ میں موجود ہے، جو روس کے شاہی خاندان سے قریبی تعلق رکھتا ہے، ادراہم روسی راہب کی تمام سرگزشت حیات سے واقف ہے۔ یہ پرنس یوسوف ہیں۔ آج

بحث میز کام نہیں ہو۔ میں نے غازی کے خطبہ کا خلاصہ و خلق فرقہ سی کا مسلک پیش کر دیا۔ البتہ مجھے یہ کہنے میں تاہل نہیں کہ جامعہ خلق کی موجودہ اجتماعی ذہنیت سے اکثر مسلمانان عالم کو اتفاق نہیں ہوگا۔ وہ اپنا جدید اجتماعی زندگی کے عناصر میں مذہب کو کوئی نیا جگہ نہیں دیتا جانتے خود ترکوں کی اکثریت اس وقت تک اس کو متنق نہیں ہے۔ بروہی دنیا کی عام اسلامی رائے تو یقیناً مخالفت ہو رہی ہیں اپنے حدود صحاح سے ایک دو قدم آگے بڑھ کر، اس خلاصہ میں کیسے اس موضوع پر لکھنے کا کوشش کر رہا ہوں۔

دوم نے آکا کا اند مسلک مفصل طور پر شائع کر دیا ہے۔

ذیل میں اُس کا خلاصہ دیا جاتا ہے:

”خلق فرقہ سی“ کیا ہے؟

حضرت پاشا نے اپنا بیان، خلق فرقہ سی کی حقیقت کی تشریح سے شروع کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہ انجمن جمہوری ہے۔ کسی خاص مذہب سے خلق نہیں لکھی۔ وہ یقین کرتی ہے کہ قوم کی کامیابی کا راز، اُس کی اقتصادی حالت کی درستگی میں ہے۔ یہی باعث ہے کہ اُس کا پورا مسلک، اسی اصل پر مبنی ہو اور اُس کے جملہ قوانین میں اسی کی رعایت کی جاتی ہے“

داخلی امن

”ملک میں امن امان برقرار رکھنا ہمارا اولین فرض ہے۔ ملکہ کو ہم ہر فرد پر اسی ذہنیت کا اثر بلا کسی اندیشہ کے حاصل کر سکتے“

عدالتی مسلک

”ملی قوانین کا اجراء اور ان قوانین کی جمہوری روح کی تعمیل اُس کا عدالتی مسلک ہے۔ وہ چاہتی ہے جلد سے جلد اور زیادہ زیادہ آسان طریقہ پر عدلی و انصاف کے مسائل کے دسترس میں کی جائے“

خارجی مسلک

”ترکی جمہوریت کی عزت کی حفاظت، ترکی قوم کے حقوق کی حالت وہ حقوق جو قوم نے طویل جہاد کے بعد حاصل کئے ہیں۔ تمام قوم کے ساتھ مساوات کے دائرے میں دوستانہ تعلقات، اُس کا خارجی مسلک ہے“

تعلیمی مسلک

”ہمارا تعلیمی مسلک یہ ہے کہ تعلیم قومی ہو اور مذہب اس سے الگ رکھا جائے۔ نظام تعلیم ایک جو بنی شکلوں کی ایسی تربیت کی جائے جس سے ہماری ملی و اجتماعی برتری قائم ہو اور اقتصادی زندگی مستحکم ہو جائے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ قوم ابتدائی مفت تعلیم سے لڑی طرح مستفید ہو۔ غیر تعلیم یافتہ افراد کو بنیہ مدارس کے ذریعہ تعلیم دی جائے ترکی جامعہ کو فروغ تعلیم دی جائے اور زیادہ سے زیادہ جدید تعلیم جاری کی جائے۔ ہم فوجی جھیلنے کے بھی پرورش عامی ہیں۔ ترکی زبان کی ترقی و تہذیب کا ہمیں از حد اہتمام ہے۔ ترکی حریت کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ ادراہم اس پر بھی غور کر رہے ہیں“

مردم شماری

”ترکی کی تاریخ میں اب پہلی مرتبہ مردم شماری ہوئی ہے۔ ایک پہلے ایک مرتبہ مردم شماری حکومت عثمانیہ نے اس کی کوشش کی تھی، مگر تنگ نظر علمائے اُس کی سخت مخالفت کی، اور اسے دین کے خلاف قرار دیا۔ چنانچہ آئندہ اور بعض دوسرے علاقوں میں بغاوت شروع ہو گئی۔ مجبوراً حکومت کو اس ”خلاف تہذیب“ فعل سے باز رہنا پڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو بھی ملک کی صحیح آبادی معلوم نہ تھی۔ خود ترکی حکومت بھی اپنی آبادی کی قوت سے ناواقف تھی۔ ادراہم اس وجہ سے بے شمار سیاسی، اقتصادی، اور فوجی مفروضات ملک کو بچا کر رہے ہیں۔

اب ترکی جمہوریت نے یہ اہم مسئلہ تعلیمی طور پر حل کر دیا۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء کو ترکی تاریخ مردم شماری کے لئے مفروضہ لکھی۔ حکم تھا، کوئی شخص بھی اپنے گھر سے نہ نکلے، یہاں تک کہ توپ داغی جائے۔ اس حکم پر راجسی باشندوں نے یہ اعتراض کیا کہ دین بھروسہ اپنے کام مطلق نہیں رکھ سکتے۔ مگر حکومت نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور مردم شماری پوری ہو گئی۔ ان سطحوں کی تحریر کے بعد معلوم ہوا کہ مردم شماری سے ثابت ہوا ہے کہ ترکی کی موجودہ آبادی اگر دو سو لاکھ ہے تو خطہ کی آبادی لاکھ

سخت تکلیف پہنچی، جن کا ذکر خلاصہ طریقہ پر کی گیا ہے۔ لیکن ایک ملک صرف تین ہی آوازیں مانگتی ہے۔ یہی ہیں، ایک اندرون ملک سے۔ دوسرا یہ ہے۔ اندرون ملک میں محمود پاشا جو ولی صوبی کی آواز ہو۔ تیسرا ملک سے خاندان اوسمانیہ کے اعتراض کیا ہے اور خاندان لندن قیام سے نے شکایت کی ہے جو گیارہ برطانیہ کی آواز ہے۔

محمود پاشا کی نسبت غازی نے اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ اُنہوں نے ۱۹۱۹ء میں اخبار ”باسفورس“ کے نمائندے سے کہا ”ٹرکی اپنی منزل میں ایسی تبدیلی کر رہی ہے پر راضی ہے، جس سے اتنی خوش ہو جائیں“ محمود پاشا نے اس سے انکار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں میں نے ہر طرح ۱۹۱۹ء کو اخبار ”استقلال“ کے نمائندہ سے بیان کیا تھا کہ ترکی قوم اپنی سرزمین کا ایک باشندہ بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے“

محمود پاشا کے جواب میں ”خلق فرقہ سی“ کے سرکاری نے اعلان کیا ہے کہ غریب وہ تمام دستاویز شائع کر دی جائیں گی، جو غازی کے خطبہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس وقت محمود پاشا کو معلوم ہوگا کہ غازی نے اپنے خطبہ میں اُن کی کس قدر رعایت کی ہے۔ ساتھ ہی ترکی اخبار نے محمود پاشا کا اصلی بیان بھی شائع کر دیا ہے، جو بعینہ وہی ہے جس کو غازی نے اپنے خطبہ میں دیا ہے۔ اسی قدر میں ملکہ غازی کا وہ برقی پیغام بھی نقل کیا گیا ہے جو اُنہوں نے ۱۹۱۹ء کو محمود پاشا کو بھیجا تھا۔ اس میں لکھا ہے ”آپ کی تصریح سے مشرقی صوبوں کے باشندے سخت ناراض ہیں۔ ترکی قوم ہرگز راضی نہیں ہوگی کہ اپنی ایکھا راج زمین بھی نہیں دے گی، بلکہ اس کے برعکس اپنے خون سے اس کی حفاظت کرے گی“

خاندان ادیب ہان نے اخبار ”اسٹار“ میں اپنی برأت ظاہر کرتے ہوئے غازی کے رد میں لکھا ہے ”میں ہرگز امریکن حمایت کی مرید نہیں تھی جیسا کہ غازی نے بیان کیا ہے۔ البتہ میں انجمن سن کی ایک رکن ضرور تھی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ ترکی کے لئے امریکہ سے مالی اور اقتصادی امداد حاصل کی جائے۔ خود غازی اس انجمن سے ادراہم کے مقاصد واقف تھے۔ اُنہوں نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا“

لیکن خاندان ادیب کا یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ واصل اُنہوں نے غازی کا پورا خطبہ پڑھنے سے پہلے ہی جواب لکھ مارا۔ خطبہ میں وہ تمام خطوط بھی غازی نے نقل کئے تھے جو موصوفے نے بکرا سائی بک اور خود غازی کو لکھے تھے۔ ان خطوط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ امریکن حکمرانوں کو ترکی کے لئے ضروری خیال کرتی تھیں۔

برطانیہ بھی غازی کی صاف گوئی سے شاک ہے۔ لندن ٹائمز شپ کا سے پہلے اقران پر مجبور ہوا کہ خطبہ، غازی کی عظمت میں چارچاند لگا دیکھا، کیونکہ اُنہوں نے اپنی ذرا بھی تعریف نہیں کی۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے، ترکی میں جو کچھ ہوا ہے، محض اُنہی کی بہت تدبیر سے ہوا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ان لفظوں میں شکایت بھی کرتا ہے:

”غازی نے اپنے خطبہ میں لکھا، برطانیہ کا ذکر کیا ہے۔ ترکی کے ساتھ جو طویل یورپ نے اختیار کیا تھا، وہ اُس کی ذمہ داری تمام اتحادیوں پر نہیں ڈالتے، بلکہ ہر اس راہ راہ جلائے ہی کر دیتے ہیں۔ گیارہ دوسرے اتحادیوں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ یہ افسوس کا مقام ہے کہ ترکی داغ میں اب تک برطانیہ کے خلاف زہریلے افکار موجود ہیں!“

ان تین افسرانوں کے علاوہ کسی لارڈ لیل کوٹنے کی جرات نہیں ہوئی۔ کیونکہ غازی نے جو کچھ کہا، دل کہا ہے۔ تمام ملک میں اُن کے خطبہ کے بعد ایک بنا جوش پیدا ہو گیا ہے۔ ادراہم ہر طرف اُن کے پاسنام آ رہے ہیں کہ ترکی قوم، قیامت کی طرح جمہوریت برقرار رکھے گی۔ جمہوری ترکی کا مسلک

غازی کے خطبہ کے بعد خلق فرقہ سی کے سرکاری نے اُنہوں کا اعلان عام کر دیا۔ چنانچہ وزیر عظم حضرت پاشا اور انجمن کے صدر

برید شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی کے تاریخی خطبہ کا بقیہ حصہ مسئلہ خلافت، خطبہ کا عام اثر، جمہوری ترکی کا آئندہ مسلک، ترکی کی نئی مردم شماری۔

غازی مصطفیٰ اکال پاشا کے تاریخی اور بہت روزہ خطبہ کا بڑا حصہ گزشتہ چٹھی میں بھیج چکا ہوں۔ اب خطبہ کے صرف دو ضروری حصے باقی ہیں۔ ”مسئلہ خلافت“ اور ”خاتمہ کلام“۔ مسئلہ خلافت کے سلسلہ میں غازی نے جو کچھ بیان کیا، وہ ان کی تعمیر کا نہایت اہم حصہ ہے۔ کیونکہ یہ پہلا موقع ہے کہ موجودہ ترکی حکومت کے سب سے بڑے آدمی نے صاف صاف لفظوں میں بتا کر دیا کہ کون کون لوگ موقوفی خلافت کے مخالف تھے اور کون کون تھے۔ پہلے خیال کیا گیا تھا کہ مخالفین موقوفی میں سب سے زیادہ نامور شخصیت رفعت بے کی تھی۔ اب خود غازی کی زبان سے بھی ایسی تصدیق ہو گئی۔

مسئلہ خلافت کے بعد انھوں نے ان رقوم کے داخلہ مصافحہ کی تفصیل بیان کی جو وطنی تحریک کے شروع ہونے کے بعد سے لیکر ان کے ان میں جمہوریت تعین ہونے تک ان کے اور ان کے ساتھیوں کے تصرف میں آئی تھیں۔ لیکن ہر آپ کے قارئین خیال کریں کہ ایک عظیم الشان دیکھ بھول کے لئے یہ بہت ہی ناموزوں بات تھی کہ کسی کسٹری اور خزانچی کی طرح ایک ایک پیسہ کا حساب پیش کئے لیکن یہاں ترکی بانی عامر نے اسے دوسرے ہی نقطہ خیال سے دیکھا ہے۔ تمام اخبارات نے بالاتفاق اسے خطبہ کا ایک قیمتی اور مؤثر حصہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، اس طرز عمل کے ذریعہ غازی مصطفیٰ اکال نے ہیں یہ سبق سکھایا ہے کہ قوم کا رہنا قوم کا این ہو، اور یہ حال یہ اس کا فرض ہے کہ قومی امانت کا حساب، پیسہ پیسہ اور پانی پانی قوم کے سامنے پیش کر دے۔ اس بات سے کہ قوم نے اپنے رہنا کو اپنی حکومت کا بڑا بڑا حصہ منسوب پیش کر دیا ہے، این قوم ہونے کی ذمہ داریاں معدوم نہیں ہو جاتیں، بلکہ اور زیادہ بڑھ جاتی ہیں! خاتمہ کلام میں انھوں نے ایک اور حقیقت بھی آشکارا کر دی انھوں نے کہا کہ ان کی دہائی اور ریاست کے زمانے میں قوم نے ”محض جھوٹے کلمات اور آرا مافی دی ہیں، یا جس قدر جائداد انھوں نے اپنے جیب خاص سے خریدی ہے، وہ سب کی سب انھوں نے ”قوی جامع“ کے نام منتقل کر دی ہے، اور اب ان کے پاس قوم کی خدمت اور محبت کے سوا کوئی جائداد اور ملکیت باقی نہیں! خلافت کی موقوفی

مسئلہ خلافت کی طرف الزامہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

”وہاں میں کیا کیا، اصل کرنے کے بعد بھی عصمت پاشا انھوں نے اپنے بھائی کے روم کے لئے اسے مستغنی ہو کر لے گیا۔“

کو مبارکباد دینے سے منع جاتیں۔ استغناء دینے کے بعد وہ خاموش نہیں رہے بلکہ خلیفہ کا اقتدار بڑھانے کی کوششیں کرنے لگے، حالانکہ ملک میں عام و حجام، جمہوریت کی طرف پیدا ہو چکا تھا۔ رفعت بے کی جگہ فحی بے وزیر اعظم ہوئے اور طویل مباحثہ کے بعد طے پایا کہ پانچ تخت، انگوڑی ہی ہے۔ مگر مخالف جماعت مقرر تھی کہ آستانہ واپس جانا چاہئے۔ لہذا اب ضروری ہو گیا کہ اس تمام جھگڑے کا ایک مرتبہ فیصلہ کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے ۲۸ اکتوبر کو اپنے ساتھیوں کو اطلاع کی کہ اعلان جمہوریت کے لئے تمام تدابیر مکمل ہو گئی ہیں۔ دوسرے دن جمہوریت کا اعلان ہو گیا، اور آدھی رات کو تمام ملک میں خبر شہر کر دی گئی عصمت پاشا پہلی جمہوری وزارت کے صدر مقرر ہوئے، اور فحی بے مجلس وطنی کے رئیس قرار پائے۔

توری ترکی قوم نے اعلان جمہوریت، انتہائی مسرت کے ساتھ مناسک مخالف جماعت سخت برم ہوئی، اور اخبارات میں اپنی غیبت وسیع پایہ پر شروع کر دی۔ اس جماعت کے سرگروہ رفعت بے، پاشا، ڈاکٹر عدنان بے، کاظم قرہ بکر پاشا، اور علی فواد پاشا تھے۔ یہ لوگ شب و روز مخالف کوششوں میں سرگرم تھے۔ یہ مشہور کرتے تھے کہ خلافت وہ ریشہ مقام ہے، جس کا تمام جہان کے مسلمان احترام کرتے ہیں۔ وہ ترکی قوم کا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے، لہذا اس کے اقتدار میں کسی قسم کی کمی نہیں کرنی چاہئے، نیز انھوں نے یہ بھی اکتا شروع کیا کہ ترکستان میں انور پاشا، خلیفہ ہی کے نام پر جنگ کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی کوشش یہ تھی کہ ملک میں پھر شاہی دستور چمکت کی طرف لوٹا دیا جائے۔

ذاتی طور پر رفعت بے کی ملائے یہی کہ اقتدار قوم ہی کے ہاتھ میں ہے مگر حکومت کے سپر آل عثمان کا کوئی فرد ضرور رہنا چاہئے لطف یہ ہے کہ باوجود اس خیال کے وہ ہماری جماعت کے ایک کون ہونے کے بھی مدعی تھے۔ یقیناً ان کی نیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ہم میں رکھ کر ہم میں پھوٹا ڈال سکیں۔

اب یہ واضح ہو گیا تھا کہ آستانہ میں خلافت کا باقی نہ رہا تھا۔ کاموجب ہو گا، لہذا میں سبز گلیا اور یقین کر لیا کہ منصب خلافت کی منسوخی کا وقت آ گیا ہے۔ پھر میں نے عصمت پاشا، فوزی پاشا، اور کاظم پاشا سے مشورہ کیا۔ یہی رائے قرار پائی کہ منصب خلافت منسوخ کر دیا جائے۔ چنانچہ یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو مجلس وطنی میں جب ذیل تجویز پیش ہوئی:

(۱) منصب خلافت منسوخ کیا جائے اور خاندان عثمانی کو ترکی

سے باہر قیام کرنے کا حکم دیا جائے۔

(۲) امور شریعہ اور اوقاف کی وزارتیں توڑ دی جائیں۔

(۳) ملک بھر میں تعلیم کا ایک ہی نظام جاری کیا جائے۔

یہ تجویز، میا خد کے بعد منظور ہو گئی۔ لیکن اسی وقت مجھ سے درخواست کی گئی کہ منصب خلافت میں اپنے لئے قبول کر لوں مگر میں نے ان لفظوں میں انکار کر دیا:

”دوستو! جو لوگ مسلمانوں کو خلیفہ اور خلافت کے نام سے دھوکا دینا چاہتے ہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں کے عام طور پر، اور ترکی قوم کے خاص طور پر سخت دشمن ہیں۔ اب خلافت کا کوئی اعلیٰ اور حقیقی وجود باقی نہیں رہا ہے۔ ان اہام پر یقین، سرسرخ غفلت، منکالت ہو!“

اس طرح مخالف جماعت کو پوری شکست ہوئی۔ انھوں نے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ کئی علاقوں میں شورشیں بھی برپا کر دیں۔ مگر ہم نے سبکا سدا ب کر دیا۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ان پر تمام دردانے بند ہو چکے ہیں، تو پھر میرے قتل کی سازش شروع کر دی یہ کہنا ضروری نہیں کہ ان سازشوں میں بھی کیے بعد دیگرے ناکام ہوئے۔

خاتمہ سخن

غازی نے اپنی تقریر ان الفاظ پر ختم کی:

”وہ جوان ترکی! تیرا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ترکی استقلال کی حفاظت کر اور ابد الابد تک جمہوریت برقرار رکھ!“

یہ کہتے ہوئے غازی کی آواز غماںگ ہو گئی۔ انکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر انھوں نے کہا:

”یہ میری زندگی کا اصل الاصول ہے۔ یہ میرے مستقبل کا نصب العین ہے۔ لئے وہ جوان قوم! یہی تیرا سب سے زیادہ قیمتی خزانہ ہے۔ ایسے لوگ پیدا ہو سکتے ہیں جو مستقبل میں اس خزانہ کی طرف ہاتھ بڑھائیں، تاکہ تجھے اس سے محروم کر دیں۔ اگر ایسی صورت نہ پیش آئے اور تو اپنی آزادی اور جمہوریت کی حفاظت پر مجبور ہو جا تو ایک لمحہ کے لئے بھی پس پیش نہ کرنا۔ لیکن ہو، حالات از حد ہوں، لیکن ہو دشمن دنیا کی بے نظیر فتنہی حاصل کر چکا ہو لیکن ہر تیرے تمام قلعے دشمن کے ہاتھوں میں جا چکے ہوں، لیکن ہر تیرے تمام فوجیں براگندہ ہو چکی ہوں، لیکن ہو تیری تمام زمینیں چھین گئی ہوں، بلکہ میری کہتا ہوں، لیکن ہو اس سے بھی زیادہ کوئی بڑی مصیبت تیرے سلب نہ آ سکتی ہو۔ لیکن ان تمام مصائب پر بھی تیرا فرض یہی ہو گا کہ ترکی استقلال اور ترکی جمہوریت کی حفاظت میں لگا آ رہا جان دیتی رہو۔ تجھے جس قوت کی ضرورت ہو، وہ کہیں باہر نہیں ہے، خود تیرے خون میں موجود ہے۔ وہ خون جو لے حشر! آپ سب کی رگوں میں دوڑ رہا ہے!“

اس کے بعد غازی نے اس تمام ردیہ کا حساب پیش کیا جو ان کے ہاتھ میں شروع سے اب تک آیا ہے۔ پھر اس عبارت پر تقریر ختم کر دی:

”اس قوم کے علاوہ میرے پاس وہ مکان ہے جو آنگوڑ کے باشندوں نے مجھے ہدیہ دیا تھا۔ نیز بردسہ، طراز، اور ارض ہم اقلانہ، قونہ، اور سمرنا میں بھی ایک ایک مکان وہاں کے باشندوں نے مجھے دیا ہے۔ شہرہ زمین بھی جو جرجس نے آنگوڑ کے معائنہ میں خریدی ہے مگر یہ تمام جائداد، میری نہیں ہے۔ میں اسے وطن فردوسی“ (جمہوری بالائی) کو دے چکا ہوں!“

غازی مصطفیٰ اکال پاشا کے خطبہ کا اثر

بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ اس خطبہ سے ان تمام لوگوں

برطانیہ شہنشاہیت کا نثر

ایک برطانوی مژدہ دار نے ایک گراف کے ہفتہ وار سالانہ لکھا ہے:
”قوموں کے اٹھنے اور گرنے کے اسباب زمانے کے ظہور و حال
کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ تاریخ میں کوئی ایک قوم بھی ایسی موجود
نہیں جو ہم ترقی کی ایک پچھلے پھر گرنے پر ہی ہو۔“

اس وقت برطانوی قوم ترقی کے سب سے بلند درجہ پر پہنچی ہوئی ہے۔
ہو کہ اس عالم ترقی میں ہی منزل اور کمزوری کے آباد بھی پیدا ہو گئی ہیں
اور اگر افراد کے قوانین حیات کی طرح جماعتوں کے قوانین حیات بھی
تقلی اور اصل ہیں، تو وہ وقت دور نہیں جب دنیا کو تاریخ عالم کی ایک
مدیم النظیر قومی عظمت کے زوال کا نشانہ بننا پڑے گا!

فی الحال برطانیہ کے ۷۲ ملین ٹرانسپائر، آبادی کے مسئلہ میں بنیاد
ہو۔ برطانوی شہنشاہی، مجموعی دنیا کی ایک چوتھائی پر محیط ہوئی ہو اور
آبادی بھی دنیا کی تقریباً ایک چوتھائی آبادی ہو۔ آخری مردم شماری
ظاہر کرتی ہے کہ برطانوی شہنشاہیت میں ۴۶,۰۰۰,۰۰۰ سے بھی زیادہ
آبادی آباد ہیں۔ لیکن اس جم غفیر میں خود عالم انگریزی قوم کی تعداد
۴,۰۰۰,۰۰۰ سے زیادہ نہیں۔ یعنی پوری شہنشاہی، صرف اتنی آبادی
کی قوت پر قائم ہو، جو چھٹی کی آبادی سے کچھ ہی زیادہ ہو!

خود انگریزی قوم ایک تنگ سر زمین، یعنی جزائر برطانیہ میں محصور ہو۔
حالانکہ اس کی شہنشاہی کی باقی تمام آبادیاں، دور دراز وسیع سر زمینوں
میں تشریں۔ اس صورت حال نے برطانوی مژدہ داروں کو پریشان کر رکھا ہے۔
وہ آبادی کی مناسب تقسیم اور ہجرت کے عملی نظام پر غور کر رہے ہیں۔ چاہے
ہیں آبادی اس طرح تقسیم کر دی جائے کہ نہ کہیں زیادہ ازدحام ہو، نہ
کہیں زمینیں خالی پڑیں۔ مظاہر یہ کام زیادہ مشکل نہیں معلوم ہوتا۔
لیکن حقیقت بہت مشکل ہے۔ عام طور پر مہاجرین کا خیال ہے کہ برطانوی
مژدہ داروں کو ایسے کامیابی نہ ہوگی، اور یہی ناکامی ان کی شہنشاہی ترو
بالا کر ڈالے گی!

یہ کس طرح ہوگا؟

اس کا جواب حسبِ ذیل ہے:

برطانوی جزائر، جو خاص انگریزی قوم سے ملنے والے ہیں، یہ یکم صنعتی
ملک ہیں، زراعت کا حصہ بہت ہی کم ہے۔ حالانکہ برطانوی شہنشاہی کے
باقی ممالک یک قلم زراعتی ملک ہیں۔ آخری اعداد شمار سے معلوم ہوتا
ہو کہ جزائر برطانیہ کی تمام دیہاتی آبادی، شہروں میں آسٹڈ آئی ہے۔
نتیجہ یہ کہ ایک طاقتور دیہات خالی ہو گئے ہیں، دوسری طرف نسل کی
افزائش بھی رک گئی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جلد وہ زمانہ آجائے والا
ہو، جب برطانوی دیہات اسباب رزق سے بڑی حد تک محروم ہو جائیں
گے، اور باشندوں کے لئے وہاں کی داپسی میں کوئی ترحیب باقی نہیں
رہے گی۔

پھر جنگ کے بعد شہروں میں صنعت و حرفت کی ترقی پر بھی زیادہ
بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ترقی مٹاؤی ہو، اور مستقبل قریب میں اپنی
طبیعی حالت پر آجائے والی ہو۔ لہذا شہری آبادی کے لئے بھی اسباب
معیشت، محدود ہو جائیں گے اور جزائر برطانیہ کے دیہات اور شہر دونوں
کی طاقت سے باہر ہو جائیں گے۔ اتنی بڑی آبادی کا بوجھ برداشت کر
سکیں۔ یہ واقعہ کہ جنگ کے بعد سے اس وقت تک برطانیہ میں بے روز
گاری کی تعداد، لاکھ سے کم نہیں ہو سکی۔ صنعت و حرفت کی ترقی پر
جب یہ حالت ہو، تو اس وقت کیا حالت ہوگی جب جنگ کے پیدا کئے
ہوئے حالات و فوج ہو جائیں گے اور صنعتی ترقی رک جائے گی؟

انگریزوں کو سب سے ملک کی ملک گیری میں سب سے زیادہ چٹ پٹا
ثابت ہوئے ہیں، خود اپنے ملک سے صنعت حاصل کرنے میں عاجز ہو
رہے ہیں۔ اس وقت بھی جزائر برطانیہ میں وسیع علاقے خالی پڑے ہیں۔ پھر
وہ زراعتی علاقے ہیں، مگر زراعت پیشہ آبادی ہجرت کر کے شہروں میں
پہنچ گئی ہے اور صنعت پیشہ بن گئی ہے۔

صرف جزائر برطانیہ ہی میں نہیں بلکہ آسٹریلیا کا بھی یہی حال ہے۔
آبادی شہروں میں جمع ہو گئی ہے۔ چنانچہ صرف دو شہروں، یعنی ملبورن
اور سڈنی میں اتنی آبادی ہے، جو پورے ملک کی آبادی کے برابر ہے۔
حالانکہ معلوم ہے، آسٹریلیا میں قابل زراعت زمین کا رقبہ، روس کے چھوٹے
کے باقی تمام یورپ کے رقبہ سے بھی زیادہ ہے۔

پس یہ سوال نہایت اہم ہے کہ برطانیہ اتنے آبادی کہاں سے لائے گا
جو ان وسیع آفتادہ زمینوں کو آباد کریں؟ اس سوال کا جواب برطانیہ
کے پاس نہیں ہے!

یہ سوال انگریزوں کو بہت پریشان کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ پیشہ ہی
کتنے رہے ہیں کہ ان کی شہنشاہی، سب سے پہلے برطانوی ہونی چاہئے۔
یعنی اس میں برطانوی عنصر سب سے زیادہ نمایاں اور غالب رہنا چاہئے۔
اگر ایسا نہ ہوا تو وہ وہ تاریخ کی دوسری شہنشاہیوں کی طرح دہم
پر دم ہو جائے گی۔

آخری برٹش امپریل کانفرنس میں آسٹریلیا کے وزیر اعظم نے تہیو
کرنے ہوئے اس ناقابل حل سوال کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اور کہا تھا
”میرے خیال میں کوئی شخص بھی برطانوی شہنشاہیت کے مستقبل کو
امید افزا نظروں سے نہیں دیکھ سکتا۔ ہمارے سامنے ایسی مشکلات پیش
ہیں، جن کا حل مستقبل پر کسی طرح بھی نہیں چھوڑا جاسکتا۔ ان شکلات
میں سب سے زیادہ پیچیدہ شکل، آبادی کی تقسیم اور آفتادہ زمینوں کی زراعت
ہو!“

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جزائر برطانیہ میں پیدا ہونے کی شرح
بہت گھٹ گئی ہے۔ نسل روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ برطانوی
شہنشاہی میں اصلی عنصر کی یہ روز افزوں کمی، نہایت خطرناک اور بڑی
نتائج پیدا کرنے والی ثابت ہوگی۔ برطانیہ کی موجودہ صنعتی ترقی کے مسئلہ
اگر نسل کی افزائش بھی ہوتی رہتی تو حالت اتنی خطرناک نہ ہوتی۔
انگریز اس صورت حال میں اپنے آپ کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے
”اگر شرح پیدا ہونے کم ہو گئی ہو، تو شرح اموات بھی گھٹ گئی ہے۔ لہذا
ہماری نسل کا عام توازن قائم ہو۔ یہ بہتر ہے کہ ہماری قوم کم تعداد میں
ہو، مگر توانا و تمدن ہو!“

ان کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے، لیکن مخالف سے خالی نہیں ہے۔
کیونکہ کسی قوم کی عظمت، صرف تعداد ہی پر قائم نہیں ہو سکتی۔ قوم کو زندگی
کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھی ہونا چاہئے۔ روز بروز کم
تعداد و تعداد افراد کی طرح بھی ایک وسیع سلطنت برقرار نہیں رکھ سکتی۔
حقیقت اب قریب قریب تسلیم کر لی گئی ہے کہ برطانوی سلطنت سخت
خطر میں مبتلا ہے، اور اس کی سلامتی زیادہ تر اس بات پر موقوف
ہو کہ خود جزائر برطانیہ کی آبادی میں اضافہ ہو جائے، اور زراعت افراد
سلطنت کے دوسرے حصوں میں مناسب طور پر تقسیم کر دئے جائیں۔
آبادی کی افزائش، سلطنت کی بنیاد ہے، اور اس کی تعمیر و ترقی کا حکم کرتی
ہو۔ موجودہ صورت حال کا اقتضا یہ ہے کہ بیک وقت دونوں کام کو کامیابی
مگر ظاہری حالات بتا رہے ہیں کہ برطانوی مژدہ داروں کی تعداد میں کمی ہو رہی ہے۔
اب یہ امر بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی شہنشاہیت کا توازن
غیر متزلزل ہو جائے والا ہو۔ کیونکہ ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں
جن کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ محیط اٹلانٹک کی طرح محیط مسٹنگ بھی صنعت
و حرفت کا مرکز بن جائے گی۔ اس وقت تو یہی ہو رہی ہے کہ صنعتی ترقی

سے قریب تر ہونے کے لئے محیط مسٹنگ کے ساحلوں اور ملکوں میں
ہجرت کر جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ خام پیداوار حاصل کر سکیں اور
بڑے بڑے بازاریادوں میں اپنی صنعت آسانی سے پہنچا سکیں۔

بلکہ یہ واقعات اس وقت بھی پیش آ رہے ہیں۔ اجنبی عناصر ترقی سے
برطانوی شہنشاہی کے مختلف ملکوں میں داخل ہو رہے ہیں، اور اصل
باشندوں کو مغلوب کرتے چلے جاتے ہیں اگر فوراً تدابیر نہ لی جائیں تو
ان کے قدم مغلوب ہو جائیں گے اور برطانیہ کو یہ ملک ان کے کٹ کر خالی
کر دینے پڑے گا۔

بعض انگریز مژدہ دار اپنی موجودہ عظمت کے نشہ میں اس قدر غور
ہیں کہ حقیقت تسلیم کرنے پر بھی اطمینان ظاہر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں
”برطانوی تجارت روز بروز زیادہ وسیع ہوتی جاتی ہے، اور دنیا کی
کوئی تجارت بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حالانکہ یہ سرسر غفلت
غور ہے۔ یہ لوگ، دوسری قوموں کی تجارت کی ترقی پر نظر نہیں ڈالتے
خصوصاً امریکہ کی تجارت نہیں دیکھتے جو دنیا کے تمام بازاریادوں پر چھا
گئی ہے، اور قریب ہے کہ برطانوی تجارت کو مغلوب کر ڈالے۔“

ان حالات کی روشنی میں گمان غالب ہے کہ برطانوی شہنشاہی،
خود بخود دھو دھالا ہو جائے گی۔ اس کا توازن، متزلزل ہو جائے گا۔
قوی امکان ہے کہ اگر کوئی خارجی خطر نہ بھی پیش آیا، جب بھی برطانیہ
کا اندرونی اختلال اور شہنشاہیت کا عدم توازن ہی اسے برباد
کر ڈالے گا، ٹھیک اسی طرح، جس طرح تاریخ کی بہت سی دوسری عظیم
سلطنتیں برباد ہو گئی ہیں۔

جاپان میں خباثت کی تیراگ ترقی

امریکن رسالہ ”ایشیا“ میں ایک جاپانی اخبار نویس نے ذیل کا
مضمون شائع کیا ہے۔ ہندوستان کی جرت کے لئے ہم نے شائع کر
ہیں۔ اخبار نویس لکھتا ہے:

”میرے لئے یہ نہایت مشکل تھا کہ اپنے امریکن دوستوں کو اس
واقعہ کا یقین دلاؤں کہ ہمارے ملک میں بھی ترقی یافتہ اخبار موجود
ہیں اور بعض ان میں روزانہ ۲۰ لاکھ کی تعداد میں چھپتے ہیں۔ پھر
آپنا ہی نہیں، بلکہ مجھے یہ بھی کہنا تھا کہ جاپانی اخبارات امریکن
اخبارات پر کسی اعتبار سے فوقیت بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً مضامین کی
فوقیت کے اعتبار سے جاپانی اخباروں میں صرف نیچو اور ہیندا
مضامین ہی شائع ہوتے ہیں۔ علمی، اخلاقی، اقتصادی، سیاسی
ادبی... مباحث کے سوا ان میں کبھی جبرانہ قبضہ اور طلاق کی خبریں
شائع نہیں ہوتیں۔ حالانکہ امریکہ اور یورپ کے اخباروں کی فزونی
و مقبولیت، زیادہ تر اسی غریب اخلاق خبروں اور قصص پر مبنی ہے جو
دوست یہ منکر نہایت تعجب ہوتے تھے کہ ایک جاپانی اخبار کی سالانہ
آمدنی، ۳۰۰,۰۰۰ روپیہ ہے، اور اس کے سواں حصہ خالص بچت ہے۔
میرے دوستوں کا تعجب اس لئے تھا کہ جاپان کا رقبہ امریکہ کی
صرف ایک ریاست، کیلیفورنیا سے زیادہ نہیں ہے۔ آبادی بھی ساڑھے
۶ کروڑ سے زیادہ نہیں۔ حالانکہ دلائی خدہ امریکہ کی آبادی تقریباً
بارہ کروڑ ہے۔ وہ کہتے تھے، ایک ایسے چھوٹے سے ملک میں اخباری
کی اتنی فزونی ترقی کیونکر ممکن ہو؟ لیکن واقعہ ایسا ہی ہے۔ اس وقت
میں ۱۱۳۰ روزانہ اخبار ہیں اور ۲۸۵ ہفتہ وار اور ماہوار اخبار
رسائل موجود ہیں۔ ان کی روزانہ آمدنی ۱۰۰ کروڑ روپیہ ہے
پھر جاپان کے لئے ایک ایک اخبار کی آمدنی ۱۰۰ کروڑ روپیہ ہے
ایک ترقی کا امیلا اور ترقی کا

جس کا ذہنی اضطراب کی وجہ سے اُسے احساس نہیں ہوا۔ اس طرح کی صورت حال میں ایسی غلطی اکثر ہو جاتی ہے کہ اصل حقیقت و دہشت اور اعتقادی کمزوری کی وجہ سے اُس وقت پرست کی ذہنی حالت غفلت ہو چکی تھی۔ اُس نے ایک بعد دیگرے جتنے قباب اٹھا کر پیش کئے، ان میں سے کوئی قباب بھی زہر آلود نہ تھا۔ ذہنی پریشانی کی وجہ سے اُس نے جیسے زہر آلود کچرہ کراٹھا، وہ زہر آلود نہ تھا، اور جنہیں غیر زہر آلود کچرہ سمجھ کر چھوڑ دیا، وہی زہر آلود تھے۔ اس طرح کی غلطی ذہنی اضطراب کی حالت میں ہر انسان سے ہو جاتی ہے کہ

فلسطین میں آثار قدیمہ

(ہتیاروں کا قدیم سا پنہا)

اخبار السیاسہ رادی ہو کہ جرمن محقق ڈاکٹر فلسطین کو باطلہ فلسطین کے کھنڈروں میں مٹی کا ایک سا پنہا ملا جو خیال کیا جاتا ہے، یہ سا پنہا ہتیار ڈھالنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

پتھر کی تباہیاں

اب سے پہلے یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ شہر الجلس میں پتھر کی قدیم تباہیاں پائی گئی ہیں۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا یہ کسی قدیم تاشعہ کا بھایا ہیں۔ لیکن اب علماء آثار قدیمہ نے معلوم کر لیا ہے کہ یہ دیوار تیس کے مندر کے آثار ہیں۔ یہ مندر رومن شہنشاہ ہلیئم تیسویں تعمیر کیا تھا۔ (السیاسہ)

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر

۱۔ ۵ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں

۵۵

دو گنی

قیمت پر

خریدنے کے لئے طیار ہیں۔ ذکر کو اطلاع دیجئے

منیجر



اٹھا لیا۔ تمھاری خاطر ہے! اور باقی اٹھ من میں مکھیا پھر دوڑ لیا اور کھالیا۔ میں بالکل خاموش تھا۔ ایک من کے کا سا عالم چھوڑا داری تھا۔ مجھے یقین تھا، اب فوراً زہر کا اثر اُس پر ظاہر ہو جائے گا۔ مگر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی، جب میں نے دیکھا، کہ وہ پورے طرح سندست ہو۔ کوئی اثر بھی اُس پر ظاہر نہیں ہوا۔ مجھے سوچیں ہنس کر باتیں کر رہا ہوں!

”پھر اُس نے سوسم شراب جام میں اٹھلی۔ میں فوراً اضطراب سے کھڑا ہو گیا۔ اب مجھے یقین تھا کہ وہ فوراً مر جائے گا۔ مگر وہ بڑے اطمینان سے مزہ لے لے کر مینارہ۔ کئی جام خالی کر دئے۔ پھر وہ کمرے میں بیٹھنے لگا۔ برابر باتیں کئے جاتا تھا۔ اب رات کے تین بج چکے تھے۔ مگر اُس پر زہر کا کوئی اثر نہ تھا!“

”بیٹھنے بیٹھنے اُس نے یہ کہہ کر مجھے بہت مودیا۔“ باقی رات، جلد رقص میں گزار دی جائے! اب میں جیب سے پستول نکال چکا تھا کیونکہ جب زہر کی اتنی بڑی مقدار لگا کر نہ ہوئی، تو پستول کی گولی کے اور کوئی دوا دینے کا کام نہ سکتا تھا۔ اُس کے جلد رقص کے جواب میں میں بے اختیار جھجھکا اٹھا۔ ”خفیہ بھوت ایک یا بہتر ہوگا کہ جلد رقص کی تو فیصلیت کیجئے اور نماز پڑھ لے، کیونکہ ایک لمحہ بعد توڑ پڑا ہوگا!“

اُس کی آنکھوں میں ایک ہولناک چمک پیدا ہوئی۔ پھر فوراً ہی ایک قسم کا شروع و خضوع طاری ہو گیا۔ وہ جلدی سے میرے قریب آیا۔ اپنی پچھلی آنکھیں میرے چہرے پر لگا دیں۔ میں نے آہستہ سے اپنا پستول والا ہاتھ پیچھے سے سامنے کر دیا۔

”پستول دیکھ کر راسبوٹن بھاگا نہیں۔ نہ مقابلہ کی کوشش کی۔ اُس نے اپنی نظریں میرے چہرے سے ہٹائیں اور صلیب پر بجایا جو اُس کے گلے میں پڑی تھی۔ وہ اب بھی بالکل خاموش تھا۔ میں نے پستول کی لمبی دباکی اور گولی اُس کے سینے پر لگی۔ اُس نے بڑے زور سے چیخ ماری اور پتھر گر پڑا۔ میں نے دھڑک زخم کا معائنہ کیا۔ گولی، دل چیر کر نکل گئی تھی۔ یہ بالکل یقینی تھا۔ راسبوٹن مر گیا!“

”میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُس کے قریب کھڑا صلیب کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ قریب تھا، میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ راسبوٹن، بجلی کی سی تیزی سے اپنے پیروں پر سیدھا کھڑا ہو گیا بڑے زور سے چلایا۔ تمام مکان اُس کی چیخ سے گونج اٹھا۔ پھر اُس نے اپنی فولاد سے بھی زیادہ مضبوط انگلیوں سے میرا زرد پکڑ لیا۔ مجھے یقین تھا، میری ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اُس نے میری گردن پکڑنے کی کوشش کی۔ میں اپنی دہشت و خون کے بیان سے قطعاً قاصر ہوں۔ میں نے خیال کیا، یہ بھوت مجھ کو اب مار ڈالے گا۔ مگر فوراً میرے جسم میں بھی ایک عظیم قوت پیدا ہو گئی۔ میں نے زور لگا کے اپنے آپ کو چھڑا دیا اور بھگتے لگا۔

”راسبوٹن بھی میرے قلاب میں ڈوڑا۔ وہ برابر چلنے لگا تھا اور قتل کی دہمکی دیتا تھا۔ میں نے بے جا کر دھکا۔ اُس وقت اُس کی صورت بالکل بھوت کی سی ہو گئی تھی۔ تمام لباس خون سے رنگین تھا، اوڑھن سے خون کا فوارہ بہ رہا تھا!“

”وہ زمین کے سامنے پھینک دیا۔ پھر تیزی سے دروازے کی طرف دوڑ کر صحن میں پہنچ گیا۔ صحن میں تاریکی تھی۔ میرے نوکروں نے مسلسل تین گولیاں اُس پر چلائیں۔ اب وہ لڑکھڑایا، اور بہت کے ایک ڈھیر کے سامنے پھینک کر پڑا۔

”اب دافعی راسبوٹن، روس کا سبب بھوت، مر چکا تھا!“

زہر آلود خدا کے علم تاثر کی نسبت پرست نے جو کچھ لکھا ہے، یہ راسبوٹن کا کوئی اہواز نہ تھا، بلکہ خود پرست کی ایک ایسی غلطی تھی۔

نے سب سے پہلے اس راہب کی کارستانیوں سے دنیا کو واقف کیا تھا۔ اسی نے ملکہ روس کے وہ تمام خطوط شائع کئے، جن سے راسبوٹن سے اُس کی حیرت انگیز عقیدت و عبودیت پر روشنی پڑتی تھی۔

لیکن پرست راسبوٹن نے اس وقت تک دنیا کو اس راز سے واقف نہیں کیا تھا کہ راسبوٹن کا خاتمہ کیونکر ہوا؟ اُس نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ ”وہ قتل کر دیا گیا“ کچھ دنوں کے بعد جب صوفیا کی یادداشت شائع ہوئی، تو اس سے بھی صورت اتنی بات معلوم ہوئی کہ ”راسبوٹن قتل کر دیا گیا، اور اُس کی لڑکی (صوفیا) کبھی کسی طرح جان بچا کر نکل بھاگی“ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ راسبوٹن بھی انقلاب روس کے قتل عام میں قتل ہوا ہو۔

لیکن اب اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا ہے۔ یعنی پرست راسبوٹن نے اپنی کتاب کا ایک تہہ اخبارات میں شائع کرایا ہے۔ اس سے وہ اعتراف کر رہا ہے کہ ”راسبوٹن کو خود میں نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا!“

پرست لکھتا ہے:

”میں نے اور میرے دوستوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس شیطان کے اقتدار سے روس کو نجات دلائیں، مگر کوشش ناکام رہی۔ ملکہ روس کچھ اس طرح اُس کے مجال میں پھنس گئی تھی کہ کوئی بات اُس کے خلاف متاثر اور انہیں کرتی تھی، اور زور اپنی ملکہ کا غلام تھا مجھ ہو کر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس شیطان کو قتل کر ڈالا جائے۔ اس کے ہوا خفا صلیب کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ چونکہ اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی تھی، جب تک اُس کو بظاہر دوستی پیدا کر کے دام میں نہ لایا جائے۔ اس لئے میں نے کئی ماہ بہرہ گر تعلقات برپا کرنے میں صرف کر ڈالے۔ یہاں تک کہ اُسے پوری طرح مجھ پر عبور ہو گیا۔ اسی ایک دن میں نے اُس سے وعدہ لے لیا کہ وہ یکم دسمبر ۱۹۱۷ء کو میرے محل میں اگر صیاف میں شریک ہوگا۔

اس کے بعد پرست، قتل کا واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے:

”یہ گیارہ بجے رات کو پستول کی (یعنی نصف شب کے کھلنے کی) تمام طلیاں مکمل ہو گئیں۔ دعوت کی میز پر بہت بڑی بڑی قاپیں لگی گئیں۔ ان میں گرم قسم کے گوشت، جو راسبوٹن کو خاص طور پر فرغ تھے لٹائے کر رکھے گئے تھے۔ اصدغی شکیاں اصدغیں کیک بھی دھجھکتے۔ نیز گرم قہقہ کی شرابیں اصدغی طور پر جام ہیا کئے گئے تھے۔“

”میں نے الماری سے ایک صندوق نکالا۔ اس میں کئی قسم کے قابل زہر مخفی تھے۔ پھر میں نے میز پر سے ایک قباب اٹھا لی۔ اس میں ایک گلاس تھے۔ ڈاکٹر لازدورس نے بڑے دستانے پہن لئے پھر ایک خاص ہیر سیٹھ ڈاس لے کر کیکوں پر چھوٹک دیا۔ پھر بعض دوسرے قسم کے زہر بھی شراب میں ملائے۔ ڈاکٹر نے مجھے یقین دلایا تھا کہ زہر اتنی زیادہ مقدار میں ڈال دیا گیا ہے کہ شراب کا ایک گھونٹ کسی آدمی کے قتل کے لئے کافی ہوگا۔ اس ڈاکٹر کی خدمات میں نے خاص اسی غرض سے حاصل کر لی تھیں۔“

بعد جب راسبوٹن آیا تو میں اسے کھانے کے کمرے میں لے گیا۔ اُس نے اپنی پسند کا گوشت میرے ہونٹوں پر رکھا۔ میں نے وہ مخفی روٹی کی لپیٹ لگے بڑا پی جی جن میں زہر نہ تھا۔ میں نے صحن میں سے ایسا کیونکر کیا؟ لیکن یہ واقعہ جو کہ بلا قصد مجھ سے ایسا ہو گیا۔ اپنی آنکھوں میں نے زہر کی ایک تاشعہ کئے اُسے پہلی قباب سے روشنی سمجھا لی، لیکن زہر آلود کیک سے انکار کر دیا۔ اس پر شک نہ ہوئے پھر پختہ و عجب طاری کر دیا۔ میں ڈرا، شاید یہ شخص، ذلیل انداز میں اور زہر سے واقف ہو گیا ہو۔ میں نے زہر آلود روٹی کو اپنے ہونٹوں پر رکھ رکھا۔ اچانک اُس نے کھڑکی سے

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و مقبول خاص و عام اسم بستی

ہمدرد و داخانہ یونانی دہلی کا

عید المثال نادر الوجود سرائی تحفہ

”ہمدرد، دہلی“

تار کا کافی پتہ

ماہ الحکم و دانش

ہمدردی غریز اور پیاری چیز ہے وہ ظاہر ہے لیکن تندہی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ سیکڑی ہے۔ تندہی ہزار نعمت ہے۔ تندہی ہو تو سب کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندہی کی قدر ہو اور تندہی نہ رہنا پسند کرتے ہیں تو کشید کیا ہو اور اللہ استعمال کیجئے اور پری میں شباب کا لطف اٹھائے یہ امر تو مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ پیدا کرنا۔ رنگ کا بخارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا اللہ خصوصیت کے ساتھ ہر دل کو جو ان اور جوانوں کو جو ان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطور خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی ہی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شہزادہ الملک بہادر غفرلہ گاہ میں عظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب مدوح نے بغرض رفاه عام ”ہمدرد و داخانہ“ کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماہ اللہ کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا لیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتد بہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ پہلک کو صحت اپنی لفاظی اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض آدمی ہیں کہ اپنی کچی ہمدردی کے اظہار کا حق نہیں دیتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے شکوائے اور آزمائے تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ شک آنت کہ خود بخود قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہو مگر آقہم کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جو کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہمدرد کی مفرد مرکب دوائیں اس ہمدرد و داخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست

۱۲۷۲ مہجری تیار ہے۔ عفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ ”ہمدرد و داخانہ یونانی دہلی“

ہمدرد و داخانہ یونانی دہلی

حصہ سفید داغ ایوم میں حصہ غائب

درد نوری قیمت واپس۔ اگر ادا نہ کھالیں اکیس روپے خوراک مجموعی سکا اور ایک شیشی روغن سکا جو پورے ۱۲ روپے کافی ہوگی قیمت منہ جمع سارو پیسہ تیز

دقمر علاج برص نمبر درجہ ہنگامہ (بہار)

پروانہ

اپنی نوعیت کا پہلا سالہ ملک اور قوم دولت کا سچا پروانہ دلچسپ اور چھوٹے مضامین نظم و نثر سے لیکر نو ممبری کے درہنگار سے نہایت پابندی کے ساتھ شائع ہو گا کھائی چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چند سالانہ تین روپے (دو) طلب سے دو روپے (علم) مالک غیر سچا پچر و پیسہ (صہ)

ہمدرد و داخانہ یونانی دہلی

رنگ بیکو دور و اول سونا گھسکر آزالو

جزئی کی حیرت انگیز ایجاد

ماہر کی نہایت خوبصورت نازک نقش چڑیاں جو مٹی سے بن کر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ انکے اندر رنگیں چڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبردادیاں قوت کے گینے جڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ درون میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی پتی منف نازک کے لئے بہترین تختہ ہے۔ ڈھائی روپیہ میں پانچ سو روپے کا کام نکالا جاسکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں فروخت ہوتی ہیں۔ جلد نکلوانے کا اشارت ختم نہ ہو جائے۔ چڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس چڑیوں کے لئے سات روپے (دو)

ہمدرد و داخانہ یونانی دہلی

نیم چھپانے کی بنظر گویاں جن کے استعمال سے صفا باعلی آسانی سے افیم چھٹکے ہیں ایک روپیہ ہوا کے علی کے کو بیکو گویاں کافی ہو سکتی ہیں۔ لئے کا تہ حکیم محمد عمر امین غفرلہ کا منسلق فیروز پور پنجاب

اشتہار کے لئے

نہیں ہو، جس کو قدا و خیال کرتے تھے، بلکہ بہت سے جوان بھی اس میں شریک ہیں۔ اسی ابتدائی حیاتی حالت میں ہی انسان ہنس کر رہتا تھا۔ اس وقت اس میں کلام کی قوت نہ تھی، اس لیے ہنسر اپنی خوشی ظاہر کرتا تھا۔ ہنسی درحقیقت جھوٹ، آنکھوں، اور کانوں کی طرف سے احساس مسرت میں شرکت کی ایک علامت ہے! ٹھیک انسان کی طرح بہت سے بند بھی ہنسنے یا مسکرانے میں وہ خاص حالات میں اپنا منہ اور دانت کھول دیتے ہیں، اور ایسی آوازیں نکالتے ہیں، جو بالکل انسان کی ہنسی سے مشابہ ہوتی ہیں۔

پروفیسر جارج بولاگیر موجودہ زمانہ کا ماہر علم الحیوانات ہے اسکا بیان ہے کہ لندن کے زندہ عجائب خانے میں اس سے متعدد شبانہ بندوں کو ہنسنے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ ہنسی بالکل آدمی کی ہنسی کی طرح ہوتی ہے۔ بند پر پروفیسر موصوف نے جان بچان کچے تھو۔ وہ لوگوں کے ہجوم میں بھی اسے دیکھ کر ہنسنے یا مسکرانے لگتے تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ پروفیسر کو یہ بیان ہے کہ اس سے بہت سے بندوں بغل میں کسی طرح گڑ گڑایا، جس طرح آدمی آدمی کو گڑ گڑاتا ہے۔ اس کا وہی اثر ہوا، جو آدمی پر ہوتا ہے۔ لیکن وہ ہنسنے لگے اور بعض تو ہنسنے لڑنے لگے!

بعض علماء کا خیال ہے کہ کتے بھی ہنستے ہیں۔ لیکن کتوں کی ہنسی میں آواز نہیں ہوتی۔ صرف منہ کھلتا ہے اور دانت بکھل آتے ہیں۔

مذہبین انگلستان کے بعض اقوال

ہندوستان کی نسبت

اس کے بغیر جارہیں کہ اسلام کو مغلوب کر دیا جائے۔

(لارڈ ڈیلوری ۱۸۵۸ء)

”لارڈ اور حکومت کرو“ قدیم رومن مقولہ ہے اور یہی ہندوستان میں ہمارا بھی اصول ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ ہادی ہندوستانی سلطنت بالکل محفوظ ہو جائے گی اگر ہم اسی اصول پر ایک ہندو فوج مرتب کریں۔ اسی مقصد کے لئے میں مختلف فرقوں اور زبانوں کی بھڑکے فائدہ اٹھاؤں گا۔ ممکن ہے میں اس باب میں کیا فیصلہ پوری قوت سے بیان نہ کر سکوں مگر یہ معلوم ہے کہ ہندو ملک آج کل انگلش اس خیال میں مجھ سے بالکل متفق ہیں۔

(لارڈ آلفرڈ رولز، بری ۱۸۵۸ء)

ہادی بہترین حکمت عملی یہ ہے کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے اور ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ سے ہمیشہ دست بگریباں رکھیں!

(دیسلمنٹر ریلوے ۱۸۵۸ء)

ہادی کو شہر پہنچا ہے کہ ہندوستان کے مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلافات پوری آیت سے برقرار رکھیں اور کبھی باہم اتحاد قائم نہ ہو دیں۔ لارڈ اور حکومت کروہ ہادی حکومت کا حکایت کا اصل لالچ ہونا چاہیے۔ (کرکٹ جان کوک ۱۸۵۸ء)

ہندوستانی مسلمانوں کا مطالعہ ہندو جذبات پر قربان کر دیا گیا۔

(پیشتر ۱۸۵۸ء)

نزع میں ہے، تو اخباروں کی رقابت آخری حد تک بڑھ گئی۔ دونوں اخباری کمپنیوں نے شاہی محل کے قریب ہی دو مکان کرایہ پر لئے، اور اپنے اپنے دفتر کھول دیئے۔ ان دونوں میں ہر وقت خبریں لانے والوں اور کام کرنے والوں کا اتنا ہجوم رہتا تھا کہ دو فرجی بارکیں معلوم ہوتی تھیں۔ ہر کمپنی کی کوشش تھی کہ شہنشاہ کے متعلق سب سے پہلے وہی خبریں معلوم کر کے شائع کرے!

جاپان کے اخباروں کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ خبریں جمع کرنے میں صرف، دلیل، تار، اور ہوائی جہازوں ہی پر بھروسہ نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے ہر چیز ٹوٹ سکتی ہے، بلکہ قدیم طریق خبر رسائی، یعنی پیغامبر کو ترل کی ڈاک کا بھی انتظام کر رکھا ہے۔ بڑے بڑے نامور اخبار کے ساتھ ہیشہ کبوتر جلتے ہیں، تاکہ اگر کبھی دلیل، تار، یا ہوائی جہاز بے کار ہو جائے، تو ان کبوتروں کے ذریعہ خبریں قریب پہنچا دی جائیں!

ہنسی

ایک علمی اور نفسیاتی بحث

”مازہ ڈاک کے ایک علمی رسالہ میں ہنسی کی حقیقت پر دلچسپ بحث کی ہے:

”ہنسی کیا ہے؟

موجودہ علم کی روشنی میں ہنسی، ایک عصبی تشبیہی حالت ہے جو انسان کے مختلف اعضاء پر طاری ہوتی ہے۔ یہ حالت اس طرح شروع ہوتی ہے کہ پہلے آنکھیں کسی قدر بند ہوتی ہیں، پھر منہ کے بعض عضلات اوپر چڑھ جاتے ہیں، اور بعض نیچے لٹک جاتے ہیں۔ پھر وہ مکمل جاتے ہیں، یہاں تک کہ دانت ظاہر ہو جاتے ہیں۔ پھر منہ اور منہ پر اثر پڑتا ہے۔ ان میں بھاری پن پیدا ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی آواز بھی پیدا ہوتی ہے، اور یہی آواز اپنے آخری درجہ میں قہقہہ کہلاتی ہے۔ پھر تشبیہی حالت، جسم کے دوسرے اعضاء تک پہنچتی ہے۔ انسان نے خود ہنسنے کا ہتھ پاؤں ہلانے لگتا ہے، یا اپنے زانوؤں پر ہاتھ مارتا ہے۔ کبھی آدمی تالیان بھی بجانے لگتا ہے۔ مگر یہ تمام حرکات، ہنسی کے اصلی جزاؤں نہیں ہیں۔ اگرچہ اکثر حالتوں میں طاری ہوتی ہیں۔

پس ہنسی جسم انسانی کا ایک اندرونی عمل ہے، لیکن اگر انسان اپنی قوت ارادہ مضبوط کرے، اور ہنسی روکنا چاہے، تو پوری حد تک روک بھی سکتا ہے۔

ہنسی، عموماً مسرت، انگیز، موثرات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ٹھیک گری کی طرح جو رنج دالم سے پیدا ہوتا ہے۔ یا چہرہ اور جسم کی بعض فعلی حرکات کی طرح جو غصہ یا خوں سے واقع ہوتی ہیں۔

کبھی ہنسی، اندرونی عوامل کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ صناعی طور پر پیدا کر دی جاتی ہے۔ مثلاً ہم گڑ گڑا کر آدمی کو ہنس دیتے ہیں جسم میں گڑ گڑی کا اثر اس امر کی علامت ہے کہ جسم، زندہ اور حساس ہے لیکن کبھی جسم پر ایسے عوارض بھی طاری ہو جاتے ہیں کہ گڑ گڑی کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

غیر حقیقی ہنسی کی ایک قسم وہ بھی ہے جو محض محاکات سے ظاہر ہوتی ہے۔ ہم لوگوں کو ہنسنے دیکھتے ہیں، اور خود بھی ہنسنے لگتے ہیں، حالانکہ ہم اس کی ہنسی کا سبب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ محاکاتی ہنسی انسان کی اجتماعی طبیعت کی ایک علامت ہے۔ اس میں درانت کو کبھی دخل ہے علمی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ہنسی صرف انسان ہی کا خاصہ

دشمار سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی مدارس کے طالب علموں میں ہوا و فیندی طالب علم ثانوی مدارس میں اپنی تعلیم جاری رکھتے ہیں۔ جاپان میں اس وقت ابتدائی ثانوی، اور اعلیٰ تعلیم کا ہر دوں کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ ان میں طلبہ کی سالانہ تعداد ایک کروڑ لاکھ سے زیادہ رہتی ہے۔

پھر جاپانیوں کو مطالعہ کا بھی اذہد شوق ہے۔ میرے علم میں کوئی قوم اس لحاظ سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ۱۹۲۵ء کے اعداد شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان میں مختلف علوم و فنون پر ۸۰۰۰۰۰ اکابر تھے، شائع ہوئے۔ علاوہ بریں انگلستان، فرانس، امریکہ، جرمنی اور چین سے ۵۰ لاکھ روپیہ کی کتابیں آئیں، اور فروخت ہو گئیں جاپان کے تمام اخبار نویس جانتے ہیں کہ اخباروں میں سب سے زیادہ اعلان کتابوں ہی کے شائع ہوتے ہیں، اور انہی سے زیادہ اجرت حاصل ہوتی ہے۔

ٹوکیو اور اوسا کا کے دس اخباروں کی روزانہ مجموعی اشاعت ۵۰ لاکھ ہے۔ ان میں سب سے بڑے اخبار دو ہیں: ”اوسا کا ماچی“ اور ”ٹوکیو نیچی“ دونوں ”اوسا کا ماچی“ کمپنی کی ملکیت ہیں۔ اول الذکر کی روزانہ اشاعت ۱۳ لاکھ ہے اور آخر الذکر کی ۸ لاکھ۔ ان کے بعد ”اوسا کا ساہی“ کمپنی کے دو اخبار ہیں: ”اوسا کا ساہی“ اور ”ٹوکیو ساہی“ دونوں کی مجموعی اشاعت ۲۰ لاکھ ہے۔ میرے خیال میں دنیا بھر میں کوئی اخبار بھی ”اوسا کا ماچی“ کے برابر اشاعت نہیں رکھتا۔ ہاں صرف لندن کا ”ڈیلی میل“ اور پیرس کے ”جرنل“ اور ”تھی باریزان“ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان چار اخباروں کے علاوہ ۱۶ اور اخبار ایسے ہیں جن کی روزانہ اشاعت ۵ لاکھ سے لاکھ تک ہے!

جاپان میں کئی انگریزی اخبار بھی نکلتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اخبار ”اوسا کا ماچی“ کمپنی کی ملکیت ہے، اور یہ بڑے صفوں میں چھپتا ہے۔

جاپان کی صحافتی ترقی کے سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اخباروں میں ہر ماہ بہت رقابت ہے۔ بلکہ کتنا چاہئے ایک پرامن جنگ جانی ہے۔ اس رقابت سے باشندوں کو بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ذیل میں چند واقعات ملاحظہ ہوں:

سلسلہ میں اخبار ”ماچی“ نے اپنا جری طیارہ جزائر جاپان کے گرد و گردہ لگانے کے لئے روانہ کیا۔ اس کا جواب اخبار ”اوسا کا ساہی“ نے یہ دیکھ کر ایک دوسرا طیارہ خرید کر ٹوکیو سے پیرس تک کے سفر پر روانہ کر دیا!

اس کے بعد اول الذکر اخبار نے یہ جدت کی کہ ہوائی جہاز اس غرض سے خریدے کہ اپنے ٹوکیو اور اوسا کا کے مرکزی دفتروں کے مابین اتصال پیدا کرے، اور جلد سے جلد کتابیں، اخبارات، نئی تصویریں، ایک دفتر سے دوسرے دفتر میں پہنچ جائیں۔ اس پر اخبار ”اوسا کا ساہی“ نے بھی فوراً کئی جہاز خریدیں اور اوسا کا ٹوکیو اور سندائی ٹوکیو کے مابین حکومت کے لئے مفت ہوائی ڈاک کا سلسلہ جاری کر دیا! اس رقابت نے اتنے یہ صورت اختیار کر لی ہے کہ تمام بڑے بڑے جہازیں خرید کر رکھی گئی ہیں جیسے شائع کرتے ہیں اور اپنے خریدنے میں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ مثلاً اخبار ”ماچی“ روزانہ ۱۳ جیسے شائع کرتا ہے۔ جیسے عموماً تصنیف اور دیباچوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ مگر انہم کو آنا جانا ہر وقت کے جیسے میں ہی خبریں چھپ جاتی ہیں، جو وہاں کے باشندے حاکم نے ضروری ہیں۔

اس رقابت کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ اخبارات خبریں جمع کرنے میں بڑے زیادہ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ مثلاً ”اوسا کا ماچی“ کمپنی نے اپنے اخبار ”اوسا کا ماچی“ کے لئے ہر ماہ ۱۰۰۰۰۰ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ جس میں مشہور ہوا کہ شہنشاہ جاپان، حالت

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سو گمراہ گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کو مسلسل سلسلہ
بچھونکے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چھپا ہوا
کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

ان تمام صحاب کے لئے

جو
قیمتی تہن و صنعت کی قیمتی شایہ کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویریں، پُرانے کتبے،
اور نمونے، پُرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی،
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش
گاہوں اور دفاتر کی قیمتیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے
ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نواد عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی معارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتیں قجب آنکھ پر مہر آنداں ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادہ حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ تاہم کے لئے ایوان شاہی کے نوادہ بھی حال میں ہم تک پہنچا رہے ہیں

اگر آپ کے پاس نو اور موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے بل کے

مدیجر "البلاغ پریس"

یہ رعاصر ایلڈن نے ۱۶۹۰- نومبر ۱۷۰۰ میں لندن میں منویٹال میں ۲۹ نومبر ۱۷۲۶ء کے بعد کسی درخواست کنندہ کو رایت نہ دیا جیسی غلطی پہلے کے رعایتی خریدار کو محصول ایک سافٹ جو کاٹنے پہلے کے رعایتی قیمت اور محصول پہلے کے اصل قیمت کے خریدار کو رسالہ انتخاب کا جواب جسکی قیمت سالانہ چھ روپے مفت دیا جائیگا۔ غلطی نہ کرنے کے رعایتی خریدار کو رسالہ انتخاب کا جواب نہ کیلئے مفت حصہ پہلے کے رعایتی خریدار کو ایک روپے کی اصل قیمت کی کوئی کتاب جو وہ چاہیں مفت دیکرائیں گی ایک تو جرمنی کا نامہ اور دوسرا ایٹلیا۔ یہ سچ

صنعتِ معرفت کی نایاب کتابیں

فہرست مضامین کا نام اور اس کی تفصیل

باورچی خانہ متعلق
بہترین کتابیں

و باغبانی
راحت بی
منهت باشد

۳۹ نومبر ۱۹۲۷ء کو پانچویں ایسٹرن ہوکارپ عایتی محرم و جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کا ایک دن ہی کس ہے

فیض احمد فیض

[illegible]

تاریخ مراکش
تاریخ سیالکوٹ

۱۰۸
 ۱۰۷
 ۱۰۶
 ۱۰۵
 ۱۰۴
 ۱۰۳
 ۱۰۲
 ۱۰۱
 ۱۰۰
 ۹۹
 ۹۸
 ۹۷
 ۹۶
 ۹۵
 ۹۴
 ۹۳
 ۹۲
 ۹۱
 ۹۰
 ۸۹
 ۸۸
 ۸۷
 ۸۶
 ۸۵
 ۸۴
 ۸۳
 ۸۲
 ۸۱
 ۸۰
 ۷۹
 ۷۸
 ۷۷
 ۷۶
 ۷۵
 ۷۴
 ۷۳
 ۷۲
 ۷۱
 ۷۰
 ۶۹
 ۶۸
 ۶۷
 ۶۶
 ۶۵
 ۶۴
 ۶۳
 ۶۲
 ۶۱
 ۶۰
 ۵۹
 ۵۸
 ۵۷
 ۵۶
 ۵۵
 ۵۴
 ۵۳
 ۵۲
 ۵۱
 ۵۰
 ۴۹
 ۴۸
 ۴۷
 ۴۶
 ۴۵
 ۴۴
 ۴۳
 ۴۲
 ۴۱
 ۴۰
 ۳۹
 ۳۸
 ۳۷
 ۳۶
 ۳۵
 ۳۴
 ۳۳
 ۳۲
 ۳۱
 ۳۰
 ۲۹
 ۲۸
 ۲۷
 ۲۶
 ۲۵
 ۲۴
 ۲۳
 ۲۲
 ۲۱
 ۲۰
 ۱۹
 ۱۸
 ۱۷
 ۱۶
 ۱۵
 ۱۴
 ۱۳
 ۱۲
 ۱۱
 ۱۰
 ۹
 ۸
 ۷
 ۶
 ۵
 ۴
 ۳
 ۲
 ۱

۸۸ استان بغداد
۸۸ تخمین پدیده

بار پین
 و تیر کاجریه
 و بیع شبنستان
 لالت کشیا کا
 لیگون کره
 سر ارا کلیند
 سیر قلعه کاجری
 سیر قلعه حبیبان
 سیر مقبول
 فی سوت
 سیر کالوٹ
 لی توآب
 سیر مقصود
 سیر قلاب یوروب
 ول مقصود
 گیش تندی
 سیر بریں
 سیر صلح
 سیر رافورنڈا
 سیر الفریخ و دغا
 سیر الحنبیا
 سیر دیوقا
 سیر مقصود موہنا
 سیر دول
 سیر روزگار

مفتوح

ناول

۱۲	شوقه فرانس
۱۳	ایستاب
۱۴	شهاب
۱۵	صورت ناخن
۱۶	زخم مرده
۱۷	عقرب
۱۸	مست کاظم
۱۹	خاک طهر
۲۰	سید پاکدامن
۲۱	عشق
۲۲	بمان عذرا
۲۳	نالی بی کس
۲۴	نالی بی کس
۲۵	دوبانو
۲۶	پوس بواب
۲۷	شوقه عذر
۲۸	دو
۲۹	کائنده
۳۰	میل عطیه
۳۱	حق صحت
۳۲	صحت
۳۳	پیش واکو
۳۴	ی ا ب گیلین
۳۵	عاشق

اقتصادیات



دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رقیع تبصرہ کرتا ہے۔

اس کا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات رقبہ کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square,

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میروں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تہذیبی سرمایہ لیکر ایک رقیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کرٹھنیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

الَمَلَا

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

- (۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لغافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے ۔
- (۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا ۔
- (۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے
- (۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے ۔
- (۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔
- (۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ” مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں ۔
- (۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیں ۔
- (۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا ۔

”کیا آپ کا واقعی یہی مطلب ہے کہ یہ مراسلت میں لیلوں اور مجمع مصر کے ساحل پر اتار دیا جائیگا؟“

”یقیناً“ انگریز جاسوس نے مسکراتے ہوئے کہا ”اس لیے کہ میرے دوست! جب تم قاہرہ واپس جاؤ گے، تو دیکھ لو گے کہ تمہاری بیوی بڑا پارٹ کی آغوش میں ہے!“

(۶)

اصل واقعہ یہ ہے کہ نپولین از میڈم فریسیس کے تعلقات کی پوری سرگزشت انگریزی جاسوس نے معلوم کر لی تھی، اسلندریہ اور دمیاط میں ان کے آدمی موجود تھے، اور الفی بک مملوک کی اعانت سے تمام مصر کی خبریں معلوم کرتے رہتے تھے۔ جب جان بارنت کو معلوم ہوا کہ نپولین نے فریسیس کو اس لیے روانہ کر دیا ہے تاکہ مصر سے دور ہو جائے اور وہ خود اس کی بیوی کے ساتھ بے غل و غش عیش کرے، تو اس نے انگریزی بیڑے کے انسرز کو اس کی اطلاع دیدی۔ جب فرانسیسی جہاز کی گرفتاری کے بعد فریسیس کا نام معلوم ہوا تو فوراً پہچان لیا گیا کہ میڈم فریسیس کا شوہر یہی ہے۔ وہ اسے گرفتار رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ کیونکہ اس طرح وہ نپولین کے دلی مقصد کی تکمیل کر دیتے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ جہاننگ جلد ممکن ہو، اسے مصر واپس کر دیا جائے، تاکہ نپولین کے سر پر مسلط ہو جائے۔ انگریزوں کو یقین تھا کہ فریسیس جوش انتقام میں اپنے رقیب کو قتل کر ڈالے گا، اور اس طرح اس بلا سے انہیں نجات مل جائیگی۔

(۷)

ادھر مصر میں یہ ہوا کہ فریسیس کے روانہ ہوتے ہی اس کی بیوی نپولین کے قبضہ میں آگئی اور شب و روز ساتھ رہنے لگی۔ نپولین کا اب اس سے تعلق بالکل علانیہ تھا۔ چند دن بعد تمام فرج میں یہ خبر پھیل گئی، اور سپاہی میڈم کو ”ہماری مشرق کی ملکہ“ کہہ پکارنے لگے!

لیکن ابھی چند ہفتے بھی اس حالت پر نہیں گزرے تھے کہ اچانک فریسیس قاہرہ پہنچ گیا۔ انگریزی جہاز نے نہ صرف اسے مصر پہنچا دیا، بلکہ اسلندریہ میں ایک انگریزی جاسوس نے تمام ضروری معلومات بھی بہم پہنچا دیں۔ اسے معلوم ہو گیا کہ نپولین نے قاہرہ میں ایک خاص مکان اس کی بیوی کیلئے مخصوص کر دیا ہے، اور وہ بڑے امیرانہ ٹھکانے سے رہیں رہتی ہے۔

وہ سیدھا اس مکان کی طرف چلا۔ واقعی اس کی بیوی قیمتی لباس میں ملبوس موجود تھی۔ شوہر کو اس طرح اچانک دیکھ کر ڈر گئی، اور صاف صاف نپولین کے تعلقات کا اقرار کر لیا۔ اب فریسیس کیلئے غیظ و غضب ضبط کرنا ناممکن تھا۔ اس نے بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ مارتے مارتے تھک گیا۔ اور عورت بے دم ہو کر گر پڑی۔

اس کے بعد کیا واقعات پیش آئے؟ ان کی تفصیلات تاریخ تک نہیں پہنچ سکیں۔ لیکن در باتوں کا نپولین کے، نتائج نگاروں نے ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ فریسیس نے طلاق کی درخواست پیش کر دی، اپنی بیوی سے علحدگی کر لی تھی۔ دوسری یہ کہ فریسیس مصر سے فرانس واپس آ کر عرصہ تک زندہ رہا تھا۔

جان بارنت کا خیال تھا کہ فریسیس نپولین کو قتل کر ڈالے گا، لیکن نپولین ایسی ہستی نہ تھی جو اس آسانی سے قتل کر ڈالی جاتی۔ ابھی اسے زندہ رہنا تھا اور تمام یورپ کو مذقلب کر دینا تھا!

اب غریب فریسیس کے لیے بجز اطاعت کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ وہ ۱۸ - دسمبر سنہ ۱۷۹۸ - کو اسلندریہ پہنچا اور فرانسیسی جہاز ”شاسور“ نامی پر سرار ہو گیا۔ اس جہاز کا کپتان لارنس تھا۔

لیکن فریسیس یہ دیکھ کر نہایت متعجب تھ کہ اس کا جہاز سیدھا راستہ اختیار کرنے کی جگہ کچھ عجیب پیچ و خم کے ساتھ جا رہا ہے۔ اس نے کپتان سے پوچھا، تو اس نے کہا ”انگریزی بیڑے ہر طرف مندلا رہا ہے۔ اس سے بچ کر چلنا ضروری ہے“

کپتان دراصل سکھایا پڑھایا ہوا تھا۔ اس سے کہہ دیا گیا تھا کہ جہاز انگریزوں کے ہاتھ قصداً گرفتار کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چند دنوں کے بعد فریسیس انگریزی بیڑے میں قید تھا۔ انگریزی جنگی جہاز ”لیون“ نے فرانسیسی جہاز دیکھ لیا تھا اور گرفتار کر لیا تھا!

(۵)

یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اس حادثہ سے غریب فریسیس کو کس درجہ صدمہ ہوا؟ ایک طرف اپنی رفیق حیات کی جدائی کا صدمہ مارے ڈالتا تھا۔ دوسری طرف اپنی سرکاری مہم کی ناکامی کا داغ تھا۔ وہ انگریزی جہاز ”لیون“ کے ایک کمرے میں مقید تھا، اور وہ دھڑکھڑاتے لارنس کو کوس رہا تھا۔ اگر اس نے سمندر میں غلط راستہ اختیار نہ کیا ہوتا تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔ بڑی مصیبت یہ تھی کہ اب ایک بڑی مدت تک کے لیے وہ آزادی سے محروم ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ جنگی قیدی تھا۔ اس لیے اس کی رہائی صرف در ہی صورتوں میں ہوسکتی تھی۔ یا تو دونوں حکومتوں میں صلح ہو جائے، یا باہمدگر جنگی قیدیوں کا مبادلہ کیا جائے۔ لیکن یہ دونوں صورتیں قریب الوقوع نہ تھیں!

فریسیس اپنے غم انگیز خیالات میں محو تھا۔ یکایک اس کی کوٹھری کا دروازہ کھلا، اور ایک انگریز داخل ہوا۔ یہ اس عہد کا مشہور انگریز جاسوس جان بارنت تھا، جسے نپولین نلسن سے کم خطرناک نہیں سمجھتا تھا۔

فریسیس نے اس کی صورت دیکھتے ہی خیال کیا کہ غالباً یہ اس مہم اور اس کے مقاصد کے نسبت سوالات کرے گا۔ جو سرکاری مراسلت لیکر فریسیس فرانس جا رہا تھا، وہ گرفتاری کے وقت ہی اس سے لیلی گئی تھی۔ سب سے زیادہ صدمہ اسے اسی مراسلت کے دشمنوں کے ہاتھ پڑ جانے کا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا ”میں نے اس مراسلت میں کیسے کیسے اہم راز ہونگے جو انفسوس کہ دشمنوں کے علم میں آ گئے۔ بہر حال خوار کچھ ہی کیوں نہ ہو، میں ان کم بختوں کے سوالات کا کوئی جواب نہیں دے گا“

لیکن شدت چیرت سے وہ مبہوت ہو گیا، جب اس نے دیکھا کہ جان بارنت نے بھی مراسلت جیب سے نکالی، اور فریسیس کو دیتے ہوئے کہا:

”میرے دوست! یہ تمہارا سر بہ مہر لقا ہے۔ موجود ہے۔ دیکھ لو! ہم نے کھولنے کی بالکل کوشش نہیں کی۔ اس کی تمام مہریں اپنی اصلی حالت میں قائم ہیں۔ ہمیں کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس کے مضامین سے واقف ہوں۔ یہ مراسلت تمہیں واپس دیدی جاتی ہے۔ اسے لیلو۔ شاہی حکم کی رو سے اب تم آزاد ہو۔ تمہیں عنقریب مصر کے ساحل پر پہنچا کر رخصت کر دیا جائیگا“

یہ بات صورت حال کے اس حرجہ خلاف تھی، کہ کئی لمحہ تک فریسیس باور نہ کرسکا۔ آخر اس نے کہا:



(۳)

نپولین اور اسکی اخلاقی زندگی

— ❖ —

(انسانی عظمت اور اخلاقی نامراسی)

— ❖ —

میدان جنگ اور حجلہ ہوس !

— ❖ —

(میڈم پریلین سے محبت)

اس عورت سے نپولین کو مصر میں عشق ہوا تھا ۔

گیروڈ آرڈیز Gertrude Ardetz جسکی جدید الشیوع کتاب کا ذکر ان صفحات پر ہو چکا ہے ، میڈم پریلین کی نسبت لکھتا ہے :

اس معاملہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۹ مئی ۱۷۹۸ ع کو نپولین مصر کی فتح کیلئے روانہ ہوا ۔ وہ اپنے دو دشمنوں سے بہت زیادہ خائف تھا ، اور انکی آنکھ بچا کر نکل جانا چاہتا تھا ۔ یعنی انگریزی امیر البحر نلسن ، اور انگریزی جاسوس جان ہارنٹ ۔

اس سفر میں نپولین نے چند خاص عورتوں کے سوا عورتوں کی رفاقت ممنوع قرار دیدی تھی ۔ جن عورتوں کو چلنے اجازت دی گئی تھی ، ان میں خود اسکی داشتہ میڈم وردیا بھی تھی جسے وہ اتلی سے اپنے ساتھ لے لیا تھا ۔

(۲)

اس فوج میں لیو فریسی نامی ایک فوجی افسر تھا ۔ اسنے حال ہی میں شادی کی تھی ۔ اسکا دل اپنی بیوی کی جدائی پر کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا ۔ مگر مشکل یہ تھی کہ عورتوں کو ساتھ لیجانے کی ممانعت تھی ۔ آخر اسنے یہ ترکیب نکالی کہ بیوی کو سپاہی کی زین پیٹا کر اپنے ساتھ لے لیا ۔ تاکہ دونوں بے رزق ٹوک ساتھ رہ سکیں !

اس وقت کے اکثر مورخین کا بیان ہے کہ ماہ اگست میں نپولین نے قاہرہ کے باہر ایک جلسہ کیا تھا ، جس میں اسکا پرور جنگی اسٹاف اور تمام عورتیں شامل تھیں ۔ اسی جلسہ کے موقع پر نپولین نے میدان میں اپنی فوج کا ایک دستہ گدھوں پر سوار دیکھا ۔ سپاہیوں میں ایک شخص غایت درجہ خوش آواز ، خوبصورت ، اور دلربا تھا ۔ نپولین نے جنرل برتید کو حکم دیا کہ اس شخص کا پتہ لگائے ۔ اسی دن شام کو جنرل نے یہ عجیب خبر پہنائی کہ ” وہ سپاہی مرد نہیں ہے ۔ عزت ہے ۔ اور بالخصوص رسالہ کے ایک افسر کی بیوی ہے “

دوسرے دن نپولین نے جنرل کو ایک دعوت منعقد کرنے کا حکم دیا ۔ اس میں برتید جنرل ، افسر ، اور انکی عورتیں بھی گئی تھیں ۔ خصوصاً میڈم فریسی بھی خصوصیت کے ساتھ بلائی گئی تھی !

چنانچہ دعوت کا جلسہ منعقد ہوا ۔ میڈم بغیر اپنے شوہر کے بلائی گئی تھی ۔ اس کے شوہر نے شروع میں تو جانے سے منع کیا ۔ لیکن پھر دتا ، اور اجازت دیدی ۔ چنانچہ تمام مہمان جمع ہوئے ۔ حسب معمول نپولین برآمد ہوا ۔ سب تعظماً کھڑے ہو گئے ۔ وہ لوگوں سے ہنستا بولتا جنرل تک پہنچا ، جسکے پاس میڈم فریسی اور متعدد ممتاز سپہ سالار کھڑے تھے ۔ جنرل قائد اعظم کا خیر مقدم بجا لایا ، تشریف آوری پر شکریہ ادا کیا ، اور ایک پیالی چائے نوش کرلیں کی درخواست کی درخواست منظور ہوئی ، اور نپولین بیٹھ گیا ۔ میڈم بالکل اسکے مقابل کھڑی تھی ۔

میڈم فریسی نے دیکھا ، سپہ سالار اسے پر معنی نظروں سے دیکھ رہا ہے وہ بہت کم عمر تھی ۔ شرما گئی ۔ نپولین اسکی حالت کا بغور مطالعہ کرتا رہا ۔ مگر بالکل خاموش رہا ۔ چائے جلدی سے پیلی ، اور بغیر ایک لفظ کہے جلسہ سے اٹھ گیا ۔

مہمانوں کے رات کا کھانا کھایا ، اور کافی پینے لگے ۔ میڈم فریسی جس میز پر تھی ، اس کے ایک طرف جنرل دی بری بیٹھا تھا ۔ دوسری طرف جنرل جنرو ۔ آخر الذکر نے کافی کی بری ہوئی پیالی جان بوجھ کر اس طرح میڈم فریسی پر گرا دی ، کہ سب نے اسے اتفاقی حادثہ سمجھا ۔ لوگ لپکے اور خاتون کا لباس صاف کرنے لگے ۔ جنرل جنرو نے اپنی غفلت پر بری فصاحت سے ندامت کا اظہار کیا ۔ فوراً کافی کا دھبہ پانی سے دھلویا گیا جس سے میڈم کا لباس اور زیادہ بھیک گیا ۔ اس پر جنرل نے کہا ” آپ کیڑا خشک کرنے کے لیے مکان کی بالائی منزل پر چلی جائیے “ میڈم چلی گئی ۔ وہاں نپولین منتظر بیٹھا تھا !

(۴)

دعوت کے تیسرے دن میڈم کے شوہر فریسی کو حکم ملا کہ جنرل برتید سے ملاقات کرے ۔ جنرل نے بری ہشاشت سے افسر کا خیر مقدم کیا ، اور کہا ” درست ! تم برتید ہی خوش نصیب ہو ۔ کیونکہ فرانس جا رہے ہو ۔ سپہ سالار تمہیں ایک خفیہ مہم پر پیرس بھیج رہا ہے ۔ ایک گھنٹہ کے اندر روانہ ہو جاؤ ۔ یہ لو اسکندریہ کے سپہ سالار کے نام حکم ہے کہ تمہارے سفر کیلئے ہر طرح کی سہولتیں ہم پہنچا دے “

فریسی بدحواس ہو گیا ۔ حیران تھا ، کیا جواب دے ؟ آخر کار افسردگی سے جنرل کا شکریہ ادا کیا اور کہا ” اگر مجھے فوراً ہی روانہ ہو جانا ہے تو میں اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤں گا “

جنرل نے غصہ سے کہا ” پیری ! دیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ایک ایسے نازک کام میں اپنے ساتھ اپنی بیوی کو لیجا سکتے ہو ؟ خصوصاً جب کہ راستہ میں انگریزی بیڑے موجود ہیں اور تمہیں قید کر لے سکتا ہے ؟ “

کہ پہلی غذا کیوں بدلتی پڑتی؟ اس لیے کہ مقصود کسی خاص غذا کا کھلانا نہیں ہے، بلکہ ایسی غذا کا کھلانا ہے جو مریض ٹھیک طور پر ہضم کر سکے۔ ہضم کی استعداد کے لحاظ سے ہر مریض کی حالت یکساں نہیں ہوتی۔ ایک مریض کے لیے دودھ سے زیادہ زرد ہضم غذا کر لینی ہوگی۔ لیکن پہلی دودھ دوسرے مریض کے لیے ناقابل ہضم ہوگا۔ جو حال جسم کے لیے معده کا ہے۔ وہی حال دماغ کے لیے فکر کا ہے۔ ذہن و فکر کا ایک بیمار ایسا ہوگا جو ایک خاص طرح کی دانائی قبول کر لے سکتا ہے، لیکن ایک دوسرے بیمار دل کے لیے وہی بات ناقل فہم و تاثر ہوگی۔ انبیاء کرام علم و یقین کی بہتر سے بہتر دانائی رکھتے ہیں، لیکن دماغ و فکر پیدا نہیں کر سکتے۔ دودھ کے بہتر غذا ہونے پر کون حرف لا سکتا ہے؟ لیکن اس کا کیا علاج کہ بد نصیب مریض نے اپنا معده کھر دیا ہے۔ وہ جیسی معده اور زرد ہضم غذا بھی ہضم نہیں کر سکتا؟ یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کہ: **انک لا تھدی من احببت، و لکن اللہ یمدی من یشاء الی صراط مستقیم** (۵۶: ۲۸)۔ حالانکہ انبیاء کرام کے ہادی ہونے پر خود قرآن بار بار شہادت دے چکا ہے کہ: **و انک لتھدی الی صراط مستقیم** (۵۲: ۴۲)۔ تو مطلب یہی ہے کہ پہلی قسم کی آیات میں استعداد اور قابلیت خلق کرنے کی نفی ہے، اور دوسری میں استعداد رکھنے والوں پر سچائی کی راہ کھول دینے کا اثبات ہے۔

(بابل کا طبیب حق)

کئی ہزار برس گزرے، اس بیمارستان ہستی میں ایک طبیب حق ابراہیم خلیل بھی تھے۔ ان کا سابقہ بابل کے ایک مریض سے پڑا۔ یہ پادشاہی کے گھمبہ کا زرگی، اور جہل و طغیان کی بیماروں سے بد حال تھا۔ انہوں نے اس کے سامنے علم و بصیرت کی ایک غذا رکھی: **”ربی الذی بعینی و یمیت“** میرا تو اس پروردگار پر ایمان ہے جس کے قبضہ و تصرف میں ہماری موت و حیات ہے۔ یہ بہتر سے بہتر غذا تھی جو شک اور انکار کے کسی مریض کے لیے ہوسکتی ہے۔ لیکن مریض اپنے معده کی صلاحیت بالکل کھر چکا تھا۔ وہ اتنی ہلکی اور سادہ غذا بھی ہضم نہ کر سکا۔ جہل و طغیان کے ہیجان میں بول اٹھا **”انا احی و امیت“** اگر تمہارے پروردگار کی یہی صفت ہے، تو یہ بات تو مجھے بھی چاہی ہے۔ لاکھوں انسانوں کی جان میرے قبضہ اختیار میں ہے۔ جسے چاہوں ہلاک کر دوں۔ جسے چاہوں زندگی بخش دوں۔ یہ جواب سن کر حضرت ابراہیم کو معلوم ہو گیا کہ غذا گو بہتر تھی، لیکن مریض کے معده میں اتنی بھی صلاحیت نہیں کہ اسے ہضم کر سکے۔ انہوں نے فوراً پہلی قاب ہتالی، اور ایک دوسری غذا پیش کر دی: **”فان اللہ یأتی بالشمس من المشرق“** فأت بها من المغرب! ”اچھا، اگر ایسا ہی ہے، تو دیکھو، یہ سورج ہمارے سرس پر چمک رہا ہے۔ یہ ہر روز پورب سے نکلتا ہے اور پچھم کی طرف قارب جاتا ہے۔ تم اسے ایک مرتبہ پچھم سے نکال دکھاؤ! یہ غذا ٹھیک اُسکے معده کی استعداد کے مطابق تھی۔ خلق سے آتری، اور ہضم ہوگئی: **”فبیت الذی کفر“** اب اُس میں کج بختی کا دم خم نہ رہا۔ دم بخور ہو کر رہ گیا!

خدا را غور کیجیے۔ بات کتنی صاف اور دلجو تھی، اور معجزوں نے اسے کس طرح مشکور اور پیچیدگیوں کا گورکھ دکھایا بنا دیا ہے؟ اگر حضرت ابراہیم کا طریق بیان، مجادلانہ ہوتا۔ ہدایت کا نہ ہوتا۔ تو وہ اپنی پہلی بات بھی پر مغابم سے الجھ پڑتے،

چرا پا ہورہے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم نہیں، انبیاء کرام کا طریق دعوت تو یہ ہے کہ اگر نو سو ننانوے باتیں کہہ کر چہرہ دینی پڑیں، اور ہزاروں بات سے مخاطب کے اندر فہم و بصیرت پیدا ہو سکے، تو انہیں ایسا کرنے میں بھی کبھی تامل نہ ہوگا۔ وہ ایک کے بعد ایک، سینکڑوں باتیں چہرے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ مخاطب کے دل کا دروازہ کھل جائے اور حقیقت اور سچائی کی جھلک دیکھ لے!

(طیب اور داعی)

انسوس، قرآن کہل لیجانا چاہتا تھا، اور دنیا نے اسے سر پر رکھ کر کدھر کا رخ کیا! ہمارے مفسرین متکلمین ارسطو کی منطق اور یونانیوں کی دانش فرشیوں میں اسے گم ہو گئے کہ انہیں دوسری راہوں کی خبر ہی نہ تھی۔ حالانکہ دنیا میں صرف مناظر اور منطقی ہی نہیں ہوتے۔ طبیب اور معالج بھی ہوتے ہیں۔ طبیب کا فرض کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ ہوتا ہے کہ مریض سے اس کی جہالت اور نادانی کی ایک ایک بات پر لڑے اور مناظرہ کرے؟ نہیں، ہزار بار نہیں۔ اگر طبیب، طبیب صادق ہے، تو اس کی ساری قابلیت صرف اسی ایک نقطہ میں مرکوز رہیگی کہ کسی طرح مریض کو شفا حاصل ہو جائے، اور کسی طرح موت کی جگہ زندگی کا دروازہ اس پر کھل جائے۔ بسا اوقات ایسا ہوگا کہ وہ مریض کے لیے ایک غذا تجویز کریگا۔ اصول طب کے لحاظ سے غذا بہترین غذا ہوگی۔ لیکن طبیب بہتر نسخہ اور بہتر غذا تجویز کر سکتا ہے۔ بہتر معده خلق نہیں کر دے سکتا۔ بہت ممکن ہے، مریض کا معده اتنا قوی نہ ہو کہ اس درجہ کی مقوی غذا کا متحمل ہو سکے۔ جونہی طبیب کو معلوم ہوگا کہ میری تجویز کی ہوئی غذا اسے بچ نہیں سکتی، وہ فوراً اسے ترک کر دیگا، اور دوسری غذا تجویز کر دیگا۔ اگر دوسری غذا بھی مریض ہضم نہ کر سکا، تو عجب نہیں تیسری غذا تجویز کر دے۔ بلکہ ہوسکتا ہے، چوتھی اور پانچویں تک نوبت پہنچے۔ جب تک مریض غذا ہضم نہ ہو سکے کی شکایت کرتا رہیگا، طبیب غذا بدلتا رہیگا۔ وہ کبھی یہ نہیں کریگا کہ ایک ہی غذا تجویز کر کے اس پر آڑ جائے، اور خواہ بدبخت مریض ہضم کر سکے یا نہ کر سکے؟ یہ بھی لقمے اُسکے حلق میں گھونستا رہے۔ اگر ایسا کریگا، تو یقیناً وہ طبیب نہ ہوگا، نوع انسانی کا سب سے زیادہ جاہل فرد اور سب سے بڑا قاتل ہوگا!

انبیاء کرام کے اعمال دعوت کے لیے اگر انسانوں کے کسی عمل سے مشابہت پیدا کی جا سکتی ہے، تو وہ حکماء کی حکمت اور مناظرین کا مناظرہ نہیں ہے۔ اطباء کا معالجہ ہے۔ طبیب جسم کا علاج کرنا چاہتا ہے۔ انبیاء روح و دل کے رگ درگ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا سلوک بھی اپنے مریضوں کے ساتھ ہمیشہ ویسا ہی ہوتا ہے۔ جیسا ایک طبیب کا ہونا چاہیے۔ وہ مریض سے مناظرہ کرنا نہیں چاہتے۔ اسے تندرست کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بسا اوقات علم و یقین کی ایک دماغی غذا مریض کے سامنے رکھتے ہیں۔ غذا ہر طرح مفید اور بہتر سے بہتر ہوتی ہے۔ لیکن انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ جہل و ضلالت نے مریض کی فکری حالت اس درجہ خراب کر دی ہے، کہ یہ غذا اس کا دماغ ہضم نہیں کر سکتا۔ یعنی اس کی سمجھ کی کچی اور دل کی گڑاھی ساتھ نہیں دیتی۔ جونہی انہیں اس حالت کا احساس ہوتا ہے، ایک طبیب حاذق کی طرح فوراً غذا بدل دیتے ہیں، اور کوئی دوسری غذا جو اس کا معده فکر ہضم کر سکے، سامنے رکھ دیتے ہیں۔ انہیں اس بات کی بالکل پروا نہیں ہوتی



حجة ابراہیمی

ایہ کریمہ "الم تر ائی الذی حاج ابراہیم" کی تفسیر

قرآن حکیم کا أسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریقہ

(از مولانا ابوالکلام)

(۴)

(ایہ زیر تدبر کی تفسیر)

اب ایت زیر تدبر پر غور کیجیے :

الم تر ائی الذی حاج ابراہیم ' اے پیغمبر ! کیا تمہیں اُس
فی ربہ ان اتاہ الله الملك ، اذ شخص کا حال نہیں معلوم جس
قال ابراہیم : ربی الذی یحیی نے معض اس وجہ سے کہ خدا نے
و یمیت - قال : انا احی اُسے پادشاہت دے رکھی تھی
وامیت - قال ابراہیم : فان جہل و غرور میں سرشار ہو کر ابراہیم
الله یأتی بالشمس من المشرق سے اُس کے پروردگار کے بارے میں
فأت بها من المغرب ! فہبت کہا : میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ
الذی کفر ، والله لا یہدی نے کرتا ہے اور مارتا ہے - تو اُس
القوم الظالمین ! (۲ : ۲۶۰) ہوں - میں جسے چاہوں ، ماردوں -
جسے چاہوں زندگی بخش دوں -
اس پر ابراہیم نے کہا : اچھا ، اگر ایسا ہی ہے تو خدا ہمیشہ
سورج کو مشرق سے نکالتا ہے - تم مغرب سے نکال دکھاؤ ! یہ سنکر
وہ ہکا بکا رہ گیا - اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ ظلم کرنے والوں پر
ہدایت کی راہ کبھی نہیں کھلتی !

(۱) سب سے بڑا الجھاؤ جو اس آیت کی تفسیر میں پڑ گیا ہے
وہ حضرت ابراہیم کا انداز سخن ہے - جب مخاطب نے ایک ایسی
بات کے جواب میں جو اثبات مدعا کیلئے قطعی اور نہایت درجہ
واضح تھی ، جہل و غرور سے ایک نہایت لغر بات کہہ دی ،
تو حضرت ابراہیم نے نہ تو اپنی بات کی مزید تشریح کی ،
نہ مخاطب کو اُس کے جہل و فافہمی پر متنبہ کیا ، بلکہ
نوراً پہلی بات چہر کر ایک دوسری بات کہہ دی - " فان الله
یأتی بالشمس - الخ " مفسرین نے طرح طرح کی توجیہیں کی

ہیں ، مگر سرشتہ تفسیر میں کچھ ایسی گروہ پڑ گئی ہے کہ
کڑی نلخن تاریل بھی اُسے نہیں کھول سکتا - بڑی تحقیق کی
بات جو حضرت امام رازی نے دھونڈھ نکالی ہے ، یہ ہے کہ
یہ دو مختلف دلیلیں نہیں تھیں - ایک ہی دلیل کی
مختلف مثالیں تھیں - لیکن اول تو دونوں دلیلوں میں ربط
و مناسبت پیدا کرنے کے لیے سبب و واسطہ اور حرکت انگ
کی بحثیں پیدا کی گئی ہیں ، اور وہ اس قدر دوز اڑا کر اور
بے معنی ہیں کہ انہیں تسلیم کر لینا قرآن کر قرآن کی جگہ
کوئی دوسری چیز بنا دینا ہے - ثانیاً ، خود امام صاحب چار سطر
پلے معترض کی زبانی ہمیں سنا چکے ہیں کہ رجوع خواہ دلیل سے
کیا جائے خواہ مثال سے ، لیکن مستدل کے لیے ضروری ہے کہ
معارض کے جواب کی غلطی ظاہر کر دے ، ورنہ اُس کا عجز
ثابت ہو جایگا - پس اگر دلیل کو مثال بنانے کی یہ ساری
مصیبت گوارا بھی کر لی جائے ، جب بھی بات بنتی نہیں -
اعتراض جس کا توں باقی رہ جاتا ہے -

اصل یہ ہے کہ یہ ساری مصیبت اسی لیے پیش آئی ہے کہ اس
مکالمہ کو منطقی "مناظرہ" قرار دیدیا گیا ہے - مناظرہ کا مقصد
انکشاف حق نہیں ہوتا - اسکاٹ خصم ہوتا ہے - اس لیے مناظرہ
فرض ہوتا ہے کہ ایک بات پیش کرے اُس پر اس طرح جم جائے
کہ خواہ زمین و آسمان اپنی جگہ سے ٹل جائیں ، لیکن وہ اپنی جگہ
سے نہ ہلے - اگر مخاطب کی سمجھ ساتھ نہیں دیتی ، تو ہزار مرتبہ
نہ دے - اُس کی بلا سے - وہ اُس کا جہل ثابت کر دینگا ، اور مخاطب
کا جہل ثابت کرے اُسے دلیل اور لا جواب بنا دینا ہی اُس کی
بڑی سے بڑی جیت ہے - باقی رہی یہ بات کہ جو بات مخاطب کے
ذہن نشین کرنی تھی ، وہ اُس کے دل میں اُتر سکی یا نہیں ؟
قر مناظرہ کو نہ تو اس کی پررا ہوتی ہے ، نہ فن مناظرہ کا یہ
مقصد ہے - مناظرہ صرف یہ چاہتا ہے کہ مخاطب کو میدان سخن
میں ہرا دے - یہ مقصد جس طرح بھی حاصل ہو جائے ، اُس
کی جیت ہے - ہمارے متکلمین کی نظر میں چونکہ انبیاء کرام
کی بھی سب سے بڑی فضیلت یہی تھی کہ وہ مناظر اور منطقی
ہوں ، اس لیے اسی اعتبار سے اس مکالمہ پر بھی نظر ڈالتے ہیں
اور قدرتی طور پر چاہتے ہیں کہ ایک شاطر مناظر کی طرح حضرت
ابراہیم بھی اپنی بات پر اڑ جائے ، اور خواہ اُن کا مخاطب
سمجھ سکتا یا نہ سمجھ سکتا ، یہ اُسی پر لڑتے جھگڑتے رہتے - اگر
اُس نے جہل و غرور سے ایک لغو بات کہہ دی تھی ، تو چاہیے تھا کہ
یہ اُس کی لغویت اور جہالت پر ایک لٹنی چوڑی تقریر فرمائے - پھر
اگر وہ اُس کے جواب میں بھی کڑی بکواس کر دیتا - تو یہ اُس کے
جواب الجواب میں استثنیہ چڑھا لیتے - یہاں تک کہ صرف اپنی
دلیل کی شرح و توضیح اور رد و جواب ہی میں شام کر دیتے !

لیکن ہمارے مفسرین بھول گئے - انہیں یاد نہیں رہا کہ
ابراہیم خلیل ، داعی حق تھے - مناظر و مجادل نہ تھے - اور اسی
ایک بنیادی فرق نے اُنکی راہ مناظرہ و مجادلہ کی ساری راہوں سے
الگ کر دی تھی - اُنکا کام یہ نہ تھا کہ کسی خاص دلیل پر اڑ جائیں
یا مخاطب کے اظہار جہل و عجز کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ دیں -
اُن کا کام یہ تھا کہ برگشتہ دلوں کو سچائی کی راہ دکھلا دیں - وہ
دلیلوں کے تحفظ کیلئے بلکہ حق اور ایمان کی حفاظت کیلئے لڑتے
تھے - اس مکالمہ میں تو حضرت ابراہیم نے صرف اِننا ہی کیا
کہ ایک بات چہر کر دوسری بات کہہ دی ، اور اسی پر ہمارے مفسرین



جدید مذہب روحی

تاریخ ظہور، موافقین و مخالفین، اور نقد و تبصرہ

تقریباً تین ماہ گزرے، مطبوعات جدیدہ کے سلسلہ میں ایک کتاب کا ذکر ان صفحات پر کیا گیا تھا، جس میں سرکزن ڈائیل کے بعض مضامین یورپ کے جدید مذہب روحی کی تائید میں شائع ہوئے تھے۔ اس تحریر کے آخر میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ نظر ڈالینگے۔

اس تحریر کی اشاعت کے بعد، قارئین الہلال میں سے متعدد حضرات نے اس موضوع سے اپنی غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی، اور بار بار اصرار کیا کہ اس بارے میں تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے۔ آج ہم چاہتے ہیں، ایک سلسلہ مقالات اس موضوع پر شروع کریں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امریکے بعد دیگرے بحث و بیان میں آئینگے:

- (۱) جدید مذہب روحی کے ظہور و اشاعت کی مختصر تاریخ
- (۲) موافق اور مخالف علماء کے آراء
- (۳) بعض مشہور اور علمی نوعیت کے تجاویز اور عملیات
- (۴) موافقین و مخالفین کی رائیوں کا موازنہ اور تبصرہ

(ظہور و اشاعت کی تاریخ)

سنہ ۱۸۵۶ء - مین نیویارک امریکہ کے ایک گاؤں ہیڈس ویلی نامی میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جان فاکس نامی ایک شخص کا خاندان ہر روز اپنے گھر میں ایک خاص قسم کی کھٹ کھٹ سنا کرتا تھا۔ ایک دن مسز فاکس نے جرأت کر کے اس آواز کو مخاطب کیا:

”کیا تم کوئی روح ہو؟“

پھر اس سے طے کیا کہ جواب میں اثبات کی علامت ایک خاص طرح کا کھٹکا ہے، اور نفی کی علامت ایک خاص طرح کا۔ چنانچہ سوال و جواب ہوئے رہے، اور عورت کو معلوم ہو گیا کہ آواز واقعی ایک روح کی ہے جو اسی گھر میں رہتی ہے۔ پڑوسیوں نے ایک آدمی اس مکان میں قتل کر کے دفن کر دیا تھا اور اس کا مال لوٹ لیا تھا۔ یہ، اسی کی روح ہے۔

عورت نے فوراً پولیس کو خبر پہنچائی، حکام نے آکر اسی طریقے پر روح کا بیان اپنے کانوں سے سنا۔ پھر وہ مقام کھودا گیا، جہاں روح نے لاش مدفون بتائی تھی۔ لاش مل گئی، اور بالآخر قاتلوں کا پتہ بھی چل گیا!

ہدایت یہی ہے کہ جن لوگوں نے ظلم و طغیان کی راہ اختیار کر لی ہے، ان پر ہدایت و سعادت کی راہ نہیں کھلتی!

(منطقی شبہات)

(۴) ہمارے مفسرین کو صرف اسی کی فکر نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم کو منطقی اور مناظر ثابت کر دکھائیں، بلکہ وہ نمرود کے لیے بھی بہت متفکر ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ اس کی کوئی بات بھی فلسفیانہ دقیقہ سنجی سے خالی نہ جائے۔ چنانچہ اس کے اس قول کی توجیہ میں کہ ”انا احی و امیت“ حضرت امام رازی نے بڑی بڑی کاوشیں کی ہیں، اور بالآخر اسے واسطہ اور سبب کے جھگڑوں میں لے گئے ہیں۔ لیکن اب آپ سمجھ گئے ہونگے کہ یہ تمام کاوشیں قطعاً دروازہ کار اور بے معنی ہیں۔ قرآن حکیم اس جاہل متمدن کا جہل و غرور دکھلا رہا ہے۔ ہمارے متکلمین کی طرح اسے فیلسوف ثابت کرنا نہیں چاہتا۔ یہ تمام ترجیہیں بھی کہ اس نے ایک واجب القتل قیدی کو چھوڑ دیا تھا اور ایک کو قتل کر دیا تھا، قطعاً غیر ضروری اور مکالمہ کی حقیقت سے دور لیجانے والی ہیں۔ ”انا احی و امیت“ کا صاف مطلب یہی ہے جو ایک مغرور اور ہر خود غلط پادشاہ کا ہمیشہ ایسے متکبرانہ دعوؤں سے ہوا کرتا ہے۔

(۵) اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ جس قدر شبہات پیدا ہوئے تھے، فی الحقیقت ان میں سے کسی شبہ کی بھی یہاں گنجائش نہیں۔ بڑے شبہات امام صاحب کے اور آپ کے پیدا کیے ہوئے بہ تیرے کہ نمرود اگر مدعی تھا تو دلیل اسے پیش کرنی تھی، نہ کہ حضرت خلیل کر، اور جب حضرت خلیل نے ایک دلیل پیش کر دی تو اس سے رجوع کیوں کیا؟ لیکن یہ تمام شبہات غیر متعلق ہو جاتے ہیں جب واضح ہو جاتا ہے کہ نہ تو یہ مناظرہ مصطلحاً فن تھا، نہ مخاصم کی حیثیت مدعی کی تھی، اور نہ انبیاء کرام مناظرانہ طریقہ سے رد و رد کرتے ہیں۔ باقی رہا یہ شبہ کہ جب مخاصم نے پہلی بات کے جواب میں ایک جاہلانہ دعویٰ کر دیا تھا، تو دوسری بات کے جواب میں بھی کوئی نہ کوئی بات کہہ دے سکتا تھا، تو اس شبہ کی بھی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ یہ شبہ اس لیے پیدا ہوا تھا کہ ”نبوت الذی کفر“ کے معنی مناظرہ میں لا جواب ہوجانے کے سمجھے گئے تھے۔ لیکن جب واضح ہو گیا کہ ”نبوت“ سے یہاں مقصود بات بنانے میں لا جواب ہوجانا نہیں ہے، بلکہ ایک سچی بات سے متاثر ہو کر ہکا بکا رہ جانا ہے، تو ظاہر ہے، یہ شبہ کیوں وارد ہو؟ جب ایک حقیقت جس کے جھٹلے اور نہ دیکھنے کی وہ کوشش کر رہا تھا، اس کے سامنے بے نقاب ہو گئی، تو اس میں کچھ بحثی کا دم خم باقی نہ رہا۔ لہذا اگر دم بخود ہو کر رہ گیا۔



عالم پر جس کے قبضہ و تصرف میں تمام مخلوقات کی موت و حیات ہے۔

حضرت ابراہیم کا یہ ارشاد کوئی فلسفیانہ استدلال نہ تھا۔ انہوں نے ایک ایسی سیدھی سادھی بات کہی تھی جس کا فطری طور پر ہر انسان کے دماغ میں اعلان موجود ہے۔ بشرطیکہ اس نے اپنی خلقی بصیرت بالکل ضائع نہ کر دی ہو۔ ہر انسان وجدانی طور پر محسوس کرتا ہے کہ موت و حیات ایک ایسی چیز ہے جس کا اختیار صرف اسی ذات کے ہاتھ میں ہے جو اس تمام کارخانہ ہستی کی خالق ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جو زندگی کا بخشنے والا اور پھر زندگی پر موت طاری کر دینے والا ہو۔ بات بالکل صاف اور واضح تھی۔ لیکن بابل کا متکبر پادشاہ جو اپنی پادشاہی کی طاقتوں کے نشہ میں چور تھا، حضرت ابراہیم کو رک دینے کے لیے اور ان کی دعوت ایمانی کی تحقیر کے لیے بول اٹھا "انا احی و امیت" راہ، یہ تمہارے خدا کی کونسی بڑی طاقت ہوئی کہ مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ یہ بات تو مجھے بھی حاصل ہے۔ ہزاروں لاکھوں انسانوں کی جان میرے قبضہ و تصرف میں ہے۔ میں پادشاہ ہوں۔ جسے چاہوں قتل کر دوں، جسے چاہوں بخش دوں۔

بلاشبہ یہ جواب انتہا درجہ جہل و ضلالت کا جواب تھا۔ حضرت ابراہیم نے کیا بات کہی تھی، اور اس مغرور نے اس کا مطلب کیا سمجھا۔ لیکن چونکہ حضرت ابراہیم کا طریق مخاطبہ "ہدایت" کا طریقہ تھا۔ "جدل" کا نہ تھا، اس لیے اُسکی جاہلانہ بات پر بالکل متوجہ نہ ہوئے۔ وہ سمجھ گئے۔ غذا اگرچہ نہایت عمدہ غذا تھی، لیکن اس بیمار کا معدہ ہضم نہ کر سکا۔ اسے دوسری غذا دینی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً دوسری بات فرما دی "فان اللہ یاتی بالشمس الخ" یہ بات سنکر اس متمرد کی ساری کج بھٹی ختم ہو گئی، اور اچانک حقیقت کی جھلک سامنے آ گئی۔ موت اور حیات والی بات اگرچہ ایک حق پسند انسان کیلئے نہایت واضح بات تھی، لیکن اس مغرور جاہل کی فکری حالت شدت طغیان و غفلت سے اس قدر مسخ ہو چکی تھی، کہ کج بھٹی کی ایک راہ نکال ہی لی۔ لیکن یہ دوسری بات اس کی فکری حالت کے مطابق اس درجہ اوقع فی النفس تھی، کہ حقیقت کی طرف سے آنکھ بند کر لینے کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔ سورج سر پر چمک رہا تھا، اور وہ ہر روز کی طرح آج بھی مشرق ہی سے نکلتا ہوا دکھائی دیا تھا، اور مغرب ہی کی طرف غروب ہونے کیلئے ڈھل رہا تھا۔ صدیوں سے، ہزاروں برس سے ہمیشہ سے، ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ اُسکی مقررہ رفتار میں یا طلوع و غروب کی جہتوں میں فرق پڑا ہو۔ پھر کیا دنیا کا کوئی حکمران، دنیا کا کوئی شہنشاہ، دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی ایسی ہے جو ایک دن کیلئے اس کا رخ بدل دے؟ ایک دن کے لیے نہیں، ایک گھنٹہ کیلئے، ایک دقیقہ کیلئے، اُسکی رفتار میں اپنی مرضی سے فرق ڈال دے؟ یہ حقیقت تھی جو اس جاہل و مغرور کے سامنے نمایاں ہو گئی۔ اگرچہ اس کی غفلت و شقاوت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ وہ اب بھی سر جھکانے کیلئے طیارہ نہیں تھا، لیکن حقیقت کے سامنے آ جانے کے بعد سرخ چشمی سے کج بھٹی کرنے کا دم خم بھی نہیں رہا تھا: "فہست الذی کفر"۔ اور چونکہ باوجود حقیقت کے نمایاں ہو جانے کے وہ اعتراف حق پر آمادہ نہیں ہوا، اس لیے فرمایا "واللہ لا یہدی القوم الظالمین" خدا کا قانون

وہ کہتے: "میرا مطلب جلانے مارنے سے یہ نہیں ہے جو تم سمجھتے ہو۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ اصل مدعا کی جگہ ایک خاص دلیل اور اس کے مفہوم کی بھٹ چھڑ جاتی، اور مخاصم کے لیے حقیقت کے فہم و بصیرت کا موقع ہی نہیں ملتا۔ لیکن ان کی راہ ہدایت و دعوت کی راہ تھی۔ انہوں نے ایک دقیقہ کے لیے بھی اپنی نظر اصل مدعا سے نہیں ہٹائی۔ جو یہی معلوم ہوا کہ پہلی بات اپنے جہل و غرور کی وجہ سے وہ نہیں سمجھ سکا ہے، تو بغیر کسی تامل کے اسے چھوڑ دیا۔ ایک دوسری بات پیش کر دی۔ یہ بات اس کی فکری استعداد کے ٹھیک مطابق تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تیر نشانہ پر لگ گیا۔ اگر حضرت ابراہیم کو ایک بات چھوڑنے کی جگہ ایک ہزار باتیں چھوڑنی پڑیں، جب بھی انہیں اس میں تامل نہ ہوتا!

(مکالمہ کی تفسیر)

(۳) میں نے سب سے پہلے مکالمہ کے اسی پہلو پر نظر ڈالی، کیونکہ بغیر اس کے اس کی حقیقی نوعیت واضح نہیں ہو سکتی تھی۔ اب آیات کی ترتیب بیان کے مطابق پورے مکالمہ کی تفسیر سمجھ لیجیے:

"ان اتاہ اللہ الملک" کی تفسیر اور اس کی ضمیر کے مرجع کے تعین میں مفسرین نے بیکار دماغ سوزی کی ہے۔ حالانکہ مطلب بالکل صاف تھا۔ یہ قرآن حکیم کا معجزانہ ایجاز بلاغت ہے کہ صرف ایک جملہ کہہ کر معاملہ کی پوری نوعیت آشکارا کر دی۔ جس انسان نے حضرت ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں کج بھٹی کی تھی، قرآن واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ کونسی چیز تھی جس نے اُسے اندر گمراہی کا ایسا طغیان اور سرکشی کا ایسا ہیجان پیدا کر دیا کہ پروردگار عالم کا نام سنکر بھی اپنے تکبر اور خود پرستی کے دعوں سے باز نہیں آیا؟ "ان اتاہ اللہ الملک"۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ پادشاہ تھا۔ یعنی یہ تاج و تخت کی بڑائی اور حکومت کے فانی اختیارات کا گھمنڈ تھا، جس نے اسے اس درجہ مغرور اور برخود غلط بنا دیا تھا۔ اس تصریح سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قرآن حکیم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شخص شخصاً خدائی کا مدعی تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کیوں کہا جاتا کہ "ان اتاہ اللہ الملک" پس معلوم ہوا، یہ پادشاہ کا گھمنڈ تھا، اور پادشاہت کے گھمنڈ سے گمراہی کی ایسی ہی فکری حالت پیدا ہو جایا کرتی ہے۔

"حاج ابراہیم فی ربہ" سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم نے جب اس پادشاہ کو ظلم و استبداد اور فساد و طغیان پر سرزنش کی، اور پروردگار عالم کے احکام سے سرکشی کرنے کے نتائج سے ڈرا، تو وہ حضرت ابراہیم سے کج بھٹی کرنے لگا۔ یعنی اس خدا کے بارے میں کج بھٹی کرنے لگا جس کی مدد و نصرت کے بہرہ پر وہ تنہا ایک جابر و قاهر پادشاہ کا مقابلہ کر رہے تھے، اور ڈرنے کی جگہ ڈرا رہے تھے! چونکہ وہ اپنے دیوتاؤں کی پرستش کرنے کے سوا اور کسی طریق عبادت سے آشنا نہ تھا، اس لیے اُس نے کہا: وہ تمہارا خدا کریں، اور کہاں ہے جس کی مدد کے بہرے پر میرے سامنے آکرے ہوئے ہو، اور مجھے جیسے طاقتور پادشاہ کو بے باکانہ سرزنش کرنے کی جرأت کرتے ہو؟ حضرت ابراہیم نے اس کے جواب میں کہا: "ربی، الذی یحیی و یمیت" تمہارے دیوتاؤں کی طرح میرا کوئی خاص دیوتا نہیں ہے۔ میرا ایمان تو اس پروردگار

مشہور فرانسیسی عالم فلسفہ ' جان رولینے سنہ ۱۸۹۵ء میں کہا تھا :

" یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تمام علماء فریب اور تدلیس کے ذریعہ ' اوہام خرافات کی بردہ شدہ حکمرانی پر قائم کر دینی چاہتے ہیں ۔ افس خیال کی بھی گنجائش نہیں کہ یہ لوگ بالکل سادہ لوح ہیں ' اور اپنی حماقت کی وجہ سے ان امور پر یقین لے آئے ہیں ' کیونکہ علمی تجارب میں ان اابر علم کی دقت نظر معلوم و مسلم ہے "

عام نفسیات کا مشہور ماہر پیر جانی اپنی کتاب میں جو اسی موضوع پر ہے ' لکھتا ہے :

" مذہب روحی ' ہر اعتبار سے دقیق مطالعہ اور اصولی بحث کا مستحق ہے ۔ اس میں شک اور تضعیک کی بالکل گنجائش نہیں ہے ۔ ہمیشہ فریب ' فریب ' پکارتے رہنا بھی صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ یہ تحریک جس نے یورپ میں اپنے بے شمار مراکز قائم کر لیے ہیں اور عقلاء و علماء کا ایک جم غفیر اس کا عام بردار بن گیا ہے ' سراسر دھوکا اور فریب نہیں ہوسکتی ؟ ضرورت ہے کہ منکرین ایمانداری کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں "

پروفیسر چارلس ریشیے (رکن فرانسیسی اکادمی اور مدرسہ طبی یونیورسٹی) اپنے ایک مقالہ میں جو اس کے مقالات کے مجموعہ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا ہے ' لکھتا ہے :

" یہ ناممکن ہے کہ انگلستان ' امریکا ' فرانس ' جرمنی ' اٹلی کے یہ تمام علماء و فلاسفہ فریب خوردہ ہوں ۔ منکرین ' روحی مذہب پر جتنے بھی اعتراض کرتے ہیں ' سب کے سب ان علماء کے پیش نظر تھے ۔ فریب سے بچنے کے لیے ' بھی یہ یورپی احتیاط برتتے تھے ۔ میں ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ یہ تمام عقلاء سراسر دھوکا و مکر کا شکار ہو گئے ہوں "

مشہور فرانسیسی عالم گبریل دولاں اپنی کتاب میں جو معاضرات اراج پر لکھی ہے ' لکھتا ہے :

" جب رابرٹ ہیر ' موابس ' اور اقمون کے درجہ کے لوگ امریکا میں ' اور کرکس ' ریاس ' لواج ' انگلستان میں ' اکرانوف ' بٹرلوٹ ' روس میں ' فیشنر ' زولڈ ' جرمنی میں ' کسی بات کی صحت پر زور دیں ' تو ہم یہ تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ بات ضرور کوئی علمی حقیقت ہے ' اور ہر لحاظ سے بحث و نظر کی مستحق ہے ۔ مذہب روحی کا بھی یہی حال ہے ۔ یہ علماء اس کے معتقد ہیں ۔ لہذا اسے سراسر خرافات قرار دینا ' عقلمندی سے بعید ہے "

یہ عجیب بات ہے کہ اس مذہب کے تقریباً تمام ماننے والے مشاہیر علماء ' شروع شروع میں اس کے سخت مخالف تھے ' اور اس کی تحقیق پر محض اس لیے مستعد ہوئے تھے کہ ' روحانیت کا فریب طلسم توڑ کر ضعیف الاعتقاد انسانوں کو گجرات دلائیں ' مگر تحقیقات کے بعد ان کی رائے بدل گئی ' اور خود معترف و مصدق ہو گئے !

یہ وجہ بھی عالم رولینے کا صدر منتخب ہوا ' تر اس نے اپنی صدارتی تقریر میں اس مذہب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

" میں نے مسلسل ۳۵ سال اس مذہب کی تحقیق کی ہے ۔ بہت سی نئی معلومات بھی حاصل کی ہیں ۔ میں عنقریب ایک نئی کتاب شائع کرنے والا ہوں "

اس مذہب کے ابتدائی ماننے والوں میں ایک جلیل القدر نام الفرہ رسل ویلس کا بھی ہے ۔ یہی وہ مشہور عالم ہے جس نے ٹھیک اسی زمانہ میں مذہب نشو و ارتقاء کا اکتشاف کیا تھا ' جبکہ دارین کو اس کا سراغ ملا تھا ۔ اس نے اس مذہب کے بارے میں دو مستند کتابیں ' دور جدید کے معجزات ' اور ' مذہب روحی کی مدافعت ' کے نام سے شائع کیں ۔ اول الذکر کتاب میں لکھتا ہے :

" میں سراسر ملحد تھا ۔ اپنے مادی مذہب کے سوا کسی بات پر بھی یقین نہیں رکھتا تھا ۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس عالم میں مادہ اور اس کی قوت کے سوا کوئی روحانی زندگی بھی موجود ہے ۔ لیکن میں نے بے شمار تجربوں اور مشاہدوں کے بعد اپنے آپ کو مجبور پایا کہ ۔ اس جدید مذہب کی تصدیق کروں ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں روح کے وجود کا قائل نہ تھا ۔ بہت مدت کے بعد مجھے مان لینا پڑا کہ یہ امور واقعی روح ہی کے ذریعہ واقع ہوتے ہیں ' کیونکہ ان کی کوئی دوسری تعلیل ممکن ہی نہیں ہے "

مشاہیر علماء میں ایک اٹالین عالم لومبروزو Lombroso ہے ۔ یہ علم الجراثیم کا بانی ہے ۔ پہلے یہ اس مذہب کا سخت مخالف تھا اور اس کے ماننے والوں کو مجنون قرار دیتا تھا ۔ لیکن تحقیقات اور ذاتی تجربہ کے بعد اس کا پر جوش حامی بن گیا ۔ اس نے مشہور فرنج عالم فلکیات فلا مریون Camille Flammarion اور فرنج اکادمی کے پروفیسر چارلس ریشیے کے ساتھ ملکر اس مذہب کا طویل مطالعہ کیا اور اپنی تحقیقات کے نتائج ایک کتاب کی صورت میں شائع کیے ۔ اس کتاب کے مقدمہ میں وہ لکھتا ہے :

" اپنی خاص علمی تربیت اور نفسی میلان کی بنا پر میں مذہب روحی کا سب سے بڑا دشمن تھا ۔ مجھے یہ بات بالکل بدیہی معام ہوتی تھی کہ ہر قوت مادہ ہی کا ایک خاصہ ہے ' اور ہر فکر ' دماغ ہی کا ایک فعل ہے ۔ اس کے سوا میں کچھ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا ۔ میں اس مذہب کے ماننے والوں کا مضحکہ اڑا کرتا تھا ۔ لیکن حق و حقیقت پر میری فریفتگی بالآخر میرے میلان نفس پر غالب آگئی ۔ مسلسل تجربوں اور مشاہدوں کے بعد اب مجھے اس پر پورا یقین ہے "

ان کے بعد پروفیسر ہاتسن ' پروفیسر میرس (کیمبرج) سنٹون مرزس (آکسفورڈ) سر جان کاس ' پروفیسر پارکس ' مسٹر گلاڈسٹون ' مسٹر یالفرڈ وغیرہ انگریز علماء اور مدبروں نے بھی اس کی تحقیقات کی ' اور اعتراف پر مجبور ہو گئے ۔

اسی طرح فرانسیسی علماء میں قابل ذکر چارلس ریشیے ' کیمیل فلا مریون ' ڈاکٹر مکسویل ' پییر گانیہ ' پیر دورز ' پارادوک وغیرہ ہیں ۔ جرمنی اور امریکا کے بہت سے اقطاب علم بھی اس کے معتقد ہو چکے ہیں ۔ ان کے نام اور مباحث آئندہ اپنے مجل میں آئیں گے ۔



پر ہر پہلو سے جانچ کی۔ لیکن بالآخر اُس کی صحت پر ایمان لے آیا، اور اپنی تحقیقات کے نتائج اخبارات میں شائع کر دیے۔ اس تعویذ کے شایع ہونے ہی تمام امریکہ میں ہلچل مچ گئی۔ اخبارات نے بری طرح اُس پر لے دے شروع کر دی۔ بالآخر وہ مجبور ہوا کہ اپنے عہدے سے دست بردار ہو جائے اور آزادی کے ساتھ اس حقیقت کی مزید تحقیق و تجربہ میں مشغول ہو جائے۔ چنانچہ اُس کی سعی و ہمت سے اس نئے مذہب کو بہت شہرت حاصل ہو گئی۔

اُس کے بعد پروفیسر مابس، جو امریکن انڈیمیٹو میں علم کیمیا کے ماہر تھے، اس جانب مترجم ہوئے۔ انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی، اور اپنے نتائج بحث پروری جرائے سے شائع کر دیے۔

ان کے بعد پروفیسر روبرٹ ہیو اس میدان میں آئے۔ طویل بحث و نظر کے بعد یہ بھی اس کے قائل ہو گئے۔ اور ایک نفیس کتاب ”نفسی ظواہر پر مباحث“ کے نام سے شائع کی۔

ان تعویذوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام بحث شروع ہو گئی۔ امریکا میں کوئی عالم بھی ایسا نہ تھا جس نے موافقت یا مخالفت میں کچھ نہ کچھ نہ لکھا ہو۔

امریکا سے یہ مذہب انگلستان پہنچا۔ یہاں سب سے پہلے مشہور کیمیائی ولیم کروکس نے اُس پر نظر ڈالی۔ بعض انگریز رسیطوں کے ذریعہ خود بھی تجربے کئے۔ بالآخر اس کی صداقت کا معترف ہو گیا، اور ایک کتاب بھی اس کی تائید میں لکھ کر شائع کی۔ اس کتاب کا نام بھی ”نفسی ظواہر پر مباحث“ تھا۔ اس میں وہ ایک مقام پر لکھتا ہے:

”چونکہ میں ان واقعات کی پروری طرح تحقیق کر چکا ہوں، اس لیے یہ میری سخت اخلاقی بزدلی ہو گئی اگر اپنی شہادت محض اس خوف سے مخفی رکھوں کہ لوگ اُس کا مضحکہ اڑائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس بارے میں کوئی عام نہیں رکھتے۔ ان کے پاس کوئی یقین اور برہان نہیں ہے۔ لیکن میں نے اس معاملے کی پروری طرح تحقیق کر لی ہے، اور اُس کی حقانیت پر پختہ یقین رکھتا ہوں“

روح کا ابتدائی ظہور
جیسا کہ استحضار ارجح کے معتقدین کا خیال ہے

اس واقعہ کے بعد روح کی بے قراری دور ہو گئی، لیکن مسٹر جان فابکس کی دونوں لڑکیوں کے پاس وہ برابر آتی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ یہ لڑکیاں اُس سے از حد مانوس ہو گئیں۔ پھر اُس کے ساتھ کئی دوسری روحیں بھی آنے لگیں، اور بات جیت کا طریقہ بھی زیادہ صاف اور معین ہو گیا۔ صورت یہ ہوئی کہ ایک بہن حروف ابجد ایک ایک کر کے پڑھتی جاتی تھی، اور ہر حرف پر روح ایک یا دو مرتبہ کہہ گھٹا دیتی تھی۔ اس طرح تمام حروف کی علامتیں طے پا گئیں، اور گفتگو آسانی سے سمجھی جانے لگی۔

ایک دن روح نے آکر دونوں بہنوں سے درخواست کی کہ وہ ایک اعلان عام کے ذریعہ نیویارک کے کسی بڑے ادارے میں لوگوں کو جمع کریں اور روح کے وجود و بقا کا ثبوت پیش کر دیں۔ مگر بہنوں نے اس سے انکار کیا۔ وہ ڈرتی تھیں، لوگ انہیں جانور خیال کریں گے۔ لیکن روح نے اصرار کیا ”میں انسانوں کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ روح تب بھی فنا نہیں ہوتی۔ محض اسی غرض سے میں نے تم سے تعلقات قائم کرنے کی یہ سخت تکلیف برداشت کی ہے۔ اب اگر تم میری درخواست منظور نہیں کر گئی، تو تم سے قطع تعلق کر لوں گی“ بہنوں نے اب بھی انکار کیا۔ اس پر روح نے اپنی آمد و رفت موقوف کر دی!

”دونوں بہنیں روح کی ناراضگی سے نہایت غم گیں ہوئیں۔ کیونکہ وہ اُس سے حد درجہ مانوس ہو چکی تھیں۔ مجبوراً انہیں روح کا کہنا ماننا پڑا، مگر اس شرط پر کہ پہلے وہ تھوڑے آدمیوں کے زہرور یہ بات پیش کریں گی۔ پھر بتدریج عام مجمعوں کے سامنے ظاہر ہوئیں گی۔“ روح نے یہ شرط منظور کر لی، اور دونوں بہنوں نے نج کے مکانوں میں خاص خاص علماء کے سامنے یہ حیرت انگیز امور ظاہر کرنا شروع کر دیے۔ پھر بتدریج جرات پا کر عام اجتماعوں میں بھی تقریریں کیں۔ لوگوں نے یہ تمام امور دیکھے، اور ہر طرح کی احتیاطیں کی گئیں، مگر کسی فریب کا پتہ نہ لگا سکا۔ تھوڑی ہی مدت میں یہ خبریں تمام ملک میں مشہور ہو گئیں، اور ہر جگہ ان کا چرچا ہونے لگا۔

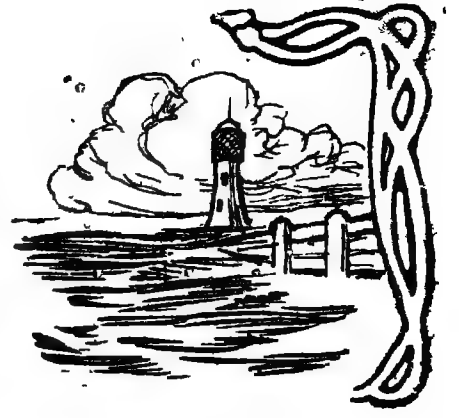
سب سے پہلے مسٹر آرمونڈس امریکن مجلس خواص کے صدر کو اس معاملہ کی تحقیقات کا خیال پیدا ہوا۔ اُس نے علمی طور

روح کا تمثیل اور شکل

جیسا کہ اس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے



برید سنگ



میدونا کیلئے ہندوستانی نمونہ

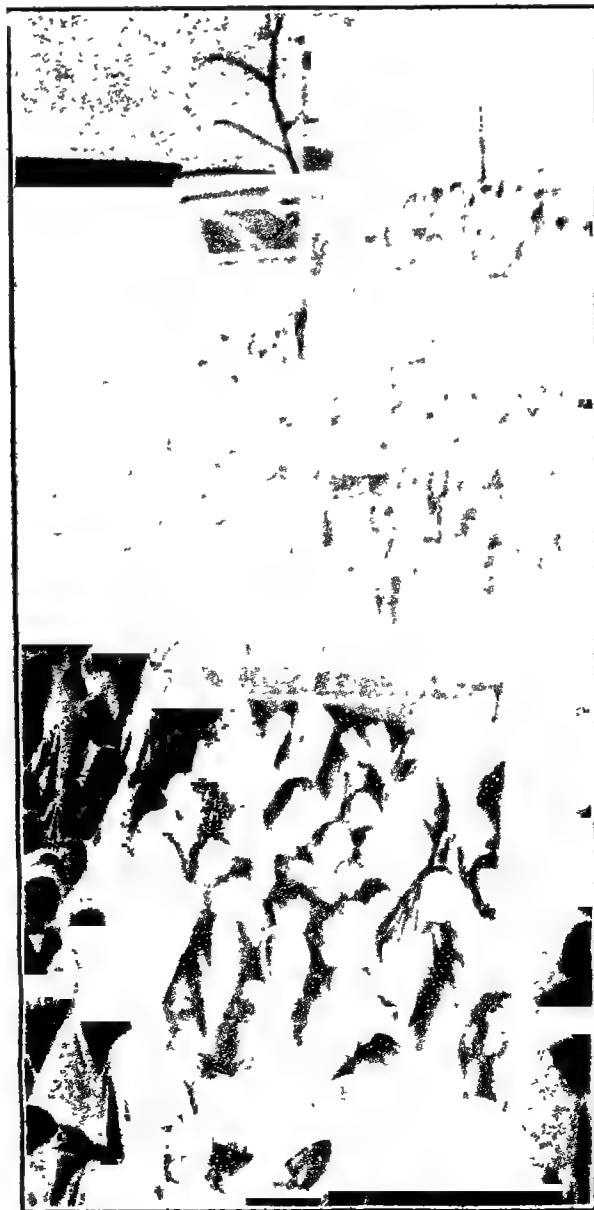
”سنیتا اور“ انور“

انگلستان کا امریکن نژاد سنگ تراش جیکب ایپسٹین Jacob Epstein کی یہ عرصہ سے ”میدونا“ کا ایک نیا مجسمہ طیار کرنے میں مشغول تھا جسکی شہرت نے نہ صرف براعظم یورپ کی بلکہ امریکہ کے ماہرین فن کی بھی توجہ اور دلچسپی حاصل کر لی تھی۔

رہنہ رفتہ یہ شہرت یہاں تک بڑھی کہ ابھی صنایع اپنے کام سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ امریکہ کے قدر شناسان فن نے مجسمہ اپنی سرزمین کے لیے حاصل کر لیا۔ اب مسٹر جیکب مجسمہ لیکر نیویارک جا رہے ہیں، تاکہ وہاں پہلی مرتبہ اس کی نمائش کریں۔ تازہ ذاک کے اخبارات و رسائل میں کوئی پرچہ ایسا نہیں ہے جس نے اس معاملہ سے اپنی دلچسپی ظاہر نہ کی ہو۔

معاملہ کا نہایت دلچسپ پہلو یہ ہے کہ صنایع نے ”میدونا“ اور اس کے بچے کیلئے ایک ہندوستانی خاتون اور اس کے دہ سالہ بچے کا چہرہ بطور نمونہ کے استعمال کیا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ

اس یونانی دیوی اور مسیحیت کی ”مقدس کنواری“ کا یہ پہلا مجسمہ ہے جس کے خال و خط میسر ہندوستانی چشم و ابزر کا عنصر آمیز کیا گیا ہے۔ یہ آمیزش فن کے لحاظ سے کہاں تک قابل تحسین ہے؟ اس پر انگلستان اور امریکہ کے ماہرین فن نے ایک طویل طویل سلسلہ نزاع جاری کر دیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ نیویارک کی نمائش کے بعد یہ نزاع اور زیادہ وسعت اور اہمیت پیدا کر لے گی!



حجاز اور سمرقند!

بہ بین تفاوت رہ از کجاست تابکجا؟

پچھلی ڈاک کے انگریزی رسائل کے بعض مصرع مضامین نہایت دلچسپ ہیں۔ میں نے بعض نگاہوں کیلئے عبرت انگیز بھی ہوں!

ایک مصرع رسالہ نے دو تصویریں بالمقابل شائع کی ہیں، اور ان کے لیے یہ سرخی تجویز کی ہے: ”حجاز سے سمرقند تک!“ ایک طرف سلطان عبدالعزیز ابن سعود کی تصویر ہے۔ اس کے نیچے حکومت حجاز کے نئے احکام درج کیے ہیں جن میں احکام شرع کے اتباع و عمل پر زور دیا گیا ہے، اور وہ تمام باتیں قانوناً لائق تعزیر قرار دی ہیں جو اخلاق و آداب شرع کے خلاف ہوں۔ حتیٰ کہ باشندگان حجاز کے لیے ڈاڑھی منڈانا بھی حکماً رک دیا ہے۔

دوسری طرف ترکستان کے مشہور تاریخی شہر سمرقند کے ایک اجتماع کا مرقع ہے۔ یہ اجتماع مردوں کا نہ تھا۔ خانہ نشیں عورتوں کا تھا، اور ایک جلوس کی صورت میں اس لیے ”بازار سراے“ میں جمع ہوا تھا، تاکہ ”آئندہ کے لیے نقاب اور برقع کے استعمال سے عورتیں انکار کر دیں!

بہ بین تفاوت رہ از کجاست تابکجا؟

اس واقعہ کی اطلاع خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ دنیا میں مشہور ہو چکی ہے، لیکن اب تفصیلات بھی یورپ کے اخبارات میں آگئی ہیں۔

قاریین الہلال کی دلچسپی کیلئے دونوں تصویریں نقل کر دی جاتی ہیں۔ پہلی تصویر میں دراز قد صورت سلطان ابن سعود کی ہے۔ دوسرے مرقع میں سمرقند کی خواتین کا ہجوم نمایاں ہے، جو ایک جلوس کی صورت میں بازاروں سے گزر رہا ہے۔



فرانس کی نئی اثری دریافت

عہد حجری کی عجیب و غریب اشیاء

حال میں فرانس کی ایک جدید اثری دریافت نے علماء آثار کی غیر معمولی توجہ حاصل کر لی ہے۔

فرانس کے وسطی حصہ میں ایک غیر معروف قریہ گلزل Glazel نامی واقع ہے۔ یہاں ایک کاشنکار اپنی زمین کا ایک حصہ کسی ضرورت سے کھدوا رہا تھا۔ یکایک اس طرح کی علامتیں نمایاں ہوئیں، جیسے یہاں کبھی پتھر کی دیواریں رہ چکی ہوں۔ زیادہ کھودنے سے ایک ایسی راہ پیدا ہو گئی، جو کسی مصنوعی غار کے دھانے سے مشابہہ تھی!

جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حکام نے ہرقعہ پر پہنچ کر تحقیقات کی۔ کھدائی کا کام جاری رکھا گیا اور غار میں آتے کر آس کی اندرونی ساخت اور حالت کا پتہ لگایا گیا۔ مختصر یہ کہ معلوم ہو گیا کہ کسی قدیم زمانہ کی انسانی یادگاروں

کا ذخیرہ ہے جسے انقلابات زمانہ نے زیر زمین دفن کر دیا۔ یہاں نہ صرف پتھر کی دیواروں کے آثار ملے، بلکہ تاریخی اشیاء کا ایک عجیب و غریب مجموعہ بھی برآمد ہوا۔ یہ پتھر کی بنی ہوئی بے شمار چیزیں ہیں جن میں سے کچھ تو اوزار ہیں جن کی نوعیت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے، لیکن بڑی تعداد اس قسم کی چیزوں کی ہے جن کی وضع و شکل سے ان کی اصلیت کا پتہ لگانا دشوار ہے۔ بعض مدور ہیں۔ بعض مربع ہیں۔ بعض پر اس طرح کے نقوش ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، شاید ان کے ذریعہ کسی عجیب الہئیت انسان یا حیوان کے سر کا نقشہ دکھانا مقصود تھا۔ بعض پتھر کے ٹکڑے ایسے ہیں جنہیں کسی خاص وضع و ہئیت کی شکل نہیں دی گئی ہے، مگر ان پر مختلف قسم کے خطوط کندہ ہیں۔

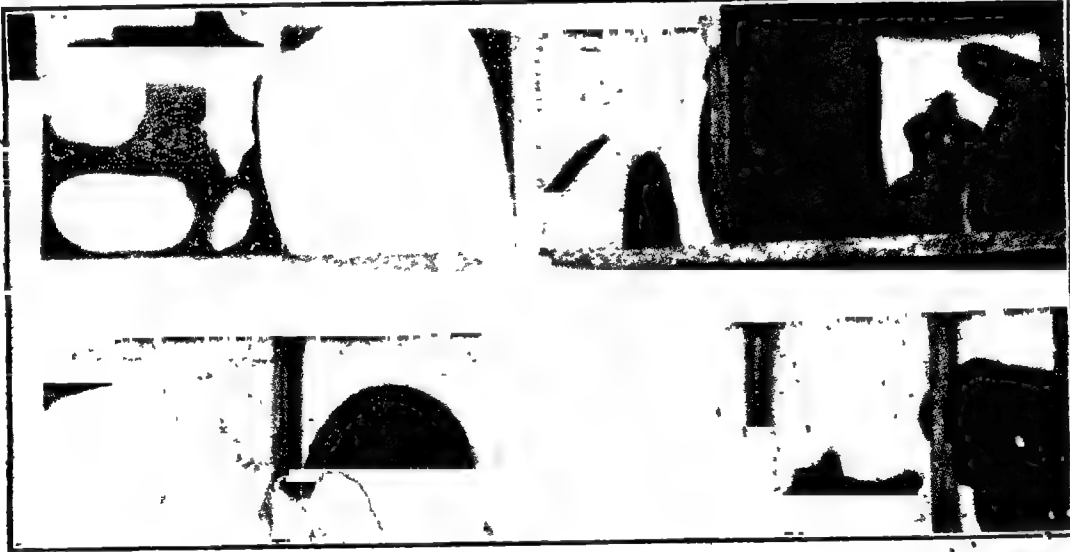
یہ تمام چیزیں بعض محققین علم الآثار کے سامنے پیش ہوئیں اور انہوں نے علمی نظر سے ان کا مطالعہ شروع کر دیا۔

علماء آثار میں سے ایک گروہ کی رائے میں یہ چیزیں قبل از

تاریخ عہد کی ہیں۔ یعنی دس سے تیرہ ہزار برس پیشتر تک کی پرانی ہیں۔ وہ اسے نیولیتھک (Neolithic) عہد کا بقایا قرار دیتے ہیں۔ یعنی ابتدائی انسان کے حجری عہد کا، جب کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لیے صرف پتھر ہی استعمال کرنا جانتا تھا۔

لیکن ایک دوسرا گروہ انہیں اس قدر اہمیت نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے، یہ زیادہ سے زیادہ سولہ سترہ سو برس کی پرانی چیزیں ہیں جب سر زمین گال پر رومیوں کا قبضہ ہوا تھا۔ وہ اپنی اس رائے کے ثبوت میں دو چیزوں سے استدلال کرتا ہے۔ پتھر کی بنی ہوئی عجیب الہئیت صورتوں سے اور پتھروں کے حروف و نقوش سے۔ اٹلی اور ایشائے کوچک سے بکثرت رومی عہد کی ایسی ہی عجیب الہئیت صورتیں نکل چکی ہیں، اور ان کی نسبت طے پا چکا ہے کہ یہ رومی ساحروں کے آلات سحر تھے۔ وہ ان صورتوں کے ذریعہ اپنے سحری عملیات انجام دیا کرتے تھے۔ حروف جو ان پتھروں پر کندہ ہیں، فینیقی خط کے

ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ خطوط صرف رومیوں ہی کے ذریعہ فرانس پہنچ سکتے تھے۔ ان اشیاء میں مچھلی کے شکار کی ایک بنسی بھی نکلی ہے جو ہرن کی ہڈی کی بنی ہوئی ہے۔ اس سے بھی دوسرے گروہ کے خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔



گلزل کے آثار کا ایک حصہ، جسمیں منقش پتھر دکھائے گئے ہیں

لیکن پہلے گروہ کا استدلال پتھر کے ان بے شمار آلات سے ہے، جن کی نوعیت ان کے حجری عہد سے تعلق رکھنے کا پوری طرح یقین دلاتی ہے۔

حال میں ایک مشہور اور مستند اثری محقق ڈاکٹر کیمیلے جولیاں نے ان آثار کی نسبت اپنی تحقیقات کا خلاصہ شائع کیا ہے۔ یہ تحقیقات ایک حد تک دونوں جماعتوں کے لیے تشفی بخش ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر مورف کا خیال ہے کہ دونوں رائیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اس لیے کہ دونوں کا استدلال برآمد شدہ اشیاء ہی پر مبنی ہے۔ پہلا گروہ حجری آلات و اسلحہ کی نوعیت اور قدامت سے استدلال کرتا ہے۔ دوسرا ان مورٹیل اور نقوش سے جو بلا شبہ رومی ساحروں کے آلات سحر ہیں۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ قدیم زمانے کے کسی حادثہ نے یہ دونوں قسم کی چیزیں اس محل میں یک جا کر دی ہوں؟ حجری آلات و اسلحہ عہد حجری ہی کا بقایا ہوں، اور مورٹیل اور نقوش رومی عہد کی ہوں؟

”اگر تو نے انصاف کیا ہوتا تو شورش نہ ہوتی۔ اگر حقوق ادا کئے ہوتے تو قتل نہ ٹوٹے“

باروں الرشید

حاکم خراسان کو لکھا:
”اے گھوڑا کا علاج کر، ورنہ بڑھ جائے گا“
خوہر بن خازم نے لکھا کہ میں نے ارسینا میں داخل ہو کر قتل عام کر دیا۔ خلیفہ نے لکھا:
”تیرا ہوا بے گناہوں کو کیوں مارا؟“
شاہ تدمر نے لکھا:
”میں اپنی سلطنت کی ہر صلیب اور ہر بہاد کو لے کر تیرے مقابلے پر آتا ہوں“

خلیفہ نے جواب دیا:

”عنقریب جان لے گا کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے؟“

ایک دوسرے خط میں لکھا:

”خط کے پیچھے میں آتا ہوں۔ فتح، خدا پر ہو“

ایک اور خط کے جواب میں لکھا:

”جواب، پڑھے گا نہیں، آنکھ سے دیکھ لے گا“

مامون الرشید

ایک شخص نے علی بن ہشام کی شکایت کی۔ مامون نے علی کو لکھا:
”شریف کی علامت یہ ہو کہ بالادستوں پر ظلم کرنا ہو اور زیرینوں کا ظلم ہوتا ہو“

ایک دوسرے خط کے جواب میں لکھا:

”میں تجھے اُس وقت تک اپنے قریب آئے نہیں دے گا جب تک تیرا فریاد میرے دروازہ پر نہ پہنچے“

رستمی کی شکایت آئی۔ آپ نے لکھا:

”یہ مردانگی کے خلاف ہو کہ تیرے برقعہ سونے چاندی کے ہوں، اور تیرا قرض خواہ حتی دست اور پردیسی، فاقہ مست ہو“

عمرو بن سعد کی شکایت کے جواب میں لکھا:

”عمرائے عمر و! اپنی خوشحالی کی عمارت، عدل سے قائم رکھو، کیونکہ ظلم اسے گرا دے گا“

اپنے بھائی ابوعبسی کی شکایت سن کر یہ آیت لکھ بھیجی:

”فاذا نفخ في الصور فلا انساب بينهم يومئذ“ (جب صور پھونکا دیا جائے گا تو رشتے ناتے باقی نہیں رہیں گے)

ابراہیم بن ہمدی نے لکھا:

”اگر آپ معاف کر دیں تو یہ آپ کا احسان ہوگا، اگر نہ کریں تو آپ کو اس کا حق ہے“

خلیفہ نے جواب لکھا:

”انتقام کی قدرت، کینہ کو دُور کر دیتی ہے۔ خدا کا عفو بے پڑھ کر ہو“

ایک مرتبہ کسانوں نے شکایت کی کہ ٹہنی نے کھیت کھا لی۔ مامون نے لکھا:

”کسانوں سے زیادہ ٹہنی کی همان نوازی ہر واجب ہے“

آدھا محصول معاف کر دیا جائے“

آئی۔ جواب لکھا:

ابن الاشعث کے خط کی پشت پر یہ شعر جواب میں لکھا:
فما لب من اسی لاجر عظم
حفاظاً دنیوی من منافع کبری
(اُس شخص کو کیا ہو گیا ہو جو حقائق سے مجھوڑنے کی کوشش کرتا ہو، حالانکہ میں اُس کی ٹوٹی ہوئی ٹہنی جوڑنے کی فکر میں ہوں؟)

عمر بن عبد العزیز

حاکم عراق نے عراقیوں کی شکایت لکھی۔ آپ نے جواب دیا:
”جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی اُن کے لئے پسند کر دو۔ پھر انہیں جرم پر سزا دو“

ایک مظلوم نے فریاد لکھی۔ آپ نے جواب دیا:

”انصاف تیرے سامنے ہے“

ایک قیدی نے درخواست بھیجی۔ جواب لکھا:

”توبہ کر، رہا ہو جا“

ایک شخص نے اپنی بیوی کی شکایت لکھی۔ جواب دیا:

”تم دو دنوں میں یہ کیا ہو“

ایک عورت نے اپنے شہر کے قیدی کی شکایت کی۔ جواب دیا:

”قید، حتی برہوتی چاہئے“

ایک شخص نے اپنے بیٹے کی زیادتی۔ جواب دیا:

”اگر میں نے تیری فریاد نہ سنی تو ظالم ہوں“

حاکم محسن نے لکھا کہ شہر کو ایک قلعہ کی ضرورت ہے۔ جواب دیا:

”عدل اور سلامتی کا قلعہ اس میں تعمیر کر دے“

سجاح (اول خلیفہ عباسی)

اپنے ایک گورنر کو لکھا:

”میں تم کو اپنا مددگار بنا نہیں سکتا“

اہل انبار نے شکایت کی کہ حکومت کی عمارت میں مٹی کی زمین لے لی گئی ہے اور قیمت ادا نہیں کی گئی۔ جواب دیا:

”یہ عمارت تلواری پر قائم نہیں ہوتی“

پھر زمین کی قیمت ادا کر دینے کا حکم دیا۔ ابو جعفر منصور

ایک شخص نے اپنا وظیفہ بند ہو جانے کی شکایت لکھی۔ جواب دیا:

”خدا کی رحمت کو کوئی روک نہیں سکتا“

حاکم مصر نے لکھا کہ اس سال دیائے میل میں طغیانی نہیں آئی۔ جواب لکھا:

”اپنی فوج کو پاک کر۔ تیل میں برکت آجائے گی“

حاکم محسن نے خط لکھا۔ اس میں عبارت غلط تھی۔ اس کو جواب دیا:

”اپنی تحریر بدل، ورنہ میں تجھے بدل بدل دوں گا“

منصور کے حاکم نے لکھا کہ فوج نے شورش کر دی ہے اور بیت المقدس کے قتل و قتل ہو رہے ہیں۔ خلیفہ نے جواب لکھا:

تاریخ و عبر

عرب خلفاء و سلاطین کے مختصر جواب

عرب خلفاء و سلاطین کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے۔ یہ بلاغت سب سے زیادہ اُن کے مختصر جوابات میں ظاہر ہو کر آتی تھی جو وہ درخواستوں پر لکھ دیا کرتے تھے۔ ذیل میں چند نمونے ملاحظہ ہوں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

عمرو بن العاص کے جواب میں لکھا:

”اپنی رعیت کے ساتھ دیا ہی سلوک کرو، جیسا سلوک الیہ کرنا چاہتے ہو“

مقرر کے بعض لوگوں نے مردان بن الحکم کی شکایت لکھ بھیجی۔

آپ نے جواب میں یہ آیت لکھ دی:

”فان عصوک نقل انی بری ماتلون“ (اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے، میں تمھارے قتل سے بری ہوں)

حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنے لئے گھرنیلے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے جواب دیا:

”ایسا گھرنیلے جو تجھے با دسمم اور مینہ سے چھپا سکے“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

ایک شخص نے اپنی مالی مشکلات کی شکایت بھیجی۔ آپ نے جواب دیا:

”ضرورت ہو کر حکم ہنہ دے دیا ہو۔ اللہ کے مال میں اسراف کی گنجائش نہیں“

حضرت علی علیہ السلام

حسین بن المنذر نے لکھا کہ قبائل رقیعہ کے بہت سے آدمی قتل ہو چکے ہیں۔ آپ نے جواب دیا:

”بقیۃ السیف میں زیادہ فراوانی ہوتی ہے“

اشتر نخعی نے ایک شخص کی شکایت کی۔ آپ نے جواب لکھا:

”کابل کل آدمی اس دنیا میں کہاں ہے؟“

امیر معاویہ بن ابی سفیان

ربیعہ ربیع نے لکھا کہ میں بصرہ میں گھر بنا چاہتا ہوں۔ آپ نے جواب لکھا:

”میرے گھر کے بارہ ہزار تنے دیکھو میری مدد کیجئے“

امیر معاویہ نے جواب لکھا:

”تمھارا گھر بصرہ میں ہوگا، یا بصرہ، تمھارے گھر میں ہوگا؟“

عبد الملک بن مروان

حجاج بن یوسف دالی عراق نے عراقیوں کی شکایت لکھی۔ عبد الملک نے رقعہ کی پشت پر لکھ دیا:

”زیر کر، کیونکہ زحی میں بھلائی ہے۔ نخعی میں برائی ہے“

ایک مرتبہ حجاج نے اجازت طلب کی کہ عراقی سرداروں کو قتل کر دے۔ عبد الملک نے لکھا:

”مبارک حاکم وہ ہے جس سے مخالفین کو بھی اُس پر حملے سے روکا جا سکے“

حاکم وہ ہے جس سے منافق بھی بدل ہو جائیں“



بڑیادی کے لیے عنقریب
میں آنے والا ہے !

بات کتنی ہی عجیب
سمجھی جائے، لیکن واقعہ یہ
ہے کہ یورپ میں ایک جماعت
ایسی موجود ہے، اور وہ نہایت
خوف و اضطراب کے ساتھ اس
دوسرے عالم گیر طوفان کا انتظار
کر رہی ہے !

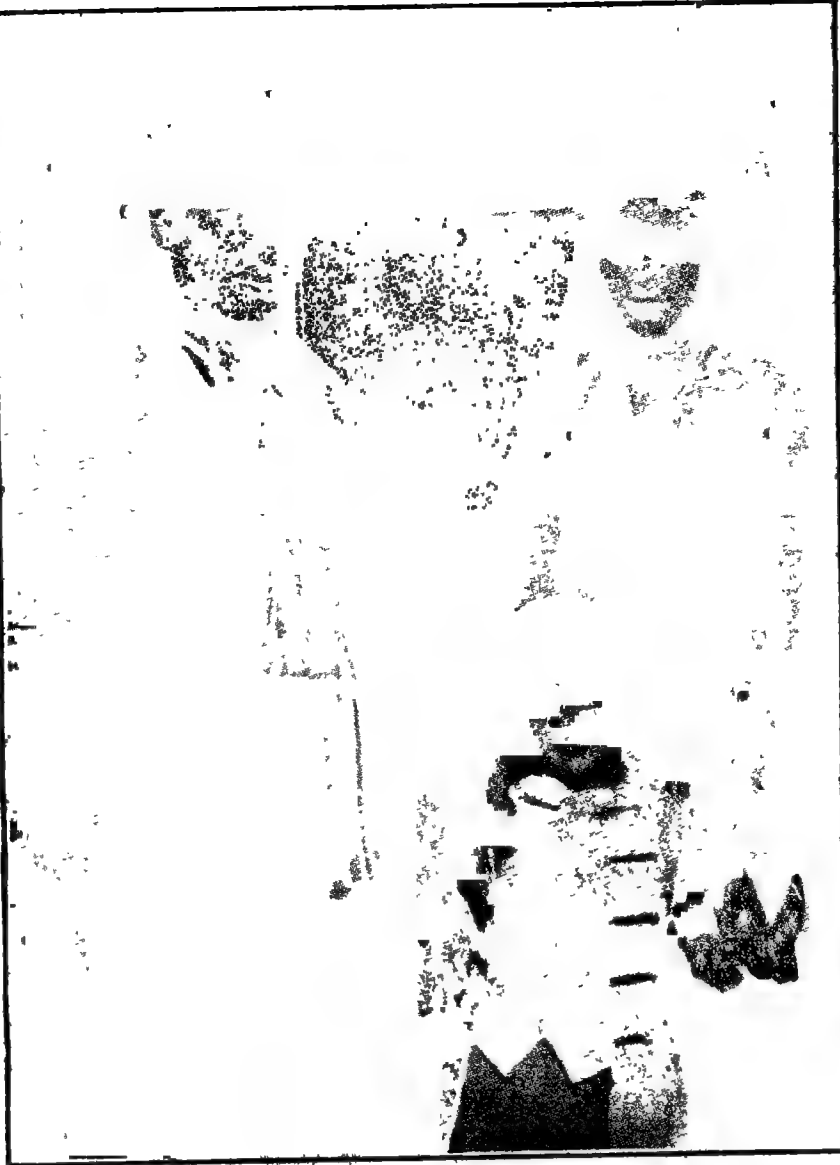
یہ یہودیوں کا ایک فرقہ ہے۔
اس نے اپنا یہ ہولناک اعتقاد
عہد عتیق کی بعض پیشین
گوئیوں سے اخذ کیا ہے۔ انگلستان
میں اس فرقہ کی کافی تعداد
موجود ہے۔ اس فرقہ کے سردار
نے حال میں ایک نئی کشتی
بھی طیار کرائی ہے جس کا نام
”ہاؤس آف داؤد“ یعنی
”بیت داؤد“ ہے۔ یہ کشتی
آجکل دریائے ٹیمس میں
موجود ہے۔ یہ فرقہ یقین کرتا ہے
کہ آنے والے طوفان میں محفوظ
رہنے کے لیے نئی دنیا کے ترقی
یافتہ جہاز اس قدر مفید ثابت
نہیں ہونگے، جس قدر قدیم رضع
کی یہ کشتی مفید ہوگی۔
کیونکہ یہ ”آن تفصیلات کے
ٹھیک ٹھیک مطابق طیار کی
گئی ہے، جو حضرت نوح علیہ
السلام کی کشتی کی نسبت
عہد عتیق میں موجود ہیں!“

جو مرقع آپ کے سامنے
ہے، اس میں آپ اس محفوظ
اور دور اندیش فرقہ کے سردار
اور اسکے رفقاء کو مشغول اہتمام
دیکھ رہے ہیں !

الہلال

.. نمبر ۱ - سے نمبر ۵ - تک
جو حضرات فروخت کرنا چاہیں
دفتر الہلال کو اطلاع دیں۔

منیجر



جیکب ایسٹین، سنیتا، اور انور

بہر حال ہمارے لیے فتن
لطیفہ کی اس سنجیدہ نزاع
میں تو کوئی دلچسپی نہیں
ہے، البتہ یہ سوال یقیناً دلچسپی
سے خالی نہیں کہ ”مقدس
کنواری“ کے اس نئے مجسمہ
کے لیے جس ہندوستانی خاتون
کا چہرہ بطور نمونہ کے استعمال
کیا گیا ہے، وہ کون ہے؟ رسالہ
اسفیر ایک مرقع شائع کرتے
ہوئے ہمیں بتلاتا ہے کہ یہ
ایک ہندو خاتون مقیم انگلستان
ہے جس کا نام سنیتا Sunita
ہے، اور اس کے وہ سالہ لڑکے کا
نام ”انور“ ہے۔ اگر اسفیر نے
ناموں کے نقل کرنے میں کوئی
غلطی نہیں کی ہے تو ”سنیتا“
کے ساتھ ”انور“ کا نام بجائے
خود ایک دلچسپ واقعہ ہے۔
اور یقیناً قارئین الہلال کے لیے
یہ کوئی ناپسندیدگی کی بات نہ
ہوگی، اگر وہ ان دونوں صورتوں
کا فطرتاً کر سکیں۔ ہم اسفیر کا
مرقع بجنسہ نقل کر دیتے ہیں۔
یہ اس مرقعہ کی تصویر ہے جب
صناع امریکہ کے لیے روانہ ہو رہا
ہے، اور اسفیر کے لفظوں میں
”ہندوستانی لیکٹی اور اس
کا لڑکا انور“ اس کے ساتھ
کھڑے ہیں۔

دوسرا طوفان نوح

اور

کشتی جس کا نام ”بیت داؤد“ ہے !

موجودہ زمانہ میں یہ بات
تس درجہ عجیب سمجھی
جائیگی کہ انسانوں کی ایک
جماعت کو ارضی کی تمام
خشکیوں سے الگ ہو کر دریا میں
آباد ہوجانا چاہتی ہے۔ کیونکہ
”قدیم طوفان نوح کی طرح ایک
دوسرا طوفان تمام دنیا کی

ایک اسرائیلی فرقہ کا رہنما جو ایک علمبر طوفان
کے ظہور کا انتظار کر رہا ہے !

دنیا میں روٹی کی پیداوار بحساب ہینڈریٹ

مجموعی پیداوار: ۶۶۶۰۰۰۰ ہینڈریٹ

تفصیل

لکھ	۱۹۲۷ء میں	۱۹۲۸ء میں
ہندوستان	۱۵۶۰۰۰۰	۲۱۳۸۰۰۰
برازیل	۲۶۰۰۰۰	۱۲۰۰۰۰
مصر	۳۲۰۰۰۰	۶۸۰۰۰۰
ولایات متحدہ امریکہ	۴۱۹۰۰۰۰	۶۱۳۰۰۰۰
دوسرے ممالک	۵۱۰۰۰۰	۳۶۰۰۰۰
میکسیکو	۱۵۰۰۰۰	۹۰۰۰۰۰

برطانوی ہندوستان میں روٹی کی پیداوار بحساب ہینڈریٹ

صوبہ	ایکڑ	ہر ایکڑ میں پیداوار بحساب پونڈ
مدرا	۲۶۲۶۸۹۰	۶۸
بمبئی	۴۸۸۸۹۹۱	۱۰۲
بنگلہ	۵۵۰۰۰	۱۵۵
سی، پی اور برار	۴۹۳۲۸۶۶	۸۶
یوپی	۶۳۸۶۹۸	۱۴۰
پنجاب	۱۴۴۹۳۲۸	۱۳۸
آسام	۳۵۲۹۹	۱۵۳
برما	۳۰۰۰۰۰	۹۰

ہندوستان میں روٹی کے کارخانے

روٹی دھنے اور دالے والے کارخانے کاتنے اور بننے والے کارخانے

بمبئی	۵۲۱	۱۸۳
سی، پی اور برار	۴۲۶	۱۳
یوپی	۱۵۶	۱۸
مدرا	۱۴۹	۳۶
بنگلہ	۰۰۰	۱۲
پنجاب	۱۲۰	۰۰۰
سرگودھا	۱۰۴	۰۰۰
حیدرآباد	۱۴۴	۰۰۰
برہمہ	۸۳	۰۰۰

ہندوستان میں روٹی کی درآمد و برآمد

درآمد	درآمد
سوٹ	۹۶۶۳۱۰۰۰
سوٹی کپڑے	۶۶۶۳۰۰۰۰
برآمد	برآمد
خام روٹی	۹۱۳۴۰۰۰۰
سوٹ	۳۴۰۱۱۰۰۰
سوٹی کپڑے	۴۵۴۳۹۰۰۰

دنیا کی ۱/۲ روٹی صرف ہندوستان میں پیدا ہوتی ہے۔

افسانہ

خط استوا کے افیرقی قبائل

ملک نم نم

ایک افسانہ نما تاریخی سرگذشت

اسٹیل پاشا خدیو مصر کے زمانے میں مصری فوجیں فتح کرتی ہوئی خط استوا تک پہنچ چکی تھیں یہ سرزمین ایسی تھی کہ مصریوں سے پہلے وہاں کوئی تمدن اعلان بھی نہیں ہو چکا تھا۔ صرف بعض بڑے فردش کچھ کچھ اُس کی سرحد تک پہنچ جاتے اور غلامی کے لئے آدمی پکڑ لیتے۔

اس سرزمین کی تمام قومیں اسوت (ادما بھی) از حد جتنی تھیں۔ فاتح فوجوں کو ناقابل بیان مصائب کا سامنا کرنا پڑا ایک طرف موسم اور آب و ہوا برداشت سے باہر تھی۔ شب و روز پانی پناہ نہ تھا۔ ہوا گرم اور دلہلیں تھیں۔ دوسری طرف بڑی بڑی درختیں درختے چلے کرتے تھے۔ پھوس کی مصیبت بھی کچھ نہ تھی۔ ایسے قاتل پھر شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں ہوتے ہوں جیسے کہ اس خطہ کی زمین میں تھے۔ اس سے بھی بڑھ کر خود وہاں کے باشندوں کا خطرناک وجود تھا۔ وہ کسی نظام جنگ سے واقف نہ تھے منظم فوجیں، باقاعدہ لڑائیوں کی عادی تھیں۔ مگر وہاں کے باشندے بے قاعدہ لڑائی میں ماہر تھے۔ تیر انداز ایسے تھے کہ بندھنوں اور قیوں سے مسلح فوجوں کو بھگا دیتے تھے۔ اگر قیدی اُن کے ہاتھ پڑ جاتے تھے، تو اُن سے نہایت وحشیانہ سلوک کرتے تھے۔ ایسا وحشیانہ سلوک کہ جس کا تمدن دنیا تصور بھی نہیں کر سکتی!

(۲)

کابل ۱۰ ماہ کی ہولناک جدوجہد اور غریزہ جنگوں کے بعد مصری فوجیں خط استوا کے ایک جدید علاقے میں پہنچیں۔ اُنھوں نے باشندوں کو اپنے مقابلے کے لئے مستعد پایا۔ فوجوں نے فوراً کانٹے جمع کر کے مورچے بنائے اور رات بسر کرنا چاہی۔ مگر آدھی رات کو وحشی باشندوں نے حملہ کر دیا۔ تمام مورچے جلا دیئے، اور پوری تین لمپٹیں کاٹ کر ڈال دیں۔ بقیہ السیف قید کر لئے گئے۔ تمام قیدی راستے ہی میں مر گئے تھے۔ صرف تیس آدمی نیم جان حالت میں انکے لشکر گاہ تک پہنچ سکے۔ ان میں سے دو شخصوں کا حال ہم لکھنا چاہتے ہیں۔

(۳)

ایک قیدی، مصری تھا۔ اُس کا نام شعبان عدوی تھا۔ دوسرا موڈانی تھا۔ اُس کا نام نخت کو کو تھا۔ ان دونوں میں ایسی محبت اور دوستی تھی کہ اس کی نظیریں دنیا میں کم لیں گی۔ دو ہی اس طرح شروع ہوئی کہ ایک مرتبہ نخت کو کو خطوم میں تھا اور دوسرے نیل میں بہا رہا تھا۔ انہوں نے دنیا کی موجودہ حالت سے کچھ لیا اور غرق ہونے لگا۔ فوج کے بہت سے آدمی موقع پر موجود تھے مگر کسی کو مدد کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن شعبان عدوی فوراً کود پڑا، اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر دو بجے ہوئے سوڈانی کو بچا لیا۔ اس خدمت کے صلے میں نخت کو کو نے تم کھائی کہ کچھ اور اُس کا دوست بن گیا۔ اور ہمیشہ اُس کے ساتھ زندگی بسر کرے گا۔ نخت کو کو کی عزیز یا قریب متعین موجود نہ تھا۔ وہ دراصل ایک غلام تھا اور حکومت نے اُسے آزاد کر دیا تھا۔ اُس کا خاندان خطہ استوا ہی کے ایک علاقے میں موجود تھا۔ مگر وہاں دایں چاہتا تھا۔

اس واقعہ کے بعد کچھ بھی کسی نے ان دونوں دوستوں کو نبھا ہوتے نہیں دیکھا۔ پیشکش ہی کہتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو بھی ساتھ ہی سوتے تھے۔ اتفاق سے وہ دونوں سالہ سی

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلہ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۱ سے ۵ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں وہ وہ دینی محنت پر خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ ذکر کو اطلاع دیجیے (نیچر)

۹۹۱۰۰۰	۱۳۶۳۰۰۰	ملک
۰۰۰۰	۲۹۵۰۰۰	بلقاریہ
۲۲۱۰۰۰	۸۳۵۰۰۰	کینیڈا
۲۰۶۹۰۰۰	۲۸۰۵۰۰۰	فرانس
۰۰۰۰۰	۲۲۶۸۰۰۰	اطلی
۰۰۰۰۰	۱۹۰۰۰۰	ہنگری
۲۳۱۸۰۰۰	۸۹۴۵۰۰۰	پولینڈ
۶۴۹۰۰۰	۱۱۶۳۰۰۰	رومانیہ
۰۰۰۰	۴۰۰۰	اسپین
۰۰۰۰	۲۱۰۰۰	سوئٹزرلینڈ
۴۱۸۵۹۰۰۰	۱۰۴۹۶۸۰۰۰	یونٹس
۲۹۳۰۰۰۰	۴۴۸۴۰۰۰	ولایات متحدہ امریکہ
۱۹۵۸۰۰۰	۱۹۳۰۰۰۰	جاپان
۹۴۱۰۰۰	۳۲۵۰۰۰۰	مصر
		جنوبی افریقہ

ہندوستان میں جوار کی پیداوار کے لحاظ سے

۶۳۶	۴۵۰۰۰	۱۰۳۸۵۱۶	صوبہ
۰۰۰۰	۴۹۰۰۰	۲۰۴۹۳۴	مدرا
۸۲۰	۲۴۰۰۰	۰۸۱۹۰۰	بیبی
۱۱۰۰	۸۸۹۰۰۰	۱۸۳۸۲۲۳	بنگلہ
۹۶۳	۴۰۲۰۰۰	۱۰۵۴۸۴	یوپی
۸۲۰	۵۳۹۰۰۰	۱۶۴۹۸۰۰	پنجاب
۰۰۰	۰۰۰۰۰	۱۵۴۹۹۴	ہارادیش
۴۰۰	۴۸۰۰۰	۱۸۸۴۱۲	سی پی اور برار
۱۱۰	۱۹۰۰۰	۲۳۸۴۲۳	برا
			صوبہ سرحد

ہندوستان میں شکر کی پیداوار کے لحاظ سے

۶۴۲۰	۲۳۲۳۰۰	۱۳۳۹۸	صوبہ
۶۹۵۰	۲۳۸۱۰۰	۴۳۰۴۹	مدرا
۳۰۰۴	۲۳۵۴۰۰	۲۰۴۹۰۰	بیبی
۲۶۰۰	۱۲۲۰۳۰۰	۱۵۴۳۹۰۲	بنگلہ
۲۱۹۱	۲۱۳۰۰۰۰	۴۸۳۱۶۱	یوپی
۲۲۶۰	۲۹۰۴۰۰۰	۳۰۴۳۰۰	پنجاب
			ہارادیش

ہندوستان میں شکر کی درآمد و برآمد

درآمد	برآمد	مقدار	مقدار
قیمت	قیمت	مقدار	قیمت
۱۵۳۱۹۸۰۰۰	۱۱۱۳۰۰۰	۱۱۱۳۰۰۰	۱۱۱۳۰۰۰
۲۰۹۰۲۳۰۰۰	۵۲۴۴۰۰۰	۵۲۴۴۰۰۰	۵۲۴۴۰۰۰

ہندوستان میں چائے کی درآمد و برآمد

درآمد	برآمد	مقدار	مقدار
قیمت	قیمت	مقدار	قیمت
۶۰۸۳۰۰۰	۱۴۶۴۳۱۰۰۰	۱۴۶۴۳۱۰۰۰	۱۴۶۴۳۱۰۰۰
۶۲۸۲۰۰۰	۳۳۳۹۲۳۰۰۰	۳۳۳۹۲۳۰۰۰	۳۳۳۹۲۳۰۰۰

دنیا میں مٹی کی پیداوار کے لحاظ سے

۲۲۰۹۳۰۰۰	ملک
۱۵۴۳۰۰۰	ہندوستان
۱۸۵۵۰۰۰	برازیل
۲۱۳۲۳۰۰۰	مصر
	ولایات متحدہ امریکہ

ہندوستان اور مجموعہ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی عمرانی

اور

اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۵)

گیہوں

دنیا کے مختلف ملکوں میں گیہوں کی پیداوار ایکڑ کے حساب سے

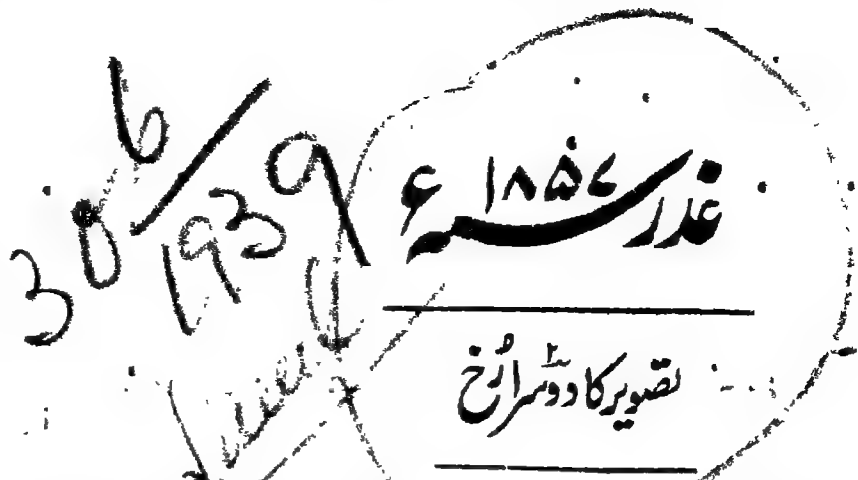
۳۰۳۰۴۰۰۰	ملک
۱۴۴۸۵۰۰۰	ہندوستان
۲۲۰۴۹۰۰۰	ارجنٹائن
۱۳۱۵۰۰۰	کینیڈا
۱۳۶۱۲۰۰۰	مصر
۱۱۲۴۹۰۰۰	فرانس
۳۶۶۲۲۰۰۰	اطلی
۱۱۴۹۰۰۰	جرمنی
۴۸۲۵۰۰۰	جاپان
۱۵۹۹۰۰۰	رومانیہ
۵۴۲۸۶۰۰۰	برطانیہ
۳۲۹۱۰۰۰	ولایات متحدہ امریکہ
	الجزائر

ہندوستان میں گیہوں کی پیداوار کے لحاظ سے

۳۴۹۲	صوبہ
۲۴۸۰۰۰	مدرا
۲۵۰۰۰	بیبی
۲۴۱۹۰۰۰	بنگلہ
۵۸۱۰۰۰	یوپی
۲۴۳۰۰۰	پنجاب
۱۰۶۸۰۰۰	ہارادیش
۱۹۵۰۰	سی پی
	صوبہ سرحد

دنیا میں جوار کی پیداوار

۲۲۰۴۱۰۰	ملک
۰۰۰۰	ہندوستان
۲۲۰۰۰	الجزائر
۳۱۱۰۰۰	ارجنٹائن
	اطلی



کئی ہفتے گزے، الٹال میں ایک امریکی مصنف کی جدید شیعہ کتاب کے بعض حصوں کا ترجمہ شائع کیا گیا تھا جو دسمبر ۱۹۳۹ء کے حادثہ تاریخی حثیت سے لکھی گئی تھی۔ یہ ترجمہ چودہری محمد علی صاحب کیل ریٹ آباد کے قلم سے بنیلا تھا۔ اب انھوں نے کتاب کے بعض دیگر حصوں کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ آج ہم پھر یہ سلسلہ شروع کرتے ہیں پہلی تہہ درج ذیل ہے۔

جن دنوں یہ وحشیانہ مظالم ظہور پذیر ہو رہے تھے، بعض نامور انگریزوں نے ان کے خلاف صدارت احتجاج منع کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ ہم آج تک اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ اس قلیل جماعت نے اکثریت کی وحشیانہ حرکات کے خلاف نفرت کا اظہار کیا تھا۔ لارڈ کننگھم نے سٹرے ہند نے ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو دیہاتوں کا جلانا ممنوع قرار دیا اور نئے آدمیوں کو سزا دینے سے بھی حکم دیا گیا۔ چن افسروں نے عوام الناس سے وحشیانہ سلوک کیا تھا، ان سے اختیارات چھین لئے گئے۔ ۲۸ اگست ۱۸۵۷ء کو گرانٹ صاحب جات ہمدہ میں بطور لفٹنٹ گورنر مقرر کیا گیا تاکہ وہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں ان لوگوں کو بچائے، جو بلا تفریق پھانسی دئے جا رہے تھے۔ مگر کیننگ اور گرانٹ ایسے نرم دل واقع ہوئے تھے کہ ماتحت افسران کے احکام کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے۔ بایں ہمہ انگریزوں نے ان کے خلاف برا شور مچایا۔ اور داسرے کو تو وہ نرم دل کیننگ کہا کرتے تھے!

ماہ اگست میں جب انگریزی فوج کا ایک دستہ کسی گاؤں کو جلا کر واپس آ رہا تھا، راہ میں وہ فساد پیاہوں کی ایک تعداد مل گئی۔ وہ بھی انہی سنگینوں کا لشکر ہوئے۔ جنرل اوٹوم اس واقعہ جانکاہ کو تھا کہ قتل سے قہر کیا کرتا تھا۔ لندن ٹائمز نے بھی ایسے بزدلانہ جرائم کے خلاف بہت کچھ لکھا تھا۔

یہ امر مسلم ہو کہ بہت سے ہندوستانی سپاہی ہمارے مظالم سے گھرا گئے اور اپنی پٹیش چوڑ کر بھاگ گئے۔ بعد ازاں وہ بغاوت کرنے پر مجبور ہو گئے جس کا نتیجہ ہوا کہ انھوں نے جان توڑ کر ہمارا مقابلہ کیا جس سے ہم سخت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ انہیں یقین تھا کہ جو کوئی بھی انگریزوں کے ہاتھ آگیا اس کی جان سلامت نہیں ہوگی۔

لفٹنٹ رابرٹ جوبین میں فیلڈ مارشل کے عہدے پر متاثر ہوا اپنی ہشیر کو ایک خط میں لکھتا ہے۔

”میری سپاہی ہر طرح کی ہرزائی سے بے خیال نہیں کرنا چاہئے کہ جو سپاہی ہمارے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، میں ان پر زور کھانا چاہوں۔ میں ایسا سنگدل ہو گیا ہوں کہ مجھے ان کی بے کسی پر مطلق رحم نہیں آتا جب کوئی قیدی گرفتار کر کے پیش کیا جاتا ہے، تو سب سے پہلے میں ہی چلا آٹھا ہوں۔ فی الفور پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔“

دہلی کے محاصرے کے دوران میں ایک افسر لکھتا ہے:

”دشمن نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کچھ نہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انگریز بغیر قتل کئے اور کسی شرط پر راضی نہیں ہونگے اور ان کا خیال بالکل درست ہے۔“

مگر یہ ایک خط میں اس افسر کے ہاتھ کی تاکید کرتا ہے۔

”میں اپنے دل سے یہی سوچ رہا ہوں کہ میں اس بات پر بڑا زور دیتا ہوں کہ

سپاہیوں نے درحقیقت بغاوت کر کے سخت تنگ حراسی کا ثبوت دیا۔ لیکن یہ انگریزوں کی جگہ تھی۔ تو ہم ان کی دغا داری پر قطعاً امید نہیں کرنی چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ ہمارے ہم وطن نہ تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ہماری طاقت معدوم ہو چکی ہے تو پھر اپنا باغیوں سے جاملنا آسان سمجھ کر جرم نہ تھا، جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ بایں ہمہ ہمیں جرت ہو کہ بہت تھوڑی فوجوں نے بغاوت میں حصہ لیا۔ جہاں کہیں کوئی فوج بغاوت کرتی تھی، وہ عموماً اپنے انگریز افسروں کو قتل کر دیتی تھی۔ لیکن عکس اس کے عوام الناس نے اکثر ہماری امداد کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ کئی دفعہ ہندوستانیوں نے انگریزوں کی جان بچا کر اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال دیا۔ لیکن ہم نے ان لوگوں کی قربانی اور انصاف کا بدلہ لیا دیا کہ باغی سپاہیوں کے ہمراہ انھیں بھی بلا تفریق قتل کر دیے۔ لکڑے دھڑا اپنے خطوط میں (جو حال ہی میں کتاب کی شکل میں شائع ہوئے ہیں) غدر کے واقعات کے متعلق یوں لکھتی ہیں:

”ہماری فوجوں نے باغیوں سے سخت انتقام لیا۔ جس کی وجہ سے وہ سخت بنام ہوئیں۔ کیونکہ انھوں نے سخت بے رحمی سے بدلہ لیا تھا۔ مگر لارڈ کیننگ کو بھی اس کی نرم مزاجی کی وجہ سے یہاں امن طعن کیا جاتا ہے۔ عوام الناس کی رائے ہے کہ فوج اور سپاہیوں کے افسروں نے غدر کو کچل دینے کے لئے جو کچھ انتظامات کئے تھے، وہ بالکل ضروری تھے اور اگر یہ افسر سختی سے کام نہ لیتے۔ تو بغاوت اتنی جلد فروزہ ہوتی“

رسل نے اپنی ٹائری میں یہ سوال یوں حل کیا ہے۔

”ہر ایک تو یہ محض ایک فوجی بغاوت تھی۔ یا عام بغاوت تھی۔ چونکہ یہ بغاوت محض فوجوں تک محدود تھی، اس لئے دیہات اور شہر کے باشندوں کو محض اس بنا پر موت کی سزائیں دینا کہ انھوں نے سپاہیوں کی بغاوت فرو کرنے میں انگریزوں کا ساتھ دیا، کسی قدر تہذیب کو گرا ہوا فعل تھا۔ ہم لوگوں کے ہمدردانہ جذبات کو ہم نہیں قرار دے سکتے۔ ہم چاہتے تھے تو یہ تھا کہ اپنے دشمنوں کو جنگ کے میدان میں تباہ کریں۔ لیکن تمام علاقے کو محض اس بنا پر سزا دینا کہ اس کچھ جرم واقع ہوئے تھے، یا باغی سپاہیوں نے اسیں ڈیرا ڈالا تھا۔ ایک ایسا شیعہ فعل ہے کہ کوئی سمجھدار آدمی اس سے نفرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس بغاوت کا نتیجہ ہوا کہ ہر دو قوموں کے درمیان ایسی سخت نفرت قائم ہو گئی ہے کہ اس کے دور کرنے کے واسطے بہت عرصہ لگنا پڑا ہے اعتبار بالکل نازل ہو گیا ہے۔ اور امید نہیں کہ وہ پھر عہد کوئے ہو مگر ایک جگہ لکھتا ہے:

دہلی کے باشندوں نے باغیوں کے جرم کا کفارہ بھی نہ دیا۔ ہزار ہا مرد اور عورتیں شہر کے معانات میں آوارہ پھر رہے تھے۔ نہ انھیں

بایں سالان خورد و نوش تھا۔ نہ ہی ان کے قیام کے لئے کوئی مکان تھا جو کچھ ان کا اثاثہ البتہ تھا، وہ انگریزی سپاہیوں نے لوٹ لیا تھا۔ انھوں نے دہلی کی فتح کے بعد ہر ایک مکان کی تلاشی لی تھی اور جو کچھ وہاں ملا تھا، لوٹ لے گئے تھے۔ عورتوں کی بڑی تعداد اپنے اپنے آپ کو ہمارے رحم پر چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے انہیں ایک محفوظ جگہ پر پہنچا دیا تھا۔ ہم ان دنوں ایسی شریف زادیلوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا، جو بڑی شکل سے اپنے بچوں کو کندھوں پر اٹھا ہوئے دستوں پر ڈھنگاتی پھرتی تھیں کیونکہ وہ اپنے گھر کی بچا دوا پر سے باہر چلنے کی عادی نہ تھیں!۔“

رویش دت ہندوستان کی تاریخ کے صفحہ ۲۲۲ پر لکھتا ہے:

”ہر ایک سمجھدار انگریز اور ہندوستانی اس بات کا خواہاں ہے کہ بغاوت کے انہوں نے جو حادثات کو مداس کی قطعی کتابوں سے حذف کر دیا جائے تاکہ بچوں کے دماغ میں یہ زہر سرایت نہ کر سکے۔ جب سے انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط جانا شروع کیا، ان کی راجوں اور نوادوں سے ہمیشہ لڑائیاں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ مانتا ہوں کہ ان لڑائیوں میں فریقین نے اس قدر ظلم برپا نہیں کیا تھا، جیسے کہ غدر کے دنوں میں ہوئے۔ باغیوں نے اس خیال سے بغاوت کا علم بلند کیا تھا کہ وہ اپنے مذہب اور نیت کی خاطر لڑ رہے تھے۔ لیکن انھوں نے بے گناہ عورتوں اور بچوں کو قتل کئے اپنی قوم اور مذہب کی سخت توہین کی۔ دوسری طرف سے انگریز فوجوں نے بھی سیکڑوں میلوں کے محاذ میں بے شمار گاؤں جلا ڈالے اور بے شمار بے گناہوں کا خون بہایا۔ انھوں نے دہلی کے باشندوں کا قتل عام کیا۔ حالانکہ باغی سپاہ (جو درحقیقت بے گناہ تھے) شہر چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ اسی طرح انگریزی کشتروں نے مثالی شہر میں ہزاروں بے گناہ آدمیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ جنہوں نے غدر میں مطلقاً حصہ نہیں لیا تھا۔“

جن واقعات کا میں نے ذکر کیا ہے، انھیں کسی خاص شخصیت کی بنا پر منتخب نہیں کیا گیا۔ بہت سے حوادث غدر دن سے بھی زیادہ ہولناک قسم کے میرے علم میں آئے ہیں جن کا ذکر میں نے نہیں کیا بعض لوگ خیال کر سکیں گے، مجھے اس انہوں نے معاملہ کی یاد تازہ نہ کرتی تھی لیکن میں نے اس لئے یہ داستان غم آفرین چھوڑ دی تاکہ ایک معاملہ کا فیصلہ ہو جائے۔ ایک طرف انگریز ہیں جو ایک دستہ کے ہندوستانی مظالم فراموش کرنا نہیں چاہتے اور دوسرے بعد دیگرے ایسی تاریخیں لکھی جا رہی ہیں جن میں صرف تصویر کا ایک ہی رخ نمایاں کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہندوستانی ہیں، اور وہ بھلاؤ پر محسوس کرتے ہیں کہ آج تک ان کے خیالات و احساسات کی بالکل شنوائی نہیں ہوئی۔ ایک مورخ نے بھی اس کی ضرورت سمجھی کہ وہ کا دوسرا رخ دیکھنے کی بھی کوشش کرے۔ میری رائے میں انصاف اور دیانت داری کی ذہنی صورتیں ہوتی ہیں۔ یا تو دونوں فریق یہ معاملہ یک قلم بھلا دیں۔ یا پھر دونوں کو اپنا اپنا نقطہ خیال ظاہر کرنے کا موقع دیا جائے۔

لارڈ رابرٹ کے وہ خطوط جو دسمبر ۱۸۵۷ء میں انھوں نے لکھے تھے اب سن ۱۹۳۹ء میں چھاپ کو شائع کئے گئے ہیں۔ اگر برطانیہ کو ہندوستان سے ذرا بھی ہمدردی ہوتی تو یہ کتاب اب ہرگز شائع نہیں کی جاتی ہندوستانیوں کے خلاف سخت زہر افگنا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر غیل کو لکھ دیا، کی بناء پر حرکات کا (جو کا پورے حالات سے بھی دہشتناک تھا) ذکر نہیں کیا ہے۔ یہی میں نے ہاتھ کے شیعہ افسانوں کو (جسے ہالیوڈ کے تجربے کے قریب وہ فعل شاعرانہ کو بلا تفریق کیا تھا) اس کتاب میں درج کرنا مناسب سمجھا۔ میں نے

کے لئے بالکل نئی تھی۔ بہت سے اعلیٰ گاؤں سے بھلے آئے اور امداد کی طرف دوڑے۔ خود بادشاہ، سب سے آگے تھا۔ نجات کو کرنے بادشاہ کو دیکھا تو شاہانہ آداب و کورنش بجالایا، اور اپنا اپنے دوست کا پورا قصہ کہہ سنایا۔ پھر اسے کہا:

”میرا یہ دوست، اپنے وقت کا رستم ہو، خود اعلیٰ حضرت کا حلقہ فراموش ہے کہ اسے کس آسانی سے شیر مار ڈالا، اور اس عیب خلاق (یعنی گدھے) کو اپنی سواری بننے پر مجبور کر دیا!“

بادشاہ بہت تخرج ہوا۔ گدھے کی صورت دیکھ کر اس کے قحب کی کوئی انتہا نہ رہی۔

پھر نجات کو کرنے بادشاہ سے کہا: ”گدھا اصل میں میرے اس دوست کے بھائی کی سواری ہے۔ وہ اسپر سوار ہو کر تمام دنیا میں سفر کرتا رہا۔ وہ اپنے اس گم شدہ بھائی کو تلاش کر رہا تھا جسے وحشی لوگوں نے قید کر لیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ اعلیٰ حضرت کے لئے یہ کپڑے بھی لایا تھا۔ مگر افسوس کہ درندے نے اسے سوتے میں مار ڈالا۔ اب میرا دوست اعلیٰ حضرت کی خدمت میں یہ کپڑے نیز یہ جہیز لے کر جا رہا ہے جس سے اسے چشم زدن میں شیر کو مار ڈالا، ہدیہ پیش کرنا ہے۔“

بادشاہ از حد سرور ہوا اور ہدیے قبول کر لئے۔ پھر نجات کو کرنے بادشاہ کی اجازت سے شہان کو حکم دیا کہ گدھے پر سوار ہو کر بادشاہ کے دربار آئے۔ شہان گدھے پر سوار ہو گیا۔ مگر سوار اتفاق سے گدھا چلانے لگا۔ اس کی عجیب آواز سن کر وحشی باشندے اور خود بادشاہ پر سخت دہشت طاری ہوئی۔ وہ بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے۔ نجات کو کرنے کو بادشاہ کو روکا، اور عرض کیا: ”یہ حیوان، سفر میں پہننے کی وجہ سے بدتر ہو گیا ہے! چند دن آرام کرنے کے بعد ٹھیک ہو جائے گا!“

بادشاہ نے اپنے کاہن سے مشورہ کیا۔ کاہن نے کہا: ”مخلوق، اصل میں انسان ہی ہے اور جادو کے زور سے جانور بنا دیا گیا ہے۔“

تب بادشاہ کی آنکھوں میں غصہ ظاہر ہوا۔ نجات کو کو بھگ گیا۔ اسے بندوق اٹھائی، اور گولی مار کر گدھے کا قاتلہ کر دیا۔

اب بادشاہ کے ہوش حواس درست ہوئے۔ اس کا عقدہ ہو گیا۔ دونوں مہانوں کو اپنے قصر شاہی میں آمارا، جو یوں لگا ایک جھوٹا تھا۔ پھر ان کے اعزاز میں پر تکلف دعوت کی۔ انہو دن سے زیادہ موٹے کتے فوج کرائے اور ان کے کباب مہانوں کو کھلائے!

شاہی مہان عزت و احترام سے پہنچے گئے۔ انھیں ہر طرف پھرنے کی اجازت تھی۔ انھوں نے دیکھا، یہاں مرد بالکل برہنہ پہنے ہیں۔ عورتیں، صرف سبز تپتے بانہ کہ ستر پوشی کرتی ہیں۔ جب تپتے خشک ہو جاتے ہیں تو انھیں پھینک کر نئے تپتے بانہ پہنتی ہیں۔ تعدد از دواج کی عادت عام ہو۔ خود بادشاہ کے محل میں ۳۰ بیویاں تھیں۔ باشندے بہت مطمئن زندگی بسر کرتے ہیں۔ غذا وافر ہے۔ ہر گھر میں شہدا قراض موجود ہے۔

(۸)

چند ماہ قیام کے بعد دونوں دوست بادشاہ کی اجازت سے خرم روانہ ہوئے۔ وہاں بے تھر پہنچے۔ شہان عدلی نے اپنے چچا کی لڑکی سے شادی کر لی اور اپنے دوست نجات کو کو سے اپنی بہن بیاہ دی۔

”معلوم ہو“

”میں تم میں نہیں جاؤں گا کیونکہ وہاں آدمیوں کا گوشت کھایا جاتا ہے!“ شہان نے خوف زدہ ہو کر کہا۔

”دوست! یہ تم سے کس نے کہا؟“ نجات کو کو نے کہا۔ ”یہ بالکل جھوٹ ہے۔ تم میں صرف دو قبیلے، آدمی کھاتے ہیں۔ اور وہ بھی ہر طرح کا آدمی نہیں۔ صرف بیاہ آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان میں کسی ایک قبیلے میں جب کوئی بیمار ہو جاتا ہے اور اچھا نہیں ہوتا، تو اسے دوسرے قبیلے میں بھیجتے ہیں تاکہ اسے بھون کر کھالیں۔ کیونکہ وہ آدمی کو دفن کرنا یا جلانا، انسانیت کے خلاف سمجھتے ہیں!“

(۹)

یہ سن کر شہان بھاگنے پر راضی ہو گیا۔ کچھ مدت بعد کوٹ کی قید اور کاہنوں سے آگے۔ ایک رات جبکہ وحشی ناچ گانے میں مصروف تھے، دونوں دوستوں نے بندوقیں اٹھائیں، کاہنوں کی پٹیاں کر میں باندھیں، اور اندھیرے میں بھاگ کھڑے ہوئے۔

رات بھر چلنے کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں ہر طرف دلدلیں تھیں۔ پورا ایک دن اپنی دلدلیں کے عبور کرنے میں لگ گیا۔ اب وہ بہت تھک گئے تھے اور ٹھوک سے بے حال ہو رہے تھے۔ جون ہی ایک خشک زمین پر پہنچ کر انھوں نے چاہا کہ سستالیں، نجات کو کو چلایا۔ ”فورا درخت پر چڑھ جاؤ!“ شہان، بدحواس ہو گیا۔ مگر نجات کو کو اس کے پاس آیا اور اسے گدیں اٹھا کر درخت پر چڑھا دیا، اور خود بھی اسی طرح کیا۔ فورا ہی انھوں نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان کرگدن، تیرتی طرح دوڑتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ آتے ہی اسے قریب کے ایک درخت پر چل گیا اور پورا درخت اکھاڑ کر کھینک دیا۔ دونوں دوستوں کے پاس بندوقیں موجود تھیں۔ انھوں نے فریادیں اڑائی گویاں حیوان کو گرا دیا۔ اب وہ خوش خوش آ رہی اور اس کا گوشت بھون بھون کر کھانے لگے۔

مسلل کئی دن تک انھوں نے جنگلی کیلے اور آم کے جنگلوں میں سفر کیا۔ راستے میں بہت سے دریاہے۔ دونوں دوست درخت کاٹ کر کشتی بناتے تھے۔ اور دریا عبور کر جاتے تھے۔

کئی ہفتے کے سخت ہولناک سفر کے بعد وہ ملک تم کی سرحد پر پہنچ گئے۔ رات انھوں نے ایک اونچے پٹری کی شاخوں پر گزاری۔ وہ مشورہ کرتے رہے کہ یہاں کے بادشاہ کو کیا ہدیہ پیش کرنا چاہیو؟ کیونکہ بادشاہ اگرچہ انصاف پسند تھا مگر کسی اجنبی کو بلا سبب ملک میں داخل ہونے نہیں دیتا تھا۔ آخر انھوں نے طے کیا کہ اپنے ہتیار اس کے سامنے پیش کریں گے۔

صبح وہ چلے جا رہے تھے کہ ناگاہک میں زمین پر ایک آدمی کی لاش نظر آئی۔ پاس ہی ایک گھری بھی رکھی تھی۔ قریب کے درخت سے گدھا بندھا تھا۔ انھوں نے خیال کیا، کوئی مسافر تھا۔ گدھا بانہ اور گھری سر کے نیچے رکھ کر آرام کے لئے لیٹا ہو گا، مگر کبھی درندے اسے مار ڈالا۔ پھر انھوں نے گھری کھولی تو اس میں شی اور کلابوتہ کی کپڑے لٹکے تھے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: ”بادشاہ کے لئے یہ اچھا تحفہ ہے۔ گدھا دیکھ کر وہ بہت خوش ہو گا۔ کیونکہ اس ملک میں گدھا ناپید ہے۔“

اب انھوں نے چاہا یہ مال غنیمت لے کر آگے بڑھیں! مگر فوراً ہی پاس کی بھاری سے ایک شیر برہب آواز سے چلاتا باہر بھاگا۔ وہ دوڑے نہیں۔ فورا بندوق چلائی اور شیر کو مار ڈالا۔

(۱۰)

شاہ تم کا پائے تخت سامنے تھا۔ بندوق کی آواز وحشی باشندوں

ہوئے، اور ایک ہی رسی میں باندھ کر گئے۔ وحشی فاتح جہان میں اپنے لشکر میں لئے جا رہے تھے، تو نجات کو کو نے اپنے دوست شہان کو کو سے کہا: ”میں ان قبیلوں کی زبان اور عادات سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ لوگ قیدیوں کو سخت تکلیف دینے کے بعد زندہ جلا دیتے ہیں۔ اگر تم منگوا کر تو ان سے میں درخواست کروں کہ تم دونوں کو ساتھ ہی جلائیں۔ لیکن میں کوشش کروں گا، کسی تیسرے سے انھیں بھوکہ دیدوں“ مصری اذ حد مخالف تھا۔ تقریباً بھون ہو چکا تھا اس نے اپنے دوست کی تائید کی۔

(۱۱)

وحشی فاتحوں نے اپنے لشکر میں ہچکچاہٹ شروع کیا۔ قریب کا آغا ز اس کو ہوا کہ دو قیدی افسردہ کو برہنہ کر کے ایک درخت کے تنہ سے باندھ دیا گیا اور فوجاؤں نے ان پر تیر اندازی شروع کی۔ ہر تیر بے رحم قیدیوں کی فریاد بلند ہوتی تھی، اور وحشی فاتحوں کے پرست لہرے ہوا میں گونج اٹھتے تھے۔ ایک قیدی تو فوراً مر گیا مگر دوسرا دن تک زندہ رہا۔ روز صبح سے شام تک اس کے زندہ جسم پر تیر انگلی کی شمشیر کی جاتی تھی!

اس نماشہ کے بعد چھپنے قیدی خون و دہشت سے نہ نہیں بچے تھے، زندہ جلا دئے گئے۔ پھر ان دونوں دوستوں، یعنی شہان عدوی اور نجات کو کو کی بادی آئی۔ نجات نے قبیلے کے سردار کو اس کی زبان میں کہا: ”ہم دونوں ترک نہیں ہیں جیسا کہ تم خیال کرتے ہو ہم ملک کو کو کو کے سپنے والے ہیں۔ ہمیں ترک پکڑے گئے تھے اور زبردستی تم نے لٹے رہنا مجبور کیا۔ مگر ہم نے کوئی ہتیار نہیں چلایا اور قید ہونے کے تاکہ تمہارے ساتھ ملکر ترکوں سے لڑیں۔ اگر تم ہمیں مار دگے نہیں تو ہمارے قبیلے بھی تمہاری مدد پر آ جائیں گے۔“

پھر نجات و شہان کے بعد سردار نے دونوں قیدیوں کو زندہ رکھنا منظور کر لیا۔ زیادہ تر اس خیال سے کہ ان سے بطور ترجیحان کے کام لیا جائے گا۔

(۱۲)

اس کے بعد دونوں قیدی وحشیوں کے ساتھ سپنے اور ان کی وحشیانہ رسوم میں شریک ہونے لگے۔ اس پر ایک مدت گز گئی۔ اب شہان عدوی آدمی سپنے لگا، کیونکہ نجات سے ناامید ہو گیا تھا۔ نجات کو کو ایک دن کسی ضرورت سے جدا ہوا۔ شہان نے یہ جو غنیمت سمجھا۔ درخت میں سی باغی اندھی اور اپنے گھلے میں پھندا لگا کر لٹک گیا۔ درخت پر لمبیں اور غوغائیاں مچیں تھیں۔ اچانک چلا اٹھیں۔ اتفاق سے نجات کو کو بھی اب پہنچ چکا تھا۔ چڑیوں کا شدہ سکر نظر اٹھائی تو اپنے دوست کو لٹکتے دیکھا۔ حیرت انگیز چیرتی سے وہ درخت پر چڑھ گیا، اور اپنے تیر خنجر سے پھانسی کی رسی کاٹ دی۔ شہان، پہنچ کر نجات کو کو سے ملے۔ ساتھ ہی پھانسی اور دوست کی لاش پر قہر کرنے لگا!

نجات کو کو ابھی نوحہ و فغان کر رہا تھا کہ شہان نے آنکھ کھلی دی۔ وہ مرا نہیں تھا۔ صرف بے ہوش ہو گیا تھا۔ نجات بہت خوش ہوا اور بتایا کہ ”میں نے قبیلے کے سردار کو راضی کر لیا ہے کہ تم دونوں، وحشیوں کو بندوق چلانا سکھادیں۔ جب ہتیار ہمارے ہاتھ آ جائیں گے تو میں تمہیں بے کر ملک تم کی طرف بھاگ جاؤں گا۔ وہ پہلی سے صرف ۲۰ دن کے فاصلے پر ہے۔ مجھے راستہ بھی طرح

بادشاہ اور قرقہ خط استوا پر بحر مغرب کے مالک کا ایک جزیرہ ہے۔ عجیب ہے کہ یہاں کے باشندے بہت شریف سمجھتے ہیں۔ ان کے بال بھوکے ہیں۔

برید شرق

مکتوب حجاز

(الملال کے متاثرہ معتمدین کے نام سے)

لجنہ تفتیش برائے منورہ میں

قارئین الملال! لجنہ تفتیش کے نام اور مقاصد سے واقف ہو چکے ہیں کہ منظرہ اور جہد کے انتظامات و اصلاحات سے فایز ہو کر اب بظہر گزشتہ مدینہ منورہ گئی ہو۔ شیخ حافظ دہبہ اس کے صدر ہیں جس نے مدینہ منورہ ہی علماء و فضلاء اور شہر کے سربراہ اور مآدینہ کو جمع کیا اور سند مجلس نے ان کے روبرو حنبلی تقریر کی:

”میں یقین جلا لہ الملک کا سلام پہنچاتا ہوں۔ سلطان تھامس نے اور تھامسے پاک شہر کے لئے اپنے دل میں بہترین آرزوئیں رکھتے ہیں۔ سلطان نے ہیں یہاں اس لئے بھیجا جو کہ رعایا کے حالات اور جو کے معاملات کی تفتیش کریں۔ جتنی اچھائیاں ہیں نظر آئیں گی، برقرار رکھیں گے جتنی برائیاں دکھائی دیں گی، دود کر دیں گے۔ تم جانتے ہو آدمی اپنی انفرادی حالت میں مکر رہو، لیکن جماعت کے ساتھ طاقتور ہو۔ پس ہم چاہتے ہیں تم اس مجلس میں شریک ہو۔ اس کی مدد کرو۔ اس کے سامنے اپنی شکایتیں پیش کرو۔ اپنے مشوروں سے اس کی رہنمائی کرو۔ ہم ہر معقول بات سننے اور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم ہر ظالم کو گرا دینے پر تیار ہوئے ہیں۔ تم ہرگز کسی کا خوف اپنے دل میں نہ رکھو۔ بڑے سے بڑے حاکم نے بھی اگر زیادتی کی ہو، تو صاف صاف کہہ دو۔ ہم فوراً اس کا ہولناک کریں گے۔ ہماری غرض اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس مقدس شہر کو ترقی اور اس کے باشندوں کو خوش حالی حاصل ہو۔ اس پیغام کے بعد سلطان کی ذمہ داری دُور ہو گئی ہو۔ اگر تم اب بھی خاموش رہو گے اور اپنی شکایتیں پیش نہیں کر گے تو اس کی ذمہ داری سر اسر تھامس ہی سر ہوگی۔ پھر حکومت کو ملامت نہ کرنا، خود اپنی بڑی اور عظمت پر ماسکت کرنا“

اس کے بعد مجلس نے حکومت کے تمام شعبوں اور دفتروں کی جانچ کی۔ پھر اپنی تحقیقات قلم بند کر کے خفیہ طور پر سلطان کو بھیج دی۔ سلطان نے فوراً مدینہ منورہ کے حاکم اور سپہ سالار کو طلب فرمایا اور اس سے مغزول کر کے اپنے حیرت سے بیٹے شاہزادہ محمد کو حاکم اعلیٰ، شیخ عبدالغفور ابراہیم کو نائب، اور شیخ یاسین و دان کو سب اعد مقرر کر دیا۔ نئے حکم نے آئے ہی باشندوں کو جمع کیا اور سلطان کا حب و دل فرما دیا:

”اسے اہل مدینہ اتم اور تھامسے حاکم ابراہیم بھی اور تھامس میں مددگار بنائیں۔ ہواؤ چوس اور گراہیوں سے پرہیز کریں۔ باہم اتحاد رکھیں شقاق سے بچیں۔ قیل و قال نہ کریں۔ خدا ہادی اور بخدا ہی دست گیری کرے، اور سب کو نیکی کی توفیق بخشے“

پھر سلطان کا وصیت نامہ پڑا گیا جو انھوں نے حاکم مدینہ کے نام سے

کے لئے لکھا ہو۔ وہ حنبلی ہو:

”امین! ان قائم کرنے میں پوری کوشش کرنا۔ تمام لوگوں کو سبکیاں بڑاؤ کرنا، کیونکہ سب آدمی برابر ہیں۔ نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہو، نہ عجمی کو عربی پر کوئی امتیاز۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم طی کا پتلا تھا۔ ہاں، اگر کوئی امتیاز ہو تو وہ صرف تقویٰ کا امتیاز ہو۔ یہ مطالبہ یہ ہو کہ تمام رعایا تجھ سے خوش رہے۔ شہری باشندے بھی خوش رہیں، بدوی باشندے بھی خوش رہیں۔ کوئی معاملہ بھی اپنی رائے سے انجام نہ دینا ہمیشہ شرعی حاکم سے مشورہ کرو۔ کیونکہ اس میں اللہ کی اطاعت زیادہ ہو اور مخلوق کی رضامندی بھی اسی ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اپنے باپے میں لوگوں کا خیال بدل دو۔ تجھ سے سب سخت گیر کہتے ہیں۔ نرم دل بن جاؤ میرا سب سے بڑی وصیت یہ ہے کہ شہر دین قائم کرو، ادا مال جاری کرو اور بالعدوت اور منہ من المنکر قائم رہ جاؤ۔ شریعت کے نفاذ میں اوسہ لاکھ کی بڑا نہ کرو۔ اپنے ماتحت عہدہ داروں کی نیکی میں مدد کرو۔ اگر ان کی کوئی قابل اعتراض بات نظر آئے تو عوام و خواص میں ان کی ذمت شروع نہ کرو، بلکہ انھیں اپنے پاس ملا کر نصیحت کرو۔ اگر اس پر بھی ان کی اصلاح نہ ہو تو مجھے یا میرے نائب عام کو اطلاع دو۔ عہدہ داروں کو اپنا جاسوس نہ بنانا۔ سب کو دُور سے اپنا دوست بنائے لکھو“

سلطان کا سفر نجد

سلطان اپنے نجدی پائے تخت ریاض کو روانہ ہو گئے ہیں سفر سے پہلے حرم میں نماز پڑھی اور طوائف اوداع کیا۔ یہ سفر تجا میں بعض خطرات کی تکمیل کے لئے ہو۔

عسیر کے لئے طبی وفد

عسیر کا علاقہ جس وقت سے سلطان ابن سعود کے زیر حکومت آیا ہو، سلطان اصلاح و ترقی کی کوششوں میں سرگرم ہیں۔ اس علاقہ میں اس وقت تک نہ کوئی باقاعدہ مسلح تھا۔ نہ شاعانہ۔ اب سلطان کے حکم سے ایک طبی وفد بھیجا جا رہا ہے تاکہ وہاں ایک شہ قاعد قائم کرے ڈاکٹر غیری بے اس وفد کے رئیس ہیں جو کہ منظرہ کے حکمران خطاطی و کتب کے مہتمم تھے۔

عدل و امان

اس ہفتہ ایک واقعہ ایسا پیش آیا جو اگرچہ حجاز میں اب کوئی غرا نہیں لکھا۔ لیکن ہر دینی دنیا کے لئے وہ ضرور قابلِ فکر ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ منظرہ کا ایک مرآت جدہ سے آ رہا تھا۔ گھر چمکا آئے دیکھا کہ پندرہ ہزار روپیہ کی قیمتیں اسباب سے غائب ہیں! وہ سخت پریشان ہوا وہ متوں سے مشورہ دیا کہ پولیس کو خبر کرے۔ گرا آئے انکار کیا۔ کیونکہ اسے معلوم نہیں تھا، یہ رقم کہاں سے گئی ہوگی؟ چنانچہ اس کے

عالم مطبوعات و صحائف

کیا چاند تک پہنچا ممکن ہو؟

امریکی سوریہ تک ڈوگھٹے میں

امریکہ اور یورپ میں اب تک مشہور فضائی سیاح لٹنرنگ کا چہرہ ہوا ہو۔ یہی وہ شخص ہے جو نیویارک سے پیرس تک بغیر کبیر ٹوکنے کے اڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

لیکن اب یورپ اور امریکہ کے ہوائی سفر کے امرین، اس کامیابی پر تعجب نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے، بہت جلد یہ بات ممکن ہو جائیگی کہ امریکہ سے یورپ تک کی مسافت صرف ڈوگھٹے میں طے کر لی جائے؟ اس وقت جرمنی میں تین شخص ایسے موجود ہیں جو چاند تک پہنچنے کے لئے علیحدہ جدوجہد شروع کر چکے ہیں۔ یہ سب کے سب علوم کے بھی تاجدار اور ان تاجدار پر علمی طریقہ سے غور کر چکے ہیں جن کے ذریعہ ہوائی جہاز کا چاند تک پہنچ جانا ممکن ہو۔

حال میں پروفیسر کس ویر نے (جو ان تین میں سے ایک ہے) ایک بیان بعض علمی رسائل میں شائع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”انسان اب اپنی ایجادات کے زور سے مسافت کی دُوری پر غالب آ گیا ہے۔ خلا سوسیل کی مسافت پہلے ۴ دن میں طے کی جاتی تھی۔ اسکل نے اسے ایک دن کی مسافت کر دیا۔ ریل نے اسے ایک گھنٹہ کا سفر بنا دیا۔ اور اب ہوائی جہاز کے لئے یہ صرف چند غنٹوں کی بات ہے۔ پھر اگر توپ کے گولہ کی رفتار پر نظر ڈالی جائے تو وہ سوسیل کی مسافت ۳ منٹ میں طے کر لیتا ہے“

”بلاشبہ موجودہ ہوائی جہاز توپ کے گولہ کی رفتار سے نہیں بڑھا کر سکے ہیں۔ کیونکہ جہاز جو بول جوں مضامین بلند ہوتا جاتا ہے، ہوائ میں ہوتی جاتی ہے، اور جہاز کی قوت میں کمی آتی جاتی ہے۔ لیکن اس سے ہماری کوششوں میں فرق نہیں آسکتا۔ ہیں اپنی سعی برابر جاری رکھنی چاہئے۔ ہم ضرور کوئی ایسا طریقہ پیداکریں گے کہ توپ کے گولہ کی طرح ہوائی جہاز بھی فضا میں بغیر کسی رکاوٹ کے بلند ہو سکے“

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ہوائی جہازوں میں ایسے محرک (موتور) لگائے جائیں جو بلندی پر جا کے ہوا میں کثافت پیدا کریں تو یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے۔ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ ۵۰ میل تک جہاز پہنچ سکے گا۔ اس کے بعد محرک بے کار ہو جائے گا“

”یہ مشکل صرف اس طرح حل کی جاسکتی ہے اگرچہ جہاز میں نہیں بلکہ اس کے باہر ہو۔ یعنی ایسے آلات ایجاد کئے جائیں جو جہاز و بلندی پر اسی طرح پہنچادیں، جس طرح توپ اپنا گولہ رادیتی ہے۔ اس صورت میں ہوا کی لطافت کا اسپر کوئی اثر نہیں پڑے گا“

ایک اور پروفیسر روسیل کا خیال ہے:

”اگر ہوائی جہاز، ہارسل کی چاندی پر بنے۔ اور اس کا محرک تین دن کا ہو، اور خود جہاز کا وزن ۱۰ ٹن سے زیادہ نہ ہو تو وہ برلن سے نیویارک کا فاصلہ ۴۰ گھنٹے میں طے کر سکتا ہے۔ لیکن اگر روسین پروفیسر کے مشورے کے مطابق یہ جہاز، توپ کے گولے کی طرح، اوجھ ۸۰ کے واسطے ہوا میں چھٹکا جائے، تو اس کے

کئی چشید گواہوں کے بیانات بھی حذت کرتے ہیں جن کا بیان ہے کہ سیکڑوں دیہات جلا دیے گئے اور ان میں بوڑھے مرد اور پردہ فتن عورتیں بھی جلا کر رکھ دی گئیں۔

غدر کے تاثرات جنوبی ہند اور بنگال تک نہیں پھیلے لیکن تیار سے لے کر شمال مغربی سرحد تک غدر کی یاد اب تک تازہ ہے۔ اس علاقہ کے ہندوستانیوں اور انگریزوں دونوں نے ابھی تک فراموش نہیں کیا ہے۔ اس لئے اس کی یاد ان دونوں قوموں کے باہمی تعلقات میں رخنہ اندازی کرتی رہتی ہے۔ جب کبھی اس قدر اسناد ہوتا ہے تو ہندوستان کے انگریز باشندے جلا آتے ہیں، لاشیں لائی الفور نافذ کیا جاتے ہیں کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کا خطرہ رہتا ہے اگر غدر کے انسانے انگریزی تاریخ میں ایسے خونخوار طریقے سے درج نہ کئے جاتے تو انگریزوں کے دلوں میں اس قسم کا بھان بھگڑ پیدا نہ ہوتا۔ جب کبھی انگریز جھوٹے قصے پڑھتے ہیں۔ تو ان کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف ایک عالمگیر نفرت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور خواہ مخواہ کوئی بہانہ پیدا کر کے انتقام لینے پر تل جاتے ہیں میں ذیل میں تین ایسے واقعات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس سے غدر کے بعد خیالات کا اندازہ لگ سکتا ہے:

تین واقعات

کوئوں کی بغاوت

(۱) ۳۳ جولائی ۱۸۵۷ء کو تیسرا ایک سمانتا پیر سکھوں نے (جنھیں پنجابی زبان میں کوک بھی کہتے ہیں) مالیر کوٹہ کے شہر پر دھاوا مار دیا۔ فریقین کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ اور دونوں طرف سے جیت تھے آدمی مقتول و مجروح ہوئے۔ سکھوں کی طرف سے ۸۰ آدمی (جن میں ۳۷ مجروح بھی تھے) بھاگ کر ریاست پٹیالہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ لیکن دوسرے ہی دن انھوں نے انگریزوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور انھیں شیر پور کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ کوئوں نے جو حشیانہ کاؤٹی کسٹر تھا، ان قیدیوں کو کوٹہ میں لٹوایا (جہاں وہ خود تاریخ کو پہنچا تھا) اس نے اپنے کسٹر کو اسی وقت اطلاع بھی کر اب امن دا مال ہو گیا اور کل صبح قیدیوں کو توپ کے زریعے آزاد دیا جائے گا۔ ۱۷ جولائی کو کسٹر نے کوئوں کو حکم دیا کہ قیدی فی الحال شیر پور کے قلعہ ہی میں رکھے جائیں، لیکن کوئوں نے تعمیل حکم سے گریز کیا اور اسی روز بغیر کسی تحقیقات کے ۳۳ قیدی توپ سے اڑا دیے گئے۔ شام کے ۷ بجے کسٹر کا ایک اور حکم ملا۔ اس وقت ۶ قیدی توپ کے سلسلے میں بندھے ہوئے تھے۔ کسٹر نے لکھا تھا کہ تمام قیدی بلا تاخیر اس کے پاس بھیج دیے جائیں تاکہ وہ ان کے مقدمہ کی سماعت کرے۔ لیکن کوئوں نے اس حکم کی بھی مطلق پروا نہ کی۔ اور اس کو وہ کو بھی توپ سے اڑا دیا۔ جب گورنمنٹ نے اس کی تاخیر کے متعلق بارپرس کی۔ تو اس نے جواب دیا ”جب مجھ کسٹر کا حکم ملا تھا تو میں نے سوچا، اگر اس وقت ان ۶ آدمیوں کو درجو توپوں کو بندھے ہوئے ہیں قتل نہ کیا گیا تو حاضرین پر برا اثر پڑے گا۔ اور اس تاخیر سے ہماری کمزوری ثابت ہوگی۔ اس لئے میں نے انہیں قتل کر دیا“ ایک قیدی اپنے محافظوں سے بھاگ بھلا تھا اس نے اپنے ہی کوئوں پر حملہ کر کے اس کی داڑھی پکڑ لی۔ لیکن اسے انہوں نے اسے تلوہوں میں ڈھیر کر دیا۔ فلاحہ کسٹر نے کوئوں کو کوئی دفعہ حکم دیا تھا کہ قانون کے مطابق کارروائی کرنی چاہیے مگر اس نے نافرمانی کی۔ علاوہ ازیں کسٹر نے گورنمنٹ کو تاخیر بھی دیا تھا

کوئوں موقع پر موجود ہوں۔ اور میں ان قیدیوں کے مقدمات کا بغیر کسی تاخیر کے فیصلہ کر سکتا ہوں۔ مجھے اس وقت کبھی فوری کارروائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کیونکہ مکمل ہو اس سے جوش زیادہ پھیل جائے۔ لیکن جب ڈپٹی کسٹر نے اسے اطلاع دی کہ اس نے بہت سے قیدی قتل کر دیے ہیں۔ تو کسٹر نے اس کا جواب دیا۔ ”میرے پیارے کوئوں۔ جو کچھ آپ نے کیا ہے۔ بہت اچھا کیا ہے۔ میں نے آپ کا طریقہ عمل نہایت پسند کیا۔ میں بھی آپ کی تقلید کروں گا“ چنانچہ جب بقیہ قیدی اس کے پاس بھیجے گئے تو اس نے بھی انہیں گورنمنٹ دے دی۔ جب گورنمنٹ آتے آتے کوئوں واقعات کا علم ہوا تو اس نے ایک بڑا لمبا چڑا حکم لکھا۔ اور کوئوں کے قتل کی سخت مذمت کی۔ اور اسے وحشیانہ حرکت سے منسوب کیا۔ بالآخر کوئوں بغاوت کیا گیا۔ کسٹر کو بھی سخت ملامت کی گئی اور اسے ایک دوسرے صوبے میں اسی عہدے پر تبدیل کر دیا گیا۔ جب لاڈلہ نارتھ برک والسرے ہوئے تو فلاحہ نے اس حکم کے خلاف اپیل کی۔ ڈائریکٹر نے اسے کاشمیر ایک سیاسی وفد کا سرکردہ بنا کر بھیجا جہاں اسے سیاسی خدمات کے عوض سر کا خطاب دیا گیا۔

اس وقت تمام انگریز افسروں اور اخباروں کو دن اور فلاحہ سے ہمدردی ظاہر کی تھی۔ میں نے اپنی تمام زندگی میں ایسا دشمنیہ واقعات نہیں دیکھے۔ میری رائے میں گورنمنٹ نے ان دوافروں کو برائے نام سزا دی۔ حالانکہ وہ سنگین سزائے تھیں۔

میں نے یہ تمام واقعات حوت بھون کاٹن کی کتاب ”یادایام“ (Andiam & some memories) سے اخذ کیا ہے۔ کیونکہ میں اس سے بہتر اس واقعہ کی تفصیل نہیں لکھ سکتا تھا! فلاحہ اپنی سوانح عمری میں اسی واقعہ کی متعلق یوں لکھتا ہے: ”جو کہ میں کسٹر تھا اس نے مجھ کو قتل کرنے کے کلی اختیار تھے لیکن کوئوں کو اس قسم کا کوئی اختیار نہ تھا۔ میں نے اسے لڑھکیا سے لکھ دیا تھا کہ وہ ان باغیوں کے مقدمہ کی سماعت کرے۔ لیکن جب تک میں اس کے پاس نہ پہنچ جاؤں، وہ کسی صورت میں ان قیدیوں کو سزا نہ دے۔ لیکن اس نے میرے اختیارات چھین کر کاؤٹا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور بغیر میرے حکم کے قتل کر دیا۔ ناچار اس کے فعل کی ذمہ داری مجھے اپنے سر لینی پڑی۔ اور اس کو متفق رائے ہونا پڑا۔ کیونکہ میں اسے غلطی کے نتائج سے بچانا چاہتا تھا جب اسے ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ تو میں نے اس کی ہر طرح سے امداد کی اور اس کے واسطے ہندوستان میں ہی ایک نہایت عمدہ ملازمت دیا کر دی“

جنگ افغانستان

(۲) دوسرا واقعہ افغانستان کی دوسری جنگ سے تعلق رکھتا ہے میں اس وقت اس جنگ کے واقعات دہرا نا نہیں چاہتا۔ کیونکہ بڑی لمبی چوڑی داستان ہے۔ جب افغانستان اور برطانیہ کی آپس میں صلح ہو گئی۔ تو کوئوں کو برطانیہ کی طرف سے بلوچستان میں تین تین کیا گیا۔ چند دنوں کے بعد کوئوں کی طرح اسٹان کے خود پٹانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ جو تیل ریل کے قتل پر چڑھائی کی۔ اور بڑی بہادری دکھا کر اکوڑو سٹان میں فتح کر لیا۔ بعد ازاں امتقانہ کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ کیونکہ پٹانوں نے ہمارے سپر کو قتل کر کے ہمارے جھنڈے کی بڑی توہین کی تھی۔ کاٹن اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۲ میں لکھتا ہے کہ مارشل لا (جنگی قانون) فوراً نافذ کیا گیا۔ لوگوں کو گروہ درگروہ پھانسی دی جاتی تھی۔ امیر معیت خان کو جلاوطن کر کے ہندوستان بھیجا گیا۔ گروہ فلاحہ کے ملحقہ سمان خاں خود کوئوں کی خاطر تباہ کئے جاتے تھے۔ دیہاتوں کا جلاوطن کیا تو ایک روز مرد کی

کارروائی تھی

سرچارلس میکلیئر جو لاڈلہ ریل کا چیف آف شاف تھا اپنی سوانح عمری کے صفحہ ۱۳۶ میں مندرجہ ذیل فقرات لکھتا ہے: ”جب تک مجھے افغان قیدیوں کے جرم کا یقین نہ ہو جائے تب تک میں انہیں بے فائدہ سزا نہیں دوں گا۔ دفتر امور خارجہ کی رائے ہو کہ ایسی سزائیں دی جائیں جو عمر سزا تک اور جلاوطنی لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس ہر ایک مقدمہ میں فوری تفتیش کرنی چاہئے۔ میں بے گناہ لوگوں کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس سے بڑے نتائج نکلتے ہیں۔“

یہی جرنیل اپنے روزنامہ میں ۲۲ اکتوبر کا یہ واقعہ لکھتا ہے: ”میں نے آج ۵ آدمیوں کی زندگی بچائی ہے۔ یعنی اگر میں ان کے مقدمات میں فوری طرح غور و خوض نہ کرتا۔ تو انہیں یقیناً پھانسی دی جاتی۔ ان لمزموں میں سے ایک کا نام آلوکر تھا۔ جو سوداگر تھا۔ اس کے خلاف مقدمہ میری بنا دی تھا۔ کیونکہ اس کے جانی دشمن نے اس کے خلاف جھوٹی شہادت تھی۔“

لاڈلہ نہیں جو اخبار یا نیرالہ آباد کا اس جنگ میں مارا گیا تھا ایک جگہ قابل کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

”کابل شہر خوشال بنا ہوا ہے۔ وہ بازار اور کوچے جہاں ہر وقت خونریزی اور سدا کا بازار گرم رہتا تھا اب قبرستان کی آہ چپ چاپ ہیں۔ شہر کے باشندوں نے پہلے پہل ہمارے زمرے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ لیکن جب سے ہم نے انتقام لینا شروع کیا ہے، انھیں ہماری وحشیانہ طاقت کا پوری طرح احساس ہو گیا ہے“ جب ہماری فوجوں کی ظالمانہ حرکات کی اطلاع انگلستان پہنچی۔ تو عوام الناس نے بڑا شور مچایا۔ افغانستان میں اب تک ہمارے وحشیانہ افعال کی یاد تازہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارا قیدی دشمن چلا آ رہے۔

خریداران الہلال

توجہ فرمائیں

جن جن حضرات سے ۱۹۷۱ء کی قیمت وصول ہوئی تھی، ان کا حساب الہلال نمبر (۱۳۳) پر ختم ہو جائے گا۔ یعنی آئندہ نمبر سے بعد کے نمبر پر۔ اگر وہ آئندہ بھی الہلال کا مطالعہ جاری رکھنا چاہتے ہیں، تو دفتر نہایت مشکوذاً ہوگا اگر وہ۔ پی کی درخواست کی جگہ وہ بذریعہ سی آرڈر قیمت روانہ کریں۔ وی۔ پی کی رقم وصول ہونے میں بہت تاخیر ہوتی ہے، اور اس لئے پرچہ کے سلسلہ جرائد میں غلط واقع ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ایک ہفتہ کے اندر قیمت بذریعہ سی آرڈر بھیج دیں تو جڑ میں نمبر ۲۲ کے بعد سے ان کی جدید خریداری کا اندراج ہو جائے، اور پرچہ کی ترسیل بغیر کسی انقطاع کے جاری رہے۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ نئی شش ماہی جلد ہی الہلال کا نیا دو جیات شروع ہوگا، اور وہ اصل اس کی اصل ہوگا، جس حالت میں اس وقت تک بھلا رہا ہے۔ (میں)

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و مقبول خاص و عام اسم بستی

ہمدرد و اخوانہ یونانی دہلی کا

عظیم المثال نادر الوجود سرمدی تحفہ

• سار کا کافی ہے

”پہلے دو، دہلی“

ماہی اللحم و دوا آتش

زندگی جیسی عزیز اور نایاب چیز جو وہ ظاہر ہو۔ لیکن تندہی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے طاعت بلکہ بیکار ہو۔ تندہی بڑا نعمت ہے۔ تندہی ہو تو لب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندہی کی قدر ہو اور تندہی نہ رہنا پسند کرتے ہیں تو ہلاکتان کشید کیا جہاں عالمِ استغفار کیجئے اور پیری میں شباب کا طعنت اٹھائے یہ امر تو مسلم ہے کہ عالمِ متوہی اصلاح ہے، بدن میں سچی اور توانائی پیدا کرتا۔ رنگ کا بخارنا۔ موح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاعت میں از سر نو جان کا دلالت اس کی خاصیت ہے۔ مگر جہاں عالمِ خصوصیت کے ساتھ یہ دل کہ جہاں اور جو انہی کو جو انہی بٹاتا ہے اس لئے کہ ناصدا اور بیش قیمت اور متوہی اور فرحت بخش اجزا سے بطور خاص متاثر کیا گیا ہو۔ بخوبی اس کا سمجھنا اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالمِ جناب شفاء الملک باور و غفران کا نہیں اعظم دہلی کا خاص خانہ خانی متوہی جو جناب مدوح نے بغیر صفاء عام ہمدرد و اخفاء کے کو مرت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ارہم کا استغفار فرما کر خدا کی خدمت کا شاہ کیجئے۔ قائمہ قوتیں ان کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر متعجب اور تھلا لاکھ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ بیک کو صرف اپنی نفعاتی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم بھی اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی مرتع نہیں جانتا ہے تو مجھ سے کہرا مستنار دینا پڑتا ہے۔

دارالعلوم کے اجتنال لایسی موسم ہو اور یہی نادہر ہو شکلائے! اور ازلے! تجربہ بتا دے گا کہ ہند کہاں تک اپنے دھرم میں سچا ہو۔ مشک آنٹ کہ خود بروہ قیت بھی بہ نقل ہند دی پاچھر دیہ نی توں مقرر کی گئی ہو۔
 اسکے چند اہم کے طورے مشرقی اہل خوش ذاتہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواہش آپ فرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد مرکب و دوائیں اس دواخانہ سے مناسبیت پر ملتی ہیں۔ فرست
 سے ۲۷ سو جتاری تیار ہو۔ ہفت طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی ہے۔ میجر ہرز دواخانہ نینائی دہلی۔

منہج ہمدرد و اخوانہ یونانی دہلی

نگار خانہ

دورِ رولے قولہ سونا

گمراہانِ زمانہ

جہنمی کی حیرت انگیز ایجاد

اہل سننے کی نہایت خوبصورت اور کشش چوڑیاں جو سننے سے بکرا آئی ہیں۔ چونکہ ان میں ایک نفل کی صف میں بنایا گیا ہے۔ اسکا غرض انکی چوڑیاں آجالتی
 ہیں۔ اسدی عظم ہوتا ہو کہ بہترین زبرد اور اوقات کے گننے جوڑنے گئے ہیں۔ برسوں استہلال کیے گئے لیکن رنگ و دھن میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی سی
 ہو۔ صفت نازک کے لئے بہترین تھنڈو۔ ڈھائی روپیہ میں پانچ سو روپے کا کام بنجا لاجا سکتا ہو۔ ہر ماٹن کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں ڈنڈا
 فروخت ہوتی ہیں۔ جلائے گئے تاکہ اشاعت ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ جن کا صفحہ تھیٹھا ڈنڈا لڑا ہوگا۔ چونکہ چوڑیوں کے
 دام مبلغ سات روپے (معدہ)

میخو گوئین ایشو پست یکجی لایه

برص و سفید داغ ایام میں خرطہ غائب

درند پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ کھالیں کیسٹ خوراک جنون سجاد اور ایکیشی روزن سجاد جو پوسے ۲۱ روز کا کافی ہوگی قیمت منہ خراج سارو سپتہ روانہ

دقہر معالج بریں نباشد در بچنگ (سہارا) :-

کروان

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم و ملت کا سچا پروانہ دلچسپ اور چھوٹے
مضامین نظم و نشر کے لہجہ و سب سے بہ نگار سے نہایت باطنی کے ساتھ
شائع ہو گا لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چند سالانہ تین سو (۳۰۰)
طلبہ سے دو روپیہ (۲۰) ملک گیر سے پانچ روپیہ (۵۰) (مضمون)

مخبر رسالت پر وانه در عهد مبیا

افیم خپڑانے کی بے نظیر گولیاں جن کے استعمال سے عہدِ اعلیٰ آسانی سے انہیں جیت چکے ہیں ایک روپہ ہمارے علمی کے گویہ کی گولیاں کافی پرکھتی ہیں۔ بچے کا پتہ حکیم محمد عمر اسد مسٹر مولا صاحب فیروز پور خیاب

آبِ جَنَابِ كَرِیمِ مَعْتَمِدِ

五

شیرین اراکچون کے مکمل
شیرخاں دل میں جلوہ گزشتہ استاد کا

میں لیکن فوج ایک اشتہار و عروج پر پہنچے۔ تمام

فنی و سیرتین مولی ہوئے ہیں اور ان کی

فرماندهی و احکامات و شیوه سرکاری را

卷之四

اپنا نظریہ پیش کیا۔ جاپانی ڈاکٹر نے اس کی تائید کی اور بتلایا کہ اگر
ایچ ۱۹۲۷ء میں ٹانگوں کے مابین زلزلے سے ڈھائی گھنٹے پہلے
زمین کی سطح نیچے اور سونا کا نامی دو مقاموں میں بلند اور خمیدہ
ہو گئی تھی۔ بلندی ایک میٹر سے بھی زیادہ دیکھی گئی تھی۔

نیز ڈاکٹر نے بیان کیا کہ اسے ۱۹۲۷ء سے ۱۹۲۸ء تک کے ۵
ہولناک جاپانی زلزلوں کی تفصیلاً جمع کر لی ہیں۔ ان سے ثابت ہوا
ہے کہ ہر زلزلے سے پہلے زمین کی سطح بلند اور خمیدہ ہو گئی تھی۔ بلندی
ایک میٹر سے دو میٹر تک بنائی تھی۔ جس حالتوں میں یہ حالت
زلزلے سے ۵ گھنٹے پیش پید ہو گئی تھی۔ بعض حالتوں میں ایک دو
گھنٹے پیشتر۔

ایک دوسرے جاپانی پروفیسر ایچو نو نے ایک آلہ ایجاد کر لیا ہے
اس کا نام ”کلینڈر گراف“ ہے۔ یہ دیا آلہ ہے جس کا ذکر ”نیچر“
کے مقالہ نگار نے کیا ہے۔ اس آلہ سے سطح زمین کی ہر بلندی اور
کجی معلوم ہو جاتی ہے۔

صناعی آفتاب

یہی رسالہ ناقل ہے کہ امریکہ میں ایک ایسا کربائی فائوس انجیا
کیا گیا ہے جس میں ۱۳۸۵۰۰۰۰ بیٹوں کی قوت موجود ہے۔ اس
کی حرارت دس ہزار درجہ تک کی ہے اور اس کی روشنی، فضا
آسمانی میں ایک ہزار میل تک پہنچتی ہے۔ یہ اندھیری رات کو ٹھیک
اسی طرح روشن کر دیتا ہے جیسے دن کے وقت سورج کی دھوپ
روشنی پھیلاتی ہے!

یہ عظیم الشان فائوس، شہر چارلس ویل میں نصب کیا گیا
ہو۔ اس کے ایجاد سے مقصود یہ ہے کہ فزکس کے خواص پورے طور پر تحقیق
کئے جائیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ زندگی اور آفتاب کے درمیان
کیا علاقہ ہے؟ نیز مادہ اور بنفشی شعاعوں اور کربائی اجزا کی ترقی
کی بھی جانچ کی جائے۔

ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ اس لمپ کی حرارت، دس ہزار درجہ ہے۔
یہ حرارت کا وہ درجہ ہے جسے علمی اصطلاح میں ”سفید حرارت“
کہتے ہیں۔ یہ اتنی سخت حرارت ہوتی ہے کہ دہات کو گھلا کر سفید رنگ
کی آگ بنا دیتی ہے۔ چونکہ اس فائوس کی حرارت اس درجہ سے بھی
زیادہ کام دے سکتی ہے اس لئے اس کا نام ”نیلگوں حرارت“
رکھا گیا ہے۔ اس سے زیادہ تیز حرارت کا آج تک تصور نہیں کیا جا سکا۔

حجاز کی علمی سرگرمی

مدن سے سلطان کا ارادہ تھا کہ نجد حجاز کے نوجوانوں کو علوم فنی
کی تحصیل کے لئے یورپ بھیجیں لیکن حالات نے ایسی نوعیت میں انتہا
کی تھی کہ اس کام شروع کئے جا سکیں۔ اب سلطان نے نجد کے
سفر سے پہلے ارکان حکومت سے اس بارے میں مشورہ کیا، اور اتفاقاً
طے پایا کہ ایک کافی تعداد طلبہ کی اس غرض سے منتخب کرنی چاہئے۔
چنانچہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، اور جدہ سے ایک جماعت بالفعل شام بھی
جا رہی ہے، تاکہ کچھ مصلحتاً تعلیم حاصل کر کے اس قابل ہو جائے کہ
یورپ کی مشہور درس گاہوں میں داخل ہو سکے اور پھر اس سلسلہ
برابر جاری رہے گا۔

میں جان پارتو نامی ایک عالم نے ایک ایسی کربائی آنکھ ایجاد کر لی ہے
جو تاریکی میں بھی بخوبی ہر چیز دیکھ سکتی ہے۔ یہ صنایع آنکھ اس درجہ
حدید البصر ہے کہ تاریک شقائق، یعنی وہ شعاعیں جو مریخ رنگ کے
خیٹے ہیں۔ اسے متاثر کر دیتی ہیں۔ اس آنکھ کے فعل کا نام

Photovision (یعنی رات میں دیکھنا) تجویز کیا گیا ہے
قارئین الاعمال شاید واقف ہونگے کہ یہ موجد ہی نوجوان ہے
جو کچھ دنوں ایک ہنایت مفید ایجاد کے سلسلہ میں مشغول ہو چکا ہے۔
اس نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا جس سے دُور کی چیزیں بھی دیکھی
ہی دکھائی دیتی ہیں، جس طرح قریب کی چیزیں انسان دیکھ لیتا ہے
لیکن یہ جدید ایجاد پہلی ایجاد سے زیادہ حیرت انگیز اور مفید
ہو۔ یہ آلہ اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس میں سورج رنگ کے نیچے کی شقائق
جمع ہو جاتی ہیں، اور اسی طرح خارج ہوتی ہیں جس طرح سورج کی
روشنی نکلتی ہے۔ پھر مریخ شقائق اتنی زیادہ مقدار میں تاریک جسم پر
سٹ آتی ہیں کہ کربائی آنکھ فوراً متاثر ہو جاتی ہے، اور ایک خاص
روح پر صورتیں اسی طرح منعکس کرنے لگتی ہیں جو جس طرح سیتاکے پر دے
پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں!

برطانی حکومت نے سرکاری طور پر اس ایجاد کا امتحان کیا تھا۔
ایجاد کا مصلحت ثابت ہوئی۔ اور حکومت نے موجد سے اس کے حقوق
موصول کر لئے۔

زلزلے سے پہلے اس کا اعلان

تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ سمندر کے مد و جزر کی طرح زلزلے میں بھی
مد و جزر ہوتا ہے۔ حالت مد میں زلزلے بجز واقع ہوتے ہیں۔ حالت جزر
میں تقریباً مفقود ہوتے ہیں۔ ان دونوں حالتوں کی علامت علامت
علامت ۷ سال، یا ۱۱ سال قرار دی ہے۔

بعض ملکوں میں زلزلے زیادہ آتے ہیں۔ پہلے خیال کیا جاتا تھا
کہ زلزلے اور آتش فشاں پہاڑوں میں باہدگر قوی علاقہ ہے جن ملکوں
میں یہ پہاڑ زیادہ تعداد میں موجود ہیں وہاں زلزلے بھی زیادہ آتے ہیں
مگر اب تک آتش فشاں اور زلزلے کا باہمی علاقہ علمی طور پر ثابت
نہیں ہوا ہے۔ اس لئے علامت یہ علاقہ تسلیم نہیں کرتے۔

حال میں علامت طبقات الارض کی ایک جماعت نے اعلان کیا ہے
کہ وہ مغرب ایک ایسا طریقہ ایجاد کر سکیں گے جس سے زلزلے کا علم اسکے
وقع سے بہت پہلے ہو جایا کرے گا۔ اگر اس کوشش میں کامیابی
ہوگی، تو ایسے ملکوں کے لئے جیسا کہ جاپان ہے، یہ ایک عظیم امتحان
ہوگا۔

چنانچہ انگریزی کے مشہور علمی رسالہ ”نیچر“ میں ایک مقالہ لکھا گیا
ہو۔

”یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زلزلے سے پہلے زمین کی سطح میں کجی پیدا
ہو جاتی ہے۔ یہ کجی تدریج زیادہ ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ زلزلے
پر سمجھ کر ختم ہو جاتی ہے۔ کجی، آنکھ سے بھی مشاہدہ کی جا سکتی ہے کیونکہ
زمین کی ہموار سطح، نمایاں طور پر خم ہو جایا کرتی ہے۔ اگر یہ نظریہ صحیح
ثابت ہو جائے، تو آسانی ایک ایسا آلہ ایجاد کیا جا سکتا ہے جو زمین
کی خفیف سے خفیف کجی بھی محسوس کرے اور ایک گھنٹہ کے ذریعہ خطر
کا اعلان کر دے!“

گزشتہ ماہ شہر بزرگ میں علم مساحت ارض کے اہرین کی کانفرنس
منعقد ہوئی تھی۔ انیس جاپان کا ایک مشہور اہر طبقات الارض ڈاکٹر
امور ای شریک تھا۔ ”نیچر“ کے مقالہ نگار نے اس ملاقات کی اور

بعد وہ تین ہزار میٹر کی بلندی پر پہنچ جائیگا۔ اس کی تیزی ہر سکند میں
۴۰۰ میٹر ہو جائے گی۔ ۳۵۰ سکند کے بعد وہ ۲۰ ہزار میٹر بلندی پر پہنچے گا
اور اس کی تیزی ہر سکند میں ۸۰۰ میٹر زیادہ ہوتی جائے گی۔ پھر ۴
سکند کے بعد ۵۰ ہزار میٹر کی افقی بلندی پر پہنچ جائے گا۔ اور اس کی
افقی سرعت، ہر سکند میں دو ہزار میٹر ہو جائے گی۔ اسی صورت میں یہ
جہاز برلن سے نیویارک صرف ۱۰ گھنٹوں میں پہنچ جائے گا!“

ایک دوسرے جرمن پروفیسر ادورٹ کا خیال ہے۔
”دس پندرہ برس کی مدت میں ایسے ہوائی جہاز بنائیں گے جو
ہر سکند میں ۱۲۸۰ میٹر مسافت طے کر سکیں گے۔ اس وقت یہ ممکن ہوگا
کہ انسانا جہاز اور دوسرے کو اکٹبا تک پہنچ سکے“

لیکن بہت سے علماء یہ نظریہ تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے دُورے
اعراض ہیں جن کا اب تک کوئی ثانی جواب نہیں ملا ہے۔ ایک یہ کہ
جو جہاز اس قوت سے توپ کے گولے کی طرح فضا میں پھینکا جاوے گا،
وہ ایک مہینے حد پر ہنجر ضرور مشغول ہو جائے گا۔ یعنی جل جائے گا
دوسرے یہ کہ اگر کوئی تعمیر ایسی کوکھالی جائے کہ جہاز مشغول نہ ہو،
جیسا بھی اس کے اُترنے کی صورت کیا ہوگی؟ یقیناً وہ اُسی تیزی
سے نیچے گرے گا، جس تیزی سے اوپر پھینکا گیا ہو!

جرمن ہوا بازیہ اقرضہ تسلیم کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی امید کرتے ہیں
کہ ہم جلد ان مشکلات پر غالب آجائیں گے۔

صناعی آنکھ جو تاریکی میں دیکھتی ہے!

Noctovision

جب آفتاب کا نور کسی مشویشیے میں سے ہو کر گزرتا ہے، تو رنگ
کا ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً رنگ طوطا، اور نیچے صفوں کی صورت میں
ہوتے ہیں۔ مریخ رنگ مگ نیچے ہوتا ہے۔ اس کے اوپر نارنجی، پھر
زرد، پھر بنفہ، پھر اودا، پھر نیلا، پھر بنفشی، یعنی بنفشی سے اوپر ہوتا
ہو۔ مریخ سب سے نیچے۔ تو سورج میں بھی ایسی ساؤں رنگ دکھائی
دیتے ہیں۔

لیکن تحقیقات سے ثابت ہوا کہ آفتاب کا نور، صرف ان سا
رنگوں ہی میں تحلیل نہیں ہوتا، بلکہ اور بھی بہت سے رنگ اختیار کرتا
ہو مگر وہ رنگ غیر سرخ آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے۔ ان غیر مرئی رنگوں
میں بعض رنگ مریخ رنگ کے نیچے ہوتے ہیں اور بعض بنفشی کے اوپر۔
سرخ شعاعوں کے نیچے جو شعاعیں ہیں، وہ گرم ہوتی ہیں۔ اگر
آنکھ سے دکھائی نہیں دیتی لیکن جلد پر محسوس ہوتی ہیں۔ یہ شعاعیں
تاریک شعاعیں کہلاتی ہیں۔ آفتاب کی جو قوت ہم تک پہنچتی ہے، اس کے
اجزاء میں غالب حصہ انہی تاریک شعاعوں کا ہوتا ہے۔

بنفشی شعاعوں کے اوپر جو شعاعیں ہیں، ان کی محسوس بہت ہی
چھوٹی ہوتی ہے۔ یہ بھی دکھائی نہیں دیتی۔ البتہ نوٹروان کی سختی
چون کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ ان کا نام ہے ”شعاع مادہ بنفشی“ یا
”شعاع کیادی“

انسان کی آنکھ آفتاب کی انہی شعاعوں سے متاثر ہوتی ہے جو
سرخ اور بنفشی رنگوں کے درمیان ہیں۔ جب یہ تمام شعاعیں ان
میں سے کوئی ایک شعاع کی جسم سے منعکس ہوتی ہے، تو آنکھ متاثر ہوتی
ہو اور دیکھنے لگتی ہے۔ لیکن اگر ان ساؤں رنگوں کے علاوہ کچھ
دوسرے رنگ کی شعاعیں جسم سے منعکس ہوتی ہیں، تو آنکھ اس سے
متاثر نہیں ہوتی، اس لئے وہ دیکھ بھی نہیں سکتی۔
لیکن اب انسان کی یہ عبوری دور ہو جائے گی۔ کیونکہ جلد

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سو گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملک معظم برطانیہ اور ان کے کتوانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ
ہر قسم کی قلمی کتابوں کے مسلسل سلسلہ
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی ادب سے سے سے تائید
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چہاہ
کے بعد ہی ذخیرہ کی مفصل فہرستیں شائع ہو کر آتی ہیں

ان تمام صحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی شاہ کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرائی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرائی تصویریں، پرائی سکے،
اور نمونے، پرائی زیور، آرائش و تزین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرائی صنعتی،
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش
گاہوں اور ذخائر کی فرستیں ہی منگوائیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے
ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مسارت و مہارت کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ مالک میں ہمارے پختہ ذخیرہ گزشتہ کئی برسوں سے

بائیں ہمہ

قیمتی تجاربہ انگریز تمدن آرزائیں!

بر عظم یوپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے محل، کتاب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہے
ہوتے ہیں۔ تاہم کے لئے انہی شاہی کے نوادر بھی مالی میں ہم کی فراہم کیا گیا

اگر آپ کے پاس نفی اور موجود ہوں

تو

آپ کو ہم سے بھی پہلے ہم سے خط و کتابت کیجئے کہ بہت
پہلے سے ہم کو ہمارے اسٹوری اسٹوری کے بل کے لئے

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ
اس وقت

دنیا کا بہترین قانونی قلم
امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“

قلم ہے؟

(۱) آسان سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدگی

ہو نیکی جس سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) آسان مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی زندگی بھر

دے سکتا ہے

(۳) آسان خوبصورت، ہنس بھر اور سنری بیل بولوں

فریق کہ آسان خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کی

”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

لینا

چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں

یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہنٹا

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں

ہوٹلوں، کلیوں، تھیٹروں، رقص گاہوں

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کر دے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے ایسی

مکمل گائیڈ بک ہر

ڈنلاپ گائیڈ بوک گریٹ بریٹن

The Dunlop Guide
To Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے

ریلوے اسٹیشنوں کے بک شالوں میں مل سکتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر مطالعہ میں شائع ہونے لگی ہے
پانچویں منظر بند ہے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی
رہ سے مسجد بن کر ان کے لئے استعمال کیا جاسکتی ہے؟ اور اسلام
کی تعدادی نے کس طرح اسی عبادت گاہوں کا فرمانہ یا احکام
خبر ہے بلکہ تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟ قیمت چارہ آنے (دھرو)
(میں خیر اللہ ملکت)

اگر آپ کو

دوست

صفت نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کمانی کی شہادت

تو اصل شہادت ہے۔ اپنے سے قیصر

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور مال دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مکتبہ اسلامیہ

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپ کو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اس کا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی ٹرائل پر بھی ہوتے ہیں جن کی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپ کے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں۔

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میوزوں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یک رکھیے

میوزوں، ترواریں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تہذیبی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گرو اور بیدار سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کونپنیوں کے حالات اور اصل معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصل پر معلوم کر لیں، تو آپ کو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ آپ کے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

الہلال

ایک ہفتہ وار مضمون رسالہ

جلد ۱

کلکتہ : جمعہ ۱۳ جمادی الثانیہ ۱۳۴۶ ہجری

نمبر ۲۵

Calcutta : Friday, 9, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیں موزون نہیں؟

آج کوئی زبان ترقی نہیں کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعت نہیں رکھتی۔
طباعت کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہیں کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جائے۔
پتھر کی چھپائی میں محدود رہکر اردو کی طباعت کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔
اردو کی سب سے بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہیں، وہ ہیں جن میں الہلال
چھپتا ہے۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہے جس میں یہ سطرین کمپوز کی گئی ہیں۔ آپ ان
دونوں میں سے جسی چاہیں پسند کر لیں۔ لیکن پتھر کی چھپائی سے اپنی زبان کو نجات دلائیں۔
براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستوں کی رائے سے ہمیں اطلاع دیجیے۔ یاد رکھیں۔
طباعت کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیں سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔ ضروری ہے کہ اسکی
تمام تقاضے ایک بار دور کر دی جائیں۔

قارئین الہلال کی آراء

اس باری میں اس وقت تک ۲۰۲۱ مراسلات وصول ہوئی ہیں۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہے :

عربی حروف کی حق میں	۲۵۵	اردو حروف کی حق میں	۵۳۵
موجودہ مشترک طباعت کی حق میں	۸۰۲	حروف کی حق میں بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق میں	۳۲۰	تسلطی ہوں	۱۹۰

ان میں سے اکثر حضرات نے اپنی رائے سے اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہے۔

آراء کی دیکھنی سے معلوم ہوا کہ اس باری میں بعض اہم تفصیلات پر لوگوں کی نظر نہیں
ہے۔ اور اسلیں شرح و بیان کی ضرورت ہے۔ آئندہ اس باری میں مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر
کریں گی مگر ضرورت ہے کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائے بھیج دیں۔

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلئے	-	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	-	پانچ آنہ

- (۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر ” منیجر الہلال “ کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر ” ایڈیٹر “ کا نام ہونا چاہیے ۔
- (۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا ۔
- (۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے
- (۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے ۔
- (۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ۔ ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا ۔
- (۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ، مقامی داکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے ۔ اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرائیں ۔
- (۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیں ۔
- (۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض ، (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا ۔

آخری مملوک سلطان مصر

سازے چار سو برس پہلے ایک مغربی سیاح مشرق میں

ایک سیاح کی چشم دید شہادت اور اہم تاریخی فوائد

یورپ میں چہاں خانے کی صنعت کا رواج چودھویں صدی مسیحی سے شروع ہوا ہے۔ چودھویں صدی سے لیکر سترہویں صدی کے وسط تک مطبوعات کی رفتار بہت سست رہی۔ تاہم اس ابتدائی زمانے میں بھی ایک کافی تعداد ایسی کتابوں کی شائع ہوتی رہی ہے جو علمی اور تاریخی حیثیت سے موجودہ زمانے میں بھی اپنی قدر و قیمت رکھتی ہیں۔

جنیوا کی ایک علمی انجمن کچھ عرصہ سے اس قسم کی قدیم اور ناپید مطبوعات کا سراغ لگا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں کئی نادر اور قیمتی چیزیں گوشہ گمنامی سے نکل چکی ہیں۔ از انجملہ مشرقی ممالک کے سفر نامے ہیں جو چودھویں اور پندرہویں صدی مسیحی میں لکھے گئے تھے اور جن میں مشرقی ممالک کے امراؤ سلاطین اور رہاں کے آداب و رسوم کے متعلق بعض ایسی چشم دید تفصیلات موجود ہیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ آج ہم ان میں سے ایک خاص سفر نامہ کا مختصراً ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

یہ سفرنامہ کئی اعتبار سے مخصوص تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ سنہ ۱۵۱۱ء میں وینس کی جمہوری حکومت نے (جو اس وقت یورپ کی ایک طاقتور حکومت تھی) ایک سفارتی وفد مصر بھیجا تھا جس کا رئیس اس عہد کا مشہور مدبر و مینکو تریوہزان تھا۔ یہ سفارت مصر پہنچی، سلطان مصر کے دربار میں، ہارپاد، ہوئی اور ایک کافی عرصہ کے قیام کے بعد وینس واپس گئی۔ سفارت کا سربراہ وینس کا ایک امیر جاکر باگانی نامی تھا۔ اس شخص نے واپسی کے بعد اپنے سفر کی یادداشتیں سفرنامہ کی صورت میں مرتب کر لیں اور وہ تمام قلمی تصاویر بھی شامل کر دیں جو سلاطین و امراء مصر کی اس نے طیار کی تھیں۔ سفرنامہ کچھ عرصہ تک وینس کے سرکاری کتب خانہ میں محفوظ رہا۔ پھر سنہ ۱۵۳۵ء میں سفارت کے سفر سے تقریباً بائیس برس بعد، حکومت نے اسے سرکاری مطبع میں چھپوا کر شائع کر دیا۔ اس مطبوعہ نسخہ کے ساتھ وہ تمام تصاویر بھی چھاپی گئی تھیں جو اصل نسخہ میں محفوظ تھیں۔

(سفرنامہ کی اہمیت)

یہ سفرنامہ فی الحقیقت ایک نہایت قیمتی تاریخی شہادت ہے۔ یہ اب سے ساڑھے چار سو برس پیشتر کی ایک اسلامی حکومت کے اُن چشم دید حالات کا ذخیرہ ہے جن کا علم کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ مورخ اور سیاح میں یہی فرق ہے، اور اسی لیے مورخ کی کتاب سے کہیں زیادہ ایک مستند سفرنامہ کا بیان قیمتی ہوتا ہے۔ مورخ کی نظر جزئیات پر نہیں جاتی۔ وہ صرف علمی ترتیب بیان کے ساتھ بڑے بڑے واقعات جمع کر دیتا ہے۔ لیکن سیاح زیر سیاحت شہر کے ایک ایک کونچہ کی سیر کرتا ہے اور ایک ایک جزئی معاملہ میں دلچسپی لیتا ہے۔ وہ بسا اوقات بہت سی ایسی جزئیات بیان کر دیتا ہے جن سے

لا متناہی اور سراسر مجہول محال پر سرسری نظر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

سراویر لاج اپنی کتاب ”روح انسانی کی ابدیت“ میں لکھتا ہے:

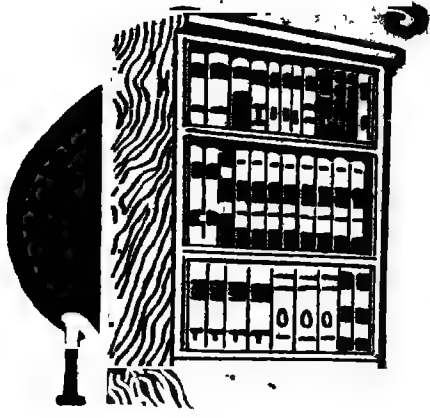
”بہت سے عجیب و غریب حوادث کی صحت ثابت ہو چکی ہے۔ یہ حوادث ہر قوم اور ہر زمانے میں پیش آتے رہے ہیں۔ ممکن ہے ان کا بڑا حصہ اہام و خیال پر معمول کر کے رد کر دیا جائے۔ مگر اُن سب کا رد کر دینا ناممکن ہے۔ موجودہ علمی ترقی کی روشنی میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ انسانی روح کے تمام اعمال و خواص سے ہم واقف ہو چکے ہیں، یا انسانی روح کا علم ہم نے اس درجہ منضبط اور آسان کر دیا ہے کہ ہرکس و ناکس اسے سمجھ لے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگ ایسا ہی یقین رکھتے ہیں۔ وہ ہر رز و بغیر کسی اظہار حیرت کے علم الحیات، کیمیا اور علم الآلات کے زیادہ سے زیادہ معیر العقول اکتشافات پر ایمان لائے رہتے ہیں اور کہتی یہ نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے تمام رازوں سے واقف ہو گئے اور اب کوئی نیا اکتشاف قبول نہیں کریں گے۔ لیکن مذہب روحی کا نام آتے ہی ان میں انکار اور تحسین کا جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ بغیر کسی ثامل کے مدعیانہ انکار کر بیٹھتے ہیں۔ یہ یقیناً ایک سادہ لوح ایمان ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ بلا دلیل عقیدہ قائم کرنے کی کتنی زیادہ استعداد رکھتے ہیں؟ لیکن یاد رہے، اُن کا یہ دعویٰ سراسر اساس علم کے خلاف ہے۔ وہ صرف اُسی حال میں کیا جا سکتا ہے جبکہ اپنے مخالف دلائل و براہین سے بلا کسی بحث کے اعراض کر لیا جائے“

پروفیسر سڈگوک صدر ”انجمن مباحث نفسیہ“ اپنے سنہ ۱۸۸۲ء کے خطبہ صدارت میں کہتا ہے:

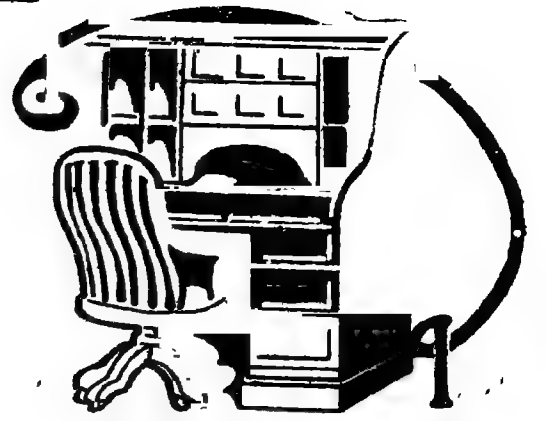
”اب یہ سخت فضیحت کی بات ہوگی کہ ان روحی حوادث کی صحت میں جھگڑا کیا جائے جن کی تصدیق بڑے بڑے مسلم علماء کر چکے ہیں۔ یہ شرم کی بات ہے کہ مذہب روحی کے خلاف علمی دینا اپنے احمقانہ انکار پر مصر رہے۔ اب سے تیس برس پہلے لوگ خیال کرتے تھے کہ مسمریزم اور متحرک میوزوں کا اعتقاد، عملی تہذیب کے نقص و فقدان کا کافی ثبوت ہے۔ لیکن جب مشہور حکماء نے یکے بعد دیگرے اپنے تجارب و مشاہدات کی بنا پر ان امور کی تصدیق کر دی، تو محکروں نے اپنا انکار جاری رکھنے کیلئے نئے وجوہ کی تلاش میں مضحکہ انگیز مہارت کا ثبوت پیش کیا۔ انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ علماء، علماء نہیں ہیں، بلکہ دجال ہیں۔ یا صرف علم کئی بعض شاخوں میں داخل رکھتے ہیں۔ لہذا اُن کی شہادت معتبر نہیں۔ پھر جب اس کے بعد ایسا ہوا کہ ایسے ایسے لوگوں نے شہادت دی، جن کی فضیلت عالمگیر طور پر مسلم ہے، تو ان لوگوں نے رنج و الم کا اظہار شروع کر دیا اور اسے ایک افسوسناک واقعہ قرار دیا!“

اس مجمل بیان سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مذہب روحی نے اس قلیل مدت میں کتنی ترقی حاصل کر لی ہے۔ پروفیسر رسل ویلس اپنی کتاب ”عصر جدید کے معجزات“ میں کہتے ہیں کہ اس مذہب کے معتقد صرف یورپ میں اس وقت دو کروڑ سے بھی زیادہ آدمی ہیں!





مقالات



انہوں نے بار بار دیکھا ہے، وہ حقیقت ہے، اور اس کی صحت میں کلام کی گنجائش نہیں...

اسی قدر نہیں بلکہ سنہ ۱۸۸۲ء میں ایک انجمن لندن میں قائم ہوئی۔ اس کا نام ”انجمن مباحث نفسیہ“ رکھا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مذہب روحی کو رسمی علم سے قریب کر دیا جائے اور علمی اصول پر اسے اس طرح مرتب کر دیا جائے کہ لوگوں کے لیے زیادہ قابل قبول بن جائے۔ اس انجمن میں انگلستان، امریکا، اور فرانس کے مشاہیر علماء و فلاسفہ داخل ہیں۔ اس وقت تک وہ بے شمار ضخیم جلدیں شایع کر چکی ہیں۔

نمونہ کے طور پر اس انجمن کے بعض ارکان کی چند تحریریں کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ان کا طریق بحث کیا ہے:

پروفیسر میڈرس (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی) جو اس انجمن کا ممتاز رکن ہے، لکھتا ہے:

”سنہ ۱۸۷۳ء میں جبکہ مذہب مادی ہمارے ملک کی عقلوں پر پوری طرح حاکم تھا، کیمبرج میں احباب کی ایک مجلس منعقد ہوئی، اور طے کیا گیا کہ مذہب روحی، جس پر اس قدر بحث و نزاع جاری ہے، ہماری توجہ و تدقیق کا مستحق ہے۔ میری رائے تھی کہ اس مذہب کی بحث میں نہ تو اساطیر ارباب کی ررق گردانی مفید ہو سکتی ہے، نہ معتقدین کی روایات کی تحقیق، اور نہ منکرین کی تضحیک و انکار ہی کارآمد ہے۔ اس کی بحث و تحقیق کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم خود تجربے کریں، اور اپنی آنکھوں کے مشاہدات پر بھروسہ رکھیں۔ اگر عالم روحانی واقعی کوئی صلیت رکھتا ہے، تو تمام دوسری حقیقتوں کی طرح اس کا ثبوت بذی تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہونا چاہیے۔ چنانچہ اسی اصول پر ہماری اس انجمن نے اپنی بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری کر دیا“

اس کے بعد مصنف منکرین کو مخاطب کرتے لکھتا ہے:

”میں اس عقیدے کو کیوں ضحیم نہیں سمجھتا؟ یہ سوال ہے جو ہر علمی بحث کے وقت ہر ایمان دار آدمی کے سامنے ہونا چاہئے۔ مذہب روحی کی بحث میں اس کی آرزو بھی زیادہ ضرورت ہے۔ معجز اعتراف کرنا چاہئے کہ میرا علم اور میری معلومات جو یقینی نہیں ہیں، بلکہ مرجح یا غیر مرجح ہیں، کائنات کے رموز و اسرار کے فہم سے قاصر ہیں۔ ان میں کوئی بھی علمی یا منطقی دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنا پر میں اپنے مشاہدات کی تردید کر دوں۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ دیکھتا ہوں، یہ تمام مشاہدات دوسرے یقینی مشاہدات و اصول سے کوئی تناقض نہیں رکھتے۔ علمی دلائل و براہین کا دائرہ کتنا ہی وسیع اور یقینی ہو، مگر پھر بھی تمام مستند علماء کے اعتراف کے مطابق، وہ ناموس قدرت کے

جدید مذہب روحی

تاریخ ظہور - موافقین و مخالفین - اور نقد و تبصرہ

(۲)

جب انگلستان میں پہلے پہل یہ دعوت پہنچی، تو علماء میں سخت بیچینی پیدا ہو گئی۔ وہ دے کہ صدیوں کے جہاد علم کے بعد خرافات و اوهام کی جس سلطنت کا انہوں نے خاتمہ کر دیا تھا، وہ اب پھر نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر علم کے مقابلے میں آرہی ہے۔ لہذا انہوں نے چاہا، قدم جمنے سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ بے شمار علماء نے رائل سوسائٹی سے درخواست کی کہ اس مذہب کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرے۔ انجمن نے درخواست منظور کر لی، اور تحقیقات کے لیے تیس علماء کی ایک منتخب مجلس قائم کر دی۔ اس مجلس میں رسل ویلس، ولیم کرکس، ٹینڈل، لارڈ اریپی، اور ہکسل جیسے ائمہ علم و حکمت بھی شامل تھے۔ مسلسل اتھارہ مہینے تک یہ مجلس تحقیقات کرتی رہی۔ چالیس جلسے منعقد کیے، اور ایک ضخیم کتاب میں انکی روداد شایع کی۔ یہ روداد دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اس کی ذیل کی عبارت قابل غور ہے:

”مجلس نے اپنے جلسے ارکان کے خاص مکانات میں منعقد کیے تاکہ مخفی آلات کے ذریعہ قریب کھانے کا احتمال باقی نہ رہے۔ نیز ان رسیطوں سے بھی کام نہیں لیا جو پیشہ رر سیط سمجھے جاتے ہیں۔ خود ارکان ہی میں سے ایک شخص رسیط بنایا تھا گیا۔ یہ شخص سوسائٹی میں بہت عزت و احترام رکھتا ہے۔ اپنی ایمانداری اور اخلاق میں غیر مشتبہ ہے۔ مال و دولت کی بھی اسے کوئی طمع نہیں۔ کیونکہ خود مالدار ہے۔ ہم نے وہ تمام احتیاطیں بھی برتلیں، جو ہمارے خیال میں قریب سے بچنے کے لیے ضروری تھیں۔ بار بار تجربے اور مشاہدے کیے۔ اس روداد میں ہم نے صرف انہیں مشاہدات کا ذکر کیا ہے جو حواس کے ذریعہ واقع ہوئے، اور جن کی صحت پر ہمیں کامل یقین ہے“

”مجلس کے بہت سے ارکان نے خود تجربے کیے۔ یہ سب کے سب اس مذہب کے سخت مخالف تھے، اور کامل یقین رکھتے تھے کہ یہ عجیب امور یا تو تدلیس کا نتیجہ ہیں یا وہم کا، اور یا پھر عضلات و اعصاب جسم میں کسی غیر معمولی حرکت پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس طرح کی حرکات ظہور میں آجاتی ہیں۔ یہ حد سے زیادہ منکر اس وقت تک قائل نہ ہوئے، جب تک کہ بکثرت مشاہدات انہوں نے اس طرح نہ دیکھے، لیکن کسی قسم کا شک و شبہ وارد نہیں ہو سکتا تھا۔ بالآخر انہیں تسلیم کر لینا پڑا کہ جو کچھ

Le Grand Caire، جیسا کہ خود اس سفر نامہ میں جا بجا یہی نام استعمال کیا گیا ہے۔

مصر اور یورپ کے تعلقات کی یہ ابتدائی تاریخ بیان کر دینے کے بعد ہم ان واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس سفر نامہ کے مصنف نے بیان کیے ہیں۔

سنہ ۱۵۰۵ء میں کئی سال کی پادشاہ گردنی کے بعد سلطان ابو النصر ملک الاشرف قیصر غوری تخت نشین ہوا۔ اس پادشاہ کے زمانے میں یکے بعد دیگرے ایسے حوادث پیش آئے کہ یورپ اور مصر کے تعلقات پھر منقطع ہو گئے۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، اُس زمانے میں مصر ہندوستان اور یورپ کی تجارت کی درمیانی کڑی تھا۔ سواحل عرب اور مصر کے عرب جہازران ہندوستانی مصنوعات مصر لے جاتے تھے۔ وہاں سے وینس، جنیوا اور فرائس کے تاجر پیش قرار قیمتیں دیکر اپنے اپنے

ملکوں کیلئے حاصل کر لیتے تھے۔ خود مصری حکومت کے بھی بے شمار جہاز تھے۔ یہ سوئز سے لیکر کالی کت اور چٹاگڑ تک سفر کرتے رہتے۔ سنہ ۱۵۰۳ء میں ایسا ہوا کہ واسکو ڈی گاما کا بیڑہ بحر ہند میں پہنچ چکا تھا۔ مصری جہازوں سے اس کی مدد بھیڑ ہو گئی۔ یہ جہاز ہندوستان سے مال تجارت سوئز لیجا رہے تھے۔ پرتگالی بیڑہ نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا، ادنیٰ گرفتار کر لیسے اور جہاز ڈبر دیے۔

یہ خبر جب سلطان غوری کو پہنچی تو قدرتی طور پر نہایت برہم ہوا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ تمام یورپین تاجروں کو مصر و شام سے نکال دے۔ لیکن اس سفر نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ”اُس غیر معمولی عقل و بصیرت سے کام لیکر جو مشرق کے اس عظیم الشان پادشاہ کے حصے میں آئی ہے، اُس نے اس کارِ روائی میں جلدی نہیں کی، اور خیال کیا کہ پہلے اصلاح حال کی کوشش کر لی جائے۔ چنانچہ اس نے ایک سفیر یورپ روانہ کیا تا کہ اٹلی،

فرانس اور جنیوا، جاتے اور ان ملکوں کی حکومتوں کو حکومت پرتگال کی ان زیادتیوں پر توجہ دلائے۔ یہ مصری سفیر بیت المقدس کی مسیحی خانقاہوں کا رئیس اعظم تھا۔ سفیر پہلے وینس گیا۔ حکومت وینس نے اس کے استقبال کے لیے ایسے انتظامات کیے جیسے پادشاہوں کے استقبال کے کیے جاتے ہیں۔ پھر جمہوریت کے دوسرے ممبر جمع ہوئے اور سفیر کے پیام پر غور کیا۔ سفیر کا پیام یہ تھا کہ ”اگر حکومت پرتگال نے اس طرز عمل کی تلافی نہ کی اور آگندہ مصری جہازوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچا، تو سلطان مصر نے ارادہ کر لیا ہے کہ بیت المقدس کا کلیسہ بند کر دیا، اور تمام یورپین تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دیا۔ حکومت جمہوریہ نے مصر کی شکایات کے حق بجانب ہونے کا اعتراف کیا، لیکن چونکہ اُسے پرتگال پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا، اُس لیے سفیر کو پوپ جو لیس دوم کے پاس جانے کا مشورہ دیا، اور اپنے سفر بھی ساتھ کر دیے۔ پوپ نے سفیر

سے مل کر جب تمام حالات معلوم کیے، تو بہت خائف ہوا۔ وہ سلطان مصر کی ناراضی کے نتائج سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے حکومت پرتگال کے نام ایک تہدیدی مراسلت روانہ کی۔ اس کے بعد مصر کا سفیر اسپین اور فرانس ہوتا ہوا مصر واپس آ گیا۔

لیکن ابھی مصری سفارت یورپ سے واپس پہنچی ہی تھی کہ اچانک بعض حوادث ایسے پیش آ گئے، جنکی وجہ سے سلطان کا غیظ و غضب پھر یورپ کے برخلاف بھڑک اٹھا، اور اصلاح حال کی وہ تمام کوششیں ضائع گئیں، جو مصری سفارت کے ذریعہ انجام پائی تھیں۔ ان حوادث میں سب سے زیادہ اہم حوادث چار ہیں، جنہیں اس سفر نامہ کے مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے:

سب سے پہلا حادثہ پرتگالیوں کی دوبارہ تعدی تھی جو مصری جہازوں پر کی گئی۔ یہ جہاز کالی کت سے سوئز واپس جا رہے تھے۔

دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ جزیرہ رودس کے نائٹوں کا ایک بیڑہ اسکندریہ کے قریب پہنچ گیا۔ انہوں نے سلطان مصر کے اُن جہازوں پر حملہ کر دیا جو مراکش کے حاجی واپس لیجا رہے تھے۔

اسی اثنا میں ایک تیسرا واقعہ بھی پیش آ گیا۔ مصر اور ترکوں میں مخالفت جاری تھی۔ سلطان مصر کو معلوم ہوا کہ کمال پاشا فوجی سامان و اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اناضول سے قسطنطنیہ لے جانے والا ہے۔ اُس نے اپنے تیس جہاز گیلی پولی کی طرف روانہ کر دیے، تاکہ اُس ذخیرہ پر قبضہ کر لیں۔ اتفاق سے رودس کے بحری نائٹوں کے ایک بیڑہ سے انکا مقابلہ ہو گیا۔ مقابلہ میں مصری جہازوں کو شکست ہوئی اور کئی جہاز بالکل تباہ ہو گئے۔

چوتھے حادثہ کی نوعیت ان تمام حوادث سے مختلف قسم کی تھی، لیکن سلطان کی طبیعت پر اُس کا سب سے زیادہ اثر ہوا۔

عراق کے بعض سرحدی اضلاع میں مصری حاکم نے ایک یونانی کو مشتبہ حالات

میں دیکھا اور گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد تلاشی لی گئی، تو اس کے کپڑوں میں سے ایک مخفی کاغذ نکلا۔ یہ شاہ اسماعیل مغربی کا خط تھا، جو ٹامس کونڈین قنصل وینس متعینہ اسکندریہ کے نام لکھا گیا تھا۔ حاکم نے یونانی قاصد مع خط کے قاہرہ بھیج دیا۔ عجب سلطان نے یہ خط پڑھا، تو اسے معلوم ہو گیا کہ حکومت ایران، یورپ کی حکومتوں سے مل کر اُس کے خلاف سازش کر رہی ہے، اور وینس میں اور ایران میں عرصہ سے سلسلہ مراسلت جاری ہے۔

ان تمام واقعات نے سلطان کو یورپین حکومتوں کے برخلاف اس درجہ غضب ناک کر دیا، کہ اُس نے حکم دیا۔ بیت المقدس کا کلیسہ بند کر دیا جائے، تمام یورپین قنصل اور تاجر گرفتار کر لیسے جائیں، اور آگندہ کوئی فرنگی حدود مملکت میں قدم نہ رکھے۔ اُس نے بیت المقدس اور شام کی مسیحی خانقاہوں کے تمام راہبوں کی گرفتاری کا بھی



سلطان مصر کے وزراء

واقعات ظہور میں آتے رہتے ہیں جن سے انکی معاندانہ سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شام اور مصر سے تمام یورپین تاجر اور یورپین حکومتوں کے رکلاہ چلے جائیں۔ اس سال کے بعد سے یورپ اور مصر کے تمام علاقے منقطع ہو گئے۔

یہی وہ صورت حال ہے جس نے یورپ کے در مختلف تجارتی حلقوں میں یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ قدیم عرب جغرافیہ نویسوں اور ملحدوں کے اشارات کے مطابق مشرق بعید کا براہ راست بحری راستہ تھرنڈہ نکالیں اور مصر کے محتاج نہ رہیں۔ چنانچہ کولمبس نے بحر اطلانتک میں عرب رویہ جا کر مشرق کی جہت سے ہندوستان پہنچنا چاہا اور پرتگالی بیڑوں نے افریقہ کے گرد طواف کرتے ہوئے بحر ہند کا نقطہ اتصال دریافت کرنا چاہا۔ کولمبس ہندوستان کی جگہ امریکہ پہنچ گیا۔ لیکن برتلم دیاز نے سنہ ۱۴۸۹ء میں راس امید کا سراغ پا لیا۔ پھر سنہ ۱۴۹۷ء میں واسکو ڈی گاما اسے عبور کر کے مالا بار پہنچ گیا!

بہر حال تقریباً نصف صدی تک مصر اور یورپ کے علاقے (بلکہ کہنا چاہیے مشرق اور یورپ کے علاقے کیونکہ تمام مشرق اور یورپ کے تجارتی علاقے مصر ہی کے ذریعہ تھے) منقطع رہے۔ یہ صورت حال یورپ کیلئے ناقابل برداشت تھی۔ اس کے تمام بازار بے رونق ہو گئے۔ بڑی بڑی منڈیاں بند ہو گئیں۔ یورپ اس وقت تجارت اور مصنوعات میں مشرق کا اسی طرح محتاج تھا۔ جس طرح آج مشرق یورپ کا محتاج ہے۔ بے شمار رز مہ کی ضرورتوں کی مصنوعات تھیں جو مشرق ہی سے جاتی تھیں اور یورپ کے ہر امیر و غریب گھر میں برتی جاتی تھیں۔ اب انقطاع تجارت سے ایک عالمگیر تجارتی قحط کی مصیبت پیدا ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر یورپ کی تمام بڑی بڑی حکومتیں مجبور ہوئیں کہ کسی نہ کسی طرح

مصر کا بند دروازہ پھر کھلایا جائے۔ ان حکومتوں میں سب سے پیش پیش وینس کی جمہوریت تھی۔ یہ اس وقت یورپ کی بحری تجارت کا سب سے بڑا طاقتور مرکز تھی۔ حکومت وینس نے پے درپے سفارتیں بھجوائیں۔ عثمانی اور صغریٰ حکومتوں کو درمیان ڈالا۔ قیمتی تحائف سے لبریز جہاز پر جہاز بھیجے، یورپ کی طرف سے بھی پیام امن و صلح بھجوا دیا گیا۔ یورپ کی تجارت کے کھل جانے میں مصر و شام کے وطنی تاجروں کا بھی عظیم الشان نفع تھا۔ اسیلئے انہوں نے بھی کوششیں کیں۔ غرض کہ ایک مدت کی سعی اور تدبیر کے بعد مصر اور یورپ کے تجارتی اور دوستانہ تعلقات پھر از سر نو قائم ہو گئے۔

یہی زمانہ ہے جب مصر دنیا کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ ہندوستان اور یورپ کی تجارتی کڑی یہیں آکر ملتی تھی۔ اس کے باشندوں کی خوشحالی اور تاجروں کی شاہانہ دولت کے افسانے جنیوا اور وینس کے بازاروں میں قصوں کی طرح سنائے جاتے تھے۔ یورپ میں عام طور پر قاہرہ کا نام "قاہرہ عظیم" تھا۔ یعنی

تاریخی مسائل کی عظیم کلیات طیار کر لی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان کے عہد تغلق کی متعدد تاریخیں خود اسی عہد میں یا اس کے بعد لکھی گئی ہیں، لیکن ابن بطوطہ کی زبانی ہمیں جیسی چلتی پھرتی تصویر اس عہد کی نظر آجاتی ہے، وہ برنی اور فرشتہ کے صفحات پر نظر نہیں آسکتی!

(سفرنامہ کا عہد)

اس کے علاوہ اس عہد کی مخصوص اہمیت نے بھی اس سفر نامہ کی قدر و قیمت بڑھا دی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب فی الحقیقت دنیا اُنے والے انقلاب کے لیے پہلی کڑت بدل رہی تھی۔ مشرق کا دور اقتباس و زوال تھا، اور یورپ کا عہد عروج طلوع ہو رہا تھا۔ اسپین میں اسلامی عہد تمدن کا آخری نقش قدم بھی مت چکا تھا، اور غرناطہ میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ یورپ اور مشرق بعید کی راہ تجارت بھی ایک نئے انقلاب کی طیاروں پر چل رہی تھی، اور پرتگالیوں کے بیڑے ہندوستان کی بحری راہ دریافت کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک روانہ ہو رہے تھے۔ ٹھیک ٹھیک یہی زمانہ تاریخ تجارت عالم کا وہ عظیم الٹرا زمانہ ہے، جب واسکو ڈی

گاما نے ایک عرب معلم کے ذریعہ راس امید عبور کر کے سولہ ملابار تاج کیا تھا، اور اس ایک واقعہ نے تمام دنیا کی سیاسی اور اقتصادی عظمت کی تاریخ پلٹ دی تھی!

(سفارت کا مقصد)

مصنف نے اس سفارت کے مقاصد شرح و بسط سے بیان کیے ہیں۔ مختصر لفظوں میں اُن کی توضیح ہمارے لیے بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے رشتہ کے بعض اہم تاریخی حالات پر روشنی پڑے گی۔

لیکن قبل اس کے کہ مصنف نے بیان کردہ اسباب پر مترجم ہوں، اس عہد کے اُن سیاسی و تجارتی تعلقات کی مختصر تاریخ بیان کر دینا ضروری ہے جو یورپ اور مصر میں قائم تھے۔

صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ تیرھویں صدی مسیحی تک جاری رہا۔ یورپ کا آخری صلیبی حملہ وہ تھا جو فرانس کے لوئس نہم نے مصر پر کیا تھا۔ اس کا خاتمہ منصوبہ کی لڑائی پر ہوا جس میں تزاران شاہ نے لوئس کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد سلطان بیبرس، سلطان منصور قلاؤن، اور ملک اشرف خلیل، یکے بعد دیگرے تخت مصر کے فرمانروا ہوئے، اور پے درپے جنگوں کے بعد سنہ ۱۲۹۰ء میں تمام بلاد شام سے صلیبی خارج کر دیے گئے۔ آخری چال پناہ جو ان کے ہاتھ باقی رہ گئی تھی، عکا کا ساحلی شہر تھا۔ اسی کو انہوں نے اپنی مشرقی تجارت کا برزخی محل قرار دیا تھا۔ لیکن وہ بھی سنہ مذکور میں ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک تخت مصر اپنے اندرونی مناقشات میں مشغول رہا۔ لیکن سنہ ۱۳۴۰ء میں جب ملک الفارسی حکومت استوار ہوئی، تو اس نے محسوس کیا کہ یورپ کے صلیبی دلوں اس وقت تک فرو نہیں ہو گئے ہیں۔ وہ فکر اس طرح کے



سلطان ملک اشرف قانصو غریبی
(آخری ملوک سلطان مصر)

ما ذل التقاطع . فی الاسلام بینکم
و انتم یا عباد اللہ اخوان
الان نفوس آیات لما ہمیم ؟
أما علی الخیر أنصار و أعوان ؟

لیکن اس پیام کا جواب ان مسلمان قوموں اور فرماں رواؤں نے
کیا دیا جو بقول ابر البقاء کے ”خوبصورت گھوڑوں پر سوار تھے“ ہندی
تلاشوں کی چمک دمک سے انکے ہاتھ شعلہ بارہتے تھے اور اپنے
آزاد وطنوں میں عزت و فرمانروائی کی پر عیش زندگی بسر کر رہے
تھے ؟ تاریخ کے اوراق ہمیشہ اس واقعہ پر ماتم کرینگے کہ تمام عالم
اسلامی میں ایک صدا بھی اٹکی حمایت میں بلند نہ ہوئی !

بہر حال جہاننگ مصری حکومت کا تعلق ہے اس سفر نامہ سے
بعض ایسی تفصیلات روشنی میں آجاتی ہیں جو اس وقت تک
تاریکی میں تھیں۔ بلاشبہ یہ ایک قیمتی فائدہ ہے جو اس کتاب
سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ سفر نامہ کا مصنف ان حالات کی تفصیل
کرتا ہوا جو سلطان غوری کے تخت نشین ہونے کے بعد پیش
آئے تھے لکھتا ہے :

”یہ وہ وقت تھا کہ اسپین نے تمام موزوں (مسلمانوں) اور
یہودیوں کو ملک سے نکال دیا تھا اور سیکڑوں برس کے بعد پہریہ
سرزمین صرف مسیحیوں ہی کیلئے مخصوص ہوگئی تھی۔ یہ
حالت دیکھ کر مراکش، ٹیونس، اور الجزائر کے مسلمان امیروں
نے سلطان مصر کی خدمت میں وفد بھیجے تاکہ اسپین کے
مقابلہ میں انکی مدد کی جائے اور انہیں اس قابل کر دیا جائے
کہ وہ ملک دوبارہ مسلمانوں کیلئے حاصل کر لیں۔ جب یہ وفد
قاہرہ پہنچے تو سلطان غوری نے ان کا بہت اچھی طرح استقبال کیا
اور اس معاملہ میں پوری دلچسپی ظاہر کی۔ پہلے اس نے ارادہ
کیا کہ اسپین سے انتقام لینے کیلئے اور تمام شاہان یورپ پر اثر ڈالنے
کیلئے بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دے اور یورپ کے تاجروں کو
اپنی مملکت سے نکال دے۔ لیکن پھر جب اس کا روزائی کے نتائج
پر نظر ڈالی تو اس پر ظاہر ہو گیا کہ ایسا کرنا دانشمندی کے
خلاف ہوگا۔ اسی اثنا میں ایسا ہوا کہ حکومت اسپین بھی امراء
مراکش کی کوششوں پر مطلع ہوگئی۔ نثار فردی نند اور ملکہ اریلا
کو خبر ملگئی کہ امراء مراکش مصر کو اپنی اعانت پر ابھارنا چاہتے
ہیں۔ انہوں نے بھی فوراً ایک سفیر مصر بھیج دیا تاکہ سلطان سے
ملکر اسے مسلمانان اندلس کی اعانت سے باز رکھے۔ اس سفیر کا نام
کونت پیٹر دینکر تھا۔ یہ اسکندریہ پہنچا اور فلپ دی پورٹز کے یہاں
آٹا جو اس وقت مصر میں فرانس اور اسپین کا مشترک قنصل تھا۔
قنصل نے سفیر کی آمد کی باقاعدہ اطلاع سلطان کو بھیج دی
اور درخواست کی کہ اسے لیے قاہرہ جائے۔ پرراندہ راہداری
مرحمت ہو“

”سلطان کو جب اس معاملہ کی اطلاع ملی تو اس نے
امراء علماء سے مشورہ کیا۔ علماء چونکہ مراکشی وفد کے ذریعہ
مسلمانان اسپین کے مصائب کے واقعات معلوم کرچکے تھے اسلئے
قدرتی طور پر اسپین کے خلاف انکے جذبات مشتعل ہو رہے
تھے۔ انہوں نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ سلطان کا اسی سفارت سے ملاقات
کرنا بہتر نہیں۔ اسے واپس کر دیا جائے۔ سلطان نے بھی اس
مشورہ سے اتفاق کیا اور سفیر کیلئے پرراندہ راہداری نہیں بھیجا۔

سلطان نے تمام حالات معلوم کیے۔ لیکن اسے بعد کیا ہوا ؟ اس کی
کوئی تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی۔ قدرتی طور پر سوال پیدا
ہوتا ہے کہ مصر کا جو سلطان اپنے جہازوں کی حفاظت اور اپنے تجارتی
مال و متاع کے فوائد کا اس درجہ خیال رکھتا تھا کہ جب کبھی
یورپ کی کوئی قوم شرارت کرتی تھی تو بیت المقدس کا
کنیسہ بند کر دینے اور یورپین تاجروں کو نکال باہر کر دینے کی
دھمکی دیکر فوراً راہ راست پر لے آتا تھا، اس نے ہزاروں لاکھوں
مسلمانوں کیلئے جو آئندہ سو برس کی حکومت کے بعد مسیحیت
کے مجنونانہ تعصبات کا شکار ہو گئے تھے اور زندہ جلائے جا رہے تھے
کیا کارروائی کی ؟

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رہے کہ ابر البقاء صالح بن
شریف الرندی کا وہ زہرہ گداز تاریخی مرثیہ جو دراصل مسلمانان
عالم کے نام مسلمانان اندلس کا ایک مایوس استغاثہ تھا اسی
زمانہ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ مقرر نے تصریح کی ہے اور خود
یورپ کے مورخین ہمیں بتلائے ہیں کہ سلطان مراکش نے اسکی
نقلیں تمام مسلمان سلاطین عالم کے نام بھیج دی تھیں :

لکل شئی اذا ما تم نقصان
فلا یفر بطیب العیش انسان
اصابها العین فی الاسلام فارتزأت
حتی خلت منه اقطار و بلدان
علی دیار من الاسلام خالیة
قد اقترت و لها بالکفر عمران
حیث المساجد قد صارت کنائس ما
فیمن الا نواقیس و صلبان
بالامس کانوا ملوکا فی منازلهم
والیوم فی بلاد الکفر عبدان
فلو تراهم حیارى لا دلیل لهم
علیهم فی ثیاب الذل ألوان
لمثل هذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اسلام و ایمان !

قصیدہ کے آخر میں یہ اشعار فی الحقیقت مسلمانان عالم کے نام
مظلوموں کا پیام الغیاء تھا :

یا راکبتین عناق الخیل ضامرة
کانہا فی مجال السبق عقبان
و حاملین سیوف الہند مرہقة
کانہا فی ظلام النقع۔ نیران
و راتمین وراء البحر فی دعة
لہم باوطانہم۔ عز و سلطان
أعندکم نبأ من اهل اندلس ؟
فقلہ سری بجذیت القوم رکبان
کم یستغیب بنا المستضعفون و ہم
قتلہ۔ أسری فما یحتر انسان

”مرج دابق“ کے معرکہ میں یورپی شجاعت اور ہامردی کے ساتھ لڑا، لیکن بالآخر شکست کھائی، اور میدان جنگ میں گھوڑے سے گر کر مارا گیا۔ اس کے بعد ملک اشرف طومان بائی نے کچھ عرصہ تک لڑائی جاری رکھی، لیکن مصر کی آخری لڑائی میں اس نے بھی شکست کھائی، اور ہمیشہ کیلئے چرکھی مملوکوں کا سلسلہ حکومت ختم ہو گیا۔

سلطان غوری سنہ ۹۰۶-۹۰۷ ہجری مطابق ۱۵۰۱-۱۵۰۲ ع میں تخت نشین ہوا تھا۔ اسی حساب سے تقریباً پندرہ برس تک حکمران رہا

سفرنامہ کے مصنف نے اس سلطان کے غیر معمولی اوصاف شاہانہ کی بہت تعریف کی ہے، اور اسے ”حزم راے اور دقت نظر“ میں اپنے عہد کا بہترین فرمانروا قرار دیا ہے۔ مصر کے عام مورخین بھی اُس کے بعض اوصاف کا اعتراف کرتے ہیں۔

(سقوط غرناطہ اور مصر)

من جملہ تاریخی فوائد کے ایک نہایت اہم اور عبرت انگیز واقعہ اُس سفارت کا ہے، جو غرناطہ اور مراکش کے امراء نے مصر بھیجی تھی، اور جسکی تفصیلات سے ”مصر کی تمام تاریخی خاموشی“

اسپین سے مسلمانوں کا آخری اخراج سنہ ۱۴۹۱-۱۴۹۲ ع میں ہوا ہے۔ یہی سنہ ہے جب تمام اسلامی حکومتوں کی اعانت سے مایوس ہو کر ابو عبد اللہ نے غرناطہ، فرڈینند کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد پچاس برس تک مسلمانوں پر ایسے ایسے وحشیانہ مظالم ہوتے رہے، جنکی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں۔ غرناطہ کے بقیۃ السیف مسلمانوں کے خلاف محکمۃ انکیزیشن Inquisition نے قتل و احراق کا آخری حکم سنہ ۱۵۰۹-۱۵۱۰ ع میں صادر کیا تھا، اور کارڈیل فرانسسکو زی مینس اور فرڈینند نے تالابرا نے سرزمین اسپین میں اسلامی تمدن و آبادی کا آخری نقش بھی مٹا دیا تھا۔ یہ زمانہ ٹھیک ٹھیک وہی زمانہ ہے، جب مصر میں سلطان محمد بن قانیاہی کے بعد پادشاہ گردی شروع ہو گئی ہے، اور کئی سال کی طوائف الملوک کے بعد اعیان سلطنت نے سلطان قانصرہ غوری کو تخت نشین کیا ہے۔

تاریخ میں دو واقعات کا اجمالی ذکر ہم پڑھ چکے تھے۔ ایک یہ کہ جب سلطان ابو عبد اللہ، فرڈینند کے مقابلہ سے عاجز ہو گیا، تو اُس نے دو سال کیلئے عارضی صلح کر لی، اور تمام مسلمان سلاطین عالم کی طرف سفارتیں روانہ کیں تاکہ انہیں مسلمانان اندلس کی نصرت و حمایت پر آمادہ کیا جائے۔ مسلمانان اندلس کو خصوصیت کے ساتھ سلطان عثمانی اور سلطان مصر سے اعانت کی توقع تھی۔ لیکن در سال کی مدت گزر گئی، اور کسی نے بھی انکی خبر نہیں لی۔ دوسرا واقعہ سقوط غرناطہ کے بعد کا ہے۔ جب ابو عبد اللہ کی جلا وطنی کے بعد اسپین کی حکومت نے وہ تمام عہد و پیمان بھل دیے، جو مسلمانوں کی آزادی و حفاظت کیلئے کیے گئے تھے، اور انکا قتل عام شروع ہو گیا، تو یہ حالت دیکھ کر مراکش اور تیونس کے سلاطین مضطرب ہو گئے۔ انہوں نے تمام مسلمان سلاطین عالم کے پاس روضہ بھیجے، اور انہیں مسلمانان اندلس کی بے بسی اور مظلومیت پر توجہ دلائی۔ ایک خاص سفارت جو مراکش کے بعض اکابر و علماء و امراء سے مرکب تھی، قاہرہ بھیجی گئی تھی۔ یہ سلطان قانصرہ غوری ہی کا زمانہ تھا۔ تاریخ کے صفحات ہمیں بتاتے ہیں کہ سفارت قاہرہ پہنچی، اور

حکم دیدیا تھا، لیکن سفرنامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ ”انہوں نے خزانہ بیت المقدس کی بڑی مقدار دیکر اپنی جائیں بچا لیں“

اس واقعہ نے تمام یورپ میں اضطراب پیدا کر دیا۔ واسکو ڈی گاما نے اگرچہ ہندوستان کا براہ راست بحری راستہ معلوم کر لیا تھا، لیکن ابھی اس راہ سے ہندوستانی مال کی آمد و رفت شروع نہیں ہوئی تھی، اور یورپ کی مشرقی تجارت کا دار و مدار بدستور مصر پر تھا۔ جرمنی مصر کا دروازہ بند ہوا، یورپ نے محسوس کیا کہ تمام مشرق کا دروازہ اُس پر بند ہو گیا ہے۔ ایک سال کے اندر وینیس اور جنیوا کی تمام تجارتی منڈیاں بند ہو گئیں، اور یورپ میں مشرقی مصنوعات کا پھر فحط شروع ہو گیا۔

یہ حالت دیکھ کر وینیس اور فرانس کی حکومتیں مجبور ہوئیں کہ کسی نہ کسی طرح حکومت مصر سے از سر نو دوستانہ تعلقات پیدا کریں۔ وینیس کی یہ سفارت (جس کی سیاحت مصر کی روداد اس سفرنامہ میں قلمبند کی گئی ہے) اسی مقصد سے روانہ کی گئی تھی۔ قریب قریب اسی زمانے میں فرانس کی سفارت بھی روانہ ہوئی۔ سفرنامہ میں جا بجا فرانسیسی سفارت کے معاملات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ انداز بیان مخالفانہ جذبات سے خالی نہیں ہے۔ فرانسیسی سفارت شریلر کونت اندری کی زیر ریاست بھیجی گئی تھی۔

وینیس کی یہ سفارت ۲۳۰ - جنوری سنہ ۱۵۱۲ ع - کو وینیس سے روانہ ہوئی، اور بے شمار مقامات میں گھومتی ہوئی، ۲۰ - مئی سنہ مذکور کو اسکندریہ پہنچی۔

(سفرنامہ کے تاریخی فوائد)

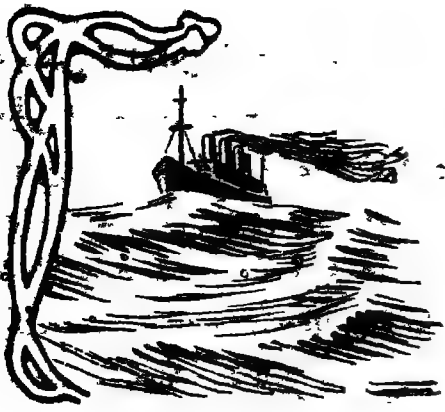
سفرنامہ اُس عہد کی ملکی، اور معاشرتی حالات کے بے شمار فوائد و معلومات سے مملو ہے۔ ان کا استقصاء ایک تحریر میں ممکن نہیں۔ ہم مختصراً بعض اہم فوائد کا ذکر کریں گے۔

(سلطان غوری اور وزراء کی تصاویر)

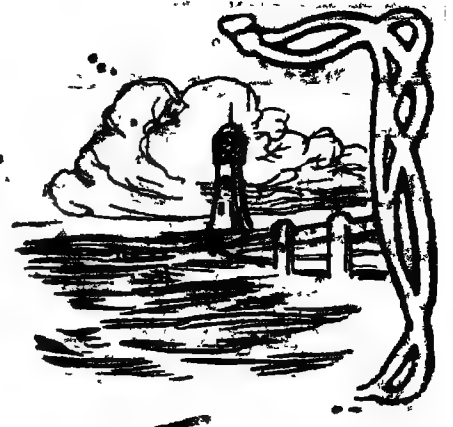
مصنف نے جا بجا لکھا ہے کہ اُسے مصری میں کافی دخل تھا۔ اس کا ثبوت اُن تصاویر سے ملتا ہے جو اُس نے سفرنامہ کے ساتھ شامل کی ہیں۔ ہم ان میں سے دو تصویروں کی نقل اس تحریر کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ پہلی تصویر سلطان قانصرہ غوری کی ہے۔ دوسری اس کے وزراء کی ہے۔ مصنف لکھتا ہے ”میں نے سلطان سے اُس کی اور اُس کے درباریوں کی تصویر کھینچنے کی اجازت حاصل کر لی تھی“

ان تصاویر میں سلطان اور وزراء مصر کی جو وضع و ہئیت نظر آ رہی ہے، یہ اُس عہد کے تمام ترک اور چوکس امراء کی عام وضع تھی۔ سلاطین و امراء عثمانیہ کا لباس اور عمامہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ یہ عمامہ جو اسقدر بلند اور عریض ہوتا تھا، ایسے باریک کپڑے اور ہلکے مواد سے طیار کیا جاتا تھا، کہ کوئی غیر معمولی زور سے پر محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ہندوستان میں یہ بات دلچسپی کے ساتھ معلوم کی جاتی ہے کہ اکثر حالتوں میں یہ کپڑا ہندوستانی ساخت کا ہوتا تھا!

سلطان ملک الاشرف قانصرہ غوری جسکی تصویر آپکے سامنے ہے، دراصل مصر کے چرکسی مملوکوں کا آخری فرمانروا ہے۔ سنہ ۹۲۲-۹۲۳ ہجری مطابق ۱۵۱۶-۱۵۱۷ ع میں جب سلطان سلیم اول نے مصر و شام پر حملہ کیا، تو تخت مصر پر یہی سلطان متمکن تھا۔ یہ



بزرگ منگ



روسی انقلاب کی جوبلی

(دسویں سالگرہ کا جشن)

قاریں الہال کو اخبارات
کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے
کہ گذشتہ اکتوبر میں روس
کی سرپرست حکومت نے
آخری انقلاب روس کی
دسویں سالگرہ منائی تھی
اور اس تقریب کو "کمپونیزم
کی دہ سالہ جوبلی" سے
تعبیر کیا تھا۔ اس تقریب
میں شرکت کیلئے بعض

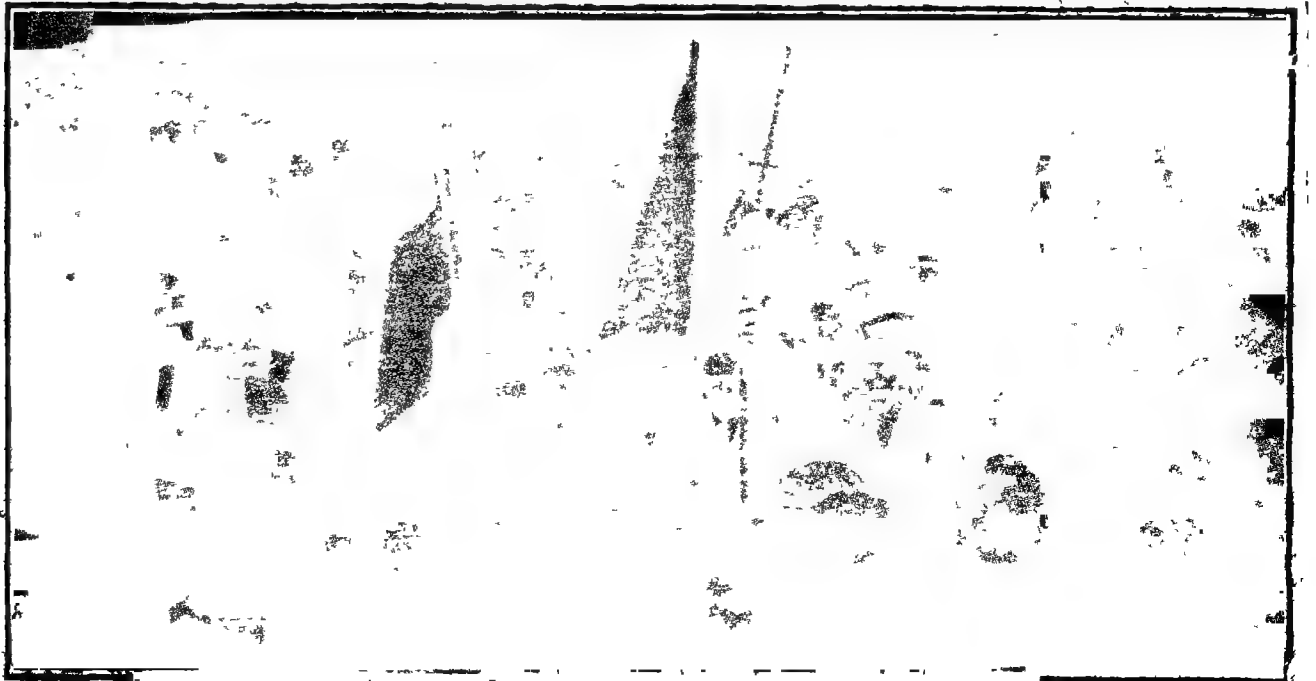
ہندوستانی رہنماؤں کو بھی دعوت دی گئی تھی، لیکن
ان میں سے کوئی شخص بھی نہ جا سکا۔ رقت کی کمی، حالات
کی ناموافقیت، اور زیادہ تر ہندوستانی حکومت کے پرانے راہداری
دینے کے اشتباہ سے کسی شخص نے قصد ہی نہیں کیا۔

اب یورپ کی پچھلی داک کے اخبارات میں اس تقریب کی
نہایت دلچسپ اور موثر تفصیلات آگئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ
موسکو کا یہ اجتماع دنیا کے عظیم الشان اجتماعات میں سے تھا۔ نہ
صرف تمام روسی صوبوں سے، بلکہ دنیا کے در دراز حصوں سے بھی
نمائندوں کی بے شمار تعداد شریک ہوئی تھی۔ وسط ایشیا کی
تمام حکومتیں اور قوموں کے ولاد موجود تھے۔ قفقاز اور ارمینیا نے

علیہ اسمیں حصہ لیا تھا۔ لہذا سے بھی ایک وفد گیا تھا۔ چینی
اور جاپان کے بھی نمائندے موجود تھے۔

تقریب کے رسوم و اعمال نہایت طویل طویلہ تھے جو کئی دن
تک متصل جاری ہے۔ سب سے زیادہ اہم اور عظیم اجتماع بین
القوامی جلوس کا تھا جس سے جوبلی کی تقریب کا افتتاح ہوا۔
اس جلوس کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا
ہے کہ اس کے شرکاء کی تعداد دس لاکھ آدھیڑی سے بھی زیادہ تھی،
اور بیس گھنٹہ سے زیادہ وقت اس کے گزرنے میں لگ گیا تھا۔ جو
لوگ جلوس نکلتے وقت شریک ہوتے تھے، انہوں نے پورا ایک دن
اور ایک رات سڑکوں پر بسر کر دی۔ جلوس کا ایک سرا شہر کے
ایک کنارہ سے شروع ہوا تھا،
اور دوسرا سرا کئی چکر کھا کر
دوسرے سرے پر ختم
ہوا تھا!

اس موقع پر یہ بات
یاد رہے کہ، موسکو کی
آبادی عرصہ کی جگہ زیادہ تر
طویل ہی میں واقع ہوئی ہے۔
وہ دنیا کے ان شہروں میں
سے ایک ہے جو سب سے
زیادہ لمبے رقعے پر پھیلی ہوئی ہے۔
جلوس کے بعد سرپرست
کی بین الاقوامی مرکزی



مذاکرہ غلبہ

قدماء کی مفقود صنعتیں

یہ معلوم ہے کہ قدیم قومیں بہت سی ایسی صنعتوں سے واقف تھیں جو اب مفقود ہو چکی ہیں۔ حال میں امریکہ کے ایک محقق علوم قدیمہ نے ایک مقالہ میں ان پر نہایت دلچسپ بحث کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

بعض قدیم مصری قبروں میں قرمزی رنگ کا نہایت شفاف شیشہ پایا گیا ہے۔ علماء عصر حیران تھے کہ یہ کیونکر بنایا جاتا تھا؟ یہاں کیا جاتا ہے کہ پندرہویں صدی میں چین میں کراس صنعت کا طریقہ معلوم تھا۔ خوش قسمتی سے اب سر ہربرٹ جیکسن نے اسے معلوم کر لیا ہے اور لندن کی رائل سوسائٹی کے سامنے پیش کر کے اس کی تصدیق بھی حاصل کر لی ہے۔

یونانی اب سے دو ہزار برس پہلے نمیز کی اور سے ایک خاص قسم کا تیل بناتے تھے۔ یونان کی بریانی کے بعد یہ صنعت مفقود ہو گئی۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی کے علماء اس کا کچھ پتہ نہ لگا سکے۔ یہ روغن "لائرین" کے نام سے مشہور ہے۔

روم کے معمار ایک ایسا روغن جانتے تھے جو دیوار پر لگاتے ہی فوراً خشک ہو جاتا تھا۔ صدیوں تک مفقود رہنے کے بعد یہ راز سنہ ۱۹۰۸ء میں ایک انگریز رنگ ساز نے اسے معلوم کر لیا۔

روم کے صنایع ایک ایسا شیشہ بھی بناتے تھے جو لچکدار ہوتا تھا۔ سنہ ۱۶۱۲ء میں فلورنس کے ایک باشندے نے اس شیشے کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "شہنشاہ تیسرے عہد میں روم والوں نے ایک لچکدار شیشہ ایجاد کیا تھا۔ مگر اب یہ راز کم ہو چکا ہے۔ اگر یہ ہمیں معلوم ہو جائے تو شیشہ کی قیمت چاندی سے بھی زیادہ ہو جائیگی"

لیکن عین اسی زمانے میں جبکہ فلورنس کا باشندہ یہ سطور لکھ رہا تھا، ایران میں یہ صنعت موجود تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۶۱۰ء میں شاہ ایران نے فلیپ سوم شاہ اسپین کو لچکدار شیشے کے چھ جام بھیجے تھے۔ یہ جام کسی طرح بھی ٹوٹ نہیں سکتے تھے!

یہ راز صنعت بالآخر کم ہو گیا۔ یہاں تک کہ کئی صدی کے بعد اب پچھلے سال ایک استرین عالم نے اسے دوبارہ معلوم کر لیا ہے۔ اس شیشے کا خاصہ یہ ہے کہ شیشے کی طرح شفاف ہوتا ہے، مگر لچک اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایک پورا قاب انگلی پر رکھ کر تھ کر لے سکتے ہیں! قاب تھ کر لینے کے بعد گیند کی طرح گول ہو جاتا ہے۔ یہ گیند اگر زمین پر زور سے مارا جائے تو ٹوٹتا نہیں، بلکہ اس طرح اچھلتا ہے، جیسے ریزر کا گیند اچھلتا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ موجودہ دنیا اس صنعت سے بہت فائدہ اٹھائیگی۔ اس سے موٹریں ہتھی جائیں گی اور آگے ٹوٹ جانے کا خطرہ دور ہو جائے گا۔

اسی طرح قدیم زمانے میں قابیے کے استرے بنائے جاتے تھے جو لوہے کے استروں سے زیادہ اچھا کام دیتے تھے۔ مدینوں کے بعد اب معلوم ہوا ہے کہ امریکا کے ایک قبیلے نے یہ صنعت زندہ کر لی ہے۔ آگے قید سے رہا کر دیا گیا ہے تاکہ اسے مکمل کر لے۔

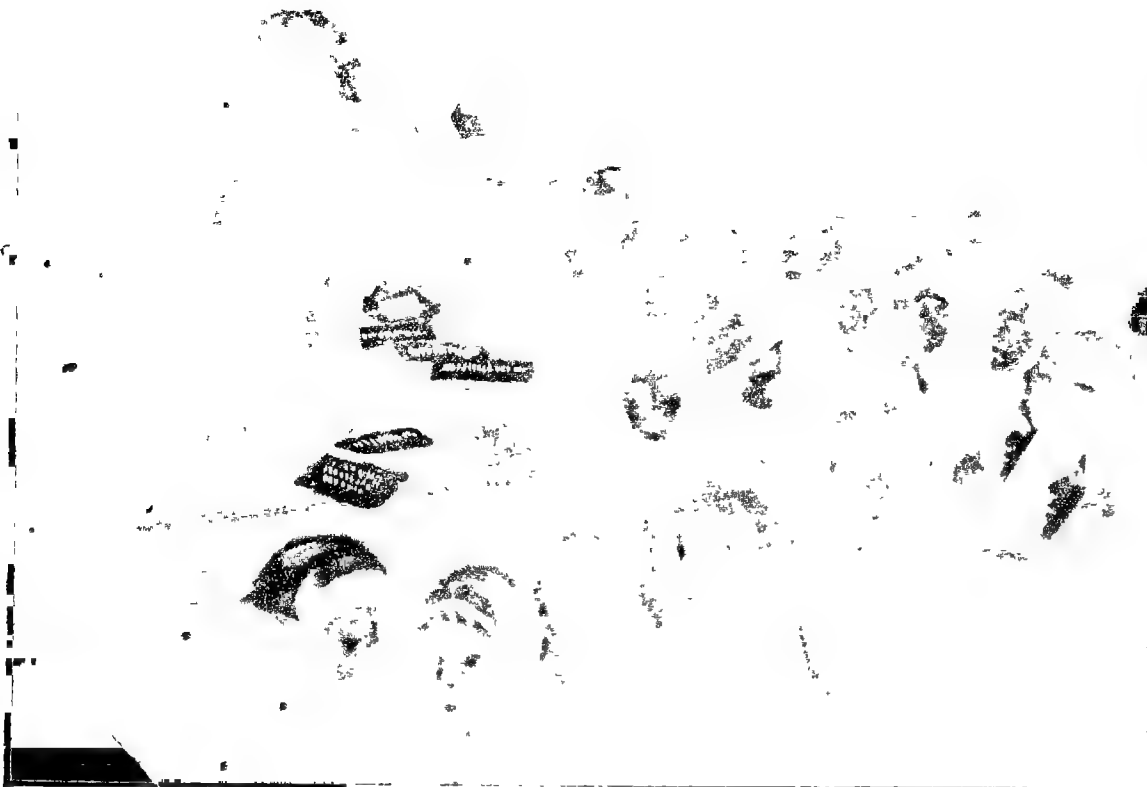
لیکن ساتھ ہی صاف لفظوں میں انکار بھی نہیں کیا۔ جب کبھی قنصل کی جانب سے عرضداشت پہنچی، کسی نہ کسی طرح قالدیا گیا۔

"لیکن کچھ عرصہ کے بعد سلطان نے محسوس کیا کہ علماء و امراء کا مشورہ مصالح حکومت کے مطابق نہیں ہے۔ یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ حالات نے جو مرقعہ یورپین حکومتوں سے مطلب براری کا پیدا کر دیا ہے، اسے ضائع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی سفیر کے لیے پرانے راہداری بھیجوا دیا۔ وہ اسکندریہ سے چل کر ۱۶ جنوری سنہ ۱۵۰۲ء کو قاہرہ پہنچا۔ قاہرہ میں سرکاری ترجمان اس کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ حسب معمول شاہی مہمانسرائے میں اُتارا گیا۔ اور ایک ہفتہ کے بعد دوبار شاہی میں پیش ہوا۔"

"اس مرقعہ پر اس عظیم الشان مشرقی فرمانروا نے جو طرز عمل اختیار کیا، وہ اس کی سیاسی مہارت اور شاہانہ حکمت عملی کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ علماء و اعیان سلطنت کو اپنا مخالف بنا لینا پسند نہیں کرتا تھا، جو قدرتی طور پر مسلمانان اسپین سے ہمدردی رکھتے تھے اور ان کی حمایت و اعانت کے دل سے خواہشمند تھے۔ دوسری طرف اس کے لیے بھی طیار نہ تھا کہ ایک درز دراز ملک کے مسلمانوں کے لیے خواہ مخواہ جنگ و خونریزی کے خطرات میں مبتلا ہو، اور اپنے مصالح و فوائد کو نقصان پہنچائے۔ پس اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا، جس سے ایک طرف علماء و امراء سلطنت کو بھی شکایت کا مرقعہ نہیں ملا۔ دوسری طرف یورپ سے بھی اچھے تعلقات قائم ہو گئے۔ اس نے اسپینی سفیر کو پہلی مرتبہ بر سر دیوار بلوایا۔ اس مرقعہ پر تمام امراء و علماء سلطنت موجود تھے۔ جب اس نے اپنے پادشاہ کا سلام عرض کیا، تو سلطان نے نہایت غضب ناک لہجہ میں اس کا سلام قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا "میں ایسے پادشاہ کا سلام نہیں سن سکتا جس نے مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا ہے اور جس کی حکومت میں اس وقت تک مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ لیکن پھر دو دن بعد پوشیدہ محلہ میں بلا کر دوبارہ ملاقات کی" اور اس ملاقات میں نہ صرف پادشاہ اسپین کا سلام پوری بشاشت و مرحمت کے ساتھ قبول کر لیا، بلکہ اس کے جواب میں اپنی جانب سے بھی دوستانہ تعلقات کا پوری طرح یقین دلایا۔ اس کے بعد سفیر اور سلطان میں آدھ بی کئی پوشیدہ ملاقاتیں ہوئیں۔ بالآخر اس سفارت کا جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا۔ یعنی سلطان نے اسپین سے دوستانہ معاہدہ کر لیا، اور کچھ عرصہ کے بعد تمام یورپ سے بھی اسے اس معاہدات کی تجدید ہو گئی۔ مراکش کا وفد کئی سال تک قاہرہ میں پڑا رہا۔ آخر مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔"

اس بیان پر کسی اظہار رائے اور بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ جو معاہدہ اسپین اور سلطان غوری میں اس سفارت کے ذریعہ ہوا تھا، اور سفارت نے جو تحریر سرکاری طور پر سلطان کے سامنے پیش کی تھی، اس کا اصلی نسخہ اس وقت تک اسپین کے شاہی کتب خانہ واقع اسکوریال میں موجود ہے۔

سنہ ۱۹۱۳ء - میں ترک گھرانوں کی ایک اجلاس



سنہ ۱۹۰۸ء میں جب معمری انقلاب ہوا، تو تمام قسطنطنیہ میں ایک مسلمان عورت بھی ایچی نہیں تھی جسے قسطنطنیہ کی سڑکوں پر بغیر یشمک (ہلکے نقاب) کے نکلنے کی جرأت ہو۔ لیکن پانچ سال کے اندر ہی اندر یہ حالت ہو گئی کہ: فی صدی پچھتر نوجوان لڑکیاں ایچی تھیں جنہوں نے یشمک کی جگہ ایک ایسا بالائی لباس اختیار کر لیا تھا جو ان کے چہرہ کے کناروں کو ڈھانپ لیتا تھا، اور درمیانی حصہ بالکل کھلا رہتا تھا۔ چند سالوں تک یہ وضع نہایت مقبول رہی۔ بڑے بڑے باشاؤں کے گھرانے میں بھی اسی وضع کا لباس ڈزائننگ روم کی ملاقاتوں کے لیے پہنا جاتا تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۱۴ء میں جب عالمگیر جنگ

شروع ہوئی، تو بہت سی نوجوان ترک عورتیں اس پوشش سے اکتا چکی تھیں۔ ایک بڑی تعداد ایچی لڑکیوں کی موجود تھی جس نے اسے ترک کر دیا تھا۔ وہ اپنے سرورں کو ایک خاص طریقہ سے اچھی طرح ڈھانپ لیتیں، لیکن چہرہ تھمتی کے پاس پوشیدہ نہیں کیا جاتا۔ وہ پوری طرح کھلا رہتا تھا۔

”جہاں تک عام لباس کا تعلق ہے، ترکی کی شہری عورتیں“ خصوصاً دارالحکومت کی عورتیں ایک عرصہ سے یورپین لباس کے غالب اجزاء اختیار کر چکی تھیں۔ لیکن سنہ ۱۹۰۸ء تک ایسی عورتیں زیادہ نہ تھیں جنہوں نے کامل طور پر یورپین لباس اختیار کر لیا ہو۔ عموماً اس طرح کا لباس پہنا جاتا تھا، جو یورپین لباس ہونے پر بھی بعض مشرقی قسم کی خصوصیات رکھتا تھا۔ سنہ ۱۹۰۸ء کے انقلاب کے بعد یہ خصوصیات رخصت ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۹۱۳ء میں دارالحکومت کے تمام گھرانوں میں نئی نسل کی

لڑکیوں نے کامل فرانسیسی لباس اختیار کر لیا۔ ترکی زبان میں بھی لباس اور فیشن کے ترکی رسائل اسی طرح نکلنے لگے، جس طرح فرانس اور انگلستان میں نکلتے ہیں۔ دارالحکومت سے باہر بھی تمام بڑے بڑے شہروں میں کامل قسم کا یورپین لباس رائج ہو گیا۔ گذشتہ سال مجھے ایک درس نے جو عرصہ سے سمرنا میں مقیم ہے، بتلایا تھا کہ سمرنا کے ترک گھرانوں میں پیرس کے تازہ ترین فیشن سے ویسی ہی دلچسپی لی جاتی تھی، جیسی کہ یورپ کے کسی شہر میں لی جاسکتی ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پیرس کا جو فیشن ایک ہفتہ کے اندر لندن اور برلن کے درزیوں کے یہاں پہنچ جاتا تھا، اُسے سمرنا تک پہنچتے پہنچتے لگی ہفتہ لگ جاتے تھے!

”تاہم یہ ساری تبدیلیاں گھر کی چار دیواری کے اندر ہی ہوتی رہیں۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی ترک عورت گھر سے باہر بھی اسی لباس میں نکل سکے، جس لباس کے اندر وہ گھر میں اپنے درستوں کا استقبال کرتی تھی۔ باہر نکلنے کیلئے ایک خاص وضع کا بہت عریض فرغل استعمال کیا جاتا تھا۔“ جسے کمر کے پاس پٹتی سے کس لیا جاتا تھا، اور وہ ہمارے ملک کے پادریوں کے گاؤں کی پی ہیٹس پیدا کر لیتا تھا۔ فرغل پہن لینے کے بعد نہ صرف جسم ہی کامل طور پر چھپ جاتا تھا، بلکہ لباس کی تمام آرائش بھی پوشیدہ ہو جاتی تھی۔ امیر، غریب، جوان، ہر یا بزرگ، تعلیم یافتہ ہو یا غیر تعلیم یافتہ، لیکن گھر سے باہر ہر ترک عورت ایک ہی طرح کے لباس میں نظر آئیگی۔ سنہ ۱۹۱۲ء - میں جب نوجوان

نقطہ خیال رکھتا ہے اور اسی کے مطابق صورت حال کا نقشہ کھینچنا چاہتا ہے۔ مثلاً جب کبھی موجودہ عہد کا کوئی یورپین سیاح ترکی اور مصر کی سیر کریگا اور وہاں کی جدید معاشرتی تحریکات پر نظر ڈالیگا تو چونکہ پیشتر سے اس بارے میں ایک خاص نقطہ خیال قائم کر چکا ہے اس لیے تغیر و اصلاح کی ہر حرکت کو اسی سرشت میں دیکھینگا اور مجموعی حیثیت سے ایک ایسی تصویر طیار کر دیگا گویا ترکی اور مصر کی جدید جماعتوں نے یہ یک دفعہ ارادہ کر لیا ہے کہ مشرقیت اور اسلامیت کے تمام عقائد و افکار سے دست بردار ہو جائیں!

دوسری طرف بعض مسلمان اہل قلم ہیں جو ہندوستان کے قدامت پسند مسلمانوں کے افکار و جذبات کی رعایت کرنی چاہتے ہیں۔ اس لیے پسند نہیں کرتے کہ نئی تحریکات کی خد سے بڑھی ہوئی آزادانہ صورت ان کے سامنے عریاں ہو۔ وہ ہمیشہ ان تحریکات کے متعلق ایسی مبہم اور گول مول باتیں کہہ جاتے ہیں جن سے صورت حال مشتبه ہو جاتی ہے اور لوگ خیال کرنے لگتے ہیں کہ ترکی اور مصر کی جدید تحریکات کی نسبت جو کچھ کہا جاتا ہے صداقت سے یک قلم خالی ہے۔

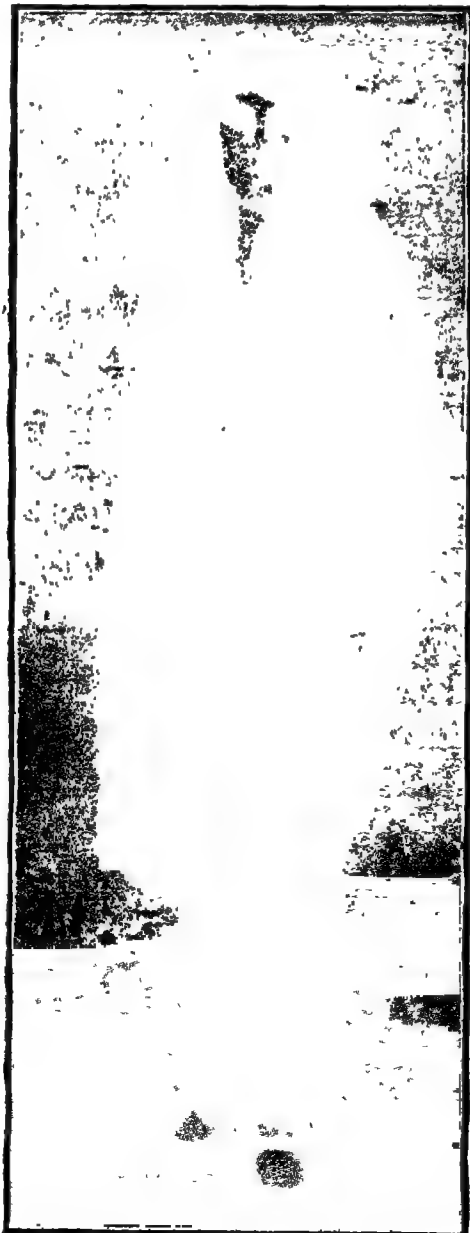
جدید ترکی نسبت کئی سال سے ایسا ہی ہو رہا ہے۔ ایک طرف وہ بیانات ہیں جو دنیا کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ جدید ترکی اپنے آپ کو مسلمان کہنے کے لیے بھی طیار نہیں۔ دوسری طرف وہ خوش عقیدہ مسلمان ہیں جو اردو اخباروں کے مضامین پڑھ کر خیال کرنے لگتے ہیں کہ ترکی کے نئی معاشرتی انقلاب کی نسبت جو کچھ کہا جاتا ہے محض یورپین نامہ نگاروں کا سیاسی ہریکندا ہے۔ حقیقت سے اسے کوئی لگاؤ نہیں۔

اس فرانسیسی مقالہ نگار کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اس نے اپنے تاثرات کو کافی حد تک اس طرح کی بے اعتدالیوں سے محفوظ رکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ بلاد اسلامیہ کی موجودہ انقلابی ذہنیت کا صحت نظر و تشخیص کے ساتھ مطالعہ کیا جائے۔

ہم اس مقالہ کا مختصر خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں تاکہ مسلمانان ہند جدید ترکی کے فکری تغیرات صحت سے ساتھ معلوم کر سکیں۔

مقالہ نگار لکھتا ہے:

”گذشتہ دس سال کے اندر ترکی کی معاشرتی زندگی میں جو انقلاب رونما ہوا ہے اسی کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں نو جوان ترک عورت کی نئی تاریخ حیات پر نظر ڈالنی چاہئے۔



جدید ترکی خواتین

سنہ ۱۹۱۲ - ۱۹۲۵ - تک!

مجلس کا اجلاس شروع ہوا۔ ممکن نہ تھا کہ کوئی عمارت اتنے بڑے اجتماع کی گنجائش رکھتی۔ اس لیے ایک کھلے میدان میں منعقد ہوا۔ اجتماع کئی گھنٹوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر گھنٹے کے وسط میں لینین کا ایک مجسمہ رکھا گیا تھا۔ لینین کا ایک بہت بڑا مجسمہ میدان کے دروازہ پر بھی نصب کیا گیا تھا۔ جو روس کے ایک بہت بڑے صنم نے سنہ ۱۹۲۴ میں بنایا تھا۔ یہ ایک بہت بڑے قطر کا کرہ ارضی ہے اور اس کے قطبی حصہ پر لینین کھڑا ہے۔ مجسمہ کی یہ صورت اس رمز کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کمپونزم کی دعوت تمام کرہ ارضی کی سرمایہ پرستی پر غالب آگئی ہے!

ہم نے صفحہ ۱۱ الہلال کے لیے دو مرقعوں کا انتخاب کیا ہے۔ پہلا مرقع اس موقع کا ہے جب سروریت کے اعلیٰ حکام جلوس میں شریک ہونے کی طیاری کر رہے ہیں۔ بالیں جانب سیاہ استر خانی تریبی اوڑھے ہوئے صدر سروریت کھڑا ہے جسے آج کل تمام یورپ ”کمپونزم کے زار“ سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ جدید کمپونست فرج کی زردی پہنے ہوئے سروریت ارکان حکومت ہیں۔ دوسرا مرقع جلوس کا ایک خاص حصہ ہے۔ اس میں زیادہ تر یورپ اور انگلستان کے نمائندے ہیں۔ اگر آپ بالیں جانب غور سے دیکھیں تو مسٹر سیکس والا کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔

ترکی کی نسوانی تحریکات

الہلال نمبر (۲۳) میں عنوان مندرجہ صدر سے ہم ایک فرانسیسی اہل قلم کے مقالات کا خلاصہ درج کر چکے ہیں۔ اب اس سلسلہ مقالات کی تیسری قسط بھی شائع ہوگئی ہے۔ اس میں زیادہ تر ترکی کی موجودہ نسوانی تحریکات اور ان کے مقاصد پر نظر ڈالی ہے۔

بلاد اسلامیہ کے جدید معاشرتی تغیرات کے متعلق وقتاً فوقتاً جو مضامین مشرق و مغرب کے اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں اکثر حالتوں میں صورت حال کی معتدل اور حقیقی نوعیت پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مضمون نگار کوئی خاص

تاریخ و عبر

قدیم ۸۵۸ء

تصویر کا دوسرا رخ

(۲)

تین واقعات میں تیسرا واقعہ

جلیا نوالہ باغ کا قتل عام

(۳) تیسرا واقعہ جلیا نوالہ باغ کا قتل عام ہے۔ جو عدد سے ڈرے ہوئے داعیوں کے طفیل عالم وجود میں آیا تھا۔ یہ حادثہ جانشانہ اپریل ۱۹۱۹ء میں واقع ہوا۔ ہندوستانی اسے اس وقت تک فراموش نہیں کر سکے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جرنیل ڈاکر کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا تھا۔ کیونکہ امرتسر میں (جو اکالی سکھوں کا مذہبی مقام ہے) فساد قابو سے باہر ہو چکا تھا۔ لوگوں نے کئی انگریز قتل کر دیے تھے۔ اور صیائی لڑکیوں کی قیامت گھاناہ جانے کی بھی کوشش کی تھی۔ جلیا نوالہ باغ میں جو ہجوم اکٹھا ہوا تھا، وہ امن پسند نہیں کہا جاسکتا۔ اگرچہ ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ جب ڈاکر موقع پر پہنچا، تو ایک شخص تعزیر کرنا تھا۔ ڈاکر نے آتے ہی سپاہیوں کو فائر کرنے کا حکم دے دیا، اور دس منٹ کے اندر سیکڑوں آدمی موت کے گھاٹے اُتار دیے گئے۔ قربان ایک ہزار آدمی زخمی بھی ہوئے تھے۔ لیکن ہندوستانی مقتولین اور مجروحین کی تعداد اس سے زیادہ بتاتے ہیں۔ حاجب سپاہیوں کے کاروں میں ختم ہو گئے تو قتل عام خود بخود بند ہو گیا۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ڈاکر نے مارشل لا کی تصدیقاتی کمیشن کے روبرو وجہ متنازعہ بھی پیش کی۔ اسے اپنے آپ کو سخت نقصان پہنچایا۔ کیونکہ وہ خود اس وقت کے جرنیل سزا دیکر لوگوں کے دلوں میں حق اور دہشت پیدا کر چکا تھا۔

چاہتا تھا! چمکا ڈھلکا دی جب سے لوگوں کو شام کے بعد گھر سے بچنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے اس شام کو کوئی شخص جلیا نوالہ باغ کے قتل عام سے بچ نہیں سکا۔ اس واقعہ کی جرات ذکر کیا، اور نہ ہی فوجی حکام نے اس کی طرف توجہ کی۔ میں اس وقت تلم ٹوٹا کہ واقعات از سر نو بیان کیے جاتے ہیں۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بجائے اگر اس واقعہ کو جس کے خلاف انہماک نہیں کرتے، انہیں اسے نہیں سمجھتے۔

سے دہی سلوک کیا جو غد کے ایام میں کیا تھا۔ انہوں نے علانیہ طور پر یہ بات ثابت کر دی کہ بعض تلوار کے زور سے ہندوستان کو غلام کھنا چاہتے ہیں۔ جب گورنٹ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ سخت گھبرا گئی۔ لیکن اسے بھی مصروفہ ڈاکر کی حرکات کی تائید ہی کرنی پڑی۔ اس حشمتانہ کامیابی پر ہاکام ہندوستان میں اتحادی ایک برقی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے ابھی اتفاق بالائے طاق ملکر ایک متحدہ تحریک گورنٹ کے خلاف جاری کر دی۔ اور قہقہے ہی عرصے میں اسے ایسی عظیم طاقت حاصل کر لی کہ تمام انگریز گھبرا گئے۔ انہوں نے گورنٹ آف انڈیا کو بڑے غصہ سے مشورہ دیا کہ یہ تحریک بالکل کچل ڈالی جائے۔ انہی دنوں میں انگریزوں نے جو ہندوستان میں ختم تھے، جرنیل ڈاکر کے واسطے ۱۰ ہزار پونڈ جمع کر کے بھیج دیا۔ کیونکہ اسے گورنٹ نے لازمت سے بطور کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں سے بعض آدمی ایسے بھی تھے۔ جو ضرور خیال کرتے ہو گئے کہ ان کی قوم نے ڈاکر کی تائید کر کے اپنی طاقت کا ثبوت دیا ہو۔ جب تک ہم ہندوستانی حالات کو غصے سے دل سے نہ سمجھیں گے۔ ہم فوراً ایک سچی بات پہنچیں گے جو بجا کر جینگے جس طرح کہ ہادی قوم کے ایک نمائندے ڈاکر نے امرتسر میں مشعل ہو کر قتل عام کر دیا!

قدیم کی انگریزی تاریخیں

میں جہاں پہلی، میری قوم نے اس وقت تک تاریخ کی کتابوں میں قدر کے یک طرفہ انسانوں کا اندراج کیوں جاری رکھا ہے؟ ان میں ہندوستانیوں کے خلاف اس قدر دھڑا گھبرا گئی کہ کوئی انگریز پرستار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتابیں محض اس غرض سے لکھی گئی تھیں کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف فخر و پیدائی جائے۔ انگریزوں نے محض جرنیلوں کی شجاعت و بہت کی اس پر توجہ نہیں کی کہ جو کہ مرنے کے لیے تھے۔ انہوں نے اس قدر نہیں سمجھا کہ

دہی کی تاریخ حیات جو ڈاکر نے لکھی، وہ کبھی دھڑا گھبرا گئی۔ گویا تعجب سے کہ اس میں کچھ نہیں سمجھا گیا۔ اس کی سبب یہ ہے کہ اس کی قوتوں نے اس کی حقیقی زندگی چھپا دی ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ اس کی حقیقی سیرت و کھال جاتی۔ اس میں شک نہیں، بھگت سنگھ ایک بہادر لڑکا تھا۔ وہ اپنی قوم کی خاطر بڑی بہادری سے لڑا۔ لیکن اسے دنیا کے عظیم سپہ سالاروں کے ذمہ میں شامل کرنا انصاف سے بعید ہے۔ جابج فارسطہ بھگت سنگھ کے متعلق اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ وہ ایک نڈر آدمی تھا۔ اور عام طور پر بڑبائی کیا کرتا تھا۔ اس کی بنا پر مسلمہ تھی۔ لیکن وہ نافرمان بھی تھا۔ اسے لارنس کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا تھا۔ کیونکہ یہی ان انسانوں کو جو بھگت سنگھ کے متعلق مشہور تھے، اُسے بنیاد قرار دیتا ہے۔ اسی طرح تواریخ میں نیل، ہیرو لاکا اور لارنس کے کارنامے نمایاں کیے متعلق بے شمار لغو کہانیاں سرخا نہروٹ و سنجیدی کے ساتھ مریج کر دی گئی ہیں!

نیل کی کارگذاری کے متعلق پتھر لکھتا ہے: "بنارس کے باشندوں میں یہ پتھر پیدا ہو گیا تھا کہ بھگت سنگھ بڑا باری کوٹنے والا ہے۔ عجب یہ ہوا کہ بہت سے باشندے اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر شہر سے بھاگ گئے۔"

فارسطہ بھی ہونٹ کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے: "نیل نے لوگوں پر ایسے مظالم برپائے تھے کہ اگر وہ زندہ رہتا، تو اس کی قوم بھی مزید اسے پس منظر کرتی۔ لیکن موت نے جلد ہی اس کے عیب و احباب لئے۔ میں نیل کو اس کے مظالم کی وجہ سے ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ظلم نہ کرتا تو لڑنے والی لڑکیوں کو بے گناہ بنا دیتا۔ اور آباد میں بھی اسے فخر و پیدائی دیتی۔ لیکن اس کی سلوک کی وجہ سے حالات بنالیا تھا۔ حالانکہ مجھے اس لڑکی کی وفاداری پر کچھ اعتماد تھا۔ نیل کی حالت یہ تھی کہ وہ کبھی پریمی اعتبار نہیں کرتا تھا، اور لوگوں سے بڑی بے رحمی سے پیش آتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی آئینہ منس اس شخص کو بے شمار خیر و مظالم سے بری الذمہ ثابت کرنے کی جرات نہ کر سکتا۔"

بھلائی رات بیانی

جنگ یورپ میں بھی ہمارے اخباروں نے یہ انویٹن شہر کو شہریتیں کہ جرنی کے سپاہیوں کو ان کے افسر ہمارے سیران میں بھیجے تھے۔ کیونکہ وہ ایسے ڈر لڑکے تھے کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کی جرات نہیں رکھتے تھے۔ لیکن یہ غلط بیانی جنگ کے واقعات سے جھوٹی ثابت کر دی۔ جرنی کی قومیں ایسی جانفشانی سے لڑیں کہ ان کے دشمن بھی عیش و عشرت کر گئے۔ اس جرنی کی جھوٹی خبروں کے پھیلاؤ سے بڑا یہ ہوتا ہے کہ دشمنوں کی تصحیک کی جائے، اور ان کے خلاف نفرت پیدا ہو جوش پیدا کر دیا جائے، اسی طرح غد کے دنوں میں بھی ان گھینہ فانی اس قدر جھوٹے افانے تھے جن میں سچ کر ڈالے۔ کہ انہوں نے اصلی واقعات پوشیدہ کر دیے!

بعض حقائق کا اعتراف

ہمارے غد کے مورخ بھی کہیں کہیں ہندوستانی کی فتوری ہوا تعزیر کرتے ہیں۔ مثلاً جھانسی کی رانی کے متعلق تعزیر سب متفق ہیں کہ وہ ایک عظیم شخصیت تھی۔ سرور پرست نہ تھے۔ رانی امر جھانسی شکست خاں تھی! ایسے جھوٹا تھا:

"وہ سب سے زیادہ بہادر رانک جرنی تھی اسے کوئی نہیں ایسے کارنامے دکھائے کہ انگریز بھی سچے سچے شہید ہو گئے۔" انگریزوں نے اسے زندہ پھانسی کی پست کوشش کی کہ انعام دے۔ کیونکہ اسے لڑائی کے لیے لایا گیا تھا۔ اس واقعہ سے سب سے زیادہ بے جا طور پر ہندوستانیوں کو شہید کیا گیا ہے۔

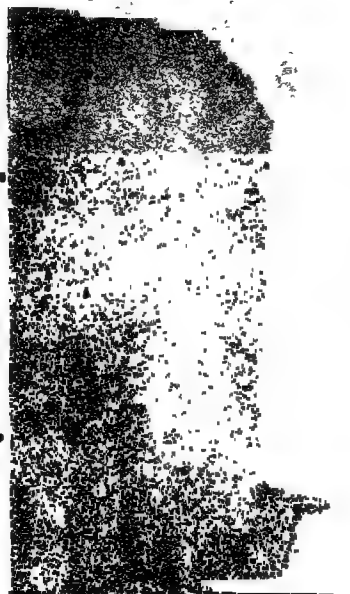
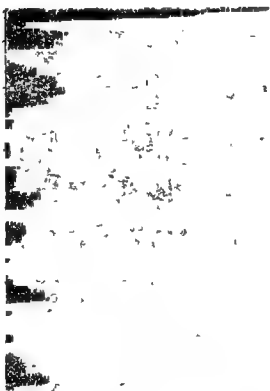
طرح آزاد ہو چکی ہے۔
اس میں ایک ایسا
محسوس تذبذب اور اضطراب
باقی تھا جس کے اندر
روح قدامت کی ایک
دھندلی سی تصویر نظر
آ جاتی تھی۔ لیکن سنہ
۱۹۱۷ء کی ترقی یافتہ
ترک عورت کامل معنوں
میں آزاد خیال ہے۔

اس کا تذبذب مت چکا
ہے۔ اس میں اضطراب فکر
کی جگہ عزم اور فیصلہ پیدا
ہو گیا ہے۔ وہ وقت کی روح
سے لبریز ہے اور صرف
مستقبل ہی کی طرف نگاہ
رکھتی ہے۔ بلا شبہ یہ
صورت حال اس وقت تک
صرف اونچے طبقہ ہی
میں محدود ہے۔ متوسط
طبقہ کی عورتیں عموماً
پچھلی حالت ہی میں
باقی ہیں۔ لیکن اگر ترکی
کی موجودہ حکمران جماعت
کو فوری زوال پیش نہ آگیا،

تو یہ بات یقینی ہے کہ بہت
جلد یہ روح تمام ترکی میں پھیل
جالیگی۔

اب نو جوان عورتیں وہ
پرانا فرغل بھی ترک کرتی جاتی
ہیں جو باہر نکلنے کیلئے انکی
لازمی پوشش تھی۔ اسکی جگہ
ایک ایسا لباس وضع کر لیا گیا
ہے جو گھر اور گھر سے باہر دونوں
حالتوں میں کام دے سکتا ہے۔
گزشتہ سال انگریزوں میں یہ دیکھکر
مجھے نہایت حیرت ہوئی تھی کہ
ارکان حکومت کی بیویاں بغیر فرغل
پہنے ہوئے باہر نکلتی تھیں اور
مجلس (پارلیمنٹ) کی گیلریوں
میں بیٹھی نظر آتی تھیں۔ بعد
کر مجھے بتلایا گیا کہ یہ طریقہ اب
روز بروز مقبول ہوتا جاتا ہے اور
عملی طبقہ کی کوئی ترک عورت
ایسی نہیں ہے جو قدیم فرغل
استعمال کرتی ہو۔

جنگ سے پہلے ایک زمانہ اسکول کی ترک لڑکیاں



خالدہ ادیب خانم

عہد حاضر کی مشہور اہل قلم جو آجکل امریکہ میں مقیم ہے

لڑکیوں نے یشمک کا استعمال
ترک کر دیا، اور غریب
عورتوں کی تعلیم یافتہ
لڑکیاں تار اور تھیلی فروش کے
مرکزوں میں کام کرنے لگیں۔
تو اس وقت بھی انہیں
اس بات کی جرأت نہیں
ہوئی تھی کہ یورپین
عورتوں کی طرح اپنے آراشی
لباس میں باہر نکلیں۔
ہر وقت مفد گھرانوں کی بے
شمار عورتیں ہیں جو پیرس
کے مشہور درزیوں کے یہاں
اپنے کپڑے سلواتی ہیں۔
اور اپنی بالوں کی آرایش
اور لباس کی دیکھ بھال
کیلئے بیش قرار تنخواہوں
پر فرانسیسی خادماٹیں
رکھتی ہیں، تاہم وہ بھی
جب گھر سے باہر نکلتی
ہیں، تو اپنا حسین اور
فیشنبل فرانسیسی لباس
سیاہ و عریض فرغل کے اندر
چھپا لیتی ہیں۔ یہ فرغل
اس وقت تک اپنے جسم
سے الگ نہیں ہوتا، جب تک
کہ وہ گھر کی چار دیواری کے اندر
واپس نہ آ جائیں۔

اسکے بعد مقالہ نگار نے ان
تغییرات کا ذکر کیا ہے جو جنگ
کے بعد جدید قومی تحریک کے
ساتھ ساتھ مظهر پذیر ہوئے اور
جو اب نہایت تیزی کے ساتھ
عام ہو رہے ہیں:

”ان تغیرات میں سب سے
زیادہ اہم چیز ترک عورتوں کی
معاشرتی ذہنیت ہے۔ یہ واقعہ
ہے کہ گزشتہ چند سالوں کے اندر
انہوں نے تغیر و انقلاب کی بہت
تیزی مسابقت کر لی ہے۔ سنہ
۱۹۱۴ء کی نو جوان ترک خاتون
اگرچہ اپنی آزاد خیالی اور ذہنی
استعداد کے لحاظ سے قدیم مشرقی
عورتوں سے بالکل مختلف قسم
کی ذہنیت رکھتی تھی، تاہم
اس میں موجودہ جمہوریت کی وہ بے
خوف روح نہیں پائی جاتی تھی
جو قدامت کے دائرہ اثر سے پوری

برید شرق

مکتوبات تانہ

(الامال کے مقالہ نگار قسیم مصطفیٰ نے لکھا ہے)

ناڈی مصطفیٰ لکال پاشا کا از سر نو انتخاب۔ سازشیں کو سزا۔ ٹرکی کی آبادی۔ ٹرکی اور امریکہ۔ ترکی تیزا۔

غازی کا از سر نو انتخاب

گذشتہ ہفتہ مجلس وطنی (پارلیمنٹ) کا از سر نو افتتاح ہو گیا غازی کمال پاشا، دوبارہ، صدر جمہوریت منتخب کئے گئے عصمت پاشا برسر وزیر اعظم رہے۔ مجلس وطنی کے سابق صدر، کاظم پاشا بھی نئے انتخاب میں کامیاب ہوئے۔

مجلس وطنی کے تمام ارکان نے ایک ایک کر کے، صدر مجلس کے سامنے حلف الہم نامہ کھائی:

”میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ کسی ایسے مقصد کے لئے کوشش نہیں کروں گا جو وطن کی سعادت، قوم کی سلامتی، اور اس کی بقا و ترقی کے خلاف ہو۔ نیز میں جمہوریت کے اصول سے برابر وفادار رہوں گا۔“

خلق فرقدہ سی نے جمہوریت کی صدارت کے لئے کوئی نام پیش نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے ارکان کو آزادی دیدی تھی کہ جس شخص کو پسند کریں، اسے منتخب کر لیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی غازی مصطفیٰ کمال پاشا ہی بالاتفاق صدر قرار دے دیئے گئے۔ تب صدر مجلس وطنی نے انھیں قسم کھانے کے لئے طلب کیا۔ انھوں نے ان لفظوں میں قسم کھائی:

”میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ صدر جمہوریت ہونے کی حیثیت سے جمہوریت کے قوانین اور قومی سیادت کے اصول کی حفاظت و مراعات کروں گا۔ میں اپنی پوری قوت سے اور پورے اخلاص سے ترکی قوم کی بھلائی کے لئے کوشش کروں گا۔ میں پوری شدت سے ہر اس خطے

میں جہاں میں ہیں۔ اس کے خلاف بھی کوشش کروں گا۔“

سرچارلس ایچسن نے لارنس کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ اسے اس کے تحت کا بھی جو لاجور کی ٹھنڈی ٹرک پر اساتذہ ہو، ذکر کیا ہے اس بت پر یہ حوت کندہ ہیں کیا تم ہماری حکومت تلوار کے زور سے قائم کر دے۔ یا قلم کے زور سے؟ ان الفاظ سے ہندوستانی قوم کو وہ رشتے دکھائے جاتے ہیں۔ یا تو وہ خوشی سے ہماری اطاعت قبول کرے یا تلوار کے زور سے حکم ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جمل قلم کے زور سے حکومت کی جلدی ہو۔ لیکن تلوار ہر وقت برسر ہوتی ہے۔

اس قسم کے کتبوں سے ہندوستانیوں کے دماغ میں غلطی آگئی ہے کہ ہندو قوم کی جلدی ہر وقت برسر ہوتی ہے۔ لیکن تلوار ہر وقت برسر ہوتی ہے۔

”کیا سیکور و فادار ہو؟“

میرا ایک دوست کسی پادری سے ٹیلیو کے متعلق بات چیت کر رہا تھا۔ اس کی ادبی شہرت کا بہت مقرب تھا۔ پادری نے بات کاٹ کر چھپا کر یہ وہ وفادار بھی ہو؟ اگر اس وقت سیکور پال بھی پرنس گورنمنٹ کی رعیت ہوتا تو غالباً یہ پادری اس کے متعلق بھی یہی سوال کرتا۔ البتہ مجھے یقین ہے، وہ اسٹریلیا یا کنیڈا کے کسی باشندے کے متعلق یہ سوال پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ جب تک سیکور کی ہندوستانی سیرت کے متعلق یہ رائے رہے گی، تب تک فریقین میں ہمیشہ غلط فہمی قائم رہے گی اور ان کی باہمی مخالفت روز بروز بڑھتی جائے گی۔

پنجاب کے فسادات میں سب سے زیادہ فیض نفع امرتسر میں ہوا تھا۔ وہاں ایک کوچہ کے باشندوں کو حکم دیا گیا کہ گھر سے باہر نہ نکلتے وقت یا گھر کی طرف جاتے وقت پیٹ کے بل رنگ کر چلیں۔ کیونکہ حکام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس کوچہ کے بعض باشندوں نے ایک بم پر حملہ کیا تھا۔ شہر پر ہوائی جہازوں کے ذریعے گولہ باری کرنا بھی اس سے کم خوفناک واقعہ نہیں ہے۔ ہندوستانی کہتے ہیں کہ اگر گولہ باری یا بم پڑنے میں شاد ہو جائے۔ تو بلاشبہ حکام حفظ عامہ کی خاطر مسندوں پر گر گئی چلانے سے دریغ نہیں کریں گے۔ لیکن وہ کسی حالت میں بھی یہ نہیں کر سکتے کہ اس شہر پر آسمان سے بے ب کے گولے پھینکیں۔ اس قسم کے مظالم صرف اس صورت میں زور رکھ سکتے ہیں جب قوموں کے درمیان جنگ چھڑ جائے۔

فحش نے ایک کتاب ”خدا کی کہانی“ میں مندرجہ ذیل سطور لکھی ہیں:

”ایٹالیائی دماغ کو سمجھنا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ کیونکہ کوئی آدمی اس کے اسرار نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن یہ مسلم امر ہے۔ کہ غدر کی یاد لوگوں کے دلوں میں ہر وقت تازہ رہتی ہے۔ مجھے ایک پادری نے بتایا کہ اس نے ایک دفعہ اسکول کے طالب علموں کو غدر پر جواب مضمون لکھنے کا حکم دیا تھا۔ مگر تمام لڑکوں نے خالی کاغذ پیش کر دیئے جس کو صاف ظاہر ہوا تھا۔ کہ وہ یہ واقعہ اس قدر محسوس کرتے تھے۔ کہ ہیں اپنے اندر خلیات سے آگاہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔“

بعض واقعہ کار انگریزوں کی رائے ہے۔ کہ غدر کی یاد دہشت گردی کے بعد معدوم ہو جائیں گی۔ لیکن میرے خیال میں جب تک ہماری کتابوں میں غدر کے افسانے روج رہیں گے، تب تک کوئی شخص بھی انھیں نہیں بھول سکتا۔ اس اسپرٹ کو زائل کرنے کے صرف دو طریق ہو سکتے ہیں۔ یا تو تمام اسکول اور کالج بند کر دیئے جائیں تاکہ آئندہ لٹریچر کو پچھلی صدی کے واقعات کے متعلق کچھ علم نہ ہو۔ یا پھر اس طرح کہ ان واقعات کو ان کی اصلی صورت میں لکھا جائے اور اپنی طرز تحریر یکدم تبدیل کر دیں۔

سادہ کار نے غدر کو آزادی کی جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس نے ایک مکمل تاریخ ہند لکھی ہے۔ لیکن گورنمنٹ نے اس کی اشاعت بند کر دی کیونکہ گورنمنٹ کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس میں غلا و اغتاحت کا جو کچھ ہے جس میں سے انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے! چونکہ ہم تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی ہم سے انتقام لینے کی خاطر ہمارے خلاف ہر قسم کی غلط فہمی پھیلانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ ہندوستانی اخبارات اور رسائل اسٹاکر دیکھیں ان میں ہلے غلا و کسرت ہندو ہندو آگلا جاتا ہے۔

خاتمہ سخن

میں نے یہ سب لکھا ہے کہ غلا و اغتاحت کا جو کچھ ہے جس میں سے انگریزوں کے خلاف نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے! چونکہ ہم تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی ہم سے انتقام لینے کی خاطر ہمارے خلاف ہر قسم کی غلط فہمی پھیلانے کی کوششیں کرتے ہیں۔ ہندوستانی اخبارات اور رسائل اسٹاکر دیکھیں ان میں ہلے غلا و کسرت ہندو ہندو آگلا جاتا ہے۔

کی مسامتہ کر دیں گا جو ترکی حکومت کو لاحق ہوگا۔ ترکی شرافت کی حفاظت، اس کی برتری اور اپنے فرائض ادا کرنے پر میں اپنی پوری زندگی وقف کر دوں گا۔“

جب غازی قسم کھا رہے تھے تو ان کے ہر جملہ پر تالیفوں کا ایک شعلہ بلند ہو جاتا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض سلیطنتوں کے سفیر بھی تالیفیں بجلنے میں شریک تھے۔

قسم کے بعد غازی نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

”یہ منصب، صدر جمہوریت کا منصب، حقیقت قوم کی پوری فضیلت، استقامت، اور مصورت کا مظہر اور نمائندہ ہے۔ اس حقیقت سے میرا قلب و ضمیر پوری طرح آخروں میں آئے تمام اہم فرائض ادا کرنا ذمہ داریوں سے کاٹا آگاہ ہوں جو صدارت کی اس کرسی پر مجھے عائد کر دی ہیں۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ اس عہدہ پر اعتماد کو بھی بچا ثابت کروں جس سے قوم نے مجھے سرفراز کیا ہے۔ یہ اعتماد اس امر پر ثبوت ہے کہ قوم ہماری خاکسارانہ کوششیں پسے اطمینان سے لے کر کرتی ہے۔ میری سلسل کوششیں یہ ہیں کہ قوم کی زیادہ سے زیادہ فوری حیثیتیں انجام دیتا رہوں۔“

اس کے بعد غازی نے کہا:

”یہ جمہوریت، جو خود مختاری، قومیت، اور فحش پر قائم ہوئی ہے اور جسے گزشتہ برسوں میں اپنی اصلاحات و انقلابات سے اپنی قوت قائم ثابت کر دی ہے، قوم کی امیدوں اور رزوں کے بالکل

اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔“

رویش دت نے تاریخ ہند میں کیا خوب لکھا ہے کہ غدر کے خدو غلا و اغتاحت اسکول کی کتابوں سے شادینا چاہئے۔ کیونکہ جب ہندوستانی طلبہ کو اسل جیسے ظالم انگریزوں کے کا زانے نہیں پڑے جاتے۔ تو پھر انہیں کا پور کے کمونیز کا افسانہ کیوں سنایا جائے؟ میں یقین کرتا ہوں کہ اس وقت ہماری قوم ماضی کو فراموش کر دینے کے لئے طیار ہو۔ اگر انگریزوں کی موجودہ سلسل کو یقین دلایا جائے کہ ان کے برگوں نے ہندوستانیوں پر کتنی ظلم و ستم ڈھائے تھے، تو وہ ان کی تلافی کے لئے یقیناً طیار ہو جائے۔

(مترجمہ چوہدری محمد علی صاحب کپلی ایڈیٹ کیا)

برادری سے علحدہ رہتے ہیں۔ میں جو انہیں ہندوستانیوں سے عارفی تعلقات پیدا کرنے پڑتے ہیں، اور اپنے ساتھ ایسے احباب اکٹھے کر لیتے ہیں۔ جو فسادات کے موقع پر بھی مدد کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں جب ہم ہندوستان آتے ہیں تو ہمارے اس کے باشندوں کے متعلق براہ راست تجربہ حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ ہمارے مصنفوں نے لکھ دیا ہو، وہی ہمارے دماغوں میں گونجتا رہتا ہو۔ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہم ہر ہندوستانی کو یا تو بھیک مانگنے والا یا خوش آمدی یا دغا باز سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ کم از کم اس ملک کے باشندے سے راہ درم پیدا کریں۔ تاکہ ان کے اصلی اخلاق و عادات سے واقف ہو سکیں۔

نجات کے فسادات میں ہندوستانیوں نے سب سے زیادہ بیات محسوس کی کہ انگریز عورتوں نے بھی ارشل لاک کے مظالم کی ٹری زور سے تائید کی تھی۔ حالانکہ یہ قدرتی امر جو کہ عورتیں دہشناک اٹھا سے نفرت کرتی ہیں۔ اور ان کے رفیق جنابات قتل و خوریزی کی سختیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میں ذیل میں ایک ہندوستانی عورت کا بیان جو اودوڈاؤر بنام سنکران نامہ کے مقدمہ میں دیا گیا تھا، درج کرتا ہوں۔ اس سے جلیاؤ لاکہ بلوغ کے حادثہ کی نوعیت ظاہر ہوگی:

”سوال :- تمہیں اپنے خاندان کے قتل کی کب اطلاع ملی؟

جواب: جب جلیلا نوالہ باغ میں گولی چلی۔ میں نے اپنے کپڑے کے باشندوں سے سنا کہ ہزاروں آدمی مارے گئے ہیں۔ مجھ سخت تشویش ہوئی۔ کیونکہ میرا خاندان بھی اسی جگہ گیا ہوا تھا، میں فی الفور باغ میں چلی گئی۔ اس وقت شام ہو چکی تھی۔ تمام جگہ لاشوں سے مٹی ہوئی تھی۔ میں نے ہر جگہ اپنے خاندان کی لاش تلاش کی۔ بالآخر اُس کی لاش کئی لاشوں کے نیچے سے برآمد ہوئی۔ زخمیوں کے دردناک نالوں اور قریب الموت انسانوں کی چخوں سے آسمان گونج رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی شخص میرے خاندان کی لاش اٹھا کر گھر تک پہنچا دے۔ لیکن کسی نے شام کے بعد باہر نکلنے کی جرأت نہ کی۔ کیونکہ حکام نے شام کے بعد باہر نکلنا ممنوع قرار دیا تھا۔ ناچار میں نے تمام رات اسی باغ میں اپنے خاندان کی لاش کے پاس جا گئے گذاردی۔ کیونکہ کتنے بڑی تعداد میں ادھر ادھر منہ لاسے تھے۔ اور مجھے ہر وقت انہیں چٹری سے جھگڑانے رہنا پڑتا تھا۔ رات کے اچھے مجھے ایک سکہ زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ میں نے اُس کی زخمی ٹانگ سیدھی کر دی۔ وہاں ایک بارہ برس کا بچہ بھی زخمی تھا جو تمام رات درد کی وجہ سے چیخ رہا تھا۔ ایک اور زخمی بھی پیاس کے مارے بللا رہا تھا۔ چونکہ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا اس واسطے میں لاچار تھی۔ میں تمام رات زخمیوں کے کراہنے کی آواز سنتی رہی۔ جب صبح ہوئی تو سُنو داس چالائی لے کر آباؤ میں اسے خاندان کی لاش گھر لے گئی۔

آخر کے حادثے سے پتہ لگتا ہے کہ غد کے تاثرات دوستوں تک بھی نہیں سبھٹ سکے۔ جب بیس کوئی شخص کہتا ہے کہ ہم سہذا کیوں کے ساتھ غلاموں کی طرح سلوک کر رہے ہیں۔ تو ہم بڑے زور سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے باہمی تعلقات کو غور سے دیکھا جائے۔ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کو غلاموں کے بہتر نہیں سمجھتے۔ جب ہمارے آپس میں کبھی ہندوستانی کے متعلق بات چیت ہوتی ہے، تو سب سے پہلے دریافت کرتے ہیں ”آیا وہ ذلّت اور رنگ حلال بھی ہے؟“ ہمیں اس بات کی مطلق پروا نہیں۔ اگر وہ ایک نہایت لائق مددگار مشعل سیاست والی ہے۔

علاوہ بریں وہ خود بھی خاصی تعداد میں ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ برطان
اس کے اضلاع کے حکام یا چائے کے کھیتوں کے مالکوں یا اور یوں
کی جماعت نے کبھی رخ دیکھا نہ کی۔ حالانکہ انھیں ہر وقت اسی جان
کا خطرہ ہوا چاہئے تھا۔ وہ ایسے مقامات پر تین تھو جہاں کسی قسم کی
بروقت ابداد کا ہمہ پہنچا اقدیر یا ناممکن تھا۔ حقیقت یہ ہو کہ مقدمہ
لوگوں کو اپنے اوپر دوسرے تھا۔ وہ پھاٹوں اور شہروں میں رہتے
سے بالکل الگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی طرز معاشرت بالکل
ہو۔ ہندوستانیوں سے انہیں کسی قسم کی بیگانگی یا بد روی نہیں ہو۔
وہ اپنے حلقہ آغاب میں ایسی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں
جس طرح ان کے بھائی ہندو سنگھ گھرانے میں کرتے ہیں۔ وہ اس ملک کے
واقعات بھی دیکھتے ہیں کہ انہارا راجہ میں رہنے کے علاوہ کچھ بھی

میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ ہماری بے رحمی بلا وجہ نہ تھی کیونکہ غصہ کے ابتدائی مرحلوں میں ہمیں اشتعل دلایا گیا تھا۔ باغی سپاہ نے قتل کی ابتدا کی تھی۔ جسے پہلے سرگٹھ کی ہندوستانی فوج کے ایک دستے نے اپنے افسروں کو قتل کر ڈالا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کی بے غرضی کو برا نہیں کر سکتے تھے۔ بعد ازاں ہائی میں انہی باغیوں کے ایما سے فوجیوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ اس کے بعد بغاوت کا اثر دور دور پھیل گیا اور ۱۲ انگریزی چھاؤنیاں اس سے متاثر ہو گئیں۔ اس وقت دونوں طرف سے باقاعدہ خورزی شروع ہوئی تھی اور جنگ کا میدان گرم ہو گیا تھا۔ جہاں اسی اور کانپور میں انگریزوں کو سخت بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ لیکن جب انگریزوں کی باری آئی تو انھوں نے تمام علاقے زبردست کر دیے۔ جہاں اسی اور کانپور کے حوالہ

برطانی ہندوستان میں مدرسہ جانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد (۱۹۲۵ء)

برما	آسام	بہار اور آسٹریہ	سی۔ پی	پنجاب	یو۔ پی	بنگلہ	بیبی	مداس	۱۰۰۰ لڑکیاں
۱۳۷۵۱۶	۱۸۲۱۲۱	۷۹۷۶۰	۲۲۶۲۵۹	۳۵۸۲۵۸	۹۲۱۸۶۲	۱۳۱۰۰۶۲	۷۳۲۰۰۸	۱۶۰۷۱۵۵	۱۶۰۷۱۵۵
۲۸۵۷۲	۱۱۹۲۸	۷۶۶۸۱	۱۹۱۱۶	۵۱۱۵۲	۴۷۴۶۰	۳۰۵۳۶۰	۱۱۵۵۱۸	۲۰۱۲۸۱	۲۰۱۲۸۱
۱۵۱۲۹۹	۳۰۳۷۱	۷۳۸۱۰	۷۰۲۵۷	۳۳۷۷۹۰	۱۱۰۱۱۳	۳۵۲۹۰۳	۱۷۷۲۰۰	۱۵۰۸۲۹	۱۵۰۸۲۹
۲۲۵۷۵	۳۷۱۷	۳۸۴۷	۴۷۹۵	۱۵۲۱۶	۲۰۶۷۷	۱۵۶۱۶	۱۱۳۶۷	۱۷۱۹۶	۱۷۱۹۶

برطانی ہندوستان میں تعلیم کا ہیں ۱۹۲۳ء میں

کالج	خاص نمبر	قانون	ڈاکٹری	انجینری	ٹرننگ	زراعتی	بیٹری	تجارتی	جنگل کی تعلیم	ہائی اسکول	انگریزی اسکول	سی۔ پی اسکول	ایندلی مدراس	مجموعی
آرٹس اور سائنس ۲۱۱	۷۷۰۳	۱۳	۸	۷	۲۱	۵	۳	۱۲	۲	۲۶۰۳	۳۲۲۰	۲۲۹۷	۱۷۵۵۹۶	۰۰۰۰
مردانہ	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۲۷۰	۲۹۶۸	۲۸۵۳	۱۵۰۹۱۹	۰۰۰۰۰
زنانہ	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۳۳	۲۵۲	۲۳۶	۲۲۶۷۷	۰۰۰۰
مداس	۳۰	۲۸۱	۲	۱	۵	۱	۱	۱	۱	۳۸۰	۲۵۰	۰۰۰	۲۳۳۱۱	۶۲۷
بیبی	۱۲	۲۲۲	۲	۱	۱	۱	۰۰۰	۱	۰۰۰	۲۱۳	۲۶۵	۰۰۰	۱۲۸۹۲	۷۲۶
بنگلہ	۳۰	۲۶۸۲	۳	۳	۶	۰۰۰	۱	۵	۰۰۰	۹۰۶	۱۵۷۵	۱۱۶	۵۰۴۵۰	۹۲۵
یو۔ پی	۸	۲۵۱	۰۰۰	۱	۳	۱	۰۰۰	۸	۱	۱۹۰	۱۱۲	۶۸۵	۱۸۷۹۲	۶۲۳
بہار، آسٹریہ	۶	۲۵۲	۱	۰۰۰	۲	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۱۲۷	۲۸۷	۲۱۹	۲۹۳۵۷	۵۲۲
پنجاب	۱۱	۲۳۳۵	۱	۱	۳	۱	۱	۱	۰۰۰	۰۲۷۳	۲۱۱	۱۲۷۲	۶۵۹۱	۴۶۸
سی۔ پی	۵	۵۰	۱	۰۰۰	۱	۱	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۵۰	۱۶۳	۳۵۰	۲۲۹۵	۴۷۲
آسام	۳	۱۲۰	۱	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۴۷	۱۵۲	۱۵۳	۲۸۹۷	۵۲۵
برما	۰۰۰	۵۳۵	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۱۳۳	۰۰۰	۱۲۳۲	۲۱۶۸	۲۳۲۲۰

برطانی ہندوستان میں تعلیم کا ہوئی آمدنی ۱۹۲۳ء میں

صوبے	سرکاری امداد	پورٹ فنانس	میونسپل فنڈ	فیس	ڈیوڈنڈ	مجموعی رقم
مداس	۱۷۱۳۸۵۴۸	۳۳۰۹۷۳۳	۱۲۲۳۶۶۱	۸۳۳۲۹۹۱	۸۸۳۳۱۱۸	۲۹۰۲۸۶۵۲
بیبی	۱۸۳۷۱۶۵	۱۲۳۸۰۶۳	۳۹۱۸۷۱۲	۶۰۱۳۹۶۶	۲۲۵۷۸۵۲	۳۳۹۸۵۷۶۳
بنگلہ	۱۳۳۸۲۹۶۲	۱۵۲۵۸۰۵	۳۰۵۹۸۸	۱۳۶۳۹۱۲۶	۵۷۷۷۰۵۸	۲۵۶۲۵۹۳۹
یو۔ پی	۱۷۲۲۸۴۹۰	۲۷۱۶۳۲۰	۹۸۶۲۱۵	۲۲۱۳۳۵۳	۵۲۲۰۲۲۰	۳۰۲۸۵۵۹۶
پنجاب	۵۸۳۳۳۶۳	۲۲۲۵۷۰۰۰	۹۲۶۱۰۵	۵۲۸۷۴۳۳	۲۱۲۱۵۹۲	۲۳۳۰۵۲۶۶
برما	۶۸۳۸۰۱۱	۱۵۱۲۵۳۱	۶۰۶۸۰۲	۲۹۲۰۱۲۵	۲۶۷۳۵۸۵	۱۳۵۵۱۰۵۳
سی۔ پی	۵۰۰۶۱۶۳	۱۲۹۸۰۵۹	۶۷۳۰۳۶	۱۱۰۸۸۳۶	۷۵۳۳۵۰	۹۰۴۰۴۳۳
بہار اور آسٹریہ	۲۹۹۱۵۲۰	۳۲۵۲۸۷۵	۲۳۳۸۷۰	۲۹۸۸۲۷۸	۲۳۱۳۳۲۷	۱۳۳۹۹۰۰۰
آسام	۲۳۶۳۳۶۶	۲۳۳۶۶۶۲	۲۱۲۸۷	۶۳۹۰۲۳	۲۲۸۸۲۵	۲۸۱۶۲۳۳
میزان کل	۹۹۸۰۱۵۹۳	۱۸۰۵۷۶۳۰	۹۲۶۸۴۵۶	۳۶۸۶۲۱۸۲	۳۷۵۷۴۴۷	۲۰۸۷۴۸۲۱۹

تحریری مقالہ - انجمن اتحاد (جامعہ محمد اسلامیہ) نے طے کیا کہ اس سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جس میں بہترین مضمون نویس کی جانب سے عبدالمجید صاحب انصاری۔ ایم۔ اے، ویل ویل۔ بی، کوئل بارہ بنگالی کی جانب سے آئی کے محرم دوست علیک کرشنہ۔ انشاپور اور جناب لایٹ علی صاحب بیٹوں کی یادگار میں ایک ۵۰ روپیہ کا طلائی تمغہ دیا جائے۔ عنوان جنہاں ہو، موضوع نام کے بعد مسلمانان ہند کی تعلیمی جدوجہد اور اس کے نتائج ۵ شرائط۔ (۱) مضمون تقریباً ۵ صفحات پر مشتمل ہو۔ (۲) مضمون اسباق ۱۹۲۵ء تک ناظم انجمن اتحاد جامعہ محمد اسلامیہ قبول بلوغہ کی پتہ سے آجایا جائے۔ (۳) طلباء اور دیگر تمام حضرات اس حصے سے تھے۔ سندرج ذیل حضرات سے درخواست کی گئی کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں، مولوی عبدالحق صاحب، بی۔ ایس۔ ناظم انجمن ترقی اوروں، اندنگ آباد، دکن۔ مولانا عبدالمجید صاحب، بی۔ اے، میر پور۔ لکھنؤ۔ ڈاکٹر فاکر حسین خاں صاحب، بی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (پرنس)، شیخ الجامعہ۔ مضمون کی ہریت کا خاکہ رکھتے ہوئے امید ہو کہ ملک کے اکثر اشرافیہ اور طلباء اس طرح توہ فرمائیں گے۔

ہندوستان اور مجسمہ عالم

تمام دنیا میں خبر افیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۶)

دنیائے بھر میں کوئی کی پیداوار سالانہ میں	مجموعی پیداوار: ۱۱۹۸۵۳۵۰۰۰ ٹن
لک	بھاپ ٹن
۲۴۴۹۳۳۰۰۰	بھاپ ٹن
۱۹۰۱۹۸۹	ہندوستان
۱۱۸۸۹۹۰۰۰	چینی
۴۴۰۱۰۰۰۰	فرانس
۵۰۵۸۴۷۰۰۰	دلیات متحدہ امریکہ
دنیائے بھر میں پٹرول کی پیداوار سالانہ میں	مجموعی مقدار: ۱۳۶۶۴۳۵۰۰ میٹرک ٹن
لک	وزن بھاپ میٹرک ٹن
۹۹۹۲۲۰۰۰	دلیات متحدہ امریکہ
۲۱۶۲۲۰۰۰	میکسیکو
۶۶۵۳۳۳۰	روس
۴۶۰۳۲۰۰	ایران
۱۸۱۴۰۰	رومانیہ
۱۱۵۴۰۰۰	ہندوستان
۵۹۰۰۰	فرانس
۴۵۴۰۰	جرمنی
۲۲۳۰۰	کینیڈا
۲۲۰۱۰۰	جاپان
دنیائے بھر میں ٹیکسٹائل کی پیداوار (۱۹۲۳ء)	
لک	مردنی صدی
۱۱۵	۹۳
۱۵	۹۳
۱۰۰	۱۰۰
۵۱۲	۱۰۰
۹۶	۹۸
۶۱	۶۵
۹۴	۹۶

کاشین		
ہندوستان کی معدنی دولت (۱۹۲۳ء کے اعداد شمار)		
معدنیات	مقدار	قیمت
نک	۱۴۹۲۸۰۶ ٹن	۱۰۵۴۴۴۴۴ روپے
گولڈ	۱۵۴۳۰۵۲۴	۵۵۵۴۴۴۴۴
سونا	۵۸۵۰۵۲	۲۲۴۵۳۰۰۰
ٹریول	۲۶۱۳۹۶۰۰۰	۱۵۰۱۲۰۰۰ گیلن
تھلی	۱۳۸۰۰	۱۸۳۰۰۰ ٹن
کاشا	۲۰۹۱	۱۳۳۰۰۰
لوا	۴۳۳۴۵۰	۵۹۸۰۰۰
سیا	۱۱۹۲۸	۳۶۳۶۰۰۰
مٹھائیں	۶۴۴۶۰۰	۱۵۴۵۵۰۰۰
ایرک	۳۸۵۰۰	۱۳۲۰۴۰۰ ہسٹوٹ
یاوتھ زئیر	۲۵۴۰۰۰	۴۸۸۰۰۰
شوری	۲۴۳۰۰۰	۵۴۰۴۰۰۰
چاندی	۶۰۳۰۰۰	۱۰۸۹۰۰۰
تین	۶۳۰۰	۲۸۵۰۰۰ ہسٹوٹ
دنیا بھر میں سونے کی پیداوار		
مجموعی مقدار سالانہ میں: ۳۶۶۲۶۰ کلو		
لک	وزن بحساب کلو	
ٹرینوال	۲۸۳۰۶۸	
رہوڈیسیا	۲۰۱۲۳	
برطانی مشرقی افریقہ	۶۵۳۲	
اسٹریلیا	۲۴۱۰۵	
ہندوستان	۱۱۸۳۲	
کینیڈا	۳۶۵۴۸	
دلیات متحدہ امریکہ	۴۴۲۹۲	
میکسیکو	۲۴۲۶۱	

ملاں ہو۔ ہماری حکومت کا آئندہ سالوں میں بھی یہی مسلک ہوگا کہ ہماری جمہوریت کی عزت، قوت، استقامت میں اضافہ ہونے کی قوم کی تمام قوتیں، خود اس کی ترقی اور خوشحالی میں فوج ہوں۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ یہی ہے کہ جمہوریت کی زندگی اور قوت بڑھتی جائے، ہر داخلی و خارجی خطرے سے قوم کے مفاد کی حفاظت کی جائے، سب سے بڑی ہماری دوستی ہے۔ امن و امان کی کوششیں ہم ہر طرح کی امداد حاصل کرتے رہیں گے۔ ہم چاہتے ہیں ہمارا قوم، امن و سلامتی کے ساتھ ترقی کرے۔

غازی کے انتخاب کے بعد ملک بھر میں سرحد کے مظاہرے بڑھ گئے اور ہر جگہ ۲۱-۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ پھر غازی نے قوم کے نام خط لکھ کر اعلان کیا: "غیر ملکی وطن جمہوریت نے ترقی قوم کو خوشحالی اور بہتر بنانے کی کوششوں میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہے، اس کی نظر امداد کی تاریخ میں بھی ہر جگہ نہیں۔ قوم کی آرزوئیں، ضرورتیں، اس کی حقارتی وسعت کے اسباب کی تحقیق و بحث کے بعد جن نتائج پر جمہوریت پہنچی ہے، وہ قوم کے لئے ایک نہایت درخشاں مستقبل کی خوشخبری ہے۔" لہذا ہم جس جمہوریت کے زیر سایہ بہت جلد آنے والا ہے۔ یہ بالکل یقینی ہے کہ جمہوریت کی آئندہ سلیس، ہم سے کہیں زیادہ خوشحال اور خوش نصیب ہو جائے گی۔

"غیر ملکی وطن! میرا اس دور جدید میں سب سے بڑا فرض ہے ہر گاہ کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون اور زیادہ عام کردہ۔ قومی وحدت کو برقرار رکھنا۔ جمہوریت کی عزت بڑھانے۔ ہمارے لئے عمل کی بنیادی اصل یہ ہے کہ ہم مجلس وطن کے قوانین کی تعمیل ہی میں ہر طرح کی بہتری نصیب کرتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ جمہوریت، جو اس ملک کا ایک باشندہ ہونے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، اپنے منصب کے جو عظیم اختیارات پورے غم و خرم کے ساتھ قوم کی بہتری اور مجلس وطن کے قوانین کی تعمیل میں صرف کرے گا۔"

غازی کے اس آخری جملہ کو سب اہمیت دی جا رہی ہے۔ کیونکہ اس اعلان سے انہوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ ترقی قوم کے ذریعہ پیش نہیں ہیں، جیسا کہ یورپ میں خیال کیا جاتا ہے، بلکہ وہ سراسر مجلس وطن کے قوانین کے پابند اور ان کی تعمیل کرنے والے ہیں۔ حالانکہ ڈیکلیریشن کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کسی بھی قانون کی پابندی نہیں کرتی۔ اس کی زبان، یہی اس کی نظر میں قانون ہوتی ہے۔

نیز اپنی اس تقریر سے غازی نے ان تمام لوگوں کو بھی جواب دیا ہے جو موجودہ جمہوریت کو ملک کا ایک بڑا بگڑا ہوا ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ تمام سوانح صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ مصطفیٰ کو مل شاہ ترقی قوم کے بادشاہ بننے والے ہیں۔ اب اس تقریر کے بعد کسی یہ خیال کرنے کی جرات باقی نہیں رہے گی۔

سازشوں کو نرا اپنے ایک پچھلے مکتوب میں اس سائنس کا ذکر کر چکا ہوں جو انہیں نہیں پتا کہ گزشتہ ترقی مجرموں نے غازی مصطفیٰ کو مل شاہ کے قتل کے لئے کی تھی۔ یہ لوگ، حاجی سائی بک کی زیر قیادت، یونان سے ترقی انہیں لے آئے تھے کہ غازی جب استاد سے آنکھوے واپس جائیں تو ان کی گاڑی، ڈاکٹر میٹھ سے آڑ میں پھر سابق خلیفہ عبدالحمید کے نام پر آنکھوے کی حکومت پر قبضہ کر لیں۔

لیکن ان کی سازش، بروقت لکھی گئی۔ پولیس ہر ایک محرک میں حاجی سائی کو لایا گیا۔ اس کے رفتار قبضہ ہو گئے۔ عدالت نے تحقیقات کے بعد انہیں پھانسی کی سزا سنائی۔ حکم سنایا۔ محترم اس کا اجراء ہوا۔

سابق حالت جنگ پرستور قائم تھی۔ لیکن اب یہ یقین کر لینے کے بعد کہ ترک ان سیاسی جالوں میں سے فریب کھانے والے نہیں ہیں، امریکہ نے از سر نو دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس نے مشرقی ترک کو اپنا سفیر بنا کر آنکھوے بھیجا ہے۔ ترکی نے بھی امریکہ کی دوستی طلبی کا جبر مقدم کیا ہے اور محترم ترک کو سفیر مقرر کر کے واشنگٹن روانہ کر رہا ہے۔

ترکی کی آبادی ترکی کی پہلی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار اب شائع ہو گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ آبادی، ۱۱۳۶۰۰۰۰ سے بھی زیادہ ہے۔ یقیناً یہ اعداد، ترکی کے تمام دوستوں کے لئے موجب مسرت و اطمینان ہیں کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کچلی مسلسل اور طویل جنگوں کے بعد ترکی کی آبادی صرف ۸۰ لاکھ نہ گئی ہو۔

ترکی کا جدید پیمانہ: ۲۰۶۶۶۶۱۱۹ پونڈ (ترکی) ہے۔ پچھلا پیمانہ: ۱۱۹۸۵۳۵۰۰۰ ٹن (۱۹۲۳ء) تھا۔

اس پر سب سے اہمیت سے ملاقات کی اور دیر تک بحث کرتے رہے۔ آخری سوال یہ کیا۔ اگر ظالم قوت اس حرکت کا فوراً سرکھن دالے گی تو پھر کیا ہوگا؟ ہم نے فوراً جواب دیا۔ تم چلے جاؤ گے تو ہم تمہاری جگہ کھڑے ہو جائیں گے۔

ہمارے جواب پر شخص مذکور مطمئن ہو گیا۔ اسے یقین آ گیا کہ ہم اپنے ارادے میں پختہ ہیں۔ تب اس نے ہمیں بتا کر تمہاری یہ تجویز نہیں ہے۔ اور بھی بہت سے لوگوں نے یہی تجویز پیش کی ہو، اور سعد باشا سے گفتگو جاری ہے۔

۱۸ نومبر ۱۹۱۸ء کو ہمیں ایک ذریعہ سے معلوم ہوا کہ انگریزی ہائی کمنڈر کو خبر پہنچی تھی کہ سعد باشا کے کھڑے چلے ہوئے ہیں اور وہ فوراً کوئی کارروائی کرنے والا ہے۔ ہم نے فوراً اپنی جماعت کو اکٹھا کر دیا۔ سب نے طے کیا کہ کل ہی ہائی کمنڈر کے سامنے علانیہ اپنا مطالبہ پیش کر دیں۔ یہ الزامبر کا دن تھا، اور انہوں نے جنگ کا معاہدہ اسی دن منعقد ہوا تھا، لہذا اسی دن مصر کے مطالبات پیش کرنے کے لئے نہایت موزوں بھی تھا۔

ہائی کمنڈر نے اس دن ملاقات سے انکار کر دیا اور ۱۳ نومبر ۱۹۱۸ء کی تاریخ مقرر کی۔ چنانچہ سعد باشا، علی شہزادہ باشا، اور عبدالغیر فہمی، ایک، انگریزی مستقر میں پہنچے۔ ہائی کمنڈر کو مطلق خیرہ تھی، یہ لوگ کیا کہنے والے ہیں۔ اسے خیال کیا تھا یہ چاہیں اس لئے آئے ہیں کہ فاتح برطانیہ کے حضور مبارکباد کا خاکہ راز تحفہ پیش کر سکیں۔ مگر وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ یہ لوگ مصر کی قابل خود مختاری کا دعویٰ لیکر آئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ انھیں یورپ جانے کی اجازت دی جائے تاکہ اپنے حق کے لئے کوشش کریں۔ ہائی کمنڈر بہت چین چہن ہوا، اور یہ کہہ کر انھیں رخصت کر دیا کہ اپنی حکومت سے گفتگو شنید کر کے جواب دوں گا۔

مصری وفد کی تشکیل

چند دن بعد ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ہائی کمنڈر وہ حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے جسے انھیں اس مطالبہ کا حق سمجھنا ہے۔ جواب دیا گیا کہ سعد باشا، مجلس تشریح کے سرکاری ہیں، اور ان کے باقی دونوں فن اس مجلس کے رکن ہیں۔ تینوں قوم کے متحہ نمائندہ ہیں، انھیں ملک کی طرف سے ہونے کا پورا اہتمام ہے۔

لیکن سعد باشا نے مناسب سمجھا کہ اس حقیقت کے ساتھ خاص اس مطالبہ میں بھی قوم کی طرف سے نمائندگی کا صحیح حق حاصل کر لیں چنانچہ ساتھ آدھوں کا ایک وفد عرب کیا گیا، اور قوم کے نام اعلان شائع کیا کہ اس وفد کو آزادی کی جدوجہد میں اپنا نمائندہ قرار دے۔ قوم نے اس عورت پر اتنی گرم جوشی سے لبیک کہا، کہ انگریز حکام خوف زدہ ہو گئے، اور باشندوں کو نمائندگی کے کاغذ پر دستخط کرنے سے جبراً روک دیا۔

انگریز حکام کی اس خلاف قانون حرکت پر سعد باشا نے وزیر اعظم حسین رشتی باشا کے سامنے صدارت کے احتجاج لمبائی۔ وزیر اعظم نے ۲۵ نومبر ۱۹۱۸ء کو جواب دیا کہ وزارت داخلہ کے انگریز شہر نے یہ کارروائی کی جو درجہ یہ بتائی ہو کہ بے امنی پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ لیکن یہ ظالمانہ حرکت کچھ مفید نہ ہوئی۔ بعد ازاں خیر ہی گیا۔ قوم کی نمائندگی

وفد کی تشکیل کے بعد سعد باشا نے وفد کے نام سے ازبھر مطالبہ کیا کہ اسے سفر یورپ کی اجازت دیجائے۔ اس پر ہائی کمنڈر نے یک دم دھڑکھاکہ وہ مصر کے نظام حکومت کے متعلق تمام تجویزوں کا دیر غور کرنے کے لئے طیارہ ہے، بشرطیکہ یہ تجویزیں اس ملک کے خلاف نہ ہوں جو برطانی حکومت، مصر کے لئے پہلے سے متعین کر چکی ہو!

نور دھرم کو سعد باشا نے جواب دیا۔ "اس کا مجھے اختیار ہے، نہ دند کے کسی کن کو، کہ ایسے حالات پر گفت و شنید کریں جو قومی مطالبہ کے خلاف ہیں۔ قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہے۔ ہم اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔"

سعد باشا کا ایک خطبہ اس جواب پر ہائی کمنڈر نے خاموشی اختیار کر لی اور وفد نے اپنی جدوجہد شروع کر دی۔ ۱۳ جنوری ۱۹۱۹ء کو سعد باشا نے عبدالاسل باشا کے مکان میں تقرر کرتے ہوئے اعلان کیا:

"خود مختاری کا خیال، مصر میں کوئی نیا خیال نہیں ہے۔ یہ جذبات کے دل میں قدیم زمانے سے موجود ہے۔ جب جب حالات مساعد ہوئے، اس جذبہ نے ظاہر کیا، اور جب جب ظلم و قهر نے تسلط پایا، یہ جذبہ دب گیا۔ مگر وہ کبھی مر نہیں۔ موجودہ وقت اس جذبہ کے پورا ہونے کے لئے بہترین وقت ہے، کیونکہ ترکی ریاست، ختم ہو چکی ہے۔ پس انگریز ریاست کا بھی اب خاتمہ ہو جانا چاہئے۔ یہی وقت ہے جس میں لاؤسٹری کی یہ آندہ فوجی ہو سکتی ہے کہ ہم اس کے ہوا اور کوئی آندہ نہیں لکھو کہ مصر سے غرت کے ساتھ واپس چلے آئیں!"

"یہ انگریزی جنگی قبضہ جو سراسر اسفند تھا، حمایت و پرمیٹ کی صورت میں بدل دیا گیا۔ یہ تبدیلی، برطانیہ نے صرف اپنی لئے کرنا مصر سے استعراج نہیں کیا گیا۔ لہذا سابق قبضہ کی طرح یہ حمایت بھی لغو و باطل ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے دوبرہ اس کی کوئی وقت نہیں۔ وہ جدید اصول و مبادی جو اس جنگ کے بعد پیدا ہو گئے ہیں ان کی نظر میں یہ حمایت بالکل بے معنی ہے۔ ہم انسانی قانون کی نظر میں ہر اجنبی تسلط و اقتدار سے آزاد ہیں۔ ہم کسی اجنبی کی قانونی آغا میں نہیں ہیں۔ ہیں اب جس چیز کی ضرورت ہے، وہ صرف یہ ہے کہ مصر کا نفرنس بھی ہماری قانونی آزادی اور خود مختاری تسلیم کرے۔ اس کے بعد ہم علما اپنے حق آزادی سے متعہ ہونے لگیں گے۔ اسی بلند مقصد کے لئے، جو تمام مصریوں کی دلی آرزو میں اپنے افسوسگاہ، میں نے اور میرے رفقاء نے "مصری وفد" مرتب کیا ہے تاکہ مصر کی خود مختاری کا دنیا سے اعلان کر آئیں۔ اسی مقصد کے لئے قوم نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا ہے!"

یہ خطبہ، مصر کی جدید تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، کیونکہ جنگ کے بعد سے کسی کو صحت مندانہ ہونے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ سعد باشا نے انگریزی رعب کا باطل ظلم توڑ ڈالا، اور تمام مصری پوری جرأت کے ساتھ بولنے لگے۔

سعد باشا کی ایک اور تقریر

۱۸ فروری ۱۹۱۹ء کو سعد باشا نے ایک اور بڑا وگاہ تقریر کی مشرقیوں نے جدید فوجی تدابیر پر ایک خطبہ سنایا تھا۔ اس جلسہ میں وزیر عدالت اور بہت سے ارکان حکومت موجود تھے۔ خطبہ کے بعد سعد زغلول باشا کھڑے ہو گئے اور اپنی تقریر کے دوران میں کہا:

"برطانیہ نے ہم پر حمایت اپنی لئے اور ازلے سے قائم کر دی ہے۔ مصر سے کہو، اسے نہیں لی گئی۔ لہذا یہ حمایت سراسر باطل ہے اور قانوناً اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ایک جنگی ضرورت بتائی گئی تھی۔ اب چونکہ جنگ ختم ہو گئی ہے، اس لئے اس کی تمام ضرورتوں کے ساتھ یہ ضرورت بھی ختم ہو گئی۔ تاہم جو کہ جنگ کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی یہ صورت حال گوارا کی جائے"

سعد باشا کو تنبیہ

اس تقریر نے ملک میں سخت جوش پیدا کر دیا، اور طرف سے آزادی کا اعلان ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر واپس مصر کے انگریزی سپہ سالار نے دیکر کہ اب تک مارشل لا ملک میں جاری تھا سعد باشا اور ان کے

رفقاء کو طلب کر کے تنبیہ کی کہ "تم انگریزی حمایت کو اپنی گفتگو کا منہ باندھو۔ وہ سخت جنگی مزاد دی جائے گی!" سعد باشا نے جواب دیا چاہا، مگر تنبیہ سالانہ فوراً یہ کہہ کر ان کا منہ بند کر دیا۔ "بس خاموش! سعد باشا چلے آئے اور اس ناخوش برتاؤ پر بڑی سختی سے احتجاج کیا۔"

سعد باشا کی جلاوطنی

اس واقعہ کے دہری دن بعد انگریز سپہ سالار نے سعد باشا، احمد باسل باشا، اور اسماعیل صدیقی باشا کو گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیا۔ اس واقعہ نے تمام ملک میں سخت غیظ و غضب پیدا کر دیا۔ ہر طرف شوہش برپا ہو گئی۔ بہت سے فدائیوں نے اپنی جانیں تک قربان کر ڈالیں۔ انگریزی فوج نے دیکھ لیا کہ وہ اب قوم کو مرعوب نہیں کر سکتی۔ اب انگریزی سپہ سالار نے وفد کے باقی ارکان کو دیکھنا شروع کیا۔ ۱۶-۱۷ مارچ کو یہ لوگ طلب کئے گئے اور انھیں کہا گیا کہ اس تمام شور و شکر کے ذمہ دار تم ہی ہو۔

پہلے جواب دیا کہ اس بے معنی کی ذمہ داری انگریز سپہ سالار ہے۔ کیونکہ مصری وفد کو سفر سے روک دیا گیا ہے، اور سعد باشا اور ان کے رفقاء کو جلاوطن کر دیا گیا ہے۔

قوم کی پہلی رشتہ

ملک بھر میں سخت ہرجاں تھا۔ عین اس وقت لاڈلہ ابنی مصر پہنچے اور انھوں نے یقین کر لیا کہ قوم کا یہ جوش مصنوعی نہیں ہے۔ اسے کسی طرح دبا یا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ مراہیل کو ظلم و قهر کی قوت نے اپنی پہلی شکست تسلیم کی۔ جلاوطن قومی نمائندوں کو آزاد کر دیا گیا اور مصریوں کو سفر کی اجازت دیدی گئی۔ اس اولین فتح میں ہم قوم کی سرشت بے حساب تھی۔ لیکن وہ اسیر قلعہ نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ ۱۱-۱۲ مارچ کو مصری وفد، صلح کانفرنس کے سامنے مصر کا دعویٰ پیش کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

جب ہم مالٹا پہنچے، تو سعد باشا اور ان کے رفقاء ہمارے ساتھ ہو گئے۔ سعد باشا نے سب سے پہلی بات جو مجھ سے کہی، یہ تھی: "ہماری جلاوطنی تو ختم ہو گئی۔ مگر اس کی خوشی نے ہمیں اس ذمہ داری سے غافل نہیں کیا ہے جو جواب ہم پر قوم کی جانب سے عائد ہو گئی ہے!"

استحادیوں کے اخلاقی دعوؤں کی حقیقت

ہم پیرس پہنچے تو معلوم ہوا، دول اتحادی کے مبرا صلح کانفرنس کے دو درازے پہلے ہی سے بند کئے بیٹھے ہیں۔ ہم نے لاکھ لاکھ کوشش کی، مگر کانفرنس کے ایوان تک ہماری ہیکار نہیں پہنچ سکی۔ اسی تہہ نہیں بلکہ اخبارات کے صفحات بھی ہم پر بند کر دیئے گئے تھے۔ کوئی اخبار بھی ہماری قریا و شایع کرنے پر تیار نہ تھا۔ اس وقت ہم نے محسوس کیا کہ حق، عدل، آزادی، اخوت، یہ تمام الفاظ محض بے معنی ہیں۔ ان الفاظ سے دول متحدہ کی غرض صرف یہ ہے کہ دنیا کو دھوکا دے کہ چنانچہ جنگ جیت لینے کے بعد حق و انصاف کے تمام دعوے پرست ڈال دیئے گئے اور ظلم و جبر کا دورہ شروع ہو گیا!

ہماری مصیبت میں یقین نہیں ہو گئی، بلکہ "مصر صلیح و انسانیت" و "مرد وطن" صہر جہوریت امریکہ نے مصر پر انگریزی حمایت تسلیم کر کے ہمارے مصیبت میں ایک نیا اعانہ کر دیا۔ اس پر بھی ہم ناامید نہیں ہوئے۔ برابر کوشش کرتے رہے۔ بالآخر ہمارے کوششوں سے اس صہر حال پیدا ہو گئی کہ برطانیہ کو ہماری آواز سننے پر مجبور ہو جانا پڑا۔ اسے پھر دینا چاہا تھا، اور کانفرنس کا کھلنا ہمارے کھیلنے کے لئے بھیج دیا تھا۔ لیکن اب ہم ریاست میں طفل کتبہ تھے کہ اس لمحہ کھیلنے سے کھیلنے لگتے۔ کانفرنس نے ہمیں اگر وہ منظور کیا، جس کی آواز

مصر کی سیاسی بیداری کی تاریخ

مصطفیٰ انخاس باشا مصری رہنما کی زبانی

۱۳ نومبر ۱۹۴۷ء کا دن مصر کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہی تاریخ ہو جب پہلے پہل مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی بنیاد پڑی تھی۔ یہ دن ہر سال، ایک قومی عید کی طرح منایا جاتا ہے۔ اسرائیل بھی یہ عید مناتی تھی۔ مرحوم سعد باشا زغلول کے جانشین مصطفیٰ انخاس باشا نے اس موقع پر ایک نہایت اہم خطاب کیا۔ مصری ڈاک میں یہ ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں موصوف نے مصر کی موجودہ سیاسی بیداری کی تاریخ بیان کی ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ درج ہے:

سیاسی بیداری کا آغاز

”مصر پر ایسے سخت و دور گزر چکے ہیں، جب پرستان طاقت کے یقین ہو گیا تھا کہ ان کا جبر و تشدد، قومیت کا شرارہ بھانے سکتا ہو اور دلوں پر نا اُمیدی کی موت طاری کرے سکتا ہو۔ حالانکہ اس کا مات میں کوئی قوت کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، کسی زندہ قوم کی آرزو میں پشیمانی نہیں سکتی، اور نہ قوم کا اتحاد شکست کر سکتی ہو ایسا قوت کی یہ کوششیں کسی زمانے میں بھی بار آور نہیں ہوں گی۔ کیونکہ یہ کوششیں قانون الہی کے خلاف ہیں، مشیت الہی کے برخلاف ہیں، خدا کی ٹہرائی ہوئی فطرت میں تبدیل کرنے والی ہیں، دین تہذیب و تمدن تبدیل!

مصر میں یہ اجتماعی حقیقت ہم نے پوری طرح واضح صورت میں کچھ لی ظلم و جور، اگرچہ بے حساب تھا، مگر قوم میں آزادی کا جذبہ برابر زندہ رہا۔ ظلم جتنا زیادہ ہوتا جاتا تھا، یہ جذبہ بھی اتنا ہی زیادہ اُٹھ ہوتا جاتا تھا۔

جنگ عظیم کا جب صوبہ مصر بٹکا گیا، تو مصر، دول اتحاد کی صف میں کھڑا ہوا، حالانکہ اس پر سخت قزاقی کی گئی تھی۔ برطانیہ نے اس پر بوجھ قبضہ کر لیا تھا اور اس قبضہ کو جنگی ضرورت سے تعبیر کیا گیا تھا جنگ میں مصر نے جان مال کی بڑی بڑی قربانیاں کیں اور اتحاد کو کالہ بھاری کر دیا۔ پھر جب جنگ کی آگ ٹھنڈی ہوئی، تو مصر نے اپنا حق مانگا۔ مگر اتحاد ہی، حتیٰ لینے کے عادی تھے، حتیٰ دینے کا اُمین نہیں بھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے مصر کی آزادی سے انکار کر دیا!

انہوں نے صرف انکار ہی نہیں کیا، بلکہ مصر کی زبان بھی بند کر دی گئی۔ پھر اُس کی ہر ممکن تہذیب کی گئی۔ اُس کی قومیت کا گلا گھونٹ ڈالنے کے لئے وہ ہاتھ آگے بڑھے جو اتحاد جنگ میں غنیمت اُلو دھوپ چکے تھے۔

اُس وقت ہم چند دوستوں نے باہم مشورہ کے بعد طے کیا کہ ملک کی نجات کے لئے ایک عام حرکت کی ضرورت ہے۔ مگر یہ حرکت شروع ہو کر ہو؟ یہی سوال بنیادی سوال تھا۔ ہمیں ایسے رہنماؤں کی ضرورت تھی جن کی شخصیت مسلم ہو۔ ایسی شخصیت صرف مرحوم احمد سعد زغلول باشا ہی کی تھی۔ ان میں وہ تمام صفات جمع تھیں جو ہماری سرداری کے لئے ضروری تھیں۔ وہ اُس وقت مجلس تشریف آوری میں لیٹا سبلی کے سکریٹری بھی تھے۔

مجھے اس مجلس کے ایک رکن سے درخواست کی کہ وہ سعد باشا سے اُن کے کسی معتبر دوست کچھ ذریعہ گفت و شنید کرے۔ دوسرے دن اس رکن نے ہمیں اطلاع دی کہ سعد باشا کا دوست اس تجویز کے خلاف ہے

دوسرا بیان خود مصر کا ہے۔ پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے شاہ مصر کی تقریر میں حسب ذیل اعلان کیا گیا ہے:

”ہم اسے وزیر اعظم نے اپنی لندن میں موجودگی سے فائدہ اُٹھا نہایت دوستانہ فضا میں انگریزی حکومت کے وزیر خارجہ سے طویل طویل گفت و شنید کی۔ اس گفت و شنید نے دونوں ملکوں پر عہد اثر ڈالا۔ اس سے غرض یہ تھی کہ برطانی اور مصری، دونوں حکومتیں متصادم سوڈان کے بارے میں ایک دوسرے کے نقطہ نظر سے واقف ہو جائیں، تاکہ اگر دونوں نقطہ ہائے نظر میں توافق ممکن ہو، تو ایک ایسے محاذ (حلیہ عہد) کے لئے گفت و شنید جاری کی جائے جس سے ہمارے ملک کی خود مختاری مکمل ہو جائے اور انجمنستان کے علاقے بھی متعین ہو جائیں۔ لیکن یہ محاذ اس شرط سے ہو گا کہ ہاری پارلیمنٹ بھی اسے منظور کرے“

”میں نہایت مسرت سے اُس محبت آمیز روح کا ذکر کرتا ہوں جو اس نازک گفتگو میں جاری و ساری تھی۔ فریقین نے اخلاص سے کوشش کی کہ دونوں کے نقطہ ہائے نظر زیادہ سے زیادہ قریب کر دیا تاکہ دونوں قوموں کی یہ آرزو پوری ہو سکے کہ اُن کے درمیان دوستانہ کا ایک نیا عہد قائم ہو، دونوں اُس سے مرتبط ہو جائیں، ادب الہی اعتماد سے فائدہ اُٹھائیں“

ان دونوں بیانیوں کی روشنی میں امید بندھتی ہے کہ جلد برطانیہ اور مصر کے مابین کوئی ایسا معاہدہ ہو جائے گا، جس سے مصر کی آزادی زیادہ محفوظ اور نمایاں ہو جائے گی، سوڈان کا معاملہ اگر طے ہو جائے اور ہنر سوزی کی طرف سے برطانیہ کو اطمینان حاصل ہو جائے، تو پھر مصر کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ انجام پاسکا، تو یقیناً یہ مصر کی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ لیکن یہ کامیابی، ہندوستان کے لئے ایک سخت تازیانہ عہد ہوگی۔ کیونکہ ایک سٹی ہنر مشرقی قوم، جس کی آبادی سواکر دسے بھی کم ہے، اپنی سچی وطنیت اور صادق استقامت کے زور سے برطانیہ جیسے جبار سے اپنی آزادی تسلیم کرانے لگتی ہے۔ مگر ہندوستان، جو ایک پورے براعظم کا دھبہ رکھتا ہے، اور ۳۲ کروڑ انسانوں کا وطن ہے، بدستور برطانیہ کی شرناک غلامی پر قتل رہتا ہے اور

ہندوستان کو دھوکا دینے کے لئے ایک شاہی کشن انجمنستان سے آیا ہے۔ ایک ایسا ہی کشن مصر میں بھی آیا تھا۔ یہ کشن کشن نام سے مشہور ہے۔ مصریوں نے اس کشن کو کشن کا مقابلہ کیا۔ یہی دانشمندانہ مقابلہ، اُن کی سیاسی زندگی کا اصلی جز ہے۔ اب ایک ایسا ہی موقع ہندوستان کو بھی حاصل ہو رہا ہے۔ دیکھا جائے کہ اس آزمائش سے کیونکر عہدہ برآ ہوتا ہے؟

شاہ مصر کی سیاحت یورپ کی ایک فرض، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، یہ بھی تھی کہ دول یورپ کو اُن حاکمانہ امتیازات سے دست بردار ہونے پر آمادہ کیا جائے، جو انہیں مصر میں حاصل ہیں۔ اس مقصد میں بھی کامیابی ہوئی ہے۔ شاہ مصر نے پارلیمنٹ کی تقریر میں اعلان کیا ہو کہ ”ہماری کوششیں کامیاب ہوئی ہیں۔ میری حکومت مقرب ایک کانفرنس میں دول یورپ کو مدعو کرنے والی ہے تاکہ اس مسئلہ کا آخری تصفیہ ہو جائے“

مصری پارلیمنٹ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مصطفیٰ انخاس باشا اُس کے بالاتفاق صدر قرار پائے۔ مصطفیٰ باشا جاتا دند کے بھی صدر ہیں۔ یعنی مرحوم سعد باشا زغلول کی جگہ پر قوم کے رہنما منتخب کر گئے ہیں۔ اب پارلیمنٹ کی صدارت کے بعد وہ مرحوم رہنما کے دونوں منصبوں میں جانشین ہو گئے۔ ایسے جماعت و فہم میں بھی اندیشہ پارلیمنٹ میں بھی۔

مکتوب مصر

(الملل کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

مصر کی موجودہ سیاست پر ایک نظر

مصر کے نازہ اہم واقعات، شاہ مصر اور وزیر اعظم کی یورپ واپسی ہے، اور مصری پارلیمنٹ کے تیسرے دور کا افتتاح ہے۔ تاریکین الملل واقف ہیں کہ شاہ مصر، یورپ کے مختلف ممالک کی سیاحت پر وہاں کے بادشاہوں اور حکومتوں کی دعوت پر گئے تھے۔ سب سے پہلے شاہ انجمنستان کی دعوت آئی، پھر صربیا، یوگوسلاویہ، آسٹریا، اٹلی، اور شاہ بلغاریہ کی دعوتیں پہنچیں۔ اسی اثنا میں یورپ کی طرف سے بھی پیام دعوت روانہ کیا گیا۔

شاہ مصر کی یہ سیاحت، بے ضرورت نہ تھی۔ مصر کی موجودہ بیداری مطالبہ کر رہی ہے کہ ملک صحیح معنی میں آزاد ہو جائے۔ لیکن اُس کی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، برطانیہ ہے۔ پھر وہ مختلف دول یورپ بھی ہیں جو قدیم معاہدوں کی بنا پر مصر میں حالانہ امتیازات رکھتی ہیں شاہ مصر کی سیاحت کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ان ممالک میں جا کر مصر کے موافق عام رائے پرائے گلیں۔

بادشاہ کے ساتھ وزیر اعظم، عبدالغنی ثروت باشا بھی تھے۔ ثروت باشا نے جس تدبیر دیات سے یورپ کے ممبروں سے گفت و شنید کی، اس میں کھلا قرآن خود یورپ میں اخبارات بھی کر رہے ہیں۔ ثروت باشا کے لئے سب سے پہلی اور سب سے بڑی مشکل، انجمنستان میں تھی۔ انجمنستان کی فطرت یہ ہے کہ طاقت کے ہوا کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، اور ایک مرتبہ جب کوئی شکار پکڑ لیتا ہے، تو کسی طرح بھی چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ مصری تقریباً ۴۰ برس سے اُس کے چنگل میں ہے، اور وہ اس سے ہرگز دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔

لیکن اب معلوم ہوتا ہے، انجمنستان کو مصر سے بچھڑ کرنا بھی پڑے گا۔ ہتیاروں کی قوت سے زیادہ جوہر، قوم کی معنوی قوت ہوتی ہے۔ مصری قوم پوری طرح بیدار ہو گئی ہے اور انجمنستان کی غلامی سے قطعی طبع پر انکار کر رہی ہے۔

مصر کی حکومت کے زمانے میں خود سعد زغلول یا انجمنستان سے تھے کہ حالات مصر کے متعلق کوئی مصفاہ تصفیہ ہو جائے مگر انہیں کامیابی نہیں ہوئی، کیونکہ اُس وقت مصر کی بیداری مکمل نہ تھی۔ اب حالات میں عظیم تبدیلی ہو چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے، ان جدید حالات میں ثروت باشا نا کام نہ رہیں گے اور کوئی گوارا صحت معاہدہ کی بھل لے گا۔

اس گفت و شنید کے نتائج پر پیش گوئی کرنا قبل از وقت ہے۔ لیکن حالات اُمید افزا ضرور ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے طرہ ۱۰ اور مصر، دونوں کے سرکاری بیان موجود ہیں۔ سٹرابالوین نے اپنی ایک تقریر میں مصر کے متعلق حسب ذیل تصریح کی ہے:

”ہر اسکیلینی ثروت باشا کی انجمنستان میں موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر ہم نے دونوں ملکوں کے آئندہ تعلقات پر بحث کی ہے۔ اُمید ہے اس گفت و شنید سے ہمیں اس معجز بنیاد تک پہنچا دیا ہو گا جو ہمیں مصر اور انجمنستان کی دونوں کی ایسی حکمرانیت کھڑی ہو سکتی ہے، جس سے ایک طرف برطانیہ سلطنت کے اس اسماء مصلح بھی محفوظ رہیں اور دوسری طرف مصر کو اپنی آزادی اور خود مختاری سے متحرک ہونے اور قوموں کے مجمع میں پسندیدہ مقام حاصل کرنے کا موقع بھی مل جائے“

اسلام اور سزا و قتل

ایک نامتناہی بحث کی تکمیل

(از مولانا ابوالکلام)

اب کہ ایک عرصہ کی علالت کے بعد اس قابل ہوا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے وقت نکال سکوں، سب سے پہلے مجھے ان صفحات کی ایک نامتناہی بحث مکمل کر دینی چاہئے۔ یہ ایک طالب حق کے استفسار کا جواب تھا، جو کہ مستفسر کو مختصر لکھ کر بھیج دیا گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ میں نامتناہی رہ گیا۔

استفسار حسب ذیل سوالات کی شکل میں تھا:

- (۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص باغی اسلام کے خلاف بد مذہبی کرے اسے قتل کر دینا چاہئے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اس کا مذہبی فرض ہے کہ اسی وقت اس کا سر اڑا دے؟
- (۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بد مذہبی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنہوں نے شاید اس بد مذہبی کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہو گا) اس کو برا بھلا کہیں تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے اور اپنی ہمتی سے بیکار کر دینا چاہئے؟
- (۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہئے جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب فرمایا ہے؟
- (۴) آپ کے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟
- (۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اپنی افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور اسے جانی سزا دلانے پر آمادہ کرنا چاہئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان کوئی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور ان میں بھیگلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہو، کیا وہ بھی اسی طرح کی سزا کے مستحق نہیں ہیں جیسی بھیگلا رسول اور رسالہ درہقان ہیں؟

(۷) سود و سود پر جس سے جو سیکڑوں عیسائی شہری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اس وقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کہیں ان کے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دیکھا گیا جس قدر اس موقع پر دیکھا گیا ہے؟

فقہ اسلامی کے تغیر و تبدل

قبل اس کے کہ اصل سوال کا جواب دیا جائے، دو باتیں بطور مقدمہ کے صاف کر دینی ضروری ہیں:

(۱) جب کبھی تغیر و تبدل کی گئی ایسے معاملہ میں جیسا کہ یہ معاملہ ہے، اس طرح کی تغیر و تبدل اختیار کی جاتی ہے کہ اسلام کا قانون ہے اور "شرعیات اسلامی کا حکم ہے" تو قدرتی طور پر ان تمام لوگوں کو جو اسلام کے نظام شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، ایک سخت غلط فہمی واقع ہو جاتی ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح اسلام نے اپنے پیروں کو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح تغیر و تبدل کے

بھی یہ احکام دیدئے ہیں۔ مثلاً جب ایک غیر مسلم مسلمان ہو کہ "اسلام کے قانون میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرنے والے کی سزا قتل ہے" تو وہ خیال کرتا ہے کہ اسلام نے اپنے پیروں کو حکم دیا ہے کہ جہاں کوئی غیر مسلم ایسی بات نہ کہے جس سے اُن کے خیال میں تلخ ہوتی ہو، تو فوراً چاقو نکالیں اور اُس کا گلا کاٹ کے رکھ دیں! حالانکہ اسلام کی نسبت ایسی مجوزانہ تعلیم کا تصور بھی کرنا، اُس کے خلاف سخت سے سخت انجام ہے۔ لہذا اگر اسلام کی ایسی تعلیم ہو، اور اُسے اپنے پیروں کو قتل انسانی کا عام پروردہ دیا ہو۔ اسلام کے نزدیک تو انسان کی زندگی سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز بھی محترم نہیں۔ یہ قتل نفس کو انسان کی سب سے بڑی شقاوت قرار دیتا ہے۔ اُس کی کتاب اپنے پیغمبر انداز بلاغت میں اعلان کرتی ہے کہ نوع انسانی کے کسی ایک فرد کا قتل، فرد کا قتل نہیں ہے، نوع کا قتل ہے:

من قتل نفساً بغير حق او ضايع
في الارض، فكأنما قتل الناس
جميعاً، ومن احياها، فكأنما
احيا الناس جميعاً، وقد جاء في
الاحاديث، ثم ان كثيرا
منهم بعد ذلك في الارض ليعذبوا
(۲۵: ۵)

اُسے صرف ایک فرد انسانی ہی کی جان نہیں بچائی، بلکہ تمام نوع انسانی کو زندگی بخشی!

بلاشبہ اسلام نے خاص خاص صورتوں میں قتل کی اجازت دی ہے۔ صرف اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بغیر کسی جذبہ اعتدال کے کہا جاسکتا ہے کہ ترغیب دی ہے، لیکن وہ صورتیں یہی ہیں جن میں نہ صرف اسلام نے بلکہ دنیا کے مالک و اخلاق و انسانیت نے بھی قتل انسانی کے انگریزوں کا اعتراف کیا ہے۔ قتل انسانی کی یہ ناگزیر صورتیں اس لئے گوارہ نہیں کی گئی ہیں کہ انسانوں کو قتل کیا جائے، بلکہ اس لئے کہ انسانوں کو بچایا جائے:

ولكم في القصاص حياتكم
الا بآب! (۱۷۹: ۲)

برہان ہے، لیکن فی الحقیقت اس میں انسانی زندگی کی حفاظت پوشیدہ ہے! قرآن بتاتا ہے کہ یہ ناگزیر صورتیں تین ہیں: جنگ قصاص، اور ایسے جرائم کا اہتمام جن کا اہتمام بغیر انتہائی سزا کے ممکن ہے۔ ان میں سے پہلے کے علاوہ کسی حال میں بھی اسلام خدا کی اُس بنائی ہوئی مخلوق کا خون بہلا برداشت نہیں کرتا جس کا نام انسان ہے۔ جو شخص اس کو ذلیل قتل انسانی کا جواز اُس کی طرف منسوب کرتا ہے، وہ تو اسلام سے قطعاً

بے خبر ہے، یا اسلام پر سخت لگتا ہے میں اُسے عازنیں! ہر حال تغیر و تبدل احکام قوانین کی یہ تعبیر ان لوگوں کے لئے جو اسلام کے نظام شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، سخت غلط فہمی کا باعث ہو جاتی ہے۔ وہ نہیں سمجھ سکتے کہ ان کے اسلامی قانون ہونے کے معنی کیا ہیں؟ اور ان کی نوعیت عقائد و عبادات کے شرعی احکام کو کس طرح مختلف ہے؟ بلاشبہ تغیر و تبدل کے بے شمار احکام ہیں جو فقہاء اسلام نے اپنے مسلمان قانون سازوں نے وقتاً فوقتاً وضع کئے، اور مختلف عہدوں میں ان دفتروں کے احوال و ظروف کے مطابق ان کا اجراء نفاذ ہوتا رہا۔ یہ تمام قوانین آج بھی قانون اسلام کی کتابوں میں موجود ہیں، اور انہیں اسلامی قانون ہی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اسلام کے اصولی اور اجالی مبادیات ہی سے نکالے گئے ہیں۔ لیکن ان "اسلامی قانون" ہونے کی نوعیت وہ نہیں ہے، جس نوعیت کے قوانین عقائد و عبادات کے ہیں۔ دونوں کا فرق کئی حیثیتوں سے واضح ہے:

اولاً، تغیر و تبدل کے تفصیلی قوانین کا بڑا حصہ بڑھاپا، شریعت کا ٹھکانا ہوا نہیں ہے، بلکہ قانون سازی کے طریقوں پر شرعی اصول و مبادیات سے استنباط کیا ہوا ہے۔ اس بارے میں اسلام نے جو نظام تشریع اختیار کیا تھا، وہ یہ نہیں تھا کہ تیرہ لکھ کے فرانسیسی مجرم قوانین یا تیز رفتاری ہند کی طرح اُسے تمام تفصیلی اور جزئی قوانین کا ایک مجموعہ بنا کر نافذ کر دیا ہو۔ اگر وہ ایسا کرتا، تو دنیا کا عالمگیر مذہب نہ ہوتا۔ محض کسی ایک قوم اور عہد ہی کا مذہب ہو سکتا تھا۔ پس اُسے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تفصیلات و جزئیات سے قطع نظر کر لی گئی، اور صرف ایسے اصولی اور اجالی مبادیات وضع کئے گئے، جن سے حسب ضرورت ہر طرح کے تفصیلی قوانین استخراج کیا جاسکتا ہے۔ اصل شرعی اس بارے میں یہ تھی کہ جمیع بشری کی استعداد و ضرورت کے مطابق عدل و سعادت کا نظام قائم رہے، اور مفاسد کے روک تھام اور مصلح کے حصول کے لئے جن جن وسائل کی ضرورت ہو، وہ صحیح طریقہ پر کام میں لائے جاسکیں۔ اسلامی حکمران کی ابتدا ایک محدود رقبہ اور محدود احوال و ظروف میں ہوئی تھی۔ اس لئے تغیر و تبدل کی تفصیلات میں بھی زیادہ پھیلاؤ نہیں ہوا تھا۔ پھر جوں جوں دائرہ اقتدار وسیع ہوتا گیا اور تغیر و تبدل کی نئی نئی ضروریات پیش آتی گئیں، عہدین اسلام تفصیلی قوانین استنباط بھی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ہر طرح کے تغیری قوانین کا ایک مکمل ذخیرہ مدون ہو گیا۔ پس اگر یہ یہ تمام تفصیلی قوانین بھی اپنی اصل کی بنا پر شرعی قوانین ہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسلام کے براہ راست حکم نہیں ہیں، اور اسلام کے براہ راست احکام نہیں اور قانون مذہب کے استنباط کے ہوئے احکام میں جو میثاق دی فرق ہے، اُسے منظور نہیں کرنا چاہئے۔ اسلام کی طرف دوزخ کی نسبت، ایک طرح کی نسبت نہیں ہو سکتی پہلے قسم کے احکام اس کے براہ راست ٹھکانے ہوئے ہیں۔ دوسری قسم کے قوانین تین کے استنباط کئے ہوئے ہیں اور بنا اوقات ان میں اور اسلامی اصول و مبادیات میں شبہا گراں منظر و تفریح اور قیاس و استخراج کی واقع ہو گئی ہیں۔

ثانیاً، یہ بات بالکل کھلی پہلی ہے کہ یہ قوانین تغیر و تبدل کے قوانین تھے، اور تغیر و تبدل کے قوانین سلطنت کے لئے ہوتے ہیں، عام افراد امت کے لئے نہیں ہوتے۔ یعنی نماز روزہ کے احکام کی طرح (ان کا خطاب افراد سے نہیں تھا۔ اسلامی سلطنت سے تھا۔ نماز روزہ کے احکام واجبات و فرائض ہیں اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ انہیں ادا کرے۔ لیکن یہ احکام تغیر و تبدل کے قوانین ہیں۔ واجبات و فرائض نہیں ہیں۔ اس لئے

ہرگز توقع نہ تھی۔ اس نے دیکھا کہ پوری قوم متحد و متفق ہو کر ابد بیکار و
مقاومہ کا اعلان کر رہی ہے!

کنزیشن نے بہت کوشش کی۔ بہت پنگا مارا۔ مگر قدم کا صرف یہی
ایک جواب تھا کہ ”دندے بائیں کرو۔ ہم کچھ نہیں سنیں گے“ کنزیشن اس
سور کوٹا اور دندہ کو گفتگو کے لئے لندن میں دعوت دی پوری ابتدائی
گفتگو کے بعد ہی معلوم ہو گیا کہ برطانیہ اب تک اپنی طفل تسلیمیاں ہی
کانی سمجھتا ہے۔ اس کے نقطہ نظر میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی
ہو۔ حالانکہ خود لاڈلے کنزیشن نے اپنی رد واد میں تسلیم کر لیا تھا کہ مگر کی
موجودہ حرکت، ایک حقیقی وطنی حرکت ہے، اور یہ کہ دندہ مگر کی اچھے
ملک کا صحیح نمائندہ ہے۔ مگر برطانیہ حکومت نے اس پر کوئی توجہ نہ کی۔
قوم کی دوسری فتح

جدید جد جادوی رہی۔ حالات سخت سے سخت ہوتے گئے۔ اب
برطانیہ نے دیکھا کہ کیا قدم اٹھائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، چنانچہ
نہایت مجبوری سے اعلان کر دیا کہ ”مصر اور برطانیہ کے مابین حکایت
ایک ناپسندیدہ علاقہ ہے۔ یہ قوم کی دوسری فتح نہیں تھی!

نا اتفاقی نے حالے بدل دی
اس اعلان کے بعد برطانیہ اس منزل میں اتر آیا تھا جہاں
معاہدہ کی امید ہو سکتی تھی۔ چنانچہ سرکاری گفت و شنید کے لئے عدلی
باشا کی وزارت مرتب ہوئی۔ اس وقت سعد پاشا اور سیکرٹری کوٹ آئے
انکے اپنے مفید شعوروں سے حکومت اور قوم کی رہنمائی کریں۔ مگر اس
اب نازک گھڑی میں نا اتفاقی کے شیطاں نے ہمارے اندر سر اٹھایا
قوم میں بھڑک پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ جتنے قدم اٹھے برطانیہ
ہی تمام پیچھے ہٹ گیا۔ مگر کی آواز سننے سے دوبارہ کان بند کرنے
لگے۔ ظلم و قهر کا ازہر نور دور دورہ شروع ہو گیا۔
ایک اور برطانی دندہ

جس زمانے میں مصری حکومت کا سرکاری دندہ گفت و شنید کے لئے
لندن گیا تھا، اسی زمانے میں برطانی پارلیمنٹ کا ایک دوسرا دندہ
آیا کہ اصل حالات کی تحقیقات کرے۔ اس دندے نے اتنی ہی حقیقت
معلوم کر لی، کیونکہ وہ اس قدر روشن تھی کہ کوئی آدمی بھی اس سے
بے غلام نہیں رہ سکتا تھا۔ اس دندے نے واپس جا کر اپنی رد واد میں
کر دی۔ اسے لکھا تھا کہ مسئلہ کا ایک ہی حل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ
مگر کی کا بل خود مختاری تسلیم کر لی جائے۔ اس دندے نے مگر کی کو
ہو بھجایا، کیونکہ انجمنستان کی عام رائے حقیقت حال سے واقف تھا
تھی۔

علی گڑھ سیکرین کا نو دین منیر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی و ادبی گروہ سیکرین کا نو دین منیر
اجتہاد اور نہایت آہٹ آب کے ساتھ جنوری ۱۹۷۷ء میں شائع ہو گیا۔ اس
پرچم میں تصاویر کے علاوہ ملک کے ممتاز دانشوروں کے مضامین
ہندو پارٹیشن کے انکار و عارضیات ہونگے۔ اس پرچم کی ضخامت بھی غیر معمولی
ہو گی اور دو کتابت و طباعت کا بہترین نظر فریب نمونہ ہو گا۔ تمام
اہل علم ادب اور خصوصاً ان ارباب علم سے جن کا تعلق مسلم یونیورسٹی
الہ آباد، علی گڑھ، لاہور اور استعاضا کی جاتی ہے کہ اپنا وہ علمی کے اس رسالہ کے
ذریعہ کو کارساز بنائے کی کوشش کریں۔ مضامین اور تصاویر نظم و انضام
علی گڑھ سیکرین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر پروفیسر صاحب
پنچ جانا چاہیں۔ خوداری و رسالہ و اجرت اشعارات کے واسطے موجود
مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے منظر آسکتی ہے۔ علی گڑھ سیکرین
کا نو دین منیر

عالم مطبوعات صحائف

مشری کے متعلق تازہ معلومات

مشری، نظام مشی میں سے طرا اور زہر کے بعد سے زیادہ چکنا
تارہ ہے۔ وہ آفتاب سے ۴۸۳۰۰۰۰۰ میل دور ہے۔
ایک امریکن ہیٹ وال نے حال میں ایک رسالہ لکھ کر مشرے کے
متعلق تازہ ترین معلومات جمع کر دی ہیں۔ وہ کہتا ہے، مشرے کی اہمیت
صرف اسی لحاظ سے نہیں ہے کہ وہ سب سے طرا اور زہر کے بعد سب سے
زیادہ روشن تارہ ہے، بلکہ اس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ
اجرام سادی کے متعلق سیدی نظریہ کا سب سے زیادہ واضح ثبوت پیش
کرتا ہے۔

مشرے کا فلک ۲،۷۰۰ میل کے دائرے میں ہے۔ وہ اپنے محور
گرد ہر گھنٹے ۵۰ میل میں گردش کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ
اس کی رفتار غایت درجہ تیز ہے۔ اپنے خط استوا پر اس کی حرکت
۲۴ ہزار میل فی گھنٹہ ہو جاتی ہے۔ مشرے کے آدھے کی کثافت زمین کے
آدھے کی کثافت کے مقابلے میں ۱۰ کا دہرہ لگتی ہے۔ لیکن اس کی تو
جاذبہ زمین کی قوت جاذبہ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ
مشرے میں چیزوں کا وزن، زمین میں چیزوں کے وزن سے بہت زیادہ
ہو گا۔

مشرے کے آثار
مشرے کے چاند، زمین۔ ان آثار کو علم ہیئت کی تاریخ میں بہت
اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ:
(۱) اس کے مٹنے چاند، اجرام فلکی میں سے پہلے انسان معلوم
کئے۔ گلیکس نے اپنی کمر دور زمین سے یہ چاند دیکھے تھے۔
(۲) ان چاندوں کے گہرے کے اجتناب نے پروفیسر ڈومر کو قوت
دیا کہ مشرے میں نور کی سرعت ضیافت کرے۔
(۳) ان چاندوں کی حرکت کے ذریعہ، مشرے کے مادہ اور اس
کی کثافت کی تحقیق میں بہت سہولت ہوئی
۱۹۷۷ء میں پروفیسر رنارڈ نے مقام ایک کے رصد خانے مشرے
کا پانچواں چاند دیکھا۔ یہ پہلے چار چاندوں سے بہت چھوٹا تھا۔
باقی ۴ چاند، ابھی حال میں فلکی عکاسی کی رتی کے بعد دریافت ہوئے
و مدار ستارے

مشرے کے قریب ۲۰ سے زیادہ دھار ستارے بھی موجود ہیں۔ ان
ستاروں کے فلک، مشرے کے فلک سے تقریباً متصل ہیں خیال کیا
جاتا ہے، کسی قدیم ترین زمانے میں یہ ستارے مشرے کے قریب حرکت کرتے
تھے، بتدریج آئے انھیں جذب کر لیا، یہاں تک کہ اب قریب ۱۰۰
بالکل جذب کر لیا، اگرچہ یہ ستارے اب تک آفتاب ہی کے گرد حرکت کر
رہے ہیں۔

مشرے کے خطوط
دو دہ میں سے مشرے کو دیکھنے سے اس کے قوس پر کچھ خطوط یا مختلف
رنگوں کے سادی مسافت کے رقبے نظر آتے ہیں۔ یہ خطوط، زمین
کے فرضی خطوط العرض کے بالکل مشابہ ہیں۔ یہ خطوط ہمیشہ نظر نہیں
آتے۔ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے ہیں اور چند منٹ، چند مہینے اور کبھی کبھی
چند سال باقی رہ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کے ظہور و غیبت کی اب
تک کوئی تفسیر نہیں کی جا سکی۔ علماء کا خیال ہے کہ آفتاب کو اس بار
میں کوئی دخل نہیں۔ یہ تبدیلی کسی خاص وقت کی پابندی نہیں ہے۔ یہ
بھی عجیب بات ہے کہ مشرے کا قوس، مرکز کے بعد سے سیاہ ہونا شروع
ہوتا ہے۔

ہوتا ہے۔ یعنی اپنے قطبین پر مشرے کا رنگ مرکز کے مقابلے میں کہیں زیادہ
دھندلا بلکہ تاریک ہو جاتا ہے۔

مشرے کی حرکت

مشرے کی اس وجہ سے کہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی سطح، وہ
اصل ایک کثیف ابر ہے۔ تحقیقات نے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابر آفتاب
کی قوت سے نہیں بلکہ خود مشرے کی قوت سے بنتا ہے۔ مشرے کی
یہ خصوصیت بھی عجیب ہے کہ اس کا گواہ جم ایک ساتھ اپنے محور گرد
نہیں کرتا، بلکہ اس کے بعض اجزاء بہت تیزی سے حرکت کرتے
ہیں، بعض سست رفتار ہیں!

مشرے کی حرارت، باوجود اسکے کہ وہ آفتاب سے اس قدر دور
پر ہے، بہت ہی عظیم ہے۔ علماء کا خیال ہے کہ یہ حرارت آفتاب سے پیدا
نہیں ہوتی، بلکہ خود مشرے ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

انسان کا مستقبل

سرفیلپ گبز، انجمنستان کا مشہور عالم اہل قلم ہے۔ کچھ دنوں پہلے
مذکورہ بالا عنوان پر ایک مضمون شائع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:
”انسان، قدرت کی خفقتہ قوتیں بیدار کر کے سخت خطرہ میں
پڑ گیا ہے۔ اب اس کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یا ان قوتوں
کو آخری طور پر مغلوب کر کے سخر کر لے یا خود مغلوب ہو کر بر باد
حالات بنا لے۔ انسان، علم کی رتی کے ساتھ ساتھ قدرت کی
قوتوں پر برا بھلا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ زمین کا مطلق سلطان
حاکم بن جائے گا۔ اسی غرض سے بعض علماء نے تجویز پیش کی ہے کہ قدرت
سے جنگ کا یہ طویل سلسلہ دس برس کے لئے منقطع کر دیا جائے یعنی
التوا جنگ ہو جائے، تاکہ اس دوران میں انسان اس وقت کی
تمام علمی فتوحات اچھی طرح استعمال میں لاسکے۔ اگر انسانی فتوحات
کی یہ تیز رفتاری کچھ مدت کے لئے روکی جائے گی، تو بہت جلد
انسان کے دماغ کو عقل کوڑے لگی۔ وہ بہت ہو کر رہ جائے گا اور فتح
تباہ کن شکست بن جائے گی“

لیکن یقین نہیں کہ دنیا اس تجویز پر عمل کر سکے۔ کیونکہ انسانی
دماغ اب روکنے سے بھی دشمنی نظر نہیں آتا۔ ہزاروں برس کی قید
بعد اب وہ آزاد ہو گیا ہے۔ اور برابر قید ہی رہنا چاہتا ہے۔
”اب انسان کی کوشش یہ ہے کہ قدرت کا وہ سب سے بڑا اختیار
چھین لے جس پر تک نظر اٹھانے کی اس نے اجازت نہیں دی تھی۔ اب
انسان چاہتا ہے کہ خود اپنی ہمت کا بھی حاکم بن جائے۔ اسے شرم آتی
ہے کہ خود اس کی تکوین و تخلیق اور اس کے نفس کی تکوین کا معاملہ
قدرت کے ہاتھ میں ہے، چنانچہ اب وہ چاہتا ہے کہ اپنی پسند کے مطابق
اپنی نفس پیدا کرے، اور اپنی خواہش دارا دے سے اپنی اخلاقی اطوار
”انسان نے اب معلوم کر لیا ہے کہ جسم اور اخلاق کی تحوین کا معاملہ
سراسر ان غدد و گلیٹیوں سے وابستہ ہے، جو ہر جسم میں موجود ہوتی ہیں
اگر ادا کے جسم سے وہ خاص گلیٹیاں نکال دی جائیں جنھوں نے اسے
ادا دیا ہے اور ان کی جگہ وہ گلیٹیاں لگا دی جائیں جن کی وجہ سے
سج زہر آگیا ہے، تو فوراً وجہیت بدل جائے گی۔ یعنی مادہ، نہ بن جائے گی
اسی طرح زکوٰۃ ادا کیا جا سکتا ہے۔ اس معلوم ہو چکا ہے کہ سر کی ایک
گلیٹی سے جو مادہ خارج ہوتا ہے، اس کی کمی مشی سے انسان لانا ادا
پست قد ہو جاتا ہے۔ اگر عمل تجارتی کے ذریعہ اس گلیٹی کے عمل میں ترمیم
کر دی جائے، تو جسم مرضی قدر ازاد پست ہو جاتا ہے۔ اب طبی
طریقہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام جودوں کے جسم میں بعض خاص قسم کی
گلیٹیاں ہوتی ہیں۔ انھیں گے اگر سے وہ چوری کرتے ہیں۔ یہی اصل

یہ کہ انسان کی زندگی کا مقصد صرف دنیاوی کاموں میں مصروف رہنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد خدا کی رضا و مرضی میں مشغول رہنا ہے۔ اگر انسان کو اس مقصد سے غافل ہو جائے تو اس کی زندگی بے مقصد ہو جائے گی۔

حقوق سے محروم ہوگی!

لیکن اسلام نے مذہب اور اعتقادی آزادی کا اعلان کیا۔ آخر مذہبی رواداری اور انسانی حقوق کی ایک ایسی فضا پیدا کر دی، جس کا اس وقت تک دنیا میں کوئی نمونہ موجود نہ تھا۔۔۔ ہر برس کے بعد جب اسلامی حکومت کا دائرہ اقتدار وسیع ہوا، تو یہ ایک ایسی ملک تھی جو اگرچہ خاص ایک مذہب کے پیروں کی تھی، لیکن اس میں ہر مکتب فکر کے دوش بدوش ہر مذہب ملت کے لوگ آباد تھے، ادب سب کو بلا امتیاز ایک ہی طرح کے شہری و ملکی حقوق حاصل تھے۔ مذہب اعتقاد کے اختلافات کی بنا پر کوئی انسان دوسرے انسان کے انسانی و ملکی حقوق تلف نہیں کر سکتا تھا!

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہو، اسلام کا طریق عمل یہ تھا کہ اسے فتح کر کے بعد عرب کی قدیم بت پرستی کے اقوال سے تباہ کر دیا۔ کیونکہ فی الحقیقت اب غلام اس کا کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ تمام قبائل عرب بے رضا و رغبت مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن باقی تمام غیر مسلم اقوام کے لئے یہ حکم دیا کہ وہ اسلامی حکومت کے ماتحت اسی طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں، جس طرح خود مسلمان رہتے تھے۔ یہ حیثیت شہری ہونے کے انھیں وہ تمام حقوق حاصل ہو گئے، جو خود مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ مذہبی اصطلاح میں انھیں "ذمی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ اسلامی حکومت نے ان کی حفاظت جان مال اور مذہبی آزادی و حقوق کے قیام کا ذمہ لیا تھا۔ اصل اس بات سے یہ وہ طرز عمل ہے جو خود غیر مسلم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں کے ساتھ وقتاً فوقتاً اختیار کیا تھا، اور اس کے بعد خلفاء راشدین ان پر عمل پیرا رہے تھے۔ ایران، شام اور مصر کی فتح کے بعد ہاں کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جو معاہدے کئے گئے، وہ آج تک تاریخ دفعہ میں موجود ہیں۔ فقہاء نے انھیں ذمیوں کے حقوق کے مسائل کا استنباط کیا ہے۔

اسلامی احکام کی روش سے غیر مسلم باشندوں کے حق و جبروت کا بظاہر مدنیاتی کے ذمہ لیا گیا تھا، وہ محض لفظوں میں حریف ہیں۔ (۱) انھیں پوری مذہبی آزادی ملے گی۔ ان کی مذہبی عبادت گاہیں اور ہر طرح کی مذہبی عمارتیں محفوظ رہیں گی۔ جلیبوں اور مورتوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ وہ منکر مچانے سے نہیں روکے جائیں گے۔ وہ اپنے متوادوں میں اپنے جلیسوں بٹھال سکیں گے۔ تمام مذہبی عہدے اور انتظامات اسی طرح قائم رکھے جائیں گے جس طرح پیشتر سے موجود ہیں۔ کاغذ و خط کا ذرا غلطی نہ ہو۔

(۲) انھیں ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا (بلا ذریعہ) فتوح البلدان میں یہ الفاظ لکھے ہیں: "کلیتھم امنیہ" (۳) ان کی جان مال اور ہر طرح کی جائیداد محفوظ رہے گی۔ ان میں نصرت کے تمام حقوق حاصل ہوں گے۔ اگر ان کا کوئی دشمن ان پر حملہ کرے گا تو مسلمان ان کی طرف سے لڑیں گے۔ (۴) ان کا کوئی حق چھینا نہیں جائے گا۔

(۵) انھیں ان کے مذہبی احکام کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قانون کی نظر میں ان کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح ہوگی اور ان کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح سمجھا جائے گا۔

(۷) تجارت، کاروبار اور معیشت میں کسی طرح کی روک ٹاک نہیں کی جائے گی۔ ان کے ساتھ دیا ہی سلوک ہوگا، جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہوگا۔

(۸) وہاں تمام مسکینوں کو معاف رکھ جائے گا جو مسلمانوں کے لئے قراؤم دے گئے ہیں ان سے قرضہ نہیں لیا جائے گا۔

(۹) وہ ذمی مذمت سے بھی معاف رکھے جائیں گے۔

یہاں معاہدات کا خلاصہ جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں سے کئے تھے۔ مثلاً بنجران کا معاہدہ جو شہر سبجری میں ہوا تھا، اور جس کے پورے الفاظ فتوح البلدان اور کتاب الفتح وغیرہ میں موجود ہیں۔ لیکن خلفاء راشدین کے زمانے میں جب مشرق کے بڑے بڑے مملکتوں مالک فتح ہوئے، اور مجوسیوں اور عیسائیوں کی بے شمار آبادیاں اسلام کے ماتحت آگئیں، تو ان جمل شرائط میں اور زیادہ تفصیل ہوئی، اور مذہبی، ملکی، اور معاشرتی آزادی و حقوق کی وہ تمام باتیں پوری صراحت کے ساتھ تسلیم کر لی گئیں، جو آزاد باگ شہر کے لئے اس عہد میں ہو سکتی تھیں۔

یہ محض معاہدہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسا قطعی اور واضح طرز عمل تھا جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ مسلمانانہ طور جس درجہ غیر مسلموں کے حقوق کا احساس رکھتے تھے، اس کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر خلیفہ اول سے لیکر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) تک، چاروں خلیفوں کے وہ کلمات و نصیحتیں دیکھ لیں جو مرتے وقت ان کی زبان پر جاری ہوئے تھے۔ ان میں سے پہلے یہ جملہ نظر آئے گا کہ "غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھنا، کیونکہ ہم نے ان کا ذمہ لیا ہے" ذمیوں کے مذہبی و ملکی حقوق کے عام اعتقاد و اعتراف کا یہ حال تھا، کہ فی الحقیقت ان کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح اور ان کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح محفوظ تھا۔ آج اسلام کی نسبت علانیہ کہا جا رہا ہے کہ اس کی نظروں میں ایک غیر مسلم انسان کی زندگی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اگر ایک مسلمان ایک غیر مسلم کو اس لئے مار ڈالے کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح اپنا مذہب پھیلا جائے، تو یہ اسلام کی نظروں میں ایک مقدس جہاد ہوگا۔ لیکن کاش اگر مقررین کو معلوم ہوتا کہ یہی اسلام ہے جس نے اپنے عروج سلطنت کے زمانے میں، جب دنیا انسانی جان و مال کے مساویانہ حقوق کا قائل تھی، اس قانون کا اعلان کیا تھا کہ من کان لہ ذمتنا، ذمہ کدھنا، و دینہ کدیننا، (۱) ایک غیر مسلم ذمی کا خون بھی دیا ہی حرم ہے جیسا ہمارا خون، اور اس کا خون بھی دیا ہی حرم ہے جیسا ہمارا۔ یہ صرف زبان ہی کا اعلان نہیں تھا، بلکہ قانون کا دائم جاری عمل بھی تھا۔ خلفاء راشدین کے زمانے سے لے کر اسلام کی آخری سلطنتوں تک، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ذمیوں کا قتل اس لئے جائز رکھا گیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ خلفاء راشدین سے بعد اگر اسلام کا تعلیم کے کون پیکر ہو سکتے ہیں؟ لیکن ایک نہیں، بے شمار واقعات موجود ہیں جن میں حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) نے ایسے مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جنہوں نے کسی عیسائی یا مجوسی باشندے کو قتل کر دیا تھا۔

بہر حال اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جس رواداری اور انسانی مساوات کا سلوک کیا، اس کی کوئی مثال نہ تو اس سے پہلے مل سکتی ہے اور نہ آسکے عہد میں۔ ایک یورپین مورخ (سیدو) نے ان لفظوں میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ "اسلام نے ذمیوں کو ہر ایک حق کے اد تمام حقوق دیئے تھے۔ لیکن وہ پادشاہان نہیں ہو سکتے تھے"۔

ان تمام حقوق کے معاوضہ میں اسلامی حکومت ان سے کیا چاہتی تھی؟ اس پہلو سے بھی معاملہ پر غور کر لینا چاہئے۔ اسلامی حکومت قدرتی طور پر ان سے اس سلوک کی توقع رکھتی تھی کہ:

وہ حکومت کو اپنی حکومت تسلیم کر لیں گے، اور اس کے خلاف کبھی نہ

ہیں۔ حافظ زبیری نے ہدایہ کی تفسیر میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "معاہدہ میں مسلمانانہ مساویانہ اور مسلمانانہ سلوک کرنا"۔

یا سازشی میں حصہ نہیں لیں گے۔

مسلمان ہم وطنوں کے ساتھ شرافت اور رواداری کا برتاؤ کریں گے جس طرح وہ ان کے ساتھ بہتر برتاؤ کرتے ہیں۔

وہ کوئی بات ایسی علانیہ نہیں کریں گے جس سے حکومت کی قیام و تدبیر ہو یا حکومت کے مذہب کی توجہ نہ مل سکے۔

کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص ان توقعات کو بے اعتدال قرار دے سکتا ہے؟ چھٹی صدی عیسوی کی دنیا میں جب اسلام نے ان میں کا اعلان کیا تھا، اگر اسلامی حکومت غیر مسلموں کو ہر طرح کے مساوی حقوق دیکر ان سے اس طرز عمل کی توقع نہ کرتی تھی، تو یقیناً یہ کوئی ظالمانہ طرز عمل نہ تھا۔ آج دنیا میں کون قوم اور مذہب ہو جائے جس سے اس طرح کے معاملات میں اس طرح کے طرز عمل کی ایک مثال بھی دیکھا

مسئلہ کی نوعیت

یہ اسلامی حکومتوں کا طرز عمل تھا، اہل ذمی اور ان کا ذمہ تھا، جن کی نسبت سوال پیدا ہوا کہ اگر وہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں علانیہ اور صریح گالیاں بکھینچیں، اور عدالت میں قطعی شہادت و دلائل سے یہ بات ثابت ہو جائے، تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟ فقہاء کی ایک جماعت اس طرف گئی کہ ایسے لوگوں کو انھیں قتل نہیں کرنا چاہئے۔ کوئی ایسی سزا دینی چاہئے جس سے اس شرارت کے بڑھنے اور پھیلنے کا سد باب ہو جائے۔ اہل اربعہ اور فقہاء شافعیہ و حنبلیہ میں سے ایک جماعت کا یہی مذہب ہے، جو کہ ۶ صدیوں میں جعفر بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں، انھیں مل فتنہ ختم ہی رہا۔ مثلاً ہندوستان کی حکومت غلطی اور غلطی کی حکومت ختم ہوئی۔ (۱) اس لئے تاریخ میں کوئی واقعات ایسے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی مذہب کے مطابق عمل کیا گیا۔ سلطان غازی خاں چارم کے زمانے میں ایک انڈی پر یہ الزام مائد کیا گیا تھا کہ اس نے مسلمانوں کے ایک مجمع کے سامنے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تم گرامی لیکر سب کو شتم کیا۔ معاملہ شیخ الاسلام عبداللہ آفندی کے سامنے پیش ہوا، اور انھوں نے مقدمہ کی سماعت کے بعد فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ سلطان کو جب اس معاملہ کا حال معلوم ہوا تو اس نے شیخ الاسلام سے دریافت کیا کہ کیا اس سے زیادہ سخت سزا نہیں دی جاسکتی ہے؟ شیخ الاسلام نے کہا کہ "شرعاً میں ہی سزا تجزیہ کر سکتا ہوں۔ اگر آپ کوئی دوسری سزا دینی چاہتے ہیں تو اپنے حکم سے دیجئے، سلطان خاموش ہو گیا!"

لیکن فقہاء کی دوسری جماعت اس طرف گئی کہ اس صورت میں قتل کرنا چاہئے۔ امام مالک، امام احمد اور امام شافعی سے ایسا ہی منقول ہے۔ ان کی نظر اس طرف گئی تھی کہ اسلامی حکومت نے ذمیوں کو ہر طرح کے مذہبی، ملکی، اور معاشرتی حقوق دیئے ہیں اور ان کے ملک ہونے کے اعتبار سے ان میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا ہے۔ اس طرز عمل کے بدلے وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ جس طرح ان کے مذہب کا لحاظ رکھا گیا ہو، وہ بھی اسلام کا لحاظ رکھیں، اور کوئی آج علانیہ ایسی بات نہ کریں جس سے توہین و تذلیل متصور ہو۔ لیکن اگر ایسی باتیں ذمیوں کی ایک جماعت ایسی ہو جو اسلام کا اتنا لحاظ رکھنا بھی گوارا نہیں کرتی کہ اس کے پیغمبر کو خود مسلمانوں کے منہ پر صریح گالیاں نہ دی جائیں، تو ایسی جماعت کبھی رعایت کی مستحق نہیں ہے اس لئے قتل کرنا چاہئے۔

خلاصہ بحث

یہاں تک جہاد بیان کیا گیا ہے، اس کا واضح ہو گیا ہے کہ (۱) فقہ اسلامی کے جس قانون کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اسلام کا ایک بنیادی مسطور قانون ہے، جس کا تعلق مذہب و سیاست کا ایک فرقہ

پکارنا کس قدر بے معنی بات ہو؟ ایسی ہی غلطیاں ہیں جن کی وجہ اسلام کی صورتِ فیروز کی سطوروں میں شہتہ ہو گئی ہو۔ اور اس کی صاف اور روشن تعلیم پر طرح طرح کی بدگمانیاں اور غلط فہمیوں کے پڑے پڑے ہیں۔

اصل سوال کا جواب

اصل مسئلہ کے متعلق جن نقطوں میں سوال کیا گیا ہو، اس کا جواب بغیر کسی تاخیر کے یہ ہے کہ نہ تو اسلام کا یہ قانون جو اور کوئی ایسا قانون اسلام کا قانون ہو سکتا ہو۔

سوال کے الفاظ یہ ہیں:

”کیا واقعی اسلام کا یہ قانون ہو کہ جو شخص حضرت بانی (دعا) اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً قتل کر دینا چاہئے؟ اور جس مسلمان کے سامنے وہ ایسا کرے، اس کا مذہبی فرض ہو کہ اسی وقت اس کا سر اڑا دے؟“

جواب یہ ہے کہ قطعاً نہیں اور تفصیل اس کی اوپر گزری چکی۔

البتہ مسئلہ کی ایک بالکل دوسری قسم کی صورت ہو، اور وہ بلا شبہ فقہ اسلامی کے قوانین میں موجود ہے۔ وہ صورت یہ تھی کہ اگر ایک ذی (غیر مسلم باشندہ) اپنے غصب کے مجوزانہ تعصب کی وجہ سے، یا مسلمانوں کے بغض و عداوت کی وجہ سے، یا حکومت کی تحقیر و تذلیل کے لئے ایسا رویہ اختیار کرے کہ بغیر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں سب و شتم کرنے لگے۔ یعنی گالیاں بجنے لگے۔ یا اس طرح کی بدزبانی کرنے لگے جو صریحاً سب و شتم کا حکم رکھتی ہو، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ فقہاء کی ایک جماعت اس طرف تھی کہ اس طرح عمل کے بعد اس کا ذمہ و عہد باقی نہیں رہا۔ یعنی اسلامی حکومت نے اسے جس باہمی سلوک کے ساتھ یہ ہر طرح کے شرعی حقوق اور مذہبی آزادی بخشی، اور اس کی جان و مال کی حفاظت کی و تہدار ہوئی تھی، وہ خود اسی کے طرف سے شکست ہو گیا، اس لئے اس کو قتل کرنا چاہئے۔ دوسری جماعت اس طرف تھی کہ اس کی یہ سب و شتم سخت نہیں ہوتا۔ اس لئے قتل کی سزا نہیں دی جاسکتی البتہ عدالت کو اختیار ہو کہ وہ مصلحت کے مطابق ایسی کارروائی کرے جس سے اس کا شہ باب ہو جائے۔ پہلی رائے حضرت امام مالک، امام احمد، اور امام شافعی کی (کتاب الفہم) میں ہے۔ دوسری رائے حضرت امام ابوحنیفہ کی ہے اور حنبلیہ شافعیہ میں سے بھی ایک جماعت اسی طرف تھی ہے۔

جو فقہاء اس طرف تھے کہ اس صورت میں قتل کرنا چاہئے، انہوں نے جن حالات میں اور جن وجوہ کی بنا پر ایسا حکم تجویز کیا، ضروری ہو کہ ٹھیک طور پر اسے سمجھ لیا جائے۔ لیکن اس کی وضاحت اُس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی، جب وقت تک کہ یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ ایسی حکومت میں غیر مسلموں کی حیثیت کیا قرار دی گئی تھی، اور شرعاً ذمہ اور ”ذمی“ سے مقصود کیا ہے؟ مختصر نقطوں میں اس کی تشریح حسبِ ذیل ہے:

اسلامی حکومت اور غیر مسلم

چھٹی صدی مسیح میں جب اسلام کا ظہور ہوا، تو مذہب و اعتقاد کا اختلاف انسانی قتل و غزوی کا سب سے بڑا باعث تھا۔ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہ تھی جو حکومت کا اقتدار حاصل کر کے دوسرے مذہب کے پیروں کے ساتھ انصاف کر سکتی ہو جس مذہب کے پیروں و طاقت و حکومت حاصل کر لیتے تھے، وہ اپنے مذہب کے ہوا اور کسی مذہب کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ رومیوں کی قوم اس عہد کی سب سے بڑی تمدن قوم تسلیم کی گئی ہے، لیکن ان کا بھی یہ حال تھا کہ حکومت تک اپنے قدیم مذہب پر قائم رہی، یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے امن نہ تھا۔ جب یہ بھی مذہب قبول کر لیا، تو تمام غیر مسیحی رعایا و مذہبی اور مذہبی

فوجیت نہیں لکھا، جو فوجیت اسلام کے شرعی واجبات و فرائض کی ہے، اور چونکہ اس طرح کی تغیر طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا کر دیتی ہو، اس لئے چاہئے کہ تغیر و بیان میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ بہتر اور واضح تغیر اس طرح کے قوانین کے لئے یہ ہے کہ انہیں اسلامی حکومت کے قانون سے تعبیر کیا جائے۔ یا ان کو کہا جائے کہ فقہ اسلام نے اس طرح کا قانون قرار دیا تھا۔

(۲) دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے قوانین اس باب سے میں کچھ ہی کیوں نہ ہوں، لیکن کیا بحالتِ موجودہ ان کا ذکر موزوں اور بر محل ہو سکتا ہے؟ کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے کہ اس قسم کے مواقع پر ان کا حوالہ دیا جائے اگرچہ وہ حوالہ حکومت کے مقابلہ میں کیوں نہ ہو؟ مجھے بغیر کسی تاخیر کے اس کا جواب بھی میں دینا ہے۔ میرے خیال میں جن لوگوں نے اس موقع پر اس قانون کا حوالہ دیا، انہوں نے نہ صرف ایک غیر ضروری بات کہی، بلکہ بے محل اور غیر متعلق بات کہی، اور جب کبھی کوئی بات بے موقعہ اور غیر متعلق کہی جائے گی، تو یقیناً طرح طرح کی غلط فہمیوں اور پیچیدگیوں کی باعث ہوگی۔ مصلح کار اور مصلح وقت کے مطابق نہ ہوگی۔ خود اسلام کے شرعی ادب و حکم و انتہا کے بھی یہ خلاف ہے کہ غیر علی اور غیر دینی صورتوں کا ذکر کیا جائے۔ یہ جو آئمہ سلطنت کی نسبت جا بجا منقول ہو کہ بعض دقیقہ سنجان فقہ کی ایسی کاوش ناپند کرتے تھے جن میں غیر دینی صورتیں پیدا کر کے ہمیش کی جاتی تھیں، تو اس کا بھی مطلب یہی تھا۔ کہنے کے لئے ہر موقع پر ہزاروں باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک ایسی قانون پر کیا موقوف ہے؟ سیکڑوں قوانین دوسرے وقتوں اور حالات کے کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ لیکن یہ تو نہیں ہونا چاہئے کہ ہم ہندوستان کی موجودہ زندگی میں ان کا بغیر کسی مناسبت کے حوالہ دیتے پھریں۔ خود اسلام کا نظم شروع یہ ہے کہ ہر موقعہ اور حالت کا جو حکم ہو، وہی وقت کا اہل حکم ہوگا۔ اُس کے خلاف جو کچھ ہو، وہ وقت کا حکم نہیں ہو۔ پس جب ایک بات موجودہ حالت سے شرعاً متعلق ہی نہیں لگتی، تو اس کا ذکر کرنا اور اسے بنا کر قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

یہ ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی کے جس قدر تغیری قوانین غیر مسلموں کے متعلق ہیں، وہ سب ایک خاص قسم کی صورت حال سے تعلق رکھتے تھے۔ یعنی یہ کہ اسلامی حکومت ہو، اس لئے غیر مسلموں کی حفاظت جاتی ال کا ذمہ لیا ہو، اور ذمیوں کے متعلق جو معاملات پیش آئیں، ان میں اسلامی عدالتیں اپنے احکام نافذ کر سکیں۔ لیکن اب اس سے وہ صورت حال باقی ہی نہیں ہے۔ نہ تو ہندوستان میں اسلامی حکومت ہے۔ نہ شرعی ذمہ ہے۔ اور نہ ذمی ہیں۔ پس فی الحقیقت ان قوانین کا موجودہ حالات سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ غیر مسلموں کو کس معاملہ میں سزا دی جائے اور کس میں نہیں دینی چاہئے؟ یہ بات تمام تر اس اصل پر مبنی تھی کہ اسلامی حکومت نے فتح یا معاہدہ کے بعد غیر مسلموں کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اور انہیں خاص شرائط پر ہر طرح کے شہری حقوق عطا کر دئے تھے۔ چونکہ حکومت نے ذمہ لیا تھا، اس لئے یقیناً اسے یہ حق بھی حاصل تھا کہ اپنے قوانین و عدالت کے ذریعہ ان کے معاملات کا فیصلہ کرے، اور اگر وہ ظلم و تعدی پر آرائیں تو انہیں سزا دے۔ لیکن اگر اسلامی حکومت موجود نہیں ہو، اور غیر مسلموں کا ذمہ باقی رہا ہو، تو چاہے کہ یہ تمام قوانین یک ظلم و غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ ذمہ ہی باقی نہ رہا جس پر تغیر و ریاست کے تمام قوانین مبنی تھے، اور حکومت ہی باقی رہی جسے عدالتی نظام کے ذریعہ سزا دینا تھا کہ نہ کرنے کا حق تھا۔ پس موجودہ حالت میں ان قوانین کا ذکر کرنا، اور انہیں اسلامی قانون، اسلامی قانون کہنا

صرف اسی حالت میں قابلِ عمل ہو سکتے ہیں جبکہ کوئی اسلامی حکومت موجود ہو، اور وہ اپنی عدالتوں میں انہیں نافذ کرے۔ اسلام نے احکام و تقاضا پر درجہ آج کل کے اردو اخباروں کی زبان میں مدعا کارروائی، کہنا چاہئے، اس قدر زور دیا ہے کہ شاید ہی اس حد میں دنیا کی کسی قانونی حکومت نے اس قدر زور دیا ہو۔ اسلام کا نظم سیاست یہ ہے کہ ”جرم“ اور تغیر، ایک ایسی چیز ہو جس کی تشخیص اور حکم بر محل میں صرف عدالت ہی کے ہاتھ میں ہو۔ عدالت کے ہوا کوئی نتیجہ جسے کسی انسان کو ”جرم“ قرار دینے، اور ”سزا“ دینے کا اختیار ہو۔ عدالت سے بھی مقصود محض کوئی خاص عدالتی منصب نہیں ہے۔ بلکہ ساعت، شہادت، اور تحقیق و حکم کے وہ تمام مراتب ہیں، جن کے مطابق حاکم عدالت کو کارروائی کرنی چاہئے۔ اگر کسی معاملہ میں یہ تمام عدالتی کارروائی نہیں ہوئی ہو، تو خلیفہ وقت کو بھی اختیار نہیں ہے کہ اپنے علم اور مشاہدہ کی بنا پر کسی جرم کو سزا دے۔ اگر خلیفہ وقت کے ذاتی علم و مشاہدہ میں کسی شخص کا کوئی جرم نہ ہو، تو اس کی حیثیت محض ایک مذکورہ یا گواہ کی ہوگی۔ اسی حیثیت سے اسے عدالت کے سامنے کھڑا ہونا چاہئے۔ یہ عدالت کا کام ہے کہ اس کے دعوے یا گواہی کی بنیاد پر قائل کرے۔

موجودہ زمانے کی قانونی اصلاحات میں بہت زیادہ زور اس پہل پر دیا جاتا ہے کہ عدالتی اختیارات انتظامی اختیارات سے علیحدہ کر لئے گئے ہیں۔ یعنی جو قوت ”سزا“ دینے کا اختیار رکھتی ہو، ”جرم“ قرار دینے کا اختیار نہیں ہو، اور اس کی ایک نئی اصلاح نے حاکمانہ اور شخصی نا انصافیوں کی بے شمار راہیں بند کر دی ہیں۔ بلکہ یہ ایک عظیم اصلاح ہو لیکن دنیا کو معلوم نہیں کہ ساتویں صدی مسیح میں جبکہ دنیا کے سب سے بڑے تمدن ملک روم کے قوانین کا یہ حال تھا کہ ایک ہی شخص جہتِ مجرمت کے لازم پر الزام بھی بائد کرتا تھا اور جہتِ نجات کے اسے سزا بھی دیدیتا تھا اسلامی حکومت میں نہ صرف عدالت کے اختیارات انتظامی مناصب سے الگ تھے، بلکہ اسلامی عدالتوں کو وقت کے حاکموں، گورنروں اور خود پادشاہوں پر بھی حکم دینے اور بار وود عایت سزا تجویز کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ دنیا ہی اختیار، جیسا اختیار وہ ایک ظالم باشندہ ملک کے لئے سزا تجویز کرنے کا رکھتے تھے۔

اسلام نے تغیر و ریاست کے باب میں عدالت کے نظام کو جہتِ اہمیت دی ہے، اس کا اندازہ صرف اس بات سے کر لیا جاسکتا ہے کہ مسلمان قانون سازوں میں ایک بڑی جماعت اس طرف تھی کہ جو کوئی ایسا نہ ہو کہ اور غلام کو بھی بطور خود سزا نہیں دے سکتا، اگرچہ قصور کہنا ہی بڑا اور سزا لگتی ہی ہوتی ہو۔ اسے چاہئے کہ باقاعدہ عدالتی سزا دے دیتی کرے!

ظاہر ہے کہ تغیر و سیاست کے باب میں جس قانون کا یہ حال ہو، کیونکہ اگر کیا جاسکتا ہو کہ وہ عدالتی اور انتظامی نظام کے علاوہ کسی حال میں بھی سزا کا دینا جائز رکھ دیتا ہو۔ خصوصاً قتل کی سزا جہاں انتہائی سزا ہو؟ آج اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود ہو، اور غیر کسی ادنیٰ تغیر کے وہی قوانین سیاست نافذ ہوتے جو ساتویں اور آٹھویں صدی مسیح میں دمشق اور قندھار کی عدالتوں میں نافذ تھے، اور ایسا ہوتا کہ ایک مسلمان ایک مسیحی (غیر مسلم شہری) کو قتل کر دیتا تو یقیناً وہ اسی طرح قتل عداک جرم قرار دیا جاتا، جس طرح دنیا کی تمام عدالتوں کے نزدیک قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی مسلمان یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ اسے ایک غیر مسلم انسان کا خون بہا کر اسلام کا کوئی مقدس فرض انجام دیا ہو۔

فرحان تغیر و ریاست کے قوانین کا اسلامی قانون

دہلی کے نامی اور نامور مشہور مقبرہ مقبول خاص عام اسم بستی

ہمدرد و خانہ یونانی دہلی کا

عید المثال نادو الیوم سرائی تحفہ

تار کا کافی پتہ

”ہمدرد، دہلی“

ماہ الحکم دوا آتشہ

زندگی جیسی غیز اور پیاری چیز جو وہ ظاہر ہو لیکن تندہی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے طاعت بلکہ بیکار ہو۔ تندہی ہزار نعمت ہے۔ تندہی ہو تو ب کچھ ہو۔ اگر آپ کو تندہی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشیدہ کیا ہوا مارا الحکم استعمال کیجئے اور ہری میں شاب کا لطف اٹھائے یہ امر تو مسلم ہو کہ مارا الحکم مقوی اور صحت بخش ہے، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا بنگھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا مارا الحکم خصوصیت کے ساتھ پردل کو جوان اور جوانی کو نوجوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطور خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شہنشاہ الملک بہادر غفران تاب میں اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب مہرح نے بغرض رفاد عام ”ہمدرد و خانہ“ کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ مارا الحکم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر مستحبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ پہلے کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیاہی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض آدمی ہم کو اپنی کچی ہمدی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

مارا الحکم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے ٹھکائے اور آزار سے اجتناب بنادے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ شک آنت کہ خود بویہ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہے ہمارے اسکے چند اہم کے حلے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوا میں اس دوا خانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست

۱۰۰ روپے سے زائد ہر قسم کی دوا طلب فرمائے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ ”مہجر ہمدرد و خانہ یونانی دہلی“

مہجر ہمدرد و خانہ یونانی دہلی



جلد آرڈر دیجئے
سونے کی چوڑیاں

زبردست رعایت

یعنی

تین روپے کے بجائے سوار روپیہ میں

ہم نے مال کی نکاسی کی غرض سے ان چوڑیوں کی قیمت میں خاص رعایت کر دی ہے۔ کیونکہ ہم براہ راست مال منگاتے ہیں اس لئے یہ رعایت کی گئی ہے یعنی جملے تین روپیہ فی سٹ کے سوار روپیہ فی سٹ۔ یہ چوڑیاں خلی کی صورت میں بنائی گئی ہیں انکے اندر لیشی رنگین چوڑیاں آجاتی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین ہیرے بجا ہوتے ہیں انکے اندر جڑے گئے ہیں صنعت نازک کے لئے عجیب تحفہ ہے اور سوار روپیہ فی ڈھائی سو روپیہ کا کام نکالا جاسکتا ہے۔ ہر سوار کی موجود ہیں۔ ناپ ہندو دوا کریں۔ قیمت فی سٹ ۱۲ عدد سوار روپیہ (پیر) محصول ۹۔ ایکٹ جلد خط و کتابت بھکرین۔ نمونے کے لئے دوائے (۲) کا کٹ آنا ہے۔ ملنے کا پتہ۔ بی کے برادرین اینڈ کو نمبر ۹ دہلی

مشورات کے لئے بہترین تحفے

چوڑیاں : یہ نہایت خوبصورت نازک اور نقش چڑیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ ان کے اندر رنگین لیشی چوڑیاں ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین ہیرے یا توہم اور پکراج کے نیچے جڑے گئے ہیں۔ ہر سوار استعمال کیجئے۔ لیکن رنگ و رنگ میں ملن فرق نہیں آتا۔ نہ سیاہی دیتی ہیں۔ مشورات کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ صرف ایک روپیہ میں ۱۰۰ روپیہ کا کام نکالا جاسکتا ہے دوسرے لوگ بھی چوڑیاں ڈھائی روپے کی ۸-۸ فروخت کرتے ہیں لیکن ہمارے زیادہ بکری اور تھوڑے منافع کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے قیمت بہت کم کر دی ہے۔ یعنی بارہ چوڑیوں کا سٹ قیمت صرف ایک روپیہ اس شرط پر کہ انکے ایک سٹ ضرور نکالے۔ کو اگر ناپسند ہوں تو واپس کر کے دام لے لیجئے۔ ہر سوار کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں دوا فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائے۔ اگر اشاک ختم نہ ہو جائے۔

گولڈن انگوٹھیاں : ہر ناپ کی تعداد نہایت نفیس اور خوبصورت انگوٹھیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ خالص سونے کی انگوٹھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں نکلتی۔ ایک انگوٹھی میں یہ انگوٹھی پہنئے۔ اور ایک میں خالص سونے کی۔ اگر سچان لے۔ تو ہمارا ذہن کسی جوہری صراف کے پاس لے جائے۔ وہ بھی فوراً شناخت نہیں کر سکے گا۔ اگر آپ کو انگوٹھی کی ضرورت ہو۔ تو آپ کہیں ناحق ۲۵-۳۰ روپے منافع کرتے ہیں، کیوں نہیں صرف ایک روپیہ میں کام لیتے ہیں۔ قیمت فی عدد ایک روپیہ۔ تین کے لئے ڈھائی روپیہ (پیر) خط و کتابت کا پتہ۔ مہجر زمانہ کاروبار لاہور

برص سفید داغ ۱۲ گرامین حطیے غائب، درہ پوری حیت واپس۔ اقرار نامہ دیکھیں کہ یہ خوراک بھلی بھلا اور ایک شیشی رومن بجا چوڑے ۲۱ روز کا کافی قیمت مخرج سات روپیہ تیرا نہ (پیر) ۱۰ روپے منافع ہر سوار درجہ (پیر)

انیم چھڑانے کی بے نظیر گولیاں جن کے استعمال سے صحت و صحت ملی آسانی سے ہم چھڑکے ہیں ایک پیر ہمارے علی کے لئے بھر گئی گولیاں کافی ہوتی ہیں۔ بے کاپہ حکیم محمد عمر اینڈ سنز۔ موگا۔ منٹل فیروز پور پنجاب

اعلان

قارئین الملال کے لئے

(۱) پہلے اعلان کیا گیا تھا کہ نمبر ۲۲ پر الملال کی پہلی شش ماہی جلد ختم ہو جائے گی۔ لیکن بعد کو خیال ہوا کہ اگرچہ نمبروں کے حساب سے یہ اعلان غلط تھا، لیکن نمبروں کی تعداد کے لحاظ سے اس نمبر کی گنجائش ہو۔ اگر سال کی دو تقییلین صغ کردی جائیں (جیسا کہ ہمیشہ ذکر الملال کا قاعدہ تھا) تو اس صورت میں بھی سال بھر کے ۵۰ نمبر ہونے چاہئیں۔ نہ کہ ۴۸۔ بہر حال دفتر نے ارادہ کر لیا کہ پہلی جلد کا اختتام نمبر ۲۲ پر نہیں بلکہ ۲۵ پر کیا جائے، اور اس طرح خریدار الملال کی حق تلفی کا کوئی اندیشہ باقی نہ ہو۔ چنانچہ یہ نمبر بھی پہلی شش ماہی جلد کے سلسلہ میں بھیجا جا رہا ہے۔ جن حضرات نے نئی جلد کے لئے دی۔ پی کی درخواست کی ہو، ان کا نیا حساب اس نمبر میں بلکا شدہ نمبر سے شروع ہوگا۔

(۲) لیکن الملال کی نئی شش ماہی جلد کے آغاز کے لئے یہ صورت موزوں نہیں معلوم ہوئی کہ دسمبر کی ایک درمیانی تاریخ سے اس سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس طرح نمبروں کا حساب ہمیشہ بے ترتیب رہتا، اور ہر سال کی ابتدا سال کے وسط کے، ایک درمیانی تاریخ سے جلد شروع ہوا کرتی۔ پس یہی مناسب معلوم ہوا کہ آئندہ جلد کی ابتدا جنوری سے کی جائے۔ جنوری سے جون تک، اور پھر جولائی سے دسمبر تک، ہمیشہ شش ماہی اختتام و آغاز ہوتا رہے گا، اور حساب میں کسی طرح کی بے ترتیبی باقی نہیں رہے گی۔

دسمبر میں جمعہ واقع ہونے ہیں۔ آخری جو تقییل کا تھا۔ اس لئے اگر یہ دفعہ اختیار نہیں کیا جاتا تو دو نمبر اور ہتھتے۔ اب یہ دو نمبر نہیں نکلیں گے۔ جنوری کے پہلے جمعہ سے جو، کرواق ہوگا، نئی شش ماہی جلد کا سلسلہ شروع ہوگا۔

(۳) اس دفعہ کے اندر طبع کو زیر انتظامات کی تکمیل کا بھی قیام مل جائے گا جو پیش نظر ہیں، اور جن کی وجہ سے نئی شش ماہی سے الملال کے ترتیب مضامین اور جن طباعت میں متعدد نئی تبدیلیاں نظر آئیں گی۔ اور چند نمبروں سے الملال کی طباعت خصوصاً انصاف کی تعداد طباعت میں جو ترقی ہوئی ہو، امید ہے کہ قارئین الملال نے محسوس کر لی ہوگی۔ یہ اب مطبع الملال کا ذاتی انتظام ہے، جسکی وجہ سے ہلاک کے لحاظ تمام دفعیہ کے بھی بہتر بننے لگے ہیں، اور انکی چھاپائی بھی خاص طریق طباعت اختیار کر لینے کی وجہ سے زیادہ نمایاں اور خوش نما ہو گئی ہو۔ امید ہے کہ عنقریب بقیہ انتظامات کی تکمیل ان تمام چیزوں میں فریادہ رفت داہتمام پیدا کر دیگی۔ "میز الملال"

اعلان ۲

(۱) مجھے ندامت کے ساتھ اس کا اعتراف ہے کہ الملال کی اشاعت کے وقت صورت حال کا جو اندازہ کیا تھا، وہ کئی اعتبار سے صحیح ثابت نہیں ہوا۔ سب سے زیادہ مجھدی محبت کی طرف سے پیش آئی ہیں۔ نے جب جب ارادہ کیا کہ الملال کے کافی وقت نکالوں، صحت کی فوری ناسوانقت دا منگیر ہوئی، اہم اہم اٹھا کر ہر جگہ جانا پڑا۔ (۲) میں ان دوستوں کا خصوصیت کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں جو

ہو جس میں خود فقہار کی رائیوں میں اختلاف تھا۔ ایک جماعت نے اسے تحریر کیا ہو۔ دوسری کو اس سے اختلاف ہو۔ پس یہ فقہار کا بھی کوئی متفقہ فیصلہ نہیں ہے۔

(۲) جو جماعت اس رائے کی طرف گئی کہ مقل کرنا چاہئے، اسنے جن حالات میں یہ بات تجویز کی تھی، انھیں پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی نصف مزاج انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مذہبی تعصب کا کوئی مجوزانہ حکم تھا۔ یا اس سے مقصود یہ تھا کہ محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے خدا کے بعدوں کا خرفیہ ہلایا جائے۔

(۳) علاوہ بریں یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ اس قانون کا ذکر کرتے ہوئے "توہین" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ "توہین" کا لفظ بہت زیادہ عام ہے۔ بہت سی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن سے ایک شخص کے خیال میں توہین نکلتی ہو۔ دوسرے کے خیال میں نہ نکلتی ہو۔ اسی لئے فقہاء نے اسے "سب" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "سب" کے معنی صریح گالی دینے کے ہیں، یا ایسے الفاظ کہنے کے ہیں جو ہنر کو دشنام دینا ہوں، پھر جو کچھ بھی ہو، یہ قطعی ہے کہ اس قسم کے قوانین اور ان کی مجسوں کو موجودہ حالت سے کوئی دور کی مناسبت بھی نہیں جیسا کہ مقدمات میں گر چکا۔

(۵) باقی رہی وہ صورت حال جو اس قانون کے تذکرہ کا باعث ہوئی، تو اس کا خیال یہ ہے کہ وہ زمانہ قلم اور پریس کی آزادی کا زمانہ ہے۔ بسا اوقات اس آزادی کا استعمال غلط طریقہ پر کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے بعض مذہبان کی ششوں نے اسلام وغیرہ اسلام کے خلاف اس قسم کی کتابیں لکھ کر شائع کیں جن کی ایک سطر بھی جذبا اور بغیرہ لکھ سکتی نہیں تھی جاسکتی۔ ان کے بعد آریا سماج کے نئے ششوں نے۔ ان میں سے بھی بہتوں نے مذہبی تحقیق اور بغیرہ لکھنے کی جگہ انھیں کا نقش قدم اختیار کیا۔ "زنگیلا رسول" نامی رسالہ بھی اسی قسم کی ایک انقلابی موت تھی۔ یقیناً حکومت اور قانون وقت کا فرض ہے کہ اس قسم کی جلازار تحریروں کی اشاعت جائز نہ ہو، اور جلازہ نہ لکھ سکتی اور مذہبی دلا زاری میں اختیار کرے، لیکن میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ طریق عمل پسند نہیں کر سکتا کہ مسلمان اپنی طبیعت پر اندازہ کی بنائیں، کہ جہاں کسی طوطے کو بونٹے نے ایک چار دوری رسالہ چھپا کر شائع کر دیا، ایک سرے سے لیکر دھڑلے سے سر تک تمام مسلمانوں کو ڈر دایلا پچا پچا شروع کر دیں کہ اسلام کی کشتی غرق ہو گئی، اور تحفظ ناموس رسول کا سوال پیدا ہو گیا۔ تو ذرا اندر، اگر حنیہ جاہل اور کو چشم انسانوں کے جو اس کر دینے سے "ناموس رسول" کی حفاظت کا مولو پیش آئے۔ اسلام اور مسلمانوں کے لئے یہ کوئی مصیبت ہے۔ ایسا سمجھنا اسلام کی عزت و شرف اور مسلمانوں کی مذہبی خود داری کو اس درجہ خلاف ہے کہ میں سمجھ نہیں سکتا، کیونکہ ایک مسلمان اس کا تصور بھی کر سکتا ہو؟ اس قسم کا ایک رسالہ کیا معنی اگر ایک ہزار یا ایک لاکھ رسالے بھی چھاپ پائے جائیں جب بھی لکھو یا اسلام اور داعی اسلام کے ناموس کے تحفظ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جس طرح ہمیشہ بری زبان اور برے اخلاق کے لوگ موجود ہیں، اب بھی موجود ہیں۔ اگر ان کی تحریروں میں کوئی ایک سطر بھی ایسی موجود ہے جس میں کوئی سفیدہ عراض کیا گیا ہو، تو چاہئے کہ اس کا جواب دیدیا جائے۔ باقی جس قدر بد زبانی ہو، وہ بیکر کا لائے جبر لیخ کا ذوق انہی کے لئے چھوڑ دینی چاہئے۔



نہا

زیادہ تر میرے خاص مضامین کے شوق میں، الملال کی دقت کرتے تھے، تاہم انھوں نے دشتہ انتظار ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور بار بار مطالعہ جاری رکھا۔ اگر میرے خاص مضامین کی قلت نہ رہی ہوتی تو بہ حقیقت مجموعی الملال کے مضامین کی کثرت اور تنوع کا جو اندازہ کیاں طور پر برابر قائم رہا ہو، وہ اس کے لئے کافی تھا کہ میں اس موقع پر حضرت کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔

(۲) بہر حال ان دوستوں نے محسوس کر لیا ہوگا کہ جو بھی بیادری سے مجھے تھوڑی بہت مہلت ملی، میں نے الملال کے لئے لکھا شروع کر دیا، امداد امید ہے کہ توفیق الہی سے یہ سلسلہ فرید ترقی و توجہ کے ساتھ جاری رکھ سکوں گا۔ انموس ہے کہ وقت کے حالات و مسائل کے متعلق بے شمار ضروری باتیں شرح و بسط کے ساتھ لکھنی تھیں جو نہ لکھی جاسکیں۔ اب اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ جو کچھ ماضی میں نہ ہو سکا، اس کے لئے مستقبل کی طرف نظر اٹھائی جائے!

(۴) مجھے چند الفاظ الملال کی موجودہ قیمت کی نسبت بھی کہنے ہیں۔ سلاطین الملال کی قیمت بارہ روپیہ سالانہ اور سات روپیہ شش ماہی تھی۔ سلاطین الملال بظاہر، تو اس کی قیمت بھی یہی تھی۔ یہی قیمت اس مرتبہ بھی رکھی گئی۔ لیکن دونوں حالتوں میں جو عظیم فرق ہو چکا ہو، وہ شایعیت کم لوگوں نے محسوس کیا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں مختصر طور پر اس کی تشریح کر دوں۔

سلاطین (یعنی جنگ سے پہلے) چھاپائی کے تمام مصارف، موجودہ مصارف کے مقابل میں نصف سے بھی کم تھے۔ جنگ کے بعد سے جس طرح تمام چیزوں کی قیمت دو گئی سب گئی ہو گئی ہیں سلاطین طباعت کی بھی ہو گئی ہیں۔ سلاطین الملال جس میں پچھتا تھا، اس کی قیمت ۶ ہزار روپیہ تھی۔ اب بارہ ہزار ہے۔ سلاطین الملال کے لئے جو کا غذا استعمال کیا جاتا تھا، اسکی قیمت تین روپیہ فی یوم تھی۔ اب اسی کا غذا کی سات روپیہ ہے۔ روشنائی جو اسوقت لگائی جاتی تھی، ڈیڑھ روپیہ فی یوم سے زیادہ نہ تھی۔ اب وہی روشنائی ۴ روپیہ میں آتی ہو۔ اسوقت سینئر کمپوزیٹروں کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ ۲۰ روپیہ ماہوار تھی۔ اب اس تنخواہ میں کوئی جویر بھی نہیں مل سکتا۔ تصویروں کے ہلاک اسوقت ۴ اسکو اڑا رخ میں ہتھتے تھے اب انہی کی اجرت کچھ اندر سے بھی زیادہ ہو۔ لیٹرو کی چھاپائی میں کتابت کی اجرت اسوقت ۴۔ ۵ روپیہ جو سے زیادہ نہ تھی۔ اب اس روپیہ کی اجرت بھی اچھے خوشنویسوں کے لئے زیادہ نہیں ہے۔ ایسی حالت میں بہ آسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ الملال کی قیمت سلاطین قرار دی گئی تھی، وہ سلاطین کیونکر موزوں ہو سکتی ہو؟ بیجا نہ تھا اگر اب بارہ روپیہ کی جگہ ۲۴ روپیہ قیمت رکھی جاتی لیکن مناسب معلوم نہ ہوا کہ سابق قیمت میں کسی طرح کا اضافہ کیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اتنی وسیع اساعت رکھنے پر بھی جو اسوقت کسی اور دفعہ کی نہ ہوگی، اب تک اس کے مصارف ادا آمدنی کی میزان سادی نہ ہو سکتی!

یہ بھی یاد ہے کہ سلاطین میں اس کی ضخامت عام طور پر ۱۶ صفحوں کی ہوتی تھی۔ اور اب کم از کم ۲۴ ہے۔ یہ چند سطریں اس لئے لکھی گئیں کہ اگر بعض حضرات خیال کرتے ہیں کہ وہ ۱۲ روپیہ سالانہ یا ہر فی چھ قیمت دیگر الملال کے ساتھ کوئی قیامتہ سلوک کر رہے ہیں، تو امید ہے کہ اپنے اس خیال میں نظر ثانی کرنے سے انکار نہ فرمائیں گے!

ابوالکلام

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گمراہ گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟
ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملکِ معظمِ برطانیہ اور ان کے کتب خانہ قصر کے لئے کتابیں ہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں
شائع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشہ
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں ہر چھ ماہ
کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہو کر آتی ہے

ان تمام صحاب کے لئے

جو
قیمتی متن و صنعت کی قیمتی آثار کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام
I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویروں، پُرانے سکہ،
اور نقوش، پُرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی،
عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش
گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے
ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی معارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بائیں ہمہ

قیمتیں قجب انگیز مہدک اُرداں ہیں!

بر عظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے
رہتے ہیں۔ قارئین کے لئے ایوان شاہی کے نوادر بھی حال میں ہم تک فراہم ہو رہے ہیں

اگر آپ کے پاس فی اور موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت
مکمل ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے بل سکے

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اس وقت

دنیا کا بہترین فائنٹن قلم

امریکن کارخانہ شیفر

کا

”لائف ٹائم“

قلم ہے؟

(۱) آسان سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نہ لکھتا یا پیچیدہ

ہونی کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) آسان مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو اپنی زندگی بھر

دے سکتا ہے

(۳) آسان خوبصورت، ہنسرخ اور سنہری پیل بولوں

زین کہ آسان خوبصورت قلم دنیا میں

کوئی نہیں

کم از کم تجھے کچھ

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان قلم لیں تو آپ کو

”شیفر“ کا

”لائف ٹائم“

لینا

چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں

تو

یاد رکھئے

آپ کو ایک مستند اور آخرین ہٹا

گائیڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سٹیٹوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، قصبوں

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ

آپ کو مطلع کر دے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیا سکیں جن

کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے ایسی

کمل گائیڈ بک

ڈنلاپ گائیڈ بک گریٹ بریٹن

The Dunlop Guide
To Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے

ریلوے اسٹیشنوں کے بک شال میں مل سکتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر مسلمانوں میں شائع ہونے لگی تھی جب
ہندوؤں میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی
دوسے سجدہ کن اعتراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام
کی روحانیت نے کس طرح ایسی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا اختیارہ
نہایت تمام نوع انسان پر کھول دیا ہے؟ قیمت بلکہ آٹھ (۸) روپے
(منیر الملک لکھنؤ)

اگر آپ کو

دوست

ضیق نفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹن

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لندن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپکر یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اس کے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین دھنما:

ٹائمز آف لندن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور رفیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز آف لندن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میروں کو خشک کرنے اور پہلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجئے۔

یاد رکھیے

میروں، توکڑیوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کر کے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمسک ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق نظام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام برے برے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھروپی سی محنت اور تھروزا سا سرمایہ لیکر ایک رفیع کاروبار شروع کر دیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھڑیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھروزا سا وقت خرچ نہ کر کے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کر لیں، تو آپکر چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں، خط و کتابت کے بعد ہی آپکر معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مفید کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.



Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE, CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.